اورینٹل کالج میگزین

جلد ۶ ـ (۲)

مجموعی سلسلہ نمبر (۲۲)

بابت

فروری سنہ ۱۹۳۰ء

حصہ اوّل

چیف ایڈیٹر

مولوی محمد شفیع ایم۔ اے

مطبع کریمی لاہور میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر چھپا اور بابو این این مترا

نے

اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

فہرستِ مضامین

تاریخ رزمیاتِ ایران

(مصنفہ پروفیسر نولڈکی)

بابِ سوم۔ شاہنامہ

فصلِ اوّل

دقیقی

دقیقی کے حالاتِ زندگی

شاہنامہ کو نظم کرنے کا سب سے پہلے دقیقی نے بیڑا اٹھایا۔ اسکی زندگی کے حالات بہت کم دستیاب ہوئے ہیں۔ اور وہ بھی سب صحیح نہیں[1]۔ وہ سامانی خاندان کے کسی بادشاہ کے دربار میں ایک برگزیدہ شاعر تھا۔ اگر وہ بادشاہ رجیسا کہ بیان کیا جاتا ہے، نوح بن منصور (۹۷۶ء - ۹۹۷ء) تھا۔ تو پھر اس سے نوح کا صرف ابتداء عہد مراد ہے۔ ایک غزل کے مقطع میں جہاں وہ حسب دستور اپنا تخلص لایا ہے۔ اور جسکی صحت میں شبہ کرنے کی

---

[1] دیکھو ایتھے کا مضمون پروفیسر فلائشر کے "یادگار نامہ" میں (طبع لیبزگ ۱۸۶۵ء) ص ۵۷'

کوئی وجہ نہیں اُسنے نہایت گرمجوشی کے ساتھ اپنے زرتشتی عقیدے کا اعتراف کیا ہے[1]۔ اس اعتراف کی تائید شاہنامے کے اس حصّے سے بھی ہوتی ہے۔ جسکا وہ مصنّف ہے۔ اور جس میں اُسنے زرتشت کی بعثت اور اس کے نئے مذہب کی حمایت کے لئے شاہ گشتاسپ اور اس کے سپاہ سالاروں کے غزوات کا حال بیان کیا ہے۔ اس میں زرتشت کو اُسنے صاف طور سے رسولِ خدا مانا ہے۔ دقیقی کو (جیساکہ اس کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے) قدیم ایرانی ادبیات سے کوئی علمی واقفیت نہیں تھی۔ اور نہ اسکو "دین بہ" یعنی زرتشتی مذہب) کی تعلیم اور عقائد سے بہرہ تھا۔ لیکن با این ہمہ وہ اس دین کی بدرجۂ غایت تعظیم کرتا تھا۔ فقط اتنی احتیاط وہ کرتا تھا کہ کوئی صریح بات اس کے قلم سے ایسی نہ نکل جائے۔ جو اسکے مسلم ناظرین کے لئے مذہبی دل آزاری کا باعث ہو ورنہ زرتشتی مذہب کو اسنے ویسا ہی معیاری مذہب مانا ہے۔ جیساکہ اسکے ذی مرتبہ پیرو (فردوسی) نے، لیکن برعکس اسکے بت پرستوں[2] کی مخالفت

---

[1] دیکھو اِتے ص ۵۸، جس غزل کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے۔ اسکا مقطع یہ ہے ؎

دقیقی چار خصلت برگزیداست | بگیتی از ہمہ خوبی و زشتی
لب یاقوت رنگ و نالۂ چنگ | می خون رنگ وکیش زردہشتی

لیکن مولانا شبلی اور پروفیسر براؤن دونوں اسبات پر متفق ہیں۔ اور بجا طور سے متفق ہیں۔ کہ دقیقی نے زرتشتی مذہب کو محض اس لئے سراہا ہے کہ اس میں شراب جائز ہے۔ نہ اس لئے کہ وہ مذہباً زرتشتی تھا۔ ۱۲ (مترجم)

[2] شاہنامے میں " بت پرست" کے معنے " بدھ مذہب کا پیرو" نہیں ہیں جیساکہ شپیگل

دجنکی مورتیوں کو اسفندیار نے جلایا ہے) بہ نسبت فردوسی کے دقیقی کے ہاں زیادہ شدید ہے۔ اس کے مذہب کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ امر ناقابل تصوّر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسکا نام (جیسا کہ تذکرہ نویس لکھتے ہیں) ابومنصور محمد بن محمد بن احمد یا ابومنصور احمد یا منصور بن احمد ہوگا۔ کیونکہ گو اس میں شک نہیں کہ زرتشتیوں نے معمولی طور سے عربی نام اختیار کئے ہیں۔ لیکن اسماء نبوی محمد یا احمد سے وہ یقیناً پہلوتہی کرتے رہے ہیں۔ فارسی شعراءِ متقدمین کے حالاتِ زندگی جو تذکروں میں پائے جاتے ہیں اعتماد کے قابل نہیں چنانچہ ایک تذکرہ نویس نے شاعر کی اپنی ذاتی شہادت کے ہوتے ہوئے اس امر کی تکذیب کی ہے کہ دقیقی نے اپنے زرتشتی ہونے کا اعتراف کیا ہے! اسی غلط بینی کا نتیجہ ہے کہ اس کے باپ اور دادا کی طرف ٹھیٹھ اسلامی نام منسوب کر دئے گئے ہیں۔ غرض یہ کہ ہم کو مطلقاً اسباب کا علم نہیں کہ شاعر کا اصلی نام کیا تھا کیونکہ "دقیقی" تو محض اسکا تخلّص ہے۔ ہاں اسکی کنیت "ابومنصور" شاید درست ہو۔

دقیقی کا وطن بھی یقینی طور سے معلوم نہیں۔ اور یہ قیاس کہ وہ طوس کا رہنے والا تھا۔ اغلب نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو فردوسی کچھ نہیں تو ایک آدھ مرتبہ تو ضرور اسکو اپنا ہم وطن کہتا۔ متاخرین کو یہ سہل معلوم ہوا کہ اس عظیم رزمیہ نظم کے دونوں شاعروں کو گنتے ہاتھ ایک

(بقیہ حاشیہ صہ۲) ۔ ... کا خیال ہے "بتان" کے معنے شاید مہاتما بدھ کی مورتیوں کے ... سکتے ہیں۔ لیکن فارسی شاعروں کو بدھ یا اسکے مجسموں کا صاف تصوّر کیا ہو سکتا ہے، اور عربوں کے زمانے کے شعراء متقدمین کو تو اور بھی کم ہوگا۔

ہی وطن کیطرف منسوب کر دیں - جو روایات دقیقی کی جائے پیدائش کو بخارا یا سمرقند بتلاتی ہیں وہ بھی کچھ قابلِ یقین نہیں - فردوسی کے بیان کے مطابق دقیقی بہترین قصیدہ گو تھا ؎

ستایندۂ شہریان بدی   بمدح افسر نامداران بدی

(شاہنامہ ص ۳۲۹ سطر ۲ [1])

سلطان محمود غزنوی کا درباری مورخ عُتبی اسکو اعلےٰ درجے کا نامور شاعر کہتا ہے [2] - فردوسی کے قول کے مطابق دقیقی نوجوانی ہی میں ایک غلام کے ہاتھ سے مارا گیا ؎

یکایک از وبخت برگشته شد   بدستِ یکی بنده برکشته شد

(شاہنامہ ص ۱۹ س ۲)

تذکرہ نویسوں نے اس کو زیادہ واضح کرکے لکھا ہے کہ وہ غلام ترک تھا - اور دقیقی کا منظور نظر تھا - جس نے رات کے وقت اس کو زخمی کرکے مارا - شاہنامہ کے دیباچۂ قدیم میں بھی یہی لکھا ہے - لیکن وہاں عشقیہ تعلق کا ذکر نہیں - یہ حکایت بہمہ وجوہ درست معلوم ہوتی ہے - کیونکہ دقیقی کی اپنی ایک نظم [3] کو دیکھنے سے بقیناً یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ہمارا شاعر اُس

---

[1] اس مضمون میں ہر جگہ شاہنامہ طبع آموزندہ شیرمرد پارسی (پونا ۱۹۰۶ء) کا حوالہ دیا گیا ہے ۱۲ مترجم

[2] وہ لکھتا ہے کہ "محمود کے درباری شاعر رودکی سے لطافتِ بیان میں اور خسروی اور دقیقی سے صناعتِ کلام میں سبقت لے گئے ہیں" (تاریخ یمینی برحاشیۂ منینی طبع مصر ۱۲۸۶ھ ج ۱ ص ۵۲)

[3] اس نظم کے آخری دو شعر یہ ہیں ؎

یاری گزیدم از ہمہ خلقان پری نژاد   زآن شد زپیش چشم من امروز چون پری

"خوئے بد" کا شکار تھا جسکا ایران میں ہمیشہ سے چرچا رہا ہے۔ اور جو وہاں کے با مذاق بزرگوں کے نزدیک ایک شریف جذبہ ہے۔

شاہنامے کا وہ حصہ جو دقیقی نے لکھا ہے

دقیقی کا ارادہ تھا کہ شاہنامہ کو نظم کا لباس پہنائے لیکن ابھی تقریباً ہزار شعر لکھنے پایا تھا کہ اسکی مدتِ حیات ختم ہو گئی[۱]۔ چنانچہ فردوسی کہتا ہے ؎

برو تاختن کرد ناگاہ مرگ — بسر بر نہادش یکی تیرہ ترگ
برفت او و این نامہ ناگفتہ ماند — چنان بخت بیدار او خفتہ ماند

(شاہنامہ ص ۱۹ س ۲ و ۴)

(بقیہ حاشیہ ص[۴])

لشکر برفت و آن بت لشکرشکن برفت — ہرگز مباد کس کہ دہد دل بہ لشکری

(لباب الالباب عوفی طبع یورپ ج ۲ ص ۱۲ - ۱۳) ۱۲ مترجم۔

(حاشیہ ص۵)[۱] دقیقی کے لکھے ہوئے یہ ہزار شعر شاہنامہ میں ص ۲۲۷ سے ص ۲۴۸ تک مندرج ہیں، ان میں سے پہلا شعر یہ ہے ؎

چو گشتاسپ را داد لہراسپ تخت — فرود آمد از تخت و بربست رخت

اور آخری شعر یہ ہے ؎

بدو باز خواند لشکرش را — گزیدہ سواران کشورش را

اس سے آگے کا شعر ؎

کنون ای سخن گوی بیدار مرد — یکی سوی گفتار خود باز گرد

اور پھر اور آگے کے چار شعر چھوڑ کر پانچواں شعر ؎

ز فردوسی اکنون سخن یاد گیر — سخنہای پاکیزہ و دلپذیر

دوسری جگہ دقیقی کی زبانی کہتا ہے ؎

زگشتاسپ و ارجاسپ بیتی ہزار بگفتم سر آمد مرا روزگار

(شاہنامہ ص ۳۲۷ س ۴)

فردوسی کے صریح بیان کے مطابق دقیقی نے نظم کا فقط وہ حصّہ لکھا تھا جو اسنے شاہنامہ میں محفوظ کر لیا ہے۔ دقیقی کو اپنے زرتشتی عقیدے کی وجہ سے طبعاً یہ امر زیادہ دلپسند معلوم ہوا کہ شاہ گشتاسپ کے حالات اور زرتشتی شریعت کے بیان سے اپنی نظم کا آغاز کرے۔ شاہانِ قدیم کی دُھندلی شخصیتوں نے اس کی توجہ کو اپنی طرف نہیں کھینچا حالانکہ اصل ماخذ کے شروع میں انہی کے حالات مذکور تھے۔ غالباً فردوسی نے بھی پیشتر اس کے کہ وہ بادشاہوں کے حالات کو ابتدا سے ترتیب وار شروع کرے۔ اوّل اوّل متفرق اجزا کو نظم کیا تھا۔ یہ تو ہم کو معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا دقیقی کا پورے شاہنامہ کو نظم کرنے کا ارادہ تھا یا نہیں۔ تاہم اتنا تو ظاہر ہے۔ کہ دورانِ نظم ہی

(بقیہ حاشیہ ص۵) یہ دونو شعر لیڈن کے قلمی نسخے میں نہیں ہیں۔ اور یقین ہے کہ بعد میں کسی نے اضافہ کئے ہیں تاکہ تغیر مضمون زیادہ ناگہانی معلوم نہ ہو'

(حاشیہ ص۶) ؂ یہ دعویٰ کہ دقیقی نے شاہنامہ کے دس ہزار بلکہ بیس ہزار اشعار لکھے تھے سراپا لغو ہے۔ دیکھو لباب الالباب عوفی ج ۲ ص ۳۳ جہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ فردوسی نے دقیقی کے بیس ہزار اشعار پر اپنے ساٹھ ہزار اور اضافہ کئے' ؂ اوّل تو یہ ویسے بھی ظاہر ہے کہ وہ عہدِ عجم کی داستانوں سے بخوبی واقف تھا۔ لیکن علاوہ اس کے اس کے ایک شعر سے بھی ایسا مستنبط ہوتا ہے ؎

ترا سیمرغ دخسیستہ کرہ تیا ید نہ رخش جادو وزال فسون گر

(کتاب المعجم لشمس قیس ص ۲۵۵)'

میں اسکا کام منقطع ہوگیا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا سلسلۂ سخن بالکل ناگہانی طور پر ختم ہو جاتا ہے۔ چونکہ اتفاق سے دقیقی کے ہاتھ میں بعینہ وہی سرمایۂ معلومات تھا۔ جو بعد میں فردوسی کو میسّر آیا۔ اس لئے فردوسی کے لئے یہ امر ممکن ہوگیا کہ وہ دقیقی کے نظم کئے ہوئے حصّے کو بے کم وکاست شاہنامہ میں شامل کرلے۔ اور اب حالت یہ ہے کہ اگر فردوسی خود اسبات کو جتانہ دیتا تو کسی کو گمان تک نہ ہوتا کہ یہ کسی دوسرے شاعر کا کلام ہے۔ خصوصاً جبکہ خود فردوسی کے کلام میں بعض حصّے بعض حصّوں سے صناعتِ کلام اور حسنِ ادا کے اعتبار سے بعید متفاوت ہیں، دقیقی کے کلام کا مجموعی انداز فردوسی سے مشابہ ہے۔ لیکن غور کے ساتھ مطالعہ کرنے سے جُزئی خصوصیات نظر آتی ہیں۔ دقیقی اپنے جانشین کے مقابلے میں زیادہ خشک اور قادر الکلامی میں اس سے کم رتبہ ہے۔ مثال کے طور پر ذیل کے مصرعے ملاحظہ ہوں جو سُننے میں پھیکی نثر کی سی کیفیت دیتے ہیں یا خشک نصیحتوں پر مشتمل ہیں:۔

ع بدینسان پرستید باید خدای
ع چنان چون که بدراه جمشید[1] را
ع کسی کو چنان برخورد کے مرد
ع چنین گستراند خرد داد را وغیرہ وغیرہ،

(شاہنامہ ص ۳۲۷ ۔ س ۱۰ ۔ ص ۳۲۸ ۔ س ۱ و ۱۹)

---

[1] لنڈن، پطرز بورغ اور لیڈن کے قلمی نسخوں میں یہ مصرع اس طرح پر ہے:۔

چنان بوده بدراه جمشید را

دقیقی اپنے طرزِ بیان میں ایک لکیر کا فقیر ہے - مثلاً جب کوئی نیا پہلوان میدان میں نکلتا ہے - یا جب وہ پچھڑتا ہے تو وہ ایسے مواقع کو ہمیشہ ایک ہی طرح سے اور تقریباً انہی الفاظ میں بیان کرتا ہے - برخلاف اس کے فردوسی ایسی باتوں میں تنوعِ بیان کا اظہار کرتا ہے - میدانِ جنگ کے مختلف مناظر کا نقشہ دقیقی کے ہاں عموماً مجمل ہے - اور کہیں بھی ایسی تصویر نہیں ہے جو زیادہ نمودار کر کے دکھائی گئی ہو - اس کے کلام کی ترتیب ہمیشہ مقتضی الحال کے مطابق نہیں ہوتی - مثلاً دو مرتبہ گشتاسپ میدانِ جنگ میں جانے کا ارادہ کرتا ہے - اور دونو مرتبہ ذرا سی ترغیب پر وہ اپنا ارادہ ترک کر دیتا ہے - (دیکھو شاہنامہ ص ۳۳۴ و ۳۳۵)، یا مثلاً نستور[۱] کی آمد ایسی بے محل واقع ہوئی ہے - کہ اس سے تسلسلِ واقعات میں خلل آگیا ہے - لیکن شاعر کو اتنی بات نہیں سوجھی کہ اپنے ماخذی بیان کو ذرا سی تغییر سے اصلاح کر لے *

واقعہ نگاری کی نسبت اسکو طویل تقریروں یا خطوں کے مضامین نظم کرنے پر البتہ زیادہ قدرت ہے، گشتاسپ کی تقریر اپنے امرا کے سامنے مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے (دیکھو شاہنامہ ص ۳۳۷) جسکا انداز نہایت دلپذیر ہے - اور اس کی عبارت نوعیتِ مضمون کے لئے بالکل موزون ہے - اسی طرح ارجاسپ کی تقریر زرتشت

---

[۱] شاید غلطی سے دقیقی نے "بستور" کو "نستور" لکھا ہے - اس کے ماخذ میں غالباً "ـسور" (بغیر نقطوں کے) لکھا ہوگا - یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ غلطی بعد میں شاہنامے کے نسخوں میں واقع ہوئی ہو'

اور اسکے نئے مذہب پر قایل دیدہ ہے (شاہنامہ ص ۳۲۸ س ۲۳ ببعد) -
تحکم آمیز لہجے میں اس تقریر کا مقطع کہ

برانیم از پیش و خوارش کنیم ببندیم و زندہ بدارش کنیم

نہایت مناسب حال ہے - لیکن برعکس اس کے اسکے مکالمات میں اور مختصر تقریروں میں ایک طرح کی کرختگی پائی جاتی ہے - خیالات کا تسلسل اور تقابل نمایاں نہیں ہوتا - علاوہ ازیں اس کے چند تکیۂ کلام ہیں - جنکو وہ موقع بے موقع استعمال کرتا رہتا ہے - مثلاً "نگرنا" "یکی مرد بُد نام او" یا "یکی نام بودش" یا "یکی نام او" (یعنی ایک شخص تھا جسکا نام . . . .) وغیرہ ' ان کے سوا چند اور بھی چھوٹی چھوٹی اختلافی خصوصیتیں زبان کے بارے میں دقیقی کے ہاں پائی جاتی ہیں جو فردوسی کے ہاں نہیں ہیں - لیکن ہم نے اپنے ایک سابق مضمون موسوم بہ "مطالعاتِ ایرانی" میں دقیقی کی جن امتیازی خصوصیتوں کو فرض کیا تھا اُن سب کی تصدیق نہیں ہوئی - شاہنامے کے نسخے اس کتاب کی پہلی ایڈیشن کو شایع کرتے وقت ایک معقول تعداد میں ہمارے پیش نظر تھے - متن کے اکثر حصّوں کا ہم نے اس وقت مختلف نسخوں سے باہمی مقابلہ کیا تھا - وہ حصّے اب بھی ہمارے سامنے ہیں - لیکن اس

لہ معلوم ہوتا ہے - کہ لفظ 'می' کا استعمال دقیقی کے ہاں متعدد دفعہ ہوا ہے - لیکن فردوسی کے صحیح متن میں شاید ہی بجز "ہمی" کے کچھ اور برتا گیا ہو - قدیم فارسی الفاظ جن کا استعمال متروک ہوتا جارہا تھا - دقیقی کے ہاں بہ نسبت فردوسی کے زیادہ ملتے ہیں +

بارے میں ہماری تحقیق نے کچھ مزید نتیجہ پیدا نہیں کیا۔

اپنے پیشرو کے کلام پر فردوسی نے جو سخت فتویٰ دیا ہے[۵] ۔ وہ بہر حال مبالغہ آمیز ہے۔ خواہ ہم اسباب کو بھی کیوں نہ مد نظر رکھیں۔ کہ فردوسی کے مقابلے میں ہم کو فارسی زبان میں سخن فہمی کا ذرا سا بھی دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ یہ لازمی بات تھی کہ وہ دقیقی کے کم حیثیت اشعار کے مقابلے میں (جن کا اسکو ایسا کثیر معاوضہ ملا) اپنے بلند پایہ کلام کو (جسکا کوئی خریدار نہ ہوا) بڑھا چڑھا کر دکھلائے۔ ورنہ اگر وہ دقیقی کو واقعی ایسا کم رتبہ سمجھتا تو دوسری جگہ اپنی زبان سے اسکی تعریف نہ کرتا۔ اور پھر خصوصاً یہ کہ اس کے اشعار کو اپنے شاہنامے میں کبھی داخل نہ کرتا خواہ اسکی یہ کتنی بڑی خواہش کیوں نہ ہوتی کہ زرتشتی مذہب کے ٹیڑھے مضمون پر وہ خود قلم اٹھانے پر مجبور نہ کیا جائے۔

---

۵ دقیقی کے کلام پر فردوسی کے جس فتوے کی طرف یہاں اشارہ ہے۔ وہ ذیل کے اشعار ہیں:۔

نگہ کردم این نظم و سست آمدم — بسی بیت نا تندرست آمدم
من این را نوشتم کہ تا شہریار — بداند سخن گفتن نا بکار
سخن چون بدین گونہ بایدت گفت — مگوی و مکن رنج با طبع جفت
چو بند روان بینی و رنج تن — بکانی کہ گوھر نیابی مکن
چو طبعی نداری چو آب روان — مبر دست زی نامۂ خسروان
دہان گر بماند ز خوردن تہی — ازان بہ کہ ناساز خوانی نہی

(شاہنامہ ص ۳۳۸) ۱۲ مترجم

(بقیہ حاشیہ ص۱۱ پر دیکھئے)

دقیقی سے پیشتر رزمیہ شاعری کی ابتدا اور اُس کا انداز،

با ایں ہمہ فردوسی کی طرح دقیقی کا بھی ایک مستقل رزمیّہ انداز تھا۔ یہ بات ادبیات کی تاریخ کے ہر تجربے کے خلاف ہوگی اگر ہم یہاں یہ تسلیم کریں کہ یہ رزمیّہ انداز سر تا پا دقیقی کی اپنی ایجاد تھی۔ کیونکہ شاعری کا ہر مخصوص انداز تو رفتہ رفتہ ہی پیدا ہوتا ہے۔ فردوسی کے بھانجے اسدی نے اپنی لغات میں ابوشکور بلخی کے جو بیشمار قطعات نقل کئے ہیں۔ ان سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ دقیقی سے پہلے داستانی شاعری وجود میں آچکی تھی۔ جس میں وہی بحر استعمال ہوتی تھی جو شاہنامے کی بحر ہے (یعنی متقارب) اور اسکا انداز بھی شاہنامے کے انداز سے بہت کچھ مشابہ تھا۔ ابوشکور کے ان اشعار میں سے ایک شعر ہم کو معلوم ہے۔ جس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ یقیناً کسی رزمیہ داستان کے اندر لکھا گیا

(بقیہ حاشیہ صنا) ؎ تعریف سے مراد ذیل کے اشعار ہیں ؎

جوانی بیامد کشادہ زبان ۔ سخنگوی وخوش طبع و روشن روان

بنظم آرم این نامہ را گفت من ۔ ازو شادمان شد دل انجمن

زگشتاسپ وارجاسپ بیتی ہزار ۔ بگفت و سر آمد برو روزگار

بکن عفو یا رب گناہ ورا ۔ بیفزای در حشر جاہ ورا

(شاہنامہ ص ۱۹۔ س ۱، ۲، ۳) ۱۲ مترجم،

(حاشیہ صلا) ؎ یعنی لغت فرس طبع پال ہورن (برلن ۱۸۹۷ء)، اسدی پانچویں صدی ہجری کے وسط میں گزرا ہے،

ہوگا - اس شعر کو ہم اپنے سابق مضمون مطالعات ایرانی (حصّہ دوم صفحہ ۱۳) میں نقل کر چکے ہیں - اور وہ یہ ہے ؎

ز زر بر نہادہ بسر مغفری ز فولاد کردہ بہ بر بکتری[1]

ان اشعار میں سے جو اسدی کی لغت میں منقول ہیں - اور بھی چند شعر ایسے ہونگے جو اسی طرح کسی نہ کسی داستان کے اندر لکھے گئے ہونگے لیکن اوپر کے شعر کی طرح ہم کسی اور پر یقین و اعتماد کے ساتھ ایسا حکم نہیں لگا سکتے - اور اکثر اشعار کے متعلق تو ایسا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا[2] - با اینہمہ وہ سب کے سب ایسے ہیں جو کسی نہ کسی داستان

---

[1] اسدی کی لغت میں یہ شعر نہیں ہے - [2] پال ہورن نے مقدمۂ لغت فرس میں لکھا ہے کہ پروفیسر نولدکہ (یعنی مصنف کتاب ہذا) نے میری توجہ اس امر کی طرف منعطف کی ہے کہ ابوشکور کے جتنے اشعار بحر متقارب میں ہیں وہ صاف نظر آ رہے ہیں - کہ کسی داستان سے لئے گئے ہیں - اور ان میں ایک بھی ایسا نہیں جس کے متعلق دعوے سے یہ کہا جا سکے کہ یہ ہرگز کسی داستان کے اندر نہیں لکھا گیا تھا - اور اسکے بعض اشعار تو ایسے ہیں جن میں داستانوں کی تصنیف کا صاف صاف ذکر آیا ہے - مثلاً ؎

تو از من کنون داستانی شنو بدین داستان بیشتر زین منو

(لغت فرس ص ۱۱۴)

پدر گفت یکّی روان خواہ بود بگوئی فرو شد چنا کم شنود

ہمی در بدر خشک نان باز جست مرو را ہمان پیشہ بود از نخست

(ایضاً ص ۱۱۷)

پس این داستان کس نگفت از فیال ابر سیصد و سی و سہ بود سال

کے اندر کھپ سکتے ہیں - یا تو اس لئے کہ وہ ایک مخصوص داستان کے اندر لکھے گئے تھے - یا اس لئے کہ داستانی شاعری کا عام رنگ ان میں پایا جاتا ہے - اور چونکہ ان میں بعض اشعار ظریفانہ رنگ میں لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں - لہذا یہ بھی ممکن القیاس ہے - کہ ان اشعار میں جہاں کہیں جنگ کا ذکر پایا جاتا ہے - وہاں در اصل کسی اتفاقی مارپیٹ کا بیان ہو - جو انجام کار کشت و خون پر منتہی ہوئی ہے - لیکن اگر یہی مانا جائے - تو پھر یہ بات تو اوپر کے شعر پر بھی صادق آئے گی - اور اس سے بھی بڑھ کر ذیل کے شعر پر جسکو عبد القادر بغدادی نے لغات شاہنامہ[۱] (ص ۱۲ نمبر ۱۴) میں نقل کیا ہے سے

یکی زشت روئی بد آغار بود		تو گوئی بردم گزی مار بود[۲]

ابوشکور نے ایک داستان کا سن تصنیف ۳۳۳ھ (۹۴۴ء) بتلایا ہے - سے

پس این داستان کس نگفت از فیال		ابر سیصد و سی و سه بود سال

(لغت فرس ص ۹۷ س ۴)، لیکن یہ معلوم نہیں کہ آیا "این داستان" سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲) (ایضاً ص ۹۷)

ان اشعار سے پال ہورن نے یہ قیاس قائم کیا ہے - کہ ابوشکور نے غالباً کوئی داستانوں یا حکایتوں کا مجموعہ نظم میں تصنیف کیا تھا - جو بدقسمتی سے تلف ہوگیا ۱۲ مترجم'

(حاشیہ صفحہ ۱۳)

[۱] طبع پطرز بورغ ۱۸۹۵ء'

[۲] لغات شاہنامہ میں یہ شعر ابوشکور سی کا بتلایا گیا ہے ۱۲ مترجم'

پوری تصنیف کی طرف اشارہ ہے - یا اس کے کسی حصّے کی طرف[۱] - بہرحال ایک اور بات قابل التفات یہ ہے - کہ فردوسی نے ایک جگہ یہ کہا ہے کہ مجھ سے پہلے فارسی میں کسی شاعر نے تین ہزار شعر کی نظم نہیں لکھی ؎

نہ بیند کسی نامۂ پارسی نوشتہ بابیات صد بار سی[۲]

(شاہنامہ ص ۵۸۸ س ۱۲)

داستانی شاعری کے انداز کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ شاعر عربی الفاظ کا استعمال اس کثرت کے ساتھ نہیں کرسکا جیسا کہ غزل نویسوں یا ناظموں

---

[۱] اسی شعر کو دیکھ کر عوفی نے یہ دعوےٰ کیا ہے کہ اس داستان کا نام آفرین نامہ تھا - جو ابو شکور نے ۳۳۶ھ میں لکھ کر تمام کی (لباب الالباب ج ۲ ص ۲۱) لیکن یہ دعویٰ غلط ہو سکتا ہے - کیونکہ عوفی کے سامنے خود یہ کتاب یقیناً موجود نہیں تھی - مقامِ افسوس ہے کہ اس کتاب کا کوئی معتدبہ حصّہ ہمارے زمانے تک محفوظ نہ رہ سکا - متاخرین کی رنگین طبیعتوں کے لئے اسکا انداز بیان بہت سادہ اور پھیکا تھا لہذا انہوں نے اسکو طاق نسیاں کے حوالے کیا - اور آج ہم اس کے دیکھنے کو ترستے ہیں - اسی رنگین مزاجی کے ہاتھوں شعراء متقدمین کے درجنوں دیوان تلف ہوئے - اور رودکی کی کلیلہ و دمنہ کا بھی یہی حشر ہوا +

[۲] اس سے اگلے شعر میں شاعر نے ازراہ حسد اتنی بات مزید کہدی ہے کہ ؎

اگر باز جویند ازو بیت بد

ہمانا نباشد کم از پنج صد

اس میں 'نباشد' کی بجائے 'کہ باشد' زیادہ صحیح ہے - یعنی اگر اس میں سے بُرے اشعار نکال دئے جائیں - تو باقی (اچھے اشعار) پانچسو سے بھی کم رہینگے +

نے کیا ہے۔ دقیقی نے فردوسی کے مقابلے میں عربی الفاظ کو اور بھی

ے ۵ اس سے پیشتر روکرٹ اس امر کی طرف اشارہ کر چکا ہے کہ فردوسی کے معاصر شعراء کا کلام عربی الفاظ سے پُر ہے۔ اور فردوسی کی یہ معروف خصوصیت کہ وہ عربی الفاظ کے استعمال سے احتراز کرتا ہے۔ اس کے مشاہدے میں آ چکی ہے۔ لیکن فردوسی اور دقیقی کی بھی جو چند غزلیہ نظمیں (جنکی صحت پر خاصا اعتماد کیا جا سکتا ہے) موجود ہیں۔ ان میں عربی محاوروں کے استعمال سے بالکل احتراز نہیں کیا گیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی ایرانی عہد شجاعت کی داستان کا مضمون نہیں ہے۔ مثلاً مثنوی یوسف زلیخا میں بلکہ خود شاہنامے کے تخیلانہ حصّوں میں (جیساکہ دیباچہ یا سلطان محمود کی ہجو وغیرہ) عربی کافی مقدار میں موجود ہے۔ یہ صحیح ہے کہ شاہنامے کے متاخر نسخوں میں جو متن ہم تک پہنچا ہے۔ اور جنکی عبارت الجھی ہوئی ہے۔ اس میں بہت سے عربی الفاظ متاخرین نے اپنی طرف سے داخل کئے ہونگے۔ لیکن ساتھ ہی اس امر کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔ کہ مثنوی یوسف زلیخا کے بارے میں شاعر پر نہ فقط قرآن وحدیث کا بڑا بھاری اثر ہے۔ (جو اس قصّے کے مآخذ ہیں) بلکہ اہل عرب کے زیر حکومت رہنے کا بھی جن کی بول چال کی زبان عربی تھی۔ اور نثر کے متعلق جو پوچھو تو نہ صرف سفرنامۂ ناصر خسرو (جو شاہنامے سے تھوڑا عرصہ بعد لکھا گیا ہے۔ اور بالکل سلیس اور سادہ عبارت میں ہے) بلکہ اس سے بھی پیشتر کی سادہ طبی تصنیف (حقایق الادویہ) جسکا مصنّف موفق الہروی دقیقی کا معاصر ہے۔ عربی الفاظ سے پُر ہے۔ اور پھر صرف اُن مقامات ہی پر نہیں۔ جہاں کسی علمی یا اصطلاحی بات کو لکھا ہو۔ بلکہ ہر جگہ، اس طرح گویا مصنّف کو آرائش اور پیرائش دونو کا عادی ہونا پڑتا تھا۔ اور ان جگہوں پر بھی عربی الفاظ استعمال کرنے کی مشق کی جاتی تھی۔ جہاں ٹھیٹھ اور آسان فارسی الفاظ بآسانی دستیاب ہو سکتے ہوں۔ انگریزی زبان کی بھی بعینہ یہی حالت

کم برتا ہے۔ لیکن خاص خاص عربی کلمات کو تو ابتدا ہی سے رزمیاتِ ایران میں کامل حقِ وطنیت مل چکا تھا۔ علاوہ اس کے بحر متقارب نے بھی جسکے اجزا کے اندر کمی بیشی کی زیادہ گنجائش نہیں ہوتی۔ اور جس کے قدم ہمیشہ نپے ہوئے اٹھتے ہیں۔ لفظوں کے انتخاب اور اُن کی اشکال پر بہت بڑا اثر ڈالا ہوگا۔ اور یہ بحر جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں۔ دقیقی سے پہلے بھی داستانی شاعری میں مستعمل تھی +

(مترجمہ از جرمن)

(محمد اقبال)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) ہے۔ کہ رومیوں کے زیرِ اثر انگریزی میں لاطینی الفاظ کا استعمال ٹھیک اسی طرح شروع ہوا۔ جیسا کہ فارسی میں عربی الفاظ کا استعمال'

(حاشیہ صفحہ ۱۶) ہم نے دقیقی کے ایک ہزار شعروں میں چھتیس عربی الفاظ شمار کئے ہیں جن میں لفظ "تاراج" اور "بہا" اور "درہم" بھی شامل ہیں۔ جو دراصل فارسی ہی سے عربی میں گئے ہیں۔ اور پھر وہاں سے دوبارہ فارسی میں آئے ہیں۔ شاہنامے کا وہ متن جو آج ہم تک پہنچا ہے۔ اسکی صحت غیر یقینی ہے۔ لہذا ہم کامل اعتماد کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتے لیکن ہاں یہ بات ممکن معلوم ہوتی ہے کہ دقیقی کے ہاں بعض قدیم فارسی الفاظ جو متروک ہو چکے تھے ان کی بجائے بعد میں عربی الفاظ رکھ دئے گئے ہیں +

عہدِ اکبری

ہندوؤں میں فارسی دانی کا آغاز

گذشتہ اوراق میں ہم نے ان اسباب کا ذکر کیا تھا - جن کی وجہ سے مغلوں سے پہلے ہندوؤں میں فارسی تعلیم عام نہ ہو سکی تھی - یاد دہانی کے طور پر ہم اس بیان کا خلاصہ یہاں نقل کرتے ہیں ۔ ہندوؤں کی علیحدگی پسند طبیعت اور ازمنہ متوسطہ میں ہندی کا رواج عام غالباً یہی دو بڑے وجوہات ہیں - جنہوں نے سب سے زیادہ صورتِ حالات پر اثر ڈالا - دیہاتی زندگی اور اس کے مستقل نظام معاشرت کو بھی بہر حال کچھ نہ کچھ دخل حاصل ہے - حکومت ، دیہاتی لوگوں کے اندرونی حالات میں بہت کم دخل دیا کرتی تھی یہ یاد رہے کہ ان دیہات میں ہندوؤں کی آبادی بکثرت تھی - عوام کی جبری تعلیم اور تمام اقوام کی مشترکہ تعلیم کا نظریہ ابھی تک پیدا نہ ہوا تھا - اگرچہ کہیں کہیں مسلمان صوفیوں اور مسلمان سلاطین و امرا کے تعلق سے ، بعض خاندانوں میں فارسی سے واقفیت پیدا ہو گئی تھی - مگر عموماً ہندو لوگ مسلمانوں سے علحدہ اور جدا ہی رہتے تھے - اور ان کیساتھ خلا ملا کو بہت بُرا سمجھتے تھے - ان حالات میں ہندوؤں میں فارسی کا رواج عام کسطرح ممکن تھا ؟

نئے دور کا آغاز

لیکن جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے ساتھ ساتھ تاریخ کے ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے - اس نے اپنی حکومت کے آغاز کار ہی سے اس سیاسی ضرورت کو بھانپ لیا تھا - کہ بادشاہ کو تمام رعایا کے ساتھ یکساں سلوک کرنا چاہیئے - وہ سمجھ گیا تھا - کہ ہندوستان کے ایک بادشاہ کے لئے یہ نہایت ضروری ہے - کہ وہ اقلیت کے علاوہ ملک کی ایک بڑی اکثریت کے معاملات میں بیش از بیش دلچسپی لے - تخت و تاج کا استحکام - ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ وفاداری پر منحصر تھا - وہ جانتا تھا کہ اپنے موطن اصلی یعنی آبا و اجداد کی بستی کیطرف جانا کسی حدتک ناممکن ہے - اس کے باپ کے ساتھ افغان رعایا نے جو بدسلوکی کی تھی - اس سے وہ ناواقف نہ تھا - اس لئے اس نے اپنے دل میں اپنی حکومت کو نہایت زبردست بنیادوں پر قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا +

ماثرالامرا کے مصنف کا بیان ہے کہ صفوی بادشاہ ایران نے ہمایوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ ہندوستان کی حکومت تب ٹھہر سکتی ہے کہ وہاں کا حاکم افغانوں کو تجارت اور دوسرے پُر امن مشاغل میں لگا دے - اور راجپوتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قایم کرے - ہمایوں کو اتنی عمر نصیب نہ ہوئی - کہ وہ اس اصول کو جامۂ عمل پہنا سکتا - اور نہ کوئی شہادت ایسی تاریخی موجود ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ نصیحت اکبر کے کانوں تک پہنچی - غالباً یہ لطیفہ غیبی اور فیض ربانی ہی تھا - یا اکبر کی فراست اور دانشمندی تھی - کہ اس نے بعینہٖ یہ حکمت عملی اختیار کی - اور اس اصول کو آزمایا - جسکو آزمانے کا موقع

---

[1] دربار اکبری ص ۶۱ +

اس کے جوانا مرگ باپ کو نہ حاصل ہو سکا تھا۔

یہاں یہ بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔ کہ اکبر کی حکمت عملی اور اسکے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنا ہمارے مبحث سے بالکل خارج ہے۔ ہمیں یہاں صرف ان جزئیات کا ذکر کرنا ہوگا۔ جن کا تعلق خاص طور پر ہندو لوگوں کی تعلیم سے ہے۔ اور پھر ان سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ یہی امور، ہندوؤں میں فارسی کی ترویج و ترقی میں ممد و معاون ہوئے +

اکبر کی حکمت عملی کے اصول ثلثہ

اکبر کے اصول سلطنت نے علم کو عموماً اور ہندوؤں میں فارسی تعلیم کو خاص طور پر زیادہ وسعت دی۔ اس کی یہ حکمت عملی تین موٹے موٹے اصولوں پر مبنی تھی۔ یعنی [1] عام رواداری۔ [2] تعلیم عوام۔ [3] علوم و فنون خصوصاً ہند و علوم و فنون کی قدر افزائی۔

ہندوؤں کیطرف میلان

جہاں تک عام رواداری کا سوال ہے۔ اکبر کے متعلق یہ مسلم ہے۔ کہ وہ حکومت کے حاصل کرنے سے پہلے بھی اتنا زیادہ متقی نہ تھا۔ تصوف کی طرف وہ طبعی میلان رکھتا تھا۔ مسلمان صوفیوں سے اُسے خاص عقیدت تھی۔ ان لوگوں کی طفیل اس کو ہندو جوگیوں سے بھی انس اور نیازمندی پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی حکومت کے پہلے ہی دور میں جزیہ اور ہندو مزارات پر سے محصول اٹھا دیا تھا۔ اسی زمانے میں اس نے ہندوؤں سے شادی بیاہ کے تعلقات قائم کر لئے۔ اور اس طریق سے راجپوت ہندوؤں کو سلطنت کے زیادہ قریب کر دیا۔ ابتدائے حکومت ہی سے ہندوؤں کو بعض اعلےٰ مناصب عطا کئے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ان کو بھی سلطنت میں دخیل بنایا +

مذہبی معاملات میں وہ بہت زیادہ آزاد تھا - اس نے پادری اکوِوا کے سامنے یہ اعلان کیا - کہ میں نے اپنے لڑکوں کو حسب مرضی مذہب قبول کرنے کی اجازت دے رکھی ہے - اسنے عبادت خانے میں مختلف مذاہب کے علماء کے درمیان ایک مباحثے کی مجلس قائم کی - جس میں ہندو علما بھی برابر شریک ہوتے تھے - ایک برہمن، اکبر سے اس کے حرم میں ملاقات کیا کرتا - اور اس کے سامنے وید منتر پڑھا کرتا تھا - آخری زمانہ میں ہندوؤں کی رسوم و عبادات کی طرف اس کی طبیعت میں اتنا میلان پیدا ہو گیا تھا کہ ان کی خاطر مسلمانوں کے ساتھ بے انصافیاں بھی کر بیٹھتا تھا - وہ مسلمان علما کی طرح بلکہ ان سے کچھ زیادہ ہندو علما کی خاطر داری کیا کرتا تھا - از راہ عزت [۱] ہندو علما - اور ماہرین فنون کو میاں - مرزا یا خاں کا لقب دیتا تھا ۔

ہندو علوم کی قدر افزائی

ہندو علما و فضلا انعام و اکرام سے کبھی محروم نہیں کئے گئے - امرائے دربار بھی اکبر کی دیکھا دیکھی ہندو ارباب فن پر نوازشیں کیا کرتے - خان خاناں نے ایک موقعہ پر رامداس کلاونت کو ایک لاکھ روپیہ عطا کیا - اس قسم کی فیاضیوں کا حال اگرچہ فیروز تغلق کے زمانے میں بھی ملتا ہے - لیکن نرندرا ناتھ لا نے درست لکھا ہے - کہ اکبر کا زمانہ اس لحاظ سے ایک بہترین زمانہ تھا [۲] ۔

ایسی فیاض اور قدردان حکومت کے ماتحت علوم و فنون بے حد ترقی پاتے ہیں - چنانچہ اکبر کے زمانے میں ہر قسم کے علم و فن نے ترقی پائی -

---

[۱] بداؤنی - ج ۲، ص ۳۴۲

[۲] نرندرا ناتھ لا پروموشن آف لرننگ - ص ۱۳۱

فارسی جو کہ گذشتہ زمانہ میں بالکل گر گئی تھی ۔ اب پھر اٹھی ۔ اکبر کا عہد فارسی کے لئے بہترین زمانہ تھا ۔ اس لئے کہ اسی زمانے میں فارسی میں بہترین تاریخیں مرتب ہوئیں ۔ اور اور زبانوں کی کتابیں فارسی میں ترجمہ ہوئیں ۔ اور ہر طرح کی تصنیفات کا ایک ذخیرہ جمع ہو گیا ۔ ہندی نے بھی اکبری دور میں وسعت حاصل کی[1]۔ اکبر خود بھی ہندی میں شعر کہا کرتا تھا ۔ ہندی اشعار میں اس کا تخلص "اکبر رائے" تھا ۔ خان خانان کی زبان دانی و قابلیت سب کے نزدیک مسلم ہے ۔ "رحیم ست سائے" نام ایک کتاب اس کی طرف منسوب کی جاتی ہے ۔ ہندی کا سب سے بڑا شاعر تلسی داس اسی زمانے میں پھلا پھولا ۔ اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ اسنے کبھی اکبر سے ملاقات بھی کی یا نہیں ۔ اس کی تصنیف "رام چرتر مانس" یا رامائن نہایت مقبول ہے اور وہ ہندی کے باغ کا بہترین نونہال ہے[2]۔

جدید ہندی کی حوصلہ افزائی کے علاوہ ، اکبر ہندوؤں کے قدیم لٹریچر کا بھی نہایت مداح تھا ۔ اسکا خیال تھا ۔ کہ قدیم سنسکرت کی کتابوں میں ، آجکل کی نسبت تصنع ۔ تکلف اور آورد کم تھی[3]۔

اس نے ہندو علوم کے ہر شعبہ میں دلچسپی لی ۔ چنانچہ مختلف علوم مثلاً شاعری ۔ فلسفہ ۔ ریاضی ۔ الجبرا وغیرہ کی کتابوں کو فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا ۔ پہلی اسلامی حکومتوں میں بھی اگرچہ فارسی کتابوں کے تراجم کا حال ملتا ہے ۔ مگر اکبر نے حد سے زیادہ توجہ کی ۔

---

[1] گریرسن (دیباچہ) ؛ ونسنٹ سمتھ ۔ اکبر ۔ ص ۴۲۱ ،

[2] ونسنٹ سمتھ اکبر ص ۴۱۷ و مابعد ، [3] بداؤنی ۔ ج ۲ ، ص ۳۲۰ ،

شاہانہ سرپرستی کی"۔

اس حکمت عملی کا اثر ہندو ذہنیت پر

اکبر نے ان طریقوں سے ہندؤوں کو یقین دلا دیا تھا کہ اُسے ان کے مذہب، ان کی روایات، ان کی تہذیب اور ان کے تمدن کے ساتھ خاص لگاؤ اور دلچسپی ہے۔ اپنی رعایا کے فوائد عامہ کے ساتھ اس گہری ہمدردی نے نہایت عمدہ نتائج پیدا کئے اس طرز عمل نے پس ماندہ اقوام کی مدتوں کی خوابیدہ ذہنی قوتوں کو حرکت دی۔ اور ہر شعبۂ عمل میں ایک خاص بیداری ایک خاص زندگی محسوس ہونے لگی۔ ہر جگہ امن و امان کا دَور دورہ۔ اور جیسا کہ پرامن ایام میں قاعدہ ہے۔ ہر طرف زندگی کے ہر میدان میں۔ ترقی کی تحریکیں پیدا ہوگئیں۔

راجہ ٹوڈرمل کا فرمان

ان حالات میں، راجہ ٹوڈرمل نے اپنی شہرۂ آفاق اصلاحات کو ۱۵۹۰ء میں رائج کیا۔ ان اصلاحات میں سے ہمیں صرف ایک فرمان سے مطلب ہے۔ اس نے تمام مملکت کے طول و عرض میں یہ حکم دیا۔ کہ تمام دفتری کام۔ فارسی زبان میں انجام دیا جائے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس سے قبل دفاتر کا کام ہندی زبان میں انجام پاتا تھا۔ اسلئے ٹوڈرمل کی اصلاحات کے نفاذ پر ہندوؤں کی طرف سے ناراضگی کا اظہار موجب تعجب ہوتا۔ اس لئے کہ اس تجویز کے ذریعے ہندوؤں کے مفاد کو سخت نقصان پہنچا تھا۔ لیکن تھوڑی بہت بے اطمینانی کے علاوہ، کسی گوشے سے شدید ناراضگی کا مظاہرہ نہیں ہوا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا

---

۵۱ آئین (ترجمہ بلوخمن۔ ص ۳۵۲)

۵۲ آئین (ترجمہ بلوخمن۔ ص ۳۵۲)، و جرنل سوسائٹی بنگال ۱۸۷۱ء ستمبر، ص ۱۴۸

ہے۔ کہ ہندو اس تغیر حالات کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ تھے۔ ہم نے اکبر کی جس معتدلانہ حکمت عملی کا ذکر کیا ہے۔ وہ ہندوؤں کی تالیف قلوب کے لئے کافی تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ حکومت کی ہر تحریک کو رعایا لبیک کہنے کے لئے تیار رہتی تھی۔ اور اس موقعہ پر بھی ہندوؤں نے بظاہر رضا و تسلیم کا شیوہ اختیار کیا۔ اس خاموشی اور رضامندی کی ایک اور وجہ بھی معلوم ہوتی ہے۔ کہ ہندوؤں کے بعض خاندان سکندر لودھی کے زمانے سے فارسی زبان سے آشنا چلے آتے تھے۔ یہ امر قرین قیاس ہے کہ ان فارسی دان طبقات نے ہندی کی بجائے فارسی کے رواج کو اپنے مفاد کے لئے چنداں نقصان دہ نہیں سمجھا ہوگا۔ ان لوگوں کے علاوہ باقی ہندوؤں کے لئے یہ فرمان فارسی کی طرف ترغیب دینے والا ثابت ہوا۔ اور فارسی تمام ہندوستان کی سیاسی اور لطیف زبان قرار پائی [1]۔

فرمان کی حیثیت اور اس کا اثر

غالباً یہ اقتصادی مجبوری تھی۔ جس نے ہندوؤں کو فارسی کی طرف زیادہ تر متوجہ کیا۔ اس فرمان نے انہیں یہ بتلایا کہ تاوقتیکہ وہ ملک کی شاہی زبان کو حاصل نہ کرلینگے۔ اس وقت تک انہیں ملازمت نہیں مل سکیگی۔ راجہ ٹوڈرمل نے یہ بات محسوس کرلی تھی کہ فارسی سے ناآشنا ہو کر اس کے ہم مذہب ملک کے معاملات میں صحیح طور پر حصّہ لینے کے قابل نہیں ہوسکتے۔ اس فرمان کے رواج و نفاذ کے بعد ہندوؤں نے فارسی میں ہمہ تن مصروفیت کا اظہار کیا۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے انجام پر ہندو لوگ فارسی میں مسلمان ہموطنوں کے برابر

---

[1] ایضاً (جہیل د ایرین سعل ۔ ص ۴۸۸)۔

ہو گئے ہوتے ۔ کسے معلوم ہے کہ اردو زبان کا کیا حال ہوتا ۔ اگر یہ زبردست اختلاط کی صورتیں اور اسباب نہ پیدا ہوتے ۔ جہاں راجہ ٹوڈرمل ہندوؤں میں فارسی زبان کو رواج دینے والوں کا پیشوا ہے ۔ وہاں اسے اردو زبان کے ترقی دینے والوں میں بھی شمار کرنا چاہیئے +

یہ ان اسباب کا سرسری سا خاکہ ہے ۔ جس نے ہندوؤں کو ایک نئی شاہراہ پر قدم رکھنے کے لئے مجبور کیا ۔ یعنی اب فارسی ۔ وہی ملیچھوں کی زبان ۔ عام [illegible] کے ہاں پڑھائی جانے لگی ۔ اس امر کو باور کرنے کے لئے ہمارے پاس وجوہ موجود ہیں ۔ کہ پہلے پہل کایستھوں نے اسکا استقبال کیا اس لئے کہ ان لوگوں میں پہلے ہی سے فارسی پڑھنے کا دستور چلا آتا تھا ۔ نیز اس لئے کہ ہندوؤں میں صرف یہی لوگ منشی گری کا کام کرتے تھے ۔ لہذا جونہی کہ دفاتر کی زبان تبدیل ہوئی ۔ انہوں نے معمولی کام کاج میں اپنے آپ کو طاق کر لیا ہوگا ۔ فرمان کے نفاذ سے زیادہ نتیجے کے نہ پیدا ہونے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی خواندہ اور انشا پیشہ جماعتوں میں فارسی کی معمولی نوشت و خواند ضرور موجود ہوگی ۔

اس زمانے کا لٹریچر بہت کم ہے ۔ فنونِ لطیفہ کو ضرور ترقی ہوئی +

اگرچہ ہندوؤں نے اس زمانہ میں فارسی کو کمال شوق سے پڑھنا شروع کر دیا تھا ۔ مگر کوئی خاص نتائج کتابوں کی صورت میں برآمد نہیں ہوئے ۔ ہمیں ہندوؤں میں کوئی پائے کا مصنف نظر نہیں آتا ۔ جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہندو لوگوں نے ابھی تک زبان پر قدرت نہیں حاصل کی ۔ جو تصنیف و تالیف کے

لہ آئین (بلوخمن ۔ ص ۳۵۲) +

لئے ضروری تھی۔ لیکن اکبر کی شاہانہ سرپرستی اور حوصلہ افزائی نے ہندو قوم کے اندر جو زندگی پیدا کی وہ فنونِ لطیفہ مثلاً موسیقی۔ مصوری اور خوشخطی کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

مصوری اس زمانہ میں مصوری کا ہندی ایرانی دبستان ترقی پذیر ہوا۔ اکبر کے درباری مصورین میں سے اکثر ہندو تھے۔ مثلاً ابوالفضل نے آئین[1] میں ان لوگوں کو گنایا ہے:- وسونت۔ بساون۔ کیسو۔ لال مکند۔ مادھو۔ جگن۔ مہیش کھیم کرن۔ تارا۔ ساولہ۔ ہری بنس۔ رام۔ ابوالفضل کے نزدیک ہندوؤں کی تصویریں بہت ہی نفیس ہوتی تھیں۔ اور ساری دنیا میں بہت کم لوگ ان کا مقابلہ کر سکتے تھے۔

بانکی پور لائبریری[2] میں "تاریخ خاندانِ تیموریہ" کا ایک نسخہ موجود ہے جو مصور ہے۔ اور جس میں ان درباری مصورین میں سے اکثر کے "عمل" موجود ہیں۔ پرسی براون لکھتا ہے[3] کہ اس "ہندی ایرانی دبستان کے امام تو عبدالصمد اور میر سید علی ہیں۔ لیکن باقی اکابر تمام تر ہندوؤں میں سے ہیں۔ یہ لوگ دربار میں کتابوں کو مصور کرنے کے لئے رکھے جاتے تھے۔

موسیقی اس عہد میں موسیقی نے بھی بہت ترقی پائی۔ ابوالفضل لکھتا ہے[4]: کہ اکبر کے دربار میں، ہندو۔ ایرانی۔ تورانی۔ کشمیری عورتیں اور مرد موسیقی دان موجود تھے۔ یہ لوگ سات گروہوں میں منقسم تھے۔ ہر گروہ کے لئے ہفتہ کا ایک ایک دن مقرر تھا۔ جسدن اُسے اپنا فرض بجا لانا پڑتا تھا۔ نندرنانھ لاحولہ

---

[1] آئین (ج ۱ ، ص ۱۱۷) ، [2] فہرست بانکی پور لائبریری۔ ج ۷۔ ص ۴۰ ،
[3] پرسی براؤن۔ انڈین پینٹنگز۔ ص ۹۳ ، [4] آئین ربلوخمن ص ۶۱۳ ،

بالا کتاب میں لکھتا ہے[۱] :۔

"موسیقی کے میدان میں یہ چیز نظر نہیں آتی کہ ہندو مسلمان کب سے اور کسطرح ایک دوسرے سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ ہر قوم دوسری قوم کے ذخیرۂ فن میں کس طرح اضافہ کرتی رہی ہے۔ مسلمانوں کی حکومت کے ابتدا سے ہی ہم اس معاملے میں بےحد تعاون وتناصر پاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سلطان حسین شرقی نے "خیال" کو ایجاد کیا۔ لیکن اب وہ ہندو موسیقی کا جزو ہے۔ اُدھر "دہرپد" جو خالصۃً ہندو موسیقی کے متعلق تھا۔ اب "مسلم موسیقی" کا جزو لاینفک بن گیا ہے۔ موسیقی کی موجودہ حالت، صدیوں کے اختلاط اور خلط و ملط کا پتہ دیتی ہے۔ یہ اختلاط اکبر کے دربار میں کمال تک پہنچا"۔

میاں تانسین۔ جو کہ پہلے ہندو تھا۔ اس زمانے کا بہترین موسیقی دان تھا[۲] رام داس کا درجہ علم موسیقی میں تانسین سے دوسرے درجے پر تھا۔ ابوالفضل[۳] نے دربار اکبری کے ۳۶ ماہرین موسیقی کی جو فہرست پیش کی ہے۔ ان میں آگرہ کا اندھا شاعر "سورداس" بھی شامل ہے۔ اس فہرست میں ان کے علاوہ کچھ اور ہندوؤں کے نام ہیں۔ جنکے ساتھ خاں۔ میاں وغیرہ کے الفاظ بھی شامل ہیں مثلاً سری گیان خاں۔ میاں چاند۔ میاں لال۔ رنگ سین، اکبر کے زمانے میں موسیقی کا علم نصف النہار تک پہنچا۔ اور یہ نہایت مدلل طور پر کہا جاسکتا ہے

---

[۱] پرد موشن ص ۱۰۷، [۲] ایضاً ص ۱۰۵،

[۳] آئین (بلوخمن ص ۶۱۲)،

کہ اس فن کے کمال میں ہندوؤں کا کافی سے زیادہ حصہ ہے ٭

خوشخطی | خوشخطی کو مسلمانوں نے نہایت قدیم زمانے سے فن لطیف کی حیثیت سے ترقی دی ۔ پریس کی ایجاد سے پہلے یہ فن اشاعت کتب اور ترویج علوم کا واحد ذریعہ تھا ۔ اکبر نے اُدہر بہت توجہ کی ۔ اور خط کی مختلف انواع و اقسام میں کافی سے زیادہ دلچسپی لی[۱]۔ چونکہ یہ فن زیادہ تر فارسی کے پڑھنے اور جاننے پر موقوف ہے ۔ اس لئے اس وقت تک جبکہ ہندوؤں میں فارسی کا عام رواج نہیں ہؤا ۔ ہندو خوشنویس بہت کم ملتے ہیں ۔ رائے منوہر اور راجہ ٹوڈرمل جنکے متعلق ہم آگے چل کر تفصیل سے لکھیں گے ۔ نہایت اچھے خوشنویس تھے ٭

ہندوؤں میں فارسی لٹریچر کے ابتدائی آثار | خالص فارسی لٹریچر کا اس زمانے میں کوئی نام و نشان موجود نہیں ۔ تحقیق کے جدید و قدیم ماٰخذ کی تلاش کے باوجود کسی کتاب کا سراغ نہیں مل سکا ۔ تاریخوں اور ہندوستان اور یورپ کی فارسی فہرستوں کی اوراق گردانی کی گئی ۔ لیکن اس عہد میں کسی ہندو کی فارسی تصنیف نہیں مل سکی ۔ ہاں کچھ فارسی دانوں کا حال معلوم ہوتا ہے ۔ جنہیں بہرحال ہندوؤں میں فارسی لٹریچر کے ابتدائی آثار کے طور پر ذکر کرنا چاہیئے ٭

عہد اکبری کے فارسی دان ہندو : (۱) راجہ ٹوڈرمل | اس ضمن میں ہم راجہ ٹوڈرمل کو کسی حال میں نظر انداز نہیں کر سکتے ۔ جو ہندوؤں میں ایک بڑی حد تک فارسی کو رواج دینے والا تھا ۔ ہمیں یہاں اس کی زندگی کے تفصیلی حالات سے کوئی سروکار نہیں ۔ اس مقصد کے لئے ناظرین کو دوسری کتابوں کی طرف توجہ کرنی چاہیئے ۔ اس کی زندگی کے موٹے واقعات یہ ہیں[۲] ۔ کہ وہ لاہرپور میں

---

[۱] آئین ۔ ۱۵ ۔ ص ۱۱۲ ، ۱۱۳ : بدؤنی ص ۹۹ ، [۲] آئین (بلوخمن) ص ۳۲ ، ۳۴۳ ، ۳۵۲ نیز خلاصة التواریخ ۴۰۹
ماٰثر [illegible] ، ۵۱۵ ، [illegible]

پیدا ہوا (نہ کہ لاہور میں جیسا کہ ماثر الامرا کے مصنف نے لکھا ہے) اس نے اکبر کے ماتحت پہلا ذمہ داری کا عہدہ ۱۸ سال جلوس اکبری میں حاصل کیا۔ ۲۲ سن جلوس میں وہ وزیر مقرر ہوا۔ ستائیسویں سال جلوس میں وہ دیوان مقرر ہوا اور ۹۹۸ھ میں فوت ہو گیا +

راجہ ٹوڈرمل کی فارسی قابلیت کے متعلق کوئی ٹھیک بیان نہیں دیا جا سکتا اس نے اصلاحات رائج کیں۔ اور فارسی کو دفاتر کی زبان قرار دیا۔ ان امور سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُسے فارسی میں اچھی خاصی قابلیت حاصل تھی۔ کیونکہ فارسی نہ جاننے کی حالت میں، راجہ اپنے ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکتا۔ لہذا یہ نتیجہ نکالنا بالکل صحیح ہے۔ کہ راجہ فارسی کے ایک اچھے واقف تھے تذکرہ خوشنویساں[1] کے مصنف کا بیان ہے کہ "ٹوڈرمل۔ از طایفہ کہتری۔ نویسندہ چابک دست وخطوط بخوشخطی ونمکی مے نوشت، بوسیلۂ مظفر خاں برتبۂ وزارت اکبری رسیدہ..... الخ"

خلاصۃ التواریخ[2] مصنفہ منشی سجان رائے میں، راجہ ٹوڈرمل کی قابلیت کا حال ان الفاظ میں درج ہے:۔

"در دقایق سیاق وحقایق حساب بے نظیر ودر علم محاسبات موشگاف ضوابط و قوانین وزارت وتنظیم احکام سلطنت وبندوبست امور مملکت وآبادی ومعموری رعیت و دستور العمل کارہائے دیوانی و قانون اخذ حقوق سلطانی و افزونیٔ خزانہ و امنیت مسالک وتادیب سرکشاں وتسخیر ممالک و دستور مناصب

---

[1] تذکرۂ خوشنویساں۔ ص ۸۸،

[2] خلاصۃ التواریخ ص ۴۰۶،

امرا و مواجب سپاہ دوامی پرگنات و تنخواہ جاگیر از و یادگار است"

مگر ابوالفضل راجہ کو تعصب کا الزام دیتا ہے۔ اور اگرچہ راجہ کے تدبر، جرأت، ہوشیاری، اور بے نفسی کی تعریف کرتا ہے۔ مگر راجہ کی فارسی دانی کے کم و کیف کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں کہتا۔

ٹوڈرمل کی تصنیفات خازن اسرار شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد دربار اکبری[۱] میں لکھتے ہیں:۔

"کشمیر اور لاہور کے کہن سال لوگوں میں کتاب "خازن اسرار" اس کے نام سے مشہور ہے۔ مگر کمیاب ہے۔ میں نے بڑی کوشش سے کشمیر میں جاکر پائی۔ لیکن دیباچہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ۱۰۰۰ھ کی تصنیف ہے۔ حالانکہ خود ۹۹۷ھ میں مرگیا تھا۔ شاید اس کی یادداشت کی کتاب پر کسی نے دیباچہ لگا دیا..... الخ"

خوش قسمتی سے خازن اسرار[۲] کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اسکی ابتدائی سطور یہ ہیں:۔

"سپاس بیقیاس بحضرت مالک الملکی کہ خانۂ تن درِ وجود انسان را بچراغ عقل منور گردانید و بنور انصاف و معرفت بہرہ ور ہی شعاع انوار بخشید....

..... راجہ ٹوڈرمل از دیر باز رہ گم کردۂ خارستان جہل و نادانی بود، بمہری کرم عمیم خویش، راہنمائے گلستان معرفت گردانید"

اس اقتباس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ کتاب کا مصنف ٹوڈرمل نامی کوئی شخص تھا۔ دیباچے میں اکبر بادشاہ کی مدح بھی موجود ہے۔ کتاب نہایت دشوار اور فاضلانہ انداز میں لکھی گئی ہے۔ قرآن مجید کی آیات اور

---

[۱] دربار اکبری ص۵۳۰، [۲] خازن اسرار (قلمی ق ۱)،

عربی ضرب الامثال اور اصطلاحاتِ علمیہ کی اتنی فراوانی ہے کہ مصنف کی علمیت کا سکّہ قلب پر بیٹھتا ہے اور قیاس کہتا ہے کہ یہ اکبری عہد کے کسی ہندو کی تصنیف نہیں ہوسکتی ۔ خواہ وہ ٹوڈرمل ہی کیوں نہ ہو ۔ یہ بالکل روشن ہے کہ یہ تصنیف ربلحاظ انشا) کسی اچھے انشاپرداز کی ہے ۔ لیکن یہ معمّہ کس طرح حل ہو ۔ کہ مصنف کا نام اور اکبر کی مدح جیسے ناقابلِ فراموش شواہد بھی موجود ہیں ۔ بہر حال ہندی کی کتابوں میں تلاش کے بعد ایک کتاب دستیاب ہوئی ۔ جس کا نام ٹوڈرانند ہے ۔ اور راجہ ٹوڈرمل کی طرف منسوب ہے " معصر ہند جو دونو "[۱] کے مطابق اس کے تین اجزا ہیں :

ٹوڈرانند

(۱) دہرم شاستر (۲) جوتش اور (۳) طب ۔ یہ ہر ایک جزو بہت سے چھوٹے حصّوں پر منقسم ہے ۔ بیکانیر سنسکرت لائبریری[۲] کی فہرست کے بیان کے مطابق یہ ایک سنسکرت کتاب ہے ۔

مندرجہ بالا کتاب کا اگر خازن اسرار کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو ان دونوں کتابوں میں ایک مشابہت موجود ہے ۔ ہماری رائے میں خازن اسرار " ٹوڈرانند " کا ترجمہ ہے ۔ لیکن ٹوڈرمل خود مترجم نہیں معلوم ہوتا ۔ بلکہ اس کا ترجمہ کسی اچھے انشا پرداز کے ہاتھوں عمل میں آیا ہے ۔ مضامین میں کچھ فرق موجود ہے ۔ لیکن تراجم میں اضافہ اور تخفیف دونوں کا ہونا ممکن ہے ۔ سنسکرت کتاب تین حصّوں پر منقسم ہے ۔ اور خازن اسرار " چار منازل " پر مشتمل ہے ۔ افسوس ہے کہ ٹوڈرانند کا کوئی نسخہ یہاں موجود نہیں ۔ ورنہ اس نظریے کو ہم زیادہ تیقن کے ساتھ پیش کر سکتے ۔ بہر حال ہم " خازن اسرار "

---

[۱] معصر ہند جو دونو ۔ ص ۱۹۵   [۲] فہرست بیکانیر سنسکرت لائبریری ص ۲۱۸۵ ، ۷۶۹ عدد ۷۸/۸ ؛

کو ابھیشا، ٹوڈرمل کی تصنیف نہیں مان سکتے۔

بھگوت پران | کہتے ہیں کہ راجہ ٹوڈرمل نے بھگوت پران کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا[1] تھا۔ لیکن اس خیال کی کسی تاریخی شہادت سے تائید نہیں ہوتی اور نہ اس کے کسی نسخے کا ذکر کہیں موجود ہے۔

رسالہ حساب | "ایک رسالہ درفن سیاق" بھی راجہ کیطرف منسوب[2] ہے۔ لیکن معلوم نہیں کہ یہ رسالہ فارسی میں تھا یا ہندی میں۔ کوئی عجب نہیں کہ فارسی میں ہی ہو۔

اکبری تراجم میں ہندوؤں کا حصہ | اس عہد کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ اس عہد میں سنسکرت کتابوں کے ترجمے کا کام نہایت سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ شروع ہوا۔ بدایونی کے بیانات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کاموں میں پنڈتوں سے بہت مدد لی گئی۔ اتھروید کا ترجمہ بدایونی کے سپرد کیا گیا تھا۔ اور امداد کے لئے ایک پنڈت بھی مقرر کیا گیا تھا۔ اسی نوع کی اور کئی مثالیں بھی موجود ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان فارسی تراجم میں ان برہمنوں کی کوششوں کو بھی بہت حد تک دخل ہے گویا وہ فارسی کتابیں مسلمان فضلا اور برہمنوں کے مشترک کارنامے ہیں۔

رائے منوہر توسنی | یہ چیز نہایت ہی عجیب ہے کہ اکبر کے زمانے میں ہم ایک ایسے ہندو شاعر کو دیکھتے ہیں۔ جسے فارسی کے ساتھ بے نظیر شغف اور واقفیت ہے۔ اس کے خیالات اسلامی تخیل میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور اس کی زبان شستہ

ف۱ A LIT: HISTORY OF INDIA P363؛ گریرسن۔ ص ۳۵

ف۲ دربار اکبری۔ ص ۵۲۹ : امرائے ہنود ص ۱۳۶

اور صحیح ہے۔ یہ ہندو قوم کا سب سے پہلا فارسی شاعر[۵۱] رائے محمد منوہر توسنی تھا بدایونی اس کے حالات میں لکھتا ہے :۔

"منوہر نام دارد ولد لون کرن راجۂ سانبراست کہ در لنگرزار مشہور است و این ہمہ نمک در سخن او تاثیر این سرزمین است، صاحب حسن غریب و ذہن عجیب است، اوّل او را محمد منوہر مے خوانند بعد ازان میرزا منوہر خطاب یافت و پدرش با وجود کفر بشرف و افتخار و مباہات ہمین محمد منوہر مے گفت، ہرچہ مرضئ طبع بادشاہی نبود، طبع نظمی دارد" از وست ؎

شیخ مستغنی بدین و برہمن مغرور کفر ۔ مست حسن دوست را با کفر و ایمان کار نیست

بے عشق تو در جگر لبالب نار است بے درد تو در سرم سراسر خار است
بتخانہ و کعبہ ہردو نزدم کفر است مارا بہ یگانگئ ایزد کار است

زمانے کہ تخلص بوے دادند این چند بیت گفتہ کہ ؎

شربت آشنا میا در بزم ما دُردی کشان کز جگر در کف کباب خونِ دل در ساغر است
ننگ مرو است حرف از جان و دل گفتن بعشق دل چو خون سخت بستہ جان چو باد صرصر است
توسنی بردہ سمند شوق در میدان عشق مے رسی این بمقصد رہبرت چون اکبر است

از ہندو سے چون این قدر طبع شعر و حالت غریب بود ثبت نمودہ آمد:

طبقاتِ اکبری[۵۲] میں لکھا ہے :۔

"رائے منوہر بن لون کرن از صغرسن در حجرۂ شفقت حضرت آلہی نشو و نما

---

۵۱ بدایونی ۔ ج ۳ ۔ ص ۲۰۱، ۵۲ طبقاتِ اکبری ۔ ص ۳۸۸، منوہر توسنی کے مفصل حالات کیلئے دیکھو سفینۂ خوشگو (قلمی) ج ۲ ۔ ورق ۹۳ ۔ گل رعنا (فہرست بانکی پور لائبریری ۔ ج ۸ ۔ ص ۱۳۰) آئینہ نامہ ۔ ج ۲ ۔ ص ۲۲۲ کلکتہ ریویو ۱۹۵۱ ۔ اپریل نمبر و امرائے ہنود ۔ ص ۳۴۳،

یافتہ، در خدمت شاہزادۂ کامگار سلطان سلیم بزرگ شدہ خط
سواد پیدا کردہ، سلیقۂ شعر بہم رسانیدہ۔ میگویند وکوسی (کذا) تخلص داد"
تزک جہانگیری میں لکھا ہے[1] :۔

"منوہر کہ از قوم کچھوائیاں سیکھاوٹ است و پدر من در خوردسالی با وعنایت بسیار
مے کردند۔ فارسی زبان بودہ با آنکہ از وتا بہ آدم ادراک فہم بہ ہیچ یکے از قبیلۂ او
نے توان کرد خالی از نفسے نیست وشعر فارسی مے گوید، این بیت از وست ؎

غرض ز خلقت سایہ ہمیں بود کہ کسے
بنور حضرت خورشید پائے خود ننہد

صاحب مآثر الامرا نے یہ شعر انتخاب کیا ؎

یگانہ بودن و یکتا شدن ز چشم آموز
کہ ہر دو چشم جدا و جدا نظر نکنند

تذکرۂ خوشنویسیاں[2] میں لکھا ہے :۔

"از صغر سن در حجرۂ شفقت حضرت خلیفۂ الٰہی نشو ونما یافتہ در خدمت
شاہزادۂ کامگار سلطان سلیم خط و سواد پیدا کردہ، سلیقۂ شاعری
وخوشخطی بہم رسانیدہ"

نشتر عشق[3] میں لکھا ہے :۔

"فکر شعر بروانی وسلاست می فرمود او اول شعرائے ہنود است
کہ نامش تا ایران زمین رسیدہ، میرزا صائبا مرحوم از کلام او این بیت

ے[1] ے[2]

ے[3]

را کہ می آید، پسندیدہ داخل بیاض خود نمودہ باوجود ظلمت سرشتی
خود را محمد منوہر مے نامد .... ازان خوش مقال است"!۔
از اثر یک نگہ اوست مست   ہم بت و ہم بتکدہ ہم بت پرست

زاہدا کعبہ پرستی تو و ما دوست پرست
تو باین عقل مسلمانی و من برہمنم

کرشنا داس | برٹش میوزیم لنڈن کی مطبوعہ کتابوں کی فہرست میں ہمیں ایک اور کتاب ملی ہے۔ جو کرشنا داس اکبری کی لکھی ہوئی ہے۔
یہ کتاب نہایت مختصر سی ہے۔ یعنی ۱۵۰ مصرعوں میں فارسی سنسکرت کی ایک لغت تیار کی گئی ہے۔ جس کی تیاری کا حکم خود شہنشاہ اکبر نے دیا تھا اگر برٹش میوزیم کی اطلاع صحیح ہے۔ تو یہ مختصر سا مجموعہ ہمیں اس زمانے کے ترجمے کی سرگرمیوں کے سلسلے میں کچھ مفید معلومات دیگا +

سید محمد عبداللہ ریسرچ سٹوڈنٹ

شاہنامہ
سے
فردوسی کے حالات

سرزمین ایران کے مشہور شاعر فردوسی طوسی کے متعلق اسوقت تک بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ دنیا نے اس کے حالات کی جستجو میں ہر ممکن ذریعۂ معلومات کی چھان بین کی ہے۔ اور ہر قسم کی اطلاع کا کافی ذخیرہ جمع کرلیا ہے تاہم ایک ماخذ ایسا ہے۔ جس کی طرف ابھی تک ہماری توجہ کماحقہ منعطف نہیں ہوئی ہے۔ حالانکہ جو مواد اس ماخذ سے ملتا ہے بلحاظ قدامت و اہمیت ہماری توجہ کا مستحق ہے۔ اس سے ہماری مراد خود فردوسی کا شاہنامہ ہے +

ان سطور میں شاہنامہ سے ایسی شہادت پیش کی جاتی ہے۔ جو فردوسی کے بعض حالات اور زیادہ تر شاہنامہ کی تصنیف کے واقعات پر روشنی ڈالتی ہے۔ یہ شہادت اگرچہ غیر معین متفرق اور مجمل ہے مگر اس کے صحیح ہونے میں کسی احتمال کی گنجایش امکان نہیں۔ فردوسی کے لئے فردوسی کے اپنے بیانات سے زیادہ اور کیا معتبر شہادت دستیاب ہوسکتی ہے۔ اس سلسلہ

میں بعض موقعوں پر دیباچۂ قدیم کے بیانات سے بھی حسب ضرورت استفادہ کیا گیا ہے۔ فردوسی ادبیات میں شاہنامہ کے بعد سب سے قدیم ماخذ یہی دیباچہ ہے۔ اس دیباچہ میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ فردوسی سے بعد میں آنیوالی صدی میں اس شاعر کے متعلق نہایت مختصر اطلاع تھی۔ اور فردوسی کے افسانہ کے نہال کو شجر بننے اور برگ و بار لانے کے لئے ابھی ایک عرصہ درکار تھا۔ اگرچہ بروی تنقید اس دیباچہ کے بعض بیانات بھی چنداں معتبر نہیں مانے جاسکتے۔ تاہم وہ ہماری توجہ کے مستحق ہیں ۔

دیباچۂ قدیم[۱] میں فردوسی کا نام " حکیم ابوالقاسم المنصور الفردوسی" دیا گیا ہے۔ فردوسی کا باپ دہقان جماعت سے تعلق رکھتا تھا۔ فردوسی کے دہقان پیشہ ہونے کی تائید شاہنامہ کے مختلف ابیات سے ملتی ہے۔ چنانچہ ؎

برآمد یکے ابر و برشد بماہ　　ہمی شیر بارید ز ابر سیاہ
ندریا پدیداست وے دشت و راغ　　نہ بینم ہمی بر ہوا پر زاغ
حواصل فشاند ہمی ہر زماں　　چہ سازد ہمی این بلند آسمان
نماندم نمکسود و ہیزم نجو　　نہ چیزی پدیداست تا جو درو
بدین تیرگی روز ہول خراج　　زمین گشت از برف چون کوی عاج
من اندر چنین روز و چندین نیاز　　باندیشہ درگشتہ فکرم دراز

---

[۱] اپریل ۱۹۲۸ء کے رسالہ اردو - اورنگ آباد میں محترمی حکیم شمس اللہ صاحب قادری نے دیباچہ قدیم کو شائع کر دیا ہے۔ [۲] دیباچہ کی اصل عبارت یہ ہے "آوردہ اند کہ پدر فردوسی مردے دہقان بود دو فرزند داشت یکی حکیم ابوالقاسم المنصور الفردوسی و یکی مسعود" (دیباچۂ قدیم قلمی)

همه کارها شد سر اندر نشیب   مگر دست گیرد [حسین قتیب][1]

(شاہنامہ طبع میکن جلد ثالث ص ۱۴۸۷)[2]

مرا دخل و خوردار برابر بدی   زمانہ مرا چوں برادر بدی

تگرگ آمد امسال برسان مرگ   مرا مرگ بهتر بدی زان تگرگ

در هیزم و گندم و گوسفند   بہ بست این بر آورده چرخ بلند

(کشتہ شدن یزدجرد بدست آسیابان ص ۲۰۸۹ جلد رابع طبع میکن)

حسین قتیب است ز آزادگان   کہ از من نخواهد سخن رایگان

ازویم خور و پوشش و سیم و زر   ازو یافتم جنبش و پا و پر

نیم آگه از اصل و فرع خراج   همی غلطم اندر میان دواج

(تاریخ انجام شاہنامہ ص ۲۰۹۵، جلد چہارم)

ان اشعار سے جن میں جو کی فصل - برفباری و ژالہ باری - گندم و ہیزم اور خراج زمین کا ذکر ہے - معلوم ہوتا ہے - کہ فردوسی بذریعۂ دہقانی اپنی معاش حاصل کرتا تھا - دہقان ان ایام میں مالک اراضی کو کہا جاتا تھا - جو مزارعین کو زمین

---

[1] میکن کے تتبع میں مطبوعہ شاہناموں میں یہاں "بچنیرے جنیب" ملتا ہے - لیکن ایک قلمی نسخہ نوشتہ ۸۴۱ھ میں اس جگہ حسین قتیب' مرقوم ہے - چونکہ شاہنامہ کے خاتمہ میں بھی 'حسین قتیب' موجود ہے -
ع حسین قتیب است ز آزادگان (ص ۲۰۹۵) اس لئے میں نے حسین قتیب اختیار کر لیا -

[2] یہ اور آیندہ حوالے شاہنامہ طبع کلکتہ ۱۸۲۹ء سے ہیں - جسکو میکن نے شائع کیا تھا -

بغرض کاشت دیا کرتا تھا۔ سرکار میں ہر دہقان اپنی اپنی زمین کے مالیہ کی ادائیگی کا ذمہ دار تھا۔ سلطنت اور کاشتکار کے درمیان یہ طبقہ ساسانی زمانہ سے موجود تھا۔ بقول مسعودی، دہاقین، وبکرت بن فرواں بن سیامک بن نرسی بن کیومرث کے اسباط ہیں۔ وبکرت کے فرزند کے دس لڑکے تھے۔ ان کی اولاد دہقان مشہور ہوئی۔ وبکرت پہلا شخص ہے جو دہقان کہلایا۔ دہقانوں کی جماعت پانچ طبقوں میں منقسم تھی۔ اور ہر طبقہ اپنا مخصوص لباس رکھتا تھا[۱]۔

شاہنامہ میں دہقان کا ذکر ایک تو شاہنامہ کے راوی کی حیثیت سے آتا ہے مثلاً ؎

سخن گوی دہقان چہ گوید نخست ‌ ‌ ‌ ‌ که نام بزرگی بگیتی کہ جست

(صلا جلد اوّل)

یہ دہقان جسکا نام فردوسی کہیں بیان نہیں کرتا شاہنامہ کی اکثر داستانوں کا راوی ہے۔ اور ان کی ابتدا میں شاعر معمولاً اسکی طرف تلمیح کرتا ہے۔ دوسرے بمعنی کسان و کاشتکار یعنی وہی مفہوم جو فی زماننا اس سے لیا جاتا ہے۔ چنانچہ ؎

گراید و نکہ دہقان بدی تنگدست ‌ ‌ ‌ ‌ سوی نیستی گشتہ کارش زہست
بدادی زگنج آلت و چارپای ‌ ‌ ‌ ‌ نماندی کہ پایش برفتی ز جای

(ذکر خردمندی اردشیر ص۱۴۰۴، جلد ثالث)

فردوسی شاہنامہ کے ضمن میں بار بار ایسے خیالات و جذبات کا اظہار کرتا ہے جو قدرتاً ایک دہقان کو مرغوب ہوں مثلاً محمود کی تعریف میں ؎

---

[۱] مروج الذہب ص۲۴۱-۲۴۰، جلد دوم۔

زفرش جہان شد چو باغ بہار　　ہوا پر ز ابر و زمین پر نگار
ز ابر اندر آمد بہنگام نم　　جہان شد بکردار باغِ ارم

(صفحہ ۱۰، جلد اوّل)

ایک اور موقع پر محمود سے خطاب کرتا ہے ؎

اگر داد گر باشی ای شہریار　　بگیتی بمانی یکی یادگار
کہ جاوید ہر کس کند آفرین　　بداں شاہ کا باد دارد زمین

(صفحہ ۱۶۲۴، جلد سوم)

داستانِ بیژن

فردوسی کی سب سے پہلی تصنیف داستان بیژن ہے۔ جسکو وہ اپنی اہلیہ کی فرمائش پر نظم کرتا ہے۔ واقعۂ ذیل اس داستان کی تصنیف کا موجب ہے۔

۳۶۵ھ کے گردوپیش میں کسی ایک رات فردوسی اپنے خانہ باغ میں سو رہا تھا۔ کسی نامعلوم وجہ سے اسکو نیند نہیں آئی۔ ہرچند چاہا کہ سو رہے لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ جب گھبراہٹ زیادہ ہوئی۔ اسنے اپنی بیوی کو آواز دی وہ چراغ لے کر آئی۔ پھر کچھ میوے اور نبیذ لائی اور شاعر کا دل موسیقی ساز اور سرود سے بہلاتی رہی۔ زاں بعد گویا ہوئی کہ میں تمہارے دل بہلاؤ کے لئے ' دفتر باستاں ' کی ایک کہانی سناتی ہوں جو رزم و بزم۔ فریب و محبت کے واقعات پر مبنی ہے۔ جسکو سنکر تم آسمان کی نیرنگیازی پر تعجب کروگے۔ فردوسی نے خواہش کے ساتھ کہا۔ کہ ضرور مجھے یہ داستان سناؤ۔ بولی۔ اس شرط پر سناتی ہوں۔ کہ

کہانی سُننے کے بعد اسکو نظم کردو - شاعر نے کہا ہاں ہاں - میں جس طرح سنونگا - اسی طرح اسکو نظم کردوں گا - اس سے میری طبیعت کی وحشت دُور ہو جائیگی - دوسرے فکر شعر میں مجھ کو مزے سے نیند بھی آجائے گی - مختصر یہ کہ فردوسی کی اہلیہ نے وہ کہانی دفتر پاستان سے پڑھ کر سُنائی - اور شاعر نے بعد میں اسکو نظم کر دیا -

داستان بیژن کا واقعاتی خاکہ کچھ ایسا دلچسپ ہے کہ عورت و مرد پیر و جوان اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے - نوجوان بیژن کیخسرو کے دربار سے جنگلی سوروں کے نابود کرنے کی مہم پہ ملک ارمن روانہ ہوتا ہے - راہبری کے لئے گرگیں جیسا گرگِ باراں دیدہ ہمراہ کر دیا جاتا ہے - مہم ختم ہو جانے کے بعد بیژن مراجعت کے لئے طیار ہوتا ہے - گرگیں کو اسکی آیندہ شہرت و اعزاز پر حسد آتا ہے - اسکی عزت کو خاک میں ملانے کے لئے وہ یہ سبز باغ دکھاتا ہے - کہ یہاں سے ایک دو روز کے فاصلہ پہ ایک خوشنما مرغزار تورانی حدود میں واقع ہے - جہاں تورانی لڑکیاں موسمِ بہار میں جشن منانے کی غرض سے آتی رہتی ہیں افراسیاب پادشاہ توران کی خوبصورت بیٹی منیژہ بھی ہر سال آیا کرتی ہے آجکل اتفاق سے بہار کا موسم ہے - اور تورانی لڑکیوں کی آمد کا زمانہ ہے اگر منظور کرو - تو ہم تم چلیں - کچھ لڑکیاں پکڑ لائیں - اور ایران لے چلیں - واللہ ہماری بڑی ناموری ہوگی - سادہ لوح بیژن فریب میں آجاتا ہے اور ترکستانی علاقہ میں گھس جاتا ہے - یہاں منیژہ بغرض تفریح آئی ہوئی تھی - وہ بیژن کو دیکھ کر عاشق ہو جاتی ہے - اور دایہ کی معرفت اسکو اپنے خیمہ میں بلوا لیتی ہے - کچھ دن کے بعد شہزادی اس کی جُدائی کی تاب نہ لا کر

بیہوشی کی دوا بیژن کو سنگھا دیتی ہے۔ اور خفیہ طور پر شاہی محل میں لے جاتی ہے۔ حاجب محلسرا کی معرفت یہ خبر افراسیاب کے کانوں تک پہنچ جاتی ہے۔ شاہی حکم سے فوج روانہ ہوتی ہے اور بیژن گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ ایک تاریک چاہ اسکا زنداں قرار پاتا ہے۔ منیژہ کا محل لوٹ لیا جاتا ہے۔ اور شہزادی فقیرانہ لباس میں شاہی قصر سے نکال دی جاتی ہے۔ وہ اب در در بھیک مانگتی ہے۔ اور اپنا اور قیدی کا پیٹ پالتی ہے۔ جام جہاں نما کے ذریعہ سے کیخسرو کو بیژن کی قید کا علم ہوتا ہے۔ رستم سات پہلوانوں کی معیت میں بغرض رہائی بیژن توران روانہ ہوتا ہے۔ اور موقعہ پاکر بیژن کو کنوئیں سے نکال لیتا ہے اب ایرانی پہلوان افراسیاب کے محل پر حملہ کر دیتے ہیں۔ افراسیاب بھاگ جاتا ہے۔ اور محل لوٹ لیا جاتا ہے۔ دوسرے دن افراسیاب رستم سے جنگ کرتا ہے۔ اور شکست کھا کر لوٹ جاتا ہے۔ اور رستم معہ منیژہ و بیژن واپس ایران آجاتا ہے +

یہ کہانی جسکے مختصر خط و خال میں نے اوپر بیان کئے ہیں۔ اس رات فردوسی نے اپنی اہلیہ سے سُنی تھی۔ میکن کے شاہنامہ میں صفحہ ۷۹۳ سے شروع ہوکر صفحہ ۸۰۶ پر ختم ہوتی ہے۔ اسکا شمار شاہنامہ کی بہترین داستانوں میں ہونا چاہیئے۔ فردوسی اس رات کی تاریکی۔ سکوت کے عالم۔ باغ کے بھیانک منظر۔ اپنی تنہائی اور وحشت کے جذبات کو اسطرح بیان کرتا ہے ؎

شبی چون شبہ روی شستہ بقیر نہ بہرام پیدا نہ کیوان نہ تیر
دگر گونہ آرایشی کرد ماہ بسیج گذر کرد بر پیشگاہ

شده تیره اندر سرای درنگ — میان کرده باریک و دل کرده تنگ
نه تابش نه بهره شده لاجورد — سپرده هوا را بزنگار گرد
سیاه شب تیره بر دشت و راغ — یکی فرش افگنده چون پرّ زاغ
چو پولاد زنگار خورده سپهر — تو گفتی بقیر اندر اندوده چهر
نمودم ز هر سو سیه اهرمن — چو مار سیه باز کرده دهن
هر آنگه که برزد یکی باد سرد — چو زنگی برانگیخت ز انگشت گرد
چنان گشت باغ و لب جویبار — کجا موج خیزد ز دریای قار
فرو مانده گردون گردان بجای — شده سست خورشید را دست و پای
زمین زیر آن چادر قیرگون — تو گویی شدستی بخواب اندرون
جهان را دل از خویشتن پر هراس — جرس برگرفته نگهبان پاس
نه آوای مرغ و نه هرّای دد — نمانده زبان بسته از نیک و بد
نبد هیچ پیدا نشیب و فراز — دلم تنگ شد زان درنگ دراز

(ص ۱۵۴۲)

یہ اشعار فردوسی کی شاعری کے بہترین نمونوں میں شمار کئے جاتے ہیں - فردوسی کے ہموطن اور مقلد اسدی طوسی نے گرشاسپ نامہ (سنہ ۴۵۸ھ) میں ان کا جواب دیا ہے - جس کا ابتدائی شعر یہاں درج ہوتا ہے ؎

شبی بد چو زنگی سیه تر ز زاغ — مه نو چو در دست زنگی چراغ

بعد کے واقعات کو ہمارا شاعر اس طرح بیان کرتا ہے ؎

بدان تنگی اندر بجستم ز جای — یکی مهربان بودم اندر سرای
خروشیدم و خواستم زو چراغ — در آمد بت مهربانم بباغ
مرا گفت شمعت چه باید همی — شب تیره خوابت نیاید همی

بدو گفتم ای بت نیم مرد خواب
بیاور یکی شمع چون آفتاب

بنه پیشم و بزم را ساز کن
بچنگ آر چنگ و می آغاز کن

برفت آن بت مهربانم ز باغ
بیاورد رخشنده شمع و چراغ

می آورد و نار و ترنج و بهی
ز دوده یکی جام شاهنشهی

گهی می گسارید و گه چنگ ساخت
تو گفتی که هاروت نیرنگ ساخت

دلم بر همه کار پیروز کرد
شب تیره همچون گه روز کرد

مرا مهربان یار بشنو چه گفت
ازان پس که گشتیم با جام جفت

مرا گفت آن ماه خورشید چهر
که از جان تو شاد بادا سپهر

بپیمای می تا یکی داستان
ز دفتر برت خوانم از باستان

که چون گوشت از گفت من یافت برخ
شگفت اندر و مانی از کار چرخ

پر از چاره و مهر و نیرنگ و جنگ
همه از در مرد فرهنگ و سنگ

بدان سرو بن گفتم ای ماهروی
مرا امشب این داستان باز گوی

مرا گفت کز من سخن بشنوی
بشعر آری از دفتر پهلوی

بگفتم بیار ای مه خوب چهر
بخوان داستان و بیفزای مهر

مگر طبع شوریده بگشایدم
شب تیره ز اندیشه خواب آیدم

ز تو طبع من گردد آراسته
ایا مهربان یار پیراسته

چنان چون ز تو بشنوم در بدر
بشعر آورم داستان سربسر

بگویم پذیرم ز یزدان سپاس
ایا مهربان جفت نیکی شناس

بخواند آن بت مهربان داستان
ز دفتر نوشته گه باستان

بگفتار شعرم کنون گوش دار
خرد یاد دار و بدل هوش دار

(صفحہ ۵۵-۱۵۴ جلد ثانی)

جو لوگ فردوسی کی طرز اختصار پسندی سے واقف ہیں وہ تسلیم کرینگے۔ کہ تمام شاہنامہ میں داستان بیژن ہی ایک ایسا موقعہ ہے۔ جہاں شاعر نے خلاف معمول ایسی طول طویل تمہید زیب عنوان کی ہے۔ ورنہ باقی داستانوں میں یا تو تمہید لکھی ہی نہیں۔ یا اگر لکھی ہے تو اتنی مختصر کہ چند بیت سے زیادہ اس پر صرف نہیں کئے۔ اس لئے یہ امر روشنی میں آجاتا ہے۔ کہ داستان بیژن لکھتے وقت صورت حالات بالکل مختلف تھی۔ نہ اسوقت تک اس کو شاہنامہ کی نظم کا خیال آیا تھا۔ اور نہ اس نظم کو بسلسلۂ شاہنامہ اسنے لکھا تھا۔ بلکہ ایک علیحدہ اور مستقل تصنیف کی حیثیت سے۔ اسی لئے شاعر نے ان اسباب کو جو اس تصنیف کے محرک ہوئے بطور دیباچہ آغاز داستان میں درج کر دیا۔

اختصار پسندی فردوسی کا نمایاں وصف ہے۔ دوسرے شعرا کی طرح وہ اپنے مضمون کو پھیلا کر بیان کرنا نہیں چاہتا۔ یہ خصوصیت شاہنامہ میں من اولہ الی آخرہ مشاہدہ کی جاتی ہے۔ لیکن دیکھا جاتا ہے۔ کہ داستان بیژن میں ہمارا شاعر خلاف معمول بعض موقعوں پر بلا ضرورت اپنے بیانات میں طوالت سے کام لیتا ہے۔ مثلاً کیخسرو کے دربار کا بیان ص۵۵، کیخسرو کا خط رستم کے نام جس میں غیر ضروری طور پر رستم کی مداحی کی گئی ہے ص۸۶، اور رستم کی دعا کیخسرو کے حق میں ص۹۴۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام داستان کے اندر طوالت کا انداز برتا گیا ہے۔ جو اس کی روش مستمرہ سے بالکل مختلف ہے۔

الف اشباع کا استعمال بتقلید عربی فردوسی سے ماسبق اساتذہ رودکی و دقیقی کے ہاں کثرت سے ملتا ہے۔ دقیقی کے ہزار اشعار میں جو شاہنامہ میں محفوظ ہیں۔ کئی موقعوں پر نظر آتا ہے۔ یہ الف بغرض تحسین کلام اسم اور فعل دونوں کے آخر میں لایا جاتا تھا مثلاً دقیقی کے یہ شعر ؎

پس از دخترِ نامور قیصرا — کہ ناہید بد نام آن دخترا

(صفحہ ۱۰۶۶، جلد سوم)

یکی چارہ باید سگالیدنا — وگرنہ رہ ترک مالیدنا

(صفحہ ۱۰۸۶، جلد سوم)

داستانِ بیژن میں الف اشباع کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک مقام کے یہ مسلسل ابیات ؎

بایوان افراسیاب اندرا — ابا ماہروی ہب بالیں سرا

بہ پیچید بر خویشتن بیژنا — بپیزدان بہ پنا ہید زاہرمنا

چنین گفت کای کردگارا مرا — رہائی نخواہد بدن زایدرا

(صفحہ ۶۶۳، جلد دوم)

اسی صفحہ پر تین شعر چھوڑ کر یہ دو شعر بھی ملاحظہ ہوں ؎

بروان زہر گونہ کار آیدا — گہی بزم وگہ کارزار آیدا

نہا وند ہر دو بخوردن سرا — کہ ہم دار بد پیش و ہم منبرا

بلامبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس قسم کے الف کا استعمال داستان بیژن میں ۳۷ موقعوں پر ہوا ہے۔ جو بجائے خود ایک قابلِ حیرت معاملہ ہے کیونکہ باقی شاہنامہ سے ایسے الف کی مثالیں پندرہ سے زیادہ نہیں ملیگی۔ جن میں سے دس کے قریب داستان کیومرث اور دقیقی کے اشعار میں ہیں۔ اس سے یہی پایا جاتا ہے۔ کہ داستان بیژن شاہنامہ سے بہت پہلے لکھی گئی ہے۔ جبکہ فردوسی اپنا انداز خاص قائم نہیں کر چکا تھا +

رزمیات میں فردوسی کا سکہ شاہنامہ کی وجہ سے ہمارے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس صنف سخن میں شاہنامہ کے علاوہ کوئی اور تصنیف اس کی

طرف منسوب بھی نہیں۔ لیکن شاہنامہ کے بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ فردوسی شاہنامہ کی نظم کا مستقل ارادہ کرنے سے پیشتر رزمیہ شاعری کے لئے اپنے احباب میں شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اس کا ایک دوست شاہنامہ کی نظم پر آمادہ کرنے کی غرض سے اسے یوں ترغیب دیتا ہے ؎

گشادہ زبان و جوانیت ہست   سخن گفتن پہلوانیت ہست

(صـ۸، جلد اول)

(تم جوان اور طلیق اللسان ہو۔ اور رزمیہ شعر خوب لکھتے ہو)

ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ یہ شہرت فردوسی نے داستان بیژن کی بدولت حاصل کر لی تھی۔ جو اس زمانہ سے قبل شایع ہو چکی تھی۔

میکن کا اعتقاد ہے کہ فردوسی کے بیانات بسلسلۂ مدت نظم شاہنامہ زیادہ تر سرسری اور بے سروپا ہیں۔ مثلاً ایک مقام پر یہ زمانہ تیس سال بیان ہوا ہے۔ دوسری جگہ پینتیس سال کہا گیا ہے۔ اس کے ذہن میں ذیل کے اشعار ہیں ؎

سی و پنج سال از سرای سپنج   بسی رنج بردم بامید گنج
چو برباد دادند رنج مرا   نبد حاصلی سی و پنج مرا

(صـ۲۰۹۵، جلد چہارم)

بسی رنج بردم درین سال سی   عجم زندہ کردم بدین پارسی
چو سی سال بردم بشہنامہ رنج   کہ شاہم ببخشد بپاداش گنج

(صـ۶۵، جلد اول)

یہ اعتراض بظاہر معقول ہے۔ مگر صحیح نہیں کیونکہ فردوسی اس تیس سال میں صرف مدت تصنیف شاہنامہ بیان کر رہا ہے۔ لیکن جب پینتیس سال کہتا

سلہ دیباچہ انگریزی صـ۸، جلد اول،

ہے ۔ تو اس میں داستان بیژن کا زمانہ بھی شامل کر لیتا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ شاہنامہ کی نظم کے مستقل ارادہ سے پانچ سال پیشتر وہ داستان بیژن لکھ چکا ہے یہ مان کر کہ شاہنامہ اُسنے ۳۷۰ھ[1] میں شروع کیا ۔ داستان بیژن کو ۳۶۵ھ کے گرد و پیش میں لکھا جانا چاہیئے ۔ اس لئے میں خیال کرتا ہوں کہ فردوسی دونو مدتوں کے بیان کرنے میں حق بجانب ہے ۔

ان بعض وجوہ سے جو اوپر مذکور ہیں ۔ ہم ناظرین کو اس امر کے یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ کہ داستان بیژن شاعر نے محض اپنی اہلیہ کی فرمائش سے نظم کر دی[2] تھی ۔

شاہنامہ کی تصنیف

جب داستان بیژن نظم ہو کر شایع ہوئی ہے ۔ تو ایک دھوم مچ گئی ہوگی ۔ دوست و احباب کی تحسین اور سخن شناسوں کی واہ واہ نے فردوسی کو آخر کار تمام شاہنامہ کی نظم پر آمادہ کر دیا ۔ ان میں سے ایک شخص جسے شاعر ’ مہربان دوست ‘ کے الفاظ سے یاد کرتا ہے ۔ اور فردوسی کا گہرا دوست بھی ہے ۔ کہتا ہے کہ تم ابھی جوان ہو اور خوش گفتار و شیریں کلام اس کے علاوہ رزمیہ شاعری کا تم کو سلیقہ ہے ۔ اس کتاب کو ضرور نظم کرو اور رؤسا کے ہاں اس کے ذریعہ سے آبرو حاصل کرو ۔ کتاب میرے پاس موجود ہے ۔ ابھی لائے دیتا ہوں ۔ یہ کہکر گیا ۔ اور کتاب لا کر فردوسی

---

[1] شاہنامہ سنہ ۴۰۰ھ میں ختم ہوتا ہے ۔ [2] جولائی سنہ ۱۹۲۱ء کے رسالہ اردو اورنگ آباد میں مَیں نے داستان بیژن کی اولیت کے متعلق کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے ۔

کے حوالہ کر دی ؎

بشہرم یکی مہربان دوست بود — تو گوئی کہ با من بیک پوست بود
مرا گفت خوب آمد این رای تو — بہ نیکی خرامد مگر پای تو
نوشتہ من این نامۂ پہلوی — بہ پیش تو آرم مگر نغنوی
گشادہ زبان و جوانیت ہست — سخن گفتن پہلوانیت ہست
شو این نامۂ خسروان باز گوی — بدین جوی نزد مہان آبروی
چو آورد این نامہ نزدیک من — بر افروخت این جان تاریک من

(صـ ۸ ، جلد اوّل)

فردوسی سے پہلے شاہنامہ کی منازل کا دشت نورد دقیقی شاعر ہے جسکے متعلق فردوسی لکھتا ہے کہ دفتر باستان کے یہ افسانے قصہ خوان عوام میں سُناتے پھرتے تھے۔ ان کی شہرت اسقدر عام تھی کہ دانا اور راستباز اصحاب بھی ان میں دلچسپی لیتے تھے۔ یہ مقبولیت دیکھ کر ایک خوش طبع شاعر نے کہا کہ میں ان کو نظم کئے دیتا ہوں۔ سامعین یہ سنکر بہت محظوظ ہوئے۔ یہ شاعر جوان تھا مگر بدچلن۔ اس بدچلنی کے طفیل اسکی جان گئی اور ایک غلام کے ہاتھ سے مارا گیا۔ داستان گشتاسپ و ارجاسپ سے ابھی ایک ہزار شعر کہنے پایا تھا۔ کہ اسکا پیمانۂ حیات لبریز ہوگیا ؎

چو از دفتر این داستانہا بسی — ہمی خواند خوانندہ بر ہر کسی
جہان دل نہادہ بدین داستان — ہمان بخردان و ہمان راستان

لہ دقیقی سے پیشتر کئی شاہنامے مروج تھے۔ (۱) شاہنامۂ مسعودی جو منظوم تھا (۲) شاہنامہ ابوالمؤید بلخی (۳) شاہنامہ ابوعلی بلخی (۴) شاہنامہ ابومنصوری۔ تفصیل کیلئے دیکھو رسالہ ہذا کا دوسال دوم دفعۂ جدید شمارہ ۱۵

جوانی بیامد گشادہ زبان — سخن گوی و خوش طبع و روشن روان
بنظم آرم این نامہ را گفت من — ازو شادمان شد دلِ انجمن
جوانیش را خوی بد یار بود — ابا بد ہمیشہ بہ پیکار بود
برو تاختن کرد ناگاہ مرگ — نہادش بسر بر یکی تیرہ ترگ
بدان خوی بد جان شیرین بداد — نبود از جہان دلش یک روز شاد
یکایک ازو بخت برگشتہ شد — بدست یکی بندہ برکشتہ شد
ز گشتاسپ و ارجاسپ بیتی ہزار — بگفت و سر آمد ورا روزگار

(ص ۷، جلد اول)

دقیقی کے قتل کے اسباب پر اگرچہ فردوسی نے پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن صاحب دیباچۂ قدیم نے اس پردہ کو اٹھا دیا ہے اور کہا ہے کہ "دقیقی مردی بود کہ غلامان را دوست میداشت چون از شاہنامہ یک چندی بنظم آورد۔ اتفاق چنان اوفتاد کہ غلامی ترک کہ وراں دوسہ روز خریدہ بود باوی لابہ می کرد و آن غلام کاردی بر شکم دقیقی زد و بدان زخم اورا ہلاک کرد و این شاہنامہ ناتمام بماند"۔

فردوسی دقیقی کے کارنامہ کی بابت اچھی راے نہیں رکھتا۔ نہ اس کے کمال کا معتقد ہے۔ لیکن وہ بالکل حق بجانب ہے۔ جب کہتا ہے ؎

سخن چون بدین گونہ بایدت گفت — مگوی و مکن رنج با طبع جفت
چو طبعی نداری چو آب روان — مبر دست زی نامۂ خسروان
دہان گر بماند ز خوردن تہی — ازان بہ کہ ناساز خوانی نہی

(ص ۱۱۰۴، جلد ثالث)

تاہم شاہنامہ کے بارہ میں وہ اسکو اپنا رہبر تسلیم کرتا ہے۔ اور اسکی مساعی

کی داد دیتا ہے ؎

گرفتم بگوینده بر آفرین — که پیوند را راه داد اندرین
اگرچہ نہ پیوست جز اندکی — ز بزم و ز رزم از ہزاران یکی
ہم او بود گوینده را راہبر — کہ شاہی نشانید بر گاہ بر

(ص ۱۱۰۴، جلد ثالث)

شاہنامہ کے لئے ذخیرہ فراہم کرنے کی نیت سے سب سے پہلے فردوسی نے بخارا کا سفر کیا جہاں اسکو دفتر پہلوی، یا شاہنامہ کے کامل نسخہ کی دستیابی کی امید تھی چنانچہ دیباچہ ؎

دل روشن من چو برگشت ازوی — سوی تخت شاہ جہاں کرد روی
کہ این نامہ را دست پیش آورم — ز دفتر بگفتار خویش آورم

(ص ۷، جلد اول)

اسی تلاش میں وہ مرد، بلخ اور ہرات میں بھی جاتا ہے۔ ہرات میں وہ پیر خراسان، ماخ سے ملتا ہے۔ یہ شخص سیاح اور جہاندیدہ تھا۔ فردوسی نے اس سے داستان ہرمز حاصل کی ہے ؎

یکی پیر بد مرزبان ہری — پسندیدہ و دیدہ از ہر دری
جہاندیدہ و نام او بود ماخ — سخندان و با برگ و با برز و شاخ
بپرسیدمش تا چہ دارد بیاد — ز ہرمز کہ بنشست بر تخت داد
چنین گفت پیر خراسان کہ شاہ — چو بنشست بر نامور پیشگاہ

(ص ۱۷۹۱، جلد ۴)

موبدین احمد بن سہل کے ہاں آزاد سرو سے ملکر داستان شغاد کے واقعات معلوم کئے ؎

یکی پیر بد نامش آزاد سرو
که با احمد سهل بودی بمرو

کجا نامهٔ خسروان داشتی
تن و پیکر پهلوان داشتی

دلی پر ز دانش سری پر سخن
زبان پر ز گفتارهای کهن

بسام نریمان کشیدش نژاد
بسی داشتی رزم رستم بیاد

بگویم سخن آنچه زو یافتم
سخن را یک اندر دگر یافتم

(ص۱۳۲۹، جلد ثالث)

بلخ میں کسی موبد سے خسرو پرویز کی گرفتاری کے حالات دریافت کئے ؎

چنین یاد دارم ز موبد به بلخ
بخسرو چو شد این جهان تار و تلخ

(شاہنامہ نوشتہ ۷۵۲ھ)

الغرض جہاں جہاں گیا اپنی تلاش وجستجو میں مصروف رہا - اور جس جس سے ملا - کچھ نہ کچھ معلوم کیا ؎

بپرسیدم از هر کسی بیشمار
بترسیدم از گردش روزگار

(ص۸، جلد اوّل)

فردوسی کے عزم کے خلاف دو زبردست موانع تھے - اوّل عمر کی ناپائداری - دوسرے افلاس اور ناداری ؎

مگر خود درنگم نباشد بسی
بباید سپردن بدیگر کسی

و دیگر که گنجم وفادار نیست
همان رنج را کس خریدار نیست

(ص۸)

نظامی عروضی کا بیان ہے کہ فردوسی جو دیہ باژ کا رہنے والا تھا اس گاؤں میں سب سے متمول شخص تھا - نظامی کے الفاظ ہیں:-

"فردوسی دران دیه شوکتی تمام داشت چنانکه بدخل آن ضیاع از

امثالِ خود بی نیاز بود" (چہار مقالہ صہ ۴۷)
لیکن شاہنامہ اس بیان کی تائید نہیں کرتا - مختلف بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تہیدست اور تنگدست تھا - اور اس کے احتیاج کے برابر اس کی آمدنی نہیں تھی چنانچہ شاہنامہ ؎

چنین سال بگذاشتم شصت و پنج　　بدرویشی و زندگانی و رنج
(صہ ۹۰۳، جلد دوم)

دیگر

دو گوش و دو پای من آہو گرفت　　تہیدستی و سال نیرو گرفت
(صہ ۱۲۲۹، جلد سوم)

دیگر

بجای عنانم عصا داد سال　　پراگندہ شد مال و برگشت حال
(صہ ۴۸۶، جلد اوّل)

دیگر

ہمی خورد باید کسی را کہ ہست　　منم تنگدل تا شدم تنگدست

ان اشعار سے ظاہر ہے - کہ ہمارا شاعر غریب تھا - اور اس کی گذر اوقات عسرت سے ہوتی تھی - حتیٰ کہ مالیۂ زمین کی ادائگی کے لئے دوسروں سے درخواست کرتا ہے -

اس کے علاوہ وہ ایک پُر آشوب زمانہ تھا - چاروں طرف جنگ و فساد کی آتش برپا تھی - جس کی وجہ سے مسافروں کو آمد و رفت میں بہت تکلیف ہوتی تھی - اور انسان آزادی کے ساتھ سفر نہیں کر سکتا تھا ؎

زمانہ سرای پر از جنگ بود　　بجویندگان بر جہان تنگ بود

نوح بن منصور ۳۶۵ھ ـ ۳۸۷ھ کا زمانہ طاقتور امرا کی بغاوت و سرکشی کے لئے مشہور ہے۔ جس میں سیمجوریوں کی مخالفت سرزمین خراسان میں عرصہ تک قائم رہی ہے۔ اور ۳۸۴ھ تک ختم نہیں ہوئی۔

لیکن جب کوئی کام ہونے والا ہوتا ہے۔ تو خدا غیب سے اس کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ فردوسی کو ایک ایسے قدردان سرپرست کی ضرورت تھی جو اسے دغدغۂ معاش کی طرف سے فارغ البال کر دے۔ چنانچہ یہ مربی بھی مل گیا۔ ہمارا شاعر اس کا نام بیان نہیں کرتا۔ اور صرف 'مہتر گردن فراز' کے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ اور اس کے متعلق لکھتا ہے ؎

بدین نامہ چون دست کردم دراز　　یکی مہتری بود گردن فراز
جوان بود و از گوہر پہلوان　　خردمند و بیدار و روشن روان
خداوند رای و خداوند شرم　　سخن گفتن خوب و آوای نرم
مرا گفت کز من چہ آید ہمی　　کہ جانت سخن بر گراید ہمی
بچیزی کہ باشد مرا دسترس　　بکوشم نیازت نیارم بکس
ہمی داشتم چون یکی تازہ سیب　　کہ از باد نامد بمن بر نہیب
بکیوان رسیدم ز خاک نژند　　ازان نیکدل نامور ارجمند
بچشمش ہمان خاک و ہم سیم و زر　　کریمی بدو یافتہ زیب و فر

(ص ۸)

بدقسمتی دیکھئے کہ یہ رئیس جبکہ شاہنامہ اپنے ابتدائی مراحل طے کر رہا تھا۔ اس جہان فانی سے رحلت کر گیا۔ اس کی وفات نے ہمارے شاعر کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ وہ دردناک الفاظ میں اس کا مرثیہ قلمبند کرتا ہے ؎

چنان نامور گم شد از انجمن — چو از باد سرو سہی در چمن
دریغ آن کمربند و آن گردگاه — دریغ آن کئی برز و بالای شاه
نہ زو زندہ بیستم نہ مردہ نشان — بدشت نہنگان مردم کشان
گرفتار دل زو شدہ ناامید — روان لرز لرزان بکردار بید
ستم باد بر جان آن ماہ و سال — کجا بر تن شاہ شد بدسگال

(صـ۸، جلد اوّل)

اسی امیر نے فردوسی کو مشورہ دیا تھا کہ جب یہ کتاب ختم ہو جائے۔ تو اسے کسی پادشاہ کی طرف منسوب کرنا ؎

یکی پند آن شاہ یاد آورم — ز کژی روان سوی داد آورم
مرا گفت کاین نامۂ شہریار — اگر گفتہ آید بشاہان سپار

(صـ۸، جلد اوّل)

یہ رئیس خواہ منصور بن محمد ہو یا کوئی اور۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اس کا تعلق سیمجوریوں سے تھا کیونکہ طوس ان ایام میں انہی کے قبضہ میں تھا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ فردوسی نے اسکا نام جب شاہنامہ سلطان محمود کی طرف منسوب کیا۔ شاہنامہ سے دانستہ خارج کر دیا۔

الغرض کچھ ایسے اسباب اور واقعات تھے۔ جنہوں نے فردوسی کو اس عظیم الشان کام پر بالآخر آمادہ کر دیا۔ اس کے لئے یہ زمانہ نہایت مبارک تھا۔ اور مستقبل خوش آیند امیدوں سے معمور تھا۔ جب وہ اپنی عمر کے شصت سالہ مرحلہ پر پہنچا ہے۔ اطمینان اور فارغ البالی اس سے کنارہ کش تھے۔ شاعر اپنے ماضی پر ایک نظر ڈالتا ہے۔ اور اسی زمانہ کو خوش فال اور مبارک مانتا ہے۔ گویا شاہنامہ کے آغاز کا زمانہ اس کی زندگی کا

گل و گلزار تھا۔ اور وہ ایک حسرت کے ساتھ گویا ہے ؎

چل و ہشت بد عہد نوشیروان ۔۔۔ تو بر شصت رفتی نمانی جوان

(صفحہ ۱۶۱۸، جلد سوم)

جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔کہ فردوسی نے جب شاہنامہ کی تصنیف کا تہیہ کیا ہے۔ اس وقت اس کی عمر اڑتالیس سال کی تھی۔ چونکہ شاہنامہ سنہ ۴۰۰ھ میں ختم ہوتا ہے۔ اور مدت تصنیف شاہنامہ تیس سال ہے۔ اس لئے سال آغاز شاہنامہ سنہ ۳۷۰ھ قرار پاتا ہے۔

شاہنامہ کے راویوں میں دو شخص بالعموم پائے جاتے ہیں۔ ایک کوئی دہقان ہے۔ اور دوسرا کوئی موبد۔ حالانکہ بیسیوں مقام پر اس دہقان کی طرف اور متعدد موقعوں پر موبد کیطرف داستانوں کے آغاز میں تلمیح کی جاتی ہے۔ لیکن کسی موقعہ پر بھی ان کا نام نہیں لیا جاتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "نامۂ خسروان" کا راوی کوئی دہقان ہے۔ اور دہقان کی سند موبد ہے۔ مثلاً داستان سہراب کی ابتدا میں فردوسی کہتا ہے ؎

زگفتار دہقان یکی داستان ۔۔۔ بہ پیوندم از گفتۂ باستان

ز موبد بدان گونہ برداشت یاد ۔۔۔ کہ رستم برآراست از بامداد

(صفحہ ۳۱۶، جلد اوّل)

داستان سیاوش کی تمہید میں بھی قریب قریب یہی بیان شاعر دوہرا رہا ہے

؎ بگفتار دہقان کنون بازگرد ۔۔۔ نگر تا چہ گوید سراینده مرد

چنین گفت موبد کہ یکروز طوس ۔۔۔ بدانگہ کہ خیزد خروش خروس

(صفحہ ۳۶۸، جلد اوّل)

داستان شغاد تک تمام داستانیں دہقان سے مروی ہیں صرف داستان

شغاد کا راوی آزاد سرو ہے۔ اس کے بعد پھر وہی دہقانی سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ داستان سکندر پر اس سلسلہ میں انقطاع آتا ہے۔ سکندر کے حالات شاہنامہ میں زیادہ تر مسلمانی روایات کے مطابق ہیں جو کسی پہلوی نسخہ سے منقول نہیں ہو سکتے۔ مجوسیوں کے ملعون و مردود اسکندر اور فردوسی کے اسکندر میں بہت فرق ہے۔ لیکن فردوسی اس داستان کے راوی کا ذکر نہیں کرتا۔

اشکانیوں کے حالات کے لئے ایک دہقان چاچ کا ذکر کیا ہے ؎

چنین گفت گوینده دهقان چاچ   کزین پس کسی را نبد تخت و تاج

(ص ۱۳۶۴، جلد ثالث)

داستان اردشیر سے پھر وہی قدیمی سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ اور داستان شطرنج تک جو نوشیروان کے حالات میں آتی ہے۔ یہ سلسلہ قایم رہتا ہے۔ اس داستان کے راوی کا نام شاہوی پیر ہے ؎

چنین گفت فرزانه شاهوی پیر   ز شاهوی پیر این سخن یاد گیر

(ص ۱۴۲۶، جلد چہارم)

داستان "ابعد فرستادن نوشیروان برزوی پزشک را بهندوستان برای آوردن داروی شگفت" (ص ۱۵۳۱) شاوان بن برزین سے منقول ہے۔ آینده داستان "پرسش موبدان از نوشیروان و پاسخ آن" کا کوئی نیا راوی ہے۔ شاعر کہتا ہے ؎

یکی پیر بد پهلوانی سخن   بگفتار و کردار گشته کهن

چنان گوید از دفتر پهلوان   که پرسید موبد ز نوشیروان

(ص ۱۵۶۶، جلد چہارم)

داستان ہرمز پیر خراسان یعنی ماخ سے مروی ہے۔
اس مشاہدہ سے ہم کو اسقدر معلوم ہوا۔ کہ شاہنامہ کی اکثر داستانیں دہقان مروی ہیں جو اپنی باری میں موبد کی سند سے نقل کرتا ہے۔ یہ دہقان کون ہے سی اس کے نام سے ہم کو اطلاع نہیں دیتا۔ البتہ شاعر دیباچہ میں ایک ان نژاد پہلوان کا ذکر کرتا ہے۔ جسنے موبدوں کو جمع کرکے نامۂ خسرواں کو فراہم تھا۔

یکی پہلوان بود دہقان نژاد — دلیر و بزرگ و خردمند و راد
پژوہندۂ روزگار نخست — گذشتہ سخنہا ہمہ باز جست
زہر کشوری موبدی سال خورد — بیاورد و این نامہ را گرد کرد

(صہ ۶، جلد اول)

دیباچۂ قدیم اس سلسلہ میں مزید روشنی ڈالتا ہے۔ دیباچہ کی روسے یہ دہقان منصور بن عبد الرزاق بن عبد اللہ بن فرخ ہے۔ جس کے حکم سے اس کے وزیر ابومنصور ری نے خراسان کے مختلف شہروں سے تاریخدان اصحاب کو بلاکر انکے بیانات وروایات ۳۴۶ھ میں شاہنامہ کی بنیاد رکھی۔ دیباچہ کے الفاظ ہیں:-

"ابومنصور عبد الرزاق مردی بود با فرّ و خوش کام و بزرگ اندر کام روائی و با دستگاہی تمام از بادشاہی و اندیشۂ بلند داشت و بگوہر از تخم گردان ایران بود . . . . . . از روزگار آرزو کرد تا اورا نیز یادگاری باند درین جہان۔ پس دستور خویش ابومنصور المعمری را بفرمود تا خداوندان کتب را نامہ کرد وکس فرستاد از دہقان و فرزانگان و جہاندیدگان از شہرہا بیاوردند و چاکراو ابو منصور المعمری را بفرمود تا نامہ کرد و کس فرستاد بشہرہای خراسان و ہشیاران را آنجا بیاورد از ہرجای چون شاخ (ماخ) پسر خانی ؟ از ہرات

وچون یزدان داد پسر شاپور از سیستان دماہوی خورشید پسر بہرام از شاپور وشادان پسر برزین از طوس وبنشاند بفرا آوردن [این نامہ ہای شاہان و کارنامہای شان [و] زندگانی ہرکی وداد وبیداد و آشوب وجنگ وآئین ازنخستین کیومرث] کہ اندر جہان آمد او بود کہ آئین مردی آورد ومردمان از جانوران پدید کرد تا یزدگرد کہ آخر ملوک کیان بود اندر ماہ محرم کہ سال بر سی صد وچہل وشش از ہجرت خواجہ دینی وعقبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم واین را شاہنامہ نام نہاد"

ابو منصور کے شاہنامہ کے بعض مدونین سے خود فردوسی نے ملاقات کی ہے مثلاً ماخ سے ہرات میں ملا ہے - اور داستان ہرمز اس کی روایت پر لکھی ہے ؎

بپرسیدمش تا چہ دارد بیاد ز ہرمز کہ بنشست بر تخت داد

(صفحہ ۱۷۹۱، جلد چہارم)

فردوسی شادان پسر برزین سے بھی واقف ہے :-

نگہ کن کہ شادان برزین چہ گفت بدانگہ کہ بکشاد راز از نہفت

(صفحہ ۱۷۴۶، جلد چہارم)

دیباچہ کا 'ماہوی' اور فردوسی کا 'شاہوی' اگر ایک ہی شخص ہیں تو فردوسی شاہنامۂ ابو منصوری کے تیسرے مرتب سے بھی واقف ہے - تاہم وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ فردوسی کا دہقان اور دیباچۂ قدیم کا ابو منصور بن عبد الرزاق ایک ہی شخص ہیں - فردوسی کے سامنے جو شاہنامہ یا نامۂ خسرواں ہے - ایک ایسی تصنیف ہے جو موبد کے حوالہ سے کسی دہقان نے تالیف کی ہے - وہ اسے فسانۂ کہن اور دو ہزار سال قدیم بتاتا ہے - چنانچہ ؎

---

۱ از رسالۂ اردو بابت اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۳۱۰

یکی نامہ دیدم پر از داستان　　سخنہای آن پر منش راستان
فسانہ کہن بود و منثور بود　　طبایع ز پیوند او دور بود
گذشتہ برو سالیان دو ہزار　　گرایدونکہ برترنیاید شمار
(ص۱۳۷۱، جلد سوم)

فردوسی نے جب اس صحرای لق و دق یعنی شاہنامہ کی تصنیف پر قلم اٹھایا ہے۔ تو اس کی حیثیت بعینہ اس مسافر کی سی ہوگئی ہے۔ جسکو ایک لمبا سفر در پیش ہے۔ وہ ہر منزل پر شام کے وقت پہنچکر قیام کرتا ہے۔ اور رات بھر آرام کرکے صبح ہوتے ہی اپنی راہ لیتا ہے۔ جب دن کو ہم آکر دیکھتے ہیں۔ تو اس مسافر کے شب باشی کے مقام پر ایسے آثار اور سراغ ملتے ہیں۔ جن سے پتہ لگتا ہے کہ کوئی مسافر یہاں رات بھر ٹھہرا تھا۔ یہی کیفیت فردوسی کی ہے۔ اسکی داستانیں اسکی منزلیں ہیں اوران کی ابتدا اور اختتام اسکا مقام شب باشی ہے۔ ان موقعوں پر ہمارا شاعر ایسے آثار بہت چھوڑ گیا ہے۔ جن سے ہم اسکے حالات و خیالات۔ طبیعت و مذاق کا خاطر خواہ اندازہ کرسکتے ہیں۔ ابتدائی منازل چنداں کٹھن نہیں ہیں۔ انہیں وہ آرام اور آسانی کے ساتھ طے کرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن جوں جوں وہ آگے بڑھتا ہے۔ اسکا اضطراب یہ لمبا سفر ختم کرنے کے لئے زیادہ بڑھتا جاتا ہے۔ وہ عجلت میں ہے اپنی خستگی اور تکان کی مطلق پروا نہیں کرتا اور بار بار یہی اندیشہ کر رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شاہنامہ کا سفر ختم نہ ہو اور سفر آخرت کا پیام آجاے۔ وہ دعا میں مصروف ہے۔ کہ موت اتنی مہلت دیدے کہ میں اس کتاب کو ختم کردوں ؂

ہمی خواہم از داد گر یک خدای　　کہ چندان بمانم بگیتی بجای
کہ این نامۂ شہریاران پیش　　بہ پیوندم از خوب گفتار خویش
ازان پس تن بی ہنر خاک راست　　سخن گوی جان معدن پاک راست
(ص۱۱۶۴، جلد دوم)

پیشتر اسکے کہ ہم آگے بڑھیں یہاں یہ گذارش کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی نے شاہنامہ کی داستانیں موجودہ ترتیب میں نظم نہیں کی ہیں بلکہ مختلف موقعوں پر مختلف داستانیں نظم کر کے بعد میں انہیں موجودہ یا تاریخی ترتیب میں منسلک کر دیا ہے۔ یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شاہنامہ کی نظمیں تین دوروں میں منقسم کی جا سکتی ہیں۔ پہلا طوسی دور۔ اس سے مراد وہ بیس یا اٹھارہ سال کا زمانہ ہے جو فردوسی نے غزنیں پہنچنے سے پیشتر طوس میں شاہنامہ پر صرف کیا۔ اس مدت میں وہ موجودہ چار جلدوں سے تخمیناً ڈھائی یا پونے تین جلد کا مواد نظم کر چکا تھا۔ دوسرا غزنوی دور ہے۔ جس میں وہ ایک جلد یا اس سے کچھ زیادہ نظم کر چکتا ہے۔ غزنیں میں کم از کم اسکا قیام چھ سال تک رہتا ہے۔ اس کے بعد سلطان سے مایوس ہو کر وہ غزنیں سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اب ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ جس میں فردوسی شاہنامہ کا بقیہ حصہ نظم کر کے کتاب کو ختم کر دیتا ہے۔ اس دور میں اسکا سرپرست وکفیل حسین بن قتیب یا حُیَیّ قتیب باختلاف روایت ہے۔ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ زمانہ اس نے کہاں بسر کیا۔ طوس میں یا کہیں اور۔ لیکن گمان غالب یہی ہے کہ طوس میں۔

طوس میں فردوسی نے جو بیس یا اٹھارہ سال کا زمانہ گذارا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ نہایت فراغت اور اطمینان سے بسر کیا ہے۔ اور جو داستانیں اس دور میں لکھی گئی ہیں۔ زور اور جوش میں بیمثال ہیں۔ مثلاً داستان زال۔ داستان سہراب۔ غزنیں کے قیام کا زمانہ اگرچہ دربار شاہی میں گذرا ہے اور سلطان سے شاعر کے تعلقات بھی اچھے ہیں۔ فردوسی کے لئے فارغ البالی کا زمانہ نہیں ہے۔ اس عہد کی نظمیں طوسی دور کی نظموں کو نہیں پہنچتیں تاہم اس دور میں اس کو بیحد محنت کرنی پڑی ہے۔ اور چھ سال کے عرصہ میں ایک

چوتھائی سے زیادہ شاہنامہ نظم کر ڈالا ہے۔ داستانِ رستم و اسفندیار اس عہد کی شاعری کی بہترین مثال ہے۔ طوسی اور غزنوی دَور کے کلام کی شناخت کے لئے ہمارے پاس یہ معیار ہے۔ کہ ایک میں سلطان محمود کی مدح موجود ہے۔ اور ایک میں نہیں ہے۔ اگرچہ بعض ایسی داستانیں بھی ہیں جن میں شاعر نے نظرِ ثانی کرتے وقت محمود کی مدح میں ایک دو بیت اضافہ کر دئے ہیں ؛

طوسی دَور کی نظمیں

کیومرث کی داستان سے ابتدا کرکے ضحاک کی فریدوں کے ہاتھ سے گرفتاری کے موقعہ پر ایک داستان ختم ہو جاتی ہے۔ خاتمہ میں شاعر غالباً اپنے سرپرست ابو منصور محمد بن عبدالرزاق کو خطاب کرکے کہتا ہے ؎

بیا تا جہان را ببد نسپریم　　بکوشش ہمہ دست نیکی بریم
نباشد ہمی نیک و بد پایدار　　ہمان بہ کہ نیکی بود یادگار
ہمان گنج و دینار و کاخ بلند　　نخواہد بدن مر ترا سودمند
سخن ماند از تو ہمی یادگار　　سخن را چنین خوار مایہ مدار
فریدون فرخ فرشتہ نبود　　ز مشک و ز عنبر سرشتہ نبود
بداد و دہش یافت آن نیکوئی　　تو داد و دہش کن فریدون توئی
فریدون ز کاریکہ کرد ایزدی　　نخست این جہان را بشست از بدی
نگہ کن کجا آفریدون گرد　　کہ از پیر ضحاک شاہی ببرد
ببد در جہان پنجصد سال شاہ　　بآخر شد و ماند ازو جایگاہ
برفت و جہان دیگری را سپرد　　بجز حسرت از دہر چیزی نبرد

چنینیم یکسر که و مه همه تو خواهی شبان باش و خواهی رمه

(صفحہ ۴۶-۴۷ ، جلد اول)

اس کے بعد ہمارا مسافر فریدوں کی وفات کے موقعہ پر ٹھنڈی سانس بھر کر دنیا کو خطاب کرکے گویا ہے ؎

جهانا سراسر فسوسی و باد بتو نیست مرد خردمند شاد
یکردارهای تو چون بنگرم فسوس است و بازی نماید برم
یکایک همی پروری شان بناز چه کوتاه عمر و چه عمر دراز
چو مرداده را باز خواهی ستد چه غم گر بود خاک آن گر بد
اگر شهریاری و گر زیر دست چو از تو جهان این نفس را گسست
همه درد و خوشی او شد چو آب بجاوید ماندن دلت را متاب
خنک آن کزو نیکوئی یادگار بماند اگر بنده گر شهریار

(صفحہ ۹۴ ، جلد اول)

اس وقفہ کے بعد منوچہر کے حالات شروع ہوتے ہیں - اس کی وفات یوں بیان ہوئی ہے ؎

ابی آنکه بد هیچ بیماری نه از دردها هیچ آزاری
دو چشم کیانی بهم بر نهاد بپژمرد و برزد یکی سرد باد
شد آن نامور پر هنر شهریار بگیتی سخن ماند ازو یادگار

(صفحہ ۱۴۶ ، جلد اول)

اسکے بعد شاعر یوں پند آموزی کر رہا ہے ؎

یکی پند گویم ترا از نخست دل از مهر گیتی بباید بشست
جهان کشتزاریست با رنگ و بوی درو و مرگ و عمر آب و ما کشت اوی

چنان چون درو راست ہموار گشت　　ہمہ مرگ را ایم ما خوب و زشت
بجائیم ہموارہ تازان براہ　　بدین دو نوند سپید و سیاہ
چنان کاروانی کزین شہر بر　　بود شان گذر سوی شہر دگر
یکی پیش و دیگر ز پس ماندہ باز　　بنوبت رسیدہ بمنزل فراز
بیا تا نداریم دل را برنج　　کہ با کس نسازد سرای سپنج
(ص ۱۷۷-۶، جلد اول)

درمیان کے پانچ شعر فردوسی کے رنگ میں نہیں ہیں۔ اسدی طوسی کے معلوم ہوتے ہیں۔ اور گرشاسپ نامہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ معلوم نہیں میکن نے انکو یہاں کیوں داخل کر دیا۔

نوذر کے حالات سے جو داستان چلتی ہے۔ کیقباد کی وفات پر ختم ہوتی ہے۔ کیکاؤس ایرانی تاریخ میں ایک خودسر اور خفیف الحرکات پادشاہ مشہور ہے چنانچہ فردوسی نے اسکی داستان کی تمہید میں ایسے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ جو ایک لائق باپ کے ناخلف جانشین کے حق میں موزوں ہوں ؎

اگر شاخ بد خیزد از بیخ نیک　　تو با بیخ تندی میاغاز ریک
پدر چون بفرزند ماند جہان　　کند آشکارا برو گر نہان
گر او بفگند فر و نام پدر　　تو بیگانہ خوانش مخوانش پسر
اگر گم کند راہ آموزگار　　سزد گر سزا بیند از روزگار
(ص ۲۳۰)

یہ داستان عقابوں کے ذریعہ سے کیکاؤس کی ایک ناکام ہوا بازانہ آزمائش پر ختم ہوتی ہے۔ اسکے آخر میں شاعر اپنی شصت سالہ عمر کی طرف اشارہ کر رہا ہے ؎

مرا عمر برشصت شد سالیان ... برنج و بسختی به بستم میان
گر رفتن آمد بدیگر سرای ... مگر نزد یزدان به آیدم جای
(ص۳۰۲)

تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ اشعار بالاسے چند شعر پہلے فردوسی ایک شعر میں سلطان محمود کا نام لیتا ہے۔ حالانکہ داستان کیکاؤس صریحاً طوسی دور سے تعلق رکھتی ہے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے غزنیں میں شاہنامہ پر نظرثانی کرتے وقت اتفاقیہ یہ شعر اضافہ کردیا ہے۔ و ہو ہذا ؎

گر اکنوں بدی بندگی را کمر ... به بستی برشاہ محمود بر

(ص۳۰۲، جلد اوّل)

آیندہ داستان نخچیر کردن رستم با ہفت پہلوان درشکارگاہ افراسیاب ہے۔ اس سے اگلی داستان سہراب ہے۔ جو فردوسی کی مشہور داستانوں میں سے ہے سہراب کے الم انگیز انجام کے مطابق شاعر نے اپنی تمہید رقم کی ہے۔ اور پیر و برنا کے لئے موت کی واجبیت کے مسئلہ کو مثالیہ طریقہ پر یوں شروع کیا ہے۔

'اگر آندھی ترنج خام کسی درخت سے گرا دے تو اس فعل کو داد کہا جائے یا بیداد۔ اچھا کہا جائے یا برا۔ اگر اسکو انصاف کہا جاتا ہے تو پھر ظلم کیا ہے۔ اور جب داد مان لیا ہے تو فریاد و زاری کیسی۔ پھر کہتا ہے چونکہ انسان بالطبع طامع اور حریص واقع ہوا ہے۔ اس لئے یہ خدائی راز اسپر نہیں کھولا گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سفر موت ہی میں ہماری بہبود مضمر ہو جب ہم دوسری دنیا میں پہنچ جائیں۔ ساتھ ہی فلسفیانہ رنگ میں کہتا ہے کہ اگر موت ہم کو اپنے گھاٹ نہ اتارتی تو زمیں پر جوانوں اور بوڑھوں کی کثرت ہو جاتی۔ اب موت کو آگ سے تمثیل دے کر گویا ہے۔ کہ آگ کا کام جلانا ہے۔ اسکو خشک و تر کی پروا نہیں۔ اسی طرح موت کو بوڑھے

ر جوان کا کوئی پاس نہیں ۔ وہ اپنے کام میں مصروف ہے ۔ جو اس کی زد میں آ جائے
ں لئے جوانوں کو اپنی جوانی پر شادماں ہونے کی کوئی وجہ نہیں ۔ کیونکہ بڑھاپا موت
اصلی محرک نہیں ہے ۔ جیسا کہ عبجدی کہتا ہے ؎

گر بجوانی و بہ پیری ستی — پیر بمردی و جوان زیستی

ں جہان گذراں میں جب کسی کو موت آئے ۔ خواہ جوان ہو یا بوڑھا ہم کو ماننا چاہیئے
وہ انصاف ہے ۔ اور جب ہم نے اسکو انصاف تسلیم کر لیا ہے ۔ تو یہ تمام گریہ و
ا اور نوحہ و شیون عبث ہے ۔ کہتا ہے کہ اگر دین میں خلل آنا نہیں چاہتے تو پیری
ر جوانی کو موت کے سامنے برابر جانو ۔ ایسے موقعوں پر فردوسی کے نزدیک صاحب
یمان کے لئے خاموشی ہی بہتر ہے ۔ اصل یہ ہے کہ یہ معاملات خدائی راز ہیں ہماری
بشش بس یہ ہونی چاہیئے ۔ کہ عجز و نیاز کیساتھ خداے پاک کی پرستش کریں ۔ اور
پنے آخری وقت اور دم بازپسیں کے لئے ہر وقت مستعد رہیں اور خدا سے توفیق
اہیں کہ دین اسلام پر ہمارا خاتمہ ہو ؎

اگر تند بادی بر آید ز کنج — بخاک افگند نارسیدہ ترنج
ستمگاره خوانمش ار دادگر — ہنرمند گومیش ار بی ہنر
اگر مرگ داد است بیداد چیست — ز داد این ہمہ بانگ و فریاد چیست
ازین راز جان تو آگاه نیست — بدین پردہ اندر ترا راہ نیست
ہمہ تا در آز رفتہ فراز — بکس وا نشد این درِ آز باز
برفتن مگر بہتر آیدت جای — چو آرام گیری بدیگر سرای
اگر مرگ کس را نیوباردی — ز پیر و جوان خاک بسپاردی
اگر آتشی گاه افروختن — بسوزد عجب نیست زو سوختن
بسوزد چو در سوزش آید درست — چو شاخ نو از بیخ کہنہ برست

دم مرگ چون آتش ہولناک — ندارد ز برنا و فرتوت باک
جوان را چہ باید بگیتی طرب — کہ نی مرگ راہست پیری سبب
درین جای رفتن نجای درنگ — بر اسپ قضا گر کشد مرگ تنگ
چنان دان کہ داد است بیداد نیست — چو داد آمدش بانگ و فریاد چیست
جوانی و پیری بنزد اجل — یکی دان چو در دین نخواہی خلل
دل از نور ایمان گر آگندۂ — ترا خامشی بہ کہ تو بندۂ
پرستش ہمان پیشہ کن با نیاز — ہمہ کار روز پسین را بساز
برین کار یزدان ترا راز نیست — اگر دیو با جانت انباز نیست
بگیتی در آن کوش چون بگذری — سر انجام اسلام با خود بری

(صفحہ ۲۱۶ - ۱۷)

اس کے بعد ہم داستان سیاوُش سے دوچار ہوتے ہیں۔ اس کے آغاز میں فردوسی لکھتا ہے ؎

ز گفتار دہقان کنون داستان — بہ پیوندم از گفتۂ باستان
کہن گشتہ این داستانہا ز من — ہمی نو شود بر سرِ انجمن
اگر زندگانی بود دیر باز — بدین دیر خرم بمانم دراز
یکی میوہ داری بماند ز من — کہ ماند ہمی بار او بر چمن (صفحہ ۳۴۸)

ان اشعار سے ظاہر ہے کہ فردوسی نے شاہنامہ کی تصنیف محض بقای نام کے لئے اپنے ہاتھ میں لی ہے۔ دوسرے موقعوں پر بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔ داستان سیاوُش کی ترقیم کے وقت شاعر اپنی عمر کا اٹھاونواں سال طے کر رہا تھا۔ اسی سال اسکی زندگی میں کسی قسم کی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ جسکے متعلق صریح ایما کسی دوسرے موقعہ پر کرتا ہے ؎

ازان پس کہ بنمود پنجاہ و ہشت — بسر بر فراوان شگفتی گذشت
ہمی آز کمتر نہ گردد بسال — ہمی روز جوید بتقویم و فال

چه گفت اندرین موبد پیشرو — که هرگز نه گردد کهن گشته نو
تو چندانکه باشی سخن گوی باش — خردمند باش و جهانجوی باش
چو رفتی سر و کار با ایزد است — اگر نیک باشدت کار ار بد است
(ص ۲۲۰، جلد اول)

داستان سیاوش کا دوسرا حصہ "ساختن سیاوش گنگ دژ" سے شروع ہوتا ہے جس میں حمد و نعت موجود ہے

۵ بدو آفرین کو جهان آفرید — ابا آشکارا نهان آفرید
خداوند دارندهٔ هست و نیست — همه چیز جفتست و ایزد یکی است
به پیغمبرش بر کنم آفرین — بیارانش بر هر یکی هم چنین
(ص ۲۴۳، جلد اول)

حمد و نعت سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے اس داستان سے نئی جلد شروع کی ہے ۵

چو گیتی تهی ماند از راستان — تو ایدر بیودن مزن داستان
کجا آن سر و تاج شاهنشهان — کجا آن دلاور گرامی مهان
کجا آن حکیمان دانش گمان — همان رنج بردار خوانندگان
همه خاک دارند بالین و خشت — خنک آنکه جز تخم نیکی نکشت
جهان سربسر حکمت و عبرت است — چرا بهرهٔ ما همه غفلت است
چو شد سال بر شصت و شش چاره جوی — ز بیشی و از رنج بر تاب روی
تو رفتی و گیتی بماند دراز — کجا آشکارا بدانیش راز
چو زان نامداران جهان شد تهی — تو تاج فزونی چرا بر نهی
بدانگه که اندر جهان داد بود — از ایشان جهان یکسر آباد بود
چه برداشتند از جهان فراخ — ازان گنج و آن تاج و ایوان و کاخ (ص ۲۴۴)

فردوسی چھیاسٹویں سال میں غزنیں پہنچ جاتا ہے۔ اور یہ داستان صریحاً طوسی دور سے علاقہ رکھتی ہے۔ اس سے خیال ہوا کہ مصرع "چو شد سال بر شصت و شش چاره جوی" میں کوئی غلطی ہو۔

حافظ محمود شیرانی

عربوں کا طریق شکار اور دیگر سامانِ تفریح

باب سوم

صید المعیشت

(گذشتہ سے پیوستہ)

با ایں ہمہ ہمیں بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ عرب کسطرح جانوروں پر ظلم و تعدی روا رکھنے میں بظاہر تغافل سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً بلی کو لیجئے۔ اگرچہ اسکی نسل کو تباہ نہیں کیا جاتا تاہم اسے محض قدرت کی حفاظت و نگہداشت اور بچوں کی ظالمانہ شوخیوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو تفنن اور تفریح کی خاطر انہیں طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے ہیں۔

اس جانور کی پرورش کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا بلکہ وہ گھروں میں نیم وحشیانہ زندگی بسر کرتی ہے۔ اور اپنی قوت لایموت کو ادہر ادُہر سے چھین کر فراہم کرتی ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ اسکی جان کے دشمن ہمیشہ اسکے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔

بعض علاقوں میں (مثلاً مراکش میں سیدی عدی) ایک خاص برادری کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو آوارہ بلیوں کو ورغلا کر اپنی خانقاہوں میں لے آتے

ہیں۔ اور انکی پرورش کرتے ہیں۔ اس طریقہ کار نے ایک خاص مسلک کی صورت اختیار کر لی ہے۔ یہ امر واضح رہے کہ یہ سب کچھ اس سالانہ جشن اور ضیافت کے لئے کیا جاتا ہے۔ جس میں اس جانور کا گوشت خوراک کے طور پر استعمال ہوتا ہے یہ رسم طوطمیت کی کم از کم ایک نامکمل سی یادگار ہے۔ اور ساتھ ہی کتے کے سے دانت رکھنے والے جانوروں کے متعلق مذہب کے امتناعی احکام کی خلاف ورزی بھی ہے۔

اسی قسم کے ظلم و تعدی کی ایک اور بھی مثال ہے۔ اگرچہ وہ جانوروں کی ہلاکت سے کم درد انگیز ہے، اور وہ ترکوں کے اس طرز عمل کی ہے جو انہوں نے آوارہ کتوں کو استنبول سے خارج کرتے وقت اختیار کیا۔ اس شرعی حکم پر عمل پیرا ہونے کے بہانے سے کہ کسی جانور کا خون بلا ضرورت نہیں بہانا چاہئے انہوں نے ان جانوروں کو ایک غیر آباد جزیرے میں دھکیل دیا۔ جہاں وہ بھوک سے تنگ آکر ایک دوسرے کو نگل گئے۔ یہ ہے وہ الٹ طریق عمل جس سے احکام شرعی پر کاربند ہونا ثابت کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں لیکن ہم اس پر رائے زنی نہیں کرنا چاہتے۔

اب چونکہ ہم نے کتے کا تذکرہ چھیڑا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکے متعلق کچھ کہا جائے۔ اسلامی علاقوں میں اسکی تمام زندگی ایک مسلسل مظلومی ہوا کرتی ہے۔ بلی کی طرح اسکی نسل کو بھی ہلاک نہیں کیا جاتا۔ لیکن اس کی طرف سے اسقدر بے اعتنائی کا اظہار کیا جاتا ہے کہ وہ خود بخود تباہ ہو جاتی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ کتیا اور بلی کے لئے خواہ حالات کتنے ہی موافق کیوں نہ ہوں۔ وضع حمل کا وقت نہایت نازک ہوتا ہے۔ اور ایسی جگہ کا دستیاب

ہونا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جہاں وہ اپنے بچوں کو وضع حمل کے بعد کچھ روز کے لئے رکھ سکے۔

عرب کے شہروں اور دیگر علاقوں میں جہاں کتیا آبادی سے دور کسی پوشیدہ جگہ میں پناہ گزیں ہوتی ہے اُسے پیہم گرسنگی کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ جس سے تنگ آکر وہ اپنے شفقتِ مادری کے جذبے کے خلاف اپنے بچوں کو چھوڑ جاتی ہے۔ لیکن پھر بھی اُسے لقمہ بھر خوراک میسر نہیں آتی۔ بلکہ اس پر طرّہ یہ ہوتا ہے کہ اسکو دیکھ کر لوگ ہر طرف سے اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور اسکی تواضع پتھروں سے کی جاتی ہے۔

پھر بھی اس بدبخت جانور کے لئے بعض اوقات موافق حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ورنہ اسکی نسل کا خاتمہ ہو جائے۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں رباط کے مقام پر میں نے ایک آوارہ کتیا کو دیکھا جسنے ایک لکڑی کے مضبوط جنگلے کے اندر بچے دئے تھے۔ یہ جنگلہ العلاؤ کے مقام پر ایک پرانی توپ کی حفاظت کے لئے نصب کیا گیا تھا۔ خانقاہوں کی طرح توپ بھی جانوروں کے لئے جائے پناہ ہوتی ہے یعنی وہاں کوئی ان پر حملہ نہیں کرسکتا۔ اس واقعہ کو لوگوں نے غلطی سے معجزہ سمجھ لیا تھا۔ رباط کے تمام لوگ اس کتیا کو دیکھنے کی غرض سے جمع ہو گئے جو نہایت دانشمندی سے کام لیکر وہاں پناہ گزیں ہوئی تھی۔ پولیس کی چوکی کے سپاہی جن کے کھانے کا انتظام، فرانسیسی فوجیوں کیطرح ایک ہی مطبخ میں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اپنی بچی کھچی خوراک کتیا کے آگے ڈال دیتے تھے۔

عربوں میں رکھوالے کتے پالنے کا رواج نہ تھا کیونکہ وہ معمول کے مطابق نہایت بے رحمی سے پتھروں یا لاٹھی سے یا تو اسکی ایک آنکھ نکال دیتے تھے یا کوئی عضو کاٹ ڈالتے تھے۔ عربوں کے نزدیک کتا اور اسکے ہم جنس

گیدڑ اور بھیڑیا سب کے سب ناپاک سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ان جانوروں کو چھونے سے انسان خود ناپاک ہوجاتا ہے۔ اسلئے ہاتھ لگانے کے بعد نماز سے پہلے وہ غسل ضرور کرلیتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ یہ جانور ناپاکی میں عورت[1] کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

ان تمام امور کے باوجود عرب عملی طور پر شکاری کتوں کو ناپاک نہیں سمجھتے اور انکو باندھ کر اپنے ہمراہ لے جانے کو برداشت کرلیتے ہیں۔ انکے شانوں اور سر کو چھو لیتے ہیں۔ لیکن ناک اور منہ کو ہاتھ لگانے سے اجتناب کرتے ہیں، ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ لوگ اگر پرورش کرتے ہیں تو صرف شکاری کتوں کی اور بس۔

باوجود اسکے کہ اسلام میں کتے اور اُس کے سے دانت رکھنے والے جانوروں کا گوشت حرام ہے۔ پھر بھی دنیائے اسلام میں بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں لوگ موٹے تازے کتے اور اسی جنس کے وحشی جانوروں کا گوشت کھا لیتے ہیں۔

مزاب کے علاقے میں یہ بات خاص طور پر دیکھنے میں آئی ہے۔ کتے کی طرح سؤر اور بنیلے کا گوشت بھی حرام ہے۔ لیکن اس حکم پر ہمیشہ اور ہر جگہ عمل نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ میں نے مؤخر الذکر کو ایسے جانوروں کی فہرست میں

---

[1] مصنف نے یہ بات محض قومی عصبیت کی بنا پر لکھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یورپ میں کتے کی بہت زیادہ اہمیت ہے لیکن اسباب کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ لنڈن اور دوسرے بڑے بڑے شہروں میں آوارہ کتوں کو نہایت بیرحمی سے مار دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں آوارہ کتے نظر نہیں آتے (مترجم)

شامل کیا ہے۔ جن کا شکار کیا جاتا ہے۔ الجیریا اور مراکش کے بعض علاقوں میں موجودہ زمانہ تک ایک ایسا گروہ (برادری) پایا جاتا تھا۔ جنکے پاس ایک نسم کا وِرد تھا۔ جسکو پڑھکر بنیلے کے گوشت پر پھونکنے سے اسکا گوشت حلال ہوجاتا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ایسا گوشت نامردی اور آتشک کے مریضوں کے لئے مفید ہے۔

کوّے کا گوشت ہمیشہ حرام نہیں سمجھا جاتا، لیکن چونکہ شگونؔ اور فال کے سلسلے میں یہ جانور ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اسلئے قدرتی طور پر اسکو ذبح نہیں کیا جاتا۔

اس میں شک نہیں کہ عرب کے لوگ گھوڑے کا گوشت پیغمبر کے عہد سے کھاتے چلے آئے ہیں۔ اس بارے میں احادیث شاہد ہیں۔ ہمیں یاد ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں گھوڑے کی حیثیت عرب کی سرزمین میں نسبتاً ایک نو واردکی سی تھی۔ شہزادہ محمد علی سابق خدیو مصر کا بھائی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ترکستان اور بخارا میں مہمان نوازی کے لئے گھوڑے کے گوشت کے استعمال کا رواج اِسوقت تک پایا جاتا ہے۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ بدوی لوگ اقتصادی نقطۂ نظر سے خچروں کو محفوظ رکھتے تھے۔ اور بچھیروں کو ذبح کر لیا کرتے تھے۔ یہ رسم قدیم زمانے میں تھی اور اب

ؔ مختلف ممالک میں مختلف جانوروں سے شگون لیتے ہیں۔ ہمارے پنجاب میں ایک رسم ہے کہ اگرکسی کا کوئی عزیز سفر میں ہو اور اسکی غیبت میں کوئی کوا مکان کی منڈیر پر آ بیٹھے۔ اور اپنی کائیں کائیں شروع کردے تو اُسے مسافر کے واپس آنے کا شگون نیک سمجھا جاتا ہے۔

بھی ہے۔ غالباً یہی امر اسپات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ کمزور بچھیروں کو ذبح کر کے ان کا گوشت کھا لیتے تھے۔ ہم نے کہیں اسپات کا تذکرہ کیا ہے کہ گھوڑوں کی ضیافت نے طوطمیت یا رسم کی صورت اختیار کر لی تھی۔ چونکہ گھوڑے کا نام عربی قوم کے نام پر مشہور تھا۔ گھوڑا خوش بختی کی علامت سمجھا جاتا تھا اور اسکا وجود اسکے مالک کے لیئے دنیا اور آخرت دونوں میں بہبودی و فلاح کا باعث خیال کیاجاتا تھا۔ اسکے احترام کی وجہ یہی تھی۔ علاوہ بریں اس جانور کا گوشت اسکی لذت کے لیئے استعمال نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ گھوڑے کی پوشیدہ خوبیوں کے لیئے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ گھوڑے کے گوشت کے حرام[1] ہونے کا ذکر کہیں بھی نہیں۔ فقہا نے اسکی حرمت کے متعلق محض احادیث سے استناد کیا ہے۔

"خدا نے تمہیں اسکو تمہارے فائدے اور زینت کے لیئے دیا ہے"

بعض مصنفوں کی رائے ہے کہ چوپایوں میں صرف گھریلو گدھے کا گوشت حرام ہے۔ یہ بات بھی صحیح بخاری سے لی گئی ہے۔ مراکش میں گھوڑے کی تقدیس ایک عجیب و غریب رسم سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس جانور کے لیئے بھی ایک جائے پناہ ہے۔ جسکی حیثیت وہی ہے جو دوسرے معابد یا خانقاہوں کی۔

پیشتر اسکے کہ ہم باقاعدہ شکار کے متعلق کچھ لکھیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ الفقیہی[2] کے قول کے مطابق چند قدیم مشہور و معروف شکاریوں کا

---

[1] اس سے مراد غالباً قرآن کریم کی آیات ہیں ورنہ مختلف کتب فقہ وحدیث میں اس پر بہت کچھ بحث کی گئی ہے (مترجم)۔ [2] یعنی زین الدین بن عبد القادر بن احمد الفقیہی مصنف مناہج السرور و الرشاد جسکا نسخہ پیرس

ذکر کیا جائے۔

روایت ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے کمان کو ایجاد کیا وہ نمرود تھا [الامیری] سلجوق خاندان کے بادشاہ جلال کے متعلق جو العادل کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور جو گیارھویں صدی میں پیدا ہوا۔ لکھتا ہے :—

"اس بادشاہ کو شکار کا اتنا شوق تھا کہ اسنے ایک بار ان تمام جانوروں کی تعداد کا اندازہ کیا۔ جو اُسنے اپنے ہاتھ سے مارے تھے تو وہ دس ہزار تھی۔ اُسنے دس ہزار دینار خیرات کر ڈالے۔ اور اسکی وجہ یہ بیان کی کہ میں خدائے برتر سے ڈرتا ہوں کیونکہ میں نے اپنی ضرورت سے زیادہ جانداروں کو ہلاک کیا ہے۔ اسکے بعد جب کبھی وہ کسی جانور کا شکار کرتا تو فی جانور ایک دینار خیرات میں دے دیتا"۔

کہا جاتا ہے کہ ایک روز وہ شکار کو گیا اور بہت سے گورخروں کو جو اسکے سامنے آئے مار ڈالا۔ اور اس جگہ گورخروں اور ہرنوں کے سموں اور سینگوں کا ایک مینار بنایا۔ یہ تمام جانور ایک ہی شکار کا نتیجہ تھے۔ ابن خلکان اس روایت پر اضافہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ مینار اسکے عہد (تیرھویں صدی) میں بھی قائم تھا۔ اسکا نام "منارۃ القرون"[1] تھا جسکا مطلب ہے سینگوں کا مینار۔

بہرام گور، ایران کی قومی روایات کے ہیرو، کو اپنے معاصر بادشاہوں سے شاہ الحیرہ کا لقب اسوقت ملا جب اُسنے دو بھوکے شیروں کے درمیان رکھے ہوئے تاج کو اٹھا لیا[2]۔ بہرام گور جب شکار کو جاتا تو اس کے ہمراہ

---

[1] یہ منارہ [illegible] میں تعمیر ہوا۔ دیکھو وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ مطبوعہ ایران ۱۲۸۴ھ۔

[2] اصل کتاب میں تصویر بھی دی ہے۔ بہرام گور کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور دوسرے

کی محبوبہ ہوتی جو اسکے پہلو بہ پہلو رہ کر بربط بجایا کرتی - ایک روز کا ذکر ہے کہ شکار کے دوران میں اُسنے بہرام کو کہا ' اپنی کمان سے کوئی ایسا دلیرانہ کرتب دکھاؤ جو نہایت مشکل ہو - وہ کرتب یہ تھا کہ تیر اسطرح چلایا جائے کہ ہرن کا پچھلا پاؤں اور پیشانی دونوں اس میں چھد کر رہ جائیں - بہرام گور نے ایسے ہی موقع کو تاک لیا - جب کہ ہرن کے دونوں حصے اسطرح واقع تھے کہ ایک ہی تیر کا نشانہ بن سکیں - کتاب کے صفحہ اول پر جو تصویر[۱] دی ہوئی ہے وہ یہی ہے - اس طرح کرنے سے جانور گر پڑتا ہے اور آخرکار مرجاتا ہے -

اسکندر اعظم کے بیٹے کے متعلق مشہور ہے کہ وہ پہلا شخص ہے - جسنے باز کو لے کر شکار کے لئے سدھایا - اس پختہ خیال کے باوجود مصنف یہ بھی لکھتے ہیں کہ سلیمان بن داؤد نے اس فن کی ابتدا کی تھی - عرب قبایل کے سرداروں میں نزار بن معدّ بن عدنان پہلا شخص ہے جسنے گھوڑے پر سوار ہو کر ہرن کو شکار کیا -

وہ لوگ جنہیں دوڑا ہے یعنی دوڑنے والے کہا جاتا ہے نہ صرف پیدل دوڑ کر ہرن کو شکار کرتے تھے بلکہ دوڑ میں گھوڑے سے بھی آگے نکل جایا کرتے تھے - وہ یہ تھے :-

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۳) میں تاج - ایک شیر کی کمر تلوار سے زخمی ہو چکی ہے اور دوسرا اس سے خائف ہو رہا ہے - اس نظارے کو دو شخص دور کھڑے دیکھ رہے ہیں غالباً دوسرا بادشاہ ہیں جو بہرام گور کے ساتھ شکار کو باہر نکلے ہیں ؛

[۱] اس تصویر میں بہرام گور نے تیر اسطرح مارا ہے کہ ہرن کی پیشانی اور اسکا ایک پچھلا پاؤں اس میں چھد ہوئے ہیں - پاس ہی اسکی محبوبہ بربط ہاتھ میں لئے کھڑی ہے - اسکا نام دل آرام تھا + (مترجم)

سُلَیکؔ بن سُلَکَہ شاعرشنفری - اَلمُنتَشِر[۱] اورعوفی بن مطرد پانچویں صدی سے لے کر ساتویں صدی تک) -

قدیم زمانے میں عربوں کا صید المعیشت کیا تھا ؟ بدوی کی غیر متغیر سیرت کا جو خاکہ میں نے پیش کیا - ہے -اسکو مدنظر رکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا بہت آسان ہے - وہ کاہل ہے - مگر قدرتی چیزوں کے مشاہدے کا عادی بغیر کوئی اصول استعمال کیئے وہ زمین پر شکار کے نشان بھانپ لیتا ہے - اوراس میں اسقدر صحیح اندازہ لگاتا ہے کہ ہمیں دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے - یہ جبلی خاصیت اُسکے لئے شکار کے کھوج لگانے میں ایسی ہی مفید ہے -جیسی سُونگھنے والے کتوں کے لئے - اگر اسکے ساتھ ہی اسکی تیزئ نظر کو شامل کر لیا جائے جس سے وہ چھوٹی سے چھوٹی چیز اور جھاڑیوں میں خفیف سے خفیف حرکت کو کافی دُور سے دیکھ لیتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ کوئی شکار بھی اسکے دائرۂ عمل کے اندر رہ کر اُس کی نظر سے نہیں بچ سکتا - وہ چھوٹی چھوٹی چھڑیاں یا گتکے جنکا ایک سرا گُرز کیطرح ہوتا تھا پھینکنے یا محض پتھر سے شکار کو نشانہ بنانے میں بڑا مشّاق ہے خواہ وہ پتھر گوپیے میں ڈال کر پھینکے جائیں یا خالی ہاتھ سے -

یہ بات یقینی ہے کہ وہ چھوٹی چھڑی (حراوہ) اور گوپیا دونوں صرف چھوٹے جانور کے شکار میں استعمال کرتا ہے - اور ہمیشہ کامیابی سے استعمال کرتا ہے اُسے خرگوش اور جنگلی چوہوں پر جب کہ وہ جھاڑیوں میں سو رہے ہوں دوپہر کے بعد دفعتہً جا پڑنے میں کافی مہارت حاصل ہے - وہ ان کو دُور ہی سے نشانہ بنا لیتا ہے ؛

---

[۱] دیکھو کتاب الاشتقاق لابن درید ص ۱۶۶ ،

ان تمام شکاروں میں جو حُسن اتفاق سے مل جایا کرتے ہیں۔ وہ جانور بھی شامل ہیں جنکا شکار بھیڑ بکریوں کی رکھوالی کرنے والے لڑکے کرتے ہیں۔ ایسے ملک میں جہاں کی پیداوار بہت قلیل ہو۔ ایک گنوار بچہ اپنا بیکار وقت جانوروں کی تلاش میں صرف کر دیتا ہے۔ کہیں پرندوں کے گھونسلے ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ کہیں ان کے انڈے اٹھا لیتا ہے۔ کبھی اُن کے بچوں کو نکال لے جاتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ابھی بچے انڈوں سے نہیں نکلے۔ اور اُسنے انڈوں کو صرف اس غرض سے اٹھا لیا ہے۔ کہ ان کو توڑ کر بچوں کو تلف کر کے اپنا دل بہلائے اب بھی شام کے علاقے میں یہ جنگ جو بچوں اور پرندوں کے درمیان ہوتی ہے۔ ایسی ہے کہ وہ کہیں ختم نہیں ہوتی۔

بدوی ایسے جانوروں کو جو جسامت میں بڑے ہوں اور عام طور پر ان کے قریب پہنچنا بہت دشوار ہو مضبوط پھینکے والے ہتھیاروں سے شکار کرتے ہیں مثلاً تیر و کمان اور مختلف قسم کے بھالوں سے۔

بدوی جن علاقوں میں سکونت پذیر ہیں۔ وہ بالعموم اتنے غیر آباد ہیں۔ اور وہاں کی آب و ہوا اتنی ناموافق اور راب رسانی کے ذرایع اس قدر محدود اور غیر یقینی ہیں کہ اسکی ساری زندگی پانی اور سرسبز چراگاہوں کی جستجو میں بسر ہو جاتی ہے۔ لیکن اس قلت ذرایع کا مفہوم وہ نہیں جو ہم یورپ میں سمجھتے ہیں۔ بارش کے موسم کے علاوہ ریتلے ٹیلوں کے علاقے میں کہیں بھی ایسا سبزہ نہیں اُگتا جسے کاٹا جاسکے۔ صرف اتنا ہے کہ ان ریتلے ٹیلوں کے درمیانی ندیوں کی زمین میں ایک قسم کی سخت اور سیاہ گھاس پیدا ہوتی ہے۔ جسکو گھوڑے کھاتے ہیں۔ اور چبا کر ان کا رس چوس لیتے ہیں۔ اور خشک چھلکا پھینک دیتے ہیں۔ اسکے علاوہ کتا گھاس بھی ہوتی

ہے۔ جو گھاس کھانے والے جانوروں کا من بھاتا کھاجا ہے۔ عربوں کو کبھی کبھی جَو بھی بآسانی میسر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ گھاس کی قسم کی جھاڑیاں ہوتی ہیں جو ادھر ادھر فاصلے پر دیکھنے میں آتی ہیں۔ نیز درختوں کی قسم کے پودے بھی ہوتے ہیں جو ہمیشہ خاردار ہوا کرتے ہیں۔ لیکن اونٹوں کو بہت مرغوب ہیں۔ یہ درخت پانی کی جگہوں سے دور نہایت خشک مقامات میں اگتے ہیں۔ پس عرب کی چراگاہوں کی کل کائنات یہی ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ ہم نے نخلستانوں کا ذکر نہیں کیا۔ جہاں کا پانی کھجوروں کے درختوں کی فرحت افزا چھاؤں اور وہ پیداوار جو وہاں کے سکونت گزینوں کی کاشتکاری سے حاصل ہوتی ہے۔ جو خوراک کے لحاظ سے نہایت عمدہ اور تقویت بخش ہوا کرتی ہے۔ مثلاً جَو مختلف قسم کی دالیں وغیرہ وغیرہ۔

اگر ان چند قدرتی زرخیز مقامات کو ملحوظ رکھیں جو آبادی کا مرکز ہیں اور وہاں کے حیوانات کو دیکھیں۔ جن کی تشنگی کو دور کرنے کیلئے ہمیشہ پانی کی ضرورت نہیں۔ ایسی حالت میں کہ کھیت سیراب ہو چکے ہوں تو ہمیں معلوم ہوگا۔ کہ بدوی کا روزمرہ کا کام نہایت مختصر اور سہل ہو جاتا ہے۔ اسلئے اسے اس کام کے لئے کافی وقت مل جاتا ہے کہ وہ جانوروں کی تلاش میں ادھر ادھر گھومتا رہے یا ایسے موزون موقعہ کی ٹوہ میں رہے۔ جب جانور اپنے گھر سے آتے جاتے اسے مل سکیں۔ اور وہ ان کو مارے۔ علاوہ بریں مختلف قسم کے دام، پھندے، جال اور دیگر سامان اسیری تیار کرنے کی فرصت میسر آسکتی ہے۔ جنکے ذریعے وہ زندہ جانور کو پکڑ سکتا ہے۔ وہ ایسی جگہوں میں گھات لگائے بیٹھا رہتا ہے۔ جہاں جانور پانی پینے کے لئے آتے ہوں۔ الحاصل وہ ان سے بھی زیادہ خطرناک ذرایع استعمال

کرتا ہے۔ تاکہ قریب دیگر جانوروں کو اچک لے جائے۔ اس طرح سے حیوانات کے درپے ہو کر ان کو انکے مامنوں میں برباد کرنے سے عرب کے ریگستانی غیر آباد علاقوں میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

ہم نے ابھی تک اس شکار کا ذکر کیا ہے جو انفرادی کوششوں کا نتیجہ ہوتا ہے اور محض ایک اتفاقی شے ہوتا ہے۔ اور اس میں زیادہ محنت بھی درکار نہیں ہوتی۔ اگرچہ ایسے شکار کا ماحصل ایک باقاعدہ نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ تاہم یہ اتنا ہنگامہ خیز نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے کوئی کثیر منافع حاصل ہوتا ہے۔ انسان اسباب کا متمنی ہوتا ہے کہ وہ دوسروں سے ملکر بڑے بڑے جانوروں کا شکار کرے۔ اگرچہ اس میں زیادہ سعی و کوشش درکار ہو۔ یہی باعث ہوتا ہے کہ بہت سے شکاری ملکر مختلف کام سرانجام دیتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مہم کے ہر آدمی کو اس میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ اس سے اس طرز شکار کی بنیاد پڑی ہے۔ جس میں شکار کو گھیر کر لانے والے شامل ہوتے ہیں۔ اس قسم کے شکار کے مختلف طریقوں میں محض فروعی اور تفصیلی اختلاف ہوا کرتا ہے۔ ورنہ عام اصول ایک ہی ہوتا ہے۔ کچھ شکاری نہایت موزون اور مناسب کمین گاہوں میں بیٹھ رہتے ہیں۔ دوسرے لوگ شکار کو ادھر ادھر سے گھیر کر ان کو اس طرح دھکیلتے ہیں کہ وہ ان کے اور شکاریوں کے درمیان آجائیں اور پھر جانوروں کو اسبات پر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ کمین گاہوں کی طرف رخ کریں۔ یہ طریق خاص طور پر مختلف اقسام کے ہرنوں جنگلی بھیڑوں، وحشی بکروں، گورخروں اور شترمرغوں کو شکار کرنے میں استعمال ہوتا ہے۔

اگر مذکورہ بالا سطور سے ان شکار کو گھیر لانے والوں کے ہجوم کا صحیح نقشہ

ذہن میں نہ آتا ہو - تو اس کو ایک اور چیز قدرتی طور پر واضح کر دے گی - اور وہ ایسے مشاہدات ہیں - جو ریگستانی علاقوں میں مختلف موسموں کے باعث نقل مقام کرتے وقت پیش آتے ہیں - سبک رفتار جانور جن کو ہم اونٹ کہتے ہیں ایسی نقل مکان کے وقت سفر کا بہترین ذریعہ ہیں - یہ جانور سفر کے دوران میں نہایت آہستگی سے چلتے ہیں - اور راستے میں جہاں کہیں انہیں کسی چراگاہ کا سراغ مل جائے - تو اصل شاہراہ سے ادہر کا رُخ کر لیتے ہیں - اس لئے قافلے والوں اور اونٹ سواروں کو ناچار اسی سمت جانا پڑتا ہے - پھر وہ زور کی آوازیں نکال کر ان کو رہ راست پر لگاتے ہیں - یہ شور و غوغا اور یہ تمام نقل و حرکت جانوروں کو ان کے خلوت کدوں سے باہر نکال لاتی ہے - اور وہ انکے آگے آگے بھاگنا شروع کر دیتے ہیں - اس طرح سے قافلے کی صفِ اولیں کے لوگوں کے لئے شکار کرنا بہت ہی آسان ہو جاتا ہے - پس یہی اصول اصل شکار کی مہموں میں استعمال کیا جاتا ہے -

شکار کو گھیر کر لانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ یہ لوگ حلقہ باندھ لیتے ہیں - یہ حلقہ ایک آدھ جانور کے لئے نہیں ہوتا (جیسا کہ ہم نے اوپر اجتماعی حملے کے تحت میں لکھا ہے) بلکہ اس خطۂ زمین کے تمام جانوروں کو نرغے میں لانا مقصود ہوتا ہے - کبھی کبھی ان جانوروں کی تعداد بہت کثیر ہوتی ہے - جس میں فی الحقیقت ہر قسم کے جانور پائے جاتے ہیں - اس قسم کے طریق شکار نے جس میں تمام جماعت کے لوگ شکار میں حصہ لیتے ہیں - بعض پیدل، بعض گھوڑوں پر سوار ہو کر، بعض اونٹ کی پیٹھ پر سب سے پہلے مغلوں میں جنم لیا -

قاطر میر نے اس نوع کی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں - اور وہ بالخصوص

چنگیز خان کے متعلق ہیں۔ ان شکاروں کی روداد سے پتہ چلتا ہے کہ اس کام میں ہزاروں آدمی شریک ہوتے تھے۔ اور انہیں بعض اوقات مہینوں تک ایک ہی مہم میں گذر جاتے تھے۔ شاہی مہموں کے ساتھ جو "حلقے" جاتے تھے وہ ابتدا میں دو گروہوں میں تقسیم ہو کر اس جگہ سے دو برعکس سمتوں کا رُخ کرتے۔ جہاں انہیں دوبارہ آ کر مل جانا ہوتا۔ ہر ایک کی جگہ پہلے سے اسطرح مقرر ہوتی کہ ایک آدمی کے ساتھ دوسرا آدمی ملا ہوتا۔ اور یہ حلقہ اتنا وسیع ہو جاتا کہ دو مقابل کے آدمیوں کا درمیانی فاصلہ بے حد بڑھ جاتا۔ پھر یہ دستے اسطرح حرکت کرتے کہ ایک مسلسل اور مربوط دائرہ سا بنجاتا۔ اس دائرے کی بیرونی حدود اتنی پھیلی ہوتیں کہ انہیں ان تمام مراحل سے گذرتے ہوئے تین مہینے لگ جاتے۔

اس دائرے (حلقے) میں شامل ہونے والے لوگ اس علاقے کے ہر قرب و جوار سے لئے جاتے۔ ان لوگوں کی تعداد میں اضافہ کرنے والی چیز محض یہ امید ہوتی تھی کہ اس مہم میں شکار ہاتھ آئیگا۔ یہ چیز جنگجو قوم کو ترغیب عمل دلانے کے لئے کافی ہے۔

جب یہ دائرہ بنجاتا ہے اور لوگ فاصلے پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو پھر وہ اس مرکز کا رُخ کرتے ہیں۔ جو انہوں نے پہلے سے انتخاب کر لیا ہوتا ہے۔ اس مرکز تک پہنچنے میں وہ اپنا اپنا کام سرانجام دیتے ہیں۔ اس بات کو مدّ نظر رکھنا چاہیئے۔ کہ وسط ایشیا کا علاقہ سطح مرتفع ہے۔ اور اس میں جنگلات اور دریا بہت ہیں۔ اور آبادی کہیں کہیں نظر آتی ہے۔ اس حلقے کے لوگ جب حرکت کرنے لگتے ہیں۔ تو انکی راستے میں خوفناک جانوروں سے مڈبھیڑ ہو جاتی ہے۔ ریچھ سے لے کر خرگوش تک ہر قسم کے جانور

فروری ۱۹۳۰ء
اورینٹل کالج میگزین لاہور

مثلاً ہاتھی اور بن مانس (گوریلہ) ان میں شامل ہوتے ہیں۔ پس ان لوگوں کا کام نہایت نازک ہوتا ہے۔ انہیں درندوں (گوشت خوار) اور دوسرے زیادہ خطرناک جانور سے مقابلہ آپڑتا ہے۔ اور بالخصوص جب یہ دائرہ مسلسل اور حلقے کے لوگ ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوتے ہیں۔ تو یہ کام اور یہ شکار ہیبت ناک قتال کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یعنی ان جانوروں کے علاوہ جو دریاؤں اور ہوا کے ذریعے بچکر نکل جاتے ہیں۔ باقی سب کے سب مار دئے جاتے ہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ان جانوروں کے گوشت کو کیا کرتے ہونگے؟

یہ بات یقینی ہے کہ اس حلقے میں شامل ہونے والوں کو کئی روز تک بلکہ بعض حالات میں ہفتوں تک بغیر خورد و نوش کے رہنا پڑتا تھا۔ اور خوراک کا صرف ایک ہی ذریعہ ہوتا تھا۔ اور وہ یہ کہ راستے میں کسی جانور کو شکار کرنے کا اتفاق ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ہر شخص کا گذارہ اسی شکار پر ہوتا تھا۔ ان شکار کئے ہوئے جانوروں کے گوشت کو سفر ہی میں ختم کرنے سے ایک فایدہ یہ بھی تھا کہ ان کا بوجھ ہلکا ہو جاتا تھا۔

ہاں جب یہ لوگ آخری شکار کرتے تھے تو اسکے حصے بخرے کر کے اسکو آپس میں تقسیم کر لیتے۔ اپنے اپنے حصے کے گوشت کو نمک لگا کر دھوپ میں سکھا لیتے (گوشت کو محفوظ رکھنے کا یہ طریقہ وحشی قوموں میں رائج ہے)۔ اور پھر اپنے چمڑے کے تھیلوں میں ڈال کر گھروں کو لے جاتے اسی چیز پر ان لوگوں کی روزی کا انحصار ہے۔

جب تک بارش نہیں ہوتی۔ بدوی کی روزانہ خوراک یہی گوشت ہوتا ہے جسکو وہ اپنی ضرورت کے لئے محفوظ رکھتا ہے۔ جب بارش ہو جائے۔ تو

اسکی خوراک تازہ نباتات اور روزانہ شکار ہو جاتی ہے۔ جنہیں وہ ملا کر کھاتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بدوی کو اپنے گھوڑے کے لئے بھی گھاس میسر نہیں آتی۔ ایسی حالت میں وہی سوکھا متعفن گوشت جسکو قدید کہا جاتا ہے کام دیتا ہے۔ گھوڑے اسکو بہت پسند کرتے ہیں۔ اگر جلال الدین[1] عادل کی کثرت شکار کو بنظر غائر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ غالباً وہاں بھی اسی قسم کے حلقے سے مدد لی گئی ہوگی۔

پس جب ہم اس حلقے کی تفصیلی تعریف سے واقف ہوتے ہیں (جس کا دائرہ کبھی کبھی اتنا وسیع ہو جاتا ہے کہ ایک مہم کو سرانجام دینے میں تین ماہ کا عرصہ درکار ہوتا ہے)۔ اور مختلف مصنفین کو اس کی تعریف میں متفق الرائے پاتے ہیں تو ہمیں خیال ہوتا ہے کہ اس کام میں بے شک سپاہیانہ نظم و نسق اور فن صف آرائی کی ضرورت پڑتی ہوگی۔ بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ کوئی اعلےٰ افسر سر پہ نہ ہو اور مہم میں حصّہ لینے والوں میں باہم کوئی ربط و آشنائی بھی نہ ہو۔ اور اگر ہو تو بہت کم ہر ایک کو اپنی اپنی بساط کے مطابق کوشش کرنی پڑے۔ اس طویل وقت میں آلات شکار اور خورد و نوش کا ذمہ دار بھی خود ہی ہو۔

پس اس ایک قیاس بلکہ مختلف قیاسات کا یقین کرنا بہت مشکل ہے۔ اگرچہ مغلوں کی ایسی بے شمار مثالیں مل جاتی ہیں جن میں اُنکے

---

[1] اس بادشاہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسنے ایک ہی شکار میں بہت جانوروں کو ہلاک کیا تھا۔ چنانچہ اسی مضمون کے سلسلے میں اسکا ذکر آ چکا ہے۔ مصنف کتاب ہذا کا خیال کہ یہ شکار ایک جماعت کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ نہ کہ تنہا ایک شخص کا جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے۔

نسبتاً بڑے بڑے گروہ ایک طویل مدت کے لئے بغیر آلات حرب کے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ نقل وحرکت کرتے رہے۔ ان کے پاس وہ ذرائع کمک اور نظم ونسق نہ تھے۔ جو فوجوں کے مابہ الامتیاز سمجھے جاتے ہیں۔ اتنا تسلیم ہے کہ یہ سب کچھ سامان تفریح تھا۔ تاجداروں کا اور وہ بھی ایسے تاجداروں کا جنھوں نے قدیم دنیا کو اپنے زبردست حملہ آور لشکر سے ہلا دیا۔

وسط ایشیا کے علاوہ اس قسم کے عظیم الشان حلقے صرف مملوک بادشاہوں کے یہاں دیکھنے میں آئے ہیں۔ اور وہ بھی صرف عراق عرب اور مصر کے مغل، تاتاری اور تورانی الاصل فرمانرواؤں کے یہاں۔ ورنہ خاص عرب کے لوگ جنکی آبادی اسقدر قلیل اور منتشر ہے کبھی بھی ایسی اجتماعی جد و جہد کے لئے آمادہ نہیں ہوئے۔ جس میں لوگوں کی کثرت کی ضرورت پڑے۔ اور کام کو وسیع پیمانے پر سرانجام دینا ہو۔ انکے نزدیک اگر کسی شکار کے لئے چند درجن نرغوں کی حاجت ہو اور ایک مرحلے سے زیادہ سفر کی ضرورت پڑے۔ تو وہ کام نہایت مشکل سمجھا جاتا ہے۔

شارَدان نے چند مثالیں ایران کے متعلق بیان کی ہیں۔ وہ لکھتا ہے:۔

عظیم الشان اور شاہانہ شکاری مہموں میں یہ ہوتا ہے۔ کہ کسی وادی یا صاف میدان کو گھیر لیا جاتا ہے۔ شکار کو دھکیل کر لانے والے وہاں کے کسان لوگ ہوتے ہیں جو شکار کو پانچ پانچ چھ چھ فرسنگ سے نکال کر لاتے ہیں۔ اور انکی تعداد اکثر ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے۔ جب جانوروں کی کثیر تعداد اس دائرے میں جمع ہو جاتے ہیں۔ تو بادشاہ اپنی شکاری جماعت ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ اسوقت اسکی شان ایسی ہوتی ہے۔ گویا باغ میں ٹہل رہا ہے۔ پھر انمیں سے ہر شخص جو جانور مقابل میں آگئے ان پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ ہرن

جنگلی سور، بارہ سنگا، شیر ببر، بھیڑیا، لومڑی غرض سبھی اس میں آجاتے ہیں۔ زبردست قتل وغارت ہوتا ہے۔ اور ایسے جانوروں کی تعداد سات آٹھ سو تک پہنچ جاتی ہے۔ دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ یہ تعداد چودہ ہزار تک پہنچ گئی۔

عام شکاروں میں یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی جانور گھر جائے تو سب سے پہلے شکاریوں کے گروہ میں سے جو ممتاز آدمی ہو آگے بڑھتا ہے۔ اور اس پر تیر چلاتا ہے۔ پھر سب کے سب اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

شارؔدان کی یہ عبارت ایسے فارسی مخطوطات کی تصاویر کی خوب وضاحت کرتی ہے۔ جن میں شکار کے مختلف سین دکھائے گئے ہیں۔ ان میں بہت سے لوگ جمع ہیں۔ کچھ روساء و امراء، کچھ بادشاہ، کچھ شکاری لوگ، کچھ کتوں کے سردار مختلف جگہ چل رہے ہیں۔ جانوروں میں سے کہیں کچھ ہرن کہیں کچھ خرگوش کہیں شیر کہیں چیتے ہیں۔ ایک جانب ایک بدقسمت شخص ایک وحشی جانور کے پنجوں میں گرفتار ہے۔ ان تصاویر کو دیکھکر مصور کی وسعتِ تخیل کو مطعون کرنے کو جی چاہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان جانوروں کے مختلف اقسام اسی طریقِ شکار کا نتیجہ ہیں۔ جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں +

(باقی دارد)

(مولوی غلام مصطفٰے تبسم
ایم۔اے

ہیر دامودر

(۴)

گذشتہ سے پیوستہ

دامودر کون تھا دامودر کے متعلق پہلے[1] ذکر کیا جا چکا ہے۔ تھوڑی سی مزید واقفیت بہم پہنچی ہے جو یوں ہے۔ کوئی صاحب لالہ ہر بھگوانداس ماہوار رسالہ پنجاب[2] نوٹس اینڈ کویریز میں استفسار کرتے ہیں:-

"میرے دادا لالہ سوہن لال مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں وکیل تھے۔ انکے کتب خانے میں ایک قلمی نسخہ قصہ ہیر رانجھا بحروف فارسی تھا۔ جو ابتک میرے پاس محفوظ ہے۔ اس کا طرز تحریر بہت مشکل ہے۔ اس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ اصل تصنیف کی نقل ہے جو ۱۱۵۷ ہجری یا ۱۷۴۴ء میں اختتام پذیر ہوئی۔ منسا رام ساکن خوشاب[3] نے یہ نقل سرہند مل ساکن ملتان کے لئے کی۔ منسا رام کہتا ہے:-

یہ کہانی دامودر اروڑا ساکن جھنگ سیال نے لکھی تھی۔ انکی اصل

---

[1] یہی میگزین بابت فروری ۱۹۲۹ء [2] دیکھو رسالہ مذکور بابت مئی ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۴۰
[3] دراصل یہ خوشاب ہے۔ دیکھو یہی میگزین بابت فروری ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۰

تصنیف کہ زبان پنجابی میں تھی - ایک کھتری بنام راجا رام ساکن بھیرہ کے ہاتھ لگی - راجہ رام اس کہانی کی اصلیت دریافت کرنے کے درپے ہوا - اور اس دھن میں جھنگ سیال پہنچا جہاں اسنے ہیر و رانجھا کا مقبرہ یا مزار پایا - اس مزار کی آمدنی یا چڑھاوے کا ایک چوتھائی ایک ہندو گھرانے کو ملتا تھا - چونکہ ہیر و رانجھا اہل اسلام سے تھے - یہ امر کہ ان کے مزار کے چڑھاوے کا کچھ حصہ ایک ہندو خاندان کو ملے - راجہ رام کے لئے باعث تعجب ہوا اسکے پوچھ گچھ کرنے پر معلوم ہوا - کہ اس خاندان کا مورث اعلیٰ دامودر اروڑا تھا جسنے عہد اکبر میں عمر بسر کی اور جسنے ہیر و رانجھا کی سرگذشت نظم کی تھی - اُسے خواب میں ہیر و رانجھا کے ظہور قریب کی بشارت ہو چکی تھی - اُسنے اس بشارت کی تصدیق کے لئے اپنے کو گرویدۂ انتظار رکھا - جب ہیر چوچک خاں ساکن جھنگ سیال کے تولد ہوئی تو وہ تخت ہزارہ گیا - جہاں اسنے رانجھا کو بقید حیات پایا - بعد میں اسنے یہ مشہور سرگذشت لکھی اور مزار کے چڑھاوے کے ایک حصے کا مشترکہ مالک بنا اور یہ حق اسکی اولاد کو پہنچا - کیا یہ ٹھیک ہے کہ اسوقت (یعنی ۱۸۸۶ء میں) کوئی ہندو خاندان مزار کی آمدنی کے حصہ کا حقدار ہے" ؟ اسی رسالہ کے اُسی صفحے پر مسٹر ایم - ایل - ڈیمز صاحب اس استفسار کا جواب دیتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ " اسوقت مزار سے متعلق کوئی آمدنی یا جایداد وقف نہیں - یہ یہ جاٹوں کے ایک گھرانے کے قبضے میں ہے - جو اسکے پاس ہی رہتے ہیں اور بہت غریب ہیں - علاوہ اسکے یہ بات بھی ہے کہ چڑھاوے کی رقم بہت قلیل ہوتی ہے" -

میں اس بیان پر کوئی حاشیہ آرائی نہیں کرنا چاہتا سوائے اس کے کہ

رانجھا و ہیر کی وفات کے فوراً بعد اُن کا مزار بنگیا اور متوفین کو ولی اللہ سمجھ کران کی قبر پرستی شروع ہوگئی ۔ یہ بات سراسر بعید از قیاس ہے اور پھر اسکو جھوٹ ثابت کرنے والے خود ہیر دامودر کے اشعار آخری ہیں جس میں یہ لکھا ہے ۔ کہ ہیر و رانجھا دونوں بعد فیصلہ قاضی دوش بہ دوش کسی نا معلوم سمت کو روانہ ہوگئے ۔ دامودر کے بعد آنے والے دو مصنفین ہیں ۔ گورو گوبند سنگھ یا مصنف تریا چرتر جو تصنیف ۱۷۵۲ئ بکرمی میں تصیح پذیر ہوئی ۔ اور گورداس جس کی تصنیف کی تاریخ اورنگ زیب کے عہدِ حکومت کا پچاسواں سال ہے ۔ یعنی ۱۷۰۷ئ ۔ دونو ہی دامودر کی طرح اس کہانی کو عیش انجام بتاتے ہیں ۔ پھر موت کہاں اور مزار کہاں ؟ اوران سب کو چھوڑ کر ہم لوگوں کے لئے یہ ماننا بھی تو مشکل ہے کہ ہیر و رانجھا کی ولایت اور اُنکے وجود میں آنے کی خبر خواب میں دامودر کو ملی ۔ خود دامودر اسکی تائید کہیں بھی نہیں کرتا ۔ وہ تو فقط اتنا کہتا ہے کہ میں مصائب زمانہ سے مجبور بہ سفر ہو کر پھرتا پھراتا جھنگ آپہنچا ۔ اور وہاں سکونت پذیر ہوگیا ۔ تخت ہزارہ مجھے حسنِ رانجھا کی شہرت کھینچ لے گئی تھی نہ کہ تصدیق بشارت کی خواہش ۔

خیر زیادہ سے زیادہ ہم ان بیانات سے یہ قبول کرسکتے ہیں کہ دامودر پہلا شخص تھا جسنے یہ قصّہ یا سرگذشت تحریر کی اور کہ مرورِ زمانہ سے جب ہیر و رانجھا کو عوام نے ولایت کا درجہ تفویض کیا ۔ انہوں نے مُصنّفِ نظم ہیر کو بھی ایک آدھ برکت کا مالک ٹھہرایا ۔

رہا یہ کہ کیا فی الواقع دامودر اور ہیر و رانجھا عہد اکبری کی تاریخی ہستیاں ہیں ۔ سو اسکا فیصلہ تو شہادتِ اندرونی یعنی تصنیف دامودر ہی کے بیانات

بر منحصر ہے۔ ان بیانات اور انکی زبان کی شہادت کسقدر وزن دار ہے
یہ ہم دیکھ ہی چکے ہیں ۔

پنج پیر

اشاعتِ گذشتہ میں میں کہہ چکا ہوں کہ قصۂ ہیر و رانجھا میں بنی وکراماتِ پنج پیر سے اہم تر عنصر اور کوئی نہیں۔ ان پانچ پیروں کے متعلق ڈبلیو کرُک صاحب انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس[۱] میں لکھتے ہیں۔

پنج پیریا کا اطلاق پانچ پیروں یا "پانچوں پیر" کی پرستش پر ہے۔ یہ طرز اعتقاد مغربی بنگال۔ صوبجاتِ متحدہ آگرہ و اودھ اور مشرقی پنجاب کے پنچ ذات کے ہندوؤں میں عام ہے۔ اور ان علاقوں کی آبادی کے نچلے حصّہ میں مستعمل طریق ہائے پرستش اور مسلمانی پیر پرستی کی آمیزش کا نتیجہ ہے۔

اسلام کے پانچ پیریا پنج پیر سے در اصل فرقۂ شیعی کی پانچ بڑی ہستیاں مراد ہیں:۔ حضرت محمد علیہ السّلام۔ بی بی فاطمہؓ۔ حضرت علیؓ۔ امام حسنؑ۔ اور امام حسینؑ۔ مگر اس طریق راسخ سے پنج پیریا اعتقادات کو کچھ تعلق نہیں۔ کیونکہ ان میں تو انفرادی یا جماعتی ترجیح کی بنا پر الگ الگ پانچ پانچ کے گروہ چُن لئے گئے ہیں۔ مثلاً پنجاب میں بعض دفعہ یہ پانچ پیر گنائے جاتے ہیں۔ خواجہ قطب الدینؒ۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ۔ شیخ نظام الدینؒ۔ نصیر الدینؒ ابوالخیر۔ اور سلطان ناصرالدین محمود۔ ایک دوسری فہرست یوں ہے: ۔

بہاؤالدین زکریا ملتانی۔ شاہ رقعاے عالم حضرت لکھنوی۔ شاہ شمس تبریز ملتانی۔ شیخ جلال مخدوم جہانیاں جہاں گشت اُچی۔ اور بابا شیخ فریدالدین شکرگنج۔ پاک پٹنی۔ صوبجاتِ متحدہ میں یہ فہرست کم درجہ کے افراد پر مشتمل ہے۔ جن کے

---

[۱] ص ۶۰۰۔ ج ۹ ۔

نام عام طور پر یہ دیئے جاتے ہیں :-

غازی میاں ۔ آمینہ ستی ۔ بھیروں ۔ بواہنا اور بندے ۔

وائیٹ صاحب نے یہ دیکھ کر کہ مشرقی بنگال میں پنج پیریوں کا گرو نانک شاہی فرقہ سکھاں کا ممنت ہوتا ہے ۔ یہ رائے ظاہر کی ہے کہ پنج پیریوں کے اعتقادات کا ماخذ گورونک دیو کی تعلیم ہوگی ۔ مگر سکھ مذہب کے ارتقا کیساتھ پنج پیریوں کے اعتقادات کے ارتقا کے وابستہ کرنے کے لئے کوئی وجوہ نہیں معلوم ہوتیں ۔ کیونکہ یہ اعتقادات ایسے علاقوں میں بھی ہیں ۔ جہاں سکھ تاثرات بالکل مفقود ہیں"۔

آگے چلکر کرُک صاحب لکھتے ہیں کہ ۔ ۔ ۔ " باوجود ان سب باتوں کے یہ بھی کہنا ہی پڑیگا ۔ کہ پانچ پانڈوؤں کی پرستش ہمالیہ سے لے کر مدراس تک پائی جاتی ہے ۔ اسلیئے ممکن ہے کہ پنج پیریا اعتقادات کی ترقی کا ایک باعث یہ بھی ہو ۔ پس یہ اعتقادات ہندو دھرم اور اسلام کے اختلاط کا نتیجہ ہیں ۔ اور غالباً ان کا ظہور اہل اسلام کی فتوحاتِ ہند کے بعد ہوا جبکہ ان کا اثر ہندوؤں کی نیچ ذاتوں پر پڑ چکا تھا ۔ اور وہ ہندو یقین کرنے لگے تھے ۔ کہ فاتحین کے مسجود پیر ضرور مقتدر ہستیاں ہونگی ۔ جن کی امداد سے ہی یہ لوگ ہند پر قبضہ جما سکے ۔ ان اسلامی پیروں کے ساتھ قدرتی طور پر ان نیچ ذاتوں کے اپنے مسجود مقامی دیوتا اور جنّ بھوت وغیرہ شامل ہو گئے"۔

خواجہ خضر کو بھی بعض مصنفین فضہ ہیر نے " پانچوں پیر" میں شمار کیا ہے ۔ میری اپنی رائے میں جہانتک مغربی پنجاب کا تعلق ہے ۔ دوسری فہرست زیادہ موزون ہے ۔ کیونکہ گورو نانک دیو کے وقت سے ملتان کے پیر بہت مشہور چلے آتے ہیں ۔ گورو صاحب کی دونوں اہم سوانحمریوں میں جو عہد جہانگیر

اور عہد اورنگ زیب کی تصنیف ہیں ۔ ملتان کے پیروں کا مجموعی ذکر بھی ہے اور بہاالدین اور فرید کا الگ الگ بھی ۔

جنم ساکھی نانک مصنفہ بھائی منی سنگھ (عہد اورنگ زیب) میں لکھا ہے : ۔

جب یہ کلام چلہ میں سرور نے سنا وہ باہر آیا ۔ بابا نانک کو آداب بجا لایا ۔ بابا نے پوچھا تو چلہ کس لئے کھینچتا ہے ؟ اسنے جواب دیا ۔ ملتان کے پیروں کی اسی تپ کی وجہ سے زیادہ شہرت اور پرستش ہوتی ہے ۔ میں چاہتا ہوں ۔ کہ ان کی طرح میری بھی پوجا ہو ۔

واراں بھائی گورداس میں بھی ملتان کے پیروں کا ذکر ہے ۔

دامودر صرف اتنا ہی کہتا ہے ۔ کہ رانجھا نے کہا مجھے اجازت دو کہ میں پیروں کی زیارت کر آؤں ۔ مگر کیشر گورداس جو فسانہ گوئی میں خود کو دامودر کا تابع بتاتا ہے ۔ ملتان کا صاف طور پر ذکر کرتا ہے ۔ یعنی رانجھا نے ترکِ وطن کے بعد ملتان کا رُخ کیا ۔ ان حالات میں دامودر کے بیانات متعلقہ پنج پیر سے ہم یہی نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں ۔ کہ رانجھا بہاؤ الدین زکریا اور شاہ شمس (غالباً ملتانی) کے عہد سے بعد معرضِ وجود میں آیا ۔ اور کہ جہانتک یہ پانچ پیر تعلق رکھتے ہیں سب کے سب حلقہ بگوشانِ اسلام ہیں ۔ ان میں نیچ ذات کے ہندوؤں کا کوئی مسجود و معبود شامل نہیں ۔ وہی ملتان کے پیر جن کی زیارت کو رانجھا جا رہا تھا اُسے خود راہ میں مل گئے ۔ اور بجائے اس کے کہ وہ ملتان پہنچتا ان کے زیر فرمان ادھر کا رُخ چھوڑ کر وہ اپنی محبوبہ کی طرف چل دیا ۔ جسے ان پیروں میں سے ایک نے اس کو بخشا ۔ اس کے ساتھ ہی ہم اس قیاس کو قطعی طور پر

---

۱ صہ ۴۵۸ ۔ مطبوعہ مطبع مصطفائی برائے میاں چراغ دین سراج دین ۔ لاہور

رد بھی نہیں کر سکتے - کہ پنج پیر پانچ پانڈو ہیں - اور یہ کہانی آمد اسلام سے پہلے کی ہے - جو عہدِ مسلماناں میں تغیر پذیر ہوئی - اور کرشن کی بنسی الغوزہ یا ونجھلی میں اور پانڈو ملتانی پیروں میں تبدیل ہو گئے -

رانجھے کے خاندان میں یا اولیں اسکا افسانہ لکھنے والوں میں پیر پرستی عام ہوگی - انہوں نے حسن اتفاق کو ہر بار پیروں کی تائیدِ غیبی پر محمول کیا +

(باقی دارد)

موہن سنگھ دیوانہ

سیل کے ترجمہ قرآن مجید کا مقدمہ

فصلِ اوّل

جاہلی عرب

(گذشتہ سے پیوستہ)

عربوں کی ذہانت اہل عرب میں صرف یہی اوصاف نہیں - قدیم اقوام ان کی نسبت یہ بھی بیان کرتی ہیں - کہ وہ اپنے وعدے کے سچے اور رشتہ داروں کی عزت کرنے والے ہیں - علاوہ ازیں وہ سرعت فہم اور تعمق کے لئے بھی مشہور ہیں - اور طبیعت کی شگفتگی بھی ان میں قدرت نے ودیعت کر رکھی ہے - ان دو آخری اوصاف میں صحرائی عرب کو خصوصیت سے بلند مرتبہ حاصل ہے -

جہاں عربوں میں بہت سی خوبیاں ہیں وہاں دیگر اقوام کی طرح اُن میں عیوب اور بُرائیاں بھی موجود ہیں - انکے اپنے مصنف اسبات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اہل عرب کو لڑائی - خونریزی - ظلم اور لوٹ مار کے ساتھ قدرتی لگاؤ ہے اور وہ ایسے شتر کینہ ہوتے ہیں کہ سالہا سال کی دشمنی اور عداوت کو بمشکل ہی دل سے بھلاتے ہیں - بعض حکما کا خیال ہے کہ اہل عرب کی اس انتقام جُو طبیعت کی وجہ یہ ہے - کہ وہ اونٹ[1] کا گوشت بہت کھاتے ہیں - اور یہ جانور

---

[1] اونٹ کا گوشت صحرائی عربوں کی معمولی خوراک ہے اور اسلئے صحرائی عرب بھی بہت زیادہ کینہ ور ہوتے ہیں +

نہایت کینہ ور اور دلیر یا ہونے کے لئے مشہور ہے ۔ یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ مختلف جانوروں کے گوشت میں تمیز کرنی چاہیئے ۔

اس لوٹ مار کی وجہ سے جو اہل عرب سوداگروں اور مسافروں پر روا رکھتے ہیں ۔ ان کا نام یورپ میں قریباً بدنام ہوگیا ہے ۔ اپنی ان حرکات سے وہ خود بھی واقف ہیں ۔ اور ان کے لئے یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ جب ان کے مورثِ اعلیٰ حضرت اسمٰعیلؑ کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے مصیبتیں سہنے کے لئے گھر سے نکال باہر کیا ۔ تو اللہ تعالےٰ نے انہیں کھلے میدانوں اور صحراؤں کی جاگیر عطا کی اور اجازت دیدی کہ جو کچھ وہ وہاں پائیں اسے اپنا مال تصور کریں اس لئے ہمیں بھی اجازت ہے کہ جہانتک ہوسکے ۔ نہ صرف حضرت اسحٰق کی اولاد بلکہ اور ہر شخص سے ان کا بدلہ لیں ۔ اور ہم جنکو لوٹتے ہیں فرض کرلیتے ہیں کہ ان کو بھی ہمارے ساتھ دور و نزدیک کا کوئی نسبتی رشتہ ہے ۔ جب عرب اپنی مہموں کا ذکر کرتے ہیں تو وہ صرف فقرے کی بندش ہی کو بدل دینا کافی خیال کرتے ہیں ۔ چنانچہ بجای یہ کہنے کے کہ " میں نے فلاں شخص سے کوئی چیز لوٹ لی"۔ وہ کہہ دیتے ہیں کہ " میں نے وہ چیز حاصل کی" ۔ باوجود ان سب باتوں کے ہمیں یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اہل عرب باہم ایک دوسرے کے ساتھ ۔ یا ان لوگوں کے ساتھ جنہیں وہ ایک دفعہ اپنا دوست بنالیں بددیانتی کے مرتکب ہوتے ہیں ۔ ایسا ہرگز نہیں ۔ برخلاف اس کے خیموں میں سخت دیانتداری برتی جاتی ہے ۔ جہانکہ ہر چیز کھلی پڑی رہتی ہے ۔ اور آجتک ایک بھی ایسا واقعہ سننے میں نہیں آیا کہ کوئی چیز کبھی چوری چلی گئی ہو +

اہل عرب کے علوم آنحضرتؐ کے زمانے سے پیشتر تین خاص علوم عربوں میں مروّج تھے ۔ یعنی :-

(۱) انساب اور تاریخ

(۲) ستارہ شناسی کا اتنا علم جو انہیں موسمی تغیر و تبدل کے سمجھنے میں امداد دے -

(۳) خوابوں کی تعبیریں بیان کرنا -

انہیں اپنے خاندانوں کی شرافت پر بڑا فخر اور ناز تھا - جسکی وجہ سے ان میں اکثر دنگہ فساد برپا رہتے تھے - اور کوئی تعجب کا مقام نہیں اگر وہ اپنے سلسلۂ نسب کو قائم کرنے کے لئے بہت سی زحمت اٹھانا روا رکھتے ہوں -

ستاروں کا جو علم انمیں مروج تھا وہ کسی خاص اور باقاعدہ مطالعہ یا علم نجوم کے قواعد کا نتیجہ نہ تھا - بلکہ انہوں نے سالہا سال کے تجربوں کے بعد حاصل کیا تھا اہل ہند کی طرح اہل عرب بھی زیادہ تر ثابت ستاروں کی دیکھ بھال ہی میں لگے رہے - برخلاف اسکے دیگر اقوام نے اپنے تئیں قریب قریب سیاروں یعنی متحرک ستاروں کے مشاہدہ تک محدود کیا - لیکن وہ ان کے اثرات سے نتیجے اخذ کرتے رہے - ان کی طبیعت سے نہیں -

کہا جاتا ہے کہ اسی سبب سے یونانیوں اور کلدانیوں اور اہلِ ہند کی بت پرستی میں فرق رونما ہوا - کیونکہ اوّل الذکر سیاروں کی پرستش کرتے تھے - اور اور آخر الذکر ستاروں کی - اہل عرب جن ستاروں یا ستاروں کے گروہوں کی مدد سے موسموں کا تغیّر و تبدّل معلوم کیا کرتے تھے - انہیں انواء یا منازلِ قمر کہا کرتے تھے - یہ ستارے تعداد میں ۲۸ تھے اور منطقہ بروج کو ۲۸ ہی حصوں میں تقسیم کرتے تھے - چاند ہر روز ان میں سے ایک منزل میں سے گذرا کرتا تھا - جونہی کہ ان میں سے بعض صبح کے وقت افق کے نیچے غروب ہو جاتے - فوراً مقابل کی سمت سے اور ستارے افق سے طلوع کر آتے - لیکن یہ عمل ہر تیرھویں رات کو عمل میں آتا ہے - اور ان کے طلوع و غروب سے - طویل تجربوں کے بعد اہلِ

عرب کو معلوم ہونے لگا۔ کہ ہوا میں کیا تغیر و تبدل ہوتا ہے۔ اور پھر بتدریج ان کی طرف الٰہی طاقت منسوب کرنے لگے۔ یعنی انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ فلاں ستاروں کی برکت سے مینہہ برستا ہے۔ اس جملے کو آنحضرتؐ نے رد کر دیا اور قطعی حکم دیدیا کہ فقرہ اپنے پرانے معنوں میں کبھی استعمال نہ کیا جائے۔ ہاں جب اس سے یہ مراد ہو کہ اللہ تعالےٰ نے موسموں کا ایسا التزام کیا ہے کہ جب چاند فلاں برج میں ہو تو بارش ہوگی۔ اور جب فلاں ستارہ طلوع یا غروب ہوگا۔ تو ہوا چلے گی۔ یا سردی پڑیگی۔ تو ایسے محل پر اس جملے کا استعمال جائز ہے۔

علم نجوم میں عربوں نے بعد کے زمانے میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ اور دیگر اقوام سے داد لی۔ لیکن قدیم عربوں نے ستاروں کے نام رکھ دینے اور یہ معلوم کر لینے کے سوا کہ ان کا موسموں سے کیا تعلق ہے اور زیادہ ترقی نہیں کی۔ ان باتوں کا پتہ لگا لینا ان کے لئے کچھ دشوار بھی نہ تھا۔ کیونکہ وہ صحرائی زندگی کے عادی اور دن رات کھلے میدانوں میں پڑے رہا کرتے تھے۔ جو جو نام انہوں نے ستاروں کے لئے تجویز کئے وہ اپنے مواشی اور ریوڑوں سے اخذ کئے۔ ان ستاروں کے پہچاننے میں عرب ایسے ہوشیار تھے کہ جسقدر الفاظ ستاروں اور ستاروں کے مجموعوں کے لئے ان کی زبان میں موجود ہیں۔ اتنے اور کسی زبان میں نہیں پائے جاتے۔ کیونکہ گو عربوں نے بعد ازاں بہت سے مجموعہ ستارگان کے نام اہل یونان سے لے لئے۔ تاہم ان ناموں کی ایک بہت بڑی تعداد ابتک انہیں کی تجویز کردہ ہے۔ اور بہت پرانی ہے۔ خصوصاً ان نہایت مشہور ستاروں کے نام جو چند مجموعہ ستارگان میں بکھرے ہوئے ہیں اور نیز بہت سے چھوٹے مجموعوں کے نام جو بڑے بڑے مجموعوں میں شامل ہیں۔ جنہیں نہ تو اہل یونان نے دیکھا ہی اور نہ انکے نام ہی رکھے +

(میر حفیظ الدین)

ایک بنگالی خاتون کی اردو مثنوی[1]

اُردو میں چند صاحب دیوان عورتیں گذری ہیں۔ لیکن آجتک کسی خاتون کی کوئی اُردو مثنوی میری نظر سے نہیں گذری۔ لیکن خوش قسمتی سے مجھے ایک ایسی قلمی مثنوی مل گئی۔ جس کی چند خصوصیتیں قابل ذکر ہیں:۔

۱۔ ایک عورت کی تالیف ہے۔

۲۔ بنگالہ میں لکھی گئی ہے۔

۳۔ اس کا نسخہ پُرانا ہے۔ اور غالباً خود مؤلفہ کے زمانہ کا ہے۔

۴۔ یہ نسخہ اس دربار میں تھا۔ جس سے یہ مؤلفہ وابستہ تھی۔

۵۔ اس مثنوی یا اس کی مؤلفہ کا ذکر کسی تذکرہ میں میری نظر سے نہیں گذرا۔

مؤلفہ مجھے مؤلفہ کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ البتہ خود مثنوی کے دیکھنے سے جو باتیں معلوم ہوئیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے:۔

---

[1] یہ مضمون دراصل آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے اجلاس لاہور میں پڑھنے کے لئے لکھا گیا تھا۔ کانفرنس کے لوکل سیکرٹری نے بغرض اشاعت ہمارے پاس بھیج دیا ہے مگر مصنف کا نام انہوں نے محفوظ رکھا ہے پروفیسر شیرانی کہتے ہیں کہ یہ مضمون پروفیسر محفوظ الحق صاحب ایم۔اے فارسی پروفیسر پریزیڈنسی کالج کلکتہ کا ہے۔

۱۱

اسکا نام شرف النسا ہے۔ وہ مرشد آباد کے نواب ناظموں کے دربار سے وابستہ تھی۔

مؤلفہ نے اپنا نام دو جگہ لکھا ہے۔ ایک تو حمد کے سلسلہ میں جہاں وہ کہتی ہے ؎

پڑی ہیگی غلطی میں شرف النسا — نظر تجھ کو اب تک نہ آیا خدا

اور دوسرے "سخن" کی تعریف کے بعد اپنی مثنوی کے مقبول عالم ہونے کی دعا ان الفاظ میں کرتی ہے ؎

خدا سے یہی ہے اسے التجا — جو عاجز تری ہے یہ شرف النسا
تو کردے سخن کو مرے سربلند — سخن ہوئے میرا جہاں کو پسند

نسخہ کی ظاہری کیفیت اس نسخہ میں ۱۵۸ ورق ہیں۔ اور ہر صفحہ پر ۱۳ سطریں۔ اس حساب سے اشعار کی تعداد چار ہزار سے کچھ اوپر ہوتی ہے۔

خط صاف اور نستعلیق ہے۔ حاشیے پر سرخ و سیاہ لکریں ہیں۔ اور ان کے بیچ میں سونے کی جگہ زرد رنگ استعمال کیا گیا ہے۔ کاغذ مختلف رنگ کا لگایا گیا ہے۔ یعنی سبز سرخ زرد نیلگوں سفید وغیرہ۔ اس رنگا رنگی سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید یہ نسخہ کسی بیگم کے لئے تیار کرایا گیا ہے یا ہو سکتا ہے کہ خود مؤلفہ نے اپنے لئے کرایا ہو۔ بہرحال نسخہ کے ظاہری حسن کے لئے کافی کوشش کی گئی ہے۔

نسخہ میں کاتب کا نام یا سن کتابت درج نہیں۔ صرف سرورق پر یہ عبارت ہے:-

"مالکِ این کتاب نواب ہمایون قدر سید محمد تقی میرزا عرف امیر صاحب بہادر دام اقبالہٗ و افضالہٗ ۲۵ ماہ ربیع الاول ۱۲۹۹ھ"

اس سے معلوم ہوا کہ یہ نسخہ نواب فریدوں جاہ کے لڑکے امیر صاحب بہادر کے پاس تھا۔ اور یہ نواب فریدوں جاہ وہ ہیں جنکے دربار سے مؤلفہ وابستہ تھی۔ اور جنکی خاطر اسنے یہ مثنوی لکھی تھی۔ اس اجمال کی تفصیل بعد کو آئے گی۔ لیکن مندرجہ بالا عبارت سے اتنی بات ضرور واضح ہوتی ہے۔ کہ یہ نسخہ نواب ناظمان بنگالہ کی ملک تھا۔ اور انکے کتب خانہ سے پھرتا پھراتا راقم تک پہنچا۔

سن تالیف خود مثنوی میں سن تالیف موجود نہیں۔ لیکن ایک شعر سے پتہ چلتا ہے۔ کہ مؤلفہ نے اسکو تیرھویں صدی کے آغاز میں لکھا ہے۔ کہ تیرا صدی یہ زمانہ ہوا۔

اسکے علاوہ مثنوی میں نواب فریدوں جاہ کی ماں (رئیس النسا بیگم) اور نواب کی تعریف میں ایک مستقل بات ملتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی نواب فریدوں جاہ اور رئیس النسا بیگم کی حیات میں تالیف ہوئی۔

نواب فریدوں جاہ ۱۸۳۸ء میں مرشد آباد کی مسند پر بیٹھے۔ اور ۱۸۸۰ء تک حکمراں رہے۔ اسلئے یہ مثنوی انہی دوسنوں کے درمیان لکھی گئی ہے +

اس مثنوی میں ایک شعر اور بھی ہے۔ جس سے سن تالیف زیادہ واضح ہوتا ہے۔ مولفہ نواب فریدوں جاہ کی تعریف کے ضمن میں لکھتی ہے ؎

کم از بست اس کا ابھی سال ہے		مگر زہد و تقوے کا یہ حال ہے
شریعت سے باہر نہ رکھے قدم		عبادت میں خالق کے دن رات کم

ان اشعار سے معلوم ہوا کہ یہ مثنوی جب کہی گئی - اسوقت نواب فریدوں جاہ کی عمر بیس سال سے کم تھی -
تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے - کہ نواب کی ولادت ۱۸۳۰ء میں ہوئی -
اس حساب سے ۱۸۵۰ء میں اسکی عمر بیس سال ہوئی ہوگی - اور جب یہ مثنوی کہی گئی - اسوقت اسکی عمر اس سے بھی کم تھی - اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ اس مثنوی کا سنِ تالیف ۱۸۴۵ء اور ۱۸۵۰ء کے درمیان محصور ہے تو غالباً غلط نہ ہوگا -

نام — معلوم ہوتا ہے کہ شرف النسا نے اس مثنوی کا کوئی خاص نام نہیں رکھا - بلکہ جہاں جہاں اُسنے اسکا ذکر کیا ہے - صرف مثنوی لکھنے پر اکتفا کرتی ہے - چنانچہ دو تین اشعار درج ہیں لکھتی ہے ؎

دیا مثنوی کا جو میں انتظام غرض اسکے لکھنے سے تھا یہ کلام

یا ؎

سنے مثنوی کو جو ہجراں کے حال نصیب اسکو دلبر کا ہووے وصال

اور مقامات پر وہ اس مثنوی کو کتاب یا کہانی کہنے پر اکتفا کرتی ہے -

؎ میری عرض یہ ہے خدا کی جناب کہ ہووے جہاں میں مبارک کتاب

یا ؎

عجب ہے یہ رنگیں کہانی کا حال کہ اسکا بیاں بھی ہے جادو مثال

مذہب — بنگالہ کے نواب ناظموں کا خاندان چونکہ شیعہ تھا - اسلئے خیال ہوتا ہے - کہ شرف النسا بھی شیعہ ہوگی - اسکے علاوہ خود مثنوی میں بعض اشعار ایسے ہیں - جن سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ وہ شیعہ تھی - مثلاً خلفائے راشدین میں حضرت علیؓ کے سوا کسی اور کی منقبت

موجود تھی۔ اور حضرت علیؓ کی منقبت کا باب یوں شروع ہوتا ہے:

"در منقبت امیرالمومنین وآل و اصحاب علیہ السلام"

دوسرے یہ کہ دوازدہ امام کی منقبت بالالتزام موجود ہے۔ حضرت علیؓ کی منقبت میں کہتی ہے ؎

خدا کے پیارے محمدؐ کے یار　　علی مرتضےٰ شاہ دلدل سوار
ہوئی رحمت حق سب ان پر تمام　　خدا کے ولی اور ہمارے امام

. . . .

یہ امت نہ ہو شاد کیونکر تمام　　کہ ہوں پیشوا جسکے ایسے امام

. . . .

خدا کا ہے ان پر درود و سلام　　ہوا پنجتن پاک جن کا کہ نام

سخن کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہے ؎

جو شاعر نہ لکھتے یہ نوحہ سلام　　نکلتا نہ آنسو اماموں کے نام

"دلدار شاہ" کی داستان کے خاتمہ پر کہتی ہے ؎

ہوا قصۂ دلدار شہ کا تمام　　بفضل خدا و طفیل امام

خاتمہ میں کہتی ہے ؎

ہوا ختم قصۂ بفضلِ خدا　　بامداد و لطف امام الہدیٰ

محلسرا میں مؤلفہ کا مرتبہ

خود "مثنوی" سے مؤلفہ کی حیثیت کے متعلق جو کچھ معلوم ہو سکا وہ یہ ہے۔ کہ اس کا مرتبہ چنداں بلند نہ تھا۔ غالباً وہاں اس کی حیثیت مغلانیوں یا اناؤں کی ہوگی۔ لیکن اپنے علم و فضل کی وجہ سے شاید ممتاز درجہ رکھتی ہو۔ بہرحال یہ صرف قیاس ہے۔ خود مثنوی میں اپنے کو "کنیز" کے نام سے یاد کرتی ہے۔ کہتی ہے ؎

پھریگا یہ قصہ جو شہر و دیار اور سمجھینگے سب احمق و ہوشیار
کہینگے یہ ہے پھر تو اہل تمیز کہ خاوند تھے ایسے ایسی کنیز

یا نواب فریدوں جاہ کو آقا کے نام سے یاد کرتی ہے ؎

کہ نظم و نثر میں نہیں مجھکو ڈھنگ مگر میرے "آقا" جو ہے صوبہ بنگ

وجہ تالیف — مؤلفہ نے تالیف کی دو وجہیں بتائی ہیں۔ ایک تو یہ (جو عام طور پر شعرا لکھتے ہیں) کہ اس سے میرا نام باقی رہیگا۔ اور جب تک یہ کہانی پڑھی جائیگی میری اور میرے آقا کی شہرت باقی رہیگی۔ کہتی ہے ؎

کہ دنیا نہ رہتی کسی پر ہمیش گئے سب زمانہ سے ہو سینہ ریش
بہت بادشاہ تھے جو با عز و شاں اب ان کا رہا ہے کہیں کچھ نشاں
وہ تھے عہد میں اپنے عالی مقام نہیں جانتا اب کوئی ان کا نام
مگر جو ہے مشہور اگلے وہ شاہ رکھا نام ان کا قلم نے نگاہ

دوسری وجہ اُسنے یہ بتائی ہے کہ یہ کہانی میرے آقا نواب فریدوں جاہ کو پسند آئی۔ اس لئے میں نے اسکو نظم کیا۔ چنانچہ کہتی ہے ؎

کہ نظم و نثر میں نہیں مجھکو ڈھنگ مگر میرے آقا جو ہیں صوبہ بنگ
ہوئی یہ کہانی تھی ان کو پسند کیا نظم میں اس لئے میں نے بند

آغاز داستان — کہانی معمولی اور وہی ہے جو عام طور پر مثنویوں میں پائی جاتی ہے یعنی پری اور انسان کے عشق کی داستان لیکن یہاں ایک بات نئی معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان پری پر عاشق نہیں ہوتا۔ بلکہ جنوں کا بادشاہ ایک ارضی شاہزادی پر عاشق ہوتا اور ایک انسان کی مدد سے اپنے عشق میں کامیاب ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ایک ارضی شاہزادہ (جو ان دونوں کی شادی میں شریک ہوتا ہے) ایک پری پر عاشق ہوتا اور بالآخر اس شاہ جن کی مدد سے کامیاب ہوتا ہے

اسی سلسلہ میں جن وانس کے عشق کی اور داستانیں بھی آگئی ہیں - جن سے کہانی میں خاص لطف پیدا ہوگیا ہے -

انداز بیان مؤلفہ کا اندازِ بیان صاف، سادہ اور سلیس ہے - روانی بھی ہے - مناظر کا بیان بھی اچھا ہے - قصہ کو پھیلانے میں اسکو خاصہ کمال ہے - بعض تشبیہیں بھی بُری نہیں - کہیں کہیں زنانہ محاورات بھی آجاتے ہیں - اور اندازِ بیان کہہ دیتا ہے کہ عورت کی زبان ہے - بعض جگہ فارسی کے اشعار بھی آگئے ہیں مثلاً جہاں اپنی خامیوں کا ذکر کرتی اور پڑھنے والوں سے معذرت کی طالب ہوتی ہے تو کہتی ہے

کہے جبکہ سعدی سے دانش گزیں ۔۔۔ بساطِ سخن پر وہ بالانشین
توگر پرنیانی بیابی مکوش ۔۔۔ کرم کارفرما و حشوم بپوش
تو پھر اس جگہ ہے زباں میری بند ۔۔۔ کریں اپنے الطاف دانش پسند

دوسری جگہ ایک خط یوں شروع کرتی ہے

کہ اے غمگسار و وفادارِ من ۔۔۔ کنوں یاد داری تو اقرارِ من
شب روز مجھ کو وہی دھیان ہے ۔۔۔ بھروسے پہ تیرے مری جان ہے

یا 'خاتمہ' کے قریب یہ شعر کہتی ہے

شدند آن عروسانِ چنین بی نشان ۔۔۔ نداند کسی نام شان درجہان
عجب کیا زمیں جو دکھاوے بہار ۔۔۔ اسی میں چھپے ہیں وہ سب گلعذار

ہماری اکثر مثنویوں میں ایک بڑا عیب یہ ہے کہ ان میں ایسے حیا سوز مناظر اور عریاں اشعار نظر آتے ہیں کہ متانت آنکھیں بند کرلیتی ہے - لیکن مؤلفہ ایسے نازک موقعوں پہ دو تین ہی اشعار میں سب کچھ کہ دیتی اور متانت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتی - اور تقاضائے فطرت بھی یہی ہے - چنانچہ دلآرام اور دلبر کی ملاقات ان چند اشعار میں ختم کر دیتی ہے

ملے پھر تو ایسے وہ دو مہ لقا — ادھر سے تھی شوخی اُدھر سے حیا
اب آگے کہے کون خلوت کی بات — وہ سمجھے میسر ہو جس کو یہ رات
وہی خوب واقف ہے اسرار سے — ملے بعد مدت جو دلدار سے

مثنوی پر مفصل ریویو لکھنے اور اسکے محاسن و معائب کے بیان کرنے کے لئے وقت درکار ہے۔ اس لئے میں ان تفصیلات سے احتراز کر کے صرف اسقدر کہنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ کہ ان تمام خامیوں کے باوجود بھی یہ مثنوی غنیمت ہے۔ اور اس امر کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ وہ ایک عورت کی تالیف ہے۔ اور بنگالہ میں لکھی گئی ہے۔ ہماری خاص توجہ اور ستائش کی مستحق ہے +

ریویو

مُسلم ریویو } کلکتہ میں "مسلم انسٹیٹیوٹ" نوجوان تعلیم یافتہ مسلمانوں میں ایک علمی انجمن ہے۔ منجملہ اور مفید کاموں کے ایک نہایت قابلِ تحسین علمی خدمت جو وہ سرانجام دے رہی ہے وہ رسالۂ مذکور کا اجراء ہے۔ یہ رسالہ سہ ماہی ہے۔ انگریزی زبان میں ہے۔ اور عرصہ تین سال سے جاری ہے۔ اسلامی تاریخ۔ ادبیات اور تمدن کے متعلق نہایت عمدہ مضامین اس میں شائع ہوتے ہیں جو کہ بالعموم مضمون نویسوں کی ذاتی تحقیقات اور تجسس کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ان مضمون نویسوں کی فہرست میں ملک کے بعض مشہور اہل قلم ہیں جن میں مسٹر صلاح الدین خدابخش ایم۔ اے (آکسن)، پروفیسر محمد حبیب ایم۔ اے (آکسن) اور شمس العلماء ڈاکٹر ہدایت حسین (پرنسپل کلکتہ مدرسہ) کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مسٹر اے۔ ایچ ہارلے (پرنسپل اسلامیہ کالج کلکتہ)۔ مسٹر صلاح الدین خدابخش اور سید عبدالعلی ایم۔ اے اس رسالہ کے آنریری ایڈیٹر ہیں۔ طباعت نہایت عمدہ۔ چندہ سالانہ مع محصولڈاک عہ +

ملنے کا پتہ :- **مینجر مسلم ریویو۔ ۲۱ ولزلی سکوئیر۔ کلکتہ**

کتبخانہ ریاست رامپور

فنِ تذکراتِ فارسی

فروری ۱۹۲۶ء کے رسالہ میں میں نے کچھ مختصر سا حال اس عالیشان کتابخانہ کا درج کیا تھا۔ پھر جلد ۵ نمبر ۲ (بابت فروری ۱۹۲۹ء) ص ۹۵ بعد پر بھی کچھ تذکرہ اسی کتاب خانہ کا ہوا ہے مگر کتاب خانہ کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے دونو مرتبہ سرسری اور ناکافی سا ذکر ہوا۔ کچھ دن ہوئے جناب محمد شجاعت علی خاں صاحب اسسٹنٹ ناظم کتاب خانہ مذکور نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ کہ وہ بعض مخطوطات کتاب خانہ پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں تو مجھ کو غایت درجہ مسرت ہوئی۔ اب ان کے سلسلہ مضامین کی پہلی قسط وصول ہوگئی ہے۔ اور شکریہ کے ساتھ شائع کی جاتی ہے۔ امید ہے کہ وہ اس سلسلے کو جاری رکھیں گے۔ اور اس کتابخانے کے نوادرات سے پبلک کو روشناس کرتے رہینگے۔ (ایڈیٹر)

کتب خانہ رامپور علاوہ ایک مشہور و معروف خزانۃ العلوم ہونے کے مخطوطات و نوادرات کے اعتبار سے آج دنیا میں ایک بلند پایہ کتب خانہ ہے۔ اور مشاہیر اہل قلم مثلاً علامہ شبلی[1] وغیرہ اسکو بہت کچھ سراہ چکے ہیں۔ لیکن خالص شاہی کتب خانہ

---

[1] مولانا موصوف اس کتابخانہ کے متعلق اپنی رائے تحریر فرماتے ہیں میں اس کتبخانہ سے بارہا متمتع ہوا ہوں۔ ہندوستان کے کتبخانوں میں ان سے بہتر تو کیا اس کے برابر بھی کوئی کتبخانہ نہیں۔ میں نے روم اور مصر کے کتب خانے بھی دیکھے

ہونے کی وجہ سے شائقین علم و ادب کو اسکے ملاحظہ اور خوبیوں سے واقفیت حاصل کرنے کا موقع کم ملتا ہے۔ بنا بریں میں نے خیال کیا ہے۔ کہ آیندہ مسلسل اس خزانہ کے ان قلمی نسخوں کے متعلق جو دنیا کے کسی دوسرے مشہور کتب خانہ میں موجود نہیں ہیں۔ اپنی ریسرچ ماہانہ شائع کرتا رہوں جس سے اردو دُنیا کے افراد کو فائدہ اٹھانے اور اپنے معلومات میں اضافہ کرنے کا موقعہ مل سکے۔ یہ ریسرچ "ابتداءً" کتب فارسی پر ہوگی۔ آیندہ کتب عربیہ کیطرف اعتنا کیا جائیگا۔ اور اس سے فارغ ہوکر انشاء اللہ تعالےٰ ان مخطوطات کا ذکر کرونگا۔ جو بلحاظ خصوصیت نوعی کتب خانہ ہذا کے مایۂ ناز نسخے ہیں۔

۱۔ تذکرۂ کاتب

مؤلفہ مرزا محمد علی کاتب صفوی۔ تقطیع ۸ ۳/۴ × ۴ ۱/۲ : ۵ ۱/۸ × ۲ ۳/۴۔ سطر ۱۵، صفحات ۲۵۰۔ خط نستعلیق۔ عنوان شنجرف۔ سنہ کتاب ندارد۔ آغاز: شعلہ کہ نوائہ اخگر او زمین و آسمان را فروگرفتہ منور سازد،

تصنیف کے متعلق مؤلف خود دیباچہ میں لکھتا ہے کہ :۔

میں سلطان ابوالفتح محمد صفوی کے یہاں میر منشی کے عہدہ پر ممتاز تھا۔ سلطان موصوف نے مجھے حکم دیا کہ تذکرہ مخزن الغرائب میں بوقتِ مطالعہ میں نے جن اشعار پر انتخابی نشان بنا دیا ہے تو ان سب کو ایک جگہ جمع کرلے۔ نیز ان اشعار کے کہنے والوں میں جن لوگوں کے حالات مجھ سے تحفۃ الشعراء میں تحریر کرنے سے رہ گئے ہوں۔ ان کے حالات بھی علیحدہ لکھ لے۔ لہذا میں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ) ہیں۔ لیکن کسی کتبخانہ کو مجموعی حیثیت سے اس سے افضل تر نہیں دیکھا۔

تعمیلاً لحکم السلطان یہ تذکرہ تیار کیا۔ اور اپنے عہدہ کی مناسبت سے اس کا نام تذکرہ کاتب رکھا۔

سال تصنیف کے متعلق آخر میں لکھتا ہے ؎

شد تذکرہ از فضل قدیر قیوم　　　گردید بہر نام کاتب موسوم
تاریخ تمامیش بگفتا ہاتف　　　کم کن تو صد از تذکرہ گردد مفہوم

لفظ 'تذکرہ' کے اعداد ۱۳۲۵ ہوتے ہیں۔ جب سو کم کئے تو ۱۲۲۵ رہے۔ یہی سال تالیف ہے۔ کتاب کی ترتیب حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق ہے۔ شعرا کے حالات اس زمانہ کے مقتضیٰ کے موافق نہایت مختصر لکھے ہیں۔ اشعار کا انتخاب مؤلف کی سلامت ذوق کا پتہ دیتا ہے۔

صہ حروف الف۔ از حالات سید شریف جہانگیر سمنانی: تا حالات شاہ عالم بادشاہ غازی'

ص۱۴۔ حروف الباء۔ از حالات شیخ بہاء الدین زکریا۔ تا شاہ بہجت'

ص۱۹۔ حروف التاء۔ از حالات تکش بن ارسلان تا توفیق'

ص۲۲۔ حروف الثاء۔ از حالات شاہ عباس ثانی: تا ثنا شاہ جہان آبادی'

ص۲۳۔ حروف الجیم۔ از حالات جلال شیرازی: تا حالات میر جمال الدین اردستانی'

ص۲۷۔ حروف الحاء۔ از قاضی میر حسین مشہدی: تا علامہ فخر الدین حیرت'

ص۳۱۔ حروف الخاء۔ از حالات امیر خسرو دہلوی: تا خاکسار ناظم صوبہ شاہجہان آباد'

ص۳۶۔ حروف الدال۔ از داعی شیرازی: تا ابراہیم حسین دیری'

ص۳۹۔ حروف الذال۔ از حالات مرزا عبداللہ ذرہ۔ تا اسمٰعیل ذبیح'

۱؎ اس تذکرہ کا مجمل حال اسی رسالہ کی جلد ۸ ص۱۱۲ (نمبر ۳۶) پر درج ہو چکا ہے۔ (ایڈیٹر)

مؤلف ص۱۸۴ پر اپنے بھی حالات لکھتا ہے ۔ جس کا خلاصہ ذیل میں درج

کیا جاتا ہے :-

میں ابتدائً شہزادہ ابوالنصر مرزا محمد سلیمان شکوہ پسر شاہ عالم پادشاہ کے یہاں فارسی و ہندی دواوین کے لکھنے پر ملازم تھا۔ اسکے بعد سلطان محمد صفوی متخلص بہ طلوعی کے حضور میں بعہدۂ مصاحبت و کتابت ملازم ہوگیا۔

۲ - مآثر الباقریہ[۵]

مؤلفہ محمد علی بن سید محمد طباطبائی زواری

تقطیع ۸ × ۳/۴ ۵ ۱/۲ : ۶ ۱/۴ × ۳ ۱/۴ انچ - سطر ۱۷ - خط ولایتی نہایت عمدہ - جداول شنجرفی و نیلگوں - بار یکا نیلگوں - صفحات ۲۲۰ - نوشتہ بدست مصنف -

آغاز: منت خدائے را جلت کلمتہ ’کہ گوہر بشری را ‘

خاتمہ : منشی کلک و فا زد بہر تاریخش رقم - این ہمایوں جایگہ جاوید عشرتگاہ باد ۱۲۲۵

عبارت کاتب : تمت الکتاب مآثر الباقریہ در روز دوشنبہ بست و دویم لشہر ذیقعدۃ الحرام در ۱۲۲۷ھ قلمی شد - بخط الحقیر محمد علی سرزار اصفہانی ‘‘

سبب تالیف صـ ۴ تا ۸ :- میں نے اس مجموعہ میں بعہد سلطان فتح علیشاہ ان شعرا کے حالات اور وہ قصائد وغیرہ لکھے ہیں جو مولانا مولوی سید محمد باقر صاحب کی مدح و ثنا میں لکھے گئے تھے - اور چونکہ حکما، و فضلا کے حالات پہلے لکھنے لازمی تھے - اس لئے ترتیب حروف تہجی سے معذور رہا ہوں ‘‘

اسکے بعد صـ ۸-۹ پر دو فہرستیں درج ہیں :-

(۱) فہرست اسماء و تخلصہا شعرائے مدحت سرائے جناب مستطاب محترم

---

[۵] تذکروں کے سلسلے میں اس تذکرہ کا نمبر ۱۴۳ سمجھنا چاہیئے - دیکھو یہی رسالہ نمبر ۱۰ صـ

الانام دام بقاؤہٗ - اس فہرست میں ۴۱ شاعروں کے نام ہیں -
(۲) فہرست اسمائے شعرائے مدحت سرائے مسجد مقدس جناب مستطاب الخ
اس میں ۱۱ شاعروں کے نام ہیں - ان (۵۲) شعراء کے حالات و قصائد مدحیہ اس مجموعہ میں تحریر ہیں -

ص۱۹۷ پر زیر عنوان خاتمہ کتاب اپنے خاندانی حالات قلمبند کرکے لکھتا ہے :-

میرا قدیمی وطن زوارہ ہے - میری پیدائش سے پہلے والد ماجد حوادثاتِ زمانہ سے تنگ آکر اصفہان چلے آئے تھے - ۲۹ ر صفر ۱۱۹۵ھ کو میں یہاں پیدا ہوا - مولوی میرزا محمد علی مرزا مظفر رحمۃ اللہ نے میرے کان میں اذان کہی اور محمد علی نام رکھا - سات برس کی عمر میں پڑھنا شروع کیا - ابتدائی تعلیم سید صدر الدین سے حاصل کی -

اسکے بعد مولوی عبد العظیم رحمۃ اللہ سے علوم عربیہ اور فنون ادبیہ کی تحصیل کی - ۱۹ سال کی عمر میں زوارہ کو واپس آیا - یہاں آکر دو سال اور تکمیل علوم میں مصروف رہا - بعدہٗ مصائب و حوادث سے پریشان ہوکر پھر ترکِ وطن کیا - کچھ دنوں اِدھر اُدھر پھر کر فتح علیشاہ کے زمانے میں رجعت کی - اور عراق اردستان میں آکر میرزا عبد العظیم صاحب کے مدرسہ موقوفہ میں بعہدۂ کاتب ملازم ہوا -

سیف الدولہ سلطان محمد مرزا کے عہد میں میری کسی نے شکایت کر دی جسپر دار القضاء سے میرا طلبی پروانہ جاری ہوا - میں یہاں سے بھاگ نکلا - کچھ دنوں بعد لوگوں نے میری سفارش کی - جسپر میرا قصور معاف ہوا - اور حکم ملا کہ کلخ عشرۃ کی تاریخ لکھدے - لہذا میں نے یہ تاریخ لکھی جو کلخ عشرۃ پہ تحریر

لئی"۔

اسکے بعد ۲۴ اشعار کی تلمیح مذکور درج ہے۔

۳۔ تذکرۃ الکاتبین

تقطیع ۱۰½ × ۶¾ : ۷ × ۴¼ انچہ۔ سطر ۱۰۔ خط نستعلیق۔ صفحات ۱۰۲۔
آغاز۔ "حمدیکہ قلم از تحریرآن قاصراست"۔ سالِ تصنیف ۱۲۳۹ھ

تفصیل مباحثِ کتاب :۔

ص۲ زمانۂ ایجاد خط وکتابت و ذکر واضعان خطوط،

ص۱۳ باب اول۔ اصول خط،

ص۱۴ اصول چند نستعلیق مع ذکر خطاطان وخوشنویسان۔ از واضع اول (آدم علیہ السلام) تا ۱۲۳۹ھ۔ اس باب میں ۷۰ شخصوں کے حالات ہیں۔ جن میں قابل ذکر ہستیاں حسب ذیل ہیں :۔

امیر تیمور۔ مرزا شاہرخ۔ میرعلی کاتب۔ عبداللطیف بن الغ بیگ۔ محمد حسین کشمیری۔ غفاری ایرانی۔ محمد باقی حداد۔ شاہزادہ ابوظفر سلطان بن شاہرخ۔ میرعماد۔ عبدالرشید دیلمی۔ جواہر رقم۔ زیب النسا۔ نواب غازی الدین خان۔ داراشکوہ۔ وغیرہ۔

ص۶۲ باب دوم۔ در احوال خط شکستہ وشکستہ نویسان۔ اس باب میں ۳۶ خوشنویسوں کے حالات ہیں۔ جن میں بادشاہ عالمگیر بھی شامل ہے۔

مؤلف سببِ تالیف کے متعلق لکھتا ہے کہ :۔

ابوالفضل نے اپنے منشآت کے تیسرے دفتر میں بحث فن کتابت اور احوالِ کاتبان نہایت مجمل طور پر تحریر کیے ہیں۔ اور اس کے بعد سے اس وقت تک کسی

شخص نے اس عنوان پر قلم نہیں اٹھایا ہے ۔ لہذا میں احباب کی فرمائش پر ۱۲۴۹ھ تک کے لوگوں کے احوال لکھتا ہوں ۔

مصنف کے نام کا پتہ نہیں چلا ۔ کاتب کا نام اور سنہ کتابت بھی تحریر نہیں ۔

۴ ۔ نکات الشعراء[۵۱]

مؤلفہ میر محمد تقی میر اکبرآبادی ۔ متوفی ۱۲۲۲ھ / ۱۸۱۰ء

تقطیع $\frac{3}{4}$ ۴ × $\frac{3}{4}$ ۲ : $\frac{1}{4}$ ۴ × $\frac{1}{2}$ ۳ انچ ۔ سطر ۱۵ ۔ خط نستعلیق ۔ اثر کرم کثیر ۔ صفحات ۵۲ ۔ کاتب کا نام اور سنہ کتابت تحریر نہیں ۔

آغاز : "بعد حمد سخن آفرین کہ اوست سزاوار تحسین"

خاتمہ : "بحسن اتفاق آئینہ تیرے روبرو ٹوٹا"

مؤلف دیباچہ میں لکھتا ہے کہ شعرائے ریختہ (زبان اردو) کا کوئی تذکرہ اس وقت تک تالیف نہیں ہوا ہے ۔ اس بناء پر میں یہ تذکرہ مرتب کر رہا ہوں ۔

اس تذکرہ میں شعرائے شاہجہان آباد وغیرہ کے نہایت مختصر حالات مع ایک ایک دو دو اشعار کے تحریر ہیں ۔ تقریباً نوے شعرا کے حالات ہیں ۔ کتاب کو اپنے حال و کلام پر ختم کیا ہے ۔

مؤلف کے حالات کے لئے دیکھو "ذکر میر" و "قاموس المشاہیر" وغیرہما ۔

۵ ۔ مقالات الشعراء[۵۲]

مؤلفہ شیخ قیام الدین حیرت پسر شیخ امان اللہ اکبرآبادی

---

[۵۱] شعرائے اردو کا یہ تذکرہ مولانا محمد حبیب الرحمان خاں صاحب شروانی صدر الصدور ... کے

تقطیع کتاب ۸¼ × ۵ انچہ ۔ تقطیع کتابت ۶¼ × ۳½ انچہ ۔ سطور ۱۴ ۔
خط نستعلیق متوسط ۔ اسمائے شعرا شنجرفی ۔ کرم خوردہ ۔ پیوندکار ۔
نوشتہ امام الدین بتاریخ ۲۵ رجادی الاخری ۱۲۲۸ھ ۔
آغاز : گلشن گلشن گلہائے حمد وثنا نیاز جناب عالی مجید سخن آفرین ۔

اس تذکرہ میں اورنگ زیب عالمگیر کے عہد سے عزیز الدین عالمگیر ثانی کے عہد تک کے شعرا کے حالات بہ ترتیب حروف تہجی قلمبند کئے ہیں ۔
ص ۵ پر لکھتا ہے کہ "مقالات الشعراء" اس کتاب کا تاریخی نام ہے ۔ صرف پانچ چھ ماہ کی کمی ہے ۔ مقالات الشعراء کے عدد ۱۱۷۴ ہوتے ہیں ۔

تفصیل ابواب :۔

ورق ۳ ۔ باب الالف ۔ از حالات سراج الدین علی خاں آرزو تا میرزا ارجمند آزاد
(اس باب میں ۱۴ شعراء کا حال ہے) ۔
ورق ۱۱ ۔ باب الباء ۔ از میرزا مہدی بیان تا خواجہ احسن الدین خان بیان : (۸ شاعر)
" ۱۵ ۔ " التاء ۔ از محمد تقی تعظیم ۔ تا سید رضا تمکین (۴ شاعر)
" ۱۶ ۔ " الثاء ۔ از محمد افضل ثابت تا راجہ جگل کشور ثروت (۴ شاعر)
" ۱۷ ۔ " الجیم ۔ از میر محمد جعفر تا ملا ظفر علی جرأت (۳ شعراء)
" ۱۹ ۔ " الحاء ۔ از حاجی محمد گیلانی ۔ تا میاں محمد حیات (۱۰ شعراء)
" ۲۲ ۔ " الخاء ۔ از بندرابن خوشگو تا خوشتر (۵ شعرا)
" ۲۵ ۔ " الدال ۔ از مرزا ہاشم دلی تا خواجہ میر درد (۴ شعراء)

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۴) مقدمہ کیساتھ انجمن ترقی اردو نے شائع کر دیا ہے ۔ ۲ھ اس تذکرے کا مجمل
ساذکر رسالہ نمبر ۹ ص ۳۴ (نمبر ۴) پر ہو چکا ہے (ایڈیٹر)

ورق ۳۸ - باب الذال - عبداللہ ذرہ (یک)
" ۳۸ " الراء - از میر محمد رضا تا محمد رحیم خاں (۶ شعراء)
" ۴۰ " السین - از ساطع کشمیری تا خدیجہ سلطان بیگم (۶ شعراء)
" ۴۲ " الشین - از مرزا کاظم شہر تا رائے تنکرائے شوق (۹ شعراء)
" ۴۷ " الصاد - از صہبائی تا صفی (۳ شعراء)
" ۴۸ " الضاد - از مرزا ضمیر تا ہدایت علیخاں ضمیر (۲ شاعر)
" ۴۸ پشت باب الطاء - عبدالباقی طبیب (یک)
" " " العین - از سید مرتضیٰ علم تا شگمبہ لعل عزت (۱۲ شاعر)
" ۵۲ " الغین - غافل و غیرت (۲ شاعر)
" ۵۲ پشت " الفاء - از مرزا سید محمد فدائی تا فائز (۹ شاعر)
" ۵۶ " " القاف - از عبدالغنی قبول تا مشتاق رائے قدرت (۲۳ شاعر)
" ۵۸ رو " الکاف - از عصمت اللہ کامل تا مرزا گرامی (۴ شاعر)
" ۵۹ رو " لام میم - از لطف علیخاں تا میر تقی میر (۱۵ شاعر)
" ۶۳ رو " النون - از نور اللہ بیگ نزہت تا نیاز (۱۲ شاعر)
پشت ورق ۷۶ - باب الواؤ - از مرزا مبارک اللہ واضح تا والہ داغستانی (۷ شاعر)
رو " ۸۰ - " الھاء - ابوعلی ہاتف ایک شاعر)
پشت " ۸۰ " الیاء - از احمد یار خان یکتا تا محمد اشرف یکتا (۴ شاعر)

مؤلف ورق ۲۸ پر اپنے حالات اسطرح لکھتا ہے :- " میرا آبائی اجدادی وطن اکبرآباد ہے میرے والد شیخ امان اللہ وہاں جزوی کاموں پر ملازم تھے - میں نے اپنی عمر کے تیس سال کھیل کود میں گنوائے - اب چند ماہ سے دیوان کشنجی کے ہمراہ ہوں - دیوان مذکور بھاکر سوسج مل کے یہاں علمی خدمت پر مامور ہیں " *

(باقی دارد)

(شجاعت)

مقامات بدیع الزمان ہمدانی

مقامہ تینتیسواں[۳۳]

مضیرے[۱] کے بارے میں

✻

ذیل کا ترجمہ عربی ظرافت کے نمونے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے - مولوی محمد یوسف صاحب مولوی فاضل صدر مدرس مدرسہ دینیہ عربیہ سری نگر نے میری درخواست پر اس مقامہ کا ترجمہ عربی سے کیا - اب ضروری ترمیمات اور حواشی کے اضافے کے ساتھ اسکو شایع کیا جاتا ہے ✦ (اڈیٹر)

عیسےٰ بن ہشام نے کہا کہ میں ایک دفعہ بصرہ میں تھا - اور ابوالفتح اسکندری بھی میرے ساتھ تھا - یعنی وہ مرد میدان فصاحت کہ وہ بلاتا ہے تو فصاحت دست بستہ حاضر ہوتی ہے - اور وہ شاہسوار مضمار بلاغت کہ وہ حکم دیتا ہے تو بلاغت اسکی اطاعت کرتی ہے ' ہم اسکے ساتھ ایک تاجر کی دعوت میں تھے - کہ شہری زندگی کی تعریف و توصیف کرتا ہوا - اور بڑے پیالے میں چھلکتا ہوا سلامتی کی خوشخبری دیتا ہوا اور امیر معاویہ کی خلافت کی گواہی دیتا ہوا[۲] ایک

---

[۱] عربوں کا ایک کھانا جو گوشت کو خالص دودھ میں پکا کر تیار کیا جاتا ہے ✦ [۲] امیر معاویہ ... کے لئے مشہور تھے - دیکھو فخری ص ۱۳۱ (یہ حاشیہ پرنڈرگسٹ کے ترجمہ مقامات بدیع سے ماخوذ ...

خوبصورت پیالے میں پیش کیا گیا کہ نگاہ اس سے اچٹ جاتی تھی۔ اور خوبصورتی اس میں موجزن تھی، جب اس نے میز پر اپنی جگہ گھیرلی۔ اور حاضرین کے دلوں میں اپنا وطن بنا لیا۔ تو ابوالفتح اسکندری نے اس پر اور اس کے مالک پر لعنت بھیجی۔ اور اس سے اور اس کے کھانے والے سے بیزاری ظاہر کی۔ اور اس کی اور اس کے پکانے والے کی ہجو کرنے لگا، ہم نے سمجھا کہ وہ دل لگی کر رہا ہے۔ مگر معلوم ہوا۔ کہ معاملہ برعکس ہے۔ اور اس کی دل لگی عین سنجیدگی ہے۔ چنانچہ وہ حاضران مجلس کو چھوڑ کر میز سے الگ ہو گیا۔ ناچار ہم نے مضیرہ کو اٹھوا دیا۔ مگر ہمارے دل بھی اس کے ساتھ اٹھ گئے اور آنکھیں اسکے پیچھے لگی رہیں۔ اور ہونٹ اسکے لئے خشک ہو گئے۔ اور منہ میں اسکی وجہ سے پانی بھر آیا۔ اور جگر میں اسکے سبب سے آگ لگی۔ اور دل اسی میں اٹکا رہا۔ باوجود ان تمام باتوں کے ہم نے مضیرہ کو اٹھا دینے میں ابوالفتح کی موافقت کی۔ مگر اس سے اسقدر نفرت و کراہت کی وجہ دریافت کی۔

اُسنے کہا کہ اسکے متعلق میرا قصہ اس مصیبت سے زیادہ طویل ہے۔ جو مجھے اسکے بارے میں اٹھانی پڑی ہے اگر میں وہ قصہ آپ لوگوں سے بیان کروں۔ تو علاوہ آپ کا وقت ضایع کرنے کے آپ کی نفرت سے مامون نہیں ہوں۔ ہم نے کہا نہیں صاحب آپ بلا اندیشہ ضرور اس قصہ کو بیان کر دیجئے۔

وہ بولا۔ میں ایک دفعہ بغداد میں تھا۔ وہاں کے ایک تاجر نے مجھے مضیرہ کی دعوت دی اور سخت مجبور کیا کہ میں اسکی دعوت قبول کروں۔ جب ہم اٹھے اور چلے تو تمام راستے میں اسنے اپنی عورت کی مدح سرائی کی۔ وہ اپنی جان اس پر فدا کرتا ہوا اسکے مضیرہ پکانے کی تعریفیں کرنے لگا۔ اور اس کام میں اسکے کمال کو سراہتے ہوئے کہنے لگا۔ کہ اے میرے آقا: اگر آپ اسکو اس حالت میں ملاحظہ فرمائیں کہ ایک چیتھڑا اس کی کمر میں بندھا ہو۔ اور وہ گھر میں اِدھر اُدھر پھر رہی ہو۔ کبھی تنور سے

دیگ کیطرف اور کبھی دیگ سے تنور کی طرف۔ اور کہیں منہ سے پھونک مار مار کر آگ سلگاتی ہو۔ اور کہیں اپنے ہاتھ سے سل بٹا لیکر مصالح پیستی ہو۔ اور اس حالت میں آپ اسکو دیکھیں۔ کہ دھوئیں نے اسکے خوبصورت چہرے کو بگاڑ اور اسکے ملایم رخساروں کو متغیر کر دیا ہو۔ تو ایسا عجیب منظر دیکھیں کہ جسمیں آنکھیں حیران ہوتی ہیں، میں اس پر عاشق و شیدا ہوں۔ اور وہ مجھ پر عاشق ہے۔ مرد کی سعادتمندی ہے کہ اسکو ایک موافق نیک بی بی مل جائے۔ جو اسکی معین و مددگار ہو۔ خصوصاً ایسی بی بی جو کہ مرد کی ہم جنس ہو۔ میری عورت میری حقیقی چچا زاد بہن ہوتی ہے۔ کہ اسکا قبیلہ اور میرا قبیلہ اسکے رشتہ دار اور میرے رشتہ دار، اسکی اصل اور میری اصل، اسکا شہر اور میرا شہر ایک ہے۔ لیکن باوجود ان باتوں کے وہ مجھ سے زیادہ خلیق اور صاحب حسن و جمال ہے' الغرض اس نے اپنی عورت کی مدحت سرائی سے میری جان کھائی۔ آخر جب اسکے مکان کے پاس پہنچ گئے تو کہنے لگا۔ اے میرے آقا! یہ محلہ دیکھئے کیسا ہے۔ یہ تو بغداد کے بہترین محلوں میں سے ہے۔ بڑے بڑے لوگ اس میں سکونت کی خواہش رکھتے ہیں۔ اور ایک دوسرے پر رشک کرتے ہیں۔ لیکن اس میں سوائے تاجروں کے اور کوئی شخص نہیں رہتا ہے۔ اصل میں ہر شخص کا اعتبار اسکے پڑوسیوں سے ہوتا ہے۔ میرا مکان تمام مکانات کے وسط میں ایسا ہے جیسا ہار کے بیچ میں ایک بڑا دانہ اور دائرہ کے بیچ میں مرکز'

میرے آقا! آپ کے اندازے میں ان گھروں پر کیا صرف آیا ہوگا؟ اگر یقینی طور آپ نہیں بتلا سکتے تو تخمیناً ہی کہیئے۔

میں: رقم کثیر صرف ہوئی ہوگی۔

وہ: اے سبحان اللہ! یہ آپ نے کس قدر غلط کہا۔ کیا آپ صرف لفظ کثیر

ہی ان کے حق میں استعمال کرتے ہیں؟ پھر ٹھنڈی سانس بھر کر کہنے لگا۔ "پاک
ہے وہ ذات جو تمام چیزوں کو جاننے والی ہے !"

آخر جب ہم اس کے مکان کے دروازہ کے قریب پہنچ گئے تو کہنے لگا۔
حضرت! یہ میرا مکان ہے۔ کیا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس دریچہ پر کیا
صرف ہوا ہوگا؟ میں نے تو اس پر اپنی بساط سے بڑھ کر لاگت لگائی ہے
اور کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اسکی کاریگری اور خوبصورتی
کیسی عجیب و غریب ہے۔ کیا آپ نے کہیں ایسا دریچہ دیکھا ہے؟ اسکی
کاریگری کی باریکیاں غور سے ملاحظہ کیجئے۔ اسکی کمانوں اور ڈاٹوں میں تامل
فرمائیے۔ کہ گویا پرکار سے بنائی گئی ہیں اور بڑھئی کی حذاقت اور کمال اس
دروازہ میں ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں عاج (ہاتھی دانت) اور ساج (ساگوان)
لگے ہیں۔ دیکھئے اسنے کسطرح ایک کو دوسرے میں بٹھایا ہے کہئے اسنے
اسکو کتنے تختوں سے بنایا ہے؟ جواب دیجئے کہ میں کیا جانوں؟ (سنئے) یہ سال کی
لکڑی کے ایک ٹکڑے سے بنا ہے۔ ایسا ٹکڑا کہ نہ اسکو دیمک لگی تھی۔ نہ
وہ سڑ کر بدبودار ہوا تھا جب اس دروازہ کو حرکت دی جاتی ہے تو بولتا ہے۔
اور جب اسکو ٹھونک بجا کر دیکھا جاتا ہے۔ تو آواز دیتا ہے۔ آپ کو
پتہ ہے کہ اسکو کس نے بنایا ہے؟ اللہ قسم اسکو اسحٰق بن محمد بصری نے
بنایا ہے۔ یہ وہ شخص ہے۔ کہ جسکی شہرت بے داغ ہے۔ اور جو کواڑ بنانے
میں بہت ماہر ہے۔ اور کام میں اسکا ہاتھ بہت رواں ہے۔ مجھے اپنی زندگی
کی قسم ہے۔ کہ میں سوائے اسکے اور کسی سے اس قسم کا کام نہیں بنواتا۔
یہ کنڈی آپ دیکھتے ہیں؟ میں نے اسکو طائف کے بازار طائف میں عمران
طائف کے ہاں سے تین مغربی دینار میں خریدا ہے۔ آپ کو معلوم ہے

اس میں کتنا پیتل ہے ؟ حضرت اس میں چھ رطل پیتل ہے - اور یہ کواڑ ہیں گھومتی ہے - آپ بھی اسکو ذرا گھمائیے - اور اس پر ہاتھ سے ٹھونک بھی ماریے اور اچھی طرح سے دیکھئے - اپنی جان کی قسم میں نے اسی شخص سے یہ کنڈی خریدی ہے - اور وہ سوائے عمدہ مال کے اور کچھ نہیں بیچتا -

اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور ہم ڈیوڑھی میں داخل ہوئے - کہنے لگا: اے گھر تجھے خدا آباد رکھے ! اے در و دیوار ! تم کبھی ویران نہ ہوجیو ! تیری دیواریں عمارت اور بنیاد کسقدر مضبوط و محکم ہے - بخدا آپ تامل سے دیکھئے اسکی سیڑھیاں اور اندر جانے اور باہر نکلنے کے راستے کیسے نفیس ہیں - دیکھئے اور مجھ سے پوچھئے کہ میں نے یہ گھر کسطرح حاصل کیا ہے ؟ اور اسکو خریدنے کیلئے مجھے کیا کیا تدبیریں کرنی پڑی ہیں ؟

حضرت قصہ تو اسکا یہ ہے کہ میرا ایک پڑوسی جسکی کنیت ابوسلیمان تھی اس محلے میں رہتا تھا - اسکے پاس اتنا مال جمع تھا کہ خزانے بھی اس کے لئے ناکافی تھے - سونا چاندی اسقدر تھا کہ وزن نہ ہوسکتا تھا - وہ مرگیا - خدا اسکو بخشے - اور اسنے ایک لڑکا چھوڑا جسنے تمام مال و دولت شراب خوری اور جوا بازی اور راگ رنگ میں تلف کردی اور حال اسکا ابتر ہوا - میرے دل میں کھٹکا ہوا کہ وہ مضطر ہوکر کہیں اس گھر کو بیچ نہ ڈالے - اور دل تنگ ہوکر اسکو خطرے کا نشانہ نہ بنادے اور اگر میں نے اسے نہ خریدا ہوگا تو جب کبھی میری نظر اسپر پڑا کرے گی مجھے سخت رنج پہنچے گا - اور مرنے کے دن تلک دل میں اسکی حسرت باقی رہیگی -

آخر میں نے یہ ترکیب نکالی کہ چند ایسے کپڑے جنکی تجارت نقداً نقد نہیں ہوتی ہے - اسکے پاس لے گیا اور اس کو دکھلائے - اور ان کی قیمت طے کرکے

اسکو اُدھار پہ دیدیئے ۔ بیچارہ مفلس ادھار کو بھی تحفہ ہی سمجھتا ہے اور بخشش ہی
تصور کرتا ہے ۔ میں نے اصل مال کا وثیقہ اس سے طلب کیا۔ تو وہ بھی اس
نے دے دیا۔ تب میں بہت دنوں تک اسکے مطالبہ کرنے سے خاموش رہا۔
یہانتک کہ اسکی حالت اور زیادہ نازک ہوگئی۔ اسوقت میں نے اس سے مطالبہ
کیا۔ اور اُسنے اور کچھ مہلت چاہی ۔ میں نے اور کچھ مہلت دیدی۔ اور
جب اُسنے مزید کپڑوں کے لئے خواہش ظاہر کی تو میں نے اور کپڑے بھی دے
دیے ۔ پھر میں نے اس سے کہا ۔ کہ یہ گھر میرے پاس گرو رکھ دو تاکہ
میرے پاس بھی کچھ اطمینان کی چیز رہے ۔ اسنے قبول کرکے اسکو گرو رکھدیا
اسکے بعد میں نے اسکو درجہ بدرجہ معاملات کے ذریعہ ایسا گھیرا کہ وہ اس
گھر کے بیچنے پر مجبور ہوا ۔ تا اینکہ میری خوش قسمتی اور بخت رسا اور قوتِ بازو
سے یہ گھر میرا بنگیا۔ وربّ ساعٍ لقاعدٍ[۵] ۔ خدا کا شکر ہے کہ میں ایسے امور
میں خوش نصیب ہوں ۔ اے آقا! یہ آپ کے لئے کافی ہے +

میں چند روز ہوتے ایک رات کو اس گھر میں سو رہا تھا کہ اچانک کسی
نے دروازہ کھٹکھٹایا ۔

میں نے پوچھا ۔ کون ہے شب گرد آنے والا ؟ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک
عورت موتیوں کا ایک ہار لے کر کھڑی ہے ۔ جو پانی کی طرح صاف ۔ اور
سراب کیطرح رقیق تھا ۔ یہ ہار اسنے فروخت کرنے کے لئے پیش کیا ۔ میں
نے جھپٹ کر اس سے لے لیا ۔ اور کم داموں میں خرید لیا۔ بفضلِ خدا اس

---

۵ یہ مثل ہے ۔ مطلب یہ کہ بہت سے کوشش کرنے والے کوشش کرتے اور دولت
کماتے ہیں ۔ اور ایک آدمی اسکو بیٹھکر اڑاتا ہے یہی مضمون کہ ع اللہ اللہ کہ تلف کردو کہ اندوختہ بود ۔

اس سودے میں مجھے بہت نفع اور فائدہ ہوا۔

اتنی باتیں میں نے آپ سے اس لئے کہیں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ مجھے تجارت میں کیسی سعادتمندی نصیب ہوتی ہے۔ سعادتِ بخت ایک ایسی چیز ہے۔ کہ پتھر سے پانی نکالتی ہے۔ اللہ اکبر آپ کو اپنی ذات سے بڑھ کر کوئی زیادہ سچی خبر بتلانے والا نہیں ملیگا اور نہ ہی گذشتہ کل سے زیادہ قریب کوئی دن ہوتا ہے [ایک چٹائی کیطرف اشارہ کرکے] میں نے یہ چٹائی نیلام پر سے خریدی ہے اور یہ ابن الفرات[1] کے گھرانے سے جرمانوں کی وصولی اور لوٹ مار کے زمانے میں نکالی گئی تھی۔ میں مدت سے ایسی چٹائی کی تلاش میں تھا لیکن ملتی نہیں تھی۔ "اور رات[2] ایک ایسی حاملہ ہے جو نہیں جانتی کہ وہ کیا جنیگی"۔ اتفاق سے ایک دن میں باب[3] الطاق کیطرف جا نکلا۔ دیکھا تو یہ چٹائی بازار میں پیش کی جا رہی تھی۔ میں نے اتنے دینار دیکر اس کو خرید لیا۔ تامل اور غور سے اسکی کاریگری اور ملائمی اور باریکی اور رنگت تو دیکھئے۔ یہ ایک بڑی قدر کی چیز ہے۔ شاذ نادر کہیں ایسی چیز ملتی ہے آپ نے ابن عمران بوریا باف کا نام سنا ہوگا؟ یہ چٹائی اسی کے ہاتھ کی بنی ہوئی ہے۔ اسکا بیٹا اب اسکا جانشین ہے۔ اور اپنے باپ کی دکان پر کام کرتا ہے۔ عمدہ اور نفیس حصیر (چٹائیاں)، اسی کے ہاں سے ملتی ہیں

---

[1] آل فرات۔ چوتھی صدی ہجری میں ایک مشہور خاندان۔ اس خاندان کے چار بھائی خلیفہ مقتدر باللہ کے عہد میں اعلےٰ مناصب پر فائز تھے (ماخوذ از حواشی ترجمہ مقامات بدیع از پرینڈرگسٹ) [2] یہ مثل ہے جسکا ترجمہ اس مصراع میں کیا گیا ہے ع ببین تاچہ زاید شب آبستن است، [3] باب الطاق دراصل ایک محراب دار دروازہ تھا جو دجلہ کے بائیں کنارے پر بغداد کی بڑی پل کے سرے پر تھا، پھر یہ نام مشرقی بغداد کے تین محلوں (رشافتیہ۔ رصافہ اور مخرّم) کے مجموعہ پر حاوی ہونے لگا (لیسٹرینج: بغداد ص ۲۱۸)

میری زندگی کی قسم - اسی کی دکان سے آپ ایسا مال خریدا کریں - مسلمان اپنے مسلمان بھائی کا خیر خواہ ہوتا ہے - خصوصاً جب کہ ایک دسترخوان پر ہم کاسہ وہم نوالہ ہوں- اچھا اب مضیرہ کی بات کرنی چاہیئے کہ دوپہر ہونے آئی - اے غلام طشت اور پانی لا - میں نے دل میں کہا کہ اللہ اکبر! شاید اب غم دور ہو کر خلاصی ہوگی -

لیکن جب نوکر آیا - تو وہ کہنے لگا: آپ اس نوکر کو دیکھتے ہیں - اسکی پیدائش رُوم کی ہے - اور نشو ونما اسنے عراق میں پایا ہے - اے غلام! ذرا سامنے آجا اور اپنے سر سے ٹوپی اتار - اور ازار کو پنڈلی سے اور آستین کو بازو سے اونچا کر - منہ کھول - ادہر کو آ- اُدہر کو جا - نوکر نے اسی طرح کیا -

پھر تاجر نے کہا: خدا اسکے خریدنے والے کو جزائے خیر دے - اسکو ابوالعباس نے بردہ فروشوں کی دکان سے میرے لئے خریدا ہے (غلام سے) طشت کو نیچے رکھ اور لوٹا لے آ"- غلام نے طشت نیچے رکھ دیا - اور تاجر نے اسکو الٹا پلٹا - اور ٹھونکے مارنے لگا - اور کہنے لگا - دیکھئے یہ کیا عمدہ پیتل ہے - گویا آگ کا چنگارا - یا سونے کا ڈلا ہے - یہ شام کا پیتل ہے - اور عراق میں اسپر کام ہوا ہے - یہ کوئی بوسیدہ پرانی چیز نہیں ہے - گو بادشاہوں کے محلات کا چکر لگا چکا ہے - ذرا اسکا اندازہ اور وزن تو کیجئے اور اسکی خوبی اور مضبوطی میں غور فرمائیے - اور مجھ سے پوچھئے - کہ میں نے اسے کب خریدا؟ سنئے! واللہ میں نے اسکو قحط کے زمانے میں خریدا - اور خاص ایسے ہی موقعوں کے لئے رکھ چھوڑا - (غلام سے) "لوٹا لے آ" - غلام لوٹا لایا - تو تاجر نے اسکو بھی ہاتھ میں لیکر الٹا پلٹا اور کہا: کہ اسکی ٹونٹی اسی میں سے ہے - علیحدہ نہیں ہے - یہ لوٹا اسی طشت کے لئے اور یہ طشت اسی مجلس کے لئے موزون ہے - اور یہ مجلس اسی مکان میں مناسب ہے - اور اس گھر کو ایسے ہی مہمانوں سے زینت ہے -

(غلام سے) اے غلام! پانی ڈال ہاتھ دھلا - اب کھانا کھانے کا وقت ہو گیا ہے - بخدا! یہ پانی تو دیکھئے کیسا صاف ہے - بلّی کی آنکھ جیسا نیلا - اور بلور کی چھری کی طرح شفاف - دریائے فرات سے مشکیزہ بھر اگیا - رات بھر رکھا رہنے کے بعد استعمال میں لایا گیا - تب شمع کی زبان کے مانند صاف اور آنسوؤں کے موافق مقطر ہو گیا آپ جانتے ہیں شان پانی میں نہیں ہوتی بلکہ مشکیزہ میں ہوتی ہے - جس میں پانی کو رکھتے ہیں - اور کسی کے کپڑوں کی پاکیزگی اس کے سامان کی پاکیزگی پر دلالت کرتی ہے[۱] -

اچھا یہ مندیل جو ہے آپ اسکا قصہ مجھ سے پوچھئے -

یہ جرجان میں بُنی گئی - اور ارّجان میں اسپر کام ہُوا - یہ ایک دفعہ میرے پاس بکنے کو آگئی - اور میں نے اسکو خرید لیا - ایک ٹکڑے سے میری عورت نے پاجامہ بنا لیا - اور باقی سے میں نے رومال - عورت کے پاجامہ میں بیس گز صرف ہوئے اور باقی حصہ کو میں نے اسکے ہاتھ سے چھین لیا - ایک طرازکار کو دیا - اس نے اسکا حاشیہ اور کنارہ بنایا - اور اچھی طرح سے برابر کرکے خوبصورت اور مزیّن کر دیا - پھر میں نے بازار سے لاکر خوش طبع مہمانوں کے واسطے صندوق میں رکھ دیا - یہ عام لوگوں کے ہاتھوں تک نہیں پہنچا - نہ عورتوں نے اس سے آنکھوں کے کوئے صاف کئے - اس لئے کہ ہر عمدہ نفیس چیز ایک خاص دن میں استعمال کی جاتی ہے - اور ہر چیز کے لئے ایک جماعت مخصوص ہے -

ارے غلام! میز لا کہ بہت دیر ہو گئی - اور پیالے رکھ کہ پریشانی بہت ہوئی - اور کھانا لا - کہ باتیں بہت ہو چکیں -

---

[۱] مطلب یہ کہ پانی کی پاکیزگی اس مشکیزے کی صفائی کی دلیل ہے - جسمیں پانی رکھا رہا -

نوکر نے میز لاکر رکھی ۔ تاجر نے اسکو بھی اپنی جگہ سے اٹھایا اور انگلیوں سے ٹھونکنے اور دانتوں سے اسکو چبانے کے بعد کہنے لگا ۔ اللہ تعالےٰ بغداد کو ہمیشہ آباد رکھے ۔ وہاں کی چیزیں کیا ہی عمدہ ہوتی ہیں ۔ اور کاریگر وہاں کے کیا اچھے ہوتے ہیں ۔ ذرا اس میز کو دیکھئے ۔ کتنی لمبی اور چوڑی ہے ۔ مگر باوجود اس کے کسقدر ہلکی ہے ! اسکی لکڑی کیسی مضبوط اور اس کی صورت کیسی پیاری ہے !

میں نے کہا کہ صورت وغیرہ سب کچھ ٹھیک ۔ لیکن کھانا کب ہوگا ؟

کہا کہ ابھی کھانا ہوگا ۔ ارے غلام ! کھانا جلدی لا ۔

لیکن سنئے صاحب اس میز کے پائے اسی لکڑی سے نکالے گئے ہیں ۔ اس میں جوڑ نہیں ہے ۔

ابوالفتح نے کہا کہ میں نے حساب لگایا کہ اب کتنی چیزیں باقی رہ گئی ہیں ۔ ایک تو روٹی اور اس کی تعریف ۔ اور روٹی بنانے والا ۔ اور اس کا سامان ۔ اور گیہوں کہ کہاں سے وہ خریدے گئے ۔ اور کسطرح اٹھائے گئے ۔ کس چکّی میں پسوائے گئے ۔ آٹا کس برتن میں گوندھا گیا ۔ کونسا تنور اسکے لئے گرم کیا گیا ۔ کون روٹی پکانے والا بلایا گیا ۔ اسکے علاوہ ابھی لکڑی باقی ہے کہ کہاں سے کاٹی گئی ۔ کب منگائی گئی ۔ کسطرح جمع کی گئی ۔ سکھائی گئی ۔ پھر یہ باقی ہے ۔ کہ اس لکڑی کو کس نے پھاڑا ۔ اسکی مزدوری کیا دی گئی ۔ پھر باقی رہا روٹی پکانے والا ۔ اور اسکی تعریف ۔ اور اسکے شاگردوں کی تعریف ۔ پھر باقی رہا آٹا اور اسکی مدح اور خمیر اور اسکی شرح ۔ پھر نمک اور اسکی خوبی ۔ پھر اسکے خرید و فروخت کا معاملہ ۔ پھر باقی رہیں طشتریاں کہ اُن کو کس نے برتا ۔ اور کسطرح لیا ۔ اور کسنے بنایا ۔ اور کب اٹھا کر لایا ۔ پھر باقی رہا سرکہ کہ اس کے لئے انگور کسطرح سے صاف کئے گئے ۔ اور کھجوریں کسطرح خریدی گئیں ۔ اور اسکا حوض کس طرح سے تیار کیا گیا ۔ اور رس کسطرح سے نکالا گیا ۔ گڑھا کب روغن کیا گیا ۔

اور اسکا مٹکا کتنی قیمت کا تھا - پھر باقی رہی سبزی و ترکاری - اسکے توڑنے کے لئے کیا کیا تدبیر کی گئی - اسکو کس طرح توڑا گیا - اور کس کھیت میں تہ بر تہ رکھا گیا - اور کس قدر عمدگی سے اسکو صاف کیا گیا - پھر باقی رہا مضیرہ کہ اس کا گوشت کس طرح خریدا گیا - اور وافر چربی اسکے لئے لی گئی - پھر ہانڈی کس طرح چولھے پر رکھی گئی - اور آگ کس طرح جلائی گئی - اور مصالحہ کس طرح پیسے گئے - اور کس عمدگی سے اسکو پکایا گیا - اور پانی اسکا خشک کیا گیا - یہ ایک مصیبت ہے - یہ ایسی بات ہے - جو کبھی ختم ہی نہ ہوگی -

پھر میں کھڑا ہو گیا -

وہ کہنے لگا: کہاں جاتے ہو؟

میں نے کہا ایک ضرورت کے لئے جاتا ہوں -

اُسنے کہا کہ پھر ایسے پاخانے کا ارادہ کریں جو کہ امراء و وزراء کے بہار اور خزاں کے محلوں سے بھی عمدہ ہے - اسکے اوپر کی طرف کو گچ کیا گیا ہے - اور نیچے چونا - اور اسکی چھت ہموار کی گئی ہے - اور نیچے سنگ مرمر کا فرش ہے اور اسکی دیواروں سے چیونٹی گر پڑتی ہے - اور اسکے فرش پر سے مکھی پھسل جاتی ہے - اس کا دروازہ ہاتھی دانت اور سال کی لکڑی کا بنایا گیا ہے - اور یہ دونوں ایکدوسرے کے ساتھ ایک جان ہوگئی ہیں - ایسی عمدہ جگہ کہ مہمان اس میں کھانا کھانے کی خواہش کرے!

میں نے کہا حضرت! آپ ہی اس توشہ دان سے کھائیے - میں نے تو پاخانے کو شمار ہی نہ کیا تھا -

پھر میں دروازہ کی طرف نکلا اور قدم بڑھا کر دوڑنے لگا - وہ بھی میرے پیچھے دوڑنے لگا - اور چلا چلا کر پکارنے لگا کہ اے ابوالفتح - مضیرہ! مضیرہ! بازار میں کچھ لڑکے تھے - وہ سمجھے کہ شاید مضیرہ میری چھیڑ ہے - تو وہ

بھی مضیرہ مضیرہ پکارنے لگے ۔ میں نے غصہ میں آکر ان میں سے ایک کو پتھر کھینچ مارا ۔ جو اسکی پگڑی پر لگ کر اسکی کھوپڑی میں گھس گیا ۔ پھر کیا تھا لوگوں نے نئے اور پرانے جوتے ہاتھ میں لے کر مجھ پر برسانے شروع کئے ۔ اور جن کو اور کچھ نہ ملا انہوں نے تھپڑ ہی لگائے ۔ آخر لیجاکر قید خانہ میں مجھ کو بند کرا دیا ۔ اور دو سال تک اس منحوس جگہ میں میں محبوس پڑا رہا ۔ ۶

اسلئے میں نے عہد کیا ہے کہ جب تک زندہ رہونگا مضیرہ نہیں کھاؤنگا ع ۹

فھل انا فی دا یال ھمدان[۱] ظالم

(پس اے آل ہمدان ! میں نے اسبات میں کچھ بے اعتدالی سے کام لیا ؟)

عیسیٰ بن ہشام نے کہا کہ ہم نے اس کا عذر قبول کیا اور ہم نے بھی عہد کیا کہ آیندہ مضیرہ نہ کھائینگے ۔ اور تسلیم کیا کہ مضیرہ نے ہمیشہ شریف لوگوں کیساتھ بُرا سلوک کیا ہے ۔ اور کمینوں کو نیک لوگوں سے آگے بڑھایا ہے +

(مولوی) محمد یوسف (مولوی فاضل)

---

[۱] پورا شعر یوں ہے ؎

وکنتُ اذا قومٌ غَزَونی غزوتُھم ۔۔۔ فھل انا فی ذا یال ھَمدانَ ظالمُ

اس قصیدے کے بہت سے اشعار امالی ابوعلی القالی (۲ : ۱۳۲) پر دئے ہیں ۔

ہمدان کو پرنڈر گسٹ نے تَمَذان پڑھا ہے جو نا ممکن ہے ۔ اسنے مصرعہ کو بدیع الزمان کا مصرعہ سمجھ کر یہ غلط نتیجہ نکالا ہے ۔ کہ قصہ مضیرہ کا بصرہ میں واقع ہوا ۔ اور بیانِ قصۂ ہمَذان میں حقیقت میں یہ شعر عمرو بن بَرّاقہ الھمدانی کے ہیں ۔ اور خود مصنف کی تصریح کے مطابق قصۂ بغداد میں واقع ہوا اور ص ۱۱۰ ، واقعہ لھہ ے ۲۴) +

اورینٹل کالج میگزین لاہور

فروری سنہ ۱۹۳۰ء

سُندر سنگار

(مصنفہ سُندر داس برہمن گوالیاری)

چند سال ہوئے میرے ایک عزیز نے سُندر سنگار کا ایک قلمی نسخہ حصار سے مجھ کو بھیجا۔ ڈاکٹر بنارسی داس ہندی لکچرر اورینٹل کالج نے میری درخواست پر اسکو اردو کا جامہ پہنانے پر آمادگی ظاہر کی۔ میں نے ان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ متن کا تحت اللفظ ترجمہ بین السطور میں لکھیں اور ماحصل اور تشریح مقابل کے صفحہ پر۔ تاکہ اردو دان طبقہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکے۔

آج متن و ترجمہ کی پہلی قسط معہ مترجم کے دیباچہ کے شایع کی جاتی ہے امید ہے کہ آیندہ نمبروں میں اسی ترتیب سے متن و ترجمہ شایع ہوتا رہیگا۔

سُندر سنگار کے مصنف سندر داس نے اپنی نظم کے ابتدائی بندوں میں کچھ اپنا حال لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں گوالیار کا رہنے والا ہوں۔ شاہجہان بادشاہ (سن جلوس سنہ ۱۶۲۸ء) نے جہاں اور اہل ہنر کو بے حساب انعامات سے مالا مال کیا اسی طرح مجھ کو بھی الطاف شاہانہ سے سرفراز کیا ہے، جواہر زیور اور منصب دیا۔ گھوڑے ہاتھی سروپا اور خلعت بخشی، پہلے "کب رائے" کا خطاب دیا۔ پھر "مہاکب رائے" کا غرض جب اس غریب نواز بادشاہ نے مجھ پر مہربانیاں کیں اور میرا دل بڑھایا۔ تو مجھ کو اس کتاب کی تصنیف کا خیال پیدا ہوا۔ اور جمعرات کے دن ۶ کاتک سنہ ۱۶۸۸ بکرمی (= ۲۰ر اکتوبر سنہ ۱۶۳۱ء) کو میں نے یہ کتاب بنائی۔

گریرسن[1] نے شاعر کے حالات میں ان بیانات پر صرف اسقدر اضافہ کیا ہے

---

[1] THE MODERN VERNACULAR LITERATURE OF HINDOSTAN BY GRIERSON (CALCUTTA, 1889 P. 60).

کہ سندر سنگار کے علاوہ جو اسکی بہترین تصنیف ہے اُسنے سنگھاسن بتیسی کا برج بھاکھا میں ترجمہ کیا۔ وہی ترجمہ ہے جسکو بعد میں میرزا کاظم علی اور للوجی لال نے اردو میں منتقل کیا۔ اسی مصنف نے گیان سمدر فلسفہ میں لکھی اور بقول گارساں دے تاسی سندر ودیا کا مصنف بھی شاید وہی ہے۔

سندر داس کا ذکر ملا عبدالحمید لاہوری کے بادشاہ نامہ میں چار واقعات کے سلسلے میں آیا ہے۔ جو ۱۰۴۰ھ اور ۱۰۵۱ھ کے درمیان ظہور پذیر ہوئے۔ تعجب کی بات ہے کہ ان میں کسی جگہ بھی اسکا ذکر شاعر کی حیثیت سے نہیں کیا گیا بلکہ ہر مرتبہ اسکی پولٹیکل خدمات کیطرف اشارہ ہوا ہے اور چاروں موقعوں پر وہ بادشاہ کے معتبر قاصد کی حیثیت سے مختلف ہندو راجوں کے پاس بھیجا گیا ہے۔

لہ نواح ۱۸۰۳ء میں موجود تھا ۔ سلہ مغلوں کے دربار میں بظاہر سب سے پہلا کب رای بیربر داس تھا جسکو اکبر نے پہلے یہ خطاب دیا۔ بعد میں "راجہ بیربر" بنایا۔ اس کب رای کو بھی بادشاہ نے کئی مرتبہ سفارت پر بھیجا۔ مثلاً ۲۱ سنہ جلوس اکبری میں رائے لون کرن کے ساتھ وہ ڈونگر پور بھیجا گیا۔ جہاں کا رانا اکبر کے ساتھ رشتہ قائم کرنا چاہتا تھا، ۲۸ سنہ جلوس میں بیربر اور زین کوکہ راجہ رام چند بگھیلہ کو دربار میں لائے۔ جیسا کہ معلوم ہے۔ بیربر یوسف زئی کی مہم میں ۱۵۸۶ء میں مارا گیا۔ اس مہم میں اس کی سرکردگی میں زین خان کے لئے بادشاہ نے کمک بھیجی تھی۔ (بلاکمین کا ترجمہ آئین ص ۴۰۴)، معلوم ہوتا ہے کہ کب رای کا عہدہ اورنگ زیب کے زمانے میں بھی موجود تھا (دیکھو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا گیارھواں ایڈیشن ج ۱۳ ص ۴۸۷ بذیل ہندوستانی)۔ جب اورنگ زیب دکن سے آیا اور مہاراجہ جسونت سنگھ نے اسکا راستہ روکنا چاہا تو اورنگ زیب نے کب رائے کے ہاتھ "جو فہمیدہ اور دانائے وقت" برہمن تھا مہاراجہ جسونت سنگھ کے پاس پیام بھیجا کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں بلکہ حضرت اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہونے کی غرض سے آتے ہیں (خلاصۃ التواریخ سجان رائے ص ۴۹۴) عجب نہیں کہ یہ کب رائے سندر داس ہی ہو۔

اب ہم مجملاً ان تمام موقعوں کا ذکر کرتے ہیں ۔ جہاں وہ بادشاہ نامہ میں مذکور ہے :-

(۱) پہلا واقعہ جسکے سلسلے میں اسکا ذکر آیا ہے وہ خان جہان کی بغاوت کا واقعہ ہے جیسا کہ معلوم ہے، خان جہان نے دکن میں بغاوت کی اور جب وہاں کامیابی کی صورت نہ دیکھی تو ارادہ کیا کہ پنجاب کی طرف نکل آئے ۔ اس ارادے سے وہ مالوہ میں داخل ہوا ۔ اور سرونج سے ہوتا ہوا بندیلوں کے علاقہ میں گھس آگیا جھجھار سنگھ بندیلہ اس سے پہلے معتوب تھا ۔ اسلئے کہ اُسنے خان جہان کو آگرہ سے فرار ہوتے وقت دکن کو جانے کے لئے راستہ دیا تھا ۔ اب اس کے لڑکے بکرماجیت نے تلافی مافات کے لئے خان جہان کے چنداول پر حملہ کیا اور دریا خان (روہیلہ) کو (جو چار ہزاری تھا) اسکے لڑکے سمیت قتل کیا (یہ دونو خان جہان کے بہترین ہمراہوں میں سے تھے) اسی لڑائی میں چار سو افغان اور دو سو بندیلے مارے گئے ۔ بکرماجیت نے دریا خاں اور اسکے بیٹے کا سر کاٹ کر دربار میں بھیجا تو بادشاہ نے ان خدمات کے صلے میں بکرماجیت کو جگراج کا خطاب دیا اور منصب بڑھایا ۔ اور سندر برہمن ملقب بہ کب رائے کے ہمراہ خلعت و شمشیر مرصع و علم و نقارہ اسکے لئے بھیجا ۔

یہ لڑائی ۱۷ جمادی الثانی ۱۰۴۰ھ (۱۲ جنوری ۱۶۳۱ء) کو یعنی شاہجہان کی بادشاہی کے چوتھے سال ہوئی سندر داس نے اس واقعہ سے نو مہینے کے بعد سندر سنگار کو ختم کیا ۔ مگر جن انعامات کے ملنے کا ذکر اسنے کیا ہے ان کا نتیجہ بادشاہ نامہ میں نہیں ہے ۔ نہ ہی اسکو مہاکب رائے کے خطاب سے اس کتاب میں کہیں یاد کیا گیا ہے ۔ البتہ ایک اور کب رائے کے متعلق (جسکا ذکر گریرسن نے اپنی کتاب

لہ بادشاہ نامہ ۱:۱ : ۳۳۸، بلاکمین کا ترجمہ آئین ص ۵۰۵،

میں نہیں کیا) ۲۲ ربیع الثانی ۱۰۴۴ھ کے ذیل میں یوں لکھا ہے:

جگنات کلاونت کہ بخطاب کب رائی سرافراز است و در تصنیف نغمات ہندوستانی و تالیف معانی امروز مثل او در ہندوستان بہشت نشان نیست وبجہت بستن تصنیفات حسب الحکم در دار السلطنت ماندہ بود بدرگاہ آسمان جاہ آمدہ دوازدہ تصنیف کہ بہندوستانی زبان دہرپد نامند و در نغمات مختلفہ مشتمل بر مضامین رنگین بنام اقدس خاقان ہنر پرور جود گستر ترتیب دادہ بود بعرض مقدس رسانید ازانجا کہ تصنیفاتش خاطر اقدس را عشرت آگین ساخت بامر بادشاہ دانش نواز بزر سنجیدہ آمد و چارہزار و پانصد روپیہ ہم سنگش باو عنایت گشت (بادشاہ نامہ ۱:۲: ۵۶)

اسی جگناتھ کو ایک اور تازہ تصنیف کے عوض میں ۱۴ صفر ۱۰۴۵ھ کو ہاتھی عنایت ہوا (ایضاً ص ۱۰۲)

اگر ایک وقت میں ایک ہی کب رائے ہوتا تھا تو ممکن ہے کہ ۱۰۴۰ھ میں جب سندر داس کو مہاکب رائے کا خطاب دیا گیا تو جگنات کو کب رائے بنایا گیا ہو مگر اس واقعہ کا یا ان انعامات کا جو اسکو ملے ذکر کیوں نہیں ہوا یہ ایک معماہی رہا۔

(۲) دوسرا واقعہ جس میں سندر داس کو کارگذاری دکھانے کا موقع ملا۔ بادشاہ نامہ[۵۱] میں ۲۰ رمضان ۱۰۴۴ھ (۹ مارچ ۱۶۳۵ء) کے وقائع کی ذیل میں مرقوم ہے۔

رتن پور کے راجہ بابو لچھمن[۵۲] کی تنبیہ کے لئے عبداللہ خاں بہادر فیروز جنگ صوبہ دار بہار کو بھیجا گیا تھا۔ اس تاریخ کو خان مذکور راجہ اور مال غنیمت کو ساتھ لیکر دربار میں حاضر ہوا۔ تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ جب فیروز جنگ اس مہم پر روانہ

---

۵۱ بادشاہ نامہ ۱: ۲

۵۲ بعض جگہ بادشاہ نامہ میں لچھن لکھا ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے۔

ہوا تو رتن پور[1] سے ساٹھ کوس اِس طرف راجہ امر سنگھ راجۂ باندھو[2] اس سے آملا - یہ علاقہ کسی اور راجہ کا تھا - اُسکو بھی قرار واقعی تنبیہ کی گئی - یہاں سے خان نے رتن پور کا رخ کیا تو بابو لچھمن نے ڈر کر راجہ امر سنگھ کی وساطت سے خان کے پاس آدمی بھیجا اور اظہار اطاعت کیا اور درخواست کی کہ پیشکش بادشاہی مقرر کی جائے' سندر کب رائے بادشاہ کے دربار سے خان کے پاس آیا ہوا تھا - اسکو امر سنگھ کے ایک آدمی کے ساتھ راجہ کی استمالت کے لئے بھیجا گیا - اور خان خود کوچ بہ کوچ رتن پور کی طرف بڑھتا گیا - سندر کب رای کے پہنچتے ہی بابو لچھمن عبداللہ خاں کی ملاقات کے لئے روانہ ہوا اور تین ہاتھی ساتھ لایا - بعد ملاقات نو ہاتھی اور دو لاکھ روپیہ نقد پیشکش منظور کی اور اقرار کیا کہ پچیس دن میں یہ سامان بہم پہنچا کر خان کے ساتھ دربار میں حاضر ہوگا -

(۳) تیسرا واقعہ جس میں سندر داس کا ذکر آیا ہے - جھجھار سنگھ بندیلہ اور اس کے لڑکے بکرماجیت کی بغاوت ہے[3] - بادشاہ نامہ میں اس قصہ کو تفصیل سے لکھا گیا ہے - یہاں صرف اسکا ماحصل درج کیا جاتا ہے +

بادشاہ نے اوائل رجب ۲ھ جلوس میں جھجھار سنگھ کی خطا معاف کر کے اسکو دکن میں متعین کیا' اسنے کچھ عرصہ کے بعد مہابت خاں ناظم دکن سے رخصت لی - اور اپنے بیٹے بکرماجیت جگراج کو اپنی فوج کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑا اور خود اپنے علاقے میں آگیا - وہاں آکر بھیم نرائن راجۂ گڈھہ پر لشکر کشی کی اور چوراگڈھ کو جو بھیم نرائن کی راج دھانی تھی چھین لیا - اسکے لڑکے نے دربار میں

---

[1] ظاہراً یہ وہی جگہ ہے جو اٹلسوں میں کوہ امرکنٹک میں دکھائی گئی ہے - [2] جسکو اب ریوہ یا ریوان کہتے ہیں - اور جو جھیل کھنڈ میں واقعہ ہے [3] بادشاہ نامہ ۱ : ۲ : ۹۴ ببعد'

حاضر ہوکر واویلا کیا۔ تو بادشاہ نے سندر کپ رائے کے ہاتھ ججھار سنگھ کو فرمان بھیجا کہ چونکہ اُسنے بے اجازت گڈھہ کے علاقہ پر قبضہ کرلیا ہے اسلئے اس سے دست بردار ہو جائے۔ اور اگر اس علاقے کو رکھنا چاہتا ہے تو اپنے وطن کے آس پاس کی جاگیریں اسکے عوض میں چھوڑ دے اور بھیم نرائن کے روپیہ میں سے دس لاکھ روپیہ دربار کو بھیجے۔ ججھار سنگھ کو اپنے آدمیوں کے ذریعے فرمان کی روانگی کی اطلاع مل گئی تھی اور اُسنے بغاوت اختیار کرکے اپنے لڑکے بکرماجیت کو لکھا کہ وہ واپس آجائے۔ بکرماجیت بہت سی تکلیفیں اٹھا کر باپ کو آملا۔ اسپر بادشاہی فوج کو تین سرداروں کی سرکردگی میں روانہ کرنیکا فیصلہ کیا گیا اور انکو حکم ملا کہ برسات کے بعد حملہ آور ہوں۔ فوج کے متعین ہونے کی خبر سنکر ججھار سنگھ نے اپنا وکیل دربار میں بھیجا اور خان خاناں سپہ سالار کے ذریعہ عرض کیا کہ دربار کا کوئی آدمی بھیجا جائے تو اسکے ذریعہ سے معافی مانگوں اور اپنا مطلب عرض کروں۔ اسپر دوبارہ سندر کب رای کو بھیجا گیا۔ اور اسکو حکم دیا گیا کہ فلاں فلاں شرائط اس سے منوائے اور تینوں سرداروں کو حکم ملا کہ سندر کب رائے کی واپسی تک توقف کریں، سندر کب رای گیا تو اس کو معلوم ہوا کہ راجہ اپنے قلعوں کی مضبوطی اور جنگل کی انبوہی اور ملک کی وسعت اور مال کی بہتات کی وجہ سے شرائط ماننے کو تیار نہیں ہے جب اسنے واپس آکر حال عرض کیا، تو شہزادہ محمد اورنگ زیب کو سردار لشکر قرار دے کر ۱۵ ربیع الثانی ۱۰۴۴ھ (۸ اکتوبر ۱۶۳۴ء) کو اس مہم پر روانہ کیا گیا۔

(۴) چوتھا واقعہ جسکے سلسلے میں سندر داس کا ذکر آیا ہے وہ راجہ جگت سنگھ ولد راجہ باسو کی بغاوت [۱] ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ شاہجہان نے ۱۲ سنہ جلوس

---

[۱] بادشاہ نامہ ۲: ۲۳۷ ببعد

میں راج روپ ولد جگت سنگھ کو فوجدار دامن کوہ کانگڑہ کا مقرر کیا' اسنے درپردہ باپ سے سازش کرکے ظاہر میں باپ سے ناموافقت پیدا کی - دور دوم (جو جمادی الثانی سنہ ۱۰۴۹ھ سے شروع ہوا) کے سال سوم میں جگت سنگھ نے عرض کی کہ مجھ کو راجروپ کی جگہ فوجدار مقرر کیا جائے - تو اسکو اسکے کیفر کردار کو پہنچاؤں اور چار لاکھ روپیہ پیشکش کا علاقے کے راجوں سے وصول کرکے پیش کروں - یہ درخواست منظور ہوئی - جگت سنگھ نے وطن پہنچکر ظاہرا اطاعت کا طریقہ پیش نظر رکھا مگر درپردہ قلعوں کو مضبوط کرتا گیا - خصوصاً تاراگڈھ کے قلعہ میں اسباب قلعہ داری بافراط جمع کیا - یہ خبر بادشاہ کو پہنچی تو اسکو طلب کیا - اس نے عرضداشت بھیجی جس میں کچھ عذر بیان کیا - مگر خلاف ورزی حکم اس سے ظاہر نہ ہوتی تھی - آخر بادشاہ نے سندر کب رائے کو حالات دریافت کرنے کے لئے بھیجا اور اس سے کہا کہ جگت سنگھ کو نافرمانی کے بُرے نتائج سے آگاہ کرے - فرمان طلب بھی سندر کے ہاتھ دوبارہ بھیجا گیا - سندر نے وہاں کے حالات دیکھکر بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ جگت سنگھ اپنے تئیں خوفزدہ ظاہر کرکے ایک سال کی مہلت مانگتا ہے اور اپنے بیٹے راجروپ کو دربار میں بھیجنا چاہتا ہے - مگر باطن میں باغی ہے - سندر کی عرضی پہنچی تو بادشاہ کا شک یقین میں بدل گیا - اور فوج اسکے خلاف تیار کی گئی اور ۱۷ جمادی الاول سنہ ۱۰۵۱ھ (۲۴ اگست سنہ ۱۶۴۱ء) کو اسکی سرکوبی کی غرض سے فوج روانہ ہوگئی -

(ایڈیٹر)

دیباچہ مترجم

ہندی شاعری کی اجمالی تاریخ

ہندی شاعری کا دریا تین دھاروں میں بہتا رہا ہے۔ یعنی رزمیات، عبادیات اور صنائعیات ان میں کبھی کوئی دھار زور پر رہی ہے کبھی کوئی۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ دور رزمیات ۱۱۵۰ء سے ۱۴۰۰ء تک رہا۔ دور عبادیات ۱۴۰۰ء سے ۱۶۵۰ء تک۔ اور دور صنائعیات ۱۶۵۰ء سے ۱۸۰۰ء تک ۱۸۰۰ء سے دور جدید شروع ہوتا ہے۔ جس میں انگریزی سلطنت اور تعلیم کے اثرات نمایاں ہیں۔ اس دور کو بھی کئی زمانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

دور رزمیات کا مشہور شاعر چندبردائی ہوا ہے۔ جس نے اپنے آقا پرتھی راج کی سوانح عمری لکھی ہے۔ اسکی تصنیف کا نام پرتھی راج راسو ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اسی تصنیف سے ہندی شاعری کا آغاز ہوتا ہے۔ زبان نہایت ہی مشکل ہے۔ جسکے سمجھنے کے لئے خاصا مطالعہ درکار ہے۔ نظم کی بابت بعض لوگوں کو شک ہے کہ اس میں الحاقی مواد بہت ہے۔

دوسرے دور کے مشہور مصنف تلسی داس۔ سورداس اور کبیر ہیں۔ تلسی داس کی تصنیف رام چرت مانس جسے عام لوگ تلسی رامائن کہتے ہیں۔ شمالی ہند خاصکر یو۔ پی میں اسقدر مرغوب ہے کہ شاذ و نادر ہی کوئی ہندو ہوگا۔ جسکو تلسی داس کی ایک آدھ چوپائی زبانی یاد نہ ہو۔ تلسی داس کی تصنیف بھگتی کے نکتۂ خیال سے ہندی لٹریچر میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ سورداس کی تصنیف سورساگر کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں شری کرشن کے حالات درج ہیں۔ جو حصہ ان کے زمانۂ طفولیت سے تعلق رکھتا ہے۔ نہایت سادہ اور ندرتی معلوم ہوتا ہے۔ کبیر صاحب کی تصنیفات تو بہت ہیں۔ لیکن ان میں سے بیجک اور رومینی بہت مشہور ہیں۔

تیسرے دور کا سب سے مشہور مصنف بہاری لال ہے جو ۱۶۵۰ء کے قریب گذرا ہے۔ اسکی ایک ہی تصنیف پائی جاتی ہے جسے بہاری ست سئی یعنی سات سو دوہوں کا مجموعہ کہتے ہیں۔ اس کے ہر ایک دوہے کی خوبی لفظی اور معنوی بیان سے باہر ہے۔ قریباً بیس شرحیں اسکے مطالب کی تشریح اور اسکے محاسن کے بیان میں لکھی جا چکی ہیں۔ اعظم شاہ کے لئے اسکے دوہوں کو خاص ترتیب دی گئی تھی۔ یہ اڈیشن اعظم شاہی کہلاتا ہے۔ اس دور کے دیگر مصنفوں میں سندر داس بھی شامل ہے۔ جس کی تصنیف سندر سنگار یہاں اردو حروف میں طبع کی جاتی ہے۔

سندر سنگار اور اسکے نسخے

یہ کتاب ہندی زبان کی برج بھاکھا بولی میں لکھی ہوئی ہے۔ اور دوہے کبتوں اور سوئیوں کی صورت میں نظم کی گئی ہے۔ بھوکھن۔ متی رام وغیرہ نے بھی اس قسم کی تصانیف لکھی ہیں۔ لیکن سندر داس کی تصنیف ان سے بہتر معلوم ہوتی ہے۔ اس کی مقبولیت اس امر سے ظاہر ہے کہ اس کے نسخے خاص تعداد میں موجود ہیں۔ ہندی مخطوطات کی تلاش کے سلسلے میں جو ناگری پرچارنی سبھا بنارس کے زیر اہتمام ہوئی ہے۔ اس کتاب کے نسخے متعدد مقامات پر ملے ہیں۔ چنانچہ ذیل کی رپورٹوں میں اسکے نسخوں کا ذکر ہے:

رپورٹ در بارہ تلاش ہندی مخطوطات زیر اہتمام ناگری پرچارنی سبھا بنارس¹
برائے سال ۱۹۰۰ء عدد ۱۰۹ ودیا پرچارنی جین سبھا جے پور کا نسخہ جو ۱۷۱۹ء میں نقل ہوا
رپورٹ برائے سال ۱۹۰۲ء عدد ۳ دربار لائبریری چرکھپور کا نسخہ
" " " ۱۹۰۳ء عدد ۱۶۵ } لائبریری مہاراجہ بنارس کے دو نسخے جنمیں سے
" " " ۱۹۰۴ء عدد ۱۴۱ } ایک ۱۷۷۶ء میں اور دوسرا ۱۸۱۷ء میں نقل ہوا۔

---

¹ Search for Hindi M.ss.

علاوہ ازیں ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں موجود ہے۔ جسکا نمبر ۲۴۲۵ ہے۔ یہ نسخہ مکمل نہیں ہے۔ شروع کے چار اوراق گم ہیں۔ آخری ورق کا نمبر ۳۶ ہے۔ کل پدیہ ۲۴۷ ہیں۔ تاریخ نقل چیت سدی ۷۔ پروشٹھ ۱۴۔ سمت ۱۷۵۲، نام کاتب: چھتا بھٹ پنج باگو رائے۔ مقام ستت چوہنی نگر۔

ڈاکٹر منگل دیو شاستری سپرنٹنڈنٹ گورنمنٹ سنسکرت لائبریری بنارس اپنے خط مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۲۹ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے کسی دوست کے پاس ایک نسخہ ہے۔ لیکن نامکمل ہے۔

پروفیسر محمد شفیع کا نسخہ جس پر متن مطبوعہ ذیل مبنی کیا گیا ہے۔ وہ فارسی حروف میں لکھا ہوا ہے جسے میر محمد متوطن نارنول نے دوم ربیع الاول ۲۹ سنہ شاہ عالم (مطابق ۱۷۸۸ء) نقل کیا تھا۔

مصنف کتاب

مصنف نے دیباچہ میں بتلایا ہے کہ وہ شاہ جہان کا درباری شاعر تھا۔ ذات کا برہمن اور رہنے والا گوالیار کا تھا۔ پہلے اسے کب رائے (ملک الشعراء) کا خطاب ملا اور بعد ازاں مہاکب رائے (شہنشاہ شعرا) کا۔ شاہ جہان کے ۹ بزرگوں کے نام بھی گنائے ہیں۔ تاریخ تصنیف کاتک سدی ۶ سمت ۱۶۸۸ جمعرات (۲۰ اکتوبر ۱۶۳۱ء) دی ہے۔ کتاب کے آخری دوہے میں یہ بھی کہا ہے کہ یہ کسی سنسکرت کتاب کا ترجمہ ہے۔ اگرچہ مجھ کو ایسی کوئی کتاب سنسکرت کی معلوم نہیں جسکا کہ یہ ترجمہ ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس مضمون کو جو پہلے اکثر سنسکرت میں تھا۔ اسے ہندی میں ادا کیا ہے۔

مضمون کتاب

جیسا کہ سندرداس خود کہتا ہے اور کتاب کے نام سے بھی ظاہر ہے۔ اس میں سنگار رس کا ذکر ہے۔ رس لغت میں ذائقہ کو کہتے ہیں۔ کسی کتاب کو پڑھنے سے یا ناٹک وغیرہ کے دیکھنے سے ناظرین اور حاضرین کے اندر جو مختلف نفسانی کیفیات مثلاً بہادری۔ نفرت وغیرہ پیدا ہوتی ہیں۔ ان کو رس کہتے ہیں۔ سنسکرت کے ماہران علم بدیع نے نورس مانے ہیں۔ جنکے نام یہ ہیں۔

۱۔ شرنگار رس ۔ عشق
۲۔ ویر رس ۔ بہادری
۳۔ بیبھتس رس ۔ نفرت
۴۔ رودر رس ۔ غصہ
۵۔ ہاسیہ رس ۔ انبساط و طرب
۶۔ بھیانک رس ۔ خوف
۷۔ کرن رس ۔ رحم
۸۔ اد بھت رس ۔ تعجب۔ حیرانی۔
۹۔ شانت رس ۔ سکون

سندرداس لکھتا ہے کہ ان نو رسوں میں سنگار رس سب سے زیادہ دلکش ہے اس لئے وہ اپنی کتاب میں اسکا بیان کرے گا۔ اس رس کی بنا (آدھار) نایک اور نایکا (ہیرو[1] اور ہیروان) ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے انہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعد ازاں ان کیفیات و اسباب کا ذکر ہے جو کہ شرنگار رس کی پیدائش میں مدد کرتے ہیں مثلاً دلفریب مناظر، موسم وغیرہ کا۔

---

[1] HERO & HEROINE

سندر سنگار

دوہا

نام بحر

۱۔ دیبی پوج سرستی .. پُوجوں ہر کے پاے
دیوی کو پوجکر سرستی کو پُوجتا ہوں ہری کے پاؤں
نمسکار کر جور کے کری مہا کب راے
سلام ہاتھ جوڑ کر کرتا ہے مَلِکِ الشعرا

۲۔ نگر آگرہ و بست ہے جمنا تٹ سُبھ تھان
شہر آگرہ بستا ہے جمنا کے کنارے پاک جگہ
تہاں بادساہی کرے بیٹھو ساہ جہاں
وہاں بادشاہی کرتا ہے بیٹھا ہوا شاہ جہان

۳۔ ساہ بڑو کب مکھ تنک کیوں گُن برنے جانہہ
شاہ بڑا شاعر کا مُنہ چھوٹا کسطرح اوصاف بیان کئے جائیں
جیوں تارے سبھ گگن کے مُوٹھی میں نہ سمانہہ
جیسے تارے تمام آسمان کے مٹھی میں نہیں سماتے

۴۔ جن پُرکھن کے بنس میں اُپجیو ساہ جہان
جن آدمیوں کے خاندان میں پیدا ہوا شاہ جہان
تن ساہن کے نام کوں اب کب کرے بکھان
اُن بادشاہوں کے نام کو اب شاعر کرتا ہے بیان

خلاصہ مطالب کتاب اور تشریح

(۱) سنسکرت اور ہندی مصنف اپنی تصنیف کے شروع میں اپنے معبود کو یاد کیا کرتے ہیں۔ تاکہ ان کی تصنیف بغیر کسی قسم کی رکاوٹ کے صحیح سلامت منزل مقصود کو پہنچ جائے۔ اس رسم کو سنسکرت میں منگلاچرن کہتے ہیں جو عام طور پر ایک یا زیادہ شعروں میں ادا کی جاتی ہے۔ اگر مصنف شعر بنانے میں قاصر ہو تو صرف گنیش آئنمہ (دراصل گنیشائے نمہ) ہی لکھ دیتا ہے۔ سندرداس بطور منگلاچرن سرستی دیوی کو جو علم کی دیوی ہے۔ یاد کرتا ہے۔

"سرستی دیوی کو پوجکر ہری یعنی وشنو کے پاؤں پوجتا ہوں۔ اور ہاتھ جوڑکر نمسکار کرتا ہوں"۔
اس کا بحر دوہا ہے جسکے دو مصرعے ہوتے ہیں۔ جو آپس میں قافیہ بند ہوتے ہیں۔ ہر ایک مصرعہ میں ۲۴ لمحے ہوتے ہیں اور مصرع میں وقفہ ۱۳ لمحوں کے بعد ہوتا ہے[1]۔ اُردو نسخہ کے پہلے مصرعہ میں لفظ پوجوں دو دفعہ لکھا ہے۔ جسکی وجہ سے اسکا بحر دوہرا یا ہرتی پد ہو گیا ہے۔ جس میں ہر ایک مصرعہ ۲۷ لمحوں کا ہوتا ہے اور وقفہ ۱۶ لمحوں کے بعد۔

(۲) دریائے جمنا کے کنارے پاک مقام پر آگرہ شہر بسا ہوا ہے وہاں شاہجہان راج کرتا ہے۔

(۳) اس دوہے میں شاعر اپنی خاکساری اور ناقابلیت ظاہر کرتا ہے۔ بادشاہ بڑا ہے لیکن شاعر کا مُنہ چھوٹا ہے۔ اسلئے اس کے اوصاف کیونکر بیان کئے جا سکتے ہیں۔
آسمان کے سب تارے مُٹھی میں کہاں سما سکتے ہیں؟

(۴) جس خاندان میں شاہجہان پیدا ہوا۔ ان بادشاہوں کے نام اب شاعر بیان کرتا ہے۔

---

[1] مصرعہ۔ لمحہ وقفہ وغیرہ کی تعریف کے لئے دیکھئے میگزین ہذا بابت نومبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۵۸ تا ۶۱ +

چھپے چھند

نام بحر

۵- پرتھم میر تیمور لیو صاحب قـرآن پد
پہلے امیر تیمور لیـا صاحب قران لقب
تاکو میـراں سـاہ بھـر سلطان محمدؐ
اس کا میراں شاہ پھر سلطان محمد
ابو سعیـد پُنِ عمر شیخ بابر جو ہمـایوں
ابو سعید پھر عمر شیخ بابر جی ہمایوں
ساہ اکبـر جان ساہ جہانگیـر گناؤں
شاہ اکبر جانو شاہ جہانگیر گنا تا ہوں
تہہ بنس انس کب راج بھن ساہ جہان بڈم بکھت
اس خاندان کا ٹکڑا (اولاد) کب راج کہتا ہے شاہ جہان عالی بخت
دھر چھـتـر بیٹھو اٹل بھوں پت ساہ دِلّی تکھت
دھر کر چھتر. بیٹھا غیر فانی زمین مالک شاہ دلی تخت

ترہبنگی چھند

نام بحر

۶- جب لگّ بھوانی بہو سینانی رب اسمانی پنتھن میں
جبتک پاربتی مہادیو شوجی سکند سورج آسمانی راستوں میں
جب لگ سُرگن گگن اُڈگن برن اٹھگن گرنتھن میں
جب تک دیوتا لوگ آسمان تارے حروف آٹھ قسم گرنتھوں میں

۔ پہلے امیر تیمورؒ ہوا ۔ جس نے صاحب قراں کا لقب حاصل کیا ۔ اس کا بیٹا میران شاہ ۔ اس کے بعد سلطان محمدؒ ۔ اس کے بعد ابو سعیدؒ ۔ اس کے بعد عمر شیخ ۔ پھر بابر ۔ پھر ہمایوںؒ ۔ اس کے بعد اکبرؒ ۔ اور پھر جہانگیرؒ

شاعر کہتا ہے ۔ کہ اسی خاندان میں سے شاہ جہان ہوا ہے ۔ جو عالی بخت ہے ۔ اور جو اپنے سر پر چھتر رکھ کر دہلی کے تخت پر بادشاہ بنکے بیٹھا ہے ۔

اس شعر میں لفظ اکبر کا تلفظ قابل غور ہے (الف مفتوح ۔ ک مفتوح ۔ ب مفتوح مشدد ۔ (ساکن یا مفتوح) ۔ سنسکرت اور پراکرت کی کتابوں میں یہی تلفظ پایا جاتا ہے ۔

شعر نمبر ۵ کا بحر چھپّے ہے ۔ جس میں چھ مصرعے ہوتے ہیں ۔ پہلے چار مصرعے کاویہ بحر کے اور پچھلے دو مصرعے اُلا بحر کے ہوتے ہیں ۔ کاویہ کے شعر میں چار مصرعے ہوتے ہیں ۔ ہر ایک مصرعے میں ۲۴ لمحے ہوتے ہیں ۔ اور وقفہ گیارہ لمحوں کے بعد ۔ اُلا کے ہر ایک مصرعے میں ۲۸ لمحے اور وقفہ ۱۵ لمحے کے بعد ،

۔ اس شعر میں شاعر اپنے آقا کے لئے دعائے خیر کرتا ہے ۔

جب تک پاربتی دیوی ۔ شوجی مہادیو اور ان کا بیٹا سکند سوامی موجود ہیں ۔ جبتک آسمانی راستہ پر سورج قائم ہے ۔ جب تک بہشت میں دیوتا اور آسمان میں تارے موجود ہیں ۔ جب تک آٹھ قسم کے برن یعنی حروف کتابوں میں پائے جاتے ہیں (یہاں مراد ۸ قسم کے پانوں یا اسباب عروض سے ہے ۔ یعنی جبتک شاعری موجود ہے)

جب لگ پُرندر ہم گِر مندر — بانی سُندر بچن سُکھدا
جب تک اندر دیوتا ہمالیہ مندر پہاڑ — کلام سندرداس شاعر کہتا ہے مرغوب
تب لگ رہو چِر بھُو دھولوں — بھِر ساہ جہان پر چھتر سدا
تب تک رہے دیر تک زمین قطب تک — قائم شاہ جہان کے سر چھتر ہمیشہ

۷ - اک چھن کے گُنُ شاہ کے — برنت سب سنسار
ایک لمحہ کے اوصاف بادشاہ کے — بیان کرتا ہے تمام جہان
جیبھ تھکے بیتیں برکھ — تَوہُ نپاوے پار
زبان تھک جاتی ہے گذرتے ہیں سال — تب بھی نہیں پاتا پار

۸ - تین پہر لوں رب چلے — جا کے دیس مانہہ
تین پہر تک سورج چلتا ہے — جس کے ملکوں میں
جیت لئی جگتی اِتی — شاہجہان نرناہہ
جیت لی دُنیا اتنی — شاہ جہان بادشاہ

۹ - کل سمندر کھائی کیو — کوٹ تیر کو ٹھانو
تمام سمندر کھائی خندق کیا — فصیل کنارہ کا مقام
آٹھوں دِس یوں بس کری — جیوں کیجے اک گانو
آٹھوں اطراف اسطرح بس کی ہیں — جیسے کیا جاے ایک گاؤں

۱۰ - شاہجہان تہہ گُنن کوں — دیئے اگنت دان
شاہ جہان گنوانوں کو — دئے بیشمار دان - خیرات
تن میں سندر سُو کبہ کو — بہت کیو سنمان
ان میں سندرداس اچھا شاعر کا — بہت کیا آدر - عزت

۱۱ - نگ بھوکھن منصب دئے — ہے ہاتھی سر پاے
جواہر زیور عہدے دئے — گھوڑے ہاتھی سروپا (خلعت)

جب تک اِندر دیوتا۔ ہمالیہ اور مندر پہاڑ کھڑے ہیں
جبتک زمین اور قطب قائم ہے سندرداس مرغوب کلام کہتا ہے کہ تب تک
شاہ جہان کے سر پہ ہمیشہ چھتر قائم رہے۔
ترتبھنگی بحر کا ہر ایک شعر چار مصرعوں کا ہوتا ہے۔
ہر ایک مصرعے میں ۳۲ لمحے ہوتے ہیں۔ اور وقفہ ۱۰ و
۱۸ و ۲۶ لمحوں کے بعد آتا ہے۔

۷۔ اگر تمام جہان بادشاہ کے ایک لمحہ کے اوصاف بیان کرنے
لگے۔ تو زبان تھک جاتی ہے۔ اور سال گذر جاتے ہیں
لیکن پھر بھی بات ختم نہیں ہوتی۔

۸۔ شاہ جہان بادشاہ نے اتنی زمین فتح کر لی ہے کہ جسکے ملکوں
میں سورج تین پہر تک چلتا رہتا ہے۔
(دن رات کے آٹھ پہر ہوتے ہیں۔ تین پہر میں سورج
$\frac{۳}{۴}$ نصف کرۂ ارض کو عبور کرتا ہے)۔

۹۔ بادشاہ نے تمام سمندر کو خندق بنا لیا ہے۔ اور کنارے
کی زمین کو فصیل۔ اُسنے آٹھوں اطراف کو یوں فتح کرلیا
ہے۔ جیسے ایک گاؤں کو۔

۱۰۔ شاہ جہان نے گنّیوں (اہل کمال) کو بیشمار انعام دئے۔
اسی سلسلہ میں سندرداس شاعر کی بہت عزت کی۔

۱۱۔ اور جواہرات۔ زیورات۔ منصب۔ گھوڑے ہاتھی۔
اور خلعت بھی عنایت کئے۔

پرتھم دیو کب رائے پد   بُہر مہا کب رائے

پہلے دیا ملک الشعرا خطاب   پھر ملک الشعرا اعظم

۱۲- بپرّ گوالیر نگر کو   باسی ہے کب راج

برہمن گوالیار شہر کا   باشندہ ہے کبراج یعنی شاعروں کا بادشاہ

جا سوں ساہ میا کری   بڑو گریب نواج

جس پر بادشاہ نے مہرانی کی   بڑا غریب نواز

۱۳- جب کب کو من پڑھو   تب تہنہ کیو بچار

جب شاعر کا دل اسطرح بڑھا   تب اُسنے کیا بچار

برنے نایک نایکا   جنیوں گرنتھ بستار

بیان کرے نایک نایکا   ہوا گرنتھ کا بڑھاؤ۔ پھیلاؤ

۱۴- سُندر کرت سنگار ہے   سکل رس کو سار

سندر داس بنایا ہوا سنگار ہے   تمام رسوں کا سار

نام دھریو یا گرنتھ کو   تنہ سُندر سنگار

نام رکھا اس گرنتھ کا   اُسنے سُندر سنگار

۱۵- جو سُندر سنگار کو   پڑھے سنے سگیان

جو سندر سنگار کو   پڑھے سنے علمدار

رتن مانو سنسار میں کریو   سُدھا رس پان

اسنے گویا دنیا میں کیا   امرت رس کا پینا

۱۶- سمت سورہ سے برکھ   بیتے اٹھتا سیت

سمت سولہ سو سال   گذرے اٹھاسی

کاتک سُد کھشٹی گرو   گرنتھ رچیو کر پریت

کاتک سُدی چھ جمعرات   گرنتھ بنایا کرکے پریت یعنی شوق

پہلے تو کب رائے (ملک الشعرا) کا خطاب دیا - اور بعد ازاں مہاکب رائے (شہنشاہ شعرا) کا -

۱۲ - کبرائے سندر داس گوالیار کا رہنے والا ایک برہمن ہے جس پر کہ بادشاہ نے بڑی مہربانی کی کیونکہ وہ غریب نواز ہے -

---

۱۳ - جب اس طرح کب راج کی حوصلہ افزائی ہو گئی تب اُسنے یہ ارادہ کیا کہ نایک اور نایکا کو بیان کرے - اسی سے گرنتھ کا حجم پورا ہو گیا -

---

۱۴ - جو سنگار سندر کی تصنیف ہے وہ سب رسوں کا (مراد ان گرنتھوں سے جن میں رسوں کا بیان ہے) سار ہے - اس نے اس گرنتھ کا نام سندر سنگار رکھا -

---

۱۵ - جس فہمیدہ شخص نے سندر سنگار کو پڑھا یا سُنا - اس نے گویا اس جہان میں امرت رس (آبحیات) کو چکھ لیا ہے۔ یعنی سندر سنگار کا پڑھنا یا سُننا اس قدر لذت رکھتا ہے جس قدر کہ آبحیات کا چکھنا -

---

۱۶ - بکرم سمت ۱۶۸۸ کاتک سُدی چھٹ (۶) جمعرات کے دن (یعنی ۲۰ اکتوبر ۱۶۳۱ء کو) شوق کیسا تھ اس گرنتھ کی تصنیف ہوئی -

---

ا؎ Indian Ephemeries.

در نورس سنگار رس برنن

۱۷۔ نورس میں سنگار رس   سب تے نیکو آہ
نو رسوں میں سنگار رس   سب سے اچھا ہے
تا میں نیکی نایکا   برنت ہوں اب تاہ
اس میں اچھی (خوبصورت) نایکا   بیان کرتا ہوں اب اسکو

اتھ نایکا لچھن

اب نایکا کی تعریف

۱۸۔ سو پُنِ سندر کب کہے   تین بھانت کی نار
سو پھر سندر شاعر کہتا ہے   تین قسم کی عورت یعنی نایکا
سُکیا پرکیا ساما نیا   تینوں کو بچار
اپنی دوسرے کی سب کی ساجھی   تینوں سمجھئے بچار

اتھ سکیا لچھن

اب سکیا کی تعریف

۱۹۔ سُکیا کہئے آپنی   پرکیا ہے پر نار
سکیا کہئے اپنی   پرکیا ہے دوسرے کی عورت
ساما نیا تا کوں کہے   جاکو دھن سوں پیار
ساما نیا اس کو کہئے   جس کا دولت سے پیار
۲۰۔ اسے لچھن سُکیان کے   برنت ہے کبراج
یہ تعریف سکیاؤں کی   بیان کرتا ہے کبراج

۱۷ - نورسوں میں جن کے نام دیباچہ میں مذکور ہوئے، سنگار رس سب سے دلکش ہے۔ اس میں بھی نایکا[۱] سب سے زیادہ دلکش ہے۔ لہذا اب اسی کو بیان کرتا ہوں۔

نوٹ: سنگار رس کا مبنی یعنی جس کی بنا پر سنگار رس پیدا ہوتا ہے۔ نایک[۲] اور نایکا ہیں۔

تعریف نایکا

۱۸ - سندر شاعر کہتا ہے کہ نایکا تین قسم کی ہوتی ہے۔ سوکیا[۱] یعنی اپنی منکوحہ بیوی۔ پرکیا[۲] یعنی دوسرے کی منکوحہ بیوی۔ اور ساما نیا[۳]۔ اب تینوں پر غور کریں۔

نوٹ: سندر داس نے نایکا کی تعریف نہیں کی۔ ہر دو نقول یعنی نسخہ بحروف اردو اور مطبوعہ کاپی بحروف ناگری میں بھی تعریف نہیں ملتی۔

---

۱۹ - سکیا اپنی منکوحہ بیوی کو کہتے ہیں۔ پرکیا دوسرے کی منکوحہ بیوی کو۔ ساما نیا اسے کہتے ہیں۔ جسکو دھن دولت سے محبت ہو۔

---

۲۰ - کب راج سکیاؤں کی یہ تعریف یوں کرتا ہے:-

HERO. [۲] HEROINE. [۱]

پیتِ کی ات سیوا کرے ۔ سِیل سُدھائی لاج
خاوند کی خوب خدمت کرتی ہے وفاداری سادہ پن حیا

سویّا

۲۱۔ دیکھت نَین کے کورن لوُن ادھران ہی میں مُسکان کو تھانو
دیکھتی ہے آنکھ کے کناروں تک لبوں ہی میں مسکراہٹ کی جگہ
بولت بول جو کنٹھ ہی میں چلتے پگ پڑے نہ کہوں اہٹا نو
بولتی بول حب گلے ہی میں چلتے وقت پاؤں پر نہ کہیں آہٹ
سُندر روس نہیں سپنے ارُجو بُھیو تو من ہی میں بلانو
سُندر غصہ نہیں سپنے اور جب ہوا تب دل ہی میں نشٹ ہوگیا
مَیں بسدھا بس دھائی سبے پن یا کی سُدھائی سدھائی ہی جانو
میں نے زہن بس دوڑی سبھی کرۂ ارض لیکن اس کی سادگی امرت کی ہی جانو سحاب جیسی

دوہا

۲۲۔ سوئی سُکیاتین بِدھ گنے مہاکب رائے گُدھا مدھیا پرَوڑھکا برنوں تنہیں بنائے
وہی سکیاتین قسم کی گنتا ہے مہاکب رائے گدھا مدھیا پروڑھکا بیان کرتا ہوں انکو بناکر
۲۳۔ جاکے تن جوبن جھلک جھلکے کچھو اِک آئی
جس کے جسم پر شباب جھلک جھلکی ہے کچھ ایک آکر
تاسوں مُگدھا نایکا کہے مہاکب رائے
اس کو مگدھا نایکا کہتا ہے مہاکب رائے

کہ وہ اپنے خاوند کی خوب خدمت کرتی ہے۔ اور اس میں وفاداری سادگی اور حیا ہوتی ہے۔

سویا مثال سُکیا

۲۱۔ سُکیا اپنی آنکھوں کے کناروں تک دیکھتی ہے۔ یعنی ترچھی نگاہ سے نہیں دیکھتی۔ اسکی مسکراہٹ کو ہونٹوں ہی میں جگہ ہے۔ یعنی نہ زیادہ منہ کھولتی ہے۔ اور نہ آواز نکالتی ہے۔ جب وہ بولتی ہے تو گلے ہی میں۔ چلتے وقت اس کے پاؤں کی آہٹ بھی نہیں ہوتی۔ سندر داس کہتا ہے کہ غصّہ تو اسکے خواب میں بھی نہیں۔ اور اگر کبھی آ بھی جائے تو دل ہی دل میں ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ میں نے تمام دنیا دیکھ ڈالی ہے۔ لیکن جو سُکیا نایکا کی سادگی ہے۔ وہ تو گویا امرت جیسی لذیذ ہے +

بحر سویا کے چار مصرعے ہوتے ہیں اور ہر ایک مصرعہ میں ۲۳ لمحے۔ وقفہ ۱۶ لمحوں کے بعد +

اقسام سکیا نایکا

۲۲۔ اِسی سکیا نایکا کو مہاکب رائے سندر داس تین قسم کی بتلاتا ہے۔ ایک مُگدھا یعنی بھولی۔ دوسری مدھیا یعنی بین بین نہ بھولی اور نہ ہی پوری طرح سے باہوش۔ اور تیسری پروڈھکا یعنی پورے طور سے باخبر +

تعریف مُگدھا نایکا

۲۳۔ جسکے جسم پر جوانی کی جھلک قدرے جھلکنے لگتی ہے۔ اُسے مہاکب رائے سُندر داس مُگدھا نایکا کہتا ہے +

سویا

۲۴۔ چِلکی اب چاہت ہیں تن سُندر جوبن جوتن کی چِنگیں
بھڑکی اب چاہتی ہیں جسم خوبصورت شباب آب (چمک) کی چنگاریاں
ٹھِرتائی کی آونِ پاون میں سُن چنچلتا کی ڈگیں اُو ڈگیں
سکون کی آمد پاؤں میں سُنکر چنچلاہٹ کے قدم بھی ہل گئے
بتیان کی یوں دُھن پاوت ہُوں مُکھ سوں نکینگی سُدھا سوں پگیں
باتوں کی اسطرح آواز پاتا ہُوں منہ سے نکلیگی امرت میں بھیگی ہوئی
جِن انکھن سُودھے بِلوکت ہی اب تے انکھیاں ترچھیان لگیں
جن آنکھوں سیدھی دیکھتی تھی اب وہی آنکھیں ترچھی ہونے لگیں

دوہا

۲۵۔ گُدھا کو دو بھانت کر پنڈت کرت بِبیک
گدھا کی دو قسمیں کرکے پنڈت لوگ کرتے ہیں تمیز
کہی ایک اگیات جو بنا گیات جو بنا ایک
کہی گئی ایک اگیات جوبنا گیات جوبنا ایک

۲۶۔ اپنے تن جوبن آیو جو نہیں جانتے بال
اپنے جسم جوانی آئی جو نہیں جانتی عورت
تاہِ کہت اگیات جوبنا سُندر گنی رسال
اسکو کہتا ہے اگیات جوبنا سُندر کامل میٹھا یعنی خوش الحان

(باقی دارد)

دکن کا بہترین علمی و ادبی رسالہ

"مجلّہ مکتبہ"

مجلہ مکتبہ حیدرآباد دکن کی علمی سرگرمیوں کا بلیغ ترجمان اور دکن کا سب سے زیادہ کثیر الاشاعت ماہوار رسالہ ہے۔ مولوی عبدالقادر صاحب سروری ایم۔اے۔ ایل ایل۔بی کی ادارت میں ماہ خورداد ۱۳۳۴ف مطابق اپریل ۱۹۲۵ء سے روز افزوں مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ اسکی چند خصوصیات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) علوم جدیدہ پر بلند پایہ مضامین
(۲) ادب اور اسکے متعلقہ عنوانات پر تدقیقی مضامین
(۳) اردوئے قدیم اور دکنی لٹریچر پر تحقیقاتی مقالے
(۴) عربی۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ روسی۔ ہندی کے ترجمے اور طبعزاد شاہکار افسانے
(۵) بادۂ دکن۔ دکن کے قدیم مشاہیر شعرا کے کلام پاکیزہ کا انتخاب
(۶) شعرائے جدید کی دلکش نظمیں
(۷) مشاہیر شعرائے قدیم دکنی شعرا و ادبا کی کمیاب تصاویر
(۸) [illegible] کے تازہ ترین مطبوعات کی رپورٹ

قیمت سالانہ [illegible] ششماہی [illegible] فی پرچہ [illegible]

[illegible] مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

اورینٹل کالج میگزین لاہور

عرض واجب

اغراض و مقاصد ۔ اس رسالہ کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ اسباب ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تاحد امکان تقویت پہنچائی جائے اور خصوصیت کے ساتھ طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو مستشرقین مغرب عربی فارسی [illegible] کے مطالعہ میں [illegible]

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے ۔ کوشش کی جائیگی کہ اس رسالہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مصنف کی نگاہ [illegible] تحقیق کا نتیجہ ہوں [illegible] مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور مخطوطات کے بعض مفید حصے بھی وقتاً فوقتاً شائع کئے جائینگے ۔

رسالہ کے حصے ۔ یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اول عربی فارسی اردو اور پنجابی (عربی حروف) [illegible] حصہ دوم سنسکرت ہندی اور پنجابی (گورمکھی حروف) ہر حصہ علیحدہ بھی مل سکتا ہے ۔

وقت اشاعت ۔ یہ رسالہ فی الحال سال میں چار بار یعنی نومبر فروری مئی اور اگست میں شائع ہوگا ۔

قیمت اشتراک ۔ سالانہ قیمت مکمل رسالہ کے لئے [illegible] ہے ہر حصے کے لئے [illegible] اورینٹل کالج کے طلبا سے چندہ داخلہ کے ساتھ وصول ہوگا ۔

خط و کتابت و ترسیل زر ۔ خریداری رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کے نام ہونی چاہئے ۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات چیف ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ۔

محل فروخت ۔ یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ۔

قلم تحریر ۔ چیف ایڈیٹر کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم ۔ اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں حصہ عربی فارسی و اردو ڈاکٹر محمد اقبال ایم ۔ اے پی ایچ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے حصہ سنسکرت و ہندی کے ایڈیٹر ڈاکٹر لکشمن سروپ ایم ۔ اے پی ایچ ڈی ہیں حصہ پنجابی کے ایڈیٹر بنارسی داس جین ایم اے ہیں ۔ اور یہی دونو صاحب علی الترتیب ان دونو حصوں کے کامل طور پر ذمہ دار ہیں ۔

چونکہ [illegible] ہے ۔

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۶ نمبر ۳

مجموعی سلسلہ (۲۳)

بابت

مئی سنہ ۱۹۳۰ء

حصہ اول

چیف ایڈیٹر

مولوی محمد شفیع ایم۔ اے

2/6

مطبع کریمی لاہور میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر چھپا اور بابو این این مترا

اورینٹل کالج سے شائع کیا

فہرستِ مضامین

تاریخ رزمیات ایران

(بہ سلسلۂ اشاعت گذشتہ)

فصل دوم

(فردوسی)

۱۹۔ فردوسی کی سوانحعمری کے مآخذ

دقیقی نے جو کام ادھورا چھوڑا تھا۔ اس کے اتمام کا ذمہ اس شخص نے لیا۔ جو اپنے اس کارنامے کی بدولت فارسی کا سب سے بڑا نامآور شاعر بن گیا ہے۔ اور جس نے دنیا کی ادبی تاریخ میں بہت بڑی شہرت حاصل کی ہے۔ یعنی حکیم ابو القاسم المتخلص بہ فردوسی، ہم کو اس کی زندگی اور اسکی نظم کے سبب تالیف کے متعلق ہر قسم کی اطلاعات ملتی ہیں۔ جن میں سے قدیم ترین اور بہترین وہ ہے جو احمد بن عمر بن علی النظامی العروضی السمرقندی کی روایت پر ابن اسفندیار نے تاریخ طبرستان میں نقل کی ہے۔ نظامی عروضی نے ۵۱۰ھ (۱۱۱۶ء) میں (گویا فردوسی کی وفات سے کچھ کم سو سال بعد) اس کے آبائی وطن طوس اور اس کی قبر کی زیارت کی ہے۔ اور لہذا جو کچھ وہ بیان کرتا ہے وہ بے شبہ اس زمانہ کی مقامی روایت کے مطابق ہے۔ یہ اطلاع جس کی طرف

ریو نے فہرست مخطوطات فارسی (ص ۵۳۴) میں توجہ دلائی ہے - میرے دوست
آیتے نے از راہ نوازش میرے لئے برٹش میوزیم کے نسخۂ تاریخ طبرستان سے
نقل کرکے بھیجی - اور اسی کو انہوں نے تین نسخوں سے مقابلہ کرکے رسالۂ
انجمن مشرقی آلمانی (جلد ۴۸ ص ۹۱ بیعد) میں شائع کیا - اس کے بعد پروفیسر
براؤن نے ۱۸۹۹ء کے رسالۂ انجمن آسیائی ہمایونی میں نظامی عروضی کی کتاب چہار مقالہ
کا انگریزی ترجمہ شائع کیا جسمیں فردوسی کی حکایت کا نمبر ۲۰ ہے (ص ۸۳، ۷۸)[1] -
بالآخر پروفیسر براؤن کی ترغیب پر میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے اس کتاب کو اصل
فارسی میں بنام چہار مقالہ شائع کیا (لیڈن ۱۹۱۰ء) جس میں فردوسی کی مذکورہ حکایت
صفحہ ۴۷ پر ہے - اس کتاب کے علاوہ شاہنامے کے دونو دیباچوں میں (جن
کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں) فردوسی کا مفصل تذکرہ ہے - ان دیباچوں میں بہت
سی باتیں مشترک ہیں - لیکن بایں ہمہ وہ ایک دوسرے سے منقول نہیں ہیں -
بلکہ غالباً دونو کے دونو ایک ہی طرح کے ماخذ کی طرف راجع ہیں - دیباچۂ
بایسنغری نے ایک نظم سے استفادہ کیا ہے - جس میں شاہنامے ہی کی بحر میں
اسکی کیفیت تصنیف بیان کی گئی ہے - لیکن وہ نظم اپنی نوعیت میں بالکل غیر تاریخی
ہے - اس نظم کا تعلق متحد الاصل ہونے کی بنا پر شاہنامے کے دوسرے دیباچے
(یعنی دیباچۂ قدیم) کے ساتھ بھی ہے - اس دیباچے کے متن میں بعد والوں نے
کسی قدر اضافہ کیا ہے - اور بعض اور اسباب سے بھی اسکی صورت مسخ ہوگئی ہے،
چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مختلف نسخوں میں اسکی عبارت کے اندر اختلافات بکثرت

---

[1] اسی ترجمے کو پروفیسر مذکور نے اب دوبارہ تصحیح و تحشیہ کرکے علیحدہ کتاب کی صورت میں
شائع کرایا ہے (لنڈن ۱۹۲۱ء)، اسمیں فردوسی کی حکایت صفحہ ۵۴ پر ہے ۱۲ مترجم
[2] مثلاً لیڈن کے قلمی نسخے (مورخہ ۱۴۳۳ء) اور لنڈن کے ایک نسخے (مورخہ ۱۴۳۹ء) دیکھو فہرست

ہیں ✦

ان مآخذ کے علاوہ فردوسی کی زندگی کے حالات ادبی تاریخ کی کتابوں یعنی تذکروں میں ملتے ہیں ۔ مثلاً تذکرۂ دولتشاہ ' بہارستان جامی ' اور آتشکدۂ لطف علی آذر (طبع بمبئی ۱۲۷۷ھ ص ۷۷ ببعد) لیکن بدقسمتی سے جو کچھ ان تذکروں میں اور شاہنامے کے دونو دیباچوں میں فردوسی کے متعلق بیان کیا گیا ہے ۔ وہ بہت کچھ اسکے اپنے بیانات کی تردید میں ہے ۔ جو اس نے شاہنامے میں دئے ہیں ۔ بہت سی باتیں لغو اور غیر یقینی ہیں ۔ ان مقامات میں بھی جہاں اسماء و اعداد کو لاکر صورت بیان کو ٹھیک ٹھیک تاریخی حلیہ پہنا دیا ہے ۔ ہم کو بہت سی فرضی بلکہ سفیہانہ من گھڑت باتیں ملتی ہیں ۔ یہ فضول ہوگا کہ ہم اپنے شاعر کے متعلق ان تمام افسانوں کو جو ان مذکورہ بالا کتابوں میں اور نیز دوسری بے شمار تحریروں کے اندر پائے جاتے ہیں ۔ یہاں پر دُہرائیں ' یہ افسانے کہیں تو بالتفصیل کہانیوں کی صورت میں ہیں ۔ اور کہیں مختصر ہیں ۔ اور گو ان میں باہمی اختلاف بہت ہے ۔ تاہم اپنے اصلی خط و خال کی نوعیت میں مشابہ ہیں[۱] ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲) ریو ص ۵۳۴ ب) میں یہ بات اضافہ کی گئی ہے کہ فردوسی بھاگ کر شاہ دہلی کے دربار میں چلا آیا ۔ حالانکہ شاہان دہلی تیرھویں صدی میں (فردوسی سے دو صدی بعد) وجود میں آئے ہیں ✦

[۱] ان افسانوں کا لب لباب مول صاحب کے مقدمۂ شاہنامہ میں یا شاہنامے کے یورپین ترجموں کے دیباچوں میں بیان کیا گیا ہے ✦

فردوسی نے اپنی اس عظیم الشان رزمیہ نظم کے اندر جابجا خود اپنے متعلق بہت کچھ لکھ کر شائع کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے آج ہم اس قابل ہیں کہ اسکی زندگی کے متعلق چند اہم امور کو طے کر سکیں، متاخرین نے شاعر کے متعلق جو جو باتیں اپنی بیان کی ہیں۔ کہ اس کی اپنی شہادت کے خلاف ہیں وہ طبعاً سب کی سب قابل رد ہیں۔ لیکن اُس کے اپنے بیانات بھی ہمارے لئے ہمیشہ واضح نہیں ہیں۔

۲۰۔ فردوسی کے حالات زندگی | تحقیق کی طرح فردوسی کا بھی اصلی نام غیر معلوم ہے۔ تذکرہ نویس کبھی اسکو منصور کہتے ہیں۔ کبھی احمد اور کبھی حسن۔ برعکس اسکے اسکی کنیت "ابوالقاسم" جو روایتہً مذکور ہے۔ وہ یقیناً صحیح ہے کیونکہ نظامی عروضی نے بھی اسکو اسی کنیت سے یاد کیا ہے۔ "فردوسی" اسکا تخلص ہے۔ نہ خاندانی نام جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ اسکے باپ کے نام کا بھی کچھ پتہ نہیں۔ خاتمے کے اشعار میں فردوسی نے کہا ہے۔ کہ میری عمر اسّی برس کے قریب ہوگئی ہے ؎

چو آمد عمر نزدیک ہشتاد شد امیدم بیکبارہ برباد شد

حاشیہ۔ تذکرہ نویسوں کے بیانات کس درجہ ناقابل اعتماد ہوتے ہیں۔ اسکا اندازہ ایک مثال سے ہو سکتا ہے کہ دیباچۂ بائسنغری میں (شاہنامہ۔ ص ۹ س اخیر) اس کے باپ کا نام فخرالدین احمد بن فرخ الفردوسی بتایا گیا ہے حالانکہ ایسے نام جنکے آخر میں "الدین" ہو وہ سب سے پہلے فردوسی کے عہد ریولیت میں استعمال میں آئے ہیں۔ اور وہ بھی صرف با اقتدار سرداروں کو القاب کے طور پر عطا کئے جاتے تھے۔ اس قسم کے القاب کی سب سے پہلی مثال "ناصرالدین" کا لقب ہے جو نوح بن منصور سامانی (۳۶۶ھ۔ ۳۸۷ھ) نے امیر سبکتگین کو عطا کیا تھا۔ غرض یہ کہ اس طرح

(شاہنامہ ص ۲۱۶ س ۵) اگر اس شعر کے ساتھ اس سے آگے کے دو شعروں کا بیان ملحق کیا جائے ۔ جسکی رو سے شاہنامے کا اختتام ماہ دوازدہم (سفندارمذ) کی پچیسویں تاریخ (روز ارد) سنہ ۴۰۰ھ (۲۵ فروری سنہ ۱۰۱۰ء) کو ہوا تو پھر اس سے یہ نتیجہ نکلیگا ۔ کہ فردوسی کی پیدائش سنہ ۳۲۰ھ سے بہت بعد کی نہیں ہے ؎

سرآمد کنون قصۂ یزدگرد ‏ بماه سفندارمذ روز ارد

ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار ‏ کہ گفتم من این نامۂ شاہوار

اسی خاتمے کے اشعار کے شروع میں جو فردوسی نے اپنی عمر کے پینسٹھویں سال کے اختتام کا ذکر کیا ہے ؎

چو بگذشت سال از برم شصت و پنج ‏ فزون کردم اندیشۂ درد و رنج

بتاریخ شاہان نیاز آمدم ‏ بہ پیش اختر دیر ساز آمدم

اسکی ظاہراً تو کوئی غرض سمجھ میں نہیں آتی ۔ لیکن ہاں اسکی توجیہہ یوں کیجا سکتی ہے ۔ کہ یہ اشعار غالباً اس دوسری خاتمے کی فصل سے تعلق رکھتے ہیں جس میں فردوسی نے شاہنامے کو احمد بن محمد بن ابی بکر خان لنجانی کے نام پر معنون کیا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴) کے ناموں کا دو نسل اوپر کے لوگوں میں اور وہ بھی طبقۂ عوام میں پایا جانا کسی طرح ممکن نہیں ہو سکتا ۔ دوسرے تذکرہ نویسوں نے فردوسی کے باپ اور دادا کے دوسرے نام دیئے ہیں

سلے ہم کو یہاں یہ بات جتا دینی چاہیئے کہ شاہنامے کے خاتمے کے اشعار نہایت غیر یقینی حالت میں مروی ہیں ۔ قلمی نسخوں میں ان اشعار کے اندر کہیں کہیں ہجو کے اشعار ملے ہوئے ہیں ۔ یا یہ نہیں تو بعض نسخوں میں اس خاتمے کو مختصر کر دیا گیا ہے ۔ یا اسکے متن میں بہت کچھ ایسا اضافہ کر دیا گیا ہے جو میکن اور مول کے مطبوعہ متنوں میں (جو باعتبار صحت کے اعتراض سے بالا ہیں) موجود نہیں ہے ۔ یہی آگے کا شعر سرآمد کنون قصۂ یزدگرد الخ لیڈن کے قلمی نسخے میں تو موجود ہے ۔ لیکن پطرزبورغ کے نسخے میں نہیں ہے +

اور جس میں اس نے اختتام نظم کی تاریخ سہ شنبہ ٢٥ محرم ٣٨٩ھ (١٧ جنوری ٩٩٩ء) بتلائی ہے - اگر وہ ٣٨٩ھ کے شروع میں ٦٥ سال کا تھا تو پھر ٤٠٠ھ میں اس کی عمر ٧٦ یا ٧٧ برس کی ٹھہرتی ہے - اور اس صورت میں اسکا سال پیدائش ٣٢٣ھ یا ٣٢٤ھ (٩٣٤ء یا ٩٣٥ء) ہونا چاہئے - اس بات کو بھی ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ ہمارا شاعر اعداد و شمار کے بارے میں زیادہ صحیح تعین سے کام نہیں لیتا -

روایت اس پر متفق ہیں کہ فردوسی کا وطن طوس تھا - اور اس نے خود بھی ہجو کے اندر اپنے آپکو "طوسی" کہا ہے ؎

٥ل یہ خاتمے کی فصل برٹش میوزیم کے ایک قلمی نسخے میں موجود ہے (دیکھو ریو کی فہرست ص ٥٣٥ الف نیز سفرنامۂ ناصر خسرو طبع شیفر ص ٣٠١) یہ فصل انڈیا آفس کے بھی ایک نسخے میں موجود ہے (دیکھو ایتھے کی فہرست ١ ٨٩٣ د. لیکن برٹش میوزیم والے نسخے میں ایک مقام پر (قصۂ یزدگرد جو سارے شاہنامے کا سب سے آخری قصہ ہے) کے اختتام کی تاریخ ٣٨٤ھ دی ہے - اور یہی تاریخ انڈیا آفس کے ایک نسخے میں بھی ہے (دیکھو ایتھے کی فہرست ١٥٢، ٩) اور ایسے ہی شٹراس برگ (جرمنی) کے ایک نسخے میں جس میں اس فصل کی عبارت نہایت پریشان اور الجھی ہوئی ہے - البنداری کے خلاصۂ شاہنامہ (بزبان عربی) کے آخر میں بھی یہی تاریخ یعنی ٣٨٤ھ بیان کی گئی ہے (دیکھو فہرست نسخہ ہائے عربی در کتب خانۂ برلن مؤلفہ آل وارٹ نمبر ٨٤٤٠، ٢) مصنف' خاتمے کی جس فصل کا اس نوٹ کے اندر فکر ہے اسکے ابتدائی چند شعر یہ ہیں ؎

چو شد اسپری داستان بزرگ . سخنہای آن خسروان سترگ
بروز سیم شنبدی چاشتگاه . شدہ پنج رہ پنج روزان ز ماہ
کہ تازیش خوانند محرم بنام . کہ از ارجمندیش ماہ حرام
اگر سال نیسز آرزوت آمدست . نہم سال و ہشتاد با سیصدست

خان لنجان اصفہان کے نزدیک ایک بارونق شہر تھا - اور احمد بن محمد بن ابی بکر وہاں کا گورنر تھا ١٢ مترجم

کہ فردوسی طوسی پاک جفت　　　نہ این نامہ بر نام محمود گفت

نظامی عروضی نے اس کا وطن طبران کے ضلع میں ایک گاؤں باغ[سلہ] نام بتلایا ہے یہ مقام (جسکو "طاہران" بھی لکھتے ہیں)۔ مقدسی کے قول کے مطابق طوس کے علاقے کا سب سے بڑا شہر تھا۔ (احسن التقاسیم ص ۳۱۹)، اور بقول یاقوت (دیکھو طابران) علاقہ طوس کے دونو شہروں (طابران اور نوقان) میں بڑا تھا، بہرحال نظامی کا بیان بہت زیادہ مستند ہے۔ بہ نسبت اس متاخر روایت کے جو فردوسی کی جائے پیدائش نواح طوس میں ایک اور موضع شاداب نام بتلاتی ہے (دیباچہ شاہنامہ ص ۶)

نظامی عروضی کے بیان کے مطابق فردوسی طوس کا ایک خاصا آسودہ حال زمیندار تھا۔ دوسری روایات بھی اس بیان سے متفق ہیں۔ فردوسی ایک جگہ کہتا ہے کہ میرے ایک ہم وطن دوست نے مجھے کتاب شاہنامہ دی تاکہ میں اسکو نظم کروں ؎

بشہرم یکی مہربان دوست بود　　　تو گفتی کہ با من یکی پوست بود
مرا گفت خوب آمد این رای تو　　　بہ نیکی گراید ہمی پای تو
نبشتہ من این نامہ پہلوی　　　بہ پیش تو آرم مگر نغنوی
گشادہ زبان و جوانیت ہست　　　سخن گفتن پہلوانیت ہست
تو این نامۂ خسروان باز گوی　　　بدین جوی نزد مہان آبروی

(شاہنامہ ص ۱۹ س ۷-۸)۔ یہ بات کہ اس دوست کا نام محمد لشکری تھا۔ بالکل ممکن ہے (دیکھو دیباچہ شاہنامہ س،س)۔ طوس میں جہاں فردوسی کے عہد طفولیت میں کتاب شاہنامہ (نثر میں) تالیف ہوئی اور خصوصاً جبکہ اسکے مؤلفین

سلہ مصنف نے یہ نام اسی طرح پر دیا ہے لیکن چہار مقالہ میں "باژ" ہے (کتاب مذکور ص ۴۷) ۱۲ مترجم

کے زمرے میں ایک طوسی بھی تھا۔ ایک نسخے کا دستیاب ہو سکنا نہایت سہل تھا اس بات کو ذہن میں رکھنے سے تمام دوسرے افسانہ آمیز نقوش محو ہو جاتے ہیں،

۲۱۔ فردوسی کا شاہنامے کو نظم کرنا: فردوسی نے اس بھاری کام کو اس وقت ہاتھ میں لیا جبکہ وہ پختہ عمر کو پہنچ چکا تھا۔ لہذا یہ امر ممکن القیاس بلکہ اغلب ہے کہ اس سے پیشتر وہ رزمیہ شاعری کی مشق بہم پہنچاتا رہا ہوگا شاہنامے کے قطعی اختتام اور آغاز کے درمیان (خاتمے کے اشعار کے مطابق) پینتیس سال کا عرصہ ہے ؎

سی و پنج سال از سرائے سپنج　　　بسی رنج بردم بامید گنج
چو بر باد دادند گنج مرا　　　نبد حاصلی سی و پنج مرا

لیکن ہجو کے اندر اس نے اس عرصے کو گھٹا کر تیس سال بیان کیا ہے ؎

(۱) بسی رنج بردم درین سال سی　　　عجم زندہ کردم بدین پارسی
(۲) چو سی سال بردم بشہنامہ رنج　　　کہ شاہم ببخشد بپاداش گنج

(شاہنامہ ص ۱۵ س ۱ و ۴) دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہنامے کے متعدد مقامات پر شاعر نے یہ دلی خواہش ظاہر کی ہے کہ خدا کرے اسکو زندگی میں اتنی مہلت مل جائے کہ وہ نظم کو انجام تک پہنچا سکے تاکہ اسکی بدولت اسکو شہرت دوام نصیب ہو ؎

ہمی خواہم از داور کردگار　　　کہ چندان امان یابم از روزگار
کزین نامور نامۂ باستان　　　بمانم بگیتی یکی داستان
کہ ہر کس کہ اندر سخن داد داد　　　ز من جز بہ نیکی ندارد بیاد

(شاہنامہ ص ۱۵۵ س ۲۸)،

ہمی خواہم از کردگار بلند　　　کہ چندان بماند تنم بی گزند

که این نامه بر نام شاه جهان بگویم بنام سخن در نهان

(ایضاً ص ۲۷۸ س ۳۲-۳۳)

اگر مانم اندر سپنجی سرای روان و خرد باشدم رهنمای
سرآرم من این نامهٔ باستان بگیتی بماند ز من داستان

(ایضاً ص ۳۷۳ س ۲۰)

زمان خواهم از کردگار زمان که چندان بماند دلم شادمان
که این داستانها و چندین سخن گذشته برو سال و گشته کهن
زگاه کیومرث تا یزدگرد بنظم من آید پراگنده گرد

(ایضاً ص ۵۲۹ س ۳۱-۳۲) لیکن شاہنامے کو وہ طبعاً نہ تو اساطیری اور تاریخی زمانے کی ٹھیک اس ترتیب میں نظم کرتا رہا ہے جو آج اس میں پائی جاتی ہے۔ اور نہ وہ نظم کے کام کو متواتر اور بلا وقفہ جاری رکھ سکا ہے۔ وہ بار بار نظم میں مختلف مقامات پر وہ اپنی عمر بھی بتاتا جاتا ہے مثلاً ۵۸ برس سے

از آن پس که بنمود پنجاه و هشت بسر بر فراوان شگفتی گذشت

(شاہنامہ ص ۱۲۴ س ۲۸)

چو برداشتم جام پنجاه و هشت نگیرم مگر یاد تابوت و دشت

(ایضاً ص ۱۵۵ س ۲۷) ۶۰ سال سے

مرا عمر بر شصت شد سالیان برنج و بسختی به بستم میان

(ایضاً ص ۱۰۲ س ۱۰)

هر آنگه که سال اندر آمد بشصت بباید کشیدن ز بخشیش دست

(ایضاً ص ۲۷۹ س ۱۲)

چل و هشت بد عهد نوشیروان تو بر شصت رفتی نمانی جوان

(ایضاً ص ۴۸۲ س ۲۴) ۶۱ سال کے

چو سالت شد ای پیر بر شصت و یک　　　　می و جام و آرام شد بی نمک

(ایضاً ص ۵۲۹ س ۲۱) ۶۲ سال کے

چو شصت و سه سالم شد و گوش کر　　　　ز گیتی چرا جویم آئین و فر

(ایضاً ص ۶۳۲ س ۳۱)

ابا شصت و سه ساله مرد کهن　　　　تو از باده تا چند رانی سخن

(ایضاً ص ۴۳۰ س ۲۶) ۶۵ سال کے

چنین سال بگذاشتم شصت و پنج　　　　به درویشی و زندگانی و رنج

(ایضاً ص ۲۷۸ س ۲۸)

مرا شصت و پنج و وراسی و هفت　　　　نپرسید ازین پیر و تنها برفت[1]

(ایضاً ص ۵۷۵ س ۷) ۶۶ سال کے

چو شد سال بر شصت و شش چاره جوی　　　　ز بیشی و از رنج بر تاب روی

(ایضاً ص ۱۴۳ س ۱۹)

هر آنگه که شد سال بر شصت و شش　　　　نه نیکو بود مردم کینه کش

(ایضاً ص ۱۹۵ س ۲۴)

ذیل کے شعر میں اسنے اپنی گذشتہ زندگی کے کسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے جبکہ اسکی عمر ۵۸ سال کی تھی کے

بدانگه که بد سال پنجاه و هشت　　　　جوان بودم و چون جوانی گذشت[2]

---

[1] یہاں شصت و پنج کی بجائے شاید "شصت و هفت" یعنی ۶۷ برس کی عمر کی روایت زیادہ اصلی ہے۔ (دیکھو آگے چلکر آرٹیکل ۲۳ کے آخر حصے کا حاشیہ) [2] شاہنامے کو دیکھنے سے

(ایضاً ص ۲۷۸ س ۲۹)'

داستان ہفتخوان اسفندیار (شاہنامہ ص ۳۴۵) کے شروع میں ستائشِ سلطان محمود کے خاتمے پر لیڈن اور شتراس برگ کے قلمی نسخوں میں ذیل کا شعر ہے جو مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہے' اس میں شاعر نے اپنی عمر ۷۶ برس کی بتلائی ہے ؎

کنون سالم آمد بہفتاد و شش   غنودہ ہمی چشم میشارفش[۱]

یہ شعر جس پر کسی طرح کا شبہ نہیں کیا جا سکتا غالباً اُسنے پورا شاہنامہ ختم کر چکنے کے بعد لکھ کر بیچ میں اضافہ کیا ہے - بہت سے اور ایسے مقامات ہیں جہاں اُسنے زیادہ بڑی عمر کا ذکر کیا ہے - وہ مقامات ابتدا میں لکھے گئے ہیں اور ابتدا ہی میں ان کو لکھا بھی جانا چاہیئے تھا' شاعر کی عمر کے جو مختلف اعداد اوپر بیان ہوئے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسنے شاہنامے کو نظم کرنے کا کام زیادہ تر ۶۰ برس کی عمر کے آس پاس کیا ہے - یعنی ۹۹۵ء اور اس سے بعد کے سالوں میں'

بہرحال ہم جانتے ہیں کہ اسنے ایک ختم شدہ شاہنامہ ۹۹۹ء کے شروع میں احمد بن لنجانی کو پیش کیا تھا - جیسا کہ خاتمے کے ان اشعار سے ظاہر ہے - جو ایک قلمی نسخے میں پائے جاتے ہیں ' اور جن کا ہم اوپر حوالہ دے چکے ہیں' اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰) معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر وہاں اپنی مناسب جگہ پر نہیں ہے بلکہ بے موقع اضافہ دیا گیا ہے - اگر اسکو متن میں کچھ اور اوپر سرکا دیا جائے تو زیادہ موزوں ہو جائے - معلوم نہیں مصنّف نے اس شعر سے کیا معنی مراد لئے ہیں ۱۲ مترجم' (حاشیہ صفحہ ۱۱) [۱] لفظ "میشار" کی بناوٹ اور معنی دونو مشکوک ہیں - عربی لفظ 'منشار' جسکے معنی آرے کے ہیں - یہاں کچھ ایسا موزوں طور سے نہیں کھپ سکتا '

وہیں سے اس مقبول عام روایت کی تردید ہوگئی کہ فردوسی نے شاہنامہ سلطان محمود غزنوی کے لئے تیار کیا تھا - یا یہ کہ محمود نے اسکو اس کے نظم کرنے کی فرمائش کی اور پیشتر اسکے کہ اسکو فردوسی کا حال معلوم ہو اسے شاہنامے کو نظم کروانے کا [illegible] تھا، تمام یہ ہے کہ محمود کا باپ سبکتگین اگست یا ستمبر ۹۹۷ء میں مرا[1] جسکے بعد اسکو کافی عرصہ تخت نشینی کے لئے جد و جہد کرنے میں لگ گیا اور کہیں ۹۹۹ء کے آخر میں جاکر وہ خراسان کا مالک بنا[2] - یہ ممکن ہے کہ شاہنامہ اپنی پہلی شکل میں جبکہ وہ احمد بن محمد خان لنجانی کو پیش کیا گیا تھا ؛ زیادہ ناکمل ہو [illegible] دوسری شکل کے جو گیارہ سال بعد ۱۰۱۰ء میں ظہور میں آئی۔ [illegible] یقینی ہے کہ پیشتر اسکے کہ شاعر نے محمود کے پاس جانے کا خیال کیا وہ [illegible] حصے کو اسوقت تیار کر چکا تھا - جبکہ وہ ابھی سامانیوں کی [illegible] تھے -

[illegible] ہے کہ شاہنامے کا بیشتر حصہ اس نے اپنے وطن ہی میں لکھا تھا [illegible] نسخے میں پائے جاتے ہیں وہ اشعار جن کا اوپر دو ایک بار ذکر آچکا ہے - [illegible] ہے کہ فردوسی کچھ عرصہ خان لنجان کے رئیس احمد بن محمد کے [illegible] مقیم رہے[3] - اسی عرصے میں وہ ایک دفعہ دریا میں بھی گر پڑا تھا - اور یا تو

---

[1] عتبی ج ۱ ص ۲۰۲ ، [2] عتبی ج ۱ ص ۳۱۱ ، ابن الاثیر ج ۹ ص ۱۰۳ ، اسی سال میں ۱۰ ذوالقعد ۳۸۹ھ = ۲۴ اکتوبر ۹۹۹ء) ترکستان کے ایلک خانی ترک سامانیوں کے پایہ تخت بخارا پر قابض ہوئے جو کہ سرزمین ماوراء النہر کا نہایت افسوسناک حادثہ ہے -

[3] [illegible] کے تیار کردہ نقشے میں خان لنجان جسکو آجکل خالنجان کہتے ہیں - دریا کے کنارے پر اصفہان سے سات میل اوپر واقع ہے - اور بخط مستقیم کوئی چار پانچ میل کا فاصلہ ہے ،

خود احمد نے یا اسکے بیٹے نے (متن کی عبارت قلمی نسخے میں مٹ جانے کی وجہ سے صاف پڑھا نہیں جاتا) اسکو وہاں سے نکالا تھا۔ یہ قیاس کرنا مشکل ہے کہ آیا اس حادثے سے واقعی اسکو جان کا خطرہ بھی پیش آیا تھا یا نہیں '

طوس میں غالباً فردوسی کا وہ مربی رہتا تھا۔ جسکی قبل از وقت وفات کے بعد اسکی یادگار میں اُسنے نہایت پُراثر اشعار لکھے ہیں ؎

بدین نامہ چو دست کردم دراز ... یکی مہتری بود گردن فراز
جوان بود و از گوہر پہلوان ... خردمند و بیدار و روشن روان
خداوند رای و خداوند شرم ... سخن گفتن خوب و آوای نرم

الخ (شاہنامہ ص ۱۹)۔ اُسنے فردوسی کی دریا دلی کے ساتھ امداد کی۔ ان اشعار کے عنوان میں اس کا نام ابو منصور بن محمد بیان کیا گیا ہے۔ لیکن یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ کہ آیا در اصل اسکا یہی نام تھا یا نہیں ، خاتمے کی فصل میں جن لوگوں کا اس نے ذکر کیا ہے۔ ظاہراً ان میں سے بعض اسی زمانے میں اسکے دوست اور مربی تھے ؎

بزرگان و با دانش آزادگان ... نبشتند یکسر ہمہ رایگان
نشستہ نظارہ من از دورشان ... تو گفتی بدم پیش مزدورشان
جز احسنت ازیشان نبد بہرہ ام ... بکفت اندر احسنتشان زہرہ ام
ازآن نامور نامداران شہر ... علی دیلمی بود کو راست بہر[1]

---

[1] دوسرا مصرع شاہنامے میں اسی طرح پر دیا ہے۔ لیکن زیادہ صحیح روایت میں "علی دیلم بودلف راست بہر" یا "علی دیلم و بودلف راست بہر" سنا گیا ہے (دیکھو چہار مقالہ ص ۴۸) ۱۲ مترجم

که همواره کارم بخوبی روان — همی داشت آن مرد روشن روان
حسین قتیب است[1] از آزادگان — که از من نخواهد سخن رایگان
از ویم خورد و پوشش و سیم و زر — ازو یافتم جنبش پا و پر

(شاہنامہ ص ۲۱۶)' یہ امر قابل توجہ ہے کہ نظامی عروضی نے علی دیلم اور ابودلف کو دو مختلف اشخاص بتلایا ہے۔ اور بجائے "علی دیلم بودلف راست بہر" (جیسا کہ مطبوعہ نسخوں میں ہے) "علی دیلم و بودلف راست بہر" لکھتا ہے[2] اور کہتا ہے کہ علی دیلم فردوسی کا نساخ تھا۔ جس نے اسکے لئے شاہنامے کو سات جلدوں میں صاف کرکے نقل کیا اور ابودلف اسکو ادا کرکے پڑھا کرتا تھا۔ یعنی اسکا راوی تھا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دونو آدمی طوس کے ممتاز لوگوں میں تھے۔ ہم یہ فیصلہ کرنے کی جرأت نہیں کرینگے کہ یہ دعوے شاعر کے اپنے بیان کے ساتھ کہاں تک مطابقت رکھتا ہے۔ البتہ حُیَیّ بن قُتَیبہ[3] (حُیَیّ قتیب) کے متعلق نظامی عروضی نے آگے چلکر لکھا ہے کہ وہ عامل طوس تھا۔ جس نے فردوسی کو مال و زر بھی عطا کیا اور زمین کا لگان بھی اسکو معاف کروا دیا۔ اور یہ

---

[1] چہار مقالہ میں حسین قتیب کی بجائے حُیَیّ قتیبہ ہے ۱۲ مترجم [2] شٹراس برگ (جرمنی) کے دونو نسخوں میں "علی دیلم بودلف راست بہر" (یعنی بلا واو کے) منقول ہے لیکن پطرزبورغ کے نسخے میں اسکو بہت زیادہ مسخ کرکے "علی دیلم بوذکف راست بہر" لکھا ہے۔ "دیلم" بطور شخصی نام کے اس زمانے سے سو برس پہلے استعمال میں آچکا تھا (دیکھو ابن ابی اصیبعہ ج ۱ ص ۲۳۳ وغیرہ)

[3] یہ غیر مانوس نام نظامی عروضی کے چہار مقالہ (ص ۴۸) کا بیان کردہ ہے۔ اور یہی وجہ درست معلوم ہوتا ہے۔ حُیَیّ کی بجائے زیادہ مانوس اور مقبول نام "حسین" کا آجانا بالکل طبعی امر ہے۔

بالکل قرین قیاس ہے۔ لیکن غالباً اس کا عہدۂ گورنری سامانیوں کے زیر حکومت تھا نہ کہ محمود کے عہد میں[1]۔

شاہنامے کا جو متن آج ہمارے سامنے ہے۔ اس میں بہت سے مقامات پر سلطان محمود کی ستائش موجود ہے۔ اور خصوصاً شاہنامے کے شروع میں جہاں اسکو دنیا کا زبردست ترین اور فیاض ترین بادشاہ بتلایا گیا ہے۔ پورا شاہنامہ مجموعی طور سے اسکے نام پر معنون ہے۔ یہ بات قابل تسلیم ہے (جیسا کہ نظامی عروضی بیان کرتا ہے۔ کہ فردوسی اپنی نظم کو سلطان کی خدمت میں پیش کرنے اور اس سے اپنا متوقع صلہ حاصل کرنے کے لئے بذات خود غزنی گیا تھا۔ اور یہ بھی بعید نہیں کہ وہاں وہ خاصے عرصے تک مقیم رہا ہو۔ لیکن جو کچھ بھی ہو وہاں یقیناً وہ ایک محترم شاعر کی حیثیت میں وارد ہوا تھا[2]۔ نہ یہ کہ وہ

---

[1] عتبی میں ہم نے اسکا نام بہت ڈھونڈا لیکن کہیں نہیں ملا۔ ممکن ہے کہ ایک آدھ جگہ موجود ہو لیکن ہماری نظر سے فوت ہوگیا ہو۔ [2] وہ حکایت جو ہمیشہ اس موقع پر بیان کی جاتی ہے۔ کہ فردوسی کے غزنی پہنچنے پر تین شاعروں (یعنی عنصری۔ فرخی اور عسجدی) نے اسکی طبع آزمائی کے لئے ایک مصرع طرح کیا۔ اور رباعی کے چوتھے مصرعے کا اس سے مطالبہ کیا بالکل بے وقعت ہے۔ اس حکایت میں ظاہراً بہت سی خامیاں ہیں۔ اس میں فرض یہ کیا گیا ہے کہ کوئی چوتھا قافیہ جس کے آخر میں "شن" ہو بالکل نایاب ہے۔ لیکن اس پر بھی فردوسی نے اپنے زور طبع سے اسکو لفظ "پشن" سے مہیا کر دیا۔ یہ دعوی بالکل غلط ہے کیونکہ اس قافیے کے اور بھی الفاظ موجود ہیں مثلاً لفظ "داشن" (بمعنی عطا و بخشش) ہے۔ پھر لفظ "گشن" ہے۔ جو شاہنامے میں اکثر استعمال ہوا ہے۔ اور ایک جگہ تو اسی 'پشن' ہی کے ساتھ قافیے کے طور پر آیا ہے ؎

یکی سرو بد سبز و برگش گشن   برو شاخ چون رزمگاه پشن

ایک گنوار دیہاتی کی طرح سے اپنے سخت گیر حاکم کے خلاف نالش کرنے آیا تھا۔ جیساکہ افسانے میں بیان کیا جاتا ہے۔ نظامی عروضی کو اس افسانے کا کچھ علم نہیں۔ وہ صرف اتنا بیان کرتا ہے۔ کہ فردوسی نے اپنی نظم کو خواجہ حسین بن احمد (یا احمد بن حسن) وزیر کے سپرد کیا۔ تاکہ وہ اسے سلطان کی خدمت میں پہنچا دے۔ آیا محمود کو شاہنامے میں واقعی کوئی دلچسپی تھی یا نہیں یہ بات سرتا پا معرض شک میں ہے اور اسی وجہ سے وہ مشہور روایت کہ سلطان کے ملک الشعراء عنصری نے اس کو نظم کرنے پر طبع آزمائی کرنی چاہی تھی۔ اعتماد کے درجے سے گر جاتی ہے گو کہ اس بارے میں پہلے ہی سے اختلاف موجود ہے کہ آیا اس طبع آزمائی کا کچھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) (شاہنامہ ص ۱۹۵ س ۸) اگر فارسی لغت میں مزید تلاش کی جائے تو اور بھی ایسے الفاظ مل سکتے ہیں۔ اس قسم کی اطلاعات کس درجہ ناقابل اعتماد ہوتی ہیں اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ بقول دیباچۂ بایسنغری محمود کے دربار میں فردوسی کے حریفوں میں رودکی بھی تھا۔ جبکہ وہ ابھی بچہ ہی تھا ۱۲ مصنف)

دوران ترجمہ میں فاضل مصنف کی طرف سے ایک خط موصول ہوا تھا۔ جس میں وہ اسی حاشیے پر اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس قافیے کا ایک اور لفظ "شن" (بمعنی ناز و کرشمہ) ہے۔ جسکی سند میں لغات فورس میں عطار کا ایک شعر دیا ہے ؎

چو جان گرنیستی وچشم پرشن جہان برمن نبودی چشم سوزن

ایسے ہی ایک اور لفظ "برشن" ہے ؎

چو تار زلف او افتد بگردن ابرو حسن را پیچیدہ برشن

(لغات فورس، ۱۲ مترجم)

(حاشیہ صفحہ ۱۶) ؎ دیکھو دیباچۂ شاہنامہ ص ۷، س ۲۵، مترجم +

نتیجہ بھی برآمد ہوا یا نہیں[1] - اس میں شک نہیں کہ اس با اقتدار ترک سلطان کو اتنی تعلیم ضرور حاصل تھی کہ فردوسی کے کلام کو باعتبار عبارت کے سمجھ سکے[2] - کیونکہ جب اسکو کسی قدر عربی تعلیم سے بہرہ تھا[3] - تو اس وقت کی درباری زبان یعنی فارسی پر تو اسکو خاصی قدرت حاصل ہوگی ۔ اگرچہ نجی کی بول چال میں وہ ترکی ہی کا استعمال کرتا تھا - جیسا کہ سترھویں صدی عیسوی میں شاہانِ صفوی بھی کرتے تھے - لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں - کہ وہ سخن فہمی کا ملکہ بھی رکھتا تھا - بعض لوگوں نے غلط طور سے یہ فرض کیا ہے کہ محمود کسی سیاسی وجہ سے ایران کی قومی رزمیہ داستانوں میں دلچسپی لیتا تھا - لیکن ہم یہ کہتے ہیں - کہ ایک ترک سلطان کو جس کا باپ ادنیٰ غلامی کی حالت سے ترقی پاکر با اقتدار بنا ان قدیم ایرانی بادشاہوں

---

[1] اتنا تو ضرور ہے کہ عنصری نے وامق و عذرا جیسی رزمیہ انداز اور اسی بحر (متقارب) کو اختیار کیا تھا (دیکھو ہورن کا مقدمۂ لغت فرس اسدی ص ۲۵)'

[2] زوال خلافت کے بعد کے مسلمان فرمانروا اکثر تعلیم سے عاری ہوتے تھے - لہذا یہ نہ سمجھنا چاہیئے - کہ وہ ہمیشہ ان تمام عربی اور فارسی قصیدوں کو سمجھ سکتے تھے - جو ان کی شان میں کہے جاتے تھے + [3] بقول عتبی (ج ۲ ص ۲۳۹ ببعد) محمود نے نہایت سرگرمی لیساتھ علوم دینی کی تحصیل کی' یہ اُسنے وہاں بیان کیا ہے - جہاں اُسنے محمود کی لحد آزاری کے مضمون پر تمہید اٹھائی ہے - تاہم اس کی تہ میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور مضمر ہے - محمود کے بڑے بھائی نے نحو کے فن کو نہایت محنت سے حاصل کیا - (ج ۲ ص ۳۲۱) ' ثعالبی کی تاریخ کے مقدمے سے پتہ چلتا ہے - کہ محمود اعلیٰ تعلیم کا حامی تھا - اسکا چھوٹا بھائی اسمٰعیل نظم و نثر میں صاحب تصنیف ہوا ہے بیان ہے - کہ وہ جمعے کے دن مسجد میں خطبہ کہا کرتا تھا (ابن الاثیر ج ۹ ص ۹۳ ، محمود نے اپنے بیٹوں

کے کارناموں پر کیا فخر ہوسکتا تھا - جن میں شرافت نسبی متوارث تھی اور جنکے حقوقِ شہنشاہی جائز تھے - اور پھر خصوصاً جبکہ ترکوں پر انکی فتوحات ان کا سرمایۂ افتخار تھا ؟ اگر ایرانیوں کا قومی احساس جس کا شاہنامے میں اسقدر شدّ و مدّ کے ساتھ اظہار کیا گیا ہے - اس زمانے میں کوئی سیاسی قوت ہوسکتا تھا - تو پھر یہ تو الٹا اسکی ملکی اغراض کے لئے مضر ہونا چاہیئے - وہ جانتا تھا کہ آلِ بویہ جو نسلاً ایرانی ہیں - اور جنکے قبضے میں پہلے ہی سے آدھا ایران ہے وراثتِ کیانی کے مجھ سے زیادہ حقدار ہیں - یہ قیاس کہ محمود جیسے باجبروت بادشاہ کو (ایک بے قوت برائے نام) خلیفہ کے خلاف ایرانیوں کی قومی ہمدردی اور امداد حاصل کرنے کی حاجت تھی محض بے بنیاد ہے ساتھ ہی اسبات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے - کہ شاہنامے کی غیر دیندارانہ لے محمود کی متشرع اور کٹر مذہبی طبیعت کے لئے ہرگز خوش آیند نہیں ہوسکتی تھی - اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اُسنے اپنے مذہبی تعصب کا نشانہ زرتشتیوں کو اسقدر نہیں بنایا جتناکہ مسلمان ملحدوں کو[۱] -

ہمارے ضعیف العمر شاعر نے مختلف مقامات پر ناداری اور رؤسا و امرا

---

[۱] اُسنے نہ صرف رافضیوں اور خصوصاً اسماعیلیوں کو ایذا دی (عتبی ج ۲ ص ۳۲۰) بلکہ معتزلہ کو (ایضاً ج ۲ ص ۳۸) - اور نیز ان لوگوں کو جو خدا کو مجسم مانتے ہیں (ایضاً ص ۳۱۲ ببعد ابن الاثیر ج ۹ ص ۲۶۷) ' فلاسفہ اور معتزلہ کی کتابیں اسنے جلوا دیں (ابن الاثیر مقام مذکور) باطنیوں کو اسنے قتل کروایا یہاں تک کہ خلیفہ فاطمی الحاکم کے سفیر کو بھی اس کے باطنی ہونے کی وجہ سے مروا دیا - (عتبی ج ۲ ص ۲۴۰) ' فاطمیوں کے ایلچی تو اس میں شک نہیں کہ واقعی خطرے کا باعث ہوتے تھے +

کی طرف سے بے اعتنائی کی نہایت تلخی سے شکایت کی ہے۔ اسکے اشعار کو سنکر وہ "احسنت،" تو ضرور کہہ دیتے ہیں۔ لیکن اسکی عرق ریزی کا صلہ کوئی نہیں دیتا ؎

جز احسنت از ایشان نبد بہرہ ام بگفت اندر احسنتشان زہرہ ام
سر بدرہای کہن بستہ شد وزان بند روشن دلم خستہ شد

ان میں سے بعض مقامات تو ممکن ہے کہ شروع شروع کے لکھے ہوئے ہوں مگر یہ کہ وہ سلطان کی فیاضی کی ہمیشہ تعریف کرتا ہے لیکن کہیں یہ نہیں کہتا۔ کہ اس فیاضی سے وہ خود بھی بہرہ اندوز ہوا۔ نیز یہ کہ وہ سلطان کا کسی جگہ شکریہ ادا نہیں کرتا اس سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ محمود نے اسکی طرف کبھی التفات کی نظر نہیں ڈالی۔ اُسنے شاہان قدیم خصوصاً کسریٰ (خسرو اوّل) کی جود و سخا کو بڑھا چڑھا کر دکھلایا۔ کہ شاید سلطان اس صریح اشارے کو سمجھے۔ لیکن اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر میں اس نے یہ بھی جتایا کہ حاسدوں نے بادشاہ کی طبیعت کو میری طرف سے برگشتہ کر دیا ہے۔ جسکی وجہ سے اس نے میری نظم کی طرف نگاہ نہیں کی ؎

چنین شہریاری و بخشندۂ بگیتی ز شاہان درخشندۂ
نکرد اندرین داستانہا نگاہ ز بدگوی و بخت بد آمد گناہ
حسد برد بدگوی در کار من تبہ شد بر شاہ بازار من

(ص ۵۸۸ س ۱۳)

نکردی درین نامۂ من نگاہ بگفتار بدگوی گشتی ز راہ

(ہجو سلطان محمود، ص ۱۴ س ۱۶)، وزیر اعظم فضل بن احمد[1] کی مدح میں اس نے جو

---

[1] اسی فضل بن احمد نے یہ اہتمام کیا تھا کہ شاہی مکاتیب (بجائے عربی کے) فارسی میں لکھے جایا کریں۔ جسکو عتبی نے غیر مہذب دستور قرار دیا ہے۔ (ج ۲ ص ۱۷۰)، منشور ہے کہ ایسا آدمی فارسی ادب کا بھی ذاق رکھتا ہو

اشعار لکھے ہیں - ان سے بھی یہ واضح نہیں ہوتا - کہ آیا اُسنے فردوسی کی دلدہی اور توجہ کے ساتھ امداد کی یا نہیں ؎

کجا فرش را مسند و مرقدست　　نشستنگہ فضل بن احمدست
نبد خسروانرا چنان کدخدای　　بہ پرہیز و داد و بدین و برای
کہ آرام این پادشاہی بدوست　　کہ او بر سر نامداران نکوست
کشادہ زبان و دل و پاک دست　　پرستندۂ شاہ و یزدان پرست
ز دستور فرزانۂ دادگر　　پراگندہ رنج من آمد بسر

(ص ۲۷۸ س ۲۳-۲۵)' اور جو مدحیہ اشعار اُسنے امیر ابوالمظفر نصر (یعنی سلطان کا بھائی جو ہمیشہ اس کا وفادار مددگار رہا[۵]) کی شان میں لکھے تھے - ان سے بھی کوئی صدائے بازگشت پیدا نہ ہوئی ؎

بہاندار و سالار او میر نصر　　کزو شادمانست گردندہ عصر
سپہدار چون بوالمظفر بود　　سر لشکر از ماہ بر تر بود

الخ (ص ۴۱۰ س ۲۸ - ۲۹)'

کہا جاتا ہے کہ انجام کار شاعر کو سلطان کی طرف سے عطیہ ملا لیکن بجائے اس کے کہ اسکی امید کے مطابق زندگی بھر کا سامان کر دیا جاتا ایک ایسی حقیر سی رقم اس

(بقیہ حاشیہ صد[۱۹]) اس کے مشہور و معروف جانشین خواجہ حسن میمندی نے عربی کو دوبارہ جاری کر دیا (ایضاً ص ۱۷۱)' یہ جو کہا گیا ہے کہ فضل بن احمد نے اپنے عہد وزارت میں ملک کو مفلس کر دیا - (عتبی ج ۲ ص ۱۶۰) یہ الزام اسپر اس وقت لگایا گیا تھا - جبکہ وہ ۴۰۱ھ میں معزول ہو کر ۴۰۳ھ میں قتل کیا جا چکا تھا - عتبی ج ۲ ص ۱۶۱) لہذا ایسا الزام اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی شہادت نہیں ہو سکتا -

(حاشیہ [۵]) عتبی میں جا بجا اسکی شہادت ملتی ہے

کو دی گئی۔ کہ اس نے اپنی بے وقری کو شدت سے محسوس کیا۔ نظامی عروضی (جو اس رقم کو مبالغے کے ساتھ بیس ہزار درہم بتلا رہا ہے) بیان کرتا ہے کہ شاعر نے رنجیدہ ہو کر اس زر نقد کا نصف تو ایک حمامی کو دے دیا۔ اور نصف ایک فقاعی[1] کو۔ دراصل اس حکایت کی ایجاد ہجو کے ان الفاظ سے ہوئی ہے۔ جہاں فردوسی یہ کہتا ہے۔ کہ بادشاہ نے مجھے اس قدر قلیل انعام دیا ہے۔ کہ جس سے بس ایک مرتبہ پینے بھر کی فقاع خریدی جا سکتی ہے ؎

چو سی سال بردم بشہنامہ رنج کہ شاہم ببخشد بپاداش گنج
مرا زین جہان بی نیازی دہد میان یلان سرفرازی دہد
بپاداش گنج مرا در کشاد بمن جز بہای فقاعی نداد
فقاعی بیرزیدم از گنج شاہ ازان من فقاعی خریدم براہ

متاخرین کے ایجاد کردہ افسانوں اور خوش بیانیوں کو مطلق کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی[2]۔

---

[1] فُقّاع (والصحیح 'فقاع' بتشدید القاف، ایک قسم کی نبیذ (جو کی شراب) ہوتی ہے۔ مصنف نے ایک خط میں جو انہوں نے حال میں مجھے لکھا ہے۔ اس مقام پر ایک حاشیے کا اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بمرور زمان یہ افسانہ زیادہ مبالغہ آمیز ہوتا گیا چنانچہ قزوینی نے آثار البلاد (ص ۲۷۹) میں لکھا ہے کہ فردوسی کو غصہ اس بات پر آیا کہ اس سے وعدہ تو یہ کیا گیا تھا کہ ایک ہاتھی کے بوجھ بھر سونا اسکو دیا جائیگا۔ لیکن بجائے اسکے چاندی دی گئی۔ اسی پر برہم ہو کر اسنے یہ سارا روپیہ فقاعی کو دے دیا۔ ۱۲ مترجم [2] ان افسانوں کے اندر محمود کے مصاحبوں میں سے دو مشہور ترین شخص یکجا لائے گئے ہیں۔ ایک تو اس کا محبوب ایاز اور دوسرے اس کا وزیر حسن میمندی، موخر الذکر جیسا کہ اوپر بیان ہوا ۱۰۱۰ء میں عہدۂ وزارت پر آیا۔ اور غالباً اس سے پیشتر ہی فردوسی اور سلطان میں ناچاقی ہو چکی تھی۔ اکثر کے نزدیک تو وہ فردوسی کا مخالف ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک اس کا مربی ہے +

تاہم یہ بہت ممکن ہے ۔ کہ سلطان کے کانوں تک یہ بات پہنچی ہو کہ شاعر نے شاہی عطیے پر حقارت کا اظہار کیا ہے ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حاسدوں اور مخالفین نے (جنکا وہ اکثر اشارۃً کنایۃً ذکر کرتا رہتا ہے) نہ صرف ایسی تدبیریں کی ہوں کہ وہ سلطان کا موردِ عنایات نہ بن سکے ۔ بلکہ اس کی طرف سے مبالغہ آمیز بے ادبانہ کلام بھی اسکے سامنے پیش کیا ہو ۔ اور اسی سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ کیوں سلطان نے اسکو ہاتھیوں کے پاؤں تلے کچلوا دینے کی دھمکی دی تھی ۔ جیسا کہ اس نے خود بھی ہجو کے اندر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے [۵]

مرا سہم دادی کہ در پای پیل   تنت را بسایم چو دریای نیل

یہی موقع ہوگا ۔ جب کہ فردوسی کو ملحد قرار دیا گیا ہوگا ۔ بلکہ ہمیں تو اس میں بھی تعجب نہیں ۔ کہ سلطان کی ناراضگی سے پہلے ہی لوگوں نے اس پر الحاد کا الزام لگا کر (اور یہ الزام کچھ ایسا بے بنیاد بھی نہ تھا[۹]) اسکو بری روشنی میں دکھلانا چاہا ہو +

محمد اقبال

---

[۵] دیکھو آگے آرٹیکل ۲۵ +

ہندوؤں کا فارسی لٹریچر

از

(عہد جہانگیری ۱۰۱۴ھ تا جلوس فرخ سیر ۱۱۲۴ھ)

اس باب میں ان ہندو فضلا کا ذکر ہوگا ۔ جو ۱۰۱۴ھ سے لے کر ۱۱۲۴ھ تک مشہور ہوئے ۔ یعنی نور الدین جہانگیر کی تخت نشینی سے لے کر عہد فرخ سیر تک ہندوؤں نے اس عہد میں باقاعدہ کار آمد اور عمدہ لٹریچر پیدا کیا ۔ اور علم و فضل کی تقریباً تمام شاخوں میں نام پیدا کیا ۔ لیکن ان علما و فضلا کے تفصیلی ذکر اور انکے تحلیلی و تنقیدی مطالعہ سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ کہ سرسری طور پر اس لٹریچر کے پیدا ہونے کی خاص وجوہات اور اس ماحول کا ذکر کیا جائے ۔ جس میں یہ لٹریچر پیدا ہو ۔

جہانگیر کی حکمت عملی نورالدین جہانگیر اگرچہ اپنے نامور باپ سے ذہنی طور پر کم درجے پر تھا ۔ تاہم اس کی طبیعت میں علمی مذاق موجود تھا ۔ ہندوؤں کے ساتھ اس کی رواداری اور بے تعصبی اپنے باپ سے کسی طرح کم نہ تھی ۔ اس نے ہندوؤں کو اپنے عہد حکومت میں ذمہ دار عہدے دئے ۔ اور نہایت مشکل اور اہم ذمہ داریاں ان کے سپرد کیں ۔

رائے منسور جہانگیری عہد میں دیوان کے منصب پر فائز تھا ۔ اس زمانہ کی تاریخوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ جہانگیر نے سیاسی اور تعلیمی حکمت عملی کے نفاذ [illegible]

(۲) اس کے عہد میں بعض بڑے بڑے مندر مثلاً متھرا میں مسلمان نہ بنائے
گوبند دیوی کا مندر، تعمیر ہوئے۔ جہانگیر ہندوؤں کی اکثر تقاریب میں بنفس نفیس
شامل ہوتا تھا۔ دیوالی کے تیوہار پر باقاعدہ دربار منعقد کرتا تھا۔ (۳) شوراتری
پر ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں کو بلاتا۔ سلونو کے موقعہ پر اپنے ہاتھ پر ہندوؤں
کی طرح راکھی باندھتا تھا۔

(۴) بادشاہ کو جوتک رائے منجم کے فیصلوں میں بہت اعتقاد تھا۔ چنانچہ
یہ منجم کئی دفعہ سونے کے ساتھ تولا گیا۔ راجہ سورج سنگھ نے ایک دفعہ ایک
ہندو شاعر کو دربار میں پیش کیا۔ جسنے ایک ہندی نظم پڑھی بادشاہ اس نظم سے
اس قدر محظوظ ہوا۔ کہ اس نے شاعر کو ایک ہاتھی بخش دیا

(۵) جہانگیر تزک میں جادروپ سنیاسی کی ملاقات کا واقعہ خود بیان کرتا ہے۔
یہ ملاقات پورے چھ گھنٹے تک ممتد رہی۔ جہانگیر اس سنیاسی کے فضل و کمال
اس کی خدا رسی اور دانش مندی کا بہت معترف تھا۔ چنانچہ کہتا ہے:۔

"طریق زیست و زندگانی او بریں نہج است کہ نوشتہ شد۔ خواہان
ملاقات مردم نیست لیکن چوں شہرت تمام یافتہ مردم بدیدن او مے
روند۔ خالی از دانش نیست۔ علم بیدانت را کہ علم تصوف باشد
خوب ورزیدہ ...... سخنان خوب مذکور ساخت چنانچہ خیلے در
من اثر کرد.... الخ"

(۶) اسی طرح تزک میں رودر بھٹا چارج کی ملاقات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔
جسکی علمیت اور فضیلت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"دریں ایام رودر بھٹا چارج نام برہمنے کہ از دانشوران این گروہ مطالب
عقلی و نقلی را خوب ورزیدہ و در فن خود تمام است الخ"

لالۂ باغت که رُخ افروختست — بادِ صبا گفت که دل سوختست
چشم و چراغ تو اگر نرگس است — او ببصر نیز چو من مفلس است
میوۂ باغت که چو شکر شده است — گر همه قند است مکرّر شده است
دیده خسرو بر طرف باغ تو — بر دل لاله اثر داغ تو
بید که در کسوت سنجاب رفت — دوش ز بی برگی از و تاب رفت
گل که بود غالیه در دامنش — خرقه بصد پاره بود بر تنش
سرو که آزادۂ این مجلس است — گر بحقیقت نگری مفلس است
من که دم از پاک دلی می زنم — هم بی آلوده شود دامنم
می بمن خام ده ای می فروش — تا کندم پخته می نیم جوش
چنگ بساز ای صنم دل نواز — تا شود از ساز تو کارم بساز
زر که بود تاج سر خسروان — تخت نشینان زپی او دوان
کارگذاری صفت خاص او — در دل و جان همه اخلاص او
مملکت عزتش ارزانی است — زانکه برو سکۂ سلطانی است
کهنه و نو خاستگانش غلام — صامت و با پیر و جوان در کلام
زیور ماهی که عروسش کنند — تحفۂ طفلی که فلوسش کنند
افسر کسری و نگین جم اوست — این همه خود سهل بود خاتم اوست
تا کتفش غالیه آگین شده ست — تکیه زن سینۂ سیمین شده ست
مفتخر صاحب دیوان بوده است — بارکش بند خسان بوده است
با همه عزت برسد خواریش — بخت نویسد خط بیزاریش
دم بدمش سوز و گدازی رسد — رنج دلش از لب گازی رسد
عاقبة الامر لئیمان دور — زیر زمین دفن کنندش بجور

کار زر اکنون که بزاری رسید | دل بسر باده گساری رسید
ساقی اگر نی برسیدست خیز | تنگ شکر در عرق بید ریز
مطرب اگر چنگ تو بی ساز ماند | از نفس نی نتوان باز ماند
ای فلک از دست تو سرگشته ام | چون تو در آفاق سمر گشته ام
هیچ غم سوخته حالیت نیست | وز ستم و جور ملالیت نیست
گنج نمائی و طلسمی همه | هیچ مسمّی نه و اسمی همه
آه که دورت بتسلسل کشید | وز تو بهر خانه تزلزل رسید
ماه تو هر ماه رود در وبال | مهر تو هر روز پذیرد زوال
بر من بیچاره جفا میکنی | این همه بیداد چرا میکنی
بس که ز زخم تو بلا دیده ام | خون جگر می چکد از دیده ام
نالهٔ زارم بثریا رسید | وز مژه ام سیل بدریا رسید
آتش محنت جگرم سوخته است | وز همه عالم نظرم دوخته است
مرهم این ریش ندارد دلم | طاقة ازین بیش ندارد دلم
ای فلک از دست شدم الامان | چند خورم غصّه ز دور زمان
جور تو اکنون بنهایة رسید | طاقة ما نیز بغایة رسید
از دل ما غم نبرد جز شراب | کآتش سوزنده نشیند بآب
کو قدحی ساقی از آن آب مشک | تا شودم تر لب خاکی خشک
با نفس نی که بآواز زیر | غم شود از خاطر من گوشه گیر
گل که چمن منزل عشاق اوست | عطرها جزوی از اوراق اوست
غنچهٔ او حقهٔ از عطر و طیب | مطرب شیرین نفس عندلیب
از رخ چون شمع بر افروخته | خرمن مرغان سحر سوخته

مست نوازی دفته خاص او　　در دل بلبل همه اخلاص او
بین دل سوخته را شب چراغ　　مجمرهٔ بزم [عروسا]ن باغ
خاص پسندیش مقرر شده　　عام فریبیش مکرر شده
دل بر نازک تن با رنگ و بوی　　ابوه گر با غنچه و طرف جوی
مجلس شاه از نفسش پر عبیر　　غالیه بو کرده مقام فقیر
شاهد خو[ی] کردهٔ زر در دهن　　عشوه گر چاک[1] درخشنده زن
بی رخ او تشنتی جام می　　بی نفسش سوختنی چنگ و نی
آخر کارش شود آتش مقام　　آب حیاتش بچکد از مشام
من که شدم واقف احوال گل　　دست ندارم دگر از جام مُل
ساقی گل رخ می رخشان بیار　　شربتی از چشمهٔ حیوان بیار
مطرب خوش گوی سرودی بزن　　بنده نوازی کن و رودی بزن
هر که گلی داد بدستش جهان　　بر ره او خار نهد در زمان
تاج کیان بی در و یاقوت ازوست　　تخت شهان تختهٔ تابوت ازوست
یک دل بی غصه در آفاق نیست　　در بود از حلقهٔ عشاق نیست
دیده کزو خون نه چکید است کو　　دل که زغم رنج ندید است کو
گفت درین ره خردم یک سخن　　خیمه زدی میخ مکن کوچ کن
در چمن ار باد بهاری بزید　　ساز کن آتش که زمستان رسید
آذر بهمن چو بر افروختی　　برگ تموز ار نکنی سوختی
شکر که غم هر نفسی زین رباط　　رخت اقامت ببرد چون نشاط
شاد بر آنیم که شادی و غم　　روی ندارند مگر در عدم

---

[1] جام ؟

میگذرد را [حت] دوران و رنج زانکه نه افلاس بماند نه گنج
هست امیدم که چو شادی گذشت غم کند آهنگ ره بازگشت
غم ز دل ما می صافی برد کیست که ما را قدحی می دهد
ساقی از انوار می دل فروز روشنیٔ ده شب ما را چو روز
مطرب از آواز دل آویز چنگ غم ببر از خاطر ما بی درنگ
خامه که شد صاحب راز وزیر باز سر فخر نهد بر حریر
صامت و ناطق صفت خاص اوست گنج گهر پیکر غواص اوست
رومی و هست آبخور او حبش مصری و نیلش بنشاند عطش
دفتر ایام پر از گفته اش درج زمان پر گهر سفته اش
راز دل من ز زبانش شنو سر ضمیرم ز بیانش شنو
هست خضر و آب حیاتش کلام طبع من الیاس و دواتش ظلام
مرسله اش گوهر بحر ضمیر زمزمه اش نالهٔ زیر صریر
عقد لآلی ز دواتش کشود چشمهٔ خضر از ظلماتش کشود
در دهن نافه زبان می کند خوش نفسی حاصل از آن می کند
اوست کدوری که ز دود چراغ هست چو دیوانه سیاهش دماغ
دست دبیرش چو زبان می برید از لبش این بیت دلم می شنید
ساقی ازان بادهٔ مجلس فروز تیره شب غصه ام آور بروز
مطرب ازان نغمهٔ غمگین نواز چارهٔ این بی دل غمگین بساز
جور ز حد می بری ای روزگار خون دلم می خوری ای روزگار
آه ازین جمع پریشان تو وین ستم آباد [چو] زندان تو
با که نشینم که ظریفی نماند با که خورم می که حریفی نماند

چند بود عشوه گری پیشه ات — آه که خون شد دل از اندیشه ات
جور ز حد رفت و جفا از حبیب — بیش ندارد دل غمگین شکیب
بدگهر گنبد پیروزه رنگ — بر من آشفته جهان کرد تنگ
طرفه نگر کز اثر دور خور — شام بود حالی و حالی سحر
هر در و دیوار که در عالم است — یک طرفش سور و یکی ماتم است
آهوی چینش که زند لاف مشک — نافهٔ او قطرهٔ خونیست خشک
گوهر بحرش که نماید خوشاب — تازه فتادست ز چشم سحاب
طبعم ازین وضع بجان آمده — خسته دلم زآن بفغان آمده
کار من از باده گشاید مگر — زانکه ز من زهد نیاید دگر
ساقی مجلس قدحی می بده — دور کمن رطل پیاپی بده
مطرب عشاق بزن نوبتی — تا کنم از توبه ز نو توبتی
نی که شکر بود در آغوش وی — رقص کنان شخص قصب پوش وی
بر لب آبش چو صنوبر مقام — بر کتفش کسوهٔ زنگار فام
باد بلا از بن بیخش بکند — جور فلک بر سر سیخش فگند
شد ز گلش برگ و نوا میزند — نالهٔ از باد هوا میزند
پای سر او چو قلم کرده اند — همدم او اهل ندم کرده اند
با لب خوبان نفسی میزند — نالهٔ دلسوز بسی میزند
گرچه ز سر تا بقدم دیده است — کافرم ار کار ولی دیده است
هر نفسی می کشد از سینه آه — تیره کند آینهٔ مهر و ماه
رفت برون عیسی شکر ز مهد — خانهٔ شده جای ششهد[1]

---

[1] کذا

صوفی دل نالهٔ زارش شنید　　خرقه در افگند و گریبان درید
جامهٔ تلبیس بجامی فروخت　　دانه خرید آخر و دامی فروخت
ساقی ازان صافی صوفی فریب　　بیش نماند اهل صفا را شکیب
مطرب ازان لهجهٔ شیرین ادا　　چند صبوری کند این بی نوا
فصل بهار است ببستان رویم　　وز پی بلبل بگلستان رویم
جامهٔ غم از سر دل برکشیم　　جام می روح فزا در کشیم
باده ز خمخانه فروشی زنم　　مست شوم چون خم و جوشی زنم
موسم نوروز زمانی خوش است　　گوشهٔ گلزار مکانی خوش است
کرده حکایة ز نعیم بهشت　　رنگ می و بوی گل و طرف کشت
صحن چمن پر ورق سیم شد　　وز زر شنگرف چو تقویم شد
طرف چمن لالهٔ نعمان گرفت　　گل ز هوا لؤلؤ عمان گرفت
باغ ز اشجار پر از کاخهاست　　سبزه در هر سایهٔ شاخهاست
آهوی چین برگ ریاحین خورد　　بر ورق سنبل مشکین چرد
بر صفحات گل عنبر سرشت　　خامهٔ صنع آیة قدرة نبشت
بلبل دل بوی گلستان شنید　　مرغ صفة در قفس تن طپید
جلوه کنان بر سر کوی مراد　　باده ز ساقی بطلب چون عماد
ساقی مجلس می گل رنگ کو　　صیقل دل بادهٔ چون زنگ کو
مطرب خوش نغمه نوایت کجاست　　زمزمهٔ روح فزایت کجاست

فصل دوم

در مواعظ و آن مشتمل است بر صد پند

پند نخستین که کم آزاری است　　اول بنیاد نکوکاری است

ای کنم

هرکه کم آزار ملک شیمه است — نفع رسان است که با قیمه است

هرچه نه ارکان مسلمانی است — وآنچه درو نکتهٔ ایمانی است

جمله بجا آر مقصّر مباش — تا بنکوئی شوی ای خواجه فاش

طالب دین باش اگرت هست رای — تا دهد از ملک نصیبت خدای

هرکه رود در پی دین کامل است — وآنکه نه دیندار بود جاهل است

گر طلبی دولت حسن الثواب — روی دل از بندگی حق متاب

بندهٔ آزاد عبادة کند — در شب و در روز زیادة کند

راه کرم رو که بجائی رسی — برگ چو سازی بنوائی رسی

رسم کرم قاعدهٔ انبیاست — هرکه ندارد کرم از اشقیاست

تا بمروة کندت عقل فاش — تیغ بنه روی بتاب از تراش

اهل دل آنست که گیرد وداد — این سخن از اهل دلان دار یاد

با علما گر بودت حسن ظن — خلق تو شک نیست که باشد حسن

گر تو ندامت بری از خود بری — تاکه بدین زمره گمان بد بری

حرز دعا دولة بی منتهاست — دولتی است آنک کثیر الدعاست

سر مکش از دعوة اگر مفلسی — تاکس او باشی اگر بی کسی

همّة از ارباب صفا می طلب — خاطری از اهل خدا می طلب

گر نتوان تخم عمل کاشتن — دست ز خواهش نتوان داشتن

مرگ فراموش مکن ساعتی — تا نرود عمر تو بی طاعتی

قصهٔ بی فائده کوتاه کن — یاد قدوم تو علی الله کن

صبر کن ای دل که صبوری خوش است — ور غم بی فائده دوری خوش است

شربة صبر ارچه مرارة نماست — چون شکرش نوش که عین دواست

کار خود ای دل بخدا کن رها — گرچه بود در پی تو اژدها
در بر وی با سببی در گرفت — دل ز مسبب نتوان بر گرفت
گر تو نداری بقضائی رضا — راضی از افعال تو نبود خدا
هر که رضائی بقضا می دهد — سر بهمه حکم قضا می نهد
گر تو محاسب نشوی خویش را — شاد کنی خصم بد اندیش را
شام و صباح آنچه کنی باز بین — زانکه جزا می رسد از مهر و کین
کار میفگن نفسی باز پس — غافل و ضائع منشین یک نفس
کار کز امروز بفردا فتاد — کار تو فردا برود هم بباد
گرچه نشاید بجز از راست گفت — واعظ ما چون سخن آراست گفت
فرض نباشد که تو حال معاش — راست کنی پیش همه خلق فاش
گر ز تو صد نقل جنایت کنند — به که دروغ از تو روایت کنند
آنکه پذیرفتهٔ اهل صفاست — لب نگشاید ز هم الا براست
تا نکنی جور و ستم زینهار — گرچه قوی دستی و مردم نزار
هر که بموری رسد از وی جفا — قیمت عالم دهد او را جزا
تا نکنی فکر زبان بسته دار — گوش بقول من دل خسته دار
بر سخن گفته ترا دست نیست — ور تو بدانی که ترا هست نیست
جانب حق در همه کاری بگیر — زانچه نه حق است کناری بگیر
هر که کند جانب حق اختیار — چرخ مطیعش شود و بخت یار

(محمد اقبال)

قوم اتنی جابری مسلمانوں کے طریق ادا، ان کے خیالات، انکی تعلیم، ان کے طرز بیان سے کلی طور پر واقف ہو گئی - حالانکہ اسے مذہبی طور پر ان علوم کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہ تھا - اس صورت حال سے ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے - کہ ہندوؤں کے اندر زمانہ شناسی کا زبردست ملکہ موجود ہے - انکو معلوم ہے کہ ماحول کے ساتھ تطابق سے کتنی برکات کا نزول ہوتا ہے - اور زمانے کی روش کا مقابلہ کرنا کس حد تک مذموم ہے -

ثانیاً ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے - کہ مغل بادشاہوں نے ان ہندو مصنفین کی ہمیشہ قدر افزائی کی - چہار چمن میں چندر بھان برہمن شاہ جہان کی ان عنایات کا تفصیل سے تذکرہ کرتا ہے - جو وقتاً فوقتاً صادر ہوتی رہیں، ولی رام برہمن اور دوسرے ہندوؤں کے ساتھ دارا شکوہ کی فیاضیوں کا تذکرہ بھی کتابوں میں ملتا ہے - یہ مصنف عموماً بادشاہوں کی ملازمت میں ہوتے تھے - جہاں انہیں اپنی تاریخی تصنیفات و تالیفات کے لئے اچھا خاصہ مواد مل سکتا تھا - نیز یہ لوگ چونکہ اکثر واقعات کے عینی شاہد ہوتے تھے - اس لئے ان کی تاریخوں کو جو اعتبار اور صحت حاصل ہو سکتی ہے - اس سے دوسرے لوگ کہاں بہرہ یاب ہو سکتے ہیں - اس زمانے میں جو تاریخی کتابیں لکھی گئی ہیں - ان سے پروفیسر جادو ناتھ سرکار وغیرہ مصنفین عہد حاضر نے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے - شاعری میں اگرچہ ایک دو زبردست شاعر ہوئے ہیں لیکن باقی شعراء میں سے جن کا ذکر آئندہ ابواب میں ہوگا - معدودے چند ہی ان کے شاعرانہ کمال کا مقابلہ کر سکتے ہیں - اس زمانے میں انشا کی کتابیں نہ صرف بلحاظ انشا بلکہ باعتبار تاریخی کتب کے بہت شہرت رکھتی ہیں - ان اشارات کے ساتھ ہم اس زمانے کے لٹریچر کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں - ہم ہر مضمون کی کتابوں کو علیحدہ علیحدہ گنائیں گے - اور

پھران میں سے جو زیادہ کارآمد اور مشہور ہوں گی ۔ انکا تذکرہ زیادہ شرح و بسط کے ساتھ کیا جائے گا ۔ کتابوں کی ترتیب زمانی کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے

کتب تاریخ

(۱) چہار چمن[1] مصنفہ چندر بھان برہمن (۱۰۶۸ھ) یہ کتاب اگرچہ ایک قسم کی انشا ہے ۔ لیکن بحیثیت تاریخ کے بھی بہت اہمیت رکھتی ہے ۔ جادو ناتھ سرکار نے اسے شاہجہان کی تاریخ میں استعمال کیا ہے ۔ اس کتاب میں مصنف نے اپنے تفصیلی حالات قلمبند کئے ہیں ۔ شاہجہان اور اورنگ زیب کے امرا و وزرا کے حالات بھی ہیں ۔ آخر میں کچھ خطوط بھی ہیں ۔ جن میں سے بیشتر منشآت میں بھی موجود ہیں ۔ ملا قوسی نے چہار چمن کے متعلق کہا تھا ؎

چار چمن ساختہ برہمن ۔۔۔ مے زند از عالم دیگر سخن

(۲) راجاولی مصنفہ بنوالی داس ولی[2] دارا شکوہی (۱۰۶۰ھ) ۔ یہ رسالہ صرف ہندو راجایان قدیم کے حالات پر مشتمل ہے ۔ اور کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا

(۳) شاہجہان نامہ مصنفہ بھگونت داس[3] بندۂ درگاہ ۔ یہ رسالہ شاہجہان کے زمانے میں لکھا گیا ۔ جو ۴۵ منظومہ پر مشتمل ہے ۔ مغلیہ خاندان کا آدم علیہ السلام

---

[1] ریو ۔ ج ۳ ۔ ص ۹۲۵ برہمن کے ۔۔ ل حالات اورینٹل کالج میگزین میں پہلے شایع ہوچکے ہیں ۔

[2] ولی کے حالات کے لئے دیکھو تذکرہ حسینی (قلمی) ورق ۲۹۳ ۔ گلزار حال کا دیباچہ ۔ گل رعنا (بانکی پور) ورق ۲۸۴ ۔ روز روشن ۶۹۸ : راجاولی کے لئے دیکھو ۔ ریو ج ۳ ص ۹۱۶ : خلاصتہ التواریخ صفر ۷ ،

[3] پنجاب پبلک لائبریری میں اس کا ایک نسخہ ہے ۔

سے لے کر شاہجہان کی تخت نشینی تک کا حال دیا گیا ہے۔ تاریخ کے اعتبار سے چنداں اہم نہیں۔

(۴) **گوالیار نامہ**[۵۱] مصنفہ منشی ہیرامن ولد گردہر داس (۱۰۷۸ھ)۔ ہیرامن معتمد خاں گورنر گوالیار کا منشی تھا۔ یہ ابتدائے تعمیر سے لے کر معتمد خاں کی گورنری تک کی تاریخ ہے۔ کتاب زیادہ تر جلال حصاری کی اسی نام کی ایک کتاب پر مبنی ہے۔ بلکہ اس سے ماخوذ ہے۔ اور سوائے معتمد خان کے عہد نظامت کے حالات کے اسکو خاص اہمیت حاصل نہیں۔

(۵) **لب التواریخ** مصنفہ بندرابن داس بہادر شاہی (۱۱۰۱ھ تا ۱۱۰۵ھ)

(۶) **خلاصۃ التواریخ** مصنفہ سجان رائے بٹالوی (۱۱۰۷ھ)

(۷) **فتوحات عالمگیری**[۵۲] مصنفہ ایشر داس ناگر (تقریباً ۱۱۰۹ھ) ایشر داس ناگر پٹن ضلع گجرات کا باشندہ تھا۔ وہ پہلے قاضی عبدالوہاب قاضی لشکر کی ملازمت میں رہا۔ زاں بعد شجاعت خان عامل گجرات کے متصدیوں میں شامل ہو گیا۔ کتاب چار سوانح پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر جی۔ برڈ نے تاریخ گجرات کی ترتیب میں اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ جادو ناتھ سرکار نے بھی تاریخ اورنگ زیب میں اس سے مدد لی ہے۔ یہ کتاب مالوہ اور راجپوتانہ کے حالات کے متعلق مستند ہے۔ لیکن شمالی ہندوستان کے حالات میں اس سے غلطی سرزد ہوتی ہے۔ یہ کتاب ایشر داس کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔

(۸) **اعظم الحرب**[۵۳] مصنفہ کامراج (۱۱۲۰ھ) یہ محمد اعظم شاہ کی تاریخ ہے

---

[۵۱] ریو۔ ج ۱، ص ۳۰۳۔ معارف ۱۹۱۸، [۵۲] ریو۔ ج ۱۔ ص ۲۶۹۔ معارف ۱۹۱۸۔ سرکار۔ تاریخ اورنگ زیب۔ ج ۱، دیباچہ۔ ج ۲۔ ص ۳۰۵، [۵۳] ریو۔ ج ۳۔ ص ۹۳۲،

مصنف محمد اعظم کا ملازم تھا۔ اور یہ تاریخ ان عنایات کے صلے میں لکھی گئی ہے۔ جو مصنف کے ساتھ شہزادہ موصوف نے کیں +

(۹) **عبرت نامہ** - مصنفہ کامراج[1] (۱۱۳۱ھ) یہ کتاب پہلی کی نسبت زیادہ ضخیم ہے۔ اور ۱۱۱۸ھ سے لے کر ۱۱۳۱ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے۔

(۱۰) **منتخب التواریخ** مصنفہ جگجیون داس[2] (۱۱۲۰ھ) یہ جگجیون داس ولد منوہرداس ساکن گجرات تھا۔ اور ڈاک کا مہتمم تھا۔ ۱۱۱۹ھ میں محمد معظم نے اسے وقائع نگار مقرر کیا۔

(۱۱) **دلکشا** مصنفہ بھیم سین (۱۱۲۰ھ)

(۱۲) **تاریخ کشمیر** مصنفہ نرائن کول عاجز (۱۱۲۲ھ)

(۱۳) **تاریخ مرہٹہ** مصنفہ دہونکل سنگھ منشی[3] (۱۲۱۱ھ) مصنف رنجیت سنگھ جاٹ والئے بھرتپور کا ملازم تھا۔ یہ ۱۸۰۳ء سے لے کر ۱۸۰۵ء تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ ان جنگوں میں رنجیت سنگھ جاٹ نے جو کارہائے نمایاں کئے ہیں انکا تذکرہ بہت مفصل ہے۔

یہ اس عہد کی تاریخی کتابوں کی مکمل فہرست ہے۔ ان میں سے ہم خلاصۃ التواریخ (نمبر ۵)۔ لب التواریخ (نمبر ۶) - تاریخ دلکشا (نمبر ۱۱) اور تاریخ کشمیر نرائن کول عاجز (نمبر ۱۲) کا ذکر قدرے تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں۔

لُبّ التواریخ ہند - لب التواریخ ہند کا مصنف بندرابن داس ولد نے

---

[1] انڈیا آفس کیٹلاگ عدد ۳۹۱ [2] معارف ۱۹۱۰ [3] ریو - ج ۱ - ص ۲۷۱ ماڈرن ریویو ۱۹۱۹ (جلد ۲۶) - ص ۱۷ : انڈیا آفس - عدد ۴۴۵ ، [4] بندرابن داس اور لب التواریخ کے لئے دیکھو الیٹ ج ۷ - ص ۱۶۸ : ریو ۱ ص ۲۲۸ امرائے ہنود - ص ۱۱ - خافی خاں - ج ۲ - ص ۲۱۱ : ج ۲ ، ص ۳۰۴ ، ۳۲۱ ،

بہارامل تھا - راے بہارامل پہلے پہل شاہ جہان کے معمولی منشیوں میں ملازم ہوا لیکن اس کے بعد اپنی بے نظیر ذہانت دیانت اور قوت عمل سے ترقی کرتے کرتے پنجاب کا دیوان مقرر ہوا - ۲۰ سن جلوس شاہجہانی میں اسکو دوبارہ پائے تخت میں واپس بلا لیا گیا - اور اسکو راے ہزاری ذات کی عزت سے مفتخر کیا گیا - اس سے پہلے وہ شہزادہ دارا شکوہ کے ماتحت دیوان کل کے عہدے پر فائز رہ چکا تھا -

بندرابن داس کا اپنا بیان ہے کہ رائے بہارامل کی وفات کے بعد اورنگ زیب نے اسے رائے کا خطاب دیا - محمد معظم بہادر شاہ کی شاہزادگی کے ایام میں ہمارا مصنف بعہدۂ دیوان کام کرتا تھا - یہی وجہ ہے کہ بندرابن کو عام طور پر بندرابن داس بہادرشاہی کہا جاتا ہے - مصنف کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا - ایلیٹ کا بیان ہے - کہ چونکہ مصنف ایسے حالات اور ایسے ماحول کا تربیت یافتہ تھا - اسلئے قرین قیاس ہے کہ اس کے مرتب کردہ حالات بہت حد تک عینی مشاہدات کا مجموعہ ہونگے

لب التواریخ ہندوستان کی عمومی تاریخ ہے - جو شہاب الدین غوری سے لے کر ۱۱۰۰ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے - مصنف نے اسی سال یہ کتاب ختم کی - بعض اور قرائن کے پیش نظر کتاب کی تاریخ تالیف میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے لیکن ہر صورت میں کتاب کی تاریخ تصنیف ۱۱۰۰ھ اور ۱۱۰۸ھ کے درمیان تسلیم کرنی پڑے گی -

یہ کتاب دس فصول پر منقسم ہے - ہر فصل کئی کئی شعبوں پر مشتمل ہے - ذیل میں کتاب کی سرسری فہرست مضامین پیش کی جاتی ہے -

فصل اول : سلاطین دہلی	فصل دوم (۶ شعبہ) فرمانروایان دکن
" سوم : سلاطین گجرات	" چہارم : فرماں روایان برہانپور
" پنجم : فاروقی سلطنت	" ششم : حکام بنگال

فصل ہفتم : شرقی حکومت جونپور — فصل ہشتم : امرائے سندھ
〃 نہم : فرمانروایان ملتان — 〃 دہم : سلاطین و فرمانروایان کشمیر

بندرا بن داس کتاب کے دیباچے میں لکھتا ہے - کہ سنہ ۱۱۱۱ھ تک اورنگ زیب کی حکومت میں بہت وسعت پیدا ہوگئی تھی - اسلئے ایک نئی تاریخ مرتب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی - لہذا مصنف نے ایک مختصر سا رسالہ لکھنے کا عزم کیا جس میں عہد اورنگ زیب کا حال زیادہ وضاحت اور شرح و بسط کے ساتھ لکھا جاسکے گزشتہ تاریخ کے متعلق مصنف نے زیادہ تر فرشتہ کو پیش نظر رکھا ہے - جو مصنف کا سب سے بڑا ماخذ تھا - لیکن ۱۰۰۰ سے ۱۱۰۰ تک کے حالات ذرا تفصیلی ہیں - کتاب کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بندرابن نے فرشتہ کے علاوہ اکبر نامہ اور جہانگیر نامہ کو بھی استعمال کیا ہے -

خافی خاں منتخب اللبابؒ میں اس تاریخ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے :- کہ

"چون مسموع گردید کہ بندرابن داس بہادر شاہی کہ مدت (مدتی) در ایام بادشاہزادگی متصدی حضرت شاہ عالم بود - تاریخے تالیف نمودہ - در آن سوانح سی و چند سال را باحاطہ بیان در آوردہ است - از استماع آن بغایت مشغوف گشتہ - در بہم رسانیدن آن تاریخ نہایت تفحص بکار برد - بعدہ کہ بسعی بسیار آن نسخہ را بدست آوردہ بامید آنکہ از خرمن اندوختۂ او خوشہ چینی نماید - از روئی غور من اولہ الی آخرہ بمطالعہ در آوردہ نصف آنچہ راقم الحروف جمع ساختہ درین اوراق باحاطۂ بیان در آوردہ بنظر نیامد"

ہمارا خیال ہے کہ صاحب منتخب کی رائے ذرا سخت ہے - کتاب کا پہلا حصّہ جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے - محض فرشتہ کا خلاصہ ہے - لیکن عصری تاریخ میں

لب التواریخ خاصی قدر و قیمت رکھتی ہے ۔ صاحب منتخب جو تقریباً ایک صدی کے فاصلے پر ہے ۔ لب التواریخ کی عینی شہادتوں کے مقابلے میں زیادہ وقعت نہیں رکھتا ۔ ایک اور امر جو خاص طور پر قابل ذکر ہے ۔ وہ یہ ہے ۔ کہ یہ تاریخ ہماری معلومات کے مطابق سب سے پہلی عمومی تاریخ ہے ۔ جو ایک ہندو کے قلم سے نکلی ہے ۔ میجر سکاٹ نے "تاریخ دکن" کی ترتیب میں اس سے بہت فائدہ اٹھایا ہے اور الیٹ اور ڈوسن نے اس کے بعض اقتباسات کے تراجم اپنی تاریخ ہند میں شامل کئے ہیں ۔

بندرابن کا انداز تحریر سادہ ہے ۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ کہ فارسی زبان پر مصنف کو کافی قدرت تھی ۔

خلاصۃ التواریخ ۔ اس تاریخ کا مصنف سجان رائے بٹالوی تھا وہ ذات کا کھتری اور منصدی پیشہ تھا ۔ غالب گمان یہ ہے ۔ کہ ان کے خاندان میں قانونگوئی وراثتاً رائج تھی ۔ مصنف نے اس کتاب میں اپنا نام تک بھی نہیں لکھا ۔ اگرچہ زبان اور بعض اَور قرائن سے یہ معلوم ہو جاتا ہے ۔ کہ مصنف ضرور ایک ہندو ہوگا ۔ سجان رائے کو بعض اوقات غلطی سے سبحان رائے، سحاب رائے، سنجان رائے وغیرہ بھی پڑھ دیتے ہیں ۔

خلاصۃ التواریخ[۵۱] سے جو حالات معلوم ہو سکے ہیں وہ صرف اتنے ہی ہیں ۔ کہ مصنف بٹالہ میں پیدا ہوا ۔ کابل کا سفر کیا ۔ ٹھٹہ اور بیجاپور کی سیر و سیاحت کی ۔ خاندانی پیشہ منشی گری تھا ۔

سجان رائے کی ایک اور تصنیف خلاصۃ المکاتیب[۵۲] سے معلوم ہوا کہ سجان رائے

---

[۵۱] خلاصہ ۔ ص ۱۷ : ۔ ۱۲ ۲۲ : ۳۵ [۵۲] خلاصۃ المکاتیب (قلمی) ۔ ق ۳ ،

کا ایک بیٹا رائے سنگھ تھا۔ مولانا امان اللہ حسینی جو اس عہد کے ایک بڑے فاضل تھے۔ مصنف کے دوست تھے۔ سجان رائے سنہ ۱۱۱۱ھ تک شاہی ملازمت سے مستعفی ہو چکا تھا۔

سجان رائے کی تصانیف صرف دو تک ہی محدود ہیں (۱) خلاصۃ التواریخ (۲) خلاصۃ المکاتیب۔ جو فن انشا و نثر میں ایک مبسوط کتاب ہے۔ اور رائے سنگھ کی خاطر لکھی گئی تھی۔

ہندوؤں کی تمام تاریخوں میں سے صرف خلاصۃ التواریخ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس پر مشرق اور مغرب کے متعدد افاضل نے اپنی توجہ مبذول کی ہے۔ غالباً اس کتاب پر سب سے پہلا مضمون میجر لسناؤ لیز کے قلم سے نکلا اور جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں طبع ہوا۔ (سلسلۂ جدید۔ ج ۳) ایلیٹ نے "ہندوستان کی کہانی اس کے اپنے مورخوں کی زبانی" میں ایک پرمغز مضمون لکھا۔ مگر وہ مضمون ذرا جادۂ اعتدال سے ہٹا ہوا ہے۔ اور صاحب مضمون نے رائے کے اظہار میں بہت سختی سے کام لیا ہے۔ ایچ بیورج صاحب نے اس کتاب پر ایک بلند پایہ مضمون لکھ کر ایشیاٹک سوسائٹی کے جلسے میں پڑھا۔ اس مضمون میں اگرچہ بعض اوقات بے معنی تاویلات سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی یہ مضمون بہترین ہے۔ موجودہ مصنفین میں سے پروفیسر جادو ناتھ سرکار نے اس کے بعض ضروری حصص کا ترجمہ کیا ہے۔ اور اپنی کتاب "ہند عہد اورنگ زیب میں" شامل کیا ہے۔ پروفیسر محمد شفیع صاحب ایم۔ اے کا لکھا ہوا ایک مختصر سا شذرہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں بھی موجود ہے۔ ان کے علاوہ برٹش میوزیم لندن اور بانکی پور لائبریری کی فہرست مخطوطات میں کتاب پر اچھی بحث کی گئی ہے۔

خلاصۃ اور مختصر التواریخ: ایلیٹ صاحب[1] اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ کہ

---

[1] ج ۸۔ ص ۵-۱۲

یہ کتاب ایک شرمناک سرقہ ہے۔ اور اس کے مطالب ایک اور تاریخ سے جس کا نام مختصر التواریخ ہے۔ چرائے گئے ہیں۔ ایلیٹ صاحب کی برہمی کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ کہ سجان رائے نے بہت سی نئی اور پرانی کتابیں اپنے مآخذ میں گنائی ہیں۔ لیکن جس کتاب کو وہ حرف بحرف نقل کرتا ہے اس کا ذکر تک بھی نہیں کرتا۔ اب ذرا اس مختصر کی حقیقت بھی سُن لیجئے۔ ایلیٹ صاحب کو ایک نا تمام سی کتاب کہیں سے دستیاب ہوئی۔ جس کا نہ آغاز تھا نہ انجام۔ اس پر "مختصر التواریخ" لکھا ہوا تھا عبارت بہت حد تک خلاصۃ التواریخ سے ملتی ہے۔ ایلیٹ صاحب کا خیال ہے۔ کہ یہ کوئی پُرانی کتاب ہے۔ جو جہانگیر کے زمانہ تک آتی ہے۔ اور سجان رائے نے اس کتاب کو بلا تذکرہ، نقل کیا ہے اور یہ ایک "شرمناک فعل" ہے۔ اب اگر اس معمّہ پہ غور کیا جائے۔ تو یہ صورتیں دماغ میں آتی ہیں۔ اوّلاً یہ کہ ممکن ہے۔ یہ دونو کتابیں سجان رائے کی ہوں۔ اور مختصر، خلاصۃ التواریخ کا ابتدائی خاکہ ہو۔

دوم یہ کہ کسی کاتب نے خلاصۃ التواریخ کو لکھا ہو۔ یا اس کا خلاصہ تیار کیا ہو۔ لیکن اس پر مختصر کا لفظ لکھدیا ہو۔

سوم یہ کہ ممکن ہے۔ مختصر کے مصنّف نے خلاصہ سے سرقہ کیا ہو۔ اور وہ ثانی الذکر سے موخر ہو۔ پہلی صورت کی تائید میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ سجان رائے نے کتاب کو آخری شکل میں ڈھالنے سے پہلے کئی دفعہ لکھا۔ نیز جہاں وہ اپنی کتاب کی غرض و غایت پر بحث کا آغاز کرتا ہے۔ وہاں وہ اسکو "نسخہ مختصرے متضمن احوال فرمانروایان ماضیہ[۵]" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ ریو

---

۵ خلاصۃ (ظفر حسن ایڈیشن) ص ۸ ،

نے برٹش میوزیم مخطوطات کی فہرست میں اس صورت کی تصدیق کی ہے ۔ دوسری شکل وہ ہے ۔جس کا وقوع عام طور پر ہوتا ہے ۔چنانچہ کاتبوں کی ان ہی بے پروائیوں سے حافظ ' خیام وغیرہ کے اشعار غلط طور پر دوسرے شعرا کے نام کے ساتھ منسوب ہو گئے ہیں ۔ تیسری صورت کو ہیورَج صاحب نے پیش کیا ہے ۔ اور اس کے لئے دلائل بھی پیش کئے ہیں ۔ اب شکل یہ ہے کہ مختصر کا کوئی اور نسخہ موجود نہیں اس لئے ہمیں پہلی دو صورتوں میں کوئی ایک قرین قیاس معلوم ہوتی ہے ۔

ایلیٹ کے مقابلے میں نساؤلیز صاحب نے دوسری انتہا کو اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں ۔ کہ آرائش محفل کے مصنف نے خلاصۃ التواریخ کے مضامین کا سرقہ کیا ہے ۔ حالانکہ شیر علی افسوس نے اس کتاب کے دیباچے میں خود اعتراف کیا ہے ۔ کہ یہ کتاب خلاصۃ پر مبنی ہے ۔ افسوس نے بعض بعض مقامات سے اس کی تصحیح بھی کی ہے ۔ اور اسکے مضامین پر اضافہ کیا ہے ۔

خلاصۃ کے مضامین : یہ تاریخ قدیم زمانے سے لے کر اورنگ زیب کی تخت نشینی تک کے حالات پر مشتمل ہے ۔ ابتدا میں ایک پر مغز دیباچہ ہے جس میں مصنف ۲۷ ' ۲۸ کتابوں کا ذکر کرتا ہے ۔ جو ترتیب کے وقت پیش نظر تھیں ۔ اسکی تدوین میں دو سال کا عرصہ صرف ہوا ۔ اور ۱۱۰۷ھ کو پایۂ تکمیل تک پہنچی ۔ اورنگ زیب کی جانشینی کے ساتھ کتاب دفعتاً ختم ہو جاتی ہے ۔ لیکن بعض قلمی نسخوں کے آخر میں اورنگ زیب کی تاریخ وفات بھی درج ہے جو ظاہر ہے کہ بعد کا اضافہ ہوگا ۔

سب سے پہلے ہندوؤں کے مذہبی اعتقادات ' ان کے مختلف فرقوں کے حالات ہیں پھر شہروں کے حالات ہیں ۔ اس کے بعد ہندوستان کے

صوبوں کا جغرافیائی حال ہے۔ اسکے بعد جدِ ہشتم سے لے کر عہد اسلامی تک ہندو راجاؤں کے حالات ہیں۔ پھر سبکتگین سے لے کر بہلول لودہی تک کے واقعات دئے ہیں۔ آخر میں بابر سے لے کر اورنگ زیب تک مغلیہ سلاطین کے حالات دئے ہیں۔

ہندوؤں کا عہد کتاب کے ⅓ حصے کے برابر ہے۔ اس میں ہندوستان کی پیداوار، اسکے مشہور شہروں کا حال۔ انکی بعض خاص باتیں دی گئی ہیں مصنف پنجاب کا باشندہ تھا۔ اسلئے صوبہ لاہور یا پنجاب کا حال زیادہ مفصل ہے مغلوں سے پہلے جو سلاطین حکمران رہے۔ انکا حال بہت معمولی ہے۔ اور چنداں وقیع نہیں۔ زیادہ تر فرشتہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ البتہ شیر شاہ کے حالات میں مصنف نے اپنی آزادی رائے کا کافی ثبوت دیا ہے۔ اور اکبر نامہ وغیرہ کا تتبع نہیں کیا۔ غزنوی سلاطین میں سے صرف سات کا ذکر کرتا ہے۔ مغل بادشاہوں کے حالات زیادہ مفصل ہیں۔ لیکن شاہجہان کا عہد بہت حد تک تشنہ ہے۔ اور ناظرین کی توجہ کو وارث کے شاہجہان نامہ کی طرف مبذول کیا ہے۔ شاہجہان کے بیٹوں میں تخت نشینی کے لئے جو جنگ ہوئی۔ اس کا حال زیادہ مفصل ہے۔ صوبجاتی آزاد حکومتوں کا ذکر مستقل ابواب وفصول میں نہیں کیا۔ بلکہ جس بادشاہ کے عہد میں انکا الحاق مرکزی حکومت سے ہوا اسکے ساتھ ہی ضمنی طور پر وہاں کا بھی مختصر سا تذکرہ کردیا گیا ہے۔ تحریر کا انداز یہ ہے کہ نثر کے ساتھ اشعار اور فرد بکثرت لائے گئے ہیں اور تاریخی عبارتوں میں بعض غیر متعلق مضامین بھی آجاتے ہیں۔ جو حقیقت میں بہت مفید معلومات سے مملو ہوتے ہیں۔ اگرچہ تحریر کے نکتۂ نگاہ سے یہ انداز نگارش زیادہ پسندیدہ نہ خیال کیا جائے۔

یہ عجیب بات ہے کہ اس کتاب میں بعض اوقات ایسے بیانات آجاتے ہیں - جنکا تعلق بہت بعد کے زمانے کے ساتھ ہوتا ہے - مثلاً برٹش گورنمنٹ کا ذکر، کلکتہ کی عمارتوں کا ذکر وغیرہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضامین الحاقی ہیں -

خلاصۃ التواریخ کے ایک دو ضمیمے ہیں - جن میں سے ایک توجے کشنداس مہرہ کا لکھا ہوا ہے - اور دوسرا کسی غیر معلوم مصنف کا ہے - ان دونوں ضمیموں میں ایک صدی بعد تک کے حالات درج ہیں -

خلاصۃ کی اہمیت - میجر نساؤ لیتر اس کتاب کے بے حد مداح ہیں - اور کہتے ہیں کہ یہ کتاب ہندوستان کی بہترین اور عمدہ ترین تواریخ میں سے ایک ہے - ایلیٹ صاحب اگرچہ کتاب کی قدر و قیمت کے قائل ہیں لیکن انہیں یہ شکایت ہے - کہ یہ سرقہ ہے - اس لئے وہ اس کے متعلق کوئی عمدہ رائے نہیں رکھتے - مولوی عبدالمقتدر خان صاحب، بانکی پور لائبریری کی فہرست میں کہتے ہیں - کہ جو کچھ اس میں ہے وہ فرشتہ میں بھی ہے - نیز ان کا خیال ہے کہ مصنف نے جتنی کتابوں کو مآخذ میں شمار کیا ہے - ان سب کو نہیں دیکھا ہوگا - بیورج صاحب لکھتے ہیں:-

"کہ یہ نامناسب نہ ہوگا - اگر ہم سجان رائے کو "ہندی ہیروڈوٹس" کہکر پکاریں - اس لئے کہ ان دونوں بزرگوں کی کتابوں میں صحیح اور دلکش تاریخ نگاری کے عناصر موجود ہیں اور دونوں غیر جانبدار مورخ ہیں - گارسن دی تاسی اسی لئے اس کتاب کو فرشتہ پر ترجیح دیتے ہیں" -

لیکن ہم نہ تو سجان رائے کو ہیروڈوٹس کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں اور نہ فرشتہ

کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے ہیں - بلکہ سجان رائے کی تاریخ کی اصلی خوبیوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں - سجان رائے نے فرشتہ سے بہت کچھ اخذ کیا ہے بلکہ اگر یہ کہیں کہ سب کچھ فرشتہ سے ماخوذ ہے - تو بے جا نہ ہوگا - لیکن سجان رائے کی جغرافیائی معلومات، شہروں کے حالات، ملک کی پیداوار اور اس قسم کی باتیں فرشتہ میں نہیں ملتیں - فرشتہ نے صوبجاتی حکومتوں کا مفصل تذکرہ کیا ہے - سجان رائے نے انہیں نظر انداز کر دیا ہے - اور حقیقت یہ ہے - کہ ان دونوں کتابوں کی غرض و غایت اسقدر مختلف ہے کہ ان کا مقابلہ صحیح معلوم نہیں ہوتا - سجان رائے میں آزادیٔ رائے اور دیانت کا جوہر معلوم ہوتا ہے - ایک اور چیز کتاب میں سب سے نمایاں حیثیت رکھتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مصنف کے قلب میں اپنی قومیت کا زبردست احساس موجود ہے - جو باوجود ضبط کے نمایاں ہو کر رہتا ہے - شخصی حکومتوں میں اس خودداری کی توقع بہت کم ہوتی ہے لیکن ہمارا مصنف اپنی رائے اور رجحانات کا باقاعدہ اظہار کرتا ہے - یہی وجہ ہے - کہ ہم نے اس مضمون کی ابتدا میں کہا تھا - کہ بعض امور ایسے ہیں - جن سے یہ معلوم ہوتا ہے - کہ مصنف ہندو ہے - حالانکہ ایلیٹ صاحب لکھتے ہیں کہ کتاب میں کوئی ایسی چیز نہیں - (بجز بکرمی سن کے) جو مصنف کے ہندو ہونے پر دلالت کرتی ہے

مذہب کے متعلق جس طریق سے سجان رائے نے اظہار خیال کیا ہے - وہ مسلمانوں سے بہت مختلف ہے - راجہ ٹوڈرمل کا تفصیلی ذکر، ہندو عہد کا مبسوط تذکرہ یہ سب امور ایلیٹ صاحب کی تردید کر رہے ہیں -

---

(حاشیہ ص ۴۴) ۵۳ جرنل - رایل ایشیاٹک سوسائٹی (سلسلۂ جدید - ج ۳) - ۱۸۹۴ء - ص ۴۳۳ - ۴۶۸ء

۵۴ ایلیٹ - ج ۸ - ص ۵ - ۱۲ء

پروفیسر سرکار نے اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ سیر المتاخرین و اخبار محبت کے مصنفین نے اس کتاب کے اکثر حصوں کو بلا اعتراف اپنی کتابوں میں شامل کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۱۸ء میں مع حواشی و مقدمہ خانصاحب ظفر حسن خان کی کوششوں سے بمقام دہلی طبع ہو چکی ہے۔

خلاصہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک ہندو مصنف کی پہلی قابل قدر، پر از معلومات اور مفید تصنیف ہے۔ یہ تصنیف ہندوستان کی اچھی تاریخوں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ مالی جمع و خرچ کے جو اعداد سجان رائے نے دئے ہیں۔ ان میں سے بعض تو وہی ہیں۔ جو آئین اکبری میں دئے ہیں۔ اور بعض مصنف نے اپنے زمانے کے مطابق لکھے ہیں۔ الغرض اس لحاظ سے بھی یہ کتاب جدید معلومات کی حامل ہے۔

اولیا کے حالات میں اور شہروں کے ذکر میں سجان رائے نے بازاری قصوں اور گپوں پر اعتبار کیا ہے۔ چڑیلوں اور دیووں کے حالات دئے ہیں۔ جو سراسر خلاف عقل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیر علی افسوس نے بھی خلاصہ کے اس پہلو پر بہت نکتہ چینی کی ہے۔

اس کے باوجود معاشرت اور تہذیب و تمدن کے بہت سے اشارات اس کتاب میں دستیاب ہوتے ہیں۔ جو غالباً اور کتابوں میں نہیں۔ اس کے ساتھ کتاب مختصر اور دلچسپ ہے۔

انداز تحریر۔ سجان رائے کی تحریر سادہ نہیں ہوتی۔ اور اس عہد کے

ENCYCLOPEADIA آف INDIA OF AURANGZEB آف (OF ISLAM ARTICLE ON "SAUJAN RAI" BY PROF: MOHD SHAFI M.A.

عام مورخین اور منشیوں کی طرح اسکی عبارتوں میں بھی مشکل الفاظ ملتے ہیں - نثر کے ساتھ ساتھ اشعار بکثرت لائے گئے ہیں - خلاصۃ المکاتیب اور موجودہ تاریخ میں بعض ایسے مشترک محاورات اور تراکیب ہیں - جو بارہا استعمال کی گئی ہیں - جادوناتھ سرکار کی رائے اس کے انداز تحریر کے متعلق اچھی نہیں - لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے - کہ اس زمانے میں یہی چیز سب سے زیادہ پسندیدہ خیال کی جاتی تھی تو پھر خلاصۃ التواریخ سے خاص طور پر شکایت نہیں رہتی -

تاریخ دلکشا[۱] - یہ تاریخ اورنگ زیب کی تخت نشینی کے وقت سے لے کر شاہ عالم کے زمانے تک کے حالات پر مشتمل ہے - اس کتاب کا مصنف بھیم سین ولد رگھونندن داس بمقام برہانپور ۱۰۵۹ھ میں پیدا ہوا - اور دیانت رائے عالمگیر شاہی کا بھتیجا تھا - جب بھیم سین آٹھ سال کا ہوا - تو وہ اورنگ آباد میں اپنے باپ کے پاس چلا گیا - وہاں فارسی کی تعلیم حاصل کی - اسکے بعد اپنے باپ کی جگہ بطور قائم مقام کام کرتا رہا - اور آخر کار مختلف لوگوں کی ملازمت میں رہ کر دلپت راؤ بندیلہ کے ہاں ملازم ہو گیا - دکن کی لڑائیوں میں بہت حصہ لیا - یہ دلپت رائے بندیلہ اورنگ زیب کے ملازمین سے تھا - اور محمد اعظم اور محمد معظم کی جنگ میں اول الذکر کا حامی تھا -

دلکشا کا مفصل حال پروفیسر جادوناتھ سرکار نے ماڈرن ریویو میں لکھا ہے مصنف نے اپنے خاندان، اپنی تعلیم، اور مختلف حالات زندگی کو اس تاریخ میں اچھی طرح سے بیان کیا ہے - ہم دلکشا کی اہمیت کے متعلق

---

[۱] اس کتاب کا حال میں نے جادوناتھ سرکار کے ایک مضمون سے لیا ہے - جو انہوں نے اس کتاب کے متعلق لکھا ہے (ماڈرن ریویو ۱۹۱۹ء (ج ۲۶) ص ۱۷ : ریو - ج ۱، ۲۷۱)

پروفیسر صاحب کی رائے کو بطور خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں:-

اگرچہ مآثر عالمگیری، جزئی حالات، افراد و اشخاص کے ذکر اور جغرافیائی بیانات کے لئے بہت مفید ہے۔ نیز اس میں مختلف منصبداروں کی تفصیل ان کے تغیّر و تبدل کی کیفیت اچھی طرح سے بیان کی گئی ہے۔ لیکن مورخ مذکور ان واقعات کے اسباب و علل سے بحث نہیں کرتا۔ ان کے واقعات پر ماحول کے اثرات کو نہیں واضح کرتا۔ اور نہ ہی ملک کی اندرونی معاشرت اور عوام کی زندگی پر کچھ روشنی ڈالتا ہے۔ ان سب امور کے لئے "تاریخ دلکشا" ایک بہترین مجموعۂ معلومات ہے۔ کتاب کی اصل قدر و قیمت کا راز اس میں ہے۔ کہ یہ عینی مشاہدات پر مبنی ہے۔ وہ معمولی باتیں جنہیں درباری تاریخیں اکثر نظرانداز کر دیتی ہیں۔ یہاں بہت کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ کتاب لوگوں کے میلوں، تفریح کے مشاغل، سڑکوں کی حالت، رسوم و رواج، منصبداروں اور عہدہ داروں کی معاشرت کے اسرار کو نہایت اچھی طرح سے بے نقاب کرتی ہے۔ دلکشا کا طرز بیان سلیس اور عام فہم ہے۔ وہ واقعات کے بیان کرنے میں خلط مبحث کا مرتکب نہیں ہوتا۔ جو مورخین کا ایک ضروری وصف ہونا چاہیئے ہے۔ سکاٹ صاحب نے اس کتاب کا ملخص ترجمہ کیا ہے۔

تاریخ کشمیر۔ اس کتاب کا مصنف نرائن کول عاجز[۱] تھا۔ جس نے عارف خان صوبہ دار کشمیر کی فرمائش پر ۱۱۲۲ھ میں اسے مرتب کیا۔ کشمیر کی اس سے پہلے بہت سی تاریخیں لکھی گئی تھیں۔ یہ کتاب ان پر خاص فوقیت تو نہیں رکھتی۔ لیکن تاریخی مواد کو نئے نئے انداز سے مرتب کیا ہے۔ واقعات کشمیر

---

[۱] ایشیاٹک ریسرچیز (ج-۱۵) ص ۶ - براؤن کیمبرج مخطوطات کی فہرست ص ۱۷۷،

کا درجہ اس سے بہت بلند ہے - لیکن اولیا و صلحا و علما کے سوانح کی وجہ سے - ملک حیدر کی تاریخ عام لوگوں کے مطالعہ کے لئے موزون نہیں - اس کتاب میں کشمیر کے واقعات کو دلچسپ اور مسلسل تاریخی کہانی کے رنگ میں مرتب کردیا ہے -

اگرچہ اس کتاب کا مصنف دیباچے[۱] میں کہتا ہے "کہ واقعات را بفارسئ ہیچ خالی از تکلیفات مترسلانہ و رعایت اختصار و ایجاز بقلم عجز رقم آوردہ" لیکن عبارت کوئی زیادہ سہل نہیں اور کتاب چونکہ راج ترنگنی کا ترجمہ ہے - اس لئے اس میں ترجمے کے جملہ نقائص موجود ہیں -

کتب انشا

(۱) انشاء ہرکرن[۲] مصنفہ منشی ہرکرن ولد متھرا داس کنبوہ ملتانی (سنہ ۱۰۳۱ھ و سنہ ۱۰۳۲ھ) - ہرکرن عہد جہانگیر میں نواب اعتبار خان کا منشی تھا جو سنہ ۳۱-۱۰۳۲ھ میں اکبر آباد کا صوبہ دار تھا - یہ کتاب بہت اہم خیال کی جاتی ہے - جب انگریزوں کو فارسی میں کاروبار کی ضرورت محسوس ہوئی تھی - تو انہوں نے اس انشا کو پیش نظر رکھا تھا - اسکا انگریزی میں ترجمہ بھی ہوا -

(۲) منشآت برہمن } تحفتہ الفصحا
چہار چمن برہمن } رسالہ چندر بہان (تذکرۂ شعرا) وغیرہ } چندر بہان برہمن

(۳) جامع الانشا مصنفہ بھاگ چند (سنہ ۱۱۰۰ھ)
خلاصتہ الانشا (سنہ ۱۱۰۲، ۱۱۰۳ھ)

---

[۱] تاریخ کشمیر عاجز (قلمی)، ورق ۴ [۲] ریو ج ۲ - ص ۵۳۰ : انسائیکلوپیڈیا آف اسلام - مضمون "ہرکرن"
بلوکٹ - ج ۲ - ص ۲۷۷ [۳] ریو - ج ۲ - ص ۹۸۴ ، [۴] ریو - ج ۲ - ص ۱۰۱۰ ،

(۵) **خلاصۃ المکاتیب**[1] مصنفہ منشی سجان رائے (۱۱۲۰ھ) - یہ انشا مختلف نثر پاروں کا مجموعہ ہے - جو منشی سجان رائے نے اپنے لڑکے رائے سنگھ کی خاطر لکھے

(۶) **منشی مادہو رام**[2] (تقریباً ۱۱۲۰ھ) مادہو رام اورنگ زیب کے زمانے میں لطف اللہ خان[3] نائب صوبہ دار لاہور کا منشی تھا - کچھ عرصے کے لئے وہ شاہزادہ جہاندار شاہ کا ملازم بھی رہا - اس کتاب کو بھی بہت شہرت حاصل ہے حالانکہ اس کا انداز بیان نہایت تکلیف دہ اور ناگوار سا ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مادھو رام اپنے آقا کی انشا سے بہت متاثر تھا - ماثر الامرا[4] میں لطف اللہ خان کے متعلق لکھا ہے : -

"محاورہ و مکالمہ بالفاظ غیر مانوس (کہ محتاج بفرہنگ و قاموس بودے و آن دور از سلاست و روانی ست) بسیار داشت - عبارتہائے ساختہ و تراکیب بہ تکلف تراشیدۂ وے زبان زد مردم است"

ہم یہاں مادھو رام کی انشا[5] سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں : -

"زمام اہمان مہام انام، بقبضۂ اقتدار آن مرجع خاص و عام باد بعد از شوق و غرام، ادعیہ اجابت التیام، توسن خوشخرام، جامۂ مشکفام، بوجہہ مدعا طرازی سبک گام مے گردد کہ در سوابق ایام خطے مشعر استعلام خیر خیر انجام خدام ذوی الاحترام سیٹھ بینی رام بحیز ارقام در آمدہ - جوابش باوصف مبالغہ و ابرام بتعاقل آن سلیم -

---

[1] پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے - انڈیا آفس - عدد ۲۱۰۹،

[2] ایشیاٹک سوسائٹی بنگال فہرست مخطوطات - ریونائف (کرزن کالیکشن) - عدد ۱۵۰،

[3] ماثر الامرا - ج ۳ - ص ۱۷۱ [4] ماثر الامرا ج ۳ - ص ۱۷۵ [5] نسخہ پنجاب یونیورسٹی (قلمی) ق ۴۰

الطبع موزون کلام کہ ازین رہگذر خاطر مستہام مورد اقسام تردد و آدم
مے باشد"

اس اقتباس میں مہام، زمام، انام، التیام وغیرہ ہم قافیہ الفاظ کی رعایت خاص طور پر ملحوظ رکھی گئی ہے - جو یقیناً سلاست اور روانی میں زبردست سدراہ ہے - اگرچہ اس سے ذخیرہ الفاظ کی فراوانی کا پتہ چلتا ہے - یہ انشا گذشتہ صدی تک بطور نصاب پڑھائی جاتی رہی ہے -

(۷) **شش جہت**[1] مصنفہ روپ نرائن (۱۲۱۱ھ) یہ ایک کہانی ہے جس میں بعض خاص صنائع کا خیال رکھا گیا ہے - اور الفاظ اس انداز میں رکھے گئے ہیں کہ ان کو چھ مختلف طریقوں سے پڑھا جا سکتا ہے -

(۸) **نگار نامہ**[2] مصنفہ ملکزادہ منشی (۱۰۸۰ھ) - یہ عہد شاہجہانی کا ایک زبردست منشی تھا - غالباً مصنف کا نام منشی لعل چند تھا - عام طور پر ملکزادہ ہی کہا جاتا ہے - منشی موصوف مدت تک شہزادہ معظم کے پاس ملازم رہا - کچھ عرصہ تک بشارت خاں کا متصدی رہا - نگار نامہ اور کارنامہ کے آغاز میں مصنف نے اپنے حالات مفصل دئے ہیں - نگار نامہ دو دفاتر پر مشتمل ہے - پہلے دفتر میں اپنی منشآت ہیں - اور دوسرے دفتر میں دوسرے منشیوں کی تحریرات ہیں - اس کتاب کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے دیباچے میں بعض اہم مباحثات پر بحث ہے - مثلاً انشا کا مقصد، اسکی غرض و غایت، اس کی ترقی اور عروج

---

[1] ایوثاف (کرزن کالیکشن) - عدد ۱۵۱ - ریو - ج ۱ - ص ۶۲،

[2] ریو - ج ۱ - ص ۹۸۵ - بانکی پور فہرست - ج ۹ - عدد ۸۷۹ - ص ۱۰۶،

ہندوستان کے بہترین منشی - عہد شاہجہانی اور عالمگیری کے اعلےٰ انشا نگار - منشی کے فرائض اس کی ضروریات وغیرہ پر پوری بحث ہے -

(۹) **ہفت انجمن**[۱] مصنفہ منشی اُودھے راج رستم خانی (۱۱۱۱ھ) منشی اودھے راج اورنگ زیب کے زمانے میں مسلمان ہوگیا تھا - نگارنامہ میں منشی اودھے راج کو اعلےٰ منشیوں میں شمار کیا گیا ہے - اس انشا کی ترتیب طالع یار کے فرزند احمد یار کے ہاتھوں عمل میں آئی - ہفت انجمن سات ابواب پر منقسم ہے - سب سے ضروری حصّہ وہ ہے - جس میں مرزا راجہ جے سنگھ کے خطوط ہیں - پروفیسر سرکار نے اس کتاب کو مرہٹوں کی لڑائیوں - اور مرزا راجہ جے سنگھ کے حالات کے لئے بہت مفید پایا ہے - طالع یار کا انداز بیان نہایت عمدہ ہے -

ان بڑے منشیوں کے علاوہ ولی بنوالی داس - لچھمی نرائن (جس نے شاہنامہ کا خلاصہ کیا ہے) اور وامق کھتری اس زمانے کے اعلےٰ منشی تھے - وامق مسلمان ہو کر اخلاص خان کے نام سے موسوم ہُوا - اور اورنگ زیب اس کی انشا کی بہت تعریف کیا کرتا تھا - نگارنامہ میں سیتل سنگھ اور پنڈیداس دو منشیوں کا ذکر کیا ہے - جو اس زمانے سے متعلق تھے - اور بہت اچھے انشا پرداز تھے -

شعرا

(۱) **منشی چندر بھان برہمن** - انکی شاعری پر اس سے پہلے اسی میگزین

---

[۱] اسکا ایک نسخہ یونیورسٹی لائبریری میں ہے + [۲] معارف - ۱۹۱۸ء

میں تبصرہ ہو چکا ہے - یہ ہندوستان کے بہترین ہندو شعرا میں سے تھا - برہمن کو عام طور پر دوسرے درجے کا شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسکے اشعار کی شیرینی اور لطافت، عہد شاہجہانی کے اچھے شعرا کے لگ بھگ ہے - سادگی اسقدر ہے کہ اس زمانے میں کسی کے ہاں نہیں ملتی - یہی وجہ ہے کہ عام لوگوں نے برہمن کو پسند نہیں کیا - لیکن یہی وہ وصف ہے - جس کی بنا پر ہم برہمن کو عہد شاہجہانی کا پسندیدہ شاعر مانتے ہیں - صائب نے اس کے اشعار کو اپنی بیاض میں درج کیا ہے اور یہ سب سے بڑی قدر ہے جو ایک شاعر دوسرے شاعر کی کر سکتا ہے -

(۲) ہندو - متھرا داس[1] - یہ شاعر زیادہ مشہور نہیں - انڈیا آفس لائبریری میں اسکا دیوان موجود ہے - باڈلین لائبریری میں اس کی ایک مثنوی لیلیٰ مجنوں کا پتہ چلتا ہے - اس کے علاوہ اسکی طرف خسرو شیریں بھی منسوب کی جاتی ہے - اس شاعر کا تذکرہ "گل رعنا" میں بھی ہے - شاہجہان کے زمانے میں خان زمان صوبہ دار بنگال نے اسے قید کر لیا تھا - شاعر نے ایک قطعہ حکیم رکنا کاشی کے نام روانہ کیا - لیلےٰ مجنوں کا جو نسخہ باڈلین لائبریری میں ہے - اس کی سن کتابت ۱۰۵۵ھ ہے - جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر شاہجہان کے اوائل زمانہ میں عالم شباب کو پہنچ چکا تھا - دیوان میں غزلیات رباعیات اور فرد ہیں - تصانیف کے اعتبار سے اندازہ ہوتا ہے - کہ اچھا شاعر ہوگا - لیکن چونکہ ہم نے اس کی کسی تصنیف کو نہیں دیکھا - اس لئے اس کے متعلق رائے کا اظہار نہیں کر سکتے -

---

[1] گل رعنا (باگی پور - ج ۸ - ص ۱۳۲) - انڈیا آفس - عدد ۱۵۵۹ - باڈلین عدد ۱۱۰۱ '

(۳) محمد اسلم سالم[1] - یہ دراصل کشمیری برہمن تھے - ملا محسن فانی کی کوشش سے مسلمان ہوئے - سالم - محمد اعظم کی سلک ملازمت میں منسلک تھے - ایک مثنوی "اعظم شاہ" کے نام پر لکھی - جسکا ایک نسخہ باڈلین لائبریری میں موجود ہے - محمد اعظم کی وفات پر، محمد معظم شاہ عالم کے وقایع نگار کی حیثیت سے کشمیر چلے گئے ۱۱۱۹ھ اور ۱۱۳۰ھ کے درمیان وفات پائی -

سالم - دوسرے درجے کے شعرا میں شمار کیا جاتا ہے - اس کا پورا دیوان موجود ہے - جس میں بعض بعض نہایت شستہ اور اعلے اشعار پائے جاتے ہیں - اسکی دو مثنویاں بھی ہیں :-

(۱) گنج معانی (۲) مثنوی اعظم شاہ

بانکی پور لائبریری میں بعض اور مختصر سی مثنویاں بھی ہیں - اس کی شاعری میں اسلام کی محبت، تصوف کی طرف توجہ خیالات میں تفلسف کی جھلک پائی جاتی ہے - اسکے ساتھ حسن تعلیل و ابہام کی بہت کثرت ہے - اس کی شاعری کا نمونہ اصل انگریزی مضمون میں دیا گیا ہے -

(۴) بنوالی داس ولی - جو داراشکوہ کا ملازم تھا - ولی کی بہت سی مثنویاں ملتی ہیں - مثلاً بحر عرفان وغیرہ جو اکثر متصوفانہ خیالات کی حامل ہیں شاعری کے لحاظ سے زیادہ بلند نہیں معلوم ہوتیں -

ان اکابر شعرا کے علاوہ وآتش کھتری - مخلص (گلاب رائے ولد گرداس)

---

[1] نشتر عشق (قلمی)، - ج ۱ - ق ۲۲۷ ؛ گل رعنا (بانکی پور - ج ۸ - ص ۸۹) باڈلین - عدد ۱۱۶۷ - بانکی پور - ج ۳ - ص ۱۹۳)

لچھمی نرائن بھی شاعر تھے۔ مخلص عہد عالمگیری میں نواب زبردست خان کا ملازم تھا۔ اسکا حال سفینۂ خوشگو میں دستیاب ہوتا ہے۔ لچھمی نرائن نے سنہ ۱۲۰ھ میں شاہ نامہ کا خلاصہ تیار کیا ہے۔ وہ شہزادہ بیدار بخت کے ہاں پیشکار تھا۔

تراجم

(۱) سنگھاسن بتیسی کے بہت سے ترجمے ہوئے۔ جہانگیر کے عہد میں (سنہ ۱۰۱۹ھ) بھارامل[۱] کھتری نے سب سے پہلا ترجمہ کیا۔ اسکا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔ انڈیا آفس میں اس نسخے کے علاوہ ایک اور ترجمہ ہے۔ جو کشن داس ابن ملوک چند تنبولی نے کیا ہے۔ یہ شخص لاہور کا باشندہ تھا۔ اور نواب جار اللہ امیر الامرا کا ملازم تھا۔ اسلئے اسکا نام "کشن بلاس" رکھا گیا ہے۔ اسکا ایک اور نسخہ بتراسیم برٹش میوزیم میں ہے۔

شاہجہان کے عہد میں اسکا ایک اور ترجمہ ابن ہر کرن نے کیا۔ ریو نے بسب رائے بن ہری گرب داس کا یستھ کے ترجمے کا ذکر بھی کیا ہے یہ چتر بھوج اور بھارامل کے نسخوں کا مرکب سا ہے۔ اسکی تصنیف کی تاریخ سنہ ۱۰۶۱ھ یا سنہ ۱۰۶۲ھ ہے۔

(۲) رامائن کے مختلف تراجم[۲]:-

(۱) گرو ہر داس کایستھ دہلوی۔ جسنے سنہ ۱۰۳۶ھ میں رامائن کا ترجمہ مثنوی میں کیا

---

[۱] انڈیا آفس۔ عدد ۱۹۸۸، ۱۹۸۹، ۱۹۹۰: ریو۔ ج ۲۔ ص ۷۶۳،

[۲] ریو۔ ج ۱۔ ۵۶،

(ب) چندر من نے ۱۰۹۷ھ میں کیا۔

(ج) دیبی داس کایتھ نے بھی اس زمانے میں ترجمہ کیا۔

(د) امر پرکاش۔ امر سنگھ منشی ۱۱۱۷ھ میں یعنی اورنگ زیب کے آخری سال میں اسکا ترجمہ کیا۔

(۳) گلزار حال[۵۱] ۔ پربھودہ چندرو ناٹک کا ترجمہ۔ بنوالی داس ولی نے ۱۰۷۳ھ میں کیا۔

(۴) نازک خیالات۔ برہمن نے آتم بلاس کا ترجمہ کیا۔ اسکا ایک نسخہ برٹش میوزیم کی مطبوعات میں موجود ہے۔

قصص

(۱) کشایش نامہ[۵۲] مصنفہ راج کرن (سنہ ۱۱۰۰ھ) یہ چھ کہانیوں کا مجموعہ ہے۔

(۲) تحفۃ الحکایات[۵۳] مصنفہ برہمن حصاری (قبل ۱۱۲۳ھ)

(۳) کارنامہ[۵۴] ۔ ملکزادہ منشی

فنون

(۱) بدایع الفنون[۵۵] مصنفہ دہرم نرائن (۱۰۷۴ھ) اس میں حساب ہے۔ اس کے نو باب ہیں۔ بعض جگہ مصنف کا نام میدنی مل یا مداری مل بھی دیا گیا ہے۔

(۲) فرسنامۂ ہندی[۵۶] (قبل از ۱۱۶۵ھ) اسکے مصنف کا نام معلوم نہیں۔ سید عبداللہ فیروز جنگ کے حکم سے ہندی سے ترجمہ ہوا۔ اسکا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

سید محمد عبداللہ

---

۵۱ ریو ج ۳ ص ۱۰۴۳ ۵۲ ریو ج ۲ ص ۷۶۷: انڈیا آفس۔ عدد ۸۲۵ ۵۳ انڈیا آفس۔ عدد ۸۲۷ ۵۴ اسکا ایک نسخہ پبلک لائبریری میں موجود ہے ۵۵ انڈیا آفس۔ عدد ۲۲۵۹۔ آصفیہ ج ۱۔ ص ۸۰۶۔ ٹیپو سلطان لائبریری ص ۹۱ ۵۶ ریو ج ۲۔ ص ۴۸۲۔ کوپن ہیگن ص ۱۶۔ باڈلین۔ عدد ۱۸۶۴

عربوں کا طریقِ شکار

اور

دیگر سامانِ تفریح

باب سوم

صید المعیشت

(سلسلے کیلئے دیکھو یہی رسالہ بابت فروری ۱۹۳۰ء)

مولیرا نرغے کے ذریعہ شکار کی ایک اور مثال جو اہل ریف میں سے بنی توزان کے یہاں موجود ہے پیش کرتا ہے۔ یہ شکار عام طور پر اسوقت کرتے ہیں جب برف باری ہو چکی ہو ان کی ہمراہی میں شکار کا سراغ لگانے والے کتّے ہوا کرتے ہیں۔ جو قبیلے کی حفاظت کرتے ہیں ان حالات میں شکار کھیلنے سے بہت سا شکار ہاتھ آتا ہے۔

ہم نے اوپر کسی جگہ خار پشت[1] اور جھاؤ چوہے[2] کا ذکر کیا تھا۔ عرب ان دونوں جانوروں کو بہت چاہتے ہیں۔ کم از کم شمالی افریقہ کے عرب تو اسکے

---

[1] PORCUPINE، جھاؤ چوہے سے قد میں بہت بڑا ہوتا ہے۔ اسکی لمبائی ناک سے دم کے انجام تک قریباً ایک گز ہوتی ہے۔ اسکے بدن پر بڑے بڑے خار ہوتے ہیں۔ جنکی لمبائی سات آٹھ گز ہوتی ہے۔ رنگ اسکا جھاؤ چوہے سے زیادہ سیاہ ہوتا ہے۔ خوراک سبزی ترکاری، پودوں کی نرم جڑیں۔ یہ وہیہ ہے فارسی والے دونو کو خارپشت کہتے ہیں اور عربی قنفذ۔

[2] HEDGE HOG، ایک چھوٹا سا جانور ہے جسکے بدن پر قریباً پون انچ لمبے خار ہوتے ہیں۔ یہ قریباً سات انچ لمبا ہوتا ہے۔ دم ایک انچ اسکے علاوہ ہے۔ رنگ اسکا خاکستری سا سیاہ۔ یہ کیڑے کھاتا ہے۔ پنجاب میں اسے کنڈیرنا یا جھاڑ چوہا کہتے ہیں اردو میں جنگلی چوہا +

شیدا ہیں - ان جانوروں کو شکار کرنے کا جو طریقہ اُن میں آجتک رائج ہے وہ بہت پُرانا ہے - اس لئے اسکا بیان ضروری ہے -

یہ دونوں جانور بڑے بڑے پودوں، سخت گھاس کی جھاڑیوں اور پتھریلی زمینوں میں رہتے ہیں - پہاڑ کے غار یا سوراخ میں بسیرا کرتے ہیں - جو لوگ انکے شکار کو نکلتے ہیں - وُہ بڑے چُست اور چٹانوں پر چڑھنے کے عادی ہوتے ہیں وہ اپنے ہمراہ ایک ایسے آدمی کو لے جاتے ہیں جس کا جسم بہت لاغر اور لچکدار ہوتا ہے - اور جو چٹانوں کے چھوٹے سوراخوں اور غاروں میں بآسانی گھس سکتا ہے - پس جب یہ معلوم ہو جائے کہ یہ جانور کہاں سوئے ہوئے ہیں تو شکاریوں کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اس دُبلے پتلے آدمی کو سوراخ کے اندر دھکیل دیں - جھاؤ چوہے کے متعلق تو صرف یہ بات ہے کہ چونکہ وہ سکڑ کر اور منہ اور سر کو لپیٹ کر گیند کی صورت میں پڑا رہتا ہے - اور اس کے نزدیک مدافعت کا ذریعہ محض یہی ہے اس لئے یہ لاغر انسان اندر جاکر انکو اٹھا اٹھا کر اکٹھا کرنا شروع کر دیتا ہے اب رہا ان کے جسم کے کانٹوں کا خیال تو اگر ان کو آہستہ سے اٹھایا جائے تو یہ کانٹے اٹھانے والے کے جسم میں نہیں چُبھ سکتے - اس طرح تمام جانوروں کو جو ایک ہی گھرانے سے متعلق ہوتے ہیں اٹھا کر باہر نکال لاتے ہیں - اور پھر آپس میں تقسیم کر کے تھیلوں میں ڈال لیتے ہیں - چُھری سے ذبح کر کے گرم پانی یا تیز چاقو سے اسکے کانٹے صاف کر لئے جاتے ہیں - اور پھر کھال اتار لی جاتی ہے -

خار پشت کے شکار کا طریقہ بھی تقریباً وہی ہے جو جھاؤ چوہے کا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ شکاری غار میں چاقو لے کر جاتا ہے اور اس بے ضرر دشمن کو وہیں مار ڈالتا ہے - اس کے جسم پر سے کانٹے علیحدہ کر کے استعمال میں لائے جاتے ہیں - ان کانٹوں کو بید یا کانڈ کی باریک تیلیوں سے

ملاکر بلبلوں کے لئے سیاہ پنجرے بناتے ہیں - جو بڑے خوشنما ہوتے ہیں - عام طور پر ان دونوں جانوروں کا شکار رات کو کیا جاتا ہے -

بدوی لوگ ہمیشہ سے شترمرغ کے شکار کے بیحد شائق رہے ہیں - اس کا باعث نہ صرف اس کے خوبصورت پر ہوتے ہیں - جو زیب و زینت کے کام آتے ہیں - بلکہ اسکا گوشت جو سکھا کر محفوظ رکھا جاتا ہے بدویوں کا من بھاتا کھاجا ہے - اسکی چربی کو کھاتے ہیں - اور تیلوں کے طور پر آرائش کے کام بھی آتی ہے - اسکا زیادہ تر استعمال مالشوں میں ہوتا ہے - شترمرغ کی ہڈیاں اور جوڑ نیزوں اور تیروں کے سرے پر لگائے جاتے ہیں - اس کے پاؤں کے تلووں سے جوتوں کے تلے بنتے ہیں -

اب تک ہم نے سوار ہو کر شکار کرنے کا ذکر نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں گھوڑے کا وجود قدیم زمانے میں نہ تھا - بلکہ بعد میں ظہور میں آیا مختلف قصتوں کی بنا پر جو عرب میں رائج ہیں - کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلا گھوڑا حضرت سلیمان علیہ السلام نے یزد کے سردارِ سفارت کو دیا - یہ سفارت اس کے دربار میں یا تو یمن سے یا نجد کے جنوب مشرقی علاقے سے آئی تھی - اس گھوڑے کا نام " زاد الراکب[1] " تھا - اصل قصہ یوں ہے کہ صدر سفارت نے واپس جانے کے لئے زادِ سفر طلب کیا تھا جس پر سلیمان ع نے یہ گھوڑا دے دیا اور کہا ہر منزل پر ایک سوار نیزہ اٹھائے ہوئے ظاہر ہوگا اور اسکے ہاتھ میں گوشت کا اتنا بڑا ٹکڑا ہوگا جو تمام افرادِ سفارت کے لئے کافی ہو - چنانچہ ان سفیروں نے آزما کے دیکھا تو سلیمان کو جو تمام بادشاہوں

---

[1] یعنی مسافر کا زادِ راہ ،

سے واقف تھے۔ اپنے قول میں صادق پایا۔ اور اسی اعتبار سے گھوڑے کا نام "زاد الراکب" رکھا۔ بدوی لوگ خیال کرتے ہیں۔ کہ اُن کے علاقے میں گھوڑے کی نسل کا آغاز یہیں سے ہوا۔ ہم نے کسی اور جگہ اس روایت اور ایک اور قصّے کے متعلق بحث کی ہے۔ وہ قصہ یہ ہے کہ عربی گھوڑوں کی نسل کا سلسلہ نسب اُن پانچ گھوڑوں سے چلتا ہے۔ جو یمن سے نجد کی طرف بھاگ گئے تھے۔ یہ اسوقت کی بات ہے جب کہ سدِ مآرب کی بنیادیں استوار ہوئی تھیں۔

اس دوسری روایت میں بھی پہلے افسانے کی سی جھلک ہے یعنی کہا جاتا ہے کہ جو لوگ ان مفرور گھوڑوں کو پکڑ کر لائے تھے۔ وہ اپنے اپنے مقام پر واپس ہوتے ہوئے راستے میں اُن تمام جانوروں کا شکار کرتے رہے جو اُن کے سامنے آئے تاکہ اپنی خوراک کا انتظام کر سکیں

اگر ہم پہلی روایت کو تسلیم کریں تو گھوڑے اور سواری کے شکار کے عرب میں آنے اور مؤخر الذکر کے رواج پانے کی تاریخ دسویں صدی قبل مسیح ہوتی ہے۔ اگر دوسری روایت کو مانیں تو یہ دونوں چیزیں غالباً دوسری صدی عیسوی میں ظہور پذیر ہوئیں۔

یہ دونوں روایتیں ہمارے محکمہ آثار قدیمہ اور تجربات قدیمہ کے نظریات سے مطابقت رکھتی ہیں۔ اور ساتھ ہی اس تیسری مذہبی روایت کی تردید کرتی ہیں جس میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل نے جو سلیمان علیہ السلام سے تقریباً دس صدی پہلے ہوئے ہیں اوّل اوّل گھوڑوں کو سواری کے لئے نزدیک سدھارا تھا۔ اور انہیں خدا کے گھوڑے کے لقب سے یاد کیا تھا۔

بہرحال ہمیں دمیری کے قول کی تصدیق کرنی پڑتی ہے۔ وہ کہتا ہے

کہ پیغمبر اسلام کے عہد تک بھی، یعنی ساتویں صدی عیسوی میں عرب کے علاقے میں گھوڑوں کی تعداد بہت قلیل تھی۔ اور وہاں کے بہت تھوڑے سرداروں کے پاس صرف ایک گھوڑا ہوا کرتا تھا۔ پیغمبر اسلام نے گھوڑے کی پرورش پر خاص زور دیا تھا۔ اور اس کے لئے انہوں نے دُنیا اور عقبیٰ کی نعمتوں کے بہت سے وعدے کئے تھے۔

اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ عربوں میں سوار ہو کر شکار کرنے کا طریقہ اسی وقت رائج ہوا جبکہ گھوڑے کا اس ملک میں سراغ ملتا ہے۔ یعنی ساتویں صدی عیسوی میں جبکہ عربوں میں گھوڑوں کا بہت کم رواج تھا۔ اور صرف اعلےٰ طبقے کے لوگ اسکا استعمال کرتے تھے۔ اور وہ بھی بڑے بڑے بھاری شکاروں میں اور بس۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ انکے سواری میں شکار کرنے کا طریقہ کیا تھا؟

ہم موجودہ بدوی کے طرزِ زندگی سے واقف ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسکے آبا و اجداد کیا ہونگے۔ بدوی زیادہ تر گھوڑے پر سوار رہتے ہیں۔ ان کے گھوڑے بہت پست قامت ہوتے ہیں۔ زین کی جگہ گھوڑے کی پیٹھ پر ایک گدیلہ سا ڈال لیتے ہیں جسمیں کمانیاں نہیں ہوتیں۔ اسکو وہ مرشحہ کہتے ہیں۔ گھوڑے کی باگ ڈور محض ایک رسی ہوتی ہے جو پیتل کی زنجیر سے ملتی جلتی ہے۔ اور جو گھوڑے کے منہ کی روک تھام کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ گھوڑے کے منہ پر بھی ایک قسم کا پردہ سا ہوتا ہے۔ (جیسے یہاں گھوڑے کی آنکھوں پر ہوتا ہے)، ایک نیزے کو گھوڑے کے متوازی لٹکائے ہوتے ہیں۔ اور اسی سے شکار پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ اس تمام شکار میں سب سے اہم شے یہ ہوتی ہے کہ جانوروں کے گروہ کو ہوا کے موافق رُخ پر لایا جائے اور پھر اُن کے قریب پہنچ کر ان پر جلدی

سے حملہ کر دیا جائے جب تک کہ شکار مجبور نہ ہو جائے اسکا باقاعدہ پیچھا کیا جاتا ہے ۔ اس اثنا میں شکاری نیزہ تانے رکھتے ہیں ۔ اس طریقے میں بدوی ہم سے ملتا جلتا ہے ۔ یہ تمام حملہ اپنے مختلف طریق کے اعتبار سے نہایت سادہ اور ابتدائی ہے ۔ اور اس میں گھوڑے کو سدھارنے اور اسکی حرکات کو منظم کرنے کے لیئے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ ساتھ ہی عربی گھوڑے اور جانور بڑے تیز نہایت اصیل اور مشاق ہوتے ہیں ۔

صوفی غلام مصطفےٰ تبسم

مثنوی صفانامه

(به سلسلهٔ اشاعت ماه نومبر ۱۹۲۹ء)

مقالهٔ اوّل در بیان حکم مواعظ و آن مشتمل است بر چهار فصل،

فصل اوّل

در شکایت زمان

از دهن غنچه ام آمد بگوش — دوش حدیثی که دلم برد [و] هوش
کای شده مشغوف گل بوستان — خیز که رفتند همه دوستان
بر در آن دیر خراب کهن — خامهٔ نقاش نبشت این سخن
کای شده مشغول بعزّی و لات — خیز که بگذشت بغفلة حیات
از ورق ماه بخطّ کبود — خواند شبی زهره و زد بر سرود
کای مه تابنده خلالی شوی — بدر نمائی و هلالی شوی
صبح دمی بر سر کوی طرب — خوش نفسی گفت سرودی عجب
کای همه کارت شده چون چنگ راست — با عملت قول مخالف چراست
بر ورق هر گل عنبر سرشت — خامهٔ قدرت سخنی خوش نوشت
کانچه ازین مزرعه برداشتند — حاصل تخمی است که خود کاشتند

وقت گلی بر طرف لاله زار　　گذت صبوحی زده در خمار

کز می روشن قدمی صبحدم　　پیش خردمند به از جام جم

ساقی ازان می که ندارد خمار　　جرعهٔ از بهر حریفان بیار

مطرب ازان پرده که جان پرورست　　مجلسیانرا عملی در خور است

شمع که بر سر بودش تاج زر　　باشدش آتش همه شب در جگر

بس که بمقراض سرش چیده اند　　کشته و آویخته اشش دیده اند

بر رخ او خون جگر می رود　　بر نفسش دود بسر می رود

خیمهٔ شعرش شده بر دود دل　　پای فرو رفته ز اشکش بگل

در دهن گاز همه شب سرش　　کفش ز آهن کله از آذرش

رنگ چو آبی و سرشک آتشی　　چهره برافروخته از سرخوشی

میچکدش خون جگر از مژه　　می فتدش لؤلؤ تر از مژه

از جگرش رفته بسر آتشی　　همدم او هر خوشی و ناخوشی

رشتهٔ جانش چو بر آذر بود　　مجلس اصحاب منور بود

گریهٔ او از سبب خنده است　　روز فرو مرده و شب زنده است

سوخت ز سر تا قدم آهی نکرد　　دید عذاب ارچه گناهی نکرد

شمع چو از غصهٔ ایام سوخت　　رخ ز شرر از آتش می بر فروخت[۱]

ساقی اگر باده همه آتش است　　کوزهٔ از صافی آن خم خوش است

مطرب اگر چنگ حرام است و نای　　ساز رها کن غزلی می سرای

غره چه باشی به بهار ای چمن　　چند زنی لاف ز سرو و سمن

گل که بود صحن تو ماوای او　　خار بود یار و هم آوای او

---

۱ کذا

جب خان عالم کو سفیر بنا کر ایران روانہ کیا گیا۔ تو اس کے ساتھ بشن داس مصوّر کو بھی بھیجا تاکہ شاہ عباس کی تصویر اتار کر لائے۔ یہ بشن داس اس زمانے کا ایک عمدہ مصوّر تھا۔ جسکے فن کو جہانگیر کی معارف پروری نے ضرور ترقی دی ہوگی۔

عہد اکبری کے بیان میں ہم نے ایک شاعر کا ذکر کیا ہے۔ جس کا نام مرزا محمد منوہر توسنی تھا۔ اور جو زیادہ تر جہانگیر کی رفاقت میں تربیت پاتا رہا ہے۔ جہانگیر کا سلوک اپنی بادشاہی کے زمانہ میں اس کے ساتھ بہت حد تک مربیانہ رہا۔ چنانچہ خود تزک میں اس کی شاعری اور قابلیت کا ذکر نہایت اچھے الفاظ میں کرتا ہے۔

شاہ جہان | اگرچہ شاہ جہان کا سب سے بڑا کمال اس کی تعمیری سرگرمیوں میں پنہاں ہے۔ تاہم تعلیمی ترقی اور علمی احیا و ترویج میں بھی وہ اپنے کسی پیش رو سے کم نہیں۔ اس کا زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ امن اور خوش حالی کا زمانہ تھا۔ اور مکاتب و مدارس کی بہتات، علوم و فنون کی کثرت اور علما و فضلا کا اجتماع عظیم صاف صاف بتلا رہا ہے۔ کہ اس ہنگامۂ عمل میں اس بیدار مغز بادشاہ کا بہت بڑا حصّہ تھا۔ شاہجہان نامہ اور عمل صالح کی ان فہرستوں پر اگر نگاہ ڈالی جائے۔ جن میں شعرا فضلا علما، ارباب فن کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ تو ہمیں یہ زمانہ علمی لحاظ سے ایک زریں عہد معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں تعجب ہوتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ برنیر نے اس عہد کی تعلیمی پستی اور علم کی کم رواجی

(حاشیہ صـ۲۴) [1] تزک جہانگیری (طبع سرسید) ص ۱۸؛ اقبالنامۂ جہانگیری ص ۳۰۶، [2] تزک (ترجمہ راجرز) ج ۱، ص ۲۰۵ [3] تزک (سرسید) ص ۱۱۹ [4] ایضاً

[5] تزک (سرسید) ۲۸۵، ۳۲۹ [6] تزک (سرسید) ص ۱۷۵، ۱۷۶؛ بینی پرشاد جہانگیر ص ۲۷۶؛ اقبالنامۂ جہانگیری ص ۹۵ وغیرہ۔) تزک۔ ص ۳۲۹،

کی کتنی خلاف واقعہ تصویر کھینچی ہے۔ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ برنیر کا بیان سراسر غلط اور باطل ہے۔ اور شاہجہان کے زمانے کی علمی بلندی کے پیش نظر ایک بہتان سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ علم کے علاوہ شاہجہان موسیقی کا بہت بڑا قدردان تھا۔ اس کے دربار میں مہاپاترا اور رام داس دو بہت بڑے موسیقی دان تھے۔ اس بادشاہ کے عہد میں مسلمانوں میں علی العموم اور ہندوؤں میں علی الخصوص، انشا، شاعری اور تاریخ کو جو ترقی حاصل ہوئی۔ وہ اس بادشاہ کی علم دوستی کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

دارا شکوہ دارا[1] شکوہ، شاہ جہان کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ اسکی طبیعت تصوف اور فلسفہ کی طرف مائل تھی۔ وہ عربی فارسی کے علاوہ، ہندی اور سنسکرت کا بھی بہت بڑا فاضل تھا۔ اپنی عمر کے آخری حصے میں دارا کی طبیعت میں ویدانت کی طرف بہت میلان پیدا ہو چکا تھا۔ اپنے باپ کی حکومت کے زمانے میں جب اسے بنارس کا گورنر بنایا گیا۔ تو اس نے بڑے بڑے فاضل برہمنوں کو ویدوں کے ترجمے کے لئے بلایا۔ اس کے ذہن پر ہندو علوم کا گہرا اثر موجود تھا۔ اپنشد کو وحدانیت اور سرالٰہی کا منبع خیال کرتا تھا۔ اسنے اپنی انگشتری پر "پربھو" کندہ کروایا تھا۔ ملا شاہ بدخشی کا مرید باصفا تھا۔ اور ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ دارا نے سفینۃ الاولیا کے نام سے اولیا و اصفیا کا ایک ضخیم تذکرہ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اسنے ہندو علوم کی چند کتابوں کے ترجمے فارسی میں کئے یا کرائے ہیں۔ اپنشد کا ترجمہ "سراکبر" یا سرالاسرار کے نام سے بہت مشہور ہے۔ کہا

---

[1] دارا شکوہ کے حالات کے لئے دیکھو سرکار۔ تاریخ اورنگ زیب۔ ج ۱، ص ۲۹۳ - ۳۰۲؛ دیباچہ مجمع البحرین (طبع کلکتہ)۔ وغیرہ،

جاتا ہے۔ کہ اس نے بھگوت گیتا[1] اور یوگ وششٹا کا ترجمہ بھی کرایا۔ دارا کی کتاب مجمع البحرین جس کو حال ہی میں پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے شایع کیا ہے۔ ہندو اور اسلامی فلسفے کے مقامات اتصال سے بحث کرتی ہے۔ اور اس موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ دارا شکوہ کو ہندو علما اور منشیوں سے بہت انس تھا۔ اور ان کی حوصلہ افزائی سے کبھی دریغ نہ کرتا تھا۔

اورنگ زیب عالمگیر عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ کہ عالمگیر ایک متعصب بادشاہ تھا۔ جسنے ہندو رعایا کو اذیت پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اورنگ زیب کی سیاسی حکمت عملی کچھ بھی ہو۔ ہمیں اس سے بحث نہیں۔ ہم یہاں صرف اسکی تعلیمی سرگرمیوں کو مدنظر رکھیں گے۔ جو ہندوؤں کی ترقی و تنزل پر بہت حد تک اثر انداز ہو سکتی تھیں۔ ۱۰۸۲ھ میں بادشاہ نے ایک فرمان جاری کیا۔ کہ ہندو عاملوں، تعلقداروں، منشیوں اور متصدیوں کو برطرف کیا جائے۔ اور ان کی جگہ دفاتر میں مسلمانوں کو بھرتی کیا جائے چنانچہ خافی خان[2] لکھتا ہے:۔

"صوبہ داران و تعلقہ داراں پیشکاران و دیوانیان ہنود را برطرف ساختہ مسلمانان مقرر نمایند و کروری محالات خالصہ مسلمانان مے نمودہ باشند"

علامہ شبلی[3]، "عالمگیر پر ایک نظر" میں لکھتے ہیں۔ کہ اس

---

[1] برٹش میوزیم کے نسخوں میں گیتا کا ترجمہ ابوالفضل کی طرف منسوب ہے۔ اڈیٹر

[2] خافی خان ج ۲۔ ص ۲۴۹، [3] عالمگیر پر ایک نظر۔ ص ۶۸،

فرمان کی ضرورت زیادہ تر اس لئے محسوس ہوئی کہ شعبۂ مالیات کے اکثر حکام جو ہندو کایستھ تھے - رشوت ستانی کے عادی ہو گئے تھے - بادشاہ نے اس بد انتظامی اور بے قاعدگی کے استیصال کے لئے سخت اور موثر قدم اٹھایا - یہی اصلاحی اقدام تھا - جس کی وجہ سے سینکڑوں معمولی متصدی ملازمتوں سے برطرف ہوئے - اور چونکہ ان مظلوموں یا سزا یافتہ لوگوں میں ہندوؤں کی اکثریت تھی - اس لئے اورنگ زیب کی دوسری کوششوں سے متاثر ہو کر اس واقعہ کو بھی یہ آب و رنگ دے دیا گیا ہے - بعینہ یہ خیال سید ہاشمی صاحب نے ایک مضمون کے دوران میں ظاہر کیا ہے - جو موصوف نے "تنقیحی عالمگیر" کے عنوان سے اسلامک کلچر[1] میں رقم فرمایا ہے -

ان ہر دو بزرگوں کی یہ توجیہ شاید اس رو سے تحقیق کوئی زیادہ وقیع نہ معلوم ہو - اس لئے کہ فرمان میں صرف ہندوؤں کا ذکر ہے - ہاں یہ بات ضرور مد نظر رکھنی چاہئے - کہ بادشاہ کا یہ اقدام سیاسی اعتبار سے غیر مؤثر ثابت ہوا - اس لئے کہ اس زمانے میں ہندو لوگوں نے سیاق و انشا اور دیگر امور دیوانی میں اتنی مہارت پیدا کر لی تھی - کہ بادشاہ کو اپنے اس حکم پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوئی - چنانچہ حکم ہوا - کہ زاں بعد آدھے بخشی اور آدھے پیشکار مسلمان ہوں - اور آدھے ہندو - چنانچہ خافی خان[2] نے لکھا ہے :-

"بعد چنان قرار یافت کہ از جملہ پیشکاران دفتر دیوانی و بخشیان سرکار یک مسلمان و یک ہندو مقرر نمودہ باشند"

سرکار[3] نے بھی اپنی تاریخ اورنگ زیب میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے - یہ

---

[1] اسلامک کلچر - اکتوبر ۱۹۳۲ء ص ۵۰۰ [2] خافی خان ج ۲ - ص ۲۴۹ - ۲۵۲ ، [3] سرکار - تاریخ اورنگ زیب ج ۳ ص ۵۰۰

حکم پہلے حکم سے تھوڑے دنوں بعد ہی جاری کر دیا گیا تھا ۔ اور قیاس کہتا ہے کہ اورنگ زیب کا پہلا حکم ابھی دائرۂ عمل میں آیا ہی نہ ہوگا ۔ کہ یہ دوسرا فرمان نافذ ہوگیا ۔ عہد عالمگیری میں ہندو ملازمین کی کثرت اور ان کا بڑے بڑے عہدوں اور منصبوں پر فائز ہونا بتلاتا ہے ۔ کہ اس فرمان کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا ۔ مولانا شبلی نے عہد عالمگیری کے متعدد اعلےٰ منصبداروں کی ایک فہرست تیار کی ہے ۔ جن میں تمام ان لوگوں کو شامل کیا گیا ہے جو اس فرمان کے بہت بعد مرہٹوں کے ساتھ برسر جنگ رہے ۔

تعلیم کے سلسلے میں بادشاہ کے ایک اور اقدام عمل کا ذکر بھی عام طور پر کیا جاتا ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ اورنگ زیب نے ہندوؤں کے معابد اور مکاتب کو منہدم کروا دیا تھا[۱]۔ لیکن یہ واضح رہنا چاہیئے ۔ کہ بادشاہ کا یہ حکم عام نہ تھا ۔ بلکہ صرف ان معابد و مدارس کے ساتھ مخصوص تھا جو سیاسی طور پر اس قابل سمجھے جاتے تھے ۔ چنانچہ پروفیسر جادو ناتھ سرکار نے اپنی کتاب میں اورنگ زیب کی معابد شکنی کے واقعات کی جو تاریخی فہرست مرتب کی ہے ۔ اس میں ایسے واقعات بھی ہیں ۔ جن میں مورخ موصوف نے اورنگ زیب کی مندروں کو امداد دینے کے واقعات کا اعتراف کیا ہے ۔ مولانا شبلی[۲] "عالمگیر پر ایک نظر" میں لکھتے ہیں ۔ کہ بادشاہ کا یہ حکم صرف ان مندروں کے لیئے تھا ۔ جن میں بغاوت اور سرکشی کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی ۔ اور جو سازش اور طغیانی کا مرکز بن چکے تھے ۔ خافی خان لکھتا ہے ۔ کہ بادشاہ نے سنا کہ بعض مندروں اور مکتبوں میں مسلمان لڑکے بھی ہندوؤں سے تعلیم

---

[۱] مآثر عالمگیری ۔ ص ۸۱ [۲] عالمگیر پر ایک نظر ۔ ص ۵۰ ،

حاصل کرتے ہیں۔ بادشاہ نے اسکو سراسر خلاف سیاست سمجھتے ہوئے ایسے معابد کے خلاف قدم اٹھایا۔ مآثر عالمگیری[1] میں لکھا ہے :-

"بعرض خداوند دین پرور رسید کہ در صوبہ ٹھٹہ و ملتان خصوص بنارس
برہمناں بطالت نشان در مدارس مقرر بہ تدریس کتب باطلہ اشتغال
دارند و راغبان و طالبان ہنود و مسلمان مسافت ہائے بعیدہ نمودہ
جہت تحصیل علوم شوم نزد آں جماعہ گمراہ مے آیند"

بادشاہ کے ان افعال کو قابل ملامت بھی قرار دیا جائے۔ تو بھی اس کی حکمت عملی کا اثر فارسی تعلیم کی اشاعت و ترویج پر مطلق نہیں ہوا۔ بلکہ جیسا کہ ہم آگے چلکر دکھائینگے اس زمانے میں ہندوؤں نے پہلے سے بھی زیادہ فارسی کی طرف توجہ کی۔ ان مصنفین میں سے اکثر و بیشتر شاہی ملازم تھے۔ اور اسی حیثیت سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے بہت سی عمدہ تاریخی تصنیفات کی ہیں۔

محمد اعظم و محمد معظم اورنگ زیب کی وفات کے ساتھ مغلوں کی شان و شوکت کو بہت کچھ زوال آگیا تاہم مغلیہ قوم کی ہیبت ہر طرف جمی ہوئی تھی۔ اورنگ زیب کے دونو بیٹے محمد اعظم اور محمد معظم ہونہار اور مدبر تھے۔ مگر اورنگ زیب کی وفات پر جانشینی کے لئے جو جھگڑا ہوا۔ اس میں محمد معظم کو فتح حاصل ہوئی۔ اور وہی تخت شاہی پر بیٹھا۔ ذیل کی سطور میں ہمیں ایسے مصنفین کا حال بھی ملیگا۔ جو محمد اعظم کے دربار سے متعلق تھے۔ لیکن انہیں اورنگ زیب کے زمانے کے مصنفین میں شمار کرنا چاہئے۔ جبکہ محمد اعظم شہزادہ ہونے کی حیثیت سے مختلف صوبوں کی گورنری کے فرائض انجام دیتا رہا۔

---

[1] عالمگیر پر ایک نظر۔ ص ۵۰، [2] ایلیٹ۔ ج ۷، ص ۱۵۵

تاریخ ارادت خانی[1] میں لکھا ہے۔ کہ محمد معظم ایک تعلیم یافتہ، سلیم المزاج، مہذب بادشاہ تھا۔ وہ عام طور پر تمام مذاہب و ادیان کے رہبروں سے گفتگو میں مصروف رہتا۔ فلسفہ اور تصوف کی کتابوں کو شوق سے پڑھا کرتا تھا۔ گورو گوبند سنگھ جی کے ساتھ دوستانہ روابط رکھتا تھا۔ وہ مرہٹوں اور راجپوتوں کے ساتھ مصالحت اور نرمی کا برتاؤ کرتا تھا۔ اگر قدرت نے اسے کچھ سال اور زندہ رہنے کا موقعہ دیا ہوتا تو ہندوستان کی تاریخ کے ابواب کی ترتیب موجودہ ترتیب سے مختلف ہوتی۔

محمد معظم ۱۱۲۴ھ میں راہگرائے عالم جاودانی ہوگیا۔ ہم نے ان سلاطین کی حکمت عملی کے ان پہلوؤں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن کا تعلق ہندوؤں کی تعلیم و ترقی سے تھا۔ تاکہ اس بیان سے ہم اس عہد کے فارسی لٹریچر میں ہندوؤں کی کوششوں کے ساتھ اسکا کچھ تعلق دکھا سکیں۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ اکبر کے زمانے میں ہندوؤں نے جس سرعت اور قوت کے ساتھ فارسی کی طرف اقدام کیا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہندو لوگ بہت تھوڑے عرصے میں دفاتر دیوانی پر چھا گئے۔ تصنیف و تالیف میں نام پیدا کیا اور باوجود مخالف حالات کے ان کی ترقی اور عروج میں مطلق کوئی فرق نہ آنے پایا۔ فرشتہ[2] عہد جہانگیری کے اواخر میں لکھتا ہے:۔

"......... براہمہ .... قلادۂ نوکری در گردن نمے انداختند و اول کسیکہ از فرقہ براہمہ در دور سلاطین نوکری قبول کرد۔ گانگو پنڈت بود و تا حال کہ ۱۰۱۶ ست۔ بخلاف سائر ممالک ہند خصوصاً دفتر پادشاہان دکن و نویسندگئے ولایات الیشان بہ بہامنہ مرجوع است"

---

[1] ایلیٹ۔ ج ۷، ص ۵۵۲،
[2] فرشتہ ج ۱، ص ۲۷۸،

اس عہد کے لٹریچر کی بعض امتیازی خصوصیات اس زمانے میں جو لٹریچر پیدا ہوا۔ اسے ہم بلحاظ مدارج تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:۔

(۱) ترجمے کا دور

(۲) تاریخ و فن انشا کا دور

(۳) عام تصنیفات کا زمانہ اور فارسی علوم کی اشاعت عام

اکبری عہد کے لٹریچر کا حال ہم پڑھ آئے ہیں۔ اس زمانے میں ہمیں کوئی خاص قابل قدر کتاب دستیاب نہیں ہوتی۔ لیکن ہندوؤں میں فارسی تعلیم کا شوق ہمہ گیر ہو چکا تھا۔ اس لئے جہانگیر کے عہد میں سب سے پہلی تصنیفات جو ہمیں ملتی ہیں۔ وہ تراجم ہیں۔ اس معاملے میں ہندوؤں کی تصنیفات کا آغاز اور اس کی ترقی کا حال دنیا کی باقی زبانوں سے بہت حد تک مشابہ ہے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ تصنیفی قابلیت کے پیدا ہونے سے پہلے عموماً تراجم کی طرف ہی توجہ کی جاتی ہے۔ جہانگیر کے عہد کو "تراجم کا عہد" کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ شاہ جہان اور اورنگ زیب کے زمانے میں انشا اور تاریخ نگاری کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ علی الخصوص تواریخ میں ہندوؤں نے ایسا کمال پیدا کیا کہ اس عہد کی تاریخیں بلحاظ ثقاہت، جدت اور اعتبار کے تمام زبانوں سے بڑھی ہوئی ہیں۔ خلاصۃ التواریخ، لب التواریخ وغیرہ ہنود کی بہترین تاریخیں ہیں۔ جن کا مقابلہ بعد کی کتابیں نہیں کر سکتیں۔ اورنگ زیب کی حکومت کے اواخر میں ہندوؤں میں فارسی علوم نے بہت رواج پا لیا تھا۔ یہاں تک کہ اورنگ زیب نے جب ہندو متصدیوں کو برطرف کرنے کا ارادہ کیا۔ تو اُسے اپنے اس عزم میں سخت ناکامی ہوئی۔ یہ ہندوؤں میں فارسی کی اشاعت عام کا زمانہ تھا۔

اس سلسلے میں بعض اور امور کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اولاً یہ کہ ہندوؤں کے اس زمانے کے فارسی لٹریچر کا مطالعہ کرنے سے تعجب ہوتا ہے۔ کہ کس طرح ایک

تنقید و تبصرہ

(۱)

اُردو شہپارے

(جلد اوّل)

(از ڈاکٹر سید محی الدین قادری ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی)

جسکو

مکتبہ ابراہیمیہ، امداد باہمی محدود اسٹیشن روڈ حیدر آباد دکن

نے شایع کیا

(مجلّد قیمت چھ۶ روپے ۱۲ر)

گذشتہ چند سالوں سے قدیم اُردو اور اسکے ادبیات کے متعلق ہندوستان میں تحقیقات کا شوق روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔جس سے ہمارے ذخیرۂ معلومات میں معتد بہ اضافہ ہو گیا ہے۔ اور اگر تحقیق و تلاش کی یہی رفتار جاری رہی تو وہ دن دور نہیں جب اردو کی فراموش شدہ تاریخ بحدود دنیا کے سامنے آجائے۔ ابتک اس سلسلہ میں جو کچھ ہو چکا ہے۔ اس سے ہمارے کئی پُرانے نظریے منسوخ ہو گئے ہیں۔ اور نئے نظریے ان کے بجائے قایم کئے گئے ہیں، جنکے معتبر و مستند ہونے میں کسی احتمال کی گنجائش نہیں۔اس خصوص میں دکن نے ہندوستان کے دیگر صوبوں کے مقابلہ میں بڑا کام کیا ہے۔ اور حقیقت میں قدیم اردو کی تحقیقات کی تمام تر تحریک دکن کیساتھ

وابستہ ہے۔ اُردو کے ان پرستاروں میں سب سے پیش پیش مولوی عبدالحق بی آے آنریری سیکرٹری انجمن ترقی اُردو ہیں۔ جو فی الواقع اس جدید تحریک کے پیشوا اور امام ہیں۔ ان کے مفید اور عالمانہ مضامین نے جو وقتاً فوقتاً رسالۂ اُردو اورنگ آباد میں شایع ہوتے رہے ہیں۔ اردو کی تاریخ میں انقلابی کام کیا ہے۔ ان کے بعد حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری ہیں۔ جنکی مختصر مگر جامع معلومات تصنیف 'اردوی قدیم' تاریخ اردو میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ آغا حیدر حسن دہلوی پروفیسر نظام کالج حیدر آباد مصنّف 'پس پردہ' کا ذکور بھی اس خصوص میں ضروری ہے۔ موصوف نے اپنے متفرق مضامین سے دکنی مصنفین کے حالات و تصنیفات پر جدید روشنی ڈالی ہے۔ دوسرا بڑا کام مولوی عبدالحق کیطرح آپ نے یہ کیا ہے کہ قدیم دکنی مصنفین کے مخطوطات کا ایک گرانقدر ذخیرہ بڑی سعی و تلاش سے جمع کیا ہے۔

اس فہرست میں نیا اضافہ جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل سید محی الدین قادری ایم۔اے کے نام سے ہوتا ہے جو سال گذشتہ لندن سے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری لے کر واپس ہندوستان آئے ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں قدیم اُردو ادبیات سے متعلق متفرق تاریخی و ادبی مواد کو ایک تالیف 'اردو شہپارے' جلد اول کی شکل میں بسلسلۂ مطبوعات مکتبۂ ابراہیمیہ مرتب کیا ہے۔

اُردو شہپارے حیدر آباد کی طباعت کی ایک نفیس مثال ہے۔ کاغذ و کتابت کی اعلیٰ پائگی کے علاوہ اہل مطبع نے اسکو دیدہ زیب و دلپسند بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہے۔ ادہر جناب مرتب نے کتاب کی ترتیب میں محنت اور سلیقہ سے کام لیا ہے۔ اور کئی امور میں اپنی جدّت پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ مثلاً آغاز میں ایک مختصر سی عام فہرست پر قناعت کی گئی ہے۔ جو ابواب مندرجۂ کتاب کی حامل ہے۔ مضامین ابواب کی فہرستیں کتاب کے اندر ہر باب کے شروع میں

دی گئی ہیں۔کتاب کے آخر میں آٹھ ضمیمے ۔ فہرست سنین و واقعات، فرہنگ الفاظ اور اشاریہ درج ہیں ۔ باوجودیکہ فہرستیں اس کتاب کا ایک وقیع جزو ہیں تاہم ناظرین کتاب کے لئے عام مطالب کتاب پر آسانی سے رسائی حاصل کر لینا مشکل ہے ۔ شاعر کا ذکر کہیں ہے ۔ نمونۂ کلام کہیں ہے ۔ اور اگر اتفاق سے وہ نثرنگار بھی واقع ہوا ہے ۔ تو اسکی نثر کسی اور مقام پر ہے ۔ اور نہ تمام نمونۂ کلام ایک جگہ درج ہے بلکہ مختلف مقامات پر ۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ تفصیلی فہرست کا آغاز کتاب میں درج نہ ہونا ایک افسوسناک فروگذاشت ہے ۔

ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے ۔کہ اردو کے لسانی اور صوتی پہلوؤں پر کام کرنے کے لیئے انہیں لندن ۔ آکسفورڈ ۔ کیمبرج ۔ پیرس اور اڈنبرا کے کتب خانوں کی سیر کرنی پڑی ۔ ان کتب خانوں میں قدیم اردو کی کتابیں بھی نظر سے گذریں ۔ تب انہیں خیال آیا کہ اس تمام ادبی ذخیرہ کے بہترین حصوں کا انتخاب جمع کر لیا جائے ۔ تاکہ اردو دانوں کی خدمت میں پیش کیا جا سکے (صا) جب گذشتہ سال تعطیلات میں ہندوستان آئے تو سارے انتخابات ان کیساتھ تھے ۔ حیدرآباد آنے پر اس میں صرف چند اضافے کئے گئے ۔(صب) ۔ شعرا اور ان کی کتابوں کے متعلق جو کچھ حالات لکھے گئے ہیں ۔ وہ خود ڈاکٹر صاحب کی ذاتی تحقیق و تفتیش اور اصلی ماخذوں کے مطالعہ کا نتیجہ ہیں ۔ اور کہا ہے کہ اس بات کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے ۔ کہ سُنی سُنائی اور غیر مستند تحریروں پر بھروسہ نہ کیا جائے (تمہید) ۔ یہ بیانات اگر صحیح ہیں تو اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر زور نے ایک بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے ۔ اب ہم اصل کتاب پر ایک نظر ڈالتے ہیں ۔

"اردو ادب شمالی ہند میں" اس عنوان کے تحت میں ڈاکٹر صاحب نے جو امور بیان کئے ہیں ۔ ہمیں ان سے اختلاف ہے ۔ لکھتے ہیں" یہ درحقیقت ایک

حوصلہ فرسا بات ہے کہ ان ممالک میں جہاں اردو نے جنم لیا اسکو عرصۂ دراز تک
معمولی ملکی زبان سے زیادہ درجہ نہیں دیا گیا۔ بلکہ اس کے برخلاف گیارھویں صدی
ہجری کے آخر تک کیا علما اور کیا امرا دونوں اس سے بیزار رہے اور اس دوران
ہیں یہ کہنا مناسب (کذا) نہ ہوگا کہ وہ کبھی ادبیات میں استعمال نہیں کی گئی صـ۹
اگر سرود اور شعر ادبیات کے ذیل میں شمار ہو سکتے ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں۔
کہ شمالی ہند میں گجرات و دکن سے بہت پیشتر ملکی زبان میں شعر گوئی شروع ہو
جاتی ہے۔ ابھی مسلمانوں کو دہلی میں آباد ہوئے۔ تیس چالیس سال گذرے ہونگے
کہ ان میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے۔ جو ہندی شاعری موسیقی اور نغمات میں دلچسپی لینے
لگے۔ صوفی حلقوں میں عربی قول اور فارسی غزل کے ساتھ ہندی سرود شامل کر
لیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں شیخ احمد نہروانی کا نام قابل ذکر ہے۔ یہ ذات
کے جولا ہے اپنے ہم پیشہ و ہم مشرب شاہ کبیر سے دو صدی پیشتر گذرے ہیں
اخبار الاخیار میں ان کو قاضی حمیدالدین ناگوری کا مرید بتایا گیا ہے۔ اور مخزن الاصفیا
میں ان کا سال وفات ۶۶۱ھ دیا ہے۔ لیکن ان کے متعلق صحیح بیانات وہ ہیں
جو شیخ نظام الدین اولیا نے اپنے ملفوظات میں دئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے
کہ شیخ احمد نہروانی بڑے خوش آواز تھے۔ اور ' ہندوی کہنے' کا ان کو بڑا شوق تھا
ایک روز شیخ ماد ہونے جن سے موصوف نے فیض پایا تھا۔ شیخ احمد کو ہندوی
سرود گاتے سُنا کہنے لگے افسوس ہے کہ ایسی عمدہ آواز کو سرود ہندی میں ضایع کیا
جاتا ہے۔ کلام مجید کیوں نہیں سیکھتے۔ شیخ احمد نے تعمیل کی اور کلام مجید سیکھ
لیا۔ میں یہاں اصل عبارت نقل کر دیتا ہوں۔

"چنین گویند کہ او نعمت از فقیر ماد ہو یافتہ بود و این فقیر ماد ہو امام مسجد جامع اجمیر
بود۔ روزی شیخ احمد نہروانی ہندوی میگفت و اوان جوانی آواز خوب داشت

ہندویہا خوش گفتے - چون فقیر مادہو شنید گفت چنین آوازے کہ تو داری دریغ باشد که درسرود ہندی خرج کنی فقیر مادہو فرمود کہ قرآن یاد کن شیخ احمد نہروانی قرآن یاد گرفت (صفحہ ۱۸۷ فوائد الفواد فخر المطابع سنہ ۱۲۰۲ھ)

اس سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں میں ہندی سرودگوئی اس عہد میں رائج تھی شیخ احمد نہروانی کا مزار بدایوں میں ہے - اور وہ اس مجلس سماع میں شریک تھے - جس میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی متوفی سنہ ۶۳۳ھ انتقال کرتے ہیں - شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر متوفی سنہ ۶۶۴ھ ہندی میں شعر گوئی کرتے رہے ہیں - ذیل کا دوہا شیخ بہاء الدین باجن متوفی سنہ ۹۱۲ھ نے اپنی تصنیف میں ان کے نام پرو دیا ہے ؎

سائیں سیوت گل ڈگہل گئی ماس نرہیا دیہہ تب لگ سائیں سیوساں جب لگ ہوسو لیہہ

ادہر شیخ شرف الدین بو علی قلندر کے حالات میں مجمع الاولیا میں مذکور ہے - کہ انہوں نے یہ دوہرہ شیخ نظام الدین اولیا کے دوہرہ کے جواب میں لکھا تھا ؎

ساہرے نہ مانیوں پیو کے نہیں تہانو کنہہ نہ بوجھی بات روی دھنی سہاگن نانو

اور مبارز خاں کو یہ دوہا لکھا تھا ؎

سجن سکارے جائینگے اور نین مرینگے روے بدہنا ایسی رین کر بہور کدہی نا ہوے

انکے معاصر شیخ نظام الدین اولیا نے خود دوہرے کہے ہیں - ہندی موسیقی سے انکو الفت تھی اور پوربی سے تو گویا عشق تھا - کتاب چشتیہ (صفحہ ۶ ب) میں لکھا ہے " سلطان الاولیا را پردۂ پوربی بغایت خوش آمدے ...... میفرمودند کہ ما پیر شدیم و پوربی پیر نشد " -

ان ایام میں ایک خاص صنف سخن جسکا نام جکری (ذکری) تھا بہت رائج تھی - اور ہمیشہ ہندی میں لکھی جاتی تھی - شیخ نظام الدین اولیا کو ایک مرتبہ جکری

پرحال آیا تھا - جسکے متعلق صاحب سیرالاولیا لکھتے ہیں :-

" قوال جکری از مولانا وجیہہ الدین بصوتے مرق میگفت و غالب ظن من آنست کہ این جکری بود - ہینا بن بہاجی ایما سکھہ سیں باسوں) " حضرت سلطان المشائخ را این ہندوی اثر کرد " ص۵۱۲

خواجہ مسعود سعد سلمان اور امیر خسرو کے متعلق زور صاحب کا خیال ہے - کہ " وہ اس زبان میں شعر نہیں کہتے تھے - جسکو عام طور پر ہندو اور مسلمان بولتے تھے (ص۹) اور ہم سوچ رہے ہیں کہ آخر یہ بزرگ جو زبان بولتے تھے - اگر اس زبان میں شعر گوئی نہیں کرتے تھے - تو پھر کونسی زبان میں کرتے تھے - ڈاکٹر صاحب کے نزدیک خسرو کے کلام کی زبان مشتبہ ہے - اسی طرح خسرو کے مروجہ اشعار بھی انکے نزدیک مشتبہ ہیں - بلکہ غیر معتبر (ص۱۰) لیکن شکر ہے کہ ڈاکٹر زور اپنی اس رائے میں تنہا ہیں - ابھی تک کسی نے امیر خسرو کے کلام کے متعلق شبہ نہیں کیا تھا - میر تقی میر نے غالباً اسی موقعہ کے لئے لکھا تھا -

اشعار ریختہ آن بزرگ بسیار دارد ' درین خود تردد ے نیست (ص۲ - نکات الشعرا) جب میر صاحب کو تردد نہیں ہے - تو ہم نہیں سمجھتے کہ ڈاکٹر صاحب کو اس معاملہ میں کیوں تردد ہے - خود امیر خسرو دیباچہ غرۃ الکمال میں لکھ رہے ہیں - جزوے چند ہندوی نیز نذر دوستان کردہ شدہ است " ہمارے خیال میں امیر کا ایسا کلام جو فارسی اور ہندی مصرعوں پر شامل ہے - اور شہر آشوب سے تعلق رکھتا ہے - ہر قسم کے اشتباہ سے پاک ہے - مثلاً

زرگر پسرے چو ماہ پارا کچھ گھڑیے سنواریے پکارا
نقد دل من گرفت وبشکست پھر کچھ نہ گھڑا نکچھ سنوارا

یہی قطعہ نکات الشعرا میں نیز مخزن نکات میں دیا گیا ہے - میر حسن

نے امیر کی غزل کا یہ مطلع دیا ہے ؎

زحال مسکین مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں چو تاب ہجران ندارم اے جان نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

(صفحہ ۹۲ تذکرۂ میر حسن)

اسی غزل کے دو شعر شفیق اورنگ آبادی نے اپنے تذکرہ میں صفحہ ۵۴۸ پر دیے ہیں۔ یہ تذکرہ ۱۱۴۷ھ میں لکھا جاتا ہے۔ اور یہی پوری غزل ایک ایسی بیاض میں موجود ہے۔ جو سنہ ۹ جلوس محمد شاہی میں لکھی جاتی ہے۔ بیاض کے مرتب کا نام پرتاب سنگھ ہے۔ جو موضع راہوں ضلع جالندھر پنجاب کا باشندہ ہے۔ اب جو چیز اب سے دو سو سال پیشتر قریب قریب ایک ہی وقت میں پنجاب دہلی اور دکن جیسے مختلف مقامات میں امیر کیطرف منسوب کی جا رہی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ انتساب کسی نہ کسی پائدار بنیاد پر قائم ہے۔

عبدالواسع ہانسوی اپنے دستور العمل میں خسرو کا یہ شعر نقل کرتے ہیں۔

از چل چل تو کار من زار شد کچل من خود نمی چلم تو اگر می چلی بچل

(صفحہ ۴۱ رسالہ عبدالواسع مسیح الزمان)

وجہ الدین وجہی خسرو کا ایک دوہرہ اپنی تصنیف سبرس مؤلفہ ۱۰۴۵ھ میں حسب ذیل نقل کرتے ہیں

پنکھا ہو کر میں ڈولے ساتھے تیرے جاؤ ڈولتے مجکاؤں جنم گیا تیرے لیکھیں باؤ

امیر خسرو پر کیا منحصر ہے۔ شمالی ہند میں اور بزرگ بھی ایسے ہوئے ہیں جو امیر کے نقش قدم پر چلے ہیں۔ مثلاً شیخ عبدالحق ادولوی متوفی ۸۳۷ھ اور شیخ پیارا متوفی ۸۶۵ھ جنکے بعض دوہرے شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی تصنیفات میں موجود ہیں۔ یہاں میں شیخ پیارا کے دوہروں پر قناعت کرتا ہوں۔

پیٹ بودے یہ جاتوں دھک جیون تیرا سائیں تہیں توں کی پھر ادیکہ کتب گھنیرا

ایکو کام نہ آوسی جب پڑسی بیرا چھوڈ پیارا سائیاں توں جانہن کیرا
(رشد نامہ)

میں بالفعل اسی مختصر پر کفایت کرتا ہوں اور اسقدر اضافہ کرتا ہوں کہ وہ گجراتی ہوں یا دکنی ہندی شعر گوئی کا چسکا شمال ہندوستان ہی سے لے کر جاتے ہیں -

گجرات کے دبستان اردو کے ذکر میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے " اس وقت گجرات کے اردو کارنامے بہت کم دستیاب ہوتے ہیں - اور وہاں کی اردو کی نشو ونما اور ترقی کی نسبت ہماری معلومات بھی دوسرے مرکزوں کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے صـ۱۱ - ان کا یہ بیان بیشک صحیح ہے - لیکن دیکھا جاتا ہے - کہ اس سلسلہ میں جو اطلاع انکو ملی ڈاکٹر نے اس سے بھی اعراض کیا ہے - مثلاً وہ لکھتے ہیں

"راقم الحروف کو گجرات کی دو قدیم اور معتبر تاریخوں (یعنی مرات سکندری مؤلفہ سکندر منجھو ۱۶۱۱ء اور مرات احمدی مؤلفہ علی محمد خاں ۱۷۵۶ء کے مخطوطوں میں چند ایسے اردو جملے اور فقرے ملے جو ۱۵۲۵ء اور ۱۵۴۶ء میں استعمال ہوتے تھے - اسکا قوی امکان ہے - کہ اگر کوئی زیادہ تفحص سے ان مخطوطوں کا مطالعہ کرے تو ایسے اور زیادہ فقرے دستیاب ہونگے" صـ۱۱ اور حاشیہ میں کہا ہے - " ملاحظہ ہو مرات سکندری ورق ۱۵۲، الف انڈیا آفس فارسی مخطوطات " اور "۲ ایضاً" مرات احمدی ورق ۶۶۸ ب، انڈیا آفس فارسی مخطوطات"

کیا اچھا ہوتا اگر اس اطلاع کی بجائے ڈاکٹر صاحب وہ اردو فقرے نقل کر دیتے - ہمیں معلوم نہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے ناظرین کو اس اطلاع سے

سے کیوں محروم رکھا ہے - یہی نہیں بلکہ جو اطلاع ہندوستان میں اس مضمون پر میسر تھی اسکو بھی استعمال نہیں کیا -

اردو زبان کے سلسلہ میں امیر تیمور کا حملۂ ہند ۸۰۱ھ نہایت اہمیت رکھتا ہے - اس سے اول تو گجرات کا صوبہ دار دہلی کی اطاعت سے آزاد ہو کر خود مختار حکومت کی بنیاد ڈالتا ہے - دوسرے تیموری فوجوں کے خوف سے دہلی کے باشندوں کی ایک بڑی تعداد گجرات میں جاکر آباد ہو جاتی ہے - ان پناہ گزینوں میں بعض مشاہیر بھی شامل ہیں - مثلاً شیخ احمد کھٹو - برہان الدین قطب عالم اور مولانا خواجگی - دہلی سے بڑی تعداد میں مہاجرت ایک تاریخی واقعہ ہے - چنانچہ تاریخ گجرات میں مرقوم ہے -

ہمدرین اثنا خبر رسید کہ حضرت [صاحب] قران امیر تیمور گورگان در نواحی دہلی نزول اجلال فرمودند و فتور عظیم دران دیار راہ یافت و خلق کثیر از اں حادثہ گریختہ بگجرات آمد - مقارن این حال سلطان ناصر الدین محمود شاہ از دہلی فرار نمودہ بگجرات رسید و ازانجا مایوس شدہ بمالوہ رفت (ص۳۴ مرآت احمدی، جلد اول بمبئی)

۸۳۷ھ میں مولانا محمد بن قوام کرڑی نے فرہنگ بحر الفضائل تالیف کی ہے اس فرہنگ سے معلوم ہوتا ہے کہ گجرات میں ان ایام میں ہندی شاعری کا کافی چرچا تھا - مولانا نے اپنی فرہنگ کے آخری باب میں صرف ایسے الفاظ کا ذکر کیا ہے - جو ہندی نظم میں مستعمل تھے - اس باب کا عنوان ہے -

" باب چہارم در بعض الفاظ ہندوی کہ در نظم ہندوی استعمال کنند (بحر الفضائل قلمی)

گجرات میں اردو شاعری کے رواج دینے والوں کے ناموں سے ہم ناواقف محض ہیں - مگر شیخ بہاء الدین باجن کی تصنیف سے اسقدر معلوم ہوتا ہے - کہ شیخ

عطاءاللہ الملقب بہ شیخ رتن خلف شیخ نصراللہ علوم موسیقی میں اپنے زمانہ میں یگانہ تھے۔ اور انکے سرود ان ایام میں بہت مشہور تھے۔ انکے زمانہ کا اس امر سے قیاس کیا جا سکتا ہے ۔ کہ وہ شیخ رکن الدین کان شکر متوفی ۸۴۲ھ کے مرید تھے۔ اور شیخ عزیزاللہ متوکل کے بڑے بھائی کے فرزند۔ شیخ باجن کہتے ہیں -

" و پسر شیخ نصراللہ بندگی شیخ عطاءاللہ الملقب بہ شیخ رتن کہ بندگی ایشان در علم موسیقی و در جمیع علومہا دانشمند بودند کہ سرودہاے ایشان در عالم خدا ظہور مشہور و مقبول اند"

رتن ہم خیال کرتے ہیں شیخ عطاء اللہ کا تخلص تھا ۔

ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے " گجرات کی اردو کے قدیم مخطوطے ہنوز محفوظ ہیں۔ اگرچہ بالکل ادبی رنگ کے نہیں مگر ان سے ثابت ہوتا ہے کہ گجرات میں یہ زبان اسقدر ترقی کرگئی تھی کہ اسکا مقصد استعمال یقیناً ادبی بھی ہوگا" ص۱۱

اس موقعہ پر ہم خیال کرتے ہیں کہ ڈاکٹر زور نے گجرات اور اہالی گجرات کے ساتھ انصاف سے کام نہیں لیا ہے ۔ گجرات میں دکن سے پہلے شاعری کا ذوق شروع ہوتا ہے ۔ دکنیوں سے پیشتر گجراتیوں میں تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنی ایک جنبش قلم سے یہ عزت ان سے یہ کہکر چھین لی ہے ۔ کہ ان کے کارنامے بالکل ادبی رنگ کے نہیں ہیں ۔ حالانکہ اسی صفحہ پر ڈاکٹر کو اس امر کا بھی اعتراف ہے ۔ کہ گجرات کے پناہ گزین ادیبوں نے " دکن میں اردو ذوق بڑھانے میں بڑا حصہ لیا ہے" ۔ (ص۱۱) ہم دریافت کرتے ہیں کہ یہ پناہگزین جب دکن پہنچکر دکنیوں میں ادبی ذوق کی روح پھونک سکتے ہیں۔ تو کیا اپنے وطن میں بیٹھ کر ایک تصنیف بھی ایسی پیدا نہیں کرسکتے جو ادبی ذوق کے معیار پر پوری اتر سکے ۔

ہم ذیل میں بعض اشعار گجرات کے ایک صوفی شاعر شاہ علی محمد جیو گام دھنی

متوفی ۹۷۳ھ کی تصنیف جو ابراسرار اللہ سے نقل کرتا ہوں جس سے ناظرین خود فیصلہ کرینگے کہ آیا یہ اشعار ادبی پایہ کے ہیں یا نہیں -

جس پھولوں سو تگہن جانوں — رتس باس تہمارا پانوں
کر ہار نکیوں گل لانوں — یہ کرنیں اور کلا لال
ہور کلیاں جے ات لالاں — سب دیویں تیریاں بہالاں
یہ جو ہی بھی سز مائی — ہور باس تمہارا لیا سئی
تو ہیرے میں لے یاہی — ان ہار حمیلوں سارے
سب کلیوں پھول پیارے — ہنس کرے سو توں مہکارے
تجہ مالی جے ہوں پاؤں — لے جیوڑے مانہ چھپاؤں
میں نینوں نانہ دکھاؤں — توں گھر گھر شہ ہو آوے
ہور الیل کلیوں راوے — جگ تیرا سہاگ کہنداوے

ساوہ اٹھے یوں پیارن منجکوں بہیں کر یکر آپس راؤں
کہیں سو نوشہ ہو کر آؤں کہیں سو آرس آپ کہاؤں
پگڑی باندہ قبا لٹکاؤں پہروں ہانس زرینہ سارا
سہرا ہار حمیلاں پہروں دل باول لے ہو وُں اسوارا
ڈہول دما میں اونٹوں پر سات سید سب باجنت جاویں
سب جگ کیری خوشبوئی لوک سو بھر بھر لیاویں

چھوڑو لوکا چسے لڑائی کان کر ویہ پرم کہانیں
تمہوں تمہاری شیریں بہاوے منجکوں میری لیلی سہانیں

بے نم لیلی جو یا لوڑو منجہ مجنوں کی نینوں دیکھو
تموں تمہاری سشیریں جو ڈو لیلی کرں کیوں پیکھو

اس بستی کا کیا پستیا را آج تہوں کل دہ جیوں مارا سوکیوں نسکوں دہرے پیارا
یہ تگ باندی اس بگ کیرے جہاں نہ مرڑے کہیل سویرے جانوں بات سہی کر میری

مورخ گجرات میرزا محمد حسن شاہ علیجیو کے دیوان کے متعلق یہ رائے دیتے ہیں :-

" دیوانے دارد بزبان ہندوی در روش و معنی برابر دیوان مغربی است (صلا مرآت احمدی)

گجرات کے مصنفین میں زور صاحب نے تین شخصوں کا ذکر کیا ہے :-

(۱) بہاءالدین باجن (۲) شاہ علی محمد جیوگام دہنی (۳) شیخ خوب محمد چشتی ،

باجن کے کلام کو ڈاکٹر صاحب اردو تسلیم نہیں کرتے بلکہ ' بہاشہ ' بتلاتے ہیں حالانکہ باجن اپنے کلام کو صریحاً کبھی ہندوی (اردو) اور کبھی زبان دہلوی کہہ رہے ہیں - مثلاً کہتے ہیں - " و این مناجات بزبان ہندوی گفتہ شدہ است"

ترے بنتھہ کوئی چل نہ سکیے جو چلے سو چل چل تھکے
پڑہ پنڈت پوتھی دہویاں سب جانہ سدہ بدہ کھویاں
' بہ جوگیوں جوگ بسارے سبہ تپئ تپ بکارے
ایک درسنی درسن بہولی سر نانگے پانوہ کہلی
ایک سیوڑی ہوی سیو کر نہ ہوی برتیئ کیا دوکھہ دہرنہہ
ایک درویش ہوی کر آئے ہوی قلندر روپ بہرلے
ایک ابدال ہوی اب ڈہوتی ایک بانده با با ہوتی

ایک کھیلی ہوئی دوانی　　　ایک بادل ہسند رانی
ایک راتی ماتی ہوی ارراونہ　　　ہی بے سدہ ہو ہو جاونہ
ایک اپاسی راننہ جاگن　　　ہوی بہکاری تجہہ مانگنہ
یوں ٹولی ٹولی ہوی کرے　　　سب رُل رُل کہل کہل کہوی کرے
وے مکت سنے ایوے دیکھے　　　آرے باجن توں کس لیکھے

دُنیا کی مذمت میں باجن نے کچھہ ابیات لکھے ہیں - اس موقعہ پر کہتے ہیں -
" صفت دنیا بزبان دہلوی گفتہ است

دوہرہ:- یہ فتنی کیا کسے یہ ملتی ہے　　　جب ملتی ہے تب چہلتی ہے
[بین اوّل]　اوّل آن چہل بہت چہلاے
آن چہوہری بہتی کہاے　　　آن روکر بہت رولاے
یہ فتنی کیا کسے یہ ملتی ہے　　　جب ملتی ہے تب چہلتی ہے
[بین دوم] آن بہت گہیرے پارے　　　جے اس بیلکے وے انہ چہارے
جے رہے اس تہے تارے　　　دے نجانے اس تہے پارے
جے اس کارنہ تپنہ ترسنہ　　　جے چکہ ملے تو اس سنہ بلسنہ
یہ فتنی انہوں تپاوے　　　چکہ پاس انہوں نہ آوے
جے اس کدہی نہ لوڑیں　　　جے چکہ ملے تو بھی چہور نہ
جے دیکھہ اس تہے بہاگے　　　یہ نیلج انہ سنہ لاگے
[تخلص] دیکہہ باجن یہ توجہوٹی　　　مکہ میٹہی چت نیٹہی
یہ اہے ایسی ڈیہٹی　　　یہ کیا کسے یہ ملتی ہے (الخ)

اسی طرح ایک اور موقعہ پر باجن فرماتے ہیں " مناقب حضرت ایشان بزبان دہلوی نبشتہ است " - ان امور سے صاف ظاہر ہے کہ باجن کے نزدیک

ہندوی یعنے اردو اور دہلوی ایک ہی چیز ہے ۔ بہر حال اس زبان کو بھاشا نہیں کہا جاسکتا وہ اُردو ہے ۔ البتہ اسپر گجراتی زبان کا اثر غالب ہے ۔

شیخ باجن کا ذکر " پنجاب میں اردو " میں بھی شامل ہے ۔ اور مختصر نمونۂ کلام بھی درج ہے ۔ لیکن ڈاکٹر محی الدین اسکے متعلق لکھتے ہیں ۔" پنجاب میں اردو" میں ان کے کلام کے جو نمونے دیئے گئے ہیں ۔ وہ نہ تو ادبی لحاظ سے قابل قدر ہیں نہ ہی معتبر و موثق ۔ باجن ایک زاہد مرتاض شخص تھے ۔ اور غالباً انہوں نے کوئی ادبی کارنامہ اپنی یادگار نہیں چھوڑا " ص۱۳ اردو شہپارے

ڈاکٹر صاحب کا یہ انداز تنقید قابل اعتراض ہے ۔ اگر وہ نمونے جو " پنجاب میں اُردو " میں دیئے گئے ہیں ۔ ان کے نزدیک غیر معتبر ہیں ۔ تو انہیں چاہئے تھا ۔ کہ شیخ باجن کے کلام کے معتبر نمونوں سے اپنے ناظرین کو مستفید کرتے لطف یہ ہے کہ انہوں نے خود کوئی نمونہ نہیں دیا ہے ۔ اور اس نمونۂ کلام کو جو " پنجاب میں اردو میں دیا گیا ہے ۔ رد کر دیا ہے ۔ شیخ باجن قرن نہم ہجری کے دوسرے منتصف سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اور ۹۱۲ھ میں وفات پاتے ہیں اب اس عہد کے شخص سے ادبی کارناموں کی توقع کرنا خیال محال ہے ۔

اُردو زبان کی اس عہد میں یہ حالت نہیں تھی کہ داغ و امیر کی شیوہ بیانی کی چشمداشت کی جائے ۔ باجن اور اسکے ہموطن دوسرے بزرگوں کی اہمیت صرف تاریخی دلچسپی کی بنا پر ہے ۔ اور اسی ذوق نے دلبستان دکن کو ہماری نگاہ میں محبوب کر دیا ہے ۔ ورنہ آج کون ہے جو ولی کی غزلوں ۔ نصرتی کی مثنویوں اور ہاشم علی کے مرثیوں کو پڑھ کر سر دھننے لگے ۔ قصہ مختصر ان بزرگوں میں ہماری دلچسپی تاریخی اور لسانی ہے نہ ذوقی اور وجدانی اور ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ گجراتیوں کے ساتھ سید صاحب کا سلوک نہایت نامنصفانہ ہے ۔

شاہ علی محمد گام دھنی اور شیخ خوب محمد سے اقدم ایک اور بزرگ قاضی محمود دریائی ہیں - جنکی وفات ۹۴۱ھ میں ہوتی ہے - انکی جکریاں نہایت مشہور ہیں اور اس سلسلہ میں قاضی صاحب کو اسقدر شہرت حاصل ہے کہ گجرات کے علاوہ ہندوستان کے دیگر صوبوں میں بھی مقبول و معروف ہیں - صاحب اخبار الاخیار کہتے ہیں -

" جکری ہای وے کہ بزبان ہندی دارد دستور قوالان آندیار است بغایت مطبوع و موثر و بے تکلف و آثار عشق و وجد از سخنان وے لایح است - (صـ ۱۸۷ اخبار الاخیار ۱۲۷۰ھ ' احمدی)

مخدوم بہاء الدین ثانی برناوی اپنی کتاب چشتیہ تالیف ۱۰۶۶ھ میں لکھتے ہیں " کلام مقبول او بمثل جکری قاضی محمود ہر کہ می شنود برحمت و آفرین می شود (ورق ۴۴۹ ب) اور صاحب مرآت احمدی کا بیان ہے : -

از غلبات عشق پیوستہ بحسب حال عاشقانہ بہندی بطرز دلبندی می بست (صنـ ' جلد دوم)

خزینۃ الاصفیا میں مرقوم ہے : - " اشعار عاشقانہ بزبان ہندی فرمودے کہ قوالان آں دیار بوقت سماع اشعار آں جناب بمجلس اصفیا میخوانند - و بغایت موثر می باشند صـ ۸ جلد دوم

گجراتیوں نے اپنی اردو کا نام ہندی کے علاوہ گوجری یا گجری رکھا ہے - یہ اصطلاح غالباً اس زبان کو گجراتی زبان سے ممیز کرنے کے لئے مصنوع ہوئی ہے - جواہر اسرار اللہ کے دیباچہ میں جو ۹۷۳ھ سے قبل کی تحریر ہے - یہ اصطلاح موجود ہے - اور ۱۱۰۹ھ میں بھی جب امین نے اپنی یوسف زلیخا نظم کی ہے - استعمال ہو رہی ہے - دکنی اپنی زبان کو

ابتدا میں ہندی کہتے رہے۔ اور دسویں صدی ہجری کے پہلے منتصف میں ہندوستانی یا زبان ہندوستان کہنے لگے۔ مثلاً ابوالقاسم فرشتہ

"و بنوعے فارسی را خوب میلفت کہ تا بہندوستانی متکلم نمی شد ہیچ کس نمی توانست فہمید کہ غیر از فارسی بزبان دیگر آشنائی دارد (تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۸ نولکشور) اور سبرس میں مولانا وجہ الدین رقم طراز ہیں۔

"آغاز داستان زبان ہندوستان"۔ لیکن جہانگیر کے بعد شاہجہان کے عہد میں جب دکنیوں اور ہندوستانیوں میں متواتر جنگیں ہوتی رہیں۔ تو دکنی اور ہندوستانی کی تفریق نے قدرتاً دکنیوں کو اپنی زبان کے لئے ایک نیا لفظ یعنے "دکھنی" سجھا دیا۔ چنانچہ شیخ نصرت نصرتی اپنی زبان کو دکھنی لکھ رہا ہے اس سلسلہ میں ڈاکٹر محی الدین صاحب نے ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے۔ جسکو میں انہیں کے الفاظ میں لکھتا ہوں۔

"اس عہد کی تواریخ دکن سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ گجرات سے بہت سے ادیب اور عالم بیجاپور آیا کرتے تھے۔ وہاں کی سلطنت کے زوال پر ابراہیم عادل شاہ نے وہاں کے تمام ادیبوں کو اپنے دربار میں بلا لیا چنانچہ گجرات کے ان پناہ گزینوں نے دکن میں اردو کا ادبی ذوق بڑھانے میں بڑا حصہ لیا ہے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ بیجاپور کے بعض اردو مصنفین جیسے شاہ برہان اپنی زبان کو گجری کہتے ہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ گجرات کے اثر سے دکن کی ادبی زبان بڑی حد تک بدل گئی ہو۔ اور جو لوگ اس متبدلہ زبان میں لکھتے ہیں۔ وہ اپنی زبان کو گجری کہنے لگے۔ اور پرانی زبان دکھنی کہلانے لگی" صفحہ ۱۲

دکن پر گجرات کا لسانی اثر ہم تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اس خیال کے ساتھ کہ گجرات کے اثر سے جب دکنی زبان میں تغیر رونما ہوا تو اس تغیر یافتہ زبان کا

نام گجری رکھدیا گیا - ہم متفق نہیں - ہمارا عقیدہ ہے کہ جو لوگ اپنی زبان کو گجری کے نام سے موسوم کرتے ہیں - وہ یا تو گجراتی ہیں یا گجرات سے آکر دکن میں آباد ہو گئے ہیں - اگر شاہ برہان الدین جانم اپنی زبان کو گجری کہتے ہیں تو ہمیں ماننا پڑیگا کہ وہ اصل میں گجراتی تھے - یہ دوسری بات ہے کہ وہ یا ان کے والد بیجاپور میں آکر مقیم ہو گئے ہوں -

اب ہم ان گجراتی پناگزینوں کے قصہ کو لیتے ہیں - جسکو سید صاحب نے ابراہیم عادل شاہ کے ذکر میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے -

" ان دنوں گجرات ایک ایسا مقام تھا - جہاں ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے اچھی طرح ملتے جلتے رہتے تھے - اور فی الحقیقت یہی وجہ اُردو زبان کے ارتقا کا باعث ہوئی - نیز گجرات میں مسلمان پادشاہوں کی طویل اور اطمینان کی حکومت نے مصنفین کو تالیف و تصنیف کا کافی موقعہ دیا چنانچہ اس زمانہ میں خاص ادبی پیداوار ہوئی - جسکے چند نمونے یورپ کے بعض کتب خانوں میں دستیاب ہوتے ہیں - لیکن اکبر کی فرستادہ مغل فوجوں کے حملوں نے گجرات میں اردو کی اسدن دونی اور رات چوگنی ترقی میں روڑے اٹکائے - اور اس پر ہی کیا منحصر ہے - ان حملوں نے تو سلطنت ہی کے شیرازہ کو درہم برہم کر دیا - جب گجرات سے امن و امان رخصت ہو گیا اور شاہی دربار کا بھی خاتمہ ہو گیا - تو شاعر اور ادیب بے سروسامانی کی حالت میں ادھر اُدھر مارے مارے پھرنے لگے - ان میں سے جو اپنے وطن میں ٹھیرے ہوئے تھے - انکو مغلوں نے کئی طرح کی تکالیف پہنچائیں - اور ان بیچاروں کو "قہر درویش برجان درویش" کے مصداق طرح طرح کی مصیبتوں کا شکار ہونا پڑا - ایسے نازک موقع پر ابراہیم نے نہایت عقلمندی اور فیاضی کا کام کیا

اس نے اپنے آدمیوں کو بیش بہا تحائف اور سوغات دیکر گجرات روانہ کیا تاکہ وہاں کے علما اور شعرا کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دیں چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ہم گجرات کی عظمت کے پرچم کو بیجاپور پر لہراتا ہوا دیکھتے ہیں۔ مشہور و معروف ہستیوں کے علاوہ اکثر عام لوگ بھی بیجاپور بھاگ آئے تھے اور ان گجراتیوں کا اسقدر اثر ہو گیا تھا۔ کہ بعض دکھنی مصنف بھی اپنی گجراتی آمیز زبان کو گجری کے نام سے موسوم کرنے لگے (ص۳۵ اُردو شہپارے)

اس بیان سے ممکن ہے۔ کہ بعض لوگ یہ سمجھ لیں کہ اکبر کی مہم گجرات در حقیقت اُردو کے خلاف جہاد تھا۔ جسکی بنا پر اُردو شاعروں اور ادیبوں کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائی گئیں۔ اور اسکی وجہیں اردو کی ترقی میں روڑے اٹکاتی رہیں۔ مشکل یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس اہم بیان کے لئے کوئی تاریخی حوالہ نہیں دیا ہے۔ بحالت موجودہ ہم اس تنہا بیان پر مہر تصدیق لگانے سے انکار کرتے ہیں۔ گجراتی سلاطین کی طویل اور طمانیت کی حکومت کے زمانہ میں جو ادبی کارنامے گجرات نے پیدا کئے۔ اور جسکے چند نمونے ڈاکٹر صاحب نے یورپ کے کتبخانوں میں ملاحظہ کئے ہیں۔ ہم کو ان کے متعلق کوئی علم نہیں اور نہ ڈاکٹر ہی نے انکی کوئی تفصیل دی ہے۔ اس لئے انکے بارہ میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن تاریخ گجرات کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلاطین گجرات کے دو آخری جانشینوں کے عہد میں گجرات کی حالت نہایت ابتر رہی ہے۔ یہ زمانہ ۹۶۱ھ سے شروع ہوتا ہے۔ اور ۹۸۰ھ پر ختم ہوتا ہے۔ جب اکبر نے گجرات پر قبضہ کیا ہے۔ یہ دور گجرات کی تاریخ میں دور آشوب کے نام سے یاد کیا جا سکتا ہے۔ پادشاہ طاقتور امرا کے تسلط میں حوالاتی قیدی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور امرا ایک دوسرے کی طاقت توڑنے اور اپنا

اقتدار جمانے میں مصروف تھے ۔ قتل و خونریزی فساد اور ہنگامے چار سو برپا تھے ۹۸۰ھ میں اکبر وہاں کے امرا کی خواہش پر بغیر کسی جنگ و خونریزی کے گجرات پر قابض ہوتا ہے ۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ اسی زمانۂ آشوب میں گجرات کے بعض نامی شاعر گذرے ہیں ۔ یعنے شاہ علیجیو گام دہنی اور شیخ خوب محمد ۔ موخرالذکر اپنی مثنوی خوب ترنگ ۹۸۶ھ میں یعنے اکبر کے قبضۂ گجرات کے چھ سال بعد لکھتے ہیں ۔ انکی دوسری تصنیف 'چھند چھندان' جو ہندی اور فارسی عروض اور تال اوہیا پر مشتمل ہے ۔ عنقریب اسی عہد میں لکھی جاتی ہے ۔ لیکن سید صاحب ہم کو گجراتی ادیب و شاعر کی مغلوں کے ہاتھ سے ستمکشی کی بے بنیاد کہانی سنا رہے ہیں ۔ یہاں ہم سمجھتے ہیں کہ ڈاکٹر کا قلم تاریخی میدان سے گریز کر کے افسانہ نگاری کی حدود میں داخل ہو گیا ہے ۔ وہ ان مظلوم ادیب و شعرا میں سے کسی ایک کا بھی نام نقل نہیں کرتے ۔ اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ اس نازک موقعہ پر ابراہیم عادل شاہ نے بڑا کام کیا وہ بیش بہا تحائف دیکر اپنے آدمی گجرات بھیجتا ہے ۔ اور وہاں کے ادیبوں کو دکن میں آنے کی دعوت دیتا ہے ۔ یہ دعوت منظور کر لی جاتی ہے ۔ اور گجراتی ادیبوں کا قافلہ بیجاپور پہنچ جاتا ہے ۔ چنانچہ بیجاپور کی بلندیوں پر گجرات کی عظمت علمی کا پرچم لہرانے لگتا ہے ۔ ان تارکین وطن میں بعض مشہور و معروف ہستیاں تھیں ۔ کاش ان مشاہیر میں سے ڈاکٹر صاحب بعض کے اسما تو درج کر دیتے لیکن ایک امر جو ہم کو اس قصہ پر ایمان لانے سے روکتا ہے یہ ہے کہ اکبر گجرات پر ۹۸۰ھ میں قابض ہوتا ہے ۔ اور ابراہیم عادل شاہ اس ادبی دعوت کا محرک ۹۸۸ھ میں تخت نشین ہوتا ہے ۔ اسوقت اسکی عمر نو سال کی تھی ۔ آیندہ دس سال تک اسکو امور سلطنت سے کوئی تعلق نہ تھا ۔ ۹۹۸ھ میں البتہ

وہ مطلق العنان ہوتا ہے - اب ابراہیم کی طرف سے ۹۸۰ھ میں گجراتیوں کو دعوت ناممکن ہے -

یہاں ایک اور امر کیطرف ناظرین کی توجہ مبذول کیجاتی ہے - سیّد محی الدین صاحب نے اپنے حوالوں کو جبکہ مغربی مخطوطات سے تعلق رکھتے ہیں - بیان کر دیا ہے - لیکن جب انہوں نے اپنے پیشروؤں کی تصنیفات اور تحقیقات سے استفادہ کیا ہے - تو اسکا صراحتاً کہیں تذکرہ نہیں کیا - ان کا دعویٰ ہے - کہ شعرا کے حالات کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب ان کی ذاتی تحقیق و تلاش اور اصلی ماخذ کے مطالعہ کا نتیجہ ہے - لیکن اردو شہپارے میں اس بیان کے خلاف کافی سے زیادہ شہادت موجود ہے - میں بعض مثالیں درج کرتا ہوں -

مولوی عبدالحق نے جولائی ۱۹۲۹ء کے رسالۂ اردو میں قطب شاہی دور کے ایک شاعر حسن شوقی پر ایک مضمون لکھا ہے - جو ص۵۴۲ - ص۵۵۹ پر شامل ہے - ڈاکٹر صاحب نے اسکا خلاصہ لیکر اپنی تصنیف میں ص۱۰۲ پر شامل کر لیا اور اصل ماخذ کا کہیں پتہ نہیں دیا - البتہ آخر میں اسقدر اضافہ کر دیا ہے "اسکے کلام کے مخطوطے انجمن ترقی اردو میں بھی محفوظ ہیں" -

ڈاکٹر نے عادلشاہی عہد کے ایک شاعر مومن کے متعلق بیان کیا ہے -
"مومن (۱۰۹۲ھ) سینا پٹن کا باشندہ تھا جو عادل شاہی سلطنت میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا - شاید یہ بیجاپور نہیں آیا - اسلام کے مہدوی فرقہ سے اسکا تعلق تھا - اور اسنے اس فرقہ کے بانی حضرت سیّد محمد جونپوری کی حیات اور تعلیمات پر ایک طویل نظم لکھی ہے - ۱۶۸۲ء میں ختم ہوئی - اسکا نام اسرار عشق رکھا گیا - اسکا ایک نسخہ کتبخانہ آصفیہ میں محفوظ ہے - ص۸۵"

لیکن ان کے پیشرو حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری اردوی قدیم میں تحریر کرتے ہیں۔

"مومن۔ انکا نام عبدالمومن ہے۔ چیناپٹن کے باشندے تھے۔ یہ شہر علاقہ میسور میں واقع ہے۔ جو عالمگیر کی فتوحات سے پہلے عادل شاہی عملداری میں شامل تھا۔ مومن مہدوی مذہب کے پابند تھے۔ انہوں نے اسرار عشق کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ اوراس میں اپنے ہادی و پیشوا حضرت سید محمد صاحب جونپوری کے حالات و کرامات تحریر کئے ہیں۔ یہ کتاب نظم میں ہے اور ۱۰۹۳ھ میں تمام ہوئی۔ اسکا ایک نسخہ کتبخانۂ آصفیہ میں موجود ہے" صہ ۴۹

ذیل میں ایک اور مثال عرض ہے۔ قاضی محمود بحری کے متعلق حکیم شمس اللہ قادری نے اسطرح لکھا ہے۔

"بحری دکن کے ایک صوفی منش بزرگ تھے۔ انکا نام قاضی محمود ہے والد کا نام بحرالدین تھا۔ اور وہ قاضی دریا کے لقب سے مشہور تھے۔ قصبہ گوگی جو نصرت آباد کے مضافات میں واقع ہے انکا وطن تہا۔ ۱۰۹۵ھ کے قریب اپنے وطن سے بیجاپور چلے گئے ہیں۔ اور وہاں سکندر عادل شاہ انکا معتقد ہوگیا۔ اس کے دربار میں سال دو سال مقیم رہے۔ اور جب بیجاپور کی سلطنت ۱۰۹۷ھ میں تباہ ہوگئی۔ تو وہاں سے حیدرآباد چلے آئے۔ . . . . قاضی صاحب نے تصوف میں ایک مثنوی لکھی ہے۔ جسکا نام من لگن ہے۔ یہ مثنوی اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں اسکی وفات سے سات سال پہلے ۱۱۱۲ھ میں تمام ہوئی۔ چنانچہ خاتمہ میں اس کی تاریخ کا اسطرح ذکر آیا ہے ؎

"ہجری تجے یہی کتک برس تبے   بارا اوپر ایک سو سہس تھے

بعض مریدوں کی فرمائش سے قاضی صاحب نے من لگن کے مضامین فارسی

میں لکھے اور اسکا نام عروس عرفان رکھا - یہ کتاب سنہ ۱۱۱۶ھ میں تمام ہوئی" -
(ص ۸۶-۸۸ اردوی قدیم تاج منیر)

ادہر محی الدین صاحب فرماتے ہیں

"بحری - اس کا نام قاضی محمد تھا - بحرالدین کا بیٹا تھا - جو گوگی کے قاضی دریائے نام سے مشہور تھے - گوگی سلطنت بیجاپور میں نصرت آباد کے قریب ایک گاؤں ہے - یہ وہاں کا قاضی اور ایک بڑے پایہ کا صوفی تھا - سنہ ۱۰۹۵ھ میں اپنے وطن کو خیرآباد (کذا) کہکر بیجاپور پہنچا - سکندر عادل شاہ اس کا معتقد ہوگیا - اور اسے اپنے دربار میں ایک جگہ بھی عطا کی -

سنہ ۱۰۹۷ھ میں جب سلطنت فتح ہوگئی - اور اورنگ زیب نے سکندر کو قید کرلیا - تو بحری نے حیدر آباد کا راستہ لیا ...... ور اورنگ زیب کی وفات سے سات سال قبل یعنے سنہ ۱۱۱۱ھ میں اسنے ایک صوفیانہ مثنوی بعنوان "من لگن" پیش کی اسکے کچھہ سال بعد یعنے سنہ ۱۱۱۶ھ میں اپنے مریدوں کی خواہش اور اصرار پر اسنے اس نظم کو فارسی زبان میں عرس عرفان کے نام سے منتقل کیا" (ص ۱۳۹ اردو شہپارے)

میں نے کچھ حصّہ بخوف طوالت ان بیانات سے حذف کر دیا ہے - جو دونوں میں مشترک تھا - ان بیانات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے - کہ ایک اصل ہے - اور ایک نقل - مگر ظلم یہ ہے کہ ڈاکٹر نے کہیں بھول کر بھی اپنے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا - صاحب اردوے قدیم اپنے حوالے دینے میں نہایت محتاط ہیں - ڈاکٹر صاحب نقل کرنے میں نہایت بے پروا واقع ہوئے ہیں - جس کے آثار اس تالیف میں بکثرت ملتے ہیں - مثلاً اسی بحری کے ذکر میں انہوں نے من لگن کی تاریخ تصنیف سنہ ۱۱۱۱ھ دی ہے - حکیم صاحب نے اصل شعر

بھی نقل کردیا ہے۔ جسکی رو سے سال تالیف ۱۱۲۰ھ ہے۔ حکیم صاحب نے بحری کی فارسی "لیف کا نام عروس عرفان اور تاریخ تصنیف ۱۱۱۶ھ دی ہے ڈاکٹر صاحب نے کتاب کا نام عرس عرفان اور سال تالیف ۱۱۱۸ھ دیا ہے۔

دوسرے لوگوں کی محنت اور کاوش دماغی سے فائدہ اٹھانا اور شکریہ در کنار استفادہ کے اظہار تک سے گریز کرنا ایک عجیب طریقہ ہے۔ جو نہ مغربی کہا جا سکتا ہے۔ اور نہ مشرقی۔ شہپارے کا مصنف سب سے زیادہ مولوی عبدالحق کے مضامین سے خوشہ چینی کر رہا ہے۔ اور اسکے بعد اردوی قدیم سے لیکن اسنے اپنی زلہ ربائی کا اقرار قسم کھانے کو بھی نہیں کیا۔ البتہ اسنے اپنے پیشروؤں کی لغزش اور فروگزاشت کا ذکر ضرور کیا ہے۔ مثلاً جنیدی کے ذکر میں اسکو شاہ عبداللہ کی سوانح عمری سے معلوم ہوا کہ اس عہد میں ایک شخص ملی اکبر جنیدی موجود تھا۔ ادہر اردوی قدیم میں جنیدی مصنف 'ماہ پیکر' کا نام احمد بتایا گیا تھا ہمارے ڈاکٹر نے فیصلہ دے دیا کہ شاعر کا نام علی اکبر تھا۔

اسی طرح حکیم شمس اللہ نے ولی دکنی سید محمد فیاض کی ایک مناجات کے متعلق کہا تھا۔ کہ وہ بھی ولی کی ہے۔ اور اردوے قدیم میں اس کے تین بند بھی نقل کر دیے تھے۔ (ص۹۱) لیکن ہمارے محتاط ڈاکٹر نے جب دیکھا کہ حکیم صاحب نے اسکا حوالہ نہیں دیا ہے۔ اسکے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور یہ حکم لگایا۔

" اردوے قدیم کے مصنف نے اسکا حوالہ دیا ہے۔ لیکن اپنے بیان کے ثبوت میں کوئی سند نہیں پیش کی۔ اس لئے شبہ ہے کہ آیا وہ ہے بھی یا نہیں۔ اور اگر ہے، تو ولی کی ہے۔ یا کسی اور شاعر کی" ص۱۴۶

یہ استدلال بالکل نا واجب ہے ۔ جب حکیم صاحب اس مناجات کے اشعار نقل کر رہے ہیں ۔ تو ظاہر ہے کہ وہ چیز ان کے پیش نظر ہے ۔ اس صورت میں یہ کہنا کہ اسکے متعلق شبہ ہے ۔ کہ آیا وہ مناجات موجود ہے یا نہیں ۔ یا یہ کہ اگر ہے تو ولی کی ہے یا کسی اور شاعر کی بالکل فضول ہے ۔

شعرا کے کلام کا انتخاب جو دیا گیا ہے ڈاکٹر کی خوش مذاقی کا ایک بین ثبوت ہے ۔ بعض نمونے البتہ ایسے ہیں جو طبیعت پر گراں گذرتے ہیں ۔ لیکن اس معاملہ میں انتخاب کنندہ ایک بڑی حد تک اپنے محدود ذرایع کی بنا پر مجبور رہے ۔ وجہی کی مثنوی قطب مشتری سے جو نمونے دیے ہیں ہمیں بیحد پسند آئے ۔ مگر رستمی کے خاورنامہ کے اقتباس زیادہ کامیاب نہیں معلوم ہوتے ۔ اگرچہ ڈاکٹر اسکی شاعری کے زیادہ مداح ہیں ۔ مشرقی نے نیہ درپن میں جو دعوت کا نقشہ کھینچا ہے ۔ اردو کے مورخ اور فرہنگ نگار کیلئے بیحد دلچسپی کا سامان رکھتا ہے ۔

اڈنبرا یونیورسٹی کی بیاض مراثی سے جن شعرا کے انتخابات درج ہیں ۔ سید صاحب نے انکا زمانہ سنہ ۱۱۰۰ھ فرض کر لیا ہے ۔ مگر ایسے حال میں جبکہ بیاض میں تاریخ کتابت درج نہیں ہے ۔ ان تمام شعرا کے متعلق جو ایک درجن سے زیادہ ہیں ۔ یہ تسلیم کر لینا کہ سب اسی زمانہ میں گذرے ہیں ۔ نامناسب معلوم ہوتا ہے ۔ نمونۂ کلام پر نظر ڈالنے سے خیال گذرتا ہے کہ کئی ان میں سے بعد کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اور ہم کو کوئی تعجب نہیں ہوگا اگر کاظم ۔ امامی ۔ نظر وغیرہ جیسا کہ ان کی زبان سے ہویدا ہے بارھویں صدی کے اختتام سے علاقہ رکھتے ہوں ۔

(۲)

کردار افسانہ

(از جناب عبدالقادری سروری ایم-اے-ال-ال-بی)

یہ کتاب "دنیائے افسانہ" کا دوسرا حصہ ہے - جسمیں افسانے کے کردار پر بحث کی گئی ہے - اس کتاب کے پہلے حصّے میں "اشخاص قصّہ" یا افراد قصّہ کا بیان ہے - دوسرے میں "کردار نگاری" پر نظر ڈالی گئی ہے - تیسرے میں مشہور افسانوں کے کردار مثلاً "سحرالبیان کی نجم النسا" انیس کے مراثی میں "عون و محمد" اور ڈاکٹر نذیر احمد کے قصّوں میں سے اکثر کردار، اور آخر میں عمرو عیار پر سیر حاصل بحث کی ہے -

اردو ادب میں افسانے کا موضوع، بلحاظ اپنی فنی تعمیر کے بالکل نیا اور جدید ہے اور سروری صاحب مستحق تحسین ہیں - جنہوں نے اس نئے میدان کی طرف توجہ کی - اور تحقیق و تنقید افسانہ پر نہایت کاوش و انہماک سے کام کر رہے ہیں -

جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل طلبہ جس سنجیدگی کے ساتھ علمی عنوانات پر طبع آزمائی کر رہے ہیں - دوسری یونیورسٹیوں کے طلبہ کے لئے باعث رشک ہے - اور بلاشبہ جامعہ عثمانیہ سے ملک کو اور خصوصاً جہان اُردو کو جو امیدیں تھیں - وہ کامیاب ہو رہی ہیں -

ہمیں معلوم ہوا ہے - کہ اس موضوع پر سروری صاحب کے قلم سے بعض اور کتابیں بھی نکلنے والی ہیں - امید ہے کہ افسانے کا ذوق رکھنے والے لوگ ان کی حوصلہ افزائی کریں گے -

کتاب کی کتابت و طباعت بہت اچھی ہے ۔ قیمت عہ

ملنے کا پتہ :-

مکتبہ ابراہیمیہ ۔ اسٹیشن روڈ ۔ حیدرآباد (دکن)

---

(۳)

قاعدۂ فارسی

(برای افادہ طلبہ طبقہ تحتانیہ)

بسلسلۂ انتشارات درسیۂ مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد (دکن)

یہ قاعدہ جناب ابو المحاسن محمد محسن خان صاحب متینؔ مدرس فارسی وسطانیہ دار الشفاء سرکار عالی کی تالیف ہے ۔ متین صاحب نے اس کو "طریق راست" (ڈائرکٹ میتھڈ) کے اصول پر لکھا ہے ۔ ہر درس میں الفاظ کی تشریح کے لئے تصاویر سے کام لیا ہے ۔ اور فارسی جدید کے محاورہ پر زیادہ نظر رکھی ہے ۔ کتاب میں کل اکیس درس ہیں اور آخر میں نو مشقیں دی ہیں ۔ جو دو دو تین تین سبقوں سے متعلق ہیں ۔ موجودہ ایرانی رسم الخط کا تتبع کیا گیا ہے ۔ کتاب کے آخر میں مستعملہ شدہ الفاظ کی ایک فرہنگ دے دی گئی ہے ۔ جو لوگ طریق راست کی خوبیوں کے دلدادہ ہیں ۔ ہم ان سے اس کتاب کے لئے سفارش کرتے ہیں ۔ لکھائی چھپائی نہایت دیدہ زیب ہے اور قیمت ۶ر ہے ۔

ملنے کا پتہ :-

مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی محدود ۔ اسٹیشن روڈ ۔ حیدرآباد (دکن)

اس سلسلہ کے دوسرے حصے زیر طبع ہیں ۔ اور عنقریب شایع ہو جائینگے ۔

(۴)

مطبوعات مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

چار یار

بچوں کے لئے سلسلہ تاریخ اسلامی کی دوسری کتاب ' مرتبہ احمد الیاس مجیبی - طبع اوّل جولائی ۱۹۲۹ء صفحات ۱۶۰ ' ایک نقشہ بھی اسلامی دُنیا کا دیا ہے - قیمت درج نہیں -

جناب احمد الیاس مجیبی نے اس کتاب میں خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے وہ سبق آموز حالات جمع کردئے ہیں - جن سے مسلمان بچوں میں صحیح اسلامی روح پیدا ہو - کتاب کی عبارت نہایت سادہ اور سلیس ہے - مؤلف نے لطیف پیرائے میں خلافت راشدہ کی جیتی جاگتی تصویر پیش کی ہے -

اس کتاب میں قابلیت اور عمر کے مدارج کا بھی کافی خیال رکھا گیا ہے - لکھائی چھپائی بہت صاف اور دلکش ' تاہم بعض جگہ طباعت کی غلطیاں پائی جاتی ہیں - مثلاً صفحہ ۲۷ پر لکھا ہے - " تو اس بات سے ان کو بڑا ڈھارس بندھا " ڈھارس کو مذکر لکھا گیا ہے - حالانکہ ڈھارس مونث[1] ہے - اسی طرح صفحہ ۶۲ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ختمہ لکھا ہے - حالانکہ ان کا نام حنتمہ[2] ہے - واقعات کی صحت میں

---

[1] فرہنگ آصفیہ جلد دوم صفحہ ۳۲۷ رسالۂ تذکیر و تانیث مشہور بہ مفید الشعرا صفحہ ۳۶ [2] اصابہ جلد دوم جزو دوم صفحہ ۱۲۳۲ طبقات ابن سعد جلد سوم جزو اول صفحہ ۱۹۰ '

مؤلف نے احتیاط سے کام لیا ہے۔ تاہم صفحہ ۱۱۹ پر حضرت عثمان کی خلافت کی کل مدت دس سال لکھی گئی ہے۔ حالانکہ ۲۳ ہجری سے ۳۵ ہجری تک بارہ سال بنتے ہیں +

تاریخ مغربی یورپ

(جلد اول)

مترجمہ مولوی محمد یحیی صاحب تنہا مؤلف سیر المصنفین

موصوف اس سے پیشتر واشنگٹن ارونگ کے چند مضامین کا ترجمہ خیالات ارونگ کے نام سے اردو دان پبلک کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔

کتاب مندرجہ عنوان مشہور امریکن پروفیسر ڈاکٹر ہاروے رابنسن کی کتاب تاریخ مغربی یورپ کا بامحاورہ ترجمہ ہے۔ رابنسن نے یورپ کے قرون وسطیٰ کے واقعات کو اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ موجودہ یورپ کے تمدن کا ہر شعبہ آسانی سے سمجھ میں آسکے۔ ہم نے ترجمہ کے بعض مقامات کا اصل سے مقابلہ کیا ہے۔ ہماری رائے میں جناب مترجم نے ترجمہ کرنے میں محنت اور جانفشانی سے کام لیا ہے تاہم بعض جگہ ترجمے کی عبارت سے مضمون میں ابہام پیدا ہو گیا ہے۔ مثلاً صفحہ ۲۱ پر

"..... Gives us a pretty good idea of the Church a few decades before the Christian religion was legalized by constantine"

کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے۔" اس سے کلیسا کا من و عن حال ظاہر ہو جاتا ہے۔ یعنی اس امر کا پتہ چل جاتا ہے۔ کہ کلیسا کی وہی حالت تھی جو قسطنطین

کے جواز مذہب عیسوی سے چند قرن پیشتر تھی"۔

صلیبی محاربات کے متعلق اگر جناب مترجم دیباچے میں یا ذیلی حاشیہ میں مسلمان مجاہدین کے بارے میں مختصر سا نوٹ لکھ دیتے تو بہتر ہوتا۔ کیونکہ مصنّف ان محاربات کو ایک عیسائی کے نقطۂ نگاہ سے بیان کرتا ہے ؎

انتخاب سودا

(مولوی سیّد ابو محمدؐ ثاقب کانپوری)

استاد الشعرا میرؔ کے کلام کے ایک سے زیادہ انتخاب مختلف اداروں کی طرف سے شایع ہوئے ہیں۔ لیکن اب تک مرزا رفیع سوداؔ کے کلام کا انتخاب نہیں ہوا تھا۔ حقیقت میں یہ ایک بہت بڑی کمی تھی۔ اب جناب سیّد ابو محمد صاحب ثاقبؔ کانپوری نے غزلیات سوداؔ کا کا ایک انتخاب شایع فرما کر اس نمایاں کمی کو پورا کر دیا ہے۔ اس انتخاب کی ابتدا میں ۴۸ صفحے کا ایک پُر از معلومات دیباچہ ہے۔ جس میں مرزا سوداؔ کے سوانح، میرو مرزا کا مقابلہ، مرزا کی شاعری کی مختلف خصوصیات پر بحث ہے۔ سوداؔ کا درجہ اردو شاعری میں کافی بلند ہے۔ ضرورت تھی کہ اس کی غزلیات کے انتخاب کے لئے کوئی نکتہ رس سخن فہم نکلے۔ جناب ثاقبؔ صاحب نے اشعار کے انتخاب میں اپنی نکتہ رسی اور شعر فہمی کا کافی ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ انتخاب نہایت مناسب ہے۔ اور کوشش کی گئی ہے۔ کہ مرزا کے تغزل کی جان کو ان اوراق میں بند کر دیا جائے۔ افسردگی مرزا کی شاعری کی ایک خصوصیت ہے جو نمایاں طور پر جلوہ گر ہے۔ انتخاب کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ تمام دیوان پڑھے بغیر شاعر کے عناصر خصوصی ذہن نشین ہو جائیں یہ غرض اس انتخاب سے بہت بڑی حد تک پوری ہوتی ہے۔ کتابت عمدہ چھپائی دیدہ زیب ؎

كتاب الكناية والتعريض

تأليف

الإمام العلامة أبي منصور
عبد الملك الثعالبي
رحمه الله
تعالى

دیباچہ کتاب

کتاب النہایہ جسکو آج شایع کیا جا رہا ہے - امام علامہ ابومنصور عبدالملک الثعالبیؒ صاحب یتیمۃ الدہر (المتوفی ۴۲۹ھ أو ۴۳۰ھ) کی ایک مختصر مگر مفید تصنیف ہے - مصنّف نے اپنے دیباچہ میں لکھا ہے - کہ یہ کتاب اُسنے اولاً ۴۰۲ھ میں نیشاپور میں مرتب کی - جب ابوالعباس[1] مامون بن مامون خوارزمشاہ کو اسکا پتہ لگا تو اسنے مصنّف سے کتاب کا ایک نسخہ اپنے کتاب خانہ کے لئے طلب کیا - اسپر اس نے کتاب کو دوبارہ مرتب کیا - اور اسمیں بعض مضامین کا اضافہ کرکے اسکو سات باب میں تمام کیا - اور اسکا نام کتاب الکنایہ والتعریض رکھا اور اسکو خوارزمشاہ کے نام پر موسوم کیا - عام طور پر یہ کتاب النہایہ[2] فے الکنایہ کے نام سے مشہور ہے - اور یہی نام اسکا کشف الظنون میں دیا ہے '

اس کتاب کے قلمی نسخے سپین (اسکوریال) ' قاہرہ (خدیویہ) اور لندن (برٹش میوزیم) میں موجود ہیں (دیکھو ریو کا تکملہ مخطوطات عربیہ ص ۶۹۹) ۱۳۰۱ھ میں مطبع الجوائب قسطنطنیہ نے " رسائل منتخبہ من مولفات الامام العلامۃ ابی منصور

---

[1] اس خوارزمشاہ کا حال حواشی چہار مقالہ ص ۲۴۲ پر دیکھو ' اسکو ۴۰۷ھ میں اس کے امرا نے قتل کردیا - اسوقت اس کی عمر ۳۲ سال کی تھی '

[2] برٹش میوزیم کے نسخہ کے شروع میں کتاب کا نام کتاب النہایہ فے فن الکنایہ لکھا ہے ؛

الثعالبی النیسابوری" کے نام سے چار رسائل کا انتخاب شایع کیا - ان میں کتاب النہایہ فی الکنایہ بھی شامل ہے - (دیکھو ص ۱۸۷ تا ۲۰۹)

متن جو اب شایع کیا جا رہا ہے - برٹش میوزیم کے نسخہ پر مبنی ہے - جو ۱۰۲۶ھ میں تحریر ہؤا - اور جسکے روٹوگراف چندسال ہوئے میں نے یونیورسٹی لائبریری کے لئے منگوائے تھے - اس متن کی تہذیب اور اس کے تحشیہ کا کام میں نے مولوی محمد نذیر صاحب مولوی فاضل کے سپرد کیا - جب وہ ۱۹۲۸-۲۹ء میں اورینٹل کالج میں بہاولپور سکالر کی حیثیت سے میری نگرانی میں کام کر رہے تھے - افسوس ہے کہ کتاب کی طباعت کے وقت وہ لاہور میں موجود نہیں ہیں،

کتاب کو مطبع میں بھیجنے سے پہلے اس کے بعض حصے فحش ہونے کی وجہ سے میں نے حذف کر دئے - مصنف کے متن میں اس قسم کے تصرف کا حق مجھ کو نہ تھا - مگر رسالہ طلبہ کے ہاتھ میں بھی جاتا ہے - اسلئے مجبوراً علامت حذف ڈالکر بعض عبارتیں حذف کر دی گئیں - ان میں سے بعض رسائل منتخبہ میں موجود ہیں - جہاں کہیں میں نے حواشی کا اضافہ کیا ہے - وہاں ان حواشی کو اس طرح کی قوسوں میں محدود کر دیا گیا ہے [ ] ' حواشی میں علامت [+] سے مراد ' افزودہ ' ہے - اور م یا منتخب سے منتخبات کتاب النہایہ مطبوعہ قسطنطنیہ ہے جسکا ذکر اوپر آ چکا ہے +

محمد شفیع

لہ گرا وراق ۱۷ تا ۲۲ بعد کے لکھے ہوئے ہیں + لہ حذف کی علامت ایک نقطہ دار خط ہے - خواہ حذف شدہ عبارت ایک سطر ہو یا ایک صفحہ،

ص ٢(ب)

بسم الله الرحمن الرحيم

وصلى الله وسلم على سيدنا محمد وآله

عونك اللهم على شكر نعمتك في ملكٍ كملكٍ - وبحرٍ في دهرٍ و بدرٍ في دستٍ - و غيثٍ يصول عن ليثٍ - وعالمٍ في ثوب عالمٍ - وسلطانٍ بين حسنٍ و إحسانٍ بيت

ولا عجائبُ صُنعِ اللهِ ما نبتت   تلك الفضائلُ في لحمٍ ولا عصبِ

وهذه صفةٌ تغني عن التسمية - ولا تحوج إلى التكنية - إذ هي مختصةٌ بمولانا الأمير السيد الملك المؤيد ولي النعم أبي العباس مأمون بن مأمون خوارزمشاه أمير المؤمنين - أدام الله سلطانه - وحرس عزه ومكانه - وخالصةٌ له دون الورى و جامعةٌ لديه محاسن الدين والدنيا - اللهم فكما فضلته على عبادك بالفضائل التي لا تحصى - والفواضل التي لا تنسى - ففضله عليهم بطول العمر - ودوام الملك - واتصال الصنع - ورغد العيش - وسكون الجأش - وعلو اليد - وسعادة الجد - و كفاية المهم - وإزالة الملم - والنظرة للمكارم والمعالي - بالدفاع عن مهجته - وحراسة دولته - وتثبيت وطأته - برحمتك يا أرحم الراحمين! اللهم آمين - وصلواتك على النبي محمد وآله أجمعين

ثم إن هذا الكتاب خفيف الحجم - ثقيل الوزن - صغير الجرم - كبير الغنم - في الكنايات عما يستهجن ذكره - و يستقبح نشره - ويستحيى

من تسميته - او يتطيّر منه - او يتوقّع و يتصوّن عنه - بالفاظ مقبولة تؤدّي المعنى - و تفصح عن المغزى - وتحسّن القبيح - وتلطّف الكثيف - وتكسو الغرض الانيق في مخاطبة الملوك - ومكاتبة المحتشمين - ومذاكرة اهل الفضل - ومحاورة ذوي المروّة ، والظّرف - فيحصل المراد - ويلوح النّجاح - مع العدول عمّا ينبو عنه السّمع - ولا يأنس به الطّبع - الى ما يقوم مقامه - وينوب منابه - من كلام تأذن له الاذن - ولا يحجبه القلب وما ذلك الّا من سحر البيان في النّفوس - وخصائص البلاغة - و نتائج البراعة - ولطائف الصّناعة - و اراني لم اسبق الى تأليف مثله وترصيف شبهه - و ترصيع عقده - من كتاب الله تعالى - و اخبار النّبي عليه الصّلوة والسّلام - وكلام السّلف - ومن قلائد الشّعراء و نصوص البلغاء - وملح الظّرفاء - و فنون الجدّ والهزل - وقد كنت الّفته بنيسابور في سنة اربع مائة - فلمّا جرى ذكره على اللّسان العالي ادام الله علوّه - وخرج الامر الممتثل ادام الله رفعته - بانفاذ نسخة منه الى الخزانة المعمورة ادام الله شرفها انشأته نشأة اخرى - و سبكته ثانية بعد اولى - وزدت في تبويبه وترتيبه - وتأنّقت في تهذيبه وتذهيبه و ترجمته بكتاب[1] الكناية والتّعريض و شرّفته باسم العالي ثبّته الله ما دامت الايّام و اللّيالي - وخرّجته في سبعة ابواب يشتمل كلّ منها على عدّة فصول مترجمة بمودعاتها:

فالباب الاوّل

في الكناية عن النّساء والحرم وما يجري معهنّ و يتّصل بذكرهنّ من

---

[1] في الاصل بكتابة ١٢

سائرِ شؤونهنّ وَاحوالهنّ وفصولهُ خمسةٌ

والبابُ الثاني

في ذكر الغلمانِ ومن يقولُ بهم، والكناياتِ عن اوصافهم واحوالهم وفصولهُ خمسةٌ

وَالبابُ الثالثُ

في الكنايةِ عن بعضِ فضولِ الطعامِ وَعنِ المكانِ المهيّأ لهُ. وفصولهُ اَربَعةٌ.

والبابُ الرّابعُ

في الكنايةِ عنِ البِقاعِ والمقاماتِ وفصولهُ اثنا عَشَرَ.

وَالبابُ الخامِسُ

في الكنايةِ عنِ المرَضِ وَالشّيبِ وَالكِبَرِ والموتِ وفصولهُ ستّةٌ

وَالبابُ السّادِسُ

فيما يوجبهُ الوقتُ وَالحالُ من الكنايةِ عن الطّعامِ والشّرابِ وما يتّصِلُ بِهمَا في فصلين.

وَالبابُ السّابعُ

في فصولٍ شتّى مِن الكنايةِ وَالتعريضِ مختلِفَةِ الترتيبِ. وَفصولهُ سَبعةٌ

وَهَا انا افتتحُ بسياقِها واوفّيها بحقوقِها وشرائطِها بعَونِ اللهِ تعالى ودولةِ مولانا الملك السيّدِ وليّ النِّعَمِ خوارزمشاه ثبّتها اللهُ وادامها. آمين.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

البَابُ الاوّلُ

فى الكنايةِ عن النسآءِ والحُرَمِ ومَا يجرِى معهُنّ ويتّصلُ بذكرِهنّ من سائرِ شؤُونِهنّ واحوالِهنّ ـ

فصلٌ فى الكنايةِ عَنِ المرأةِ

العربُ تكنِى عنِ المرأةِ بالنّعجةِ والشّاةِ والقلوصِ السّهجةِ والحرثِ والفراشِ والعتبةِ والقارورةِ والقوصرةِ والنّعلِ والغُلِّ والقيدِ والظُّلّةِ والجارةِ والحليلةِ وبكلّهَا الجاتِ [لهجتْ؟] الاخبارُ ـ ونطقتِ الاشعارُ ـ

فامّا الكنايةُ بالنّعجةِ فقد افصحَ عنها القرانُ فى قصّةِ داوُدَ عليهِ السّلامُ ـ انّ[1] هٰذَا اخى لهُ تِسعٌ وتِسعُونَ نعجَةً ولِىَ نعجَةٌ واحِدةٌ ـ وامّا الكنايةُ بالشّاةِ فكما قالَ عنترةُ[2] العبسىُّ ـ

يا شاةَ مَا قنَصٍ لمنْ حلّتْ لهُ ‏ ‏ ‏ ‏ حَرُمتْ علىّ وليتهَا لم تحْرُمِ

نكنّى[3] عن امرأةٍ وقالَ اىُّ صيدٍ انتِ لمَنْ يحلُّ لهُ انْ يصيدُكِ فامّا انا فانّ حُرمةَ الجوارِ (قد) حرمتكِ علىّ ـ

وامّا الكنايةُ بالقلوصِ ـ فكما كتبَ رجلٌ مِنْ مُغزّى

---

[1] سورة ٣٨ آيت ٢٣، [2] ديوان عنترة [طبع اهلوارث ص ٢١] شعر ١٢

[3] منتخب الكنايات يكنى عن جارته بها وقال اى صيد لمن حل له ان يصيدك ،

كانَ فيهِ الى عمرَ ابنِ الخطّاب رضيَ اللهُ عنهُ يُوصيهِ بنسائهِ[١]۔

الا أَبْلِغْ اباحَفْصٍ رَسُولًا ... فِدًى لكَ مِنْ اخي ثقةٍ إزاري

قلائصَنا هَدَاكَ اللهُ إنّا ... شُغِلْنا عنكمُ زَمَنَ الحِصارِ[٢]

واما الكنايةُ بالسرحَةِ وهي شجرةٌ[٣] فنهُ كما قال حُمَيدُ بنُ ثورٍ[٤]۔

أَبَى اللهُ الّا أنّ سَرْحَةَ مالكٍ ... علىٰ كلِّ افنانِ العِضاهِ تَرُوقُ

وانما كنىٰ عن امراةِ مالكٍ[٥] بسَرْحَةِ مالكٍ احسنَ كنايةٍ وعَبَّرَ عن ايغالها [كذا مصحفا] في الحسنِ على سائرِ الغَوانى باحسنِ عبارةٍ[٦]۔

وقدْ سلكَ طريقتَهُ في هٰذهِ الكنايةِ مَنْ قالَ :

وَمالىَ (من) ذنبٍ اليهم علمتُهُ ... سِوىٰ انّني قدْ قلتُ يا سَرْحَةُ اسْلَمي

نعم فاسْلَمي ثمّ اسْلَمي ثَمّتَ اسْلَمي ... ثلاثَ تحيّاتٍ وانْ لمْ تَكَلَّمي

وانّما يقعُ مثلُ هٰذهِ الكنايةِ عمّنْ لا يجسرونَ على تسميتِها اويتخافونَ [كذا] من التصريحِ بها كما قالَ الشاعرُ۔

وانّي لَأَكْني عن قذورٍ بغيرِها ... واعرِبُ احيانًا بها فاصارحُ[٧]

واَمّا الحَرْثُ فمنهُ قولُ الشاعرِ

---

[١] فى آتيشكو اليه رجلا يقال له جعدة تعرض بحرمه [٢] الشعر الاول فى المفضليات ص٤٧ لابى المنهال الاشعرى [ثم] فما قلص وجدن معقلات ـ قفا سلع بمختلف البحار + يعقلهن جعدة من سليم ـ معيدا يبتغى سقط العذارى + معقلات يعنى به نساء معينات يعقلهن جعدة واراد معقلات للازواج كما تعقل الناقة للضراب وقوله معيدا اى يفعل ذلك عودا على بدء وسقط العذارى عثراتها فامر عمر رضى الله عنه فاتى بجعدة معقولا، [٣] زم [+] الهلالى۔ [٤] الاغانى جلد رابع ص٩٥ [٦] وقوله على كل افنان العضاه كنى بسرحة مالك الطف كناية عن ارتقائها فى الحسن على سائر الغوانى

بقیہ بر صفحہ آیندہ

اذا اكلَ الجرادُ حروثَ قومٍ ... فحرثي همّهُ اكلُ الجرادِ

يعني بحرثهِ امرأتهُ ـ وفي القرآن نساؤكم حرثٌ لكم[۱] ـ واما الفراش فقد قال الله تعالى في صفة الجنة[۲] وفرشٍ مرفوعةٍ يعني النساء الانراه يقول على اثرها ـ انا انشأناهن انشاءً ه فجعلناهن ابكاراه ويروى عن بعض السلف انه قال لرجلٍ اراد ان يتزوج استوثر فراشك اي تخير السمينة من النساء ـ واما العتبة ففي قصة ابراهيم انه زار ابنهُ اسمعيلَ عليه السلام فوافق حضورهُ غيبتهُ (صـ ب) عن المنزل ص۲۳ فتقدمت اليهِ امرأتهُ واخبرتهُ بحالهِ ولم تعرض عليهِ القرى فقال لها قولي لابني ان اباك يقرأ عليك السلام ويأمرك ان تغيّر عتبة بابك[۵] فلما رجع اسماعيل قصّت عليهِ المرأة القصة وادت اليه الرسالة فطلقها في الساعة امتثالاً لامر ابيهِ لان قوله غيّر عتبتك كنايةٌ[۶] عن طلاقها والاستبدال بها ـ

واما الكنايةُ بالقارورةِ فمن قول النبيّ صلى الله عليه وسلم لسائق الابل التي عليها نساءٌ رفقاً بالقوارير ـ واما الكنايةُ بالقوصرةِ فمنها قول الراجز ـ

افلح من كانت له قوصرةٌ ... ياكلُ منها كلَّ يومٍ مرّةً

حاشیہ صفحہ گذشتہ ـ ۶؎ وانما يكنون عن المراة التى لا يجرون على تسميتها ويكرهون هتك سترها ـ

۷؎ صوابش قَذُوَرَ و فاصارخُ ست رگ بہ لسان ۷: ۹۸ و ۹۹ قذور نام زنی ست، این شعرا ابو زیاد الکلابی آوردہ است کہ معاصر اسحق موصلی بود ، رک بہ آغانی طبع دوم ۵: ۲۰۵ (حاشیہ صفحہ ہذا) ۱؎ سورۃ ۲ آیت ۲۲۳ ۲؎ سورۃ ۵۶ آیت ۳۳ ۳؎ سورۃ ۵۶ آیت ۳۴ و ۳۵

۵؎ [حاشیۂ اصل : (عتبتک)] ۶؎ [زبیں تر المنتہی]

وأمّا الكنايةُ بالنعل. فمنها قولُ عمرَ رضيَ اللهُ عنه: المرأةُ نعلٌ يلبَسُها الرجلُ اذا شاءَ لا اذا شاءتْ هيَ۔

وأمّا الغُلُّ فمنهُ قولُ بعضِ الحُكماءِ من العربِ وهوَ يذكرُ النِّساءَ: ومنهنّ الوَدُودُ الوَلُودُ ومنهنّ غُلٌّ قَمِلٌ[1] يَضَعُهُ اللهُ في عُنُقِ مَنْ يشاءُ ويفكّهُ عمّنْ يشاءُ۔ ومنهُ قولُ بعضِ السّلفِ: انما المرأةُ غلٌّ فلينظرِ امرُءٌ كيفَ يغلُّ عُنُقَهُ: وأمّا القيدُ فمنهُ قولُ ابي الحسنِ الجوهريِّ الجُرجانيِّ من قصيدةٍ يذكرُ [فيها] استعدادَهُ للمسيرِ الى حضرتهِ ويكنّي عن طلاقِ امرأتهِ

جَوادِيَ قُدّامي وذيلي مُشمَّرٌ	وقلبيَ مِنْ شوقٍ يجيءُ ويذهبُ

وقد كنتُ معقولًا باهلي مقيّدًا	وها انا من ذاكَ العِقالِ[2] مُسيَّبُ

وعلى ذكرِ الطّلاقِ فإنّي استحسنُ واستطرفُ جِدًّا ما كتبهُ ابنُ العَميدِ في الكنايةِ عن حلفِ بعضِ الملوكِ بالطّلاقِ وهوَ قولهُ في فصلِ كتابٍ: وحلفَ يمينًا اسمى فيهِ حرائرَهُ:

وأمّا الظُّلّةُ فهي عندَ بعضِ اللُّغويّينَ أصليّةٌ۔ وعندَ بعضهم مكنيّةٌ وكذلك الحليلةُ۔ وينشدُ۔

وانّي لمحتاجٌ الى موتِ ظُلّتي	ولكنْ متاعُ السّوءِ باقٍ معمّرُ

وأمّا الجارةُ ففيها يقولُ الاعشى ۔ أجارتَنا[3] بيني فانّكِ طالِقَه[4]

ومن احسانِ المتنبّي المشهورِ قولهُ لسيفِ الدّولةِ وقد اوقعَ

---

[1] اصله انّهم كانوا يغلّون الاسير بالقِدّ وعليه الشعر فيقمل القِدُّ في عنقه [لسان بذيل قمل [2] ضدّ مقيّد] [3] م: ديا جارتا [4] وآخره: كذاك امور الناس غادٍ وطارقَه + وفي نسخة عادا الشعراء النصرانيه)۔

بَنِيْ كلابٍ وسَبَى نساءَهُمْ ثم رَدَّهنّ عليهم

وَلَوْ غيرُ الاميرِ سَبَى[2] كِلابًا　　　　علاهُ[3] عن شموسِهِم الضِّبابُ[4]

وانّما[5] كنى عن النساءِ بالشموسِ* وعن المحاماةِ دونهنّ[6] بالضِّبابِ

وَالعربُ قد تكني ايضًا عنِ النساءِ بالجآذرِ والظِّباءِ والمَهَا و

البَقَرِ- واُتي النعمنُ بنُ المنذرِ من هٰذه الكنايةِ وكان فيها دمُهُ

وذٰلك انهُ كان وَتَرَ زيدَ بْنَ عديٍّ اذ قتل اباهُ عديَّ ابنَ زيدٍ

وزيدٌ ترجمانُ الملكِ ابرويز فكانَ يتربّصُ بالنعمانِ الدوائرَ

ويبغي لَهُ الغوائِلَ ولمّا علمَ ميلَ الملكِ الى النّساءِ وصفَ لَهُ

بناتِ النعمنِ واشارَ عليه بِخِطبتِهنّ وهو يعرفُ امتناعَهُ من

تزويجِ العجمِ لمَا في نفسهِ منَ النخوةِ فارسلَ اليهِ رسولًا في الخِطبةِ

فقال النعمانُ أمَا للمَلِكِ غُنيةٌ ببقرِ العراقِ عن هٰؤلاءِ الاعرابياتِ

السُّودِ وترجم زيدٌ هذهِ اللفظةَ بالفارسيّةِ وقبّح المعنى واساءَ

المحضرَ وقالَ انهُ يُعيّرُ الملكَ بنيكِ البقرِ فامرَ ابرويزُ باشخاصِ

النعمانِ والقائِهِ الى الفيلةِ حتّى خبطتهُ بارجلِهَا واتتْ على بقيتِهِ

ومِمّا لا نهايةَ لِحُسنهِ كنايةُ النّبيّ صلى الله عليه وسلم عن المرأةِ

الحسناءِ في المَنْبِتِ السوءِ (١٤٢الف) بقولهِ: واياكُمْ وخَضراءَ الدِّمَن[7]

فصلٌ

فيما يقعُ في الكنايةِ عن الحرَمِ لمّا نقل ابو الجيش خمارويه

ابنُ احمد بْنِ طولونَ والي مصرَ ابنتَهُ المسمّاةَ قطرُ

---

[1] ديوان المتنبي ص... [2] ديوان: غزا [3] ديوان: ثناه [4] ديوان: ضباب [5] م: كنى عن الحرم بالشموس [6] م: عليهن [7] من

النداء الى المعتضد كتب اليه يذكر[1] حرمة سلفها* بسلفه ويصف ما يرد عليها من ابهة الخلافة وروعة السلطان[2] ووحشة الغربة ويسأله ايناسها وبسطها وتقريبها فاراد الوزير عبيد الله بن سليمن ان يجيب عن الكتاب بخطه فسأله جعفر بن محمد بن ثوابة ان يعتمد عليه فى ذلك الجواب فكتب[3] جعفر بن محمد كتابا قال فى فصل منه:

واما الوديعة اعزك الله فهى بمنزلة ما انتقل من شمالك الى يمينك ضنا منها[4] بها وحياطة لها[5] ورعاية لمرادك[6] فيها،

فلما عرضه على الوزير عبيد الله ارتضاه جدا وقال له: كنا يتشك عنها بالوديعة نصف البلاغة ووقع له بالزيادة فى جراياته واقطاعه.

ولما[7] كانت ايام بختيار عز الدولة بن معز الدولة ابى تغلب الحمدانى* كتب[8] ابو اسحق الصابئ الى ابى تغلب كتابا استحسنه اهل الصناعة وتحفظوا منه هذا الفصل لاشتماله على عدة كنايات لطيفة ونسخته:-

وقد توجه ابو النجم بدر الخرمى. وهو الامين على ما يحفظه. الوفى بما يحفظه. نحوك يا سيدى ومولاى ادام الله عزك بالوديعة وانما نقلت من وطن الى سكن ومن

---

١ م: يذكره بحرمة نقلها ٢ م: الملك ٣ م: ففعل ٤ م: منا . ٥ م: عليها ٦ م: لمودتك ٧ م: ولما نقل الامير بختيار ابنته الى ابى تغلب بن حمدان ٨ م: كتب عنه [انظر ... المشتبه للذهبى ص ١٠٣]

مَغْرِسٍ الى مَغرَسٍ ـ ومِنْ مأوى بِرٍّ وانعطافٍ الى مثوى كرامةٍ
والطافٍ وهي بِضْعَةٌ مني حصلت لديك وثمرةُ جنى قلبٍ انفصلتَ ٩
اليكَ* وما بانَ عنّي مَن وصَلت حَبلهُ بحبلِكَ ـ وتخيّرتَ له بارِعَ
فضلِكَ وبَوّأتَهُ المنزلَ الرّحبَ مِن جميلِ خلائقِكَ ـ واسكنتَهُ
الكنفَ الفسيحَ من كريمِ شِيَمِكَ وطرائقِكَ ـ ولاضَياعَ على ما تضمّنهُ
اَمانتُكَ ـ وتشتملُ عليهِ صِيانتُكَ ـ الكتاب [كذا]

وكثيرًا ما يكني ابنُ العميدِ والصَّاحِبُ والصَّابيُ وعبدُ العزيزِ بنُ يوسفَ وهمْ بُلغاءُ العصرِ وافرادُ الدهرِ عن البنتِ بالكريمةِ وعن الصغيرةِ بالرّيحانةِ وعنِ الأمِّ بالحُرّةِ والبَرّةِ وعن الأختِ بالشقيقةِ وعن الزوجةِ بكبيرةِ البَيْتِ وعن الحُرَمِ بمنْ وَراءَ السِتْرِ وعنِ الزِّفافِ بتألّفِ الشّملِ واتّصالِ الحَبْلِ ـ ولو كتبتُ الفصولَ المتضمّنةَ لهذهِ الكناياتِ لامتدَّ نفسُ الباب وفيما اوردتُهُ من هذهِ النُّكَتِ كفايةٌ ـ وحدّثني ابو النصرِ محمدُ بنُ عبدِ الجبّارِ العُتْبيُّ قالَ لمّا تُوُفّيتْ والدةُ الاميرِ الرضيِّ ابي القاسمِ نوحِ ابنِ منصورٍ احتاجَ خالي ابو نصرٍ العُتْبيّ الى مكاتبةِ الحضرةِ في التعزيةِ عنها فلم يَرْتضِ لفظةَ الوالدةِ في ذكرِها فكتبَ كتابًا قالَ في فصلٍ منهُ

وقدْ قرعَ الاسْماعَ نُفُوذُ قضاءِ اللهِ فيمَنْ كانَ البَيْتُ المعمورُ ببقائِها مَصْعَدَ الدّعَواتِ المقبولةِ ومَهبطَ البَرَكاتِ المأمُولةِ نارَتصَاهُ كُتّابُ الحضرةِ وتحفّظوهُ ـ

فصلٌ في الكنايةِ عن عورةِ المرأةِ

انشدَني ابو القسمِ الزنبوري (كذا) لبعضِ العربِ :

۱؎ تم (ص۱۸۹): انفصلت اليك وثمرة من جنى قلبي حصلت لديك ۲؎ تم: اخلاقك ۳؎ تم: كرم ۴؎ تم: اعرافك ـ
۵؎ م: تتضمنه ـ

وَاذَا الكَرِيمُ اضاعَ مَطْلَبَ اَنفِهِ ... اوعِرسِهِ لِكَرِيهَةٍ لمْ يَغْضَبِ

والعَرَبُ تقولُ اِنَّ الجنينَ اذا تَمّتْ ايّامُهُ فِي الرَّحِمِ واَرادَ الخروجَ منه طلب بانفِهِ الموضِعَ الّذى يخرُجُ منهُ فقالَ لى الاستاذُ ص ٢٠ (ب) ابُو بكرٍ الطَبَرِىُّ انظرْ كيفَ تلطّفَ هذا الشّاعِرُ بِحذْقِهِ للكنايةِ عنِ الامِّ بقولِهِ "مَطْلَبَ انفِهِ". ومعنَى البيتِ انَّ الرّجُلَ متى لَمْ يَحْمِ.... اُمّه وامرأتِهِ لَمْ يغْضَبْ مِن شَئٍ يُؤْتى اليهِ بعدَ ذٰلِكَ

وقالَ الصّاحِبُ فى رِسالتِهِ الموسومَةِ بالتّنبيهِ علىٰ مساوِى شعرِ المُتنبّىّ: قدْ كانتِ الشّعَراءُ تصِفُ المآزِرَ وتكْنِى بهَا عمّا وراءَهَا تنزِيهًا لالفاظِهَا عمّا يُستَبشَعُ ذِكرُهُ حتّى تخطّى هٰذا الشاعِرُ المطبُوعُ الى الصّريحِ الّذى لمْ يهتدِ اليهِ غيرُهُ فقالَ

انّى على شَغَفى بِمَا فى خُمْرِهَا ... لَاَعِفُّ عَمّا فى سَرَاوِيلَاتِهَا

وكثيرٌ مِنَ الشّعْرِ احسَنُ من هٰذِهِ العفافةِ. وممّا يستحسَنُ للحجّاجِ قولُهُ لامِّ عبدِ الرحمٰنِ بن محمّدٍ الاشْعثِ عَمِدْتِ الى مالِ اللهِ فوَضعتِهِ تحتَ ذيلِكِ كانّهُ كرِهَ ان يقولَ تحتَ استِكِ كما تقولُ العامّةُ خوفًا مِنْ انَ يكونَ قَذَعًا ورَفَثًا كما عِيبَ عبدُاللهِ بنُ الزُّبَيرِ لمّا قالَ لامرأةِ عبدِاللهِ بنِ حازِمٍ: اخرجِى المالَ الّتى تحتَ استِكِ فقالتْ مَا ظننتُ انَّ احدًا يلِى شيئًا مِنْ امُورِ المسلمِينَ فيتكلّمُ بهذا فقالَ بعضُ الحاضِرِينَ: امَا ترَوْنَ الى الخَلْعِ الخفِىِّ الّذِى اشارَتْ اليهِ. وقالَ الجاحظُ فى قولِ اللهِ عزَّ اسمُهُ[٢] والّذِينَ

---

[١] كذا در اصل اما صواب ثمار القلوب [؟] است رک بہ يتيمة الدهر ١: ١١٧ س ١٠]

[٢] سورۃ ٢٣ آيت ٥ وسورۃ ٧٠ آيت ٢٩ ؛

همْ لفروجهم حٰفظون وقوله [والصواب: في] ومريم[1] ابنة عمران التى احصنت فرجها» انه كناية عن العورة ولمّا كثر في الكلام قدّر بعض المفسّرين انه يحتاج الى كناية فقال فى قوله تعالى «وقالوا لجلودهم[2] لم شهدتم علينا» انه كناية عن الفروج كانه لم يعلم ان كلام الجلد من اعجب العجائب ولو كان كذلك لقال عند ذكر الفروج والذين هم لجلودهم حافظون ولقال ومريم ابنة عمران التى احصنت جلدها -

وروت الفقهاء ان رفاعة طلّق امرأته فتزوجت برجل يقال له عبد الرحمٰن بن الزَّبِير بفتح الزاي وجرّ الباء ثم شكته الى النبيّ صلّى الله عليه وسلّم وقالت ان الذى معه كهدبة الثوب فقال عليه الصلوة والسلام اتريدين ان تراجعي رفاعة لا حتّى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك. فانظر الى لطافة هذا الكلام وكثرة رونقه وحسن كنايته عن العورة والنكاح بالعسيلة التى هي تصغير العسل وهو يذكّر ويؤنّث وذهب من انكر تأنيثه الى انه تصغير عسلة وعسل كما يقال تمرة وتمر.

٥ (الف)

. . . .

فصلٌ يتّصل به في الكناية عن عورة الرجل قال النبيّ صلى الله عليه وسلّم من تعزّى بعزاء الجاهليّة فاعضّوه بهن ابيه ولا تكنوا وقال عليه السلام من وقاه الله شرّ ما بين فكّيه و رجليه دخل الجنّة وقال الشاعر في مثلها تبين الكنايتين

---

[1] سورة ٢٣ آيت ٥ و سورة ٦٦ آيت ١٢ [2] سورة ٤١ آيت ٢١

وعضوين للإنسان لا عظم فيهما ... هما سببا إصلاحه وفساده
إذا أصلحا كان الصلاح لذيهما ... وإن فسدا لم يحظ يوم معاده

. . . .

أما الكيد فمن مكاناة بني ساسان لا من الكنايات التي هي من شرط كتابنا هذا . . . .

ومن الكنايات الجيدة في هذا الباب فلانٌ عفيف الإزار وفلانٌ طاهر الذيل إذا كان عفيف الفرج وقلت في كتاب المبهج من عف إزاره خفت أوزاره. وإنما يكنى بالإزار عما وراءه كما قالت امرأة من العرب

النازلين بكل معترك ... والطيبين معاقد الأزر

وما أحسن كناية زيادة بن زيد عن عفة الفرج وشرف المنكح بقوله

فلما بلغنا الأمهات وجدتم ... بني عمكم كانوا كرام المضاجع

فصلٌ في الكناية عما يجري بين الرجال والنساء من اتباع الشهوة

والتماس اللذة وطلب النسل لا أحسن ولا أجل ولا ألطف من كناية الله تعالى عن ذلك بقوله «وقد[1] أفضى بعضكم إلى بعض» وقوله عز ذكره «فلما[2] تغشاها» وقوله «هن[3] لباس لكم وأنتم لباس لهن» وقوله «فالآن[4] باشروهن وابتغوا ما كتب الله لكم» يكنى عن طلب الولد وقوله «فأتوا[5] حرثكم أنى شئتم» وقوله «فما[6] استمتعتم به منهن» وقوله في الكناية عن طلب ذلك حكاية عن يوسف عليه السلام

[٥٨ب] «هي[7] راودتني عن نفسي» فسبحان الله ما أجمع كلامه للمحاسن واللطائف وما أظهر أثر الإعجاز على إيجازه وبسطه في

---

[1] سورة ٤ آيت ٢١ [2] سورة ٧ آيت ١٨٩ [3] سورة ٢ آيت ١٨٣ [4] سورة ٢ آيت ١٨٣ [5] سورة ٢ آيت ٢٢٣ [6] سورة ٤ آيت ٢٤ [[7] سورة ١٢ آيت ٢٦]

مَعْنَاهُ وَاغْنَظِهِ ـ وَمِمَّا جَاءَ مِنْ حسنِ الكنايَةِ عنِ النِّكاحِ فى شعرِ الجاهليَّةِ قَوْلُ الاعشىٰ[1]

وفى كلِّ يومٍ انتَ جاشِمُ غَزْوَةٍ ... تَشُدُّ لاقصاها عَزِيمَ عَزائِكَا
مُوَرِّثَةٍ مالًا وفِى الحيِّ رِفعَةً ... لِمَا ضاعَ فيها مِن قُرُوءِ نسائِكَا

لانَّ الممدُوحَ لمّا كان كثيرَا الغَزْوِ ولَمْ يغشَ نساءهُ للغَيْبَةِ عنهُنَّ فى مَغازِيهِ اضاعَ اَطهارَهُنَّ ـ وقد زعمَ نُقّادُ الشعرِ[2] انَّ هذِهِ كنايَةٌ لطيفَةٌ دالَّةٌ علىٰ حذقِ الشاعِرِ بصَنْعَتِهِ ـ وعِندِى انَّ ضيعَ اطهارِ نساءِ المُلوكِ ليسَ ممّا يُخاطبُونَ بِهِ وكذٰلِكَ قولُ الاخطَلِ فى بنى مروَانَ ـ

قومٌ[3] اذا حاربُوا اشدُّوا مآزِرَهُمُ ... دُونَ النّساءِ ولوباتَتْ بِاَطْهَارِ

فانَّهُ على حُسنِهِ من فضولِ القَولِ الذِى لَوْ رُزِقَ فضلَ السكُوتِ عليها لجازَ وما للشاعِرِ وذِكرِ حُرُمِ المُلوكِ عمّا يجرى لَهُم معَهُنَّ وامّا قولُ الرَّبيعِ بنِ زيادٍ ـ

اَفَبعدَ[4] مقتلِ مالكِ بنِ زهيرٍ ... ترجُوا النِّساءُ عَواقبَ الاطهارِ

فهوَ ايضًا كنايةٌ عنِ النِكاحِ بعدَ الطهرِ يقولُ ايرجُونَ انْ يحملنَ مثلَهُ فى شرفِهِ وكرَمِهِ والعرَبُ تزعُمُ انَّ اكثرَ ما تكونُ المرأةُ اشتمالًا على الحبَلِ بعدَ مُواقعَةِ الرجُلِ ايّاها بعدَ طُهرِهَا من حيضِهَا فيكُونُ الحمَلُ عاقبَةَ الطهرِ . . . .

ص١٠ (الف) . . . . [ص ۱۰ الف]

وذكرَ الصولىُّ عنِ المكتفِى فى حديثٍ لَهُ قالَ سَهرتُ البارِحَةَ

---

[1] ديوان الاعشى طبع وينا ص٦٧ [2] آ: الشعراء [3] ديوان اخطل ص١٢٠ [4] حماسه طبع يورپ ص٤٤٧

فذكرتُ بعضَ أدويةِ السهرِ فأنِستُ فنِمتُ قال فقلنا له والله ما سمعنا باحسنَ من هذهِ الكنايةِ قطُّ فقالَ واللهِ ما سمعتُها قبل وقتي هذا وانّما ساقها اللفظُ . ودواءُ السهرِ كنايةٌ عن النكاحِ والسُكْرِ

وبلغني عن ابي عمرٍ والقاضي انّه كان لا يجلسُ للخصومِ حتّى ينالَ من الطّعامِ والشرابِ ويُلِمَّ باهلِهِ احتياطًا على دينِهِ وتعفّفًا بالحلالِ عمّا عساهُ تتوقُ نفسُهُ إليهِ من الحرامِ اذا ندرت منهُ لحظةٌ لمن عساها تتحاكمُ اليهِ من النساءِ الحِسانِ، وقرأتُ لابي إسحٰق الصابيِّ فصلاً في هذا المعنى بعينِهِ من كتابِ عهدٍ سُلطانيٍّ لبعضِ القُضاةِ تعجّبتُ من حُسنِ عبارتِهِ ولُطفِ كنايتِهِ وهو:

"وامرهُ انْ يجلسَ للخصومِ وقد نالَ من المطعمِ والمشربِ طرفًا يقفُ بهِ عند أوّلِ الكفايةِ ولا يبلغُ منهُ الى آخرِ النّهايةِ وانْ يَعرِضَ نفسَهُ على اسبابِ الحاجةِ كلّها وعوارضِ البشريّةِ باسرِها لئلّا يُلِمَّ بهِ منها مُلِمٌّ او يطيفَ بهِ طائفٌ فيحيدَهُ عن رُشدِهِ ويحولَ بينَهُ وبينَ سدادِهِ ... .

(صـ ب) . . . . (صـ٢

فصلٌ في انتضاضِ العذراءِ من ظرفِ الكنايةِ عن اخذِ العُذرةِ ما قرأتُهُ في اخبارِ بشارِ بن بُردٍ حينَ قال لهُ يزيدُ (بنُ) منصورٍ في دارِ المهديِّ يا شيخُ ما صناعتُكَ قال أثقبُ اللؤلؤَ وأرى الصّاحبَ اخذَ منهُ قولَهُ لابي العلاءِ الأسديِّ وقد دخلَ باهلِهِ من ابياتٍ.

وقد مضى يومانِ من شهرِنا ... فقُلْ لنا أهلْ ثُقِبَ الدُّرّ

. . . .

(لعله ظرف؟)

وَمِن احسَنِ الكِنَايَةِ فيهَا قَولُهُم «فُلَانَةُ بِخَاتَمِ رَبِّهَا» وقَد نَقَلَ ابنُ سُكَّرَةَ هٰذِهِ الاِستِعَارَةَ إِلى القِدْرِ فقال -

لَنَا عَلَى النَّارِ قِدْرٌ ... بِخَاتَمِ البَارِ بِكْرٌ

وَيُرْوٰى اَنَّ شَيخًا مِّنَ العَرَبِ (سنه الف) تَزَوَّجَ بِكرًا فَعَجِزَ عَن انتِضَاضِهَا فَامَّا اصبَحَت وسُئِلَت عَن حَالِهَا اَنشَدَت بَيتًا مَا شَيءٌ بَادَلَّ مِنهُ عَلى العَجزِ عَن اَخذِ العُذرَةِ - وَهُوَ

تَبِيتُ المَطَايَا جَائِرَاتٍ عَنِ الهُدٰى ... اِذَا مَا المَطَايَا لَم تَجِد مَن يُقِيمُهَا

وَمِن عَوِيصِ هٰذَا البَابِ قَولُ الشَّاعِرِ لِابنِ المُدَبِّرِ -

ابُوكَ ارَادَ اُمَّكَ حِينَ زُفَّت ... فَلَم تُوجَد لِاُمِّكَ بِنتُ سَعدٍ

يَعنِى لَم تُوجَد لِاُمِّكَ عُذرَةٌ وبِنتُ سَعدٍ هِيَ عُذرَةُ اُختُ كَعبٍ

فَصلٌ فِى الكِنَايَةِ عَنِ الحَيضِ، قَالَ بَعضُ المُفَسِّرِينَ فِى قَولِ اللهِ تَعَالىٰ «فَضَحِكَت»[1] اِنَّهُ كِنَايَةٌ عَنِ الحَيضِ، وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّمَ فِيمَا ذَمَّ مِنَ النِّسَاءِ «اِنَّهُنَّ نَاقِصَاتُ عَقلٍ ودِينٍ ثُمَّ قَالَ تَدَعُ الصَّلٰوةَ اِحدٰهُنَّ شَطرَ عُمرِهَا» يَكنِى عَنِ الحَيضِ، وحَدَّثَنِى ابُو نَصرٍ سَهلُ بنُ المَرزُبَانِ قَالَ كُنتُ احضُرُ اَحيَانًا بِبَغدَادَ مَجلِسَ عِنَانَ المُسمِعَةِ وكَانَ الاَفَاضِلُ كَثِيرًا مَّا يَنتَابُونَهَا لِلسَّمَاعِ الفَائِقِ وكَانَت تَبتَدِئُ بِالقُراٰنِ استِفتَاحًا بِبَرَكَتِهِ فَتُجِيدُ جِدًّا ثُمَّ تَاخُذُ فِى شَاأنِهَا فَبَينَا اَنَا ذَاتَ يَومٍ عِندَهَا اِذ ابتَدَأَت بِالشِّعرِ فَارتَفَعَت اَصوَاتُ الحَاضِرِينَ بِاِستِعَادَةِ عَادَتِهَا فِى الاِبتِدَاءِ بِالقُراٰنِ وَهِىَ سَاكِنَةٌ فَلَمَّا عَاوَدُوهَا مَرَّاتٍ قَالَت لَهُم صَاحِبَةُ لَيسَ يَجُوزُ لَهَا اَن تَقرَأَ القُراٰنَ

[1] [هود سوره ١١ آيت ٧١]

فلم يفطن لهذه الكناية اكثرهم حتى نبههم على انه كني عن حيضها، ويحكى ان بوران بنت الحسن بن سهل لما زفت الى المأمون حاضت من هيبة الخلافة في غير وقت الحيض فلما خلا بها المأمون ومد يده اليها قالت "اتى امر الله فلا تستعجلوه" ففطن بحالها وتعجب من حسن كنايتها و ازداد اعجابا بها وما اشبه وقوفه على كنايتها الا بحال ابي فراس الحمداني حيث قال۔

وكنى الرسول عن الجواب تظرفا ولئن كنى فلقد علمنا ما عنى

وكنت اقرأ في شعر ابن الحجاج۔

والامير مفتصد في بيت لا مجال فيه لمعنى فصد الامير

ولا افطن له الى ان ذكر بعض السادة انه كناية عن الحيض بلسان الحجاز من اهل بغداد فخرج معنى البيت ولولا فرط قذعه لاوردته۔ ....

فصل في الكناية عن الحبل. عن مجاهد في قول الله تعالى "فمرت به" قال انه كناية عن الحبل وكثيرا ما تجري هذه الكناية في الفارسية وما احسن ما كنى الفرزدق عن جارية له حبلى توفيت بقوله

وجفن سلاح قد رزئت فلم انح عليه ولم ابعث عليه البواكيا
وفي جوفه من دارم ذو حفيظة لو ان المنايا انسأته لياليا

وسمعت الامير ابا الفضل عبيد الله بن احمد الميكالي في المذاكرة يقول تقول العرب في الاستخبار عن الحبلى والكناية عن

مبتلى

ولادتها: احلبتَ فاتنات ام اجلبتَ اى أنتَ بانثى فتحلب ام بذكرٍ فتجلب للبيع .... [ضرب] ....

فصلٌ في نوادرَ ومُلَحٍ في كِناياتِ هذا البابِ — ويحكى انَّ بعض الاكاسرة خرج متصيّدًا فتفرّد عن اصحابه فاذا هو بشيخٍ كبيرٍ يعملُ في ارضٍ له فقال له يا شيخُ هلّا ازوجتَ فيكونُ لك من يكفيك فقال ازوجتُ ولكن اضللتُ الطريقَ فقال له زِهْ فلما تلاحق بالملك اصحابُه اعطى الشيخَ اربعةَ الافِ درهمٍ اراد هل لا نكحتَ وانتَ شابٌّ فيكونُ لك اليومَ من يكفيك من اولادك وقوله اضللتُ الطريقَ يحتمل معنيين احدُهما انه لم يتزوّج شابّةً ولودًا والاخرُ انه لم يبتغِ ما كتب الله له. وسمعتُ ابا منصورِ بن سهلٍ المرزبانَ يقول في المذاكرة سُئلَ بعضُ النساء التي كان عمرُ بنُ عبدِ الله بنِ ابي ربيعةَ يُشبِّبُ بهنّ عن حالها معه فقالت لعن اللهُ ذلك الفاسقَ جمعني وإيّاه مكانُ كذا في خلوةِ كذا فحللتُ بينه بوادٍ غيرِ ذي زرعٍ تكني عن عجزه عن النكاح، ولمّا قال ابو الشمطِ وهو اعرفُ الناس في الشعر لعليِّ بنِ الجهمِ:

نعم تعرّض فاجهم بن بدرٍ بشاعرٍ	وهذا عليٌّ ويحه يدّعي الشعرا
ولكن ابي قد كان جارًا لامّه	فلما ادّعى الاشعارَ اوهمني امرا

استظرفَ الناسُ هذه الكنايةَ وسارَ البيتانِ كلَّ مسيرٍ فقال

---

١ اغاني الجزء الحادي عشر ص

عَلَيَّ وَاللّٰهِ ما هوَ بابي عُذْرَةِ هٰذا المعنى وانّما نسَجَ على مِنْوالِ ما دارَ بَينَ الفرزدقِ وكُثَيِّرٍ. فسُئِلَ عن ذٰلِك فقالَ بلَغني انَّ كُثَيِّرًا انْشَدَ لِنَفْسِهِ قَصِيْدَةً استحسَنَها السّامِعُونَ فيهِم الفَرَزْدَقُ فقالَ لِكُثَيِّرٍ يا ابا صَخْرٍ هَلْ كانَتْ امُّكَ تَرِدُ البصرَةَ فقالَ لا يا ابا فِراسٍ ولكِنْ كانَ ابي كثيرًا مّا يَرِدُها

وَمِنْ حَيْثُ الهِجاءِ المُشْتَمِلِ على كِنايةٍ كالتصريحِ قولُ الحسنِ بْنِ طَبَاطَبَا العَلَوِيِّ لأبي الحَسَنِ عليِّ بْنِ رُسْتُمَ وكانَتْ حُرْمَتُهُ (صث الف) تُتَّهَمُ بِاذَرْيُونَ غلامِهِ[1]. (صث الف)

يا رُسْتُمِيُّ لقَدْ لهَوتَ بِحُرَّةٍ ... اصبَحتَ تحمي حُسْنَها وتصُونُ

وَالعِرْسُ لاهيةٌ بِبَرْكتِها الّتي ... يجْري اليها الماءَ اذَرْيُونُ

وَحدَّثَني سعد نصر الله بن يعقوب: طَلَبَ رَجُلٌ غريبٌ ببغدادَ امرأةً حسناءَ يتزوّجُها فقالَت لهُ دلّالةٌ عِنْدي امرأةٌ كأنّها باقةُ نرجسٍ فخطَبَها وتزوَّجَها فلمّا دخَلَ بِها اذا هِيَ عجوزٌ دَمِيمَةٌ فدَعا بالدلّالةِ وقرعَها على كِذْبِها فقالَتْ واللهِ ما كذَبْتُكَ حِينَ قُلْتُ كأنّها باقةُ نرجسٍ وانّما كنيتُ عن صُفرَةِ وجهِها وبياضِ شعرِها وخضرَةِ ساقِها. ومِنْ نادِرِ ما كُنِيَ بهِ عن المرأةِ الخائنةِ لفراشِ زوجِها قولُ ابنِ الرُّوميّ ويُقالُ لابي عليٍّ البَصيرِ.

انتَ يا شيخُ نائمٌ فتنبَّهْ ... وانْتَصِحْني فلستُ من غُشّاشِكْ

لكَ انْثى ترْبِيعُ في كلِّ وكرٍ ... وتُرَبّي الفِراخَ في اعشاشِكْ

والعامّةُ تَكْني عن استئنافِ المعاشقةِ. ومُعاوَدَةِ المواصلَةِ

---

[1] [illegible]

بعدَ وقوعِ الفترةِ وحدوثِ السّلوةِ بتسخينِ الارُزِّ۔ کما کتبَ بعضُهُمْ الیٰ عشیقةٍ لَهٗ یقولُ:

خلوتُ بذکرِکُم اذ غابَ عنّی ۔ رَقیبٌ کنتُ قدْ مَا اتّقیه
وبرّدتُ المقیلَ فدتكِ نفسی ۔ وتسخینُ الارُزِّ یطیبُ فیه

وَقالَ اٰخرُ

ولستُ اُحبُّ الرزّ اوّلَ طبخِه ۔ فکیفَ اُحبُّ الرزَّ وهو مُسَخَّنٌ

اَلْبَابُ الثَّانِیْ

فی ذِکْرِ الغِلْمَانِ وَالذُّکْرَانِ وَمَنْ یَقُوْلُ بِهِمْ والکِنَایَاتِ عَنْ اوصَافِهِمْ واحْوَالِهِمْ۔

فَصْلٌ فی الاِحْتِلَامِ والخِتَانِ۔ یُکنیٰ عَنِ الخِتَانِ بالتّطْهِیْرِ والتَّطْهِیْرِ وَمِنْ امْلَحِ ما سَمِعْتُ فی ذٰلِکَ قَوْلُ الصَّنَوْبَرِیِّ۔

اریٰ طُهْراً سیُتِمُّ بعدُ عرساً ۔۔۔ کَمَا قَدْ تُتْمِمُ الطَّرَبَ المُدَامَۃ

وَمَا قَلَمٌ بِمُغْنٍ عنکَ اِلَّا ۔۔۔ اِذَا مَا الْقِیَتْ مِنْهُ الْقُلَامَۃ

وما یَنْقَضِیْ تعجُّبِیْ مِنْ حُسْنِ هٰذِهِ الکِنَایَۃِ وَمَلَاحَۃِ هذا التَّمْثِیْلِ کَمَا لَا یَتَنَاهیٰ اِعْجَابِیْ بِقَوْلِ اَبِی ابْرَاهِیْمَ اِسْمٰعِیْلَ بنِ احمَدَ العَامِرِیِّ الشَّاشِیِّ مِنْ قَصِیْدَۃٍ مَدَحَ بِهَا فَخْرَ الدَّوْلَۃِ وکنیٰ عَنْ تَطْهِیْرِ وَلَدَیْهِ احْسَنَ کِنَایَۃٍ وَمَا اَظُنُّ احَداً اخَاطَبَ مَلِکاً فی مَعْنَاهُ بِاحْسَنَ وابْدَعَ مِنْهُ۔

اَمَسَسْتَ شِبْلَیْکَ فی حَقِّ الهُدیٰ الماً ۔۔۔ لَوْلَا التُّقیٰ لسَفَکْنَا فِیْهِ اَلْفَ دَمٍ

جَلَوْتَ سَیْفاً لِیَرْتَاحَ الشُّجَاعُ وَقَدْ ۔۔۔ شَذَّبْتَ غُصْناً لِیُنْمِیَ قَامَۃَ الشَّمِ[1]

کَلَّا اَحْسِبُ اَنَّ احداً اکنیٰ عَنِ احْتِلَامِ الغُلَامِ بِاحْسَنَ مِنْ قَوْلِ ابْرَاهِیْمَ بنِ العَبَّاسِ فِی المُنْتَصِرِ وهُوَ اِذْ ذَاکَ وَلِیُّ عَهْدِهٖ

هٰذَا هِلَالُ العِیْدِ قَدْ ۔۔۔ اَقْمَرَ بالمُنْتَصِرِ

وَلِیِّ عَهْدِ البَشَرِ ۔۔۔ وَابْنُ امامِ البَشَرِ

یَا لَیْلَۃً نَعُدُّهَا ۔۔۔ بلَیْلَۃٍ مِنْ صَفَرِ

([1] درختی ست که از وی کمان سازند منتهی)

ابدت شبا ... بيت مع سبحها عن قمر

وممن كنى عن القلفة قول دعبل:

ما زال عصياننا لله يرذلنا حتى دفعنا الى يحيى ودينار
الى عليجين لم تقطع ثمارهما قد طال ما سجدا للشمس والنار

فصل في الكناية عن الغلام الذي يعبث به ووصف هيئة ... صاحبه تكنى عنه بالعتيق والمطبوع والمعاشر والمؤنس ومن كنايات المتوقين في هذا الباب قولهم ... شاهد ... ومعناهم فيه انه حسن صورته يشهد بقدرة الله عز اسمه على ما يشاء. ويحكى ان اصحاب ابي علي الثقفي ... هيبة له تواصوا بينهم ان يتقولوا بالغلام اتسبح حجة فاتفق انهم صحبوه في بعض الطريق فتراءى لهم من بعيد غلام فقال ... احدهم ... وهو يظن ان ابا علي لا يفطن لمغزاه فلما قرب الغلام منهم كان غير سابح فالتفت ابو علي اليهم وقال داحضة. وسمعت بعض الفقهاء ينسب هذه الحكاية الى ابي اسحق المروزي ونظيرها ان شبانا مشوا مع ابن المنكدر فكانوا اذا رأوا امرأة جميلة قالوا بينهم قد ابرقنا وهم يظنون ان ابن المنكدر لا يفطن لمغزاهم فرأوا قبة مجللة فقال احدهم بارقة وانكشف خلال القبة عن امرأة قبيحة فقال ابن المنكدر يا ابن اخي هذه صاعقة

(راجع اغاني ١٨: ٦٢)

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۷۔ (۱)

عدد مسلسل (۲۴)

بابت

نومبر ۱۹۳۰ء

حصہ اول

چیف ایڈیٹر

مولوی محمد شفیع ایم۔ اے

2/8-

مطبع کریمی لاہور میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر چھپا اور بابو این این متر

نے

اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سفرنامہ چین

۱۴۱۹ء تا ۱۴۲۲ء

یعنی مضمون و محصّل روزنامچہ خواجہ غیاث الدین نقّاش،
ایلچی بایسنغر میرزا ابن شاہرخ میرزا ابن امیر تیمور گورگان کہ
حافظ ابرو در زبدة التواریخ درج نمودہ

دیباچہ

سفرنامہ چین جو آیندہ صفحات میں شایع کیا جارہا ہے ایک روزنامچہ پر مبنی ہے - جو خواجہ غیاث الدین نقاش نے مرتب کیا، خواجہ مذکور کو بایسنغر میرزا ابن سلطان شاہ رخ بن تیمور گورگان نے اپنے باپ شاہرخ میرزا اور اپنے بھائیوں کے ایلچیوں کے ہمراہ ۶ ر ذی قعدہ ۸۲۲ھ = ۲۳ ر نومبر ۱۴۱۹ء کو روانہ چین کیا تھا - حقیقت میں یہ ایک جماعت ایلچیوں کی تھی - جو اپنے نوکروں اور تاجروں کو ملا کر جو انکے نوکروں میں شامل ہو گئے تھے - چار سو ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھی - جیسا اوپر مذکور ہوا ان ایلچیوں میں زیادہ تر سلطان شاہرخ جانشین تیمور اور اسکی اولاد کے ایلچی تھے -

شاہ رخ کو ممالک اطراف میں ایلچی بھیجنے کا بہت شوق تھا -

چین[1] کو اسنے متعدد دفعہ ایلچی بھیجے اسی طرح ۸۴۵ھ میں اسنے کمال الدین عبدالرزاق صاحب مطلع السعدین کو ہندوستان میں راجہ بیجانگر کے پاس ایلچی بناکر بھیجا اور جب وہ وہاں سے واپس ہوا تو ۸۵۰ھ میں اسکو والی گیلان کے پاس بھیجا، جب وہ اس کام سے فارغ ہوا تو اسکو مصر جانے کا حکم ملا۔ مگر شاہرخ کی وفات کی وجہ سے وہ ادہر روانہ نہ ہوسکا۔

ایلچیوں کی جس جماعت کا روزنامچہ درج متن ہے وہ ۲۳ر نومبر ۱۴۱۹ء کو ہرات سے جو شاہرخ کا دارالخلافہ تھا روانہ ہوئی اور بلخ اور سمرقند سے ہوتی ہوئی کوہ تھیان شان اور صحرای گوبی کو عبور کرکے سلطنت چین میں داخل ہوئی اور آخر خان بالیغ (پیکن) پہنچکر کچھ مہینے وہاں ٹھہری اور ہرات سے روانہ ہونیکی تاریخ سے دو مہینے اور پانچ روز کے بعد ۲۹ر اگست ۱۴۲۲ء کو واپس ہرات پہنچی۔

اس سفر کے حالات خواجہ غیاث الدین نقاش نے روزنامچہ کے طور پہ لکھے۔ اور اس روزنامچہ کا مضمون اور حاصل مطلب حافظ[2] ابرو نے زبدۃ التواریخ

---

۱ چین میں اس زمانے میں منگ خاندان (۱۳۶۹ء تا ۱۶۱۶ء) حکمران تھا جسکو اصل میں تامنگ (یعنی نور اعظم) کہتے تھے اور صاحب مطلع السعدین کو اسی سے مغالطہ ہوا۔ اور اسنے بجائے خاندان کے اسکو بادشاہ چین کا نام سمجھا اور اسکو دای منگ لکھا' ۲ حافظ ابرو کا اصلی نام شہاب الدین عبداللہ بن لطف اللہ بن عبدالرشید الخوافی ہے۔ وہ تیمور کا درباری تھا اور شطرنج کھیلنے میں بہت مہارت رکھتا تھا۔ ۸۱۰ھ میں شاہرخ نے اسکو ایک جغرافیہ مرتب کرنے کا حکم دیا جو اسنے ۸۲۳ھ میں دو جلد میں ختم کیا۔ اسی بادشاہ کے حکم سے اسنے ایک تاریخ عالم مرتب کی۔ جسکا مکمل نسخہ قسطنطنیہ میں ہے' ۸۲۶ھ سے یہی مولف بایسنغر مرزا کے حکم سے زبدۃ التواریخ کی تالیف میں مصروف ہوا۔ جسکی صرف جلد اول اور جلد چہارم کا نصف آخر ہم تک پہنچا ہے۔ ۸۲۸ھ میں حافظ ابرو نے شاہرخ کے حکم سے جامع التواریخ رشیدالدین کا نیا اڈیشن تیار کیا' اسکی تاریخ وفات ۸۳۳ھ ہے (ماخوذ از انسائکلوپیڈیا آف اسلام بذیل حافظ ابرو'

کی جلد چہارم کے نصف آخر میں درج کیا ۔ زبدۃ التواریخ کی جلد چہارم کا یہ حصہ نہایت اہم ہے کیونکہ مصنف نے اسمیں شاہرخ کے عہد کے حالات ۸۳۰ھ تک ایک شاہد عینی کی حیثیت سے لکھے ہیں، یہ حصہ صاحب مطلع السعدین نے اپنی کتاب میں باندک تغیر درج کر لیا اور اتفاقات زمانہ سے زبدۃ التواریخ ایسی ناپید ہوئی کہ اب جلد چہارم کے حصہ مذکور کا صرف ایک نسخہ کتابخانہ بادلی آکسفورڈ میں موجود[1] ہے ۔ اوربس ۔ متن جو صفحات آیندہ میں درج ہے زبدۃ التواریخ کے اسی نسخہ پر مبنی ہے ۔ جو آکسفورڈ میں ہے ۔

یہ متن پہلی دفعہ شایع کیا جارہا ہے ۔ اس سفرنامہ کو مطلع السعدین سے لیکر قاترمیر نے *Notices et extraits* کی جلد ۱۴ حصہ اول میں مع ترجمہ فرنچ و حواشی شایع کیا ہے[2] ۔ اور [3] کے خاتمہ میں (بذیل خان بالیق) مطلع السعدین ہی کے بیانات کو تفصیل کے ساتھ اور نگارستان احمد غفاری میں بہت اجمال کے ساتھ درج کیا گیا ہے، خطائی نامہ جو ترکی میں ہے وہ بھی مطلع السعدین ہی کے بیانات پر مبنی[3] ہے ۔ غرض یہ کہ اس سے پہلے زبدۃ التواریخ سے لے کر اس سفرنامہ کو کسی نے شایع نہیں کیا[4] ۔ ہر کسی نے اسکو مطلع السعدین سے لیا ہے ۔ گو زبدۃ التواریخ میں یہ سفرنامہ زیادہ مفصل اور بعض جزئیات میں غالباً زیادہ صحیح طور پر درج ہوا ہے ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ انشاء کے اعتبار سے مطلع السعدین کا بیان بہتر ہے، خصایص متن سفرنامہ کے خاتمہ پر مفصل درج کئے گئے ہیں ۔

محمد شفیع

---

[1] اسکا نمبر 422 Elliot ہے ۔ [2] پروفیسر بارتولڈ کو پتہ ملا ہے کہ ایران میں کتاب کا پورا نسخہ موجود ہے مگر اور کچھ حال اسی نسخہ کا اسکو معلوم نہ ہوسکا ، [3] قاترمیر ص ۳۸۹ ،

[4] بقول بارتولڈ تاریخ الخیرات (تصنیف ۱۲۱۳ھ تا ۱۲۵۰ھ) کے مصنف محمد بن فضل اللہ موسوی نے اس سفرنامہ کو بہت اختصار کے ساتھ درج کیا ہے ۔ اس مصنف کے مآخذ میں حافظ ابرو کی زبدۃ التواریخ بھی تھی (ترکستان ص ۵۶) ، اتنا لکھنے کے بعد گنج البحر مصنفہ غلام محی الدین کا ایک قلمی نسخہ دیکھا جو ۱۲۴۶ھ کی تحریر اور اسی زمانہ کی تصنیف تھی ۔ اس مولف نے بھی بظاہر مطلع ہی سے لیکر یہ سفرنامہ درج کیا ہے گو بعض زیادات اور مآخذ سے لی ہیں ۔

از

زبدة التواریخ حافظ ابرو

(۲۸۳ ب) ذکر[۱] آمدن ایلچیان که بختای رفته بودند و حکایات و قواعد خطائیه

در یازدهم[۲] رمضان المبارک سنه خمس و عشرین و ثمانمایه ایلچیان که از پیش بندگی حضرت[۳] اعلی خلد الله تعالی ملکه و سلطانه مقدمهم شادی خواجه و کوکچه و از پیش مخدوم و مخدوم زاده عالم و عالمیان بایسنغر[۴] بهادر خلد الله تعالی ملکه و سلطانه بختای رفته بودند مقدمهم سلطان احمد و خواجه غیاث الدین نقاش بدار السلطنت هرات رسیدند،

---

[۱] رجوع کنید به Cathay and the way Thither مصنفهٔ سر هنری یول (yule) جلد اول ص cxcix-ccix برای تعلیقات بسیار مفیده برین سفرنامه که بعضی از حواشی صفحات آینده هم از آن کتاب ماخوذ است، در کتاب مطلع السعدین همین سفرنامه باختصار درج شده است، و ازین رو مقابله متن با آن کتاب کرده شد، و دو نسخه ازو بکار برده، اولاً نقل روتوگرافی این کتاب که در خزانهٔ مخطوطات پنجاب یونیورسٹی موجود است و از اصلی حاصل کرده اند که بکرائسٹ کالج کیمبرج محفوظ است و ثانیاً نسخهٔ مطبوعه این سفرنامه که کاترمیر از روی مطلع السعدین در Notices et Extraits etc Vol. XIV. I شائع کرده — زیاداتی که از روی مطلع السعدین درج متن شده محدود است به قوسین این طور [ ]، و آنچه قیاساً افزوده شد این طور ( )، [۲] = ۲۹ اگست ۱۴۲۲ء، [۳] یعنی شاهرخ سلطان پسر تیمور گورگان [۴] بایسنغر پسر شاهرخ سلطان بود و چون ذکر برادرانش وغیرهم در سطور آینده می آید نسب و وفیات ایشان درج ذیل کرده می شود

تیمور (م ۸۰۷ھ)

شاهرخ (م ۸۵۰ھ) — عمر شیخ

الغ بیگ (م ۸۵۳ھ)، ابراهیم سلطان (م ۸۳۸ھ)، بایسنغر (م ۸۳۷ھ)، سیورغتمش (م ۸۳۰ھ)، محمد جوکی (م ۸۴۸ھ) — رستم (م ۸۴۲ھ)

رفتن ایشان در ششم[1] ذی القعده سنه اثنی [والصواب: اثنتین] وعشرین وثمانمایه بود و آمدن در یازدهم[2] رمضان مذکور که مدت دو سال و دو[3] ماه و پنج روز باشد بیلاکافی وتنسوقاتی که بادشاه ختای فرستاده بود رسانیدند وحکایات غریب از اوضاع و رسوم آن ممالک تقریر کرد وخواجه غیاث الدین مذکور ازان روز باز که از دارالسلطنت هراة (به) عزیمت سفر ختای بیرون رفته بود تا بآن روز که باز آمد بهر موضع که رسید آنچه دیده بود (۳۸۴ ا) از چگونگی راه وصفت ولایت وعمارت و قواعد شهرها وعظمت بادشاهان وطریقهٔ ضبط وسیاست وعجایبی چند که دران دیار مشاهده کرده (بطریق روزنامچه ثبت نموده[4] بجهت آنکه معتمد علیه بود وبی غرض وتعصب نبشته مضمون ومحصل آن حکایات نقل افتاد،

در ششم ذی القعد (ة) از دارالسلطنت هراة بیرون رفتند و در نهم ذی الحجه به بلخ رسیدند وتا غرّه[5] محرم سنه ثلاث وعشرین وثمانمایه بسبب بارندگی وسرما آنجا بودند و بعد ازان کوچ کرده از گذر کلف[6] گذشته در بیست و دوم به سمرقند رسیدند وپیشتر ازانکه ایشان برسند بدو ماه امیرزاده اعظم الغ بیگ گورگان ایلچیان خود سلطانشاه ومحمد بخشی را با جماعت ختائیان که میرفتند فرستاده بود، ایلچی امیرزاده سیورغتمش[7] نور الله مرقده نیز برسید ارغداق بنام وازان امیرشاه[8] ملک ازدوان نام و ازان شاه بدخشان خواجه تاج الدین جمع شدند و در عاشر[9] صفر با ایلچیان ختای از دارالسلطنت سمرقند روان

ه۱ = ۲۳ نومبر ۱۴۱۹ء ه۲ اصل یازدهم ه۳ اصل: دو، ه۴ در مطلع السعدین گفته است که میرزا بایسنغر "بتاکید تمام خواجه غیاث الدین را گفته که هرچه بیند بطریق روزنامچه ثبت نماید"، ه۵ یکم محرم ۸۲۳ھ = ۱۷ جنوری ۱۴۲۰ء، ه۶ برکنار آمودریا بر راه نخشب در صغد، ۱۸ فرسخ از بلخ، ه۷ وفات این امیرزاده در ۸۳۰ھ واقع شد، پس ظاهر است که این جمله بعد از وفات امیرزاده افزوده شد، ه۸ والی خوارزم، ه۹ ۱۰ صفر ۸۲۳ھ = ۲۵ فروری ۱۴۲۰ء

شدند، و در (اوائل) ربیع الاول به تاشکند رسیدند و در دوازدهم[1] به سیرام[2] و در غرهٔ[3] ربیع الآخر به آش پره و در حادی عشرین ربیع الآخر بایل مغول[4] (۳۸۴ب) درآمدند (۳۸۴ مرغزار ملک خوش بود و فصل بهار، هر روز کوچ می کردند ناگاه خبر رسید که اویس[5] خان شیر محمد اغلان را طلب داشته بود تا قتل کند و قتل محمد و بعضی از امراء مغول بدان جهت از اویس خان باغی شدند و ایل بهم برآمد، ایلچیان متوهم شدند و کوچ کردند بعد از آن خبر رسید که فتنه تسکین یافت و امرا با اویس خان [اطاعت] کردند و امیر خدایداد که امیر معتبر آن دیار بود برسید و ایلچیان را استمالت داد و پیش اویس خان رفت ایلچیان ایمن شده براه خود رفتند، تا در هژدهم[6] جمادی الاول بموضعی رسیدند که بیلغوتو می گفتند و آن از حساب ایل محمد بیگ بود آنجا توقف کردند چندانکه بعضی از داجیان[7] و نوکران شاه بدخشان و غیره که متوجه ختای بودند جمله برسیدند و در بیست[8] و یکم جمادی الاول از آنجا کوچ کردند و در بیست و دوم از آب[9] کنگه گذشتند و در ثالث عشرین ایلچیان محمد بیگ را که حاکم این الوس بود دیدند و پسر محمد بیگ سلطان شادی گورگان داماد شاه جهان بود که خاتون[10] دو خواهر

---

[1] ۱۲ ربیع الاول ۸۲۳ھ = ۲۷ مارچ ۱۴۲۰ء [2] سیرام واقع بود برکنار رود اریس که معاون سیحون است و هشت میل بشرق چیمکنت، قبل از حمله‌های مغول این شهر را اسبیجاب نام بود،

[3] ۱۵ اپریل ۱۴۲۰ء، [4] یعنی بلاد مغول (یول)،

[5] تاک به یول ص۴۲۵، [6] ۳۱ مئی ۱۴۲۰ء [7] تاک به یول ج ۱ ص ۱۰۵ حاشیه ۱،

[8] ۱۴ جون سنه مذکور، [9] مطلع السعدین: آب کنگر، اما بقول قاترمیر غالباً این همان آبی ست که آن‌ها رود کون گز گویند، [10] حاصل این که شاه جهان را دو دختر بود، یکی در حبالهٔ ازدواج سلطان شادی ولد محمد بیگ و دیگر در عقد میرزا محمد جوکی ولد شاهرخ بهادر،

۱۲ ا) خاتون امیرزاده اعظم جوکی بهادر خلّد ملکه باشد، و در بیست و ششم جمادی الاول (۳۸۵ ا)
در مرغزار و جلکاء یلدوز در آمدند و از انجا گذشته بایل شیر بهرام رسیدند، و پسر شیر بهرام
آنجا بود، با وجود آنکه آفتاب[1] بسر سرطان رسیده بود یخ می بست چنانکه دو انگشت بری
یخ می شد در هشتم[2] جمادی الآخر خبر رسید که پسران محمد بیگ داجی را که ایلچی اویس خان بود
غارت کرده، داجیان و ایلچیان متوهم شده گفتند ما راسعي می باید کرد که خود را زودتر بسرحد
ختای رسانیم و درّه‌ها[3] و کوههای سخت* بود و اکثر اوقات باران و ژاله می بارید،
در اواخر جمادی الآخر به شهر **طرفان** رسیدند و درین شهر اکثر کافران[4] بودند و بت
می پرستیدند و بتخانه بزرگ داشتند در غایت تکلف و بتان بسیار در انجا، بعضے نو ساخته
و بعضے کهنه، و در پیشانی صُفّه یک صورت بزرگ که میگفتند که این صورت ساکمونی[5] است
و در دوم[6] رجب ازین شهر کوچ کردند ، هوا در غایت گرمی بود، پنجم رجب به **قراخواجه**
رسیدند، در دهم رجب جمعے ختائیان رسیدند و گفتند اسامی ایلچیان و عدد ایشان بنویسند،
در نوزدهم رجب بموضعی رسیدند که آنرا **صوفی آتامی** گفتند و یکے از سادات ترمذ که او
۳ب) را خانزاده تاج الدین نام بود (۳۸۵ ب) آنجا لنگرے ساخته و ساکن شده و (او) داماد
امیر فخرالدین حاکم مسلمانان **قامل** بود و در حادی عشرین رجب بشهر **قامل** رسیدند و
درین شهر امیر فخرالدین مسجدے بزرگ ساخته بود و در مقابل بتخانهٔ ساخته بودند بغایت
بزرگ و در وے بتے بزرگ ساخته، از چپ و راست بتان دیگر خوردتر بسیار بودند و در
پیش بتے بزرگ مقدار بچهٔ ده ساله صورتے از مس ساخته در غایت صنعت و خوبی، و
بر دیوار های خانه صورت گریهای استادانه کرده و رنگ آمیزیهای خوب و بر در بتخانه

---

[1] یعنی قریب به ۲۱ ماه جون ۱۴۲۰ء، [2] ۲۰ جون ۱۴۲۰ء، [3] اصل: و دادر کهای سخت،
[4] یعنی بودائی بودند، [5] یعنی ساکیامنی، [6] ۱۳ جولائی ۱۴۲۰ء،

صورت دو دیو که بر یکدیگر حمله کرده باشند، و شنگلی تیمور بایری[۱] جوانی بغایت صاحب جمال حاکم قائل بود[۲]،

در خامس عشرین رجب از انجا کوچ کردند و بعد[۳] از ان راه اکثر چول بود هر یک روز و دو روز باب میرسیدند تا دواز دهم[۴] شعبان بموضعی رسیدند که از آنجا شکجو[۵] که اول شهر ختائیان و قراول[۶] ایشان بود ده[۷] روزه راه چول بود، جمعی از ختائیان بموجب حکم بادشا باستقبال ایلچیان آمده بودند و مرغزاری نزه بود هم دران روز [در] مرغزار[ی] صُفّهٔ عالی ساخته و سایبانهای کرپاس زده و شیرها[۸] و صندلیها نهاده و انواع ماکولات از قاز[۹] و مرغ (۱۳۶۶) و گوشت پخته و فواکه و میوهای خشک و تر بر طبقهای چینی مرتب کرده و (۱۳۸۶)
بر هر شیرهٔ تخلی بسته، القصه دران بیابان طویی که در شهرها بدان تکلف نتوان ساخت ترتیب کرده بودند و شیرها و خوانها نهاده، و بعد از طعام انواع مسکرات از عرق و شرمه[۱۰] درکار آوردند و مجموع را مست ساختند و بیرون طوی بر کس را بقدر مرتبه گوسفند و آرد

---

[۱] اصل: بایری، مطلع (نسخهٔ قاترمیر): بایری، حبیب السیر: بابری،

[۲] در مطلع السعدین می نویسد : و از انجا به بیست و پنج کوچ راه چول و بادیه قطع کرده بهر دو روز آب می یافتند و دوازدهم ماه شعبان در اثناء بیابان بشیره گاو قطاس دوچار شدند و آنجا گاو چنان بزرگ می شود که گویند نوبتی سواری را از پشت زین بسر شاخ ربوده و مدتی بر سر شاخ بود و بجای شیر در بعضی نسخ شتر نوشته است یعنی شتر وحشی و گاو قطاس که (Yak) است،

[۳] یعنی مغازهٔ گوبی را عبور می کردند، چول یعنی بیابان و ریگ زار است،

[۴] ۱۲ر اگست ۱۴۲۰ء، [۵] Sucheu. [۶] A post of observation.

[۷] مطلع: دو [۸] خوانچهٔ پایه دار، [۹] Goose.

[۱۰] نوعی از شراب متعارف ترکستان (بهار عجم)

وجه و مایحتاج سفر و عرقی و سرمه بدادند و این ساختگی مجموع از سکجو آورده ، و آنجا نسخه کردند که با هر کسی چند نوکر ند و داجیان حجت میگرفتند که می باید که نوکر زیادتی ننویسند که باساق ختای زیکیست [اینست ؟] و هر کس در دروغگوی شد او را وقعی نیماند و بسیار بازرگانان پیش ایلچیان نوکری شدند و خدمت میکردند القصه نسخه نبشتند بدین تفصیل :-

خواجه تاج الدین	اروان	ارغداق	سلطان	امیرشادی
نوکرشاه بدخشان	پنجاه	شست	احمد و خواجه غیاث الدین	خواجه و کوکچه
پنجاه نفر	نفر	نفر	صد و پنجاه نفر	دویست نفر

نوکران امیر و امیرزاده اعظم الغ بیگ گورگان خلد الله ملکه پیشتر رفته بودند و نوکران امیرزاده ابراهیم سلطان خلد الله تعالی ملکه هنوز نرسیده بودند ،

(۳ب) روز شانزدهم[۱] (۳۸۶ب) ایلچیان را خبر کردند که امروز وانک داجی طوی امی دید واد از جانب) بادشاه ختای حاکم آن سرحد بود که از طرف قامل است و از سکجو تا شهر دا (او؟) نه یام بود و او با لشکری پنج شش هزار سوار باستقبال آمده بود و مجموع ایلچیان سوار شدند و نزدیک یورت وانک داجی آمدند ، طریقه فرود آمدن ایشان در صحرا چنان بود : لشکریان مربع فرود آمده بودند چنانک بپرکار و سطاره مربع کند و خیمها طناب در طناب کشیده چنانچه هیچ جا راه پیاده نبود که بدان میان در آید و چهار دروازه بر چهار طرف آن مربع گذاشته و میان آن مسافتی بزرگ ، و در وسط آن مسافت صفه بزرگ ساخته بمقدار یک جریب و خیمه بزرگ و دو تیر[۲] ختائی در پیش او زده مثل شاه نشینی دامنها برداشته و تالاری از چوب ساخته و از کرباس سایبانها زده چنانک[۳] از یک جریب زمین

---

[۱] ۱۷ رشعبان ۸۲۳ھ = ۲۶ اگست ۱۴۲۰ء [۲] مطلع السعدین : نیز و حبیب السیر : تیزو
و در ص ۲ س ۱ بجای دو چوب آن خیمه دو تیزو ، [۳] ظاهراً در اصل ... غالباً صورتش معقول است چنانکه در ص ۱۸ ،

تمام سایه کرده بود و در زیر دو چوب صندلی[۱] واجی نهاده واز چپ و راست صندلیها دیگر[با ایلچیان بجانب چپ و امرای خطا بر جانب راست نشستند] ازانکه[۲] [پیش ایشان تعظیم] جانب چپ زیاده [از جانب راست] است وبعدازان پیش هر کسی ایلچیان وامرا وشیره نهادند ودر یکی نعمت الوان میوهای خشک ختائی وقاز ومرغ (۲۸۶ ا) وسان[۳] گوشت بخته و در یکی کلیچه ونانهای خوب ونخل[۴] بندی از کاغذ و ابریشم چنان خوب که صفت کرده (کذا) و در پیش سایر مردم یک شیوه هر یک را دو در برابر کورکه بلند نهاده وخمها وخمرهای چینی وصراحیهای بزرگ وخرد از چینی ونقره وزر بپهلوی کورکه، از چپ وراست جمعی از مطربان ایستاده با توغن وکمانچه وبینه ختائی ونی از دو نوع، بعضی نفس در سرنی میکنند و بعضی در پهلوی نی، وطنبک[۵] ختائی وموسیقار وطبلی دو رو به برسر سه پایه نهاده باصول میزنند وصنج وچهار پاره ودهل در پهلوی ایشان، وبازی گران ایستاده پسران صاحب جمال سرخی وسفیدی مالیده که هر کس بیند گوید دختراند کلاهها بر سر ومروارید در گوش و بازی گریهای دارند مخصوص ختائی که مثل آن در عالم هیچ نیست، واز پیش آن صُفّه تا چهار دروازه که آن خیمها زده اند مردان جیبه[۶] پوش با نیزهای دراز در دست ایستاده چنانکه یک پای بر پای دیگر نمی جنبد وپیاول نمو حاجت نیست جهت آنکه یساق وسیاست ایشان ازان زیاده است که وصف توان کرد، بعد ازانکه (۲۸۷ ب) مردم را بنشانیدند کاسه داشتند وتوش دادند تراو وخوردند میر وسون که دیوان در حکم اوست برخاست وکاسه داشت وصندوق نخل بندی با او بردند وهر کس را که کاسه داشت یک شاخچه نخل بندی در سر دستار او زد، وبیک ساعت مجلس را گلستانی ساخت، وبعد ازان

۱ـ اصل: چنانکه از، تصحیح قیاسی است و زیادات از مطلع ۲ـ throne, bench, seat, chair. (Steingass) ۳ـ مطلع: تنبک ۴ـ مطلع نخلی ۵ـ lit. a piece, a share, portion ۶ـ در برهان قاطع می گوید که تنبک دبلی باشد دم دراز که از چوب وسفال سازند و بازیگران در زیر بغل گرفته بنوازند ۷ـ Chain armour. ۸ـ اصل: صندل، تصحیح از روی مطلع

بازیگران را فرمودند تا بازیها کردند بانواعی که شرح آن تقریر نیاید، ازان جمله از کاغذ مقوی صورتها ساخته اند (از) هر جانوری که در عالم باشد (باشد)، و بر روی بندند که هیچ رخنه از کنار گوش و روی پیدا نیست که گوییا وصله ازان حیوانست، و بمیان آن صورت در میروند و به اصول ختاییان رقص می کنند چنانکه عقل دران خیره و مدهوش می گشت، و دیگر پسران همچو آفتاب خاوری صراحیها و پیالها در دست ایستاده و بعضی طبقهای نقل از فندق[1] و عناب و چهار مغز و شاه بلوط مقشر و لیمون و سیر و پیاز در سرکه پرورده و دیگر ترها[2] که درختای میباشد که درین بلاد نیست و کس ندیده و نام او نشنوده و خربزه[3] بریده و هندوانه
۳۴۷ ب اینها مجموع بر طبقی خانه خانه ساخته و هر یک را جدا جدا در جای کرده، چون (۳۴۸ ا) امیری[4] را کاسه داشتند* فی الحال آن پسر پیش آمد و طبق پیش داشت تا به نقلی که طبیعت بدان میل کند تنقل کند دیگر لکلکی ساخته انداز کرپاس و ترقو[5] و پرها بهم وصل زده و منقار و پای او سرخ کرده بچنانچه مطلق بلکلک میماند اما بزرگترست چنانکه پسری بمیان آن صورت در میرود و همه جای خود را می پوشد چنانکه همین صورت لکلک می نماید و بر اصول غنایی که ختاییان میزنند پای می کوبد و سر ازین طرف و آن طرف می جنباند که[6] حاضران (حیران) مانده بودند* فی الجمله آن روز بآخر رسید به همین نوع گذرانیدند و آن استعداد ده روزه راه چول باستقبال ایلچیان آورده بودند،

و در سابع عشر شعبان المعظم ازانجا کوچ کرده بچول درآمدند اما آن زمان[7] ... بقراول[8] قلعه ایست محکم و خندقی عمیق در

---

[1] مطلع: فندق،
[2] اصل: ترباکرده، [3] اصل: جزیره، مطلع: خربزهای، [4] مطلع: امیرکسی را کاسه داشت،
[5] ترقو نوعی از بافته ابریشمی سرخ رنگ باشد (هفت قلزم)، [6] مطلع: که مردم حیران می شدند،
[7] کذا ناقصاً در اصل بدون بیاض، مطلع السعدین: بعد از چند روز بقراول رسیدند و این قراول قاحیست الخ ودر آخر سفرنامه گفته است که "در جمعه ۱۷ شعبان ۸۲۳ھ از قراول ختای گذشتند"، [8] قراول در لغت بمعنی کسی که

گرد آن کشیده و راه بر میان آن قلعه (آنچنان[۱] که از در قلعه) می باید آمد و بدر دیگر بیرون رفت، چون بقلعه در آمد تمام مردم را بشمردند و نام بنوشتند و ازان دیگر بیرون گذاشتند، بعد ازانکه از قراول بگذشتند بشهر سکچو رسیدند و یام[۲] خانه بزرگ بر در آن شهر (بود) چنانکه جمله در آن یام خانه فرود آمدند و ایلچیان را نیز گفتند اینجا فرود آیند که رسم این ولایت همچنین است، بعد ازین هرچه مایحتاج (۳۸۸ب) شما باشد جمله از یامخانه بدهند و چهار پایان و رخوت (۳۸۸ب) ایشان جمله بدفتر بردند و از ایشان ستاده بمعتمدان سپردند و بعد ازان هرچه مایحتاج ایلچیان بود از مرکوب (و) ماکول و مشروب و مفروش جمله در یامخانه مرتب میداشتند هر شب آن مقدار که بودند هر یکی را کتی و یک دست جامه خواب ابریشمین با خدمتگاری که هرچه فرمایند بجای آورد، و این سکچو[۳] شهری بود بغایت پاکیزه و قلعه محکم، وضع شهر مربع درست نهاده چنانچه بسطاره و پرکار[۴] سازند و میان بازار پنجاه گز شرع پهنا داشت مجموع آب زده و جاروب کشیده چنانکه بمثل اگر روغن بریزد جمع توان آورد، و در خانهای ایشان خوک اهلی بسیار بود، و در دوکانهای قصابان گوشت گوسفند و خوک پهلوی یکدیگر آویخته، و انواع محترفه و کانها نهاده و ... سوی بسیار و بر سر هر چهار سوی چهار طاق از چوب بخوره[۵] (؟) بسته

(بقیه حاشیه ص ۱۱) سیاهی به بیند ، بر دیدبان نیز اطلاق کنند و میر شکاری که صید را از دور به بیند و فوجی که پیش پیش رود و از سپاهی زمن غنیم خبر دهد چه او هم دیدبان است (بهار عجم) . بقول یول درین موضع از قراول دروازه . یوا چین مراد است که بصورت قلعه ایست و او را کیایو کوان (یعنی قلعه دروازه یشم) می نامند و میوان ... در ... ذکری از و آورده و در اواخر عهد شاهان مینگ حد سلطنت چین این جا منتهی می شد ،

(حاشیه صه ۱۲) ، سه ... عبارت مطلع ،

[۲] Post house . [۳] اصل: سکچو ، [۴] اصل: برسکار ،

[۵] مطلع: مجوزه (دو نسخه مجاره) ، برص ۲۷ این لفظ را المجوزه نوشته است ،

در غایت تکلف و کنگرهای بروی نهاده هم از چوب و مقرنس[۱] ختائی بسته و در یا روی شهر
در هر بیست قدم برجی سرپوشیده ساخته و چهار دروازه بر چهار دیوار آن در برابر هم ساخته
۱) واز غایت راستی ازین (۳۸۹ ۱) در آورد آن یک می نمود چنانکه کسی تصور میکرد که نزدیک
است و حالی بدانجا خواهد رسید امّا بسیار راه بود، و بر پشت هر دروازه کوشکی دو طبقه ساخته
بطریق ختائی که ایشان پوشش عمارت مجموع خرپشته[۲] می سازند[۳] چنانکه در مازندران
بسفال بی رنگ می پوشند ختائیان اکثر بکاشی چینی پوشیده اند و درین شهر بتخانه[۴] های
بسیار بود و هر یک مقدار ده جریب کم و زیاده، مجموع زمین آن از خشت پخته تراشیده[۵]
فرش انداخته، و خشت پخته ایشان بمثل سنگ جوهری دارد و محکم است و بتخانه های
چنان می دارند که قطعا از قاذورات دران نتوان یافت و پسران خوش شکل بر در بتخانه ایشان[۶]
مردم غریب را راه بری میکردند، از شهرهای که در حکم دیوان بادشاه بود اوّل آن شهرست
که رسیدند و از انجا تا خان بالق[۷] که تخت گاه بادشاه بود نود و نه یام بود مجموع معمور[۸] چنانکه

---

۱ مقرنس بنای بلند و مدور را گویند که با نردبان بران روند . . . . . و بمعنی رنگ برنگ هم آمده و در کنز اللغات عربی نوشته بعمارتی را گویند که نقاشی کرده باشند (هفت قلزم)، کاترمیر او را مرادف *Varnished* قرار داده است و یول او را این طور ترجمه کرده: *Covered with lacquer of Cathay*: اما بگمانم محال نیست که مراد مصنّف این است *surmounted with spires in the Cathayan fashion.*

۲ خرپشته پشتهٔ بزرگ ناهموار را گویند که میان آن بلند و دو طرفش نشیب باشد و خیمه و طاق و ایوان و هرچیز که مانند اینها باشد و آنرا ماهی پشت هم گویند (هفت قلزم)، همچنان آسمان را خرگاه گاو پشت می گویند. پوشش بمعنی مسقف است،

۳ اصل: ختای، عبارت مطلع السعدین این طور است: و درین شهر چند بتخانه هر یک قریب به ده جریب،

۴ *Polished?* ۵ *Peking* ۶ اصل: معند، تصحیح از روی مطلع،

سرپایی برابر شهری و قصبهٔ، و مابین شهرها چند قرغو[1] و کی[2] وی قو، قرغو عبارتست از خانهٔ که بمقدار بیست[3] گز بلندی ساخته اند و دائم ده کس درین خانه ساکن اند بکشک[4] والبته آنرا چنان (۳۸۹ ب) ساخته اند که قراغوی دیگر نماید، اگر ناگاه قضیهٔ پیدا شد مثل لشکری (۳۸۹ب) بیگانه از آنجا که سرحدست فی الحال آتش کنند و آن قرغوی دیگر چون علامت آتش دیداو نیز هم چنین در یک شبانه روز سه ماه راه واقف شدند که حالی هست و در عقب آتش آن حال که واقع شده است مکتوب کنند و در کیدی قوها بدست یکدیگر رسانیدند، و کیدی قو عبادت از خانه[5] واری چند است که در محلی ساکن گردانیده اند و یاساق[6] و مهم ایشان اینست که چون خبری برسید شخصی معدّ ایستاده فی الحال آنرا بتعجیل بکیدی قوی دیگر رسانید همچنین با آن دیگری تا آنزمان که بپای تخت رسانیدند و از کیدی [قو] تا کیدی قوی دیگر ده مره متعین است و هر شانزده مرّه یک فرسنگ شرع است و جماعتی را که در قرغوی نشانند بنوبتست چون ده روز می گذرد ایشان می روند و عوض ایشان ده کس دیگر بنوبت می آیند اما جماعتی که در کیدی قوی باشند آنجا ساکن اند و خانها ساخته عمارت و زراعت دارند و کار ایشان آنست که خبری برسید بکیدی قوی دیگر رسانید (کذا) و از سکجو[7] تا قمجو[8] (۱۳۹۰) که شهری دیگر بود بزرگ نه یام بود و قمجو[9] از سکجو* بسیاری بزرگتر (۱۳۹۰)
و معمورتر بود و وانک واجی که بزرگتر واجیان سرحد [بود] دران شهر حاکم بود و در سرپامی چهار

---

[1] اصل قوعو، اما در مواضع دیگر قرعو و قراغو، اما در مطلع السعدین در هر موضع قرغو نوشته است،

[2] کذا به هر موضع، اما در مطلع السعدین کی دی قو نوشته است، و در بعضی نسخ قوربیای فی [3] مطلع: شست [4] چوکی و پاسداری،

Regulation, order, arrangement of Families. [5]

[6] اصل: سیوست، [7] اصل: شکجو تا قمجو، تصحیح از روی مطلع،

[9] قمو از شکجو، تصحیح از روی مطلع، قمو Kamachau

عدد پنجاه اسپ و دراز گوش یرغه[۱] از برای ایلچیان که پیش حضرت[۲] سلطنت شعاری و فرزندان رفته بودند می آوردند و پنجاه شصت عرابه و پسران که موکل اسپان بودند ایشانرا یاقو میگفتند و آنها که موکل دراز گوش بودند اولاغ ـ آنها که عرابه می کشیدند جینو[۳] (چیفو؟)، و ایشان بسیار بودند از برای آنکه ریسمانها بر عرابها بسته اند و آنرا همان پسران بدوش میبرند[۴] اگر بارندگی و اگر کوه پیش می آید که (کذا)، آن پسران بدوش و قوت آن عرابها را از یام بیام میرسانند و هر عرابه دوازده کس میبرند[۴] پسرانی همه خویش شکل مروارید های دروغی ختائی در گوش و مویها بر[۵] میان سر کرده *زده[۶]، اسپان که می آرند با زین (و) لجام و قیمی [می آرند]، و این یاقویان تا یام جلاو[۷] میدوند چنانکه درین بلا پیکان متعقب[۸] بدوند (۳۹۰ ب) بهر یامی بقدر مرتبه که تعیین شده گوسفند و غاز و مرغ و برنج و آرد و عسل و دراسو و عرق و سیر و پیاز و (در) سرکه پرورده و انواع تره و بقول که در سرکه پرورده اند بیرون آن مایحتاج

---

۱ اصل: پرغه، مطلع السعدین: یُرغه (و در بعضی نسخ یرقه)، یورغا اسپ راه وار را گویند (رساله فضل الله خان؛ یورغه آمدن .to trot (سٹائن گاس) ۲ یعنی شاهرخ سلطان،

۳ مطلع: چینو، چیفو، بیسفو (با اختلاف نسخ)، کاترمیر در ترجمه اش tchifou نوشته است، یعنی که چیفو بوده؛ ـ ۴ در اصل، ۵ مطلع: بر سر گره، ما رجوع کنید به ص ۲۲ س ۹،

۶ یعنی بسته ؛ ۷ بمعنی جلو است = in front of , before

۸ اصل: متعصب، مطلع: متعقب (و در بعضی نسخ متعقب)، (حبیب السیر: یاقویان متعقب یکدیگر پیش پیش اسپ دوند) ۹ "The rice wine of the Chinese (Yule) "a sort of wine they drunk warm. This is a decoc-tion of immature rice" (an authority quoted by Yule)

در مطلع السعدین این لفظ را دراسون نوشته است ـ

که در یام خانهای مقرر کرده اند [می‌نهند و] بهر شهر را. میرسیدند ایلچیانرا طوی میکشیدند، و دیوان خانه را دسوان[1] میگویند در دستور آن که طوی می دهند اول در پیش کورکه روی بطرف خان بالق که تخت گاه پادشاه ایشانست تختی نهاده اند و پرده از ان پهلوی تخت آویخته و شخصی پهلوی تخت ایستاده نمد[2]ی بزرگ پاک در پهلوی تخت انداخته اند امرای بزرگ و ایلچیانرا پهلوی آن نمد[2] بداشتند و سائر مردم[3] را در پس پشت ایشان صف می ایستند و آن شخص که در پهلوی تخت ایستاده است بزبان ختای ندا کرد سه بار[4]، بعد ازان داجیان سه بار[5] سر بر زمین نهادند و ایلچیان وسائر مردم را نیز تکلیف کرده اند که سر بر زمین نهند و صفها چنان راست ایستاده اند که مسلمانان در نماز ایستند، بعد ازان که این سر نهادند ازانجا هر کس بسر شیرها که از برای ایشان نهاده اند رفتند، و درین روز که دانک داجی (۲۹۱ و) در قمجو جماعت ایلچیان را طوی میداد دوازدهم رمضان المبارک بود، از (۱۳۹۱ ایلچیان درخواست کرد که طوی پادشاه است و پادشاه شما را عزیز داشته اکنون شما چیزی بخورید شادی خواجه و اصحابی که کلانتران ایلچیان بودند ایشان نیز درخواست کردند که ما را این تکلیف میکند که در[6] دین ما روا نیست دانک داجی ایشان را معذور داشت و شیرها و آنچه از برای ایشان ترتیب ساخته بود بوثاقهای ایشان فرستاده، و درین شهر قمجو بتخانه بود بس بزرگ چنانکه عمارت اصل بتخانه و آنچه داخل او بود پانصد گز در پانصد گز بوده باشد و درمیان این عمارت بتخانه بود در وی بتی خفتیده

---

[1] مطلع : دوسون [2] اصل : نمند [3] عبارت مطلع السعدین این طوراست : باقی مردم در پس پشت ایشان صف صف بسان مسلمانان در صفهای نماز ستاده

[4] مطلع : سه بار [5] اصل : یه بار، تصحیح قیاسی است،

[6] س: درین، تصحیح از روی مطلع،

ساختہ اند کہ پنجاہ قدم طول آن بت بود و نہ قدم طول کف، و ور کلہ سرِ او بیست و یک گز شرع[1] و گرد بر گرد آن عمارت بتکلف بتان دیگر در پس پشت و بالای سرِ او ہر یک بیست گز[2] و کمتر و بیشتر و صورت بخشیان[3] ہر یک بمقدار آدمی چنان متحرک کہ کسی تصور کند کہ این کافران زندہ اند و بر باقی دیوارہا صورت گریہا کردہ اند کہ مجموع نقاشان عالم انگشت حیرت بدندان گیرند و این بت بزرگ خفتیدہ (۳۹۱ ب) یکدست بزیر سر نہادہ (۳۹۱ ب) و یک بر روی ران، و تمام آن بت بزرگ را مطلا کردہ اند و انواع رنگہا و لباسہا پوشانیدہ و نام آن شکمانی[4] نو می گفتند، و فوج فوج از کافران می آیند و پیش آن بت سر بر زمین می نہند، و دیگر بیرون آن عمارت بتخانہا گرد بر گرد ہمچون کاروان سرائی خانہا بہ پہلوی یکدیگر چنانکہ ہر خانہ بسر خود بتخانہ بود و انواع پردہای زربفت و کرسیہای مطلا و صندلیہا و شمعدانہا و صراحیہای چینی و آرایش تمام دیرین مجموعہ بتخانہ چنین معظم بود و یک خانۂ دیگر ساختہ بودند کہ مسلمانان آنرا چرخ فلک می خوانند مثل کوشکی مثمن و از زیر تا بالا پانزدہ طبقہ و در ہر طبقہ منظرہا ساختہ، در ہر منظری مقرنس ختائی بستہ و غرفہا و ایوانہا (و) گرد منظرہا در افریزہا و انواع صورت ساختہ مثل تختی زدہ و پادشاہی نشستہ و از چپ و راست خادمان و غلامان و دختران ایستادہ و ہر یک بخدمتی مشغول، علی ہذا این پانزدہ طبقہ کہ در منظرہا ساختہ اند از خورد و بزرگ مقدار یک وجب[5] و خردتر و بزرگتر تا مقدار یک گز دیگر (یک گز؟) و در زیر ہمہ صورت دیوان ساختہ اند کہ کوشک را بر دوش گرفتہ اند و دور[6] آن کوشک بیست گز بود و

---

[1] مطلع: گزی [2] یعنی درویشان بودائی مذہب، لامہا، رجوع کنید بہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام بذیل بخشی، [3] اصل: سکانی، تصحیح از روی مطلع، این شکمانی محرّف سکیامنی ست،

[4] ... hsu len m-hon nia, yeuue, Buddha ... [5] یعنی بالشت [6] اصل: تصحیح از روی مطلع و حبیب السیر

بلندی[1] آن دوازده گز* و این مجموع از چوب[2] تراشیده اما چنان مطلا کرده اند که کسی تصور کند که آن تمام از طلا ساخته اند، و سردابه زیر آن ساخته و میل[3] آهنین اندر تا بالا تعبیه کرده و سر آن میل در زیر بر سر کرسی آهن نهاده و یک سر دیگر بر سقف خانه کر آن کوشک ند آنجا است محکم کرده چنانکه در آن سردابه باندک حرکتی این کوشک بدین عظمت در چرخ می آید، و مجموع درودگران و آهنگران و نقاشان عالم می باید که تفرج آن کنند و از آنجا تعلیم صنعت گیرند، و ازین یامهای گذشتند و شهرهائی که می رسیدند طویها به[4] ایلچیان و نوکران میدادند، چندانک بخان بالق نزدیکتر می شدند تکلفات زیاده می شد، و رختها و چهارپایان ایلچیان و نوکران که بگذاشتند درین قمچو سپردند که در وقت مراجعت باز تمام و کمال بایشان سپرند و آنچه از برای پیشکش پادشاه آورده بودند از ایلچیان بستاندند[5] و خود خم‌خواری آن می کردند، هم چنین هر روز بیامی و هر هفته بشهرے میرسیدند تا در چهاردهم[6] شوال بآب[7] قراموران رسیدند و آن آبی بزرگ بود قریب بجیحون بر روی پلی بسته بودند بکشتی در غایت خوبی و محکمی، زنجیری بعظمت (۲۹۲ ب) از آهن بستبری ران آدمی بود ازان طرف وازین طرف تا ده گز بر خشکی گذشته بر [دو] طرف[8] دو میل آهن هر یک بستبری میانه مردی در زمین محکم کرده و آن زنجیرها بر آن

---

۱ مطلع و نسخهٔ قاترمیر: بلندی دوازده گز؛ نسخهٔ کرائست کالج: بلندی در وانه ده گز؛ حبیب السیر: ارتفاعش دوازده گز؛ یول (I. CCIV حاشیه ۱) می گوید: عبارتی که به ابعاد این کوشک تعلق دارد (یعنی دو بیست گز و دوازده ده گز) محرّف و ناقابل فهم است ۲ اصل: چواب، تصحیح از روی مطلع ۳ اصل: سیل؛ ۴ اصل: که ۵ در مطلع السعدین افزوده است: گمرشیری که میرزا بایسنقر فرستاده بود و پهلوان صلاح الدین شیربان خود بدرگاه پادشاه رسانید؛ ۶ مطلع: چهارم. ۱۴ شوال ۸۲۳ = ۲۲ اکتوبر ۱۴۲۰ ۷ [illegible] Hourng Ho

۸ مطلع: بر دو طرف آب،

استوار کرده و بتها[۵۱] بهاء بزرگ کشتی را بدین[۵۲] زنجیرها بسته، بیست (و) سه کشتی بود بر[۵۳] بالای کشتیها تختهای بزرگ انداخته بودند در غایت محکمی و همواری چنانکه [بی] زحمت مجموع چهارپایان از بالای بگذشتند، و ازان طرف آب قرموران شهری[۵۴] معظم بود ایلچیان را طوی کردند از همه طویها بزرگتر که پیشتر کرده بودند، و درین شهر بتخانه بود بغایت بعظمت و تکلف چنانکه از سرحد تا انجا مثل آن عمارت ندیده بودند و سه خرابات بزرگ بود درین[۵۵] شهر، (و) دختران صاحب جمال درو، میگفتند که ازین دختران بعضی هنوز مهر بکارت دارند، و اصناف پیشه وران بسیار در غایت حذاقت درین شهر بودند، اگرچه مردم ختای اکثر صاحب حسن اند، اما این[۵۶] شهر را حسن آبادی خواندند، و ازانجا بر شهر[۵۷] دیگر گذشتند، تا دوازدهم ذی القعده بآبی[۵۸] رسیدند که دو برابر جیحون بوده باشد، (۲۹۳ھ) موجهای بزرگ داشت، کشتیها را حاضر کردند مجموع ازآن آب بسلامت بگذشتند، و چند آب دیگر بعضی بکشتی و بعضی بپل گذشتند، درسابع عشرین ذی القعده بشهر صدین[۵۹] فو رسیدند، شهری معظم و غله بسیار و عمارات خوب، از جمله بتخانه بتخفت چنان که درمیان خانه بتی ساخته بودند از برنج ریخته و مطلا کرده گوییا تمام از طلاست، مقدار پنجاه گز بلندی آن بت باشد و اعضای آنرا جملا مناسب هم ساخته اند و بر جمله اعضای او صورت دست کشیده اند و بر کف هر دستی صورت چشمی کشیده و آنرا

---

۵۱ Books.

۵۲ اصل: برین، ۵۳ اصل: کر، ۵۴ بقیاس یول این شهر غالبا Lanchau. بوده باشد که دارالخلافه صوبه کانسو است، و اغلب که خواجه همین را حسن آباد خوانده. ۵۵ اصل: درین

۵۶ اصل: بشهر. ۵۷ مطلع: چند شهر ۵۸ ظاهر است که ایلچیان رودخانه هوانگ هو را بار دگر عبور می کنند محلی که او صفا الی است میان سرحد ختنی و شانسی (یول I. CC ۱۷) ۵۹ اصل: جهدین فو، مطلع: صیدین فو — بقیاس یول این شهر Chingtingfu. بوده باشد.

بت هزاردست میخوانند و در مجموع[1] شهرتی دارد، اولاً دکانی بزرگ محکم [از] سنگ تراشیدهای خوب کرده که این بت و عمارات اطراف او بران دکانی است و دیگر رواقها و منظرها و غرفها بسیار برگرد آن چند آشام[2] چنانکه آشام اول از کله[3] پای او گذشته و آشام دوم بزانوی او رسیده و آشام سیوم از زانو گذشته و دیگری بمیان او رسیده و دیگری بسینه او رسیده هم چنین تا بسر او عمارات متکلف استاده اند، و بعد ازان سر آن عمارات بمقرنس[4] در آورده (۳۹۲ ب) و چنان پوشیده که مردم در آن حیران می شدند و آن هشت آشام شده است در هر آشامی هم از بیرون برگرد عمارت می توان گردید و هم از اندرون، این بت بر پا ایستاده ساخته اند و دو قدم او که هر یک قریب ده گز باشد بر بالای تیغه[5] ریخته ایستاده، همچنین قیاس کرده اقلش می باید که صد هزار خروار برنج دران عمل خرج شده باشد، و دیگر برگرد آن بت بزرگ بتهای خورد تر ساخته از گچ و رنگ آمیزی و مطلا کرده اند و کوهها و کمرها[6] و مغارها صورتگری نموده چنانچه بخشیان و راهبان و جوگیان در چله نشسته اند و ریاضت می کنند و قوچقارها[7] و تکههای[8] کوهی و ببر و پلنگ و اژدها و

---

[1] مطلع: خطا [2] Stage, grade, step؛ حبیب السیر: طبقه، [3] بند پا، کعب (بهفت قلزم)
[4] اصل: بمقرنش. [5] اصل: تنقه، اما تیغه در مطلع السعدین، کاترمیر این لفظ را بمعنی *pedestals* گرفته، و غیر محتمل نیست که تیغه باشد که مرادف تیپه و بمعنی پشته است، در مطلع السعدین بعد لفظ ایستاده جملهٔ ذیل را افزوده است: و آن خود نمی نماید و گوئی معلق ایستاده [6] یعنی کریوه و پشته ها، [7] قوچقار بمعنی گوسفند شاخ دار است (رساله فضل الله خان)، کاترمیر در حواشی این سفرنامه نوشته است که قوچقار گوسفندی ست وحشی بزرگ (Ram or battering ram) که علی الخصوص در بلادی کهوار منبع جیحون است یافته می شود، [8] اصل: لمعای، تصحیح از روی مطلع؛ تکه بز نر را گویند (رساله فضل الله)، اما در هفت قلزم تکه بالفتح نوشته است و گفته که بمعنی بز نر آمده اعم از بز کوهی و غیر کوهی و بزی را نیز گویند که سرگروه و پیشرو گله گوسپندان باشد،

درختانهای مجموع وسرگچ کاری نموده و باقی دیوارها را صورت گری کرده اند چنانچه استادان ماهر (در) حیران بمانند و عمارات اطراف برین قیاس، و درین خانه چرخی گردانی مثل آنکه در قمچو (دیده) شده اما این را در اصواب از آن بسیار تکلف بزرگتر، همچنان کوچ کردند و چهار پنج فرسنگ (۲۹۴) میراندند تا روز هشتم[۱] ذی الحجه شبگیر کردند هنوز (۲۹۴) تاریک بود که بدروازهٔ[۲] خان بالق رسیدند، شهری بغایت بزرگ چنانکه هر دیواری یک فرسنگ بود که چهار فرسنگ دور آن باشد و برگرد دیوارهای شهر بسبب آنکه هنوز عمارت میکردند[۳] صد هزار چوب محوره[۴] (؟) که هر یک پنجاه گز بوده باشد خوازه[۵] [بسته] بودند و چون هنوز بگاه بود و در دروازه نگشوده بودند از آن برج که عمارت می کردند ایلچیان را بشهر در آوردند، و بر در کریاس[۶] پادشاه فرود آمدند و بدر آن در دو مقدار هفصد قدم فرش سنگ تراشیده انداخته بود، چون بکنار فرش رسیدند ایلچیان را فرمودند که پیاده شوید، پیاده از روی آن فرش بگذشتند و بر در ارد و[۷] رسیدند بر آن طرف در ده پیل پنج ازین طرف و پنج از آن طرف ایستاده بودند و خرطومها بر راه داشته ایلچیان از میان خراطیم پیلان بگذشتند و درون رفتند قریب صد هزار آدمی آن زمان را که هنوز روشن نشده بود بر در سرای[۸] پادشاه بودند چون از در اوّل در آمدند مسافتی

۱؎ ۱۴ر دسمبر، ۲؎ اصل: هنوز تا؛ تصحیح از روی مطلع،

"The city had been recently reoccupied after the temporary transfer of the Court to Nanking" Yule I. cx ۳؎

۴؎ عجالةً ص ۱۲۲ این لفظ را مکرر نوشته است، ۵؎ چوب بندی که بجهت نقاشی کردن عمارت و یا آیینه بندی و امثال آن بندند (از بهت قلزم) ۶؎ بیاض در اصل؛ از روی مطلع نوشته شد،

Royal encampment, harem ۸؎ palace, court of a prince ۷؎

۱۰؎ مطلع: قفائی ۹؎ Palace. ۸؎ (Palace

مقدار سی صد گز در دویست و پنجاه گز بود مد بین آن مسافت کرشی سی گز بوده باشد
و بر بالای از کرسی ستونهای پنجاه گزی بر پا کرده و عمارت بر بالائی (۲۹۴ب) و (۲۹۴ب)
طنبی ساخته شصت گز در چهل گز و بعد ازان سه دروازه بود میانین بزرگتر و چپ و
راست خورد تر و آن میانه ممر پادشاه است و هر کس ازان نمی گذرند د کذا) و از ممر چپ و
راست گذر کرده و ناقوس نهاده و آویخته و ناقوس منتظر تا پادشاه کی بتخت برآید و قرب
سی صد هزار آدمی درین صفه از زن و مرد جمع گشته و قرب دو هزار مغنی ایستاده آواز هم و زیر
با هم ساز کرده و بزبان ختائی و اصول ایشان دعا دی پادشاه میگویند و قریب [دو هزار]
دیگر بودند که هر یک در دست سلاحی داشته بعضی تاچخ و بعضی دوده باش و بعضی تزوپین

ـه مطبع: کرشی کرسی آن سی گز؛ ـه مطبع: بالای آن؛

ـه طنابی، طنبی ایوانیکه توی ایوان کلان باشد. سنجر کاشی ـه

فتد و بیرون بخواهی سبک بر نخیزیم که وقت صحبت شبها و گوشه طنبی ست ابهار عجم؛

حافظ ـه به نیم حجره عزم طی خساقنات و دریاو مراکه مصطبه ایوان و پای خم طنبی ست

در شاهدار لاهور چون براه امرتسر روز از دروازه کلان داخل می شویم اولین جای که در و قدم می نهیم ز خانه

البسته طنبی که صاحب پادشاه نامه (جلد ۲ ص ۲۱۲) در وصفش می نویسد: عمارت شمالی که آرامگاه اقدس

(یعنی آرامگاه شاه جهان پادشاه) است ..... خانه ایست طنبی بطول ده گز و عرض هفت و در وسط آن حوضی ست

منبت کار از سنگ مرمر چهار گز در چهار و در بازوی آن دو حجره" این حوض درین وقت موجود نیست اما تا چند

سال پیش ازین بود، و این دروازهٔ کلان که حالا موجود است در زمان صاحب پادشاه نامه نبود، و خانهٔ طنبی مذکور

مدخلی از جانب شمال نداشت، ـه مطبع: در بالای کوشک پشت دروازه؛

ـه مطبع: ده؛ ـه a battle - axe ; a pike. ـه نیزهٔ بود که سنان آن را دو شاخه

ساخته اند (معجم کنید به بهار عجم برای جزئیات مفهوم) ـه نیزه کوچکی که سر آن دو شاخ باشد [illegible]

و بعضی حربه[۱] و بعضی خشت[۲] فولاد و بعضی تبرزین و بعضی نیزه و بعضی شمشیر و بعضی گرز و بعضی بادبیزن[۳]
ختائی و بعضی [چتر][۴] گرد بر گرد آن حوالی[۵] خانها و در پیش خانها صفها بر بسته‌اند و ستونهای
معظم برکنار صفها و دیوار خانها مجموع مشبکه[۶] (کذا) از چوب، و فرش سنگ تراشیده چنانکه
مجموع استادان هر صنعت[۷] در آن حیران مانند، القصه چون روشن شد ناگاه آنها که
بر بالای کوشک بودند و منتظر که پادشاه کی بتخت بر آید کورگه و دهل و دمامه و ترنج و نی
(ق ۳۲۹ ب) و ناقوس فرو کوفتند و آن سه دروازه بگشادند و خلائق درون درآمدند، و قاعده ق ۳۲۹ ب:
ایشان چنانست که بدین پادشاه در دیده روند، چون ازین فضا بفضای دوم رفتند و
آن قریب سیصد قدم بوده در برابر کوشکی از آن کوشک اول بعظمت تر و پیش گشاده،
تختی آورده‌اند مقدار چهار گز و گرد تخت مثلث[۸] پشنک خرگاه قسین[۹] گرفته از اطلس زرد و مجموع
زر نشان[۱۰] ختائی کرده، باژ دها و سی مرغ و نقوش ختائی، بر بالای تخت کرسی از زر نهاده‌اند
و از چپ و راست ختاییان صف کشیده ایستاده‌اند، اول امرای تومان و هزاره و صده
قریب[۱۱] سه هزار[۱۲] و هر یکی در دست تخته مقدار یک گز در چهار یک شرع و زهره آن
ندارند که بغیر از آن تخته بجائی نگرند و در عقب ایشان مقدار[۱۳] دویست هزار دیگر[۱۴] جیبه‌پوشان

---

۱ javelin. ۲ خشت، نیزه کوچک که در وسط آن حلقه باشد و ریسمانی در آن کرده بسوی دشمن اندازند (بهار عجم)، اما قاترمیر بمعنی square headed arrow of steel نوشته است
۳ Chinese fan. ۴ نداس ندارد، از روی مطلع نوشته شد،
۵ مطلع: فضا بجای حوالی ۶ مطلع: شبکه و شبکه باختلاف نسخ، ۷ مطلع: مثلث همچو خرگاهی قسین
مفهوم جمله بقول قاترمیر اینست (Round the throne stood a triangular pavilion, ---- having the form of a tent, made of satin) پشنک. خیمه.
آهنی بشکل سر آن ماهی کرده باشد برای نان از تنور جدا کردن (بهجت قلزم)، و قسین نام موضعی در سستان کاشغر،
۸ اصل: اندر مجموعه نشان، تصحیح از روی مطلع، ۹ مطلع: بنهایت بسیار، ۱۰ مطلع: افزون از ده هزار

و نیزه داران و بعضی شمشیرهای برهنه در دست ایستاده و صفها راست کرده و مجموع آن کافران چنان خاموش که گویا هیچ متنفس آنجا نیست و شاه از درون حرم بیرون آمد و نردبانی از نقره آوردند مقدار پنج پایه و بران تخت بنهادند و بر بالای تخت صندلی از زر بنهادند و پادشاه ببالای برآمد و بر صندلی (۲۹۵ب) بنشست و پادشاه میانه بالا محاسن بزرگ و نه کوچک اما مقدار (۲۹۵ب) دویست سیصد موی از میانه محاسن او چنان دراز که بر بالای صندلی کی بود سه چهار حلقه زده بود و از چپ و راست تخت دو دختر ماه روی مویها بر میان شکر کرده و گردن و عارض گشاده مرواریدهای بزرگ خوب در گوش کاغذ و قلم در دست گرفته منتظر که پادشاه چه گوید و چه حکم فرماید، هرچه آن روز بر زبان پادشاه بگذرد ایشان قلمی کنند، اگر حکم را تغییری باید کرد خط بیرون فرستند تا اهل دیوان بران موجب عمل می‌کنند، القصه چون پادشاه بر تخت قرار گرفت و از جانبین ختاییان صفها کشیده بایستادند از مقابل روی پادشاه این جماعت ایلچیان را با بندیان دو شاه و شش پیش پادشاه بردند اول یارغوی بندیان پرسیدند و مقدار هفتصد کس بودند بعضی دوشاخه در گردن و بعضی زنجیر و بعضی یکدست بر تخته گرفته و بعضی پنج و شش را گردنها بریک تخته دراز بند کرده و سرها از تخته بیرون (۲۹۶و) هرکس حسب مرتبه و قدر گناه، هریکی را یک کس موکل که موی (۲۹۶) آن گناهکار گرفته و منتظر پادشاه که چه حکم فرماید، بعضی را بزندان فرمود و بعضی را بحکم کشتن، و [در] مجموع خطای هیچ امیر و داروغه [را] حکم کشتن نیست و هرکسی که گناهی

---

۵۱ اصل: کوچ، در مطلع بعدش افزوده: نه کوسه ۵۲ مطلع: گره زده، ۵۳ اصل: و این

attack of an accuser complaint; defence. ۵۴

۵۵ اصل: رسیند، تصحیح از روی مطلع، ۵۶ دوشاخه چوبی را گویند که دوشاخ داشته باشد، وآن را بر گردن مجرمان و گنهکاران گذارند و بیرون قاطع ها،

کرده گناه او را بر تخته پاره بنوشتند و بر گردن او بستند بزنجیر[۱] و دوشاخه [و] آنچه حد گناه اوست در کیش کافری ایشان، و آن گناه کار را روانه خان بالق کرد. اگر یکساله راه است هیچ جای نمی تواند بود تا آنجا رسید[۲]. القصه چون بندیان رفتند ایلچیان را پیش [بردند] چنانکه تا به تخت پادشاه مقدار پانزده گز مسافت ماند و یک کس از آن میران که تخته در دست داشت آمد و زانو زد و بخط خطائی احوال ایلچیان را نبشته بر خواند مضمون آنکه از راه دور انه پیش حضرت خاقانی خلافت پناهی و فرزندان ایلچیان آمده اند و برای پادشاه تبرکات آورده اند و بپای تخت [به] سر زدن آمده اند، چون شرح تمام بخواند مولانا حاجی یوسف قاضی که از جمله امرای تومان و مقربان پادشاه بود و زبان دان عربی و پارسی و ترکی (۳۹۶ ب) و مغولی و ختائی و کلیچی میان پادشاه [و] ایلچیان، و از دوازده دیوان یکی ب ۳۹۶
تعلق بدو داشت پیش آمد، با چند نفر مسلمانان زباندان عربی و پارسی و غیره که تابع او بودند بر گرد مسلمانان بایستادند و گفتند که اول دو تا شوید و بعد از آن سر بر زمین نهید، سه کرت اما پیشانی بر زمین [نه] رسانیدند بعد از آن مکتوب حضرت اعلی سلطنت شعاری خلد الله ملکه و مکتوب مخدوم و مخدوم زاده عالمیان امیرزاده بایسنغر بهادر خلد ملکه[۳] در پارچه اطلس زرد پیچیده بدو دست بلند گرفته که قاعده چنانست که هر چه تعلق بجانب پادشاه دارد در زرد می پیچند مولانا ی قاضی آمد و آن مکتوب[۴] بستاند و بدست خواجه سرای داد[۵]، بعد از آن آن پادشاه از تخت فرود آمد بر عشلی نشست و سه هزار جامه آوردند یکی دگله و دوقبا[۶] و امرا و

---

۱ اصل: بجنیز؛ تصحیح از روی مطلع ۲ بقول یول (I. CVI) این درست نیست، در قانون خطائی فقط حکم قتل باید اولاً در دار السلطنت در عدالتی خاص تصدیق شود،
۳ در مطلع افزوده: و باقی شاهزادگان و امرا را، ۴ اصل: بجبه، مطلع: نامه ۵ مطلع: مکاتیب ۶ در متن افزوده است: ، و پادشاه گرفت و گشاده دید و باز بخواجه سرا داد،

خواتین و فرزندان ایشانرا جامه پوشید، بعد ازان هفت نفر ایلچیان پیش بردند اول شادی خواجه و کوکچه[1] بعد ازان سلطان احمد و خواجه غیاث الدین و ارغداق و اروان و تاج[2] بدخشی وایشانرا گفتند زانو زنید زانو زدند، پادشاه از ایشان (۳۹۷ و) احوال بندگی حضرت سلطنت (۳۹۷ الف)
شعاری خلد الله تعالی ملکه و سلطانه پرسید و بعد ازان پرسید که قرایوسف[3] ایلچی میفرستند و مال می آورند[4] درجواب گفتند که آری ایلچی و مال میفرستند و واجبات نیز دهد [کذا] که ایلچیان او آمده بود و مال آورده، دیگر پرسید که آنجا نرخ غله گران است یا ارزان، درجواب گفتند که غله ارزان است (و) نعمت فراوان، گفت آری چون دل پادشاه با خدای درست[5] حق تعالی نیز فراخی نعمت ارزانی داشته، دیگر گفت که ایلچی می خواهم که بقرایوسف بفرستم که آنجا اسپان خوب باشد، در راه ایمنی هست، درجواب گفتند که ازین ایمنی هست اما اگر حکم شاه رخ سلطان باشد توانند رفت، گفت آری آنرا دانسته ام گفت بعد ازان که از راه دور آمده اید برخیزید و آش بخورید و از آنجا ری گه ایلچیان را بفضای اول که نشسته بودند بردند و هر کس را یک شیره (و) صندلی بنهادند و بر هر شیره از نقل و غیره چنانچه پیشتر گفته شده، چون آش بخوردند ایشانرا بجایی که از برای ایشان تعیین کرده بودند بردند و سلطانشاه (۳۹۷ ب) و بخشی ملک که نوکران امیرزاده اعظم مغیث الحق (۳۹۷ ب)

---

[1] اصل: کوچکه، [2] مطلع: تاج الدین، [3] قرایوسف از ترکمن قراقیونلو بود و این بالاتر بجنوب بحیره وان مستقل شده بعد هنگامی در ارمینیه و آذربیجان بنای حکومت خود نهاد، جلوس قرایوسف در حدود سنه ۷۹۰ه بود، در یورشهای تیمور بارها از ملک خود فرار شد و باز آمد و بالآخر بعد وفات تیمور در سنه ۸۰۹ه باز با اطمینان بر تخت سلطنت نشست و در سنه ۸۲۳ه مرد،

[4] مطلع آورند و در بعضی نسخ دهد،

[5] مطلع: راست است،

والدین الغ بیگ گورگان خلد الله تعالی ملکه بودند ایشانرا در یامخانه نزدیک آن فرود آورده بودند درین یا مخانها به خانه کتی بتکلف و بستر و بالش اطلس و کمخا و کفش کمخا در غایت نازکی دوخته و کوشکه صندلی و منقل آتش و ده کت دیگرانه جیب راست آنها همه با بستر و بالش اطلس و کمخا و زیلوچها و حصیرهای نازک که از طول و عرض پیچیده می شود و نمی شکست، و هر کس را بدین نسق یکخانه مقرر کرده و یک دیگ و کاسه و پیچه و شیره ده، هر روز آن ده کس را یک گوسفند و یک غاز و دو مرغ و هر یک را دو نان شرع آرد و یک کاسه بزرگ برنج و دو کلیچه بزرگ اندرون پر حلوا و یک ظرف عسل (و) سیر و پیاز در سرکه و نمک و از ترهادی، ملون که در ختای می باشد و دو کوزه در اسوان و یک طبق نقل و چند خدمتگار چست و چالاک همه صاحب حسن بر دو قدم ایستاده از بام تا شام و (از) شام تا بام که یک لحظه غایب نشوند، روز دیگر که نهم ذی الحجه بود که سجین آمده و سجین آن ها را میگویند که ایشان را ملازم ایلچیان کرده و دارو (ی) پادشاه هر جا که باشد کر کیراق

ملہ اصل: بروندکه، ۲ھ مطلع: کوشکه و چنیلق (یا چینلق)، ۳ھ مطلع: منقل و جایگاه آتش، ۴ھ مطلع: در یک خانه، ۵ھ اصل: در تصحیح از روی مطلع، ۶ھ اصل همچنین، مطلع: [illegible] (و سجین در اکثر نسخ)، اما یول (I. CCVI) می گوید که لفظ چینی (Szu - gan) است که بمعنی Palace-man - یا خواجه سرا است، و مرادش درین محل این است An officer who has charge of the ambassadors ، ۷ھ اصل: سجین گمان می شود که در اصل این کلمه سجین نوشته بود که مقلوب غیر مستوی سجین است، اما در بعض جاها این لفظ در کتابت محرف شده، ۸ھ لفظ ترکی بمعنی بازو سامان است، کرک یوستین و پشم را گویند و یراق بمعنی سامان ضروری سفر، چنانچه یراق کردن در برہان ۲۹ ص ۱۲ بمعنی سامان سفر آماده کردن آمده است، پس گویا معنی ترکیب اولاً سامان پوشیدنی باشد. در آئین اکبری کر یراق‌خانه بمعنی Wardrobe آمده است، و به تعمیم مطلق ساز و سامان. در کتب لغت این لفظ را نیافتم۔

ایلچیان ایشان می سازند چنانکه اینجا سقاول[1] شقاول، گویند ایشانرا بیدار کرد که برخیزید که پادشاه طوی میدهد وازبرای هرکس اسپان زین کرده آورده ایلچیان [را] سوار کرده باردوی پادشاه بردند وایشانرا درکریاس اول بنشاندند[2] وایلچیان را بپای تختی[3] که داد[گاه] بود پیش پادشاه پنج باز سر بر زمین نهادند و پادشاه از تخت فرود آمد باز ایلچیان را بیرون آوردند و فرمودند که از اردو بیرون روید که طوی خواهد بود وخود را سبک سازید که ناگاه درمیان طوی بقضای حاجت محتاج نشوید که آنزمان بیرون نمی توان آمدن جماعتی بیرون آمدند و پراگنده شدند باز جمع گشتند و درون رفتند واز کریاس اول گذشتند و بکریاس دوم که تختگاه داوست رسیدند وازانجا گذشته بکریاس سیم درآمدند صحنی بغایت گشاده و فرشهای سنگ تراشیده درغایت خوبی ولطافت، در پیشانی آن طنبی بزرگ که مقدار شست گز بود، و دو ... آن کوشکها بر جانب جنوب و قاعده ختائی (در) عمارت ایشان آنست که روی عمارت و درخانه بر جانب جنوب (۲۹۸ب) میکنند، و دردرون طنبی تختی بعظمت نهاده [از قد مردی بلند تر واز سه طرف نردبانهای نقره] یکی از پیش و دو از چپ وراست، و دو خواجه سرای ایستاده و بردهان چیزی بسته از مقوی کاغذ تا بن گوش و باز تخت (۲۹۸ب

---

[1] مطلع: شقاول صاحب لغات نوائیه می نویسد که شیغاول آن کسی ست که ایلچیان را مصاحب باشد بقول فاترمیر (در حواشی این سفرنامه): –

شقاول is one who introduces the ambassadors,

وبحواله تاریخ رشیدی شقاول را مرادف مهماندار قرار داده، shaw در فرهنگ ترکی نوشته است که شغاول صاحب منصبی کبیراست نزد شاهان آسیای وسطی، حاکم بر قاضی و ملا‌، [2] درمطلع افزوده است: "تا روز آنزمان قرب دویست سیصد هزار آدمی جمع شده بودند" چون روز شد آن سه دروازه بگشادند، [3] مطلع: بپای تخت داوگاه [4] اصل: درونی از دهان [5] اصل دوانی،

دیگر خوردرد تربه بالای آن تخت نهاده که پادشاه بر بالای آن می نشیند که آن مثل صندلی است که بر تخت می نهند اما از صندلی بزرگتر و بسیار گوشها و تکا دارد و پایهای غریب از چپ و راست آن مثل عود سوزی بلند با قبه که بر سر آن نهاده و آن تخت (و) عود سوز و صندلی مجموع از چوب[1] تراشیده اند و مطلا کرده اند [مولانا قاضی گفت هشت سالست که این تخت طلا کرده اند] درین مدت آن طلا کاری او هیچ ساو ید نشده است و دیگر ستونها و پهاد چوبها که درین عمارت بود مجموع از جوشه[2] رنگ کرده اند و روغن داده که قطعا استادان عراق و خراسان مثل آن رنگ و روغن بکار نمی توانند برد، و شیرها (ی) طعام و نقل و نخل بندی پیش پادشاه نهاده، و از چپ و راست تخت واجیان صاحب وجود ترکش و شمشیر بسته و سپر حمائل کرده و در پس پشت سپاهیان نانچخهای دراز در دست گرفته و در پس

۳ ل ۱ پشت ایشان جماعتی دیگر شمشیر برهنه در دست گرفته (۱۳۹۹)، و بر طرف دست چپ که پیش ایشان مرتبه آن زیادت از دست راست است جای ایلچیان مقرر کرده، پیش امرا و آنکس[3] که تعظیم می کنند سه شیره می نهند و ازان فرود تر دو تا بیک شیره و می باید که دران روز هزار شیره مرتب کرده [بل] زیاده پیش مردم نهاده باشند، دیگر در برابر تخت پادشاه پیش پنجره[4] طنبی کورگه بزرگ نهاده و شخصی بر بالای صندلی بلند ایستاده و پهلوی او اهل ساز از انواع منتظر و مترصد، و پیش تخت هفت چتر آن هر یک از رنگی، در غایت تکلف، و دیگر بیرون طنبی از[5] چپ و راست مردم جیبا پوش ایستاده قریب دویست هزار نفر و از

---

[1] اصل: جب، تصحیح از روی مطلع، [2] اصل: جدشه، مطلع: جوشه،
[3] اصل: نکس، مطلع: هرکس، [4] هر چیز که مشبک باشد، a window, a lattice
[5] اصل: است از،

بر این تخت پادشاه مقدار یک گز[1] دارد که گمان تخت بیند از زمین [چیلتق] بزرگی که ده گز
باشد [در ده گز] ایک[3] دیوار او از اطلس زرد، و در اندرون آن آش پادشاه ترتیب میکنند
و در آسون، و هرگاه[4] بجهت آش پادشاه در اسون[5] و نعمتی می آورند، بیکدفعه اهل ساز بنیاد
ساز زدن می کنند و آن هفت چتر پادشاه آن در پیرخ می آید و با آن خوردنی روان می شود
تا نزدیک تخت، وان آش با وراسون را در حقهٔ بزرگ نهاده که پایها دارد (۳۹۹ ب) ۱۹۹
و سرپوشی از آن جنس بروی می پوشند، چون ازین جنس استعدادات مرتب شد ایلچیان
بر پای ایستاده منتظر ورشی[6] از پس تخت که در حرم بود [و] پردهٔ بزرگ آویخته و طنابی[7]
ابریشمین بر گوشهٔ آن بسته از دو طرف، و سر طناب بدست دو خواجه سرای و میان طناب بر
بکره[8] بود که چون طناب بکشیدند آن پرده پیچیده شد بشکل حصیری که در پیچند به مقدار یک قدم
وی، [باین نوع در باز شده] و پادشاه بیرون آمد و سازها می نواختند چون پادشاه بر
تخت بنشست [همه خاموش شدند و بالای سر پادشاه بده گز بلندی کله بسته بودند چون
سایبانهای چهار ده گزی از اطلس زرد و چهار اژدر که باهم در حمله بودند بران باسمه[9] زده]
و[چون] قرار گرفت ایلچیانرا نزدیک تخت بردند و زمودند که سر بزمین نهید، تنج کرت سر بر
زمین نهادند پس اشارت کرد که ایشانرا بنشانید هر یک را بجای او پیش شیرها که نهاده بودند
بنشاندند و غیر آن که بر شیرها بود ساعت بساعت آشها د گوشتهای بره و غاز و مرغ و

---

[1] گز نوعی از تیر است که بدان بازی کنند و این قسم تیر اندازی را گز اندازی گویند،

[2] بیاض در اصل، این لفظ که معنی اش معلوم نشد در بعضی نسخ مطلع جیلتق و در بعضی دیگر جنتق نوشته،

[3] در مطلع ندارد [4] اصل: سیرگاه، تصحیح از روی مطلع [5] اصل: ودراسون،

[6] اصل: که دری، [7] Cord. [8] اصل: آن گوشه،

[9] اصل: یک که، تصحیح از روی مطلع، print; design which is put on stuffs

درستون آوردن گرفتند، و بازی گران ببازی درآمدند. اول جماعتی [از] پسران چون [ماه] مثل دختران سرخی و سفیدی بر روی مالیده و حلقهای مروارید در گوش کرده و جامهای زربفت ختائی پوشیده و نخلها و گلها و لالها (ی) ملوّن که از کاغذ رنگین و ابریشم بسته بودند بر دست گرفته (و) درسر[1] خلانیده (۴۰۰ الف)، بر اصول ختاییان رقص کردن[2] گرفتند بعد از آن دو پسر قریب بسن ده سالگی بر بالای دو چوب معلقها زدند و انواع بازیها کردند بعد از آن شخصی بر استان[3] خفته و پای خود بالا داشته چندنی بزرگ برکف پای او نهادند و شخصی دیگر اینها را مجموع بدست بگرفت و پسری ده دوازده ساله آمد و بر بالای اینها رفت و درازی هرنیئ هفت گز بوده باشد بر سر اینها بانواع بازیها کرد و بآخر یک [یک] نی می انداخت تا یک نی بماند، بر سر آن یک نی معلقها زد و بازیها [کرد] بعد از آن حرکات غریب ناگاه از سر آن نی خطا شد چنانکه همه گفتند که افتاد، آن شخص که خفته بود و نی برکف پای او بود برجست و او را درهوا بگرفت، دیگر جماعتی گویندگان و اهل ساز پهلوی یکدیگر شخصی با توغن نواخت و دوازده مقام اصل نموده برخلاف اصول و آهنگ ختاییان، شخصی دیگر بینه[4] مثل آن، و دیگری موسیقار، و [بازهم از اینها یکی یک دست بر موسیقار و] یکدست بر بینه و صاحب بینه یکدست بر بینه و یکدست انگشت بر ثقبهای[5] نی که بر دهان دیگری است، و صاحب نی دهان بر نی و چهار [پا] ره بر دست، مجموع بر اصول که هیچ (۴۰۰ ب)، یک خارج نگردند، و این (۴۰۰ ب) مجلس تا آخر نماز پیشین برداشت و پادشاهم

---

[1] اصل: درسر چیده اند، مطلع: برسر خلانیده، [2] اصل: کردند،

[3] یعنی ستلقی شده، راستان ضد کژ ان است (هفت قلزم)،

[4] اصل: پیمشه (درین موضع و بجای دیگر مبسه، مسسه)، مطلع: بینه (و پیپه)،

[5] اصل: ثبقهای،

در مجلس بازی‌های گرانبها انعام فرمود تا چاپ[۱] آوردند و نقد بدیشان داد و پادشاه برخاست[۲]
بحرم درآمد و ایلچیان را اجازت شد و در میان صحن آن بارگاه چند هزار جانور پرنده مثل زاغ
و زغن و خاد و فاخته و قمری و موسیچه میوه‌ها[۳] و ریزه‌ها که افتاده بود می‌ربودند و هیچ از آدمی نمی
رسیدند و چون شب می‌شد و همه بران درختان میان سرای می‌آرامیدند و از کسی مزاحمت نمی
[۵] دیدند نقته این ایلچیان از هشتم ذی الحجه سنه[۴] اثنی [اثنتین] و عشرین و ثمانمایه
تا [اول] جمادی الاول سنه ثلاث و عشرین و ثمانمایه که مدت پنج ماه باشد در آن شهر
بوده و هر روز علفه که در روز اول مقرر کرده بتمام و کمال بدیشان رسید و بیرون آن چند نوبت
کرت ایشان را طوی‌ها دادند و تبرکها کردند و هر نوبت که طوی شد بازیگران ان نوعی دیگر این طوی
دیگر و تماشا زیاده از مقدم، فی الجمله روز دیگر که عید اضحی بود [و] درین شهر خان بالق
پادشاه از برای مسلمانان مسجدی ساخته است ایلچیان و جمعی مسلمانان که در آن شهر بودند
در[۶] آن مسجد رفتند و نماز عید گذاردند (۱۰۴ ر) و بعد از دو روز دیگر باره ایلچیان را طوی (۱۰۴ ر)
دادند و هر بار که را طوی میدادند عظمت خود را بیشتر و بنوعی دیگر ایلچیان [را] می‌نمود و بازی
گران بانوع دیگر بازیگری میکردند و حقه بازیهای غریب، در هفدهم ذی الحجه

---

[۱] چاو کاغذ پاره بود که نام و لقب پادشاهان چین برین نقش می‌کردند و خلق آن دیار بجای تنکه طلا و نقره صرف می
نمودند (تاریخ فرشته منقول در تعلیقات قاترمیر) و هم قاترمیر گفته که چاو کاغذ زر است که از قشر درخت توت
ساخته میشد، نک، نوت paper money [۲] اصل: و میوها [۳] اصل خواست،
[۴] این سهویست از مصنف، از آنکه رفتن ایلچیان از هرات به ۶ ر ذیقعده سنه ۸۲۲ بود (ص ۲) و رسیدن
ایشان به خان بالغ به ۸ ر ذی الحجه سنه ۸۲۳ (ص ۲۱) نه سنه ۸۲۲ که درین جا ذکر به تتبع نموده در مطلع السعدین
نیز، نوشته است، [۵] مطلع: نوعی دیگر بهتر از پیشتر ازیها کردند، استاد در اصل بازیگری از نوعی دیگر از بهمی دیگر
[۶] اصل: از،

جماعتی گناهگارانرا بسیاست گاه فرستادند و قاعدهٔ کافران ختائی در دفترهای ایشان نبشته است که از بهر هر گناهی چه نوع[۱] عقوبت کنند بعضی را گردن میزنند و بعضی را از دار می آویزند و بعضی را پاره پاره میکنند، چون حکم شد که یکی را بعذاب زتقل[۲] کنند، قدری آهک در سر ایشان میمالند تا مویشان بال [بالی ؟] شود بعد ازان گرد سرش بکارد[۳] ببریدند[*] و پوست سرش بر مثال کلهٔ پوشی[۴] از سرش در ربود، بعد ازان آن پارهٔ آهک بر آن سر پوست کنده ریختند و بعد ازان بر دار[۵] می بندند از سه موضع اول از گردن دیگر از میان دیگر از ساق پای، و دستها از پس پشت بسته، و جلادان روی بروی می ایستند و اگر صد کس را حکم کشتن شود البته صد جلاد ایشانرا بکشتند و رسم نیست که جلاد دو کس را بکشد، و بعد ازان دکه[؟] هم چنین بسته است جلاد کاردی و قلابی در دست (۱۰۰۴ ب) دارد و بقلاب اندروی سینهٔ ایشان گوشت بر میگیرد و بکارد میبرد مقدار یک روی ناخن تمام روی سینهٔ او پلنگ رنگ کردار[۶][*] از چوبی درشت دکه مثل سوراخی نساخته اند بدو دست محکم بر روی سینه ایشان میمالند چنانکه خون ناب روان می شود بعد ازان دیگ آب جوشان کرده اند دو آفتابهٔ آب جوشان شخصی دیگر بران جراحتها می ریزد و دیگر جاروبی در دست آنرا می شوید و آن کافران نعره می زنند و بعضی خاموش اند و تحمل می کنند، و چون این عمل کردند و جراحتها را باب گرم تازه تر ساختند و کارد پیش شانهٔ او فرو بردند و سیخی آهن سرخ کرده کارد بر می کنند و بجای آن سیخ آهن تافته فرو می برند تا آن سوراخها[۷] وارغ می شود و بعد ازان بر می کشند و قمیص که گلاب بدان در شیشه ریزند مانند[؟]

---

[۱] تفصیل انواع عقوبات را صاحب مطلع مرفوع القلم کرده، مطبوعهٔ ص ۲۳ س ۲ تا ص ۲۹ س ۵ را نداریم و تصحیح درین سطور قیاسی ست [۲] بیاض در اصل باندازه دو سه لفظ، و بعدش لفظ او، آنچه محدود بقوسین است از روی حدس و تخمین افزوده شده،

[۳] اصل: بکارند بیرندید، [۴] Comp. [۵] اصل براور، [۶] اصل: آوازه لمپک رنگ کردار تصحیح قیاسی است، پلنگ رنگ آن که جلدش چون پلنگ نقطها اندر نگ دیگر داشته باشد، [۷] اصل - ارخها،

آنرا بموضع سیخ نهادند و آب جوشان در وی می ریزند چندانکه از آب جوشان گوشت سرخ ایشان سفید می شود، چون عملها کردند و هنوز نمرده بود باز بنیاد بریدن[۱] می کنند. القصه تا آخر روز آن شخص را بدین نوع عذاب (۴۲ و) میدهند و اگر می خواهند که عذابش زیاده باشد (۲۰۲ الف) تا به روز بدین نوع نگاه می دارند، و بعد ازین عذابها چون مرد شکمش باز می کنند و مجموع آلات بیرون کرد و قبزغه[۲]ها جدا جدا کردن گرفتند و هر قبزغه که جدا کرد کارد مثل قصابان در دهان میکنند تا تمامت استخوان ریزه ریزه کردند و پس ازان عرابه آوردند و آن مرداریها بران بار کردند در بیرون شهر مغاکی است آنجا می اندازند،

و در باب گناهگار احتیاط کنند، چنانچه بادشاه را دوازده دیوانست[۳] اگر شخصی بگناهی متهم [شد] می باید که بهر دوازده دیوان گناه برو ثابت شود و خصمان او را با و مجادله فرمایند چنانکه مثلا اگر در یازده دیوان گناه برو ثابت شده است و در دیوان آخرین ثابت نشد آن شخص را امید خلاص هست[۴]، اگر حجتی پیدا کرد که بدان سبب شخصی که در کشش ماده[۵] راه زیاده یا کمتر است حاضر می باید کرد تا تحقیق شود او را نمی کشند[۶] و در حبس نگاه میدارند و بطلب آن شخصی میفرستند تا او بیاید و بحث کنند و بعد ازان قضیه بآخر رسانند و بسیار گناهگار در حبس ایشان می میرد، و هرکس که مرد تا (۴۲ ب) حکم بادشاه نشود در خاک نمی توانند (۲۰۲ ب) کرد،

و در روز بیست و سیم[۷] محرم مذکور نبشته بود که آنروز بغایت سرد بار روی بادشاه رفتند بسیاری ختاییان که بودند و بندیان که از شهرهای دور آمده بودند مجموع از سرما مرده و بر در

---

۱ ص: بروبدن، ۲ قبرغه. ملکه، پهلو ۳ Courts of justice

۴ یول می گوید: شک نیست که مصنف درین باره مغلطه خورده است، ۵ مطبوع: ماده ۶ اصل: کشتند،

۷ ۲۳ محرم ۸۲۴ھ = ۲۸ جنوری ۱۴۲۱ء،

کرپاس بادشاه و بر در ره گذرها افتاده و مرده و اسپان پای بر ایشان می نهادند و می گذشت، و شخصی روایت کرد که آنجا اندرون شهرست و پناه است، در بیرون شهر قریب یک تومان[1] آدمی از دی باران سرما مرده اند و مثل سگ که در ولایت اسلام مرده باشد و در کوچه ها زیر پای آورند آن کافران ازان خوارتر افتاده بودند، و بندیان بادشاه با دوشاخه و زنجیر بر دست و پای هم چنان چنگ[2] شده بودند (و) با خاک شدند،

در سابع عشرین محرم مذکور مولانای قاضی کس پیش ایلچیان فرستاد که فردا سر سال نوست و پادشاه به اردوی نو می آید و قولی بادشاه است که هیچ کس دستار و جامه و طاقیه و موزهٔ سفید نپوشد، و رسم ایشان آنست که لباس سفید در تعزیه می پوشند، و در شب

(۲۰۱ ر) بیست و هشتم هنوز نیم شب بود که سچین[3] آمد و ایلچیان را بیدا کرد و سوار ساخت (۲۰۲ و) و باردوی بردند و آن عمارتی عالی بود که بعد از نوزده سال تمام شده بود و آن شب در چنان شهر معظم هر کس در خانه و دکان خود چنان فنار[4] و شمع و چراغ افروخته بودند که گفتی مگر آفتاب برآمده است چنانکه مثلاً اگر سوزنی بیفتادی پیدا شدی و آن شب زمهریر سرما شکسته بود[5] مزیم[را] باردوی نو ند[6] آوردند، و از مجموع ختای و چین ما چین[7] و قلماق[8] و تبت و قابل و قراخوجه و چورچه[9] و دریابار و سائر ولایات که نام آن معلوم نیست صد هزار آدمی دران اردوی بودند و بادشاه امرای ولایات خود را طوی میداد، ایلچیان را در بیرون تخت[10] گاه شیرها نهادند و امرا خود را در درون بارگاه و تخت گاه خود نشانده بود و هم چنان غلبه دویست هزار آدمی شمشیر

---

[1] ده هزار، myriad " [2] شل، خمیده ، [3] اصل: همچین سخن، مطلع: سچین (وسخنین)، رجوع کنید به حاشیه ص ۲۰، [4] اصل: قمار، تصحیح از روی مطلع، فنار = paper lantern باوا شد اصل: بود، تصحیح از روی مکن؟ [5] اصل: کاچین، تصحیح از روی مطلع (نسخهٔ کرانست کالج)
[6] اصل: قملاق، تصحیح از روی مطلع (نسخهٔ مذکوره) [7] یوان، در نقشهٔ ایشیای کوه بلداول کتاب ...

بگرز و نیزه و ژوپین و دورباش و حربه و تبرزین و آلات حرب در دست گرفته، قریب یک دو هزار آدمی با دبیزن ختائی در دست گرفته ملوّن و منقش، هر یک برابری سپری، در بر دوشش نهاده، و بازی گران و پسران رقص میکردند بطریقهای غیر مکرّر و بخلعتها و تاجها و لباسها برخود راست کرده که شرح آن در وصف نگنجد و صفت (۴۲ب) آن عمارت مقدور بیان نیست، (۴۳ب

فی الجمله از دیوانگاه تا در بیرون یکهزار و نهصد و بیست و پنج قدم بود و در درون حرم خود کسی را راه نبود، از چپ و راست عمارت در عمارت و سرا در سرا و باغ در باغ و مجموع فرش سنگ تراشیده[10] که از خاک چینی پخته اند که مطلقا جوهر او بسنگ مرمر میماند و مقدار دویست یا سیصد گز طول و عرض، و هر جائی که بود سنگ فرش مقدار موئی کج [نه] شده و [نه] پیچیده که کسی گوید بقلم جدول کشیده اند، و سنگ تراشیدها (به) اژدر و سیمرغ خاصی منبت و مغفر[11] مثل یشم تراشی که آدمی دران حیران می شد، سنگ تراشی و درود گری و گلکاری و نقاشی و کاشی[12] تراشی در مجموع این بلاد هیچ کس [چون ایشان] نمی توان کرد، گمر[13] استادان این بلاد ببینند تا باور کنند و انصاف دهند،

فی الجمله در نیم روز این طوی آخر شد و هر کس بوثاق خود رفتند،

و در نهم[14] صفر سحرگاه[9] اسپان آوردند و ایلچیان را پیش بردند و هشت روز بود که پادشاه از حرم بیرون رفته[15] بود و در بیرون شهر خانه سبزی ساخته بود و دران خانه هیچ

(بقیه حاشیه ص۳۵) کرده است بلاد چوچه را در مانچه یا نشان داده است، و بر حاشیه ص۲۶۷ گفته است که ایشان اجداد مانچوهای این زمان بودند،

۹ اصل: نخرگاه، تصحیح از روی مطلع (نسخهٔ مذکوره)

(حاشیه ص۳۶) ۱۰ در مطلع بعد ش افزوده: و خشت تراشیده، ۱۱ Carved.

۱۲ مطلع: کاشی کاری ۱۳ مطلع: اگر ۱۴ و نهم صفر ۸۲۴ = ۱۳ فوریه ۱۴۲۱ ۱۵ مطلع: نرفته،

(۴۰۴ و) صورت و هیچ بت نبود و بادشاه را عادت بود که هر سال آن چند روز حیوانی (۴۰۴ و)
نمی خورد و پیش حرم نمی رفت و کس را پیش خود نمی گذاشت و میگفت که خدای آسمان
را عبادت میکنم و بعبادت خود مشغول بود، القصه آن روز باز گشته بود و بحرم می آمد و بسیار
تجمل و عظمت و لشکر و خدم همراه بود پیلان آرایش کرده پیش می بردند و محفه[1] مدور مطلا
بر دوش گرفته بودند علمهای سیاه و سرخ و زرد و سبز و زنگاری منقش بصورت آفتاب و
ماه و ستارگان و کوه و دریا و خطوط ختای در پس و پیش او و دیگر نیزه داران و شمشیر زنان و
ژوپین و دورباش و حربه و گرز و شمشیر و تبرزین و چوگانها با زلف دراز و بادبیزن ختائی و
و چتر میبردند و پنج محفه دیگر آرایش کرده مجموع مطلا بر دوش مردم و سازها که شرح آن نمی
توان داد بسیار، و مقدار از پنجهزار[2] نفر آدمی اندر پس و پیش بادشاه میرفتند که یکی پیش و یکی پس
بی قاعده زهره نداشتند که بروند و کس را زهره نبود که آواز بر آرد چنانکه گوئی هیچ متنفس نیست
بجز آواز سازهای ختائیان که دعای بادشاه می گفتند، چون بادشاه بحرم بیرون رفت باز
(۴۰۴ ب) گشتند و هرکس بوثاق خود (۴۰۴ ب) رفتند،

دیگر دران ایام رسم ایشان چنانست که [شب] چراغ می گویند، هفت شبانه روز،
دراندرون کریاس بادشاه کوهی از چوب می سازند و روی چوب بشاخ سرو می پوشند[3] چنانکه
گوئی کوهی از زمرد است و صد هزار چراغ تعبیه کرده اند و چند هزار آدمی از مقوی کاغذ
ساخته و رنگ چهره و جامه چنانکه از دوری بآدمی میماند و ریسمانها بران چراغها تعبیه کرده
اند و موشکها از نفط ساخته که چون یک چراغ را برافروختند موشک بر آن ریسمانها دویدن
گرفت و بهر چراغی که رسید روشن شد چنانکه به یک نفس آن چندان چراغها (که) از بالای
کوه تا پایان[4] هست روشن می شود، در شهر نیز بر در خانها و دکانها چراغ بسیاری افروزند و دران

۱؎ اصل: تحفه، در مطلع مثل متن، ۲؎ مطلع: پنجاه هزار ۳؎ اصل: بدیدن ۴؎ اصل: بان ماه؛ تصحیح از روی مطلع

هفت روز هر کس هر گناه که می کنند بروی نمی گیرند و بادشاه بسیار بخشش میکند و کسانی که باقی دیوان دارند و بندیان زندان همه را آزاد می کنند

و دران سال منجمان چنان حکم کرده بودند که آتشی پیدا خواهد شد که خانهای بادشاه را ازان ضرر رسد بدان سبب شب چراغ [آنرا] ساخته بود اما امرای ختائی بدان وعدهٔ شب چراغ جمع شده بودند ایشان را [illegible] و انعام فرمود (۲۰۵ ا)

در روز یکشنبه سیزدهم [illegible] آمدند و مجموع ایلچیان را پیش بادشاه بردند و در کریاس اول نشاندند مجموع خلائق که از هر دیار آمده بودند صد هزار زیادت جمع گشتند و در کوشک اول تخت مرصع نهادند و [illegible] نشستند و بادشاه بر تخت نشست و مقدار صد هزار آدمی در پای تخت زانو زدند و سر بر زمین نهادند و بعد ازان بنشستند و نظاره می کردند که تخت دیگر آوردند [illegible] در پیش روی بادشاه نهادند و سه کس بر بالای تخت برآمدند و حکمی و یرلیغی که از بادشاه شنیده بود دو کس آن یرلیغ را نگاه داشتند و یکی بآواز بلند برخواند چنانچه مجموع خلائق شنیدند اما بزبان ختائی بود و مردم مافهم نمیکردند و مضمون آن حکم این بود که وهم این ماه سر سال بود و شب چراغ بود و مجموع بندیان و گناهکاران و آنکسانیکه باقی دیوان [illegible] گر کسی که خون کرده بود و ایلچی تا سه سال هیچ دیار نرود و نقل احکام بهر دیار فرستادند چون آن حکم خوانده شد بجهت تعظیم حکم بادشاه (۲۰۵ ب) چتری آوردند و بر سر احکام داشتند و بر چوبی که آن چوب را در زر گرفته بودند و حلقه بران بود و طنابی ابریشمین زرد بران حلقه، آن حکم را ازان بالا فرو گذاشتند و چتر بر بالای آن فرو می آید و

[illegible] اصل: [illegible] [illegible] مطبع: زیادت از صد هزار،
[illegible] [illegible] در مطبع ندارد، [illegible] اصل: حکم بود چون،
[illegible] اصل: عالم، تصحیح از روی مطبع،

در پای کوشک مجموع سازها با دہل و دمامہ میزدند در فرود آمدن حکم[۵۱]، دو محفہ مطلا آمادہ بود، چون آن حکم فرود آمد در یک محفہ نہادند و یک محفہ از پیش دوان روان شد و مجموع سازہا ہمراہ او و خلائق بیرون آمدند، از اردو آن حکم آوردند تا بدان یامی کہ ایلچیان بودند تا از آنجا نقل احکام بہر دیار فرستند، امّا پادشاہ چون از کوشک فرود آمد مجموع ایلچیان را طلب کرد و طوی داد تا نیمروز، چون طوی آخر شد ہرکس بطرفی رفتند،

در غرۂ[۵۲] ربیع الاول ایلچیان را طلب داشتند و پادشاہ فرمودہ تا دہ شانقار[۵۳] حاضر کردند و گفت شانقار بکسی نمیدہم کہ اسپ خوب برای من زنہ آوردہ است و بکنایت و صریح ازین نوع سخن گفت آخر ازین دہ شانقار سہ بسلطان شاہ ایلچی مخدوم زادہ عالمیان الغ بیگ

(۴۰۶ ا) گورکان و سہ بسلطان احمد کہ ایلچی شاہزادہ (۴۰۶ ا) بایسنغر بہادر خلد ملکہ بود و سہ دیگر بشادی خواجہ کہ ایلچی حضرت اعلی خلد اللہ تعالی ملکہ و سلطانہ بود و فامّا شانقار از ابجی نور داران خود سپرد، روز دیگر ایلچیان را طلب کرد و گفت شانقارہای خود را نشان کنید ایشان گفتند ما نشان کردیم، پادشاہ گفت لشکر من بسرحد ولایت میرود شما نیز یراق خود بکنید[۵۴] بالشکر من روی بولایت خود آرید، گفتند ہرچہ پادشاہ فرماید چنان کنیم بعد از آن [ار] غداق را کہ ایلچی امیرزادہ سیورغتمیش نوّر اللہ مرقدہ[۵۵] بود گفت شانقار نیست کہ بتو دہم [و اگر ہم

---

۵۱ اصل: آمند ۵۲ یکم ربیع الاول ۸۲۴ھ = ۶ مارچ ۱۴۲۱ء

۵۳ falcon ; properly gerfalcon

رجوع کنید بہ حاشیہ یول I . cc viii کہ ازان مستفاد می شود کہ این جانور بر ساحل بحر منجمد شمالی یافتہ می شود و اورا روسای ایل ہای تاتاریہ شمالیہ بخاقان چین بباج می فرستادند)، در ہفت قلزم (بذیل سنقر) می گوید کہ آن ترغیست شکاری از جنس چرغ گویند بسیار زندہ می باشد و پادشاہان پیوستہ بدان شکار کنند[۵۵] اما شونقار را جنس چرغ .... گفتن درست نیست رجوع کنید بہ فرہنگ شا (Shaw) کہ نام اصطلاحی این جانور را (Falco Hendersoni) نوشتہ است،

می بودنی [illegible] مبارکباد [illegible] از شیر اراد نوکر امیرزاده ابراهیم بهادر* بازستاند[ند] از تونیز [illegible] [illegible] اگر پادشاه عنایت فرماید و شانقار بدهد کسی از من نتواند ستاند٬ بادشاه گفت تو اینجا باش تا شانقار برسد بتو دهیم و درین نزدیک دو شانقار میرسد آنرا بتو

(۳۱۲م)

درهشتم ربیع الاول سلطان شاه [و] بخشی ملک را طلب فرمود [و سنکشی فرمود] و سنکشی بزرین [illegible] هشت بالش[۵۳] نقره [illegible] بادشاهی باشتر[۵۴] و [illegible] و [illegible] بیا* دو واسپ یکی بازین و یکی بی زین٬ و صد چوبه تیر [illegible] [illegible] [illegible][۵۵] [illegible] خطائی و پنج هزار چاو و بخشی ملک را نیز مثل (۹۱

[illegible] نسخه [illegible] وفات امیرزاده در ۸۳۰ھ بود٬ و قصه متن در ۸۲۳ھ
پس این [illegible] حصه کتاب در ۸۳۰ھ افزوده است٬

(حاشیه [illegible]) [۵۱] [illegible] از [illegible] مطلع: آن کرت ازار د شیر نوکر میرزا سیورغتمش٬ کاترمر "کرت" را "کره اسپ" نوشته است٬ [۵۲] در اکثر نسخ مطلع سنکش نوشته است [illegible] آخر نسخه است٬ [۵۳] رجوع کنید به یول (۱ : ۱۱۵)

[illegible] برای معنی این لفظ [illegible] این که بالش مقداریست از زر که بقول جوینی وزنش پنج صد مثقال است خواه از سیم باشد و خواه از زر٬ و بقول وصاف بالش زر دو هزار دینار و بالش سیم دو صد دینار و بالش چاو [illegible] قیمت دارد٬ [illegible] مختلف [illegible] بعد قیمت بالش ازین ها متفاوت است٬ [۵۴] اصل: استراباد٬ تصحیح از روی مطلع٬ [۵۵] مطلع (کاترمیر): [illegible] باسا٬ مطلع (کرائسٹ کالج)، قلمی دلو و لنگ و شاو٬ رجوع کنید به حاشیه [۲۵] [۵۶] اصل: کیبر — پیکان پهن که بشکاری اندازند (بهار عجم٬ large head q. a dart used in hunting; the dart which has such a head (غیاث), a large spear used in hunting (Steingass.).

مثل آن اما آیب بالش نقره کمتر بود، و خاتون ایشا نرا بی بالش نقره نیمهٔ آن تماشها فرمود، و در آنروز ایلچی اویس خان رسید با دویست و پنجاه نفر و او را تو[1] یا تیمور الکامی گفتند و بادشاه را دید و سر بر زمین نهاد و مجموع ایشان را جامه وارهای بادشاهی دادند و علفه معین کرد،

و در یوم الاثنین ثالث[2] عشر [ربیع الاول] ایلچیان را طلب داشتند و بادشاه فرمود من بشکار میروم شاناقاران خود را بگیرید[3] و نگاه دارید که اگر دیرتر بیایم شما معطل نشوید و طعمهٔ چند تر و کرد شاناقاران خوب میبرید و اسپان بدمی آرید، شاناقاران را تسلیم ایلچیان کردند و بادشاه بشکار رفت بعد از آن بادشاهزاده از طرف ینالی[4] (؟) آمد و روز بار بجای بادشاه می نشست، [و هژدهم ماه ایلچیان بدیدن او رفتند در طرف شرقی خانه بادشاه بطریق بادشاه] نشسته بود و از چپ و راست همان رسم[5] بود و ایلچیان را هم چنان که پیشتر شیرها نهادند و آش خوردند و متفرق شد،

در غره ربیع الاخر سجستان[6] خبر کردند که بادشاه از شکار می آید پیش وازی باید رفت، رفتند و تا نماز پیشین در بیرون بودند آخر معلوم شد که روز دیگر می آید بوثاق باز گشتند چون بیام رسیدند شاناقار (۴۴ ل) کبوتر سلطان احمد مرده بود، باز همان زمان سجستان[7] آمدند و گفتند سوار شوید و امشب در بیرون باشید تا سحرگاه بادشاه را توانید دید و باران[8] می ۱۴۴ ل
بارید چون سوار شدند بر در بام مولانا قاضی و جمعی با او ایستاده بودند بغایت ملول از جهت

---

[1] مطلع (نسخهٔ کرائسٹ کالج): بوتا، [2] ۱۳ ربیع الاول ۸۲۴ = ۱۸ مارچ ۱۴۲۱ء اما بحساب وستنفلد این روز یوم الاثنین نبود بلکه چهارشنبه بود، [3] اصل: بگیرند [4] مطلع (نسخهٔ کرائسٹ کالج): ولایت تمتای (کنج البحرین؟) [illegible] تا [illegible] که از شهرهای معظم خطا است چهل منزل می گویند،
[5] اصل: رستم [illegible] مطلع این طور است: و اطراف همچنان بر آراسته، [6] اصل: سجستان،
[7] در اصل مثل سابق [8] اصل: باران،

ملالت استفسار کردند مخفی گفت که اسبی که حضرت سلطنت شعاری خلد الله تعالی ملکه و سلطانه
برای پادشاه فرستاده بود در شکار بران اسپ سوار شده و آن اسپ پادشاه را انداخته و
پای مُتألم شده، و ازین جهت غضب کرده و حکم شده که ایلچیان را بند کرده بشهرهای شرقی
ختای فرستند، اصحاب ازین خبر بغایت ملول شدند، در آن ملالت وقت سنّت بود که
سوار شدند تا نیم پا ثبت مقدار بیست میل رفتند، اما از غلبه لشکریان که بشهر میرفتند گذر نبود،
القصه باردوی پادشاه که شب فرود آمده بودند رسیدند، مقدار پانصد قدم در پانصد قدم
دیواری که ده گز بلندی آن بود و چهار قدم عرض همدران شب که فرود آمده بودند برآورده، و
دیوار قالبی، ختایی زود می سازند و دو دروازه گذاشته و از پس دیوار که خاک در بر داشتند
خندق شده و بر در دروازه مردان کاری با سلاح (۴۰۷ب) باز داشته و برگرد خندق مردان (۴۰۷ب)
با سلاح تا روز بودند و درون آن از اطلس زرد دو چتر مربع بچهار ستون که بلندی آن مقدار
بیست و پنج گز برپای کرده و در گرد آن دیگر خیمه‌ها و سایبانها همه زرد اطلس زربفت کرده،
چون از سواد شهر بصحرا در آمدند پیدا بود، القصه چون مقدار پانصد قدم بدین موضع ماند مولانا قاضی
اصحاب را فرمود تا پیاده شوند و هم آنجا باشند تا بادشاه برسد و خود پیش رفت چون پیش
بادشاه رسید لیداجی و جان داجی که بزبان ختای یک را سرای لیدا و یکی حیکفو[۱۴] میگفتند
ایستاده بود و بادشاه در بحث گرفتن ایلچیان بود، بعد از آن لیداجی و جان داجی مولانا قاضی
زیر بند بین نهاده و درخواست کردند که اگر حضرت بادشاه از ینها رنجیده اینها را گناه نیست که

---

[۱۲] یعنی سنا[و]رخ [۱۳] اما در سطور آینده بادشاه خود می گوید که "دست من درد می کند" (ص ۴۴)

[۱۳] ۲۰ متر = یک فرسنگ شرعی (ص ۱۳) که باندازهٔ یول قریباً ۲½ میل بود، و مسافتی که طی کردند

کم از پنج میل، اما سحابی که او بحوالهٔ کلاویخو ([illegible]) هیچ کرده است ای آن گفت کو شش میل رفتند،

[۱۴] مطلع، تو ترمیر، اجکسفورد یونیورسٹی کالج : نیکلو،

اگر سلاطین ایشان اسپ خوب باید فرستاده اند ایشانرا چه اختیار، و بر پادشاه خود حکم نمی توانند کرد که بیلاکی خوب باید فرستاد، و دیگر اگر مجموع اینها را پاره پاره کنند سلاطین ایشانرا هیچ تفاوت نمی کند و اینجا نام پادشاه ببدنامی منتشر شود و در همه عالم که بعد گویند[1]؟ چندین سال غایب پادشاه ختای با ایلچیان (۴۰۸ ا) بی رسمی کرد و ایشانرا حبس و سیاست فرمود، ۴۰۸ ا)

پادشاه را از ایشان این سخن پسندیده آمد و مستحسن داشت و بخشید، و بعد از ان مولانا قاضی آمد مشاو و مژده رسانید که حق تعالی بفضل و کرم خود برین جمع مسلمانان غریب رحم کرد و بر دل پادشاه پرتو مرحمتی انداخت،

بعد از ان شیرها آوردند که پادشاه فرستاده اما آنروز مجموع گوشت خوک با گوشت گوسفند آمیخته بود مسلمانان از ان نخوردند، و پادشاه سوار شد، چون از در اردو بیرون آمد بر اسپ بلند سیاه که چهار دست و پای او سفید بود، و آن اسپ حضرت امیرزاده اعظم مغیث الحق والدین الغبیگ گورگان خلد الله تعالی ملکه فرستاده بود، قبایچ[2] زربفت زرد بران اسپ انداخته بودند و پادشاه قبای سرخ زربفت پوشیده و از اطلس سیاه غلافی دوخته و ریش را در غلاف کرده، و هفت عدد محفه خورد سرپوشیده از عقب پادشاه بر گردن گرفته می آوردند که در اندرون آن دختران بودند که با پادشاه بشکار رفته بودند و یک عدد محفه بزرگ مربع که هفتاد کس برداشته بودند از عقب ایشان و دو اختاجی از چپ و راست جلوی[3] پادشاه گرفته هر دو جامهای (۴۰۸ ب) زربفت پادشاهی پوشیده (۵)، که آن اسپ قدم را ۴۰۸ ب)

---

۱ مطبوع: وگویند، اصل عاتب بجای غایب که تصحیح قیاسی ست،

۲ مطبوع: عبائی، ۴

۳ جلو عنان اسپ، نیز = before ; in front of

۵ مطبوع: اسپ، بجای پادشاه،

و بعد از یک اعتبار از دست راست و یکی از دست چپ از بادشاه ببیات ابت برمیگرفت چندانکه چشمه کار می کرد هر صفی از دور سواران صف زده که بر یکی قدم پیش و پس [؟] دیگری بیست قدم دورتر چنانکه از اردوی که سوار شدند تا در شهر چنین صف زده میرفتند و میان بادشاه باده داجی و مولانا قاضی و لیدابی وجان داجی میرفت بعد از ان مولانا قاضی پیش ایلچیان آمد و گفت فرود آئید تا بادشاه پیش رسد سر بنهید چنان کردند و چون بادشاه نزدیک رسید فرمود که سوار شوید ایلچیان سوار شدند با بادشاه همراه بودند بادشاه بنیاد گله کرد از شادی خواجه که بران اسپ که تو آورده سواری کردم در شکارگاه و از نهایت پیری و بی قوتی افتاد و مرا انداخت و از آن روز باز دست من درد میکند و کبود گشته و بسیار طلا انداختیم تا پاره درد وی ساکن شده است بعد از ان شانقاری طلب کرد و یک کلنگ پرانید و شانقار را رها کرد رسید و سه لکد زد و گرفت و بعد از ان بادشاه فرود آمد و صندلی آوردند و در زیر پای او نهادند و صندلی دیگر از برای نشست نهادند بر صندلی نشست و سلطان (۳۰۹ ا) شاه را طلب کرد و آن سفارش داد و یک شانقاری دیگر طلب کرد بسلطان احمد (۱۴۹) داد و شادی خواجه را هیچ نداد و سوار شد تا خرگوشی پیدا شد شانقاری بر دست داشت بر خرگوش انداخت و دو سگ بر عقب خرگوش از میان بیرون رفت تا بدانجا که چشم کار می کرد بادی بسلامت بیرون رفت چون نزدیک شهر رسیدند خلایق بسیار از ختائی و غیره بیرون آمده بودند فوج فوج از ختائیان بزبان ختائی دعای پادشاه میگفتند بدین شان و شوکت بشهر درون

---

۱ مطبوع: تنفار، تکمار یعنی تیری آمده که پیکان نداشته باشد و بجای پیکان گرهی داشته باشد (معرفت قلم)

A dart having no point (Steingass)

۲ مطبوع: هیچکس یک قدم پیش و پس نمی نهاد ۳ مطبوع: بچان

۴ اصل: دادن، تصحیح قیاسی ست

آمد و ایلچیان بوثاق شدند[1]'

یوم[2] الاثنین [رابع] ربیع الآخر سنه سبعین[3] آمد و ایلچیان را سوار کرده برد و گفت امروز بادشاه سنکشی[4] میدهد' ایلچیان پیش رفتند و چون سلطانشاه و بخشی ملک (را) پیشتر سنکشی[4] داده بود ایشان را (نه) طلبیدند' چون بادشاه بنشست شیرهای سنکشی[4] پیش بادشاه جمع کردند بعد ازان بادشاه فرمود تا شیرها بگرفتند و بیک طرف بردند و امرا[5] را نیز پیش شیرها فرستاد' چنانکه بادشاه ز بالای تخت میدید اول سلطان احمد را طلب کردند (۲۰۹ ب) و شیر و سنکشی[6] تسلیم او کردند و بعد ازو غیاث الدین را و بعد ازو امیر شادی خواجه را شیر و پیش نهادند و دیگر کوکجه و دیگر ارغداق[7] و بعد ازان اردون و دیگر تاج الدین بدخشی را' و تفصیل سر شیره'

ز ۲۰۹ ب

آنچه شیرهٔ شادی خواجه بود ده بالش نقره و سی اطلس و هفتاد پارچه[8] و دیگر تلقی[9] (کذا) و ترقو ولو دشا و کیکی و پنج هزار چاو (و) خاتون او را چاو و بالش نقره نبود' اما ثلث قماش بود'

و سلطان احمد و کوکجه و ارغداق را هر سه هر یک هشت بالش نقره و شانزده اطلس و باقی قماش از قلقی[9] (کذا) و ترقو (کذا) ولو دشا مجموع نود (و) چهار وسله' مع

---

[1] در اصل بعدش افزوده: و چون سلطان شاه که غالباً سهواً نوشته است نظر بر سطور بعد'

[2] در مطلع ندارد' بحساب وستنفلد بروز ۳ ربیع الآخر چهارشنبه بود' [3] اصل: سبعین

[4] اصل: بیکشی [5] اصل: امیرزا نیز' مطلع: امرا را هم'

[6] اصل: سیکشی' [7] اصل: ازغداق' [8] پارچه بقول قاترمیر: Stuff, cloth, a robe

[9] مطلع: دقلی — بظاهر قلقی وغیره همه انواع قماش است چنانکه قرینهٔ عبارت اینجا و در سطور آینده بران دال است و نیز ازشمول ترقو و سادین بظاهر میشود و ترقو بقول صاحب هفت قلزم نوعی از بافتهٔ ابریشمی سرخ رنگ است و ساد اسم او نوعی از قرمسخ نوشته است'

خواتین (د) هر یک هزار و هزار چاو

و غیاث الدین و ارد دان و تاج الدین بخشی را هر یک هفت بالش نقره و شانزده

اطلس و ترقو و لو وشا و کیکی مجموع هر یک را هفتاد و هفت و تسلمه و دو هزار چاو

ایلچیان سنکشها بادشاه ستانده برتاقهای خود رفتند،

و درین اثنا یکی از خواتین بادشاه که محبوبهٔ او بود در گذشت و سبب آن تعزیه دیگر بادشاه را نمی توانست دید و آن را اظهار نکردند تا ساختگی ها (دی) (۲۱۰ آ) تعزیت تمام شد، بعد از (۲۱۰ آ)
چند روز در بیستم جمادی الاول گفتند که حرم بادشاه گذشته است و او را فردا دفن خواهند کرد،
بدین شب ناگاه از قضای الهی از آسمان آتشی از اثر برق که بر سر آن کوشک بادشاه که نو ساخته بودند رسید و آن آتش در آن افتاد و چنان در گرفت که گویا صد هزار مشعله است که روغن و فتیله در گرفته است، و این عمارت که اول آتش در وی افتاد بارگاهی بود هشتاد گز طول و [سی گز] عرض و استوانها لازور دو مغل نگار برده و روغن دار، که در آغوش سه مرد نمی گنجید، چنانکه مجموع شهر از روشنائی آتش روشن گشت و از انجا سرایت کرد بکوشکی که بیست گز از ان دورتر بود، و از عقب آن بارگاه کوشک حرم بود و از ان بسیار بتکلف تر آن نیز بسوخت، و برگرد آن کوشکها و خانها بود هر یک خزانه، آتش دران افتاد و قریب دویست و پنجاه خانه بسوخت و بسیاری مردم و زن بسوختند و تا روز شد هم چنان می سوخت و آن روز تا نماز دیگر چندانچه سعی کردند آن آتش تسکین نمی یافت، اما بادشاه با امرا از انجا بیرون رفته (۲۱۰ ب) بود و (۲۱۰ ب)
ملتفت آن آتش نشد که آن روز از روزهای نیک در کیش کافری خود میداشتند، فاما ازین غصه در بتخانه رفت و بسیار تضرع کرد که [خدای آسمان بر من غضب کرده] تختگاه من بسوخت

---

۳ مطلع: ما، ۴ اصل: سیکشها بلهوند ۵ مطلع: ختم، ۶ اصل: روغن روغن

۸ یعنی: مدحل چنانچه، ده لفظا حل کاری، ۹ مطلع: بود،

و من هیچ کار بد نکردم پدر و مادر را نیازرده ام و ظلمی نکرده ام و ازین غصه بیمار شد و بدین سبب معلوم نشد که آن مرده را بچه نوع دفن کردند و چون بخاک بردند، امّا بسیار آرایش کرده بودند،

از جمله بسیار علمها و چوگانها از کاغذ رنگین ساخته و نقاشی کرده بودند[51] و تختی از کاغذ مقوّی مقدار ده گز و بران تخت صورت آدمیان از کاغذ و صورت اسپان و اشتران بزرگی اسپ و اشتر مجموع ملوّن مویهای دروغی[52] و زین و لجام و غیره، و یک و هزار شیره پر نعمت الوان و عرقی (عرق؟) و اسپان خاصهٔ آن زن بر آن که در که دخمه[53] بود گذاشتند که بسر خود میچریده که هرگز دیگر ایشان را نمی گیرند، و دران دخمه بسیاری از دختران و خواجه سرایان که نزدیک بودند مجموع و درانجا غارها کنده بودند و علفهٔ ایشان پنج[54] ساله در پیش ایشان نهاده که هم آنجا باشد تا وقتی که علفه تمام شود ایشان نیز (۱۱۴ ر) هم آنجا بمردند، ما وجود این[55] همه ترتیبات بواسطهٔ (۱۱۴ ر)
آن آتش معلوم نشد که او را چون بردند،

و خستگی پادشاه زیادت شد و پسرش بپارگاه می آمد و می نشست، و ایلچیان را اجازت رفتن شد و ایشان را هنوز ساختگی مرتب نشده بود، آن مقدار که بعد از اجازه در آن شهر بودند ایشان را علوفه ندادند،

در منتصف[56] جمادی الاوّل ایلچیان از **خان بالق** بیرون آمده داجیان با ایشان همراه کردند هم چنانک در رفتن بهر یام که میرسیدند همه چیره[57] و اولاغ و عراده می گرفتند و در شهرها

---

[51] اصل: از جمله که غالباً از سطر بالا مکرر شده است،

[52] اصل: دوروغی [53] دخمه بمعنی سردابه ایست که مرده آنجا گذارند و گورخانهٔ گبران را نیز گویند که گنبدی بر سر آن باشد، و سردابه را نیز گفته اند که مردگان را دران گذارند (هفت قلزم) [54] در مطلع افزوده: بل زیاده،

[55] اصل: این همه ترتیبات، مطلع: این آیین، تصحیح قیاسی ست، [56] ۱۵ جمادی الاولی ۸۲۴ھ = ۱۸ مئی ۱۴۲۱ء

[57] اصل: خیره، مطلع: چیته

ونعیها ایشانرا طوی میدادند'

در غرهٔ[۱] رجب بشهر پینگان[۲] رسیدند مجموع حکام و اکابران شهر تعظیم ایلچیان و واجبیات کردند و باستقبال بیرون آمدند و بسیار شهر خوش و بقاعده بود که آنجا بارهای مردم میکشادند و میدیدند که در بارها چه چیز است و هرچه حکم بود که (از) ختای بیرون نبرند مثل چای و چادرها[۳] (؟)' از ایلچیان حکم ساس کرده بودند که بار ایشان نکاوند' روز دیگر ایلچیان را طوی بعظمت دادند و تکلف بسیار کردند' (از) آنجا روز بروز کوچ میکردند تا پنجم[۴] شعبان بقرامووران رسیدند و از آنجا بقرار هر روز بیابانی (۱۱۴ ب) و هر هفته بکتر لشهری میرسیدند و طوی میخوردند' تا بیست[۵] و نهم شعبان از ... بوکه چهارپایان و نوکران در وقت رفتن سپرده بودند رسیدند و کسان خود با هرچه گذاشته بودند همه سلامت یافتند فاما خبرهای یاغی گری بود' اطراف مغولستان و راه تا این ایشان میدادند' بدان سبب آنجا توقف کردند تا دو ماه (و) و نیم نزدیک' و در هفتم[۶] ذی القعده (ه) از قمجو کوچ کردند و در هفدهم[۷] بسکجو رسیدند و آنجا خبر راه بدیشان می دادند چند روز در آنجا توقف کردند ایلچیان شیراز و اصفهان آنجا رسیدند پهلوان جمال الدین از اصفهان ایلچی امیرزاده اعظم امیرزاده رستم[۸]' و امیرحسن از شیراز ایلچی امیرزاده اعظم ابراهیم سلطان بهادر' و بیش از حد صفت ناایمنی راه کردند و ایشان گریخته بی راهه بر کوهها زده

---

[۱] ۱۷ جولائی ۱۴۲۱ء' [۲] اصل: سکان' مطلع (نسخهٔ قاترمیر) : بیکان' (نسخهٔ کراتشی کالج و دیگر نسخ دیگر) : نیکان' بقول یول (I. ccxx) این شهر غالباً ... Ping yang fu ... واقعه صوبه شانسی است که در قدیم الایام دار السلطنت چین بوده است ... در متن پینگان نوشته شد که فی الجمله با بعض نسخ مطلع مطابقت دارد' [۳] مطلع : ... [۴] ۵ ر اگست ۱۴۲۱ء' [۵] ۲۵ اگست ۱۴۲۱ء' در مطلع ۲۴ شعبان وارد بجای ۲۹ شعبان [۶] ۷ ر نومبر ۱۴۲۱ء [۷] ۱۷ نومبر . [۸] برادر زاده شاهرخ سلطان که والی اصفهان بود' رجوع کنید به شجرهٔ نسب آل تیمور در ابتدای این حواشی'

بوده و رسیده ، و بدین سبب در سکجو مدتی دیگر مقام کردند ، تا منتصف[۵۱] محرم الحرام
سنه [خمس و] عشرین و ثمانمایه از سکجو کوچ کردند ، و چون بقراول رسیدند
اهل قلعه گفتند که قاعده اهل ختای آنست که هم چنانکه در وقت آمدن اسماء[۵۲] مردم
شما را* نبشته اند در وقت بیرون (۲۱۲ ا) رفتن نیز همان دفتر پیش آرند و احتیاط ۲۱۲۱ ب
کنند و اگرنه پادشاه بر ما غضب کنند ، فی الجمله[۵۳] نبشتند * و در جمعه نوزدهم[۵۴] شعبان
سنه ثلث عشرین از قراول ختای گذشته بدان ولایت در رفته بودند و در جمعه
پانزدهم[۵۵] (نوزدهم؟) محرم سنه خمس و عشرین و ثمانمایه از قراول ختای بیرون آمدند
و از ترس یاغی گری راه چول اختیار کردند ، و در ثامن[۵۶] ربیع الاول از چول گذشته
بسبب آنکه از ختن متوهم بودند چند روز دران صحاری بودند تا در دهم[۵۷] جمادی الاول
سنه المذکور به ختن رسیدند ، و از آنجا کوچ کرده در سادس رجب به کاشغر فرود
آمدند ، و در حادی عشرین رجب از عقبه اندکان گذشتند ، و ازان منزل بعضی براه

---

۵۱ ۱۵ محرم ۸۲۵ه = ۹ جنوری ۱۴۲۲ء ؛ ۵۲ مطلع : شماره و علیه مردم را ،

۵۳ مطلع : الفقه احتیاط کرده ،

۵۴ ۲۹ اگست ۱۴۲۰ء ، مگر بحساب وستنفلد این روز پنجشنبه بود نه جمعه ، و همین طور ۱۵ محرم نیز جمعه نبود بلکه پنجشنبه بود ، اما چنانکه معلوم است در حسابات وستنفلد که درج کتاب (Vergleichungs-Tabellen ...) است فرق یک روز اکثر پدید می شود ، ۵۵ مطلع و نسخه کاترمیر : نوزدهم محرم (نسخه گرانت کالج و دو نسخه دیگر) ؛ هژدهم ربیع الاول ، بهر حال ۱۵ محرم درست نیست ازان رو که در سطور گذشته گفته است که منتصف محرم از سکجو کوچ کردند و قراول از سکجو تنها ... روزه راه بود چنان که از بیانات مصنف (رک بش بعد بالا ، طه ...) اخذ کرد ؛ ۵۶ مطلع : هژدهم ، ۸ ربیع الاول ۸۲۵ه = ۲ مارچ ۱۴۲۲ء ؛ ۵۷ مطلع : نهم جمادی الاخری ، ۱۰ جمادی الاولی ۸۲۵ه = ۲ مئی ۱۴۲۲ء (بقیه حاشیه ص ۵۰)

سمرقند رفته، و بعضی[١] براه قرتگین[٢] و بدخشان در بیست و یکم شعبان بحصار شادمان رسیدند و در غره رمضان المبارک[٣] به بلخ آمد و از آنجا در عاشر رمضان المبارک سنه خمس و عشرین و ثمانمائه بدار السلطنت هراة صانها الله تعالی عن الآفات والبلیات نزول آمدند و بآستان بوس حضرت سلطنت شعاری رسیدند بمنه و کرمه[٤]

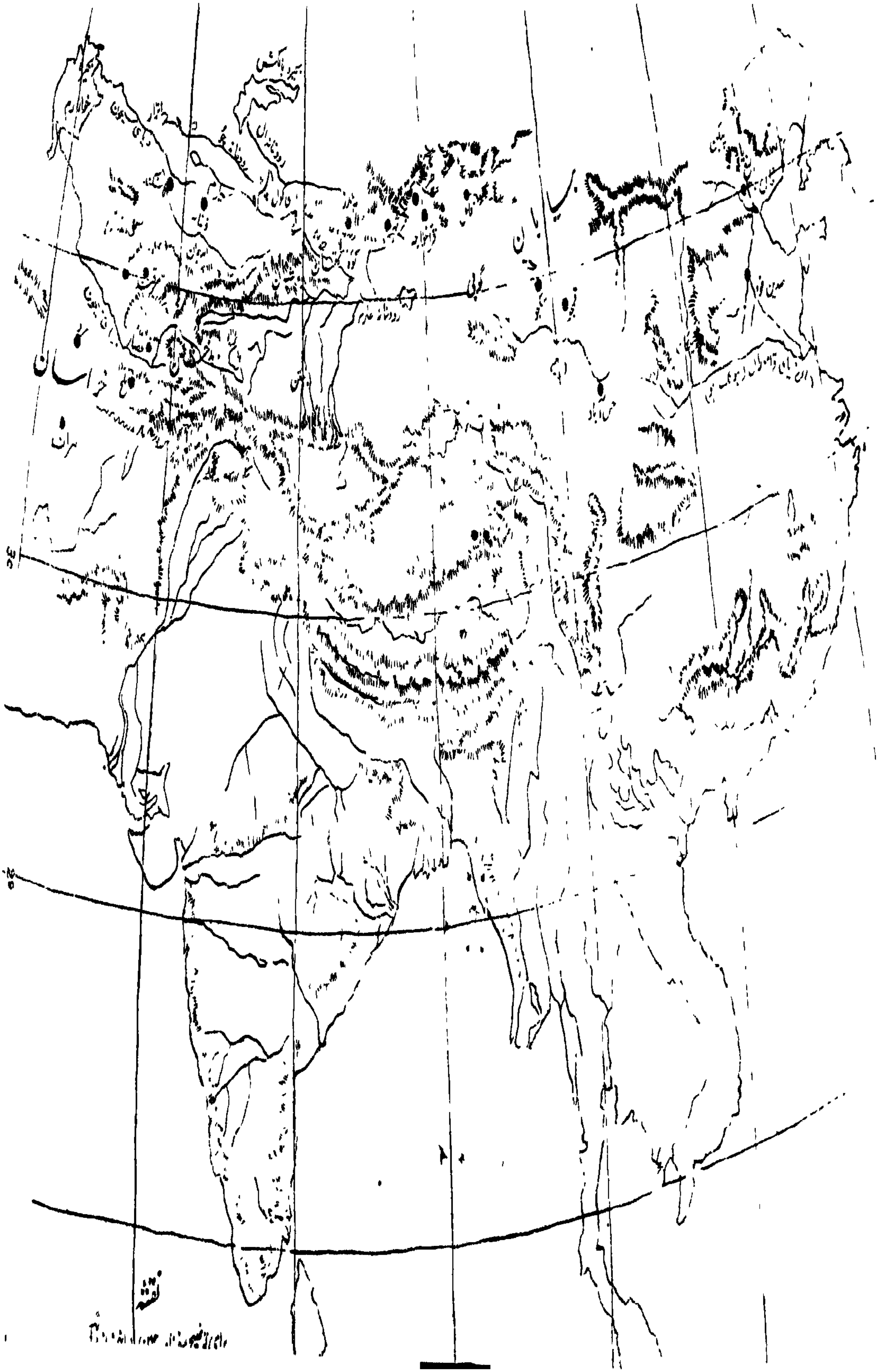
(بقیه حاشیه صفحه ٤٩) ٨ ـ ٦ رجب ٨٢٥ هـ = ٢٦ جون ١٤٢٢ء ، ٩ ـ ١١ جولائی ،

١٠ ـ یعنی براه ترک زبان (دیول) ؛ - اندکان همان اوش است ، ١١ ـ کذا در مطلع ، اما صاحب حبیب السیر می گوید که ایلچیان میرزا الغ بیگ راه سمرقند پیش گرفته

(حاشیه صفحه ٥٠) ١ ـ از کاشغر براه تاش بالیغ و وخش تا حصار شادمان راه بالنسبه بسیار قریب بود ایلچیان را وجهی موجب بوده باشد که راه دور اختیار نمودند (دیول)، رجوع کنید به نقشهٔ هند و کش و بلاد متصله در جلد دوم کتاب یول ، ٢ ـ اصل : قرانکس ، ٣ ـ اصل : بجلبار ،

٤ ـ اصل : غره المبارک ،

فهرست مطالب سفرنامه


خراسان
نقشه

خصوصیاتِ سفرنامۂ چین

دیباچہ میں ذکر آچکا ہے کہ بقول حافظ ابرو اسنے خواجہ غیاث الدین نقاش کے روزنامچہ کا مضمون و محتمل بیان کیا ہے ۔ تاہم گمان غالب یہ ہے کہ مولف مذکور نے خواجہ کے بیانات میں کوئی زیادہ تصرف نہیں کیا ۔ سفرنامہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مصنف نے واقعات اور مشاہدات کو اسطرح بیان کیا ہے ۔ کہ ان کی تصویر کھینچ دی ہے ۔ سفرنامہ کو پڑھتے ہوئے ہم محسوس کرتے ہیں ۔ کہ گویا خواجہ نقاش کاغذ اور قلم دوات لیکر ہمارے سامنے یادداشتیں لکھ رہا ہے ۔ جن کو وہ بعد میں مربوط کر کے اپنا سفرنامہ مرتب کرے گا[1] ۔ اس کے علاوہ بیان کی سادگی اور تکلفات سے مصنف کا پرہیز بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ مصنف کوئی انشاپرداز نہیں تھا[2] ۔ یہی سفرنامہ جب صاحب مطلع السعدین اپنی کتاب میں درج کرتا ہے تو اسکی عبارت کو انشا پردازی کے رنگ میں جا بجا رنگتا اور اس میں

---

[1] سفرنامہ کے مختلف حصوں کے ان فہرستوں کو دیکھئے جو خواجہ نے اپنے سفرنامہ میں جا بجا درج کی ہیں ۔ یعنی ماکولات کی فہرست جو ایک شاہی محل کے صحن میں دیکھے ص ۲۲ پر دیکھیں ۔ سپاہیوں کے اسلحہ کی فہرست ص ۲۲ و ۲۶ معہ بڑے تھانوں کی تعداد ص ۱۰ پر ۔ چینیوں کے آلات موسیقی کی فہرست ص ۱۰ و ۳۱ فرنیچر اور سامان خورش کی فہرست جو انھیں قیام خانہ خان بالق میں بہم پہنچائے گئے (ص ۲۷)، علاوہ ان فہرستوں کے ص ۶ معہ اور ۱۹ معہ پر تخلف قمچوا درصدین لوکا اور ص ۱۷ پر چرخ فلک کا بیان اور خان بالق کا حال مندرجہ بالا بیان کی تائید کرتا ہے ۔

[2] صاحب حبیب السیر نے مطلع السعدین سے یہ سفرنامہ لیا ہے ۔ اور شروع میں یہ لکھا ہے کہ خواجہ غیاث الدین نقاش دیوانشل و ہنر سے بے بہرہ نہ تھا ۔ یہ بات مطلع السعدین میں نظر نہیں پڑی ۔ غلام غنی الدین مصنف گنج ... نے ۱۲۳۶ھ میں بظاہر حبیب السیر سے لیکر سفرنامہ درج کیا ہے اور شروع میں لکھا ہے: غیاث الدین نقاش که جوانی بود در ہمہ فن مستعد،

متکلمانہ تبدیلیاں کرتا ہوا چلا جاتا ہے -

بہرحال اس سفرنامہ میں بعض خصائص نحوی و رسم خطی و لغوی ایسے موجود ہیں جو قابل ذکر ہیں - انکو صفحات آیندہ پر بہ تفصیل درج کیا جاتا ہے - لیکن ان خصائص کے درج کرنے سے پہلے دو ایک اور باتوں کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے - جو زبدۃ التواریخ اور مطلع السعدین کے مقابلہ سے معلوم ہوتی ہیں ، مجموعی طور پر اس سفرنامہ کے متعلق دونو مصنفوں کے بیانات معنوی اور لفظی مطابقت رکھتے ہیں - مگر صاحب مطلع السعدین نے چند مقامات پر بعض باتیں حذف کر دی ہیں - اور بعض باتیں بڑھا دی ہیں - اہم باتیں جو مطلع السعدین میں نہیں ہیں یہ ہیں : —

(۱) انواع عقوبات جو چین میں مجرموں کو دی جاتی ہیں - اور جو اس رسالہ کے ص ۳۳/۲ تا ۳۴/۴ پر درج ہوئی ہیں ، صاحب مطلع نے صراحۃً کہا ہے کہ اسنے دانستہ اس بیان کو قبح مضمون کی وجہ سے حذف کر دیا ہے - (دیکھو قاتر میر ص ۳۲۹) ،

(۲) ۳۴/۱۲ تا ۳۵/۵ کا مضمون جس میں نقاش نے لکھا ہے کہ سردی کی شدت کی وجہ سے بہت سے آدمی مر گئے -

(۳) ۴۷/۲ تا ۴۷/۱ کا مضمون جس کا حاصل یہ ہے کہ چین میں ذی عزت لوگوں کے مردوں کو کن رسوم کے ساتھ دفن کیا جاتا ہے -

جو باتیں صاحب مطلع نے بڑھائی ہیں - ان میں سے قابل ذکر یہ ہیں : —

(۱) میرزا بایسنغر نے غیاث الدین کو تاکیداً کہا کہ تمام سفر کا روزنامچہ ساتھ ساتھ لکھتا رہے (قاترمیر ص ۳۰۸) -

(۲) ۱۲ شعبان کو بیابان میں ایلچیوں نے شتر گاو قطاس دیکھا (قاترمیر ص ۳۱۰ - اس رسالہ کا ص ۸ حاشیہ ۲)

(۳ و ۴) وہ عبارت جو اس رسالہ کے ص ۲۸ کے حاشیہ ۳ اور ص ۴۴ س ۱۲ اور

(۵) وہ عبارت جو ۲۴۴ ب (نامہ درویش ساکن شہر) کے مضمون کے بعد شادی (ص ۱۸ حاشیہ ۵ میں درج ہے) خواجہ کے جواب کے عنوان پر مطلع میں درج ہے (رقاتر میر ص ۲۲۶ سطر ۱۰)، یہ عبارت مطلع کے بعض نسخوں میں موجود نہیں ہے۔

بہرحال ان روایات سے گمان ہوتا ہے کہ صاحب مطلع کے سامنے غالباً نقاش کا اصلی سفرنامہ یعنی غالباً وہی اصل جس کا خلاصہ حافظ ابرو نے درج کتاب کیا ہے۔ گو اس بارے میں کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے کہ ہمارے سامنے زبدۃ التواریخ کا صرف ایک ہی نسخہ ہے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ مذکورہ بالا حذفات صرف اسی نسخہ موجودہ میں نہیں ہیں۔ یا سب نسخوں میں نہ تھیں۔

اس سلسلے میں ان دو مقامات کا ذکر بھی کر دینا چاہئے جن میں حافظ ابرو نے اپنی طور پر اپنی طرف سے عبارتیں لکھی ہیں یا روزنامچہ نقاش میں تصرف کیا ہے۔ علاوہ سفرنامہ کی ابتدائی سطور کے اس مؤلف نے ص ۴۳ س ۱۶ پر لکھا ہے: در روز بیست و سیم محرم مذکور نبشتہ بود الخ جس سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ وہ نقاش کا روزنامچہ نقل کر رہا ہے۔ پھر ص ۳۹ س ۱۴ پر اسنے سیورغتمش کے ساتھ نوّر اللہ مرقدہ لکھا ہے جو نقاش نہ لکھ سکتا تھا۔ اسلئے کہ نقاش نے سفرنامہ کا یہ حصہ ۸۲۴ھ میں لکھا ہوگا۔ حالانکہ سیورغتمش ۸۳۰ھ میں مرا، جو زبدۃ التواریخ کی تالیف کا زمانہ ہے۔

اب ہم ان خصائص سفرنامہ کو درج کرتے ہیں۔ جنکی طرف ہمنے اوپر اشارہ کیا تھا۔

خصوصیاتِ نحوی

(۱) استعمال ہرکس و ہریک با فعل جمع، چون ہرکس ازان نمی گذرند (۲۲/۴) ، ہرکس چنان ... شمع و چراغ افروختہ بودند کہ .... (۳۵/۱) ، ہرکس بوثاق خود رفتند (۴۲/۱۲)، ہرکس بطرفی رفتند (۳۹/۵) ، ہریک در دست سلاحی داشتند (۲۲/۵)

(۲) فعل معطوف علیہ غایب جمع کے بعد فعل معطوف کو مفرد غایب لانا مثلاً بیلاکاتی .... رسانیدند و حکایات .... تقریر کرد (۵/۲)، کوچ کردند و چہار پنج فرسنگ می راند (۲۱/۴) ، برگردن او بستند ... وآن گناہگار را روانۂ خان بالق کرد (۵۲/۱) ، طویہا دادند و ترتیب ہا کرد (۴۲/۵) ، بکارد ببریدند و پوست سرش ... از سرش در ربود (۳۳/۴) ، اسپان پای برایشان می نہادند و می گذشت (۳۵/۱)

(۳) فعل معطوف علیہ و فعل معطوف کا اختلاف صور تہای ذیل میں : مثل سگ کہ .... مردہ باشد و در کوچہ زیر پای آوردند بجای آورند (۳۵/۲)

اگر یک سالہ راہ است ہیچ جا نمی تواند بود تا آنجا رسید بجای رسد (۱۵/۲)، او را نمی کشتند و در حبس نگاہ می داشتند بجای می داشتندہا (۳۴/۱)، آن پارۂ آہک بر آن سر ... ریختند و بعد ازان بر دار می بندند (۴۳/۵)، عرابہ آوردند و آن مرداریہا را بار کردند و بیرون شہر مغاکی است آنجا می اندازند (۴۴/۶)

(۴) گرفتن کے ساتھ آغاز فعل کو ظاہر کرنا مثلاً دراسون آوردن گرفتند (۴۱/۱) = لانے لگے، رقص کردن گرفتند (۳۱/۴)، جدا جدا کردن گرفتند (۴۳/۵)، موشک .... دویدن گرفت (۲۳/۱)، قریباً اسی طرح بنیاد کردن کا استعمال مثلاً بنیاد ساز زدن می کنند (۳۰/۳)، بنیاد بریدن می کنند (۴۳/۲)، بنیاد گلہ کرد (۴۴/۶)

(۵) توان کے ساتھ مصدر کا استعمال بجای ماضی کے مثلاً آن زمان بیرون

نمی توان آمدن (۲۸/۶):

(۶) را کو کہیں زاید لانا کہیں حذف کرنا مثلاً آن زمان را = آن زمان (۲۱/۱۲)، گر ایلچیان پیش برند = ایلچیان را (۲۶/۱)

(۷) ضمیر مفرد کو اسم جمع کی طرف راجع کرنا مثلاً مردم حیران می شد (۲۰/۶)، واجیان نیز دید که ایلچیان او آمده بود (۲۶/۵)، اسی ذیل میں ہے یہ جملہ: که ایشان آن است که خبری رسید بکبیدی قوی دیگر رسانیده (۱۴/۱۳)

(۸) آن کا عجیب استعمال مثلاً آن هفت چتر بادشاه آن در چرخ می آید و با آن خورنی روان می شود. وآن آتش باد راسون الخ (۳۰/۲)، هفت چتر آن هریک از رنگی (۲۹/۱۵)، ازان بالا فرو گذارند (۴۸/۱۶)،

خصوصیات رسم خط

جس نسخہ پر یہ متن مبنی کیا گیا ہے۔ اس میں بعض خصائص رسم خط ہیں جو درج ذیل ہیں:-

سبار = سه بار (۱۶/۶)، جب = چوب (۴۹/۴)، دوروغی = دروغی (۴۷/۵)، برخواست = برخاست (۲۲/۱)، خاره تر = خوارتر (۳۵/۴)، بر بالای از کرسی ... و عمارت بر بالای (۲۲/۲) از بالای بگذشتند = بالا (۱۹/۳) بالای کشتیهای = بالای کشتی ها (۱۹/۲)، دیوارها شهر = دیوارهای شهر (۲۱/۴)، ضمناً ایہا دیگر ۱/۱۴ اضافت کی بجاے بعض اوقات یاء لکھی ہے مثلاً قولی بادشاه = قولِ بادشاه (۳۵/۶) جلادی بادشاه = جلاد بادشاه (۴۳/۱۵)، (نیز دیکھو ابن البلخی ۹۷/۱)

خصوصیات لغوی

[تنبیه ۲۶/۱۱ = صفحه ۲۶ سطر ۱۱، و همین طور در هر موضع عدد پائین شمارهٔ صفحه و عدد بالا شمارهٔ سطر را ظاهر می کند]

آش = طعام — ۲۶/۱۱، ۳۰/۲،

آشام (ترکی) = طبقه · stage , step — ۲۰/۳ ببعد

آورد = ارد (ترکی) ۹ — ۱۳/۳ part posterior of a thing (لغات ترکیه)

احتیاط کردن = check , verify — ۲۹/۴ همان دفتر پیش آرند و احتیاط کنند

اختاجی (ترکی) a groom — ۴۳/۱۵

اردو = ۱) محل شاهی — ۲۱/۱۰، ۳۵/۸ اردوی نو، ۳۵/۱۰ باردوی برند و آن عمارتی عالی بود،

۲) royal camp ۴۲/۶، ۴۳/۹

استعداد = ساختگی، سامان — ۱۱/۱۵ جمع استعدادات — ۲۰/۶

افرود = فرود — ۴۴/۵،

بادبیزن خطائی - Chinese hand fan ۲۳/۴، ۳۰/۱، ۳۲/۸ در مطلع بادبزن خطائی را دارد که بخاقان تیمور ۳۹۸/۱۰

باسمه زده stuff on which a design is printed — ۳۰/۱۲

بالش رک به حاشیه ۳ ص ۴۰، معلوم نیست که این لفظ به لفظ مخدّه چه علاقه دارد که مذکور است ذیل وفود ابی سفیان الی کسری در العقد الفرید ج ۱ ص ۱۰۶ طبع ۱۳۲۱ این طور: فالقی الی مخدة کانت عنده ...... حتی وصلت الی خازن له فاخذها واعطانی ثمانمائة اناء من فضة وذهب ... کانت وظیفة المخدة الفا الا ان الخازن اقتطع منها مائتین،

بچنانچه = چنانچه، — ۱۱/۱۱

بچوره (؟) - قسمی از چوب ۱۲/۱۳، (مخوره ؟ ۲۱/۶)

برداشتن (مجلس) بظاهر = طول کشیدن - ۳۱/۶ این مجلس تا آخر نماز پیشین برداشت

بری گویا بمعنی بالا است ۷/۳ دو انگشت بری تیغ می بست = دو انگشت بالا

بسر خود نگاه کنید به سر خود

پلشک نگاه کنید به حاشیه ۶ ص ۲۳،

بنیاد کردن کاری = آغاز کردنش ۳۰/۳ بنیاد ساز زدن می کنند، ۳۴/۲ بنیاد بر بیدن می کنند. نیز نگاه کنید به نگارستان طبع بمبئی ص ۱۲۹، ۱۸ ص ۷، س ۱۶ . بنیاد نماز کرد و به ص ۲۳۶ سطر آخر: بنیاد نقاره زدن کردند

پلنگ رنگ کردار - یعنی مثل رنگ پلنگ که در آن نقطها از رنگ دیگر باشد، ۳۳/۱۰
(این ترکیب را جوینی هم در جهانگشای ۲: ۱۴۰/۱۰ آورده است)

پنجره - lattice, window — ۲۹/۱۴

پوشیدن (۱) = مسقف کردن — ۱۳/۲ برجی سر پوشیده، ۱۳/۵ ایشان پوشش عمارت مجموع خرپشته می سازند، ۱۳/۶ در مازندران بسفال، بیرنگ می پوشند ختاییان بکاشی چینی پوشیده اند، ۲۰/۵ سر آن عمارت بقرنس در آورده و چنان پوشیده که مردم در آن حیران می باشند، ۲۳/۲ صفه های سر پوشیده
(۲) = To cover — ۲۰/۷ سرپوشی از آن جنس بروی می پوشند، ۴۲/۱۳ مقنعه خود بسر پوشید
(۳) = پوشانیدن — ۴۱/۱ خویشان و فرزندان ایشان را جامه پوشید،

پیشانی ۲۸/۹ در پیشانی آن = in front of it مطلع (قاتر صبر ۴۲) در پیشان را بهمین معنی آمده

پیشواز رفتن = استقبال کردن - ۴۱/۱۲

تعصب ۱۰/۵ پیکان بتعصب دوند = run vigorously

تغار = تغار نگاه کنید به حاشیه ۱ ص ۴۴،

اوریئنٹل کالج میگزین لاہور — نومبر ۱۹۳۲ء

تفرّج کردن = تماشا کردن ـ ۱۸/۵ نقاشان عالم می باید که تفرّج آن (خانه) کنند
تیر، ۹/۱۷ خیمهٔ دو تیر (یا دو تیره) = دو چوبه
جامه = قبای پوشیدنی ـ ۵/۶ رک به Indian Book Painting (London 1926) P.35
جامه وار = نوعی از چیت، و پارچه با سمه زده، و بمعنی پارچه که لایق جامه باشد ـ ۱۸/۳ جامه وارهای پادشاهی،
جلاو (۱) عنان اسپ ـــ ۴۳/۱۵ دو اختاجی از چپ و راست جلاوی پادشاه گرفته،
(۲) پیش پیش ـ ۱۵/۸ یاغیان تا یام جلاو می دویدند،
جهت، بجهت کردن = طی کردن ـ ۴۳/۱۲ تا او بیاید و بجهت کنند
جوشان = boiling ... ۴۳/۱۲، ۴۴/۱
جوشه (؟) ۲۹/۶
جینلق (یا جنبلق) (؟) ـــ ۳۰/۱، حاشیه ۲ ص ۲۷
چاو = کاغذ زر ـــ ۴۳/۱ (و دیگر مواضع) رک به حاشیه، ص ۳۲،
چندانچه = چندانکه ۴۶/۱۵
چنگ شدن = شل و خمیده شدن ـــ ۳۰/۵
حقه ۳۰/۳ در حقه بزرگ نهاده که پایها دارد ـ in a large dish on pedestal
حقه بازی = شعبده بازی، بازی گری ـ ۴۲/۱۳
حل = زر حل ـــ ۴۴/۱۱ روا نیست جامهٔ حل کاری یعنی جامهٔ که از طلای محلول بران نقش کرده باشند (بهار عجم)
حوالی = فضا، صحن ـــ ۴۳/۱۰ گرد بر گرد آن حوالی خانها، ۴۶/۶ هر حوالی که بوستک فرش مقدار موئی کج نشده،
خشت فولاد رک به حاشیه ۲ ص ۲۳، در فرهنگ شاهنامه (تصحیح ترز مکان) خشت بمعنی نیزهٔ کوچک، است که آن ریسمان اندازند،

خرابات = ۵/۱۹ — brothels

خرپشته = ماهی پشت (سقف) — ۱۳/۵ (مثل اینست گاو پشت در خرگاه گاو پشت

که کنار از آسمان است)

خفقیدن = ...

خلانیدن = to stick in — ۳۱/۳ گلها و لالها ... در سر خلانیده،

خوازه چوب بندی که بنایان بجهت تعمیر عمارت بر و نشینند — ۲۱/۶ صد هزار چوب

خوازه بسته بودند،

داغ شدن = سوخته شدن، — ۳۲/۱۹ سیخ آهن تافته فرو می برند تا آن سوراخها

داغ شود،

دخمه دستان ...

درافزین در ... wooden or iron rail or fence or balustrade

دروغی = ... — ۱۵/۶ مروارید دروغی ختائی، ۴۷/۵ مویهای دروغی

false hair.



دوشاخه چوبی که دو شاخ دارد و آن را

در گردن مجرمان گذارند ۴۲/۱۳، ۴۵/۱

۴۳/۱ — ... به تصویر،

دی بازان ۳۵/۲ از دی بازان سرما مردند بظاهر

یعنی هنگام شدت سرماست اما در لغات ذکری از و نیافتم، البته دی بدین و دی

بافذر او هفت قلزم می آرد و می گوید که دیبدین روز بیست و سوم (بقول بعض

بیست و هفتم) است از هر ماه شمسی و نیز دی (دسمبر) درین روز مغان عید کنند،

و هم چنان دی بافذر روز هشتم است از هر ماه و درین روز از ماه دی فارسیان عید

کنند، لفظ اول راستائن کاس دی بادین نوشته است،

راستان ۱۳/۱ شخصی براستان خفتیده ... تلقی شد،

روغن داده ... ۲۹/۴ چوبها که درین عمارت بود بجموع ... روغن داده (نیز روغن دار به ۲۶/۱۱)

زده = بسته ـ ۱۵/۳ مویهای برمیان سرگرد زده ؛ بر قیاس شیرازد زدن و فعل زدن = بستن)

زرنشان = زرکار ـــ ۲۳/۱۰ ، ۲۴/۱۱

زهرشاهین ۳۵/۱ آن شب زهر سرماست ... شکستن روبه انحطاط نهاده ... کردن نوشته است)

زیلوچه = پلاس و گلیم کوچک و شطرنجی خورد (هفت قلزم) ـــ ۲۷/۴

ساختگی = سامان (و استعداد ۱۱/۵) ـــ ۹/۱ ، ۲۶/۳ ، ۲۷/۱۲ (مک به جهانگشای جوینی ۲ : ۱۸/۱۲)

سرخود ۷/۹ سرجانه بسر خود تنخانه بود = بجای خود ... بسر خود می‌چرید = باستقلال خود (مک به بهار عجم ؛

سرمه = نوعی از شراب متعارف ترکستان (بهار عجم) ـــ ۸/۱

سطاره = سطر کش ، مسطر ـــ ۹/۱۴ ، ۱۲/۱۰

سرپایه = ... بر سر سرپایه نهاده

سرای = محل پادشاهی ـــ ۲۳/۳ ، ۳۶/۶ (بسیار مکرر)

شانقار مک به حاشیه ۳ ص ۲۹

شاه بلوط = edible fruit of chestnut ۱۱/۶

شیره = خوانچه پایه دار ـــ ۸/۳ (بسیار مکرر)

صندلی - تخت، کرسی، bench - ۱۰/۱، ۲۹/۱ بعد، (بسیار مکرر)

طاقیه نوعی از کلاه که بصورت طاق سازند (بهار عجم) cotton under-cap (۱/۱) - ۳۵/۶

طناب ... ۸، ...

تنبک تفنگ کوچکی است دم دراز که از چوب و سفال سازند و بازیگران در زیر بغل گرفته بنوازند (برهان) ۱۰/ش

... ۱۸، ۲۹/۳ - ... به حاشیه ۳ ص ۲۲ - عرقی = نوعی از مسکرات - ۴۷/۶، ۸

... ۴۷/۳

عودسوز = a censer - ۳۴/۱ ... Indian Book Painting پلیٹ ۲

غایب = آینده - ۳۴/۳ چندین سال غایب

غَلَبَه = انبوه مردمان، crowd - ۱۹/۱۱ غلبهٔ بسیار، ۳۵/۱۶ غلبهٔ دویست هزار آدمی،

۴۲/ش غلبهٔ لشکریان [- ... - مقطع (قادر میر) ص ۳۶۸/۱]

... Many نوشته است و در قرائد ترید (۱/۱)

غُلبه ... به معنی crowd، این را لفظ ترکی مروج مصر گفته)

غمخواری کردن = to look after a thing ۱۸/۱ (... پیشکش) از ایلچیان بستانند و خود غمخواری آن میکردند

فرستند - فرستند - ۴۴/۱

فضا - ... ۲۳/۶ ازین فضا بفضای دوم رفتند ۴۶/۱ بفضای اول که نشسته بودند

فنار - lantern - paper (فرائد ترید) ۳۵/۱۱

قالبی = ۴۲/ش دیوار قالبی یعنی دیواری که به قالب می‌سازند،

قبرغه = (ترکی) = rib - ۳۴/۵

قراو = (؟) ۱۰/۵ قراو خوردند

قُلّاب = hook - ۱۹/۱، ۳۴/۹

قمی صنیف ؟ - ۳۴/۲۳ قمی مینی که گلاب بدان در شیشه ریزند (و ناژه دارد)

قوش (؟)، ۱۰/۱۵ — قوش دادند،

کاری ۴۰/۹ مردان کاری = مردان جنگی و دلاور (بہار)

کاسه داشتن = کاسه پیش کردن — ۱۰/۱۵ بعد، ۱۱/۹،

کاشی چینی = coloured tiles of porcelain — ۱۳/۶ کاشی تراشی ۳۶/۱۱

کافتن (بار) = to examine — ۴۸/۵

کت = تخت خواب — ۱۲/۵، ۲۷/۲،

کرسی آهن = iron plate — ۱۸/۳

کلمچی = interpreter، ترجمان — ۴۹/۹، کلمه‌چی ہم مطلع (قاتبیر) ۳۶۸/۶، ۱۷،

گلّهٔ پای = بند پای، کعب — ۲۰/۳

کله پوش = a cap — ۳۳/۵

کوشکه = (؟)، — ۲۷/۳،

کینبر = نگاه کنید به حاشیه ۲ ص ۴۰،

گز = نوعی از تیراست که بدان بازی کنند (بہار) — ۳۰/۱ گزوار (مثل تیر پرتاب)

مجموع = all ۹/۱ این ساختگی مجموع از سکچو آورده، (بسیار کاربرد)

everywhere. — ۲۰/۱ در مجموع شہرتی دارد

مخوره = ؟، قسمی از چوب ۲۱/۶ (مخوره بر ۱۲/۱۳)

مغفّر = covered with designs in relief — ۳۴/۱۰ منبّت و مغفّر

مقرنس = برای معنی این لفظ نگاه کنید به حاشیه ۱ ص ۱۳، ۱۷/۱۲ در ہر منظری مقرنس خطائی بسته، ۲۰/۵ سر آن عمارت بمقرنس درآورده

مکرر = unusual = ۳۶/۲ رقص کردند بطریقهای غیر مکرر

موسیچه = پرنده ایست شبیه به فاخته .... و بعضی صعوه را موسیچه می‌گویند و بعضی ابابیل را (هفت قلزم) ۲۲/۳

میانین = middle ـــ ۲۲/۳

نسخہ کردن و نبشتن = بہ قید تحریر آوردن، ـ ۹/۱، ۴

وصلہ = پارچہ؟ ـــ ۴۵/۱۳

یاتوغن = (ترکی، در لغات نوائیہ نوشتہ است کہ یاتوغان آلۂ موسیقی ست کہ او را در فارسی سمتور گویند' (اما سمتور را در لغات نیافتم) ـــ ۱۰/۷

یام = (ترکی) منزل بریدـ ۹/۱، ۱۴/۱۲ (بسیار مکرر)

یام خانہ = post - house ; Dak Bungalow ـــ ۱۲/۳ بعد'

محمد شفیع

فہرست

فارسی ادب کی تاریخ

[ذیل کا مضمون جناب حافظ احمد علی صاحب ناظم کتاب خانہ سرکاری ریاست رام پور کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ علامہ موصوف کو ہندوستان کے ارباب فضل میں جو پایۂ بلند حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ہم اس مضمون کو شکریے کے ساتھ درج کرتے ہیں]

محمد قدرت اللہ شوق صدیقی

مؤلف

تذکرہ تکملۃ الشعراء و تاریخ جام جہان نما

اورینٹل کالج میگزین لاہور مطبوعہ اگست ۱۹۲۹ء کے حصہ اول میں صفحہ ۱۱۲ پر فارسی ادب کی تاریخ کی ذیل میں مضمون ذیل شایع ہوا ہے :-

"(۱۳۹) تکملۃ الشعرا - قدیم و جدید شعراء کا تذکرہ ہے جس میں ابتدا سے محمد شاہ بادشاہ کے عہد تک جس قدر شعرا گذرے ہیں - انکے نام اس میں درج ہیں مصنف کا نام محمد قدرت اللہ صدیقی ہے - گوپامئوان کا وطن ہے انہوں نے ایک عام تاریخ بھی لکھی ہے - جس کا نام جام جہان نما ہے اسکے لئے دیکھئے الیٹ کی تاریخ ہندوستان جلد ہشتم صفحہ ۱۸۴"

یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار سے مصنف تذکرہ تکملۃ الشعراء کے متعلق غلطی ہوئی ہے - اگر وہ الیٹ کی تاریخ میں جلد ہشتم کے صفحہ ۱۸۴ کو مطالعہ فرمالیتے تو یہ غلطی نہ ہوتی - اسوقت تکملۃ الشعرا میرے زیر نظر ہے اور میں کتاب اور مصنف کے متعلق صحیح واقعات پیش کرتا ہوں -

تکملۃ الشعراء جام جمشید

تقطیع کتابت علاوہ جدول ۷½×۴ انچ سطر ۲۱ صفحہ ۵۱۸ - نوشتہ حافظ غلام محی الدین فرزند مولوی جان محمد بروز پنجشنبہ غرہ شعبان ۱۲۱۵ھ در شہر مصطفیٰ آباد عرف رام پور برائے صاحبزادہ مظفر علیخان - لوح و جدول و باریکا رنگین - خط نستعلیق مایقرا - عنوان شنجرف

مؤلف دیباچہ میں کہتا ہے کہ جب میں تاریخ جام جہان نما کی تحریر سے فارغ ہوا تو بعض دوستوں نے کہا کہ تاریخ جام جہان نما میں فارسی شعرا کا تذکرہ نہیں ہے اس لئے بطور تکملہ کتاب انکے حالات بھی لکھو - لہذا دوستوں کے حکم کی تعمیل میں یہ تذکرہ لکھا - شعرا کے حالات کے لئے شعراء متقدمین و متاخرین کے تذکروں کا فراہم کرنا مشکل تھا - اسلئے تذکرہ علی قلی خان شش انگشتی والہ تخلص اور تذکرہ سراج الدین علی خان سے حالات لئے - تذکرہ سرخوش - غلام علی آزاد - اور منتخب اللطائف رحم علیخان وغیرہ سے بھی حالات جمع کئے -

اوّل مقالہ میں شعرائے عرب - اور مقالہ دوم میں شعرائے عجم کے حالات ہیں - صفحہ ۱۶ سے بہ ترتیب حروف تہجی شعرا کے حالات شروع ہوتے ہیں -

شعرا کے نام بقید حروف تہجی لکھے ہیں - اور صفحات حسب ذیل ہیں -

صفحہ ۷ مقدمہ در بیان لطائف سخن - ۱۰ مقالہ اوّل شعرائے عرب - ۱۴ مقالہ دوم شعرائے عجم - ۱۶ باب الالف - ۸۲ - باب الباء - ۱۲۵ باب التاء ۱۴۱ باب الثاء - ۱۴۷ باب الجیم - ۱۶۸ باب الحا - ۲۰۰ باب الخا - ۲۲۲ باب الدال - ۲۳۲ باب الذال - ۲۳۶ باب الراء - ۲۵۹ باب الزاء - ۲۶۴ باب السین - ۲۹۷ باب الشین - ۳۲۶ باب الصاد - ۳۵۴ باب الضاد - ۳۸۵ باب الطا - ۳۶۹ باب الظا - ۳۷۲ باب العین - ۴۲۲ باب الغین - ۴۴۰ باب الفا - ۴۶۳ باب القاف - ۴۸۲ باب الکاف - ۵۰۶ باب اللام - ۵۱۰ باب المیم

۵۰۷ باب النون - ۶۳۵ بابِ الواو - ۶۸۵ باب الہا - ۶۹۴ باب اللام الف - ۷۱۱ باب الیا -
اس تذکرہ میں مصنف نے نہ اپنا کلام درج کیا ہے اور نہ کوئی اپنا حال لکھا ہے -
البتہ جن لوگوں سے ملاقات ہوئی ہے یا جن سے قرابت تھی ان کا اختصار کے ساتھ کہیں ذکر کیا ہے - صفحہ ۸۰ پر حافظ امیر الدین امیر تخلص ابن شیخ عبد الجلیل بداؤنی کی نسبت لکھتے ہیں

" باین مؤلف رابطہ برادرانہ داشت . . . . . گاہے شعر ریختہ ہم میگفت چنانچہ در تذکرہ حقیقت الشعرا اشعار او اکثر نگاشتہ شد - رحیم علیخان ولد بہرہ مند خان نبیرہ نواب پردل خان ایمان تخلص کے متعلق کہتے ہیں -

" صاحب تذکرہ جامع اللطائف است . . . . باین ہیچ مدان ہم ملاقی شدہ"

صفحہ ۱۱۴ پر ہے : -

" شاہ قدرت اللہ بلیغ ساکن اولدہن صاحب ہفت دیوان . . . . . باین راقم الحروف بہ نسبت ہمنامی ربط و دوستی کمال داشت "

صفحہ ۲۲۹ پر لکھتے ہیں : -

" دوست علی پسر قاضی عبد الخالق متوطن قصبہ جلیسر . . . در ہندی عشق تخلص میکرد - قبل از ہنگامہ مرہٹہ و شکست افاغنہ برای تلاش روزگار در کیتھر ہم آمدہ بود چنانچہ ازین فقیر ہم در بلدہ آنولہ و بسولی ملاقات شدہ بود - مدتی مدید صحبت آشنایانہ و بی تکلفانہ ماند . . . . . و غزلیات طرحی باتفاق گفتہ می شد"

لیکن اسوقت تک تذکرہ حقیقت الشعرا جس میں اردو کلام جمع کیا ہے میری نظر سے نہیں گذرا -

تاریخ جام جہان نما

مولوی قدرت اللہ شوق کی یہ تاریخ ہے -

تقطیع کتاب ۷¾ × ۱۲ انچ - سطر ۲۳ - خط شکست معمولی نوشتہ دست مصنف
جدول رنگین - حاشیہ پر کہیں کہیں اضافہ مضامین - صفحات ۵۲۷ -

آغاز کتاب :- " خالی گوہری کہ زینت تاج سروران و پیرایہ زیب افسران اہل
کشوران باشند"

مؤلف نے اس تاریخ کو سنہ ۱۸ جلوسی شاہ عالم مطابق سنہ ۱۱۹۱ھ سے لکھنا شروع
کیا اور سنہ ۱۱۹۹ھ میں ختم کیا - تاریخ کو ایک مقدمہ انتالیس طبقات اور ایک خاتمہ پر مرتب
کیا -

صفحہ ۱۸ مقدمہ بیان مرور ادوار و ظہور کائنات - ۳۱ طبقہ اول ذکر انبیا تا خاندان بنی عدنان
۶۶ طبقہ دوم حکما از لقمان تا بزرجمہر - ۶۰ طبقہ ۳ سلاطین عجم - ۹۴ طبقہ ۴ ملوک عرب - ۱۰۱ طبقہ
۵ ظہور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تا خلافت راشد - ۱۸۵ طبقہ ۶ سلطنت بنی امیہ -
۲۱۰ طبقہ ۷ بنی عباس - ۲۲۱ طبقہ ۸ سلطنت سامانیہ - ۲۲۳ طبقہ ۹ سلاطین غزنویہ -
۲۲۶ طبقہ ۱۰ دیلمیان - ۲۲۹ طبقہ ۱۱ سلاطین غوریہ - ۲۳۲ طبقہ ۱۲ سلاجقہ - ۲۴۳ طبقہ
۱۳ اتابکان - ۲۴۶ طبقہ ۱۴ قراختائیان - ۲۴۷ طبقہ ۱۵ سلاطین خراسان - ۲۴۸ طبقہ
۱۶ سلاطین ایران عہد بنی عباس - ۲۴۹ طبقہ ۱۷ حکومت اولاد زیار - ۲۵۳ طبقہ ۱۸ ملوک
طبرستان - ۲۵۹ طبقہ ۱۹ ملوک مازندران یعنی ملک الجبال - ۲۶۲ طبقہ ۲۰ اسمعیلیان -
۲۶۶ طبقہ ۲۱ ملوک عثمانیہ تا سلطان محمد بن سلطان ابراہیم - ۲۶۹ طبقہ ۲۲ قیاصرہ - ۲۷۳
طبقہ ۲۳ خاقان ترک ۲۷۵ طبقہ ۲۴ مغل - ۲۹۲ طبقہ ۲۵ فروع مغول - ۲۹۷ طبقہ
۲۶ امیر تیمور - ۳۰۶ طبقہ ۲۷ اوزبکیہ - ۳۰۸ طبقہ ۲۸ صفویہ - ۳۱۱ طبقہ ۲۹ اقالیم سبعہ -
بیان ہندوستان و راجہا قبل از اسلام - ۳۲۸ طبقہ ۳۰ فرمانروایان ہند - ۳۵۴ طبقہ
۳۱ سلاطین مسلمین دہلی - ۵۱۱ طبقہ ۳۲ سلاطین اطراف ہند بہمنیہ وغیرہ - ۵۲۲ طبقہ ۳۳
سلاطین گجرات - ۵۳۰ طبقہ ۳۴ سلاطین و حکام ٹھٹھہ - ۵۳۳ طبقہ ۳۵ سلاطین بنگالہ -

۵۳۹ طبقہ ۳۶ سلاطین جون پور - طبقہ ۳۷ سلاطین مالوہ - ۵۴۳ طبقہ ۳۸ سلاطین کشمیر ۵۵۰ طبقہ ۳۹ سلاطین ملتان - ۵۵۴ خاتمہ درذکر اصحاب و اولیا و علمار محدثین ۵۵۵ صحابہ کرام - ۵۶۹ تابعین و تبع تابعین - ۵۷۷ علمائے محدثین - ۵۸۲ اولیا - ۶۵۴ نسائے عارفہ - ۶۵۶ اولیائے ہند - ۷۲۸ حکما و علمار مسلمین - ۷۴۷ تتمہ کتاب درحقیقت انساب خود مؤلف -

مؤلف کتاب مولوی قدرت اللہ تخلص شوق ولد شیخ قبول محمد ولد شیخ محمد عابد ولد شیخ عبدالرحیم ولد شیخ کمال کی ولادت موضع موی تحصیل بہیڑی ضلع بریلی میں ہوئی - یہ جگہ اس زمانہ میں ریاست رام پور کے زیر نگین تھی - اودھ کی ماتحتی سے ریاست رام پور نکل کر برٹش اقتدار کے تحت میں آئی - تو یہ تمام حصۂ ملک ریاست رام پور سے جدا ہوگیا - اور اسی روز سے رام پور سے ان لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ کم ہوگیا - اس سے قبل موی کے قاضی زادوں کا ایک محلہ رام پور میں علیحدہ آباد تھا جو اب تک قاضی کی گلی کے نام سے مشہور ہے اور مولوی قدرت اللہ مرحوم کے خاندان کے آدمی اس میں آباد تھے - اور اب بھی کچھ لوگ موجود ہیں - اور اسی خاندان کے کچھ لوگ بچھراؤں ضلع مرادآباد میں آباد ہوگئے - فی الحال موضع موی کے بڑے جاگیر دار قاضی عنایت احمد زندہ ہیں اور موی کے آس پاس کے دیہات پر قابض ہیں -

اپنا حال مولوی قدرت اللہ نے خود جام جہان نما اپنی تاریخ میں جو انہیں کے قلم کی لکھی ہوئی ہے - یوں لکھا ہے :-

"میرے جد بزرگوار شیخ کریم اللہ شہید و خواجہ نصیرالدین صدیقی اوحدی سید ناصر وسید ابراہیم کی رفاقت میں مع چھ ہزار سوار کے رائے پتھورا سے جنگ کے لئے آئے - سنپت کے نواح میں فروکش ہوئے - رائے پتھورا سے جنگ ہوئی - سید ناصر اور سید ابراہیم اس معرکہ میں شہید ہوگئے - میرے دادا خواجہ

کرم اللہ و خواجہ نصیرالدین قوم بنی صدیق سے تھے وہ بھی شہید ہو گئے ۔ چنانچہ ان دونوں کے مزار سنپت میں مشہور ہیں ۔ چند ایام کے بعد میران سید حسین خنگ سوار ہندوستان میں آئے ۔ اور اجمیر میں شہید ہوئے خواجہ کرم اللہ و خواجہ نصیرالدین کی اولاد بھی میران سید حسین کے ساتھ تھی وہ لوگ پھر سنپت میں آ گئے ۔ اور وہیں آباد ہو گئے ۔ خواجہ کرم اللہ کے پانچ بیٹے تھے ۔ شیخ شمس الدین ۔ خواجہ داؤد ۔ خواجہ حسن ۔ خواجہ فتح اللہ اور خواجہ محمد الدین یہ لوگ خواجہ کرم اللہ کے مزار پر مقیم ہو گئے ۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے ان کو اپنے پاس رکھا ۔ خانی کا خطاب دیا اور بڑے بیٹے شمس الدین کو پنج ہزاری منصب عطا کیا اور بقیہ بھائیوں کو پرگنہ باری و بیانہ میں جاگیر عطا کی ۔ ان کا حال تاریخ مبارک شاہی اور طبقات اکبری میں موجود ہے ۔ بیانہ کے قیام کے بعد شمس الدین خان سے احمد خان ۔ محمد خان ۔ محمود خان تین بیٹے پیدا ہوئے ۔

شمس الدین خان کا حال محمود شاہ کی سلطنت کے ضمن میں بیان کر چکا ہوں ۔

محمد خان کا حال خضر خان کی سلطنت کے ضمن میں اور محمود خان کا حال بہلول لودھی کے حالات میں درج کر چکا ہوں ۔ محمود خان کے دو لڑکے چاند خان اور نصرت خان ہوئے ۔ نصرت خان کے بیٹے برہان خان اور چاند خان کے بیٹے جمال خان ہوئے ۔ جمال خان کے بیٹے محمود خان ثانی اور انکے بیٹے رکن خان ۔ اور ان کے بیٹے نظام خان تھے ۔ نظام خان کا حال بابر کے عہد حکومت کے سلسلہ میں بیان کر چکا ہوں ۔ نظام خان کے تین بیٹے تھے علاول خان ۔ نصرت خان ۔ حاتم خان ۔ حاتم خان کے تین بیٹے رستم خان ۔ داؤد خان ۔ اور محمد خان ہوئے ۔ اور انکی اولاد بیانہ میں موجود ہے اور سب صاحب دولت ہیں ۔

ایک زمانہ کے بعد برہان خان بن نصرت خان بن محمود خان بن شمس خان نے خانی کا خطاب ترک کر کے توکل اختیار کیا ۔ خانقاہ میں ذکر الٰہی میں مصروف رہتے تھے ۔ اور شیخ برہان الدین کے نام سے مشہور ہوئے ۔ شیخ برہان الدین کے بیٹے شیخ معین الدین ہوئے

اور باپ کے قدم بقدم تھے شیخ معین الدین کے بیٹے شیخ سراج الدین عرف میٹھن اور شیخ کبیر الدین تھے۔ ان کے چچا زاد بھائیوں نے بابر بادشاہ سے کوئی شکایت کی۔ سپاہی فوج وہاں بھیجی گئی جدال و قتال ہوا۔ سراج الدین بعمر بارہ سال اور کبیر الدین بعمر آٹھ سال وہاں سے بھاگ کر سنبھل میں شیخ زین الدین علی سہروردی انصاری کی خدمت میں آئے۔ شیخ زین الدین علی نے اپنی لڑکی کا نکاح کبیر الدین سے کر دیا۔ علاول خان خلجی کو پرگنہ اجاؤں کی خدمت ملی۔ وہ شیخ زین الدین علی کا مرید تھا۔ اسنے اپنی لڑکی کا نکاح سراج الدین عرف میٹھن سے کر دیا۔ شیخ زین الدین علی کی وفات کے بعد بعہد ہمایوں دونوں بھائی سنبھل سے پرگنہ اجاؤں میں آ گئے۔ اور علاول خان کی وفات کے بعد سرولی پرگنہ آزین کوہ کمایوں کے دامن میں آباد ہوے۔ راجہ تاج خان قوم کٹھیریہ اسوقت زمیندار اور حاکم دامن کوہ کمایون کا تھا۔ اسنے موضع موی عملہ پرگنہ کابر کہ فی الحال میرا مسکن ہے۔ مع بارہ گانون کے عطا کیا۔ شیخ سراج الدین عرف میٹھن کے چار بیٹے تھے۔ یعنی اسمعیل حافظ اسحق۔ خواجہ احمد۔ اور شیخ کمال۔ انکی اولاد کثیر ہوئی۔ سب کی اولاد اسوقت موجود ہے۔ شیخ کمال مؤلف کے جد کلان کے تین لڑکے ہوے۔ شیخ عبد الکریم۔ شیخ عبد الرحیم۔ اور شیخ عبد الواحد۔

شیخ عبد الکریم کی نسل منقطع ہو گئی۔ شیخ عبد الواحد سے شیخ لطف اللہ۔ ان سے شیخ نور محمد۔ محمد عاقل۔ فضائل پناہ قاضی رعایت اللہ پیدا ہوے۔ شیخ محمد عاقل سے زبدۂ علماء متاخرین مولوی محمد مقیم پیدا ہوے۔ مولوی محمد مقیم کی تصانیف سے حاشیہ شرح وقایہ۔ رسالہ علم کلام و فقہ اور فارسی کی مثنویاں وغیرہ ہیں۔

شیخ عبد الرحیم سے شیخ محمد عابد پیدا ہوے جو میرے جد حقیقی ہیں اور دنیوی شوکت و حشمت بہت تھی۔ شیخ محمد عابد سے شیخ الہ یار اور میرے والد شیخ قبول محمد پیدا ہوے۔

یہ نسخہ مؤلف کے قلم کا لکھا ہوا ہے ۔ اور مؤلف نے اسکو دوم رمضان ۱۱۹۹ھ
میں ختم کیا ہے ۔
گزارش ہے قدرت اللہ کے نام کی وجہ سے اورینٹل کالج میگزین میں صاحب
مضمون نے دھوکا کھایا ہے ۔ یہ قدرت اللہ شوق گوپامؤ کے نہیں ہیں ۔
ان کا حال تذکرہ کاملان رام پور مطبوعہ میں ان کے استاد مولوی غلام طیب بہاری
کے ذکر میں بھی آگیا ہے ۔

دحافظ) احمد علی خان ناظم سرکاری
کتاب خانہ رامپور سٹیٹ

غزل

شنیدہ ام کہ برین طارم زراندودست
خطی کہ عاقبت کار جملہ محمودست
ز تاب قہر میندیش و ناامید مباش
کہ زیر سایۂ جودست ہرچہ موجودست
مرا ز حال قیامت شد این قدر معلوم
کہ لطف دوست ہمہ آن کند کہ بہبودست
مگر کہ ہم کرم او کند تدارک ما
وگرنہ کیست کہ او دامنی نیالودست
حذر کن از نفس گرم آذری زنہار
کہ آہ سوختہ مقبول حضرت جودست

ہندوؤں کا فارسی لٹریچر*

(از ۱۱۲۴ھ تا ۱۲۲۱ھ)

(۲)

قصص و حکایات

(۱) فرح بخش[1] (قبل از ۱۱۳۵ھ) مصنفہ لچھمی رام

(۲) داستان لال پری[2] (۱۱۲۴ھ) مصنفہ رنجیت رائے

(۳) رنگین بہار[3] (۱۱۵۵ھ) مصنفہ کرپا دیال

(۴) ہیر رانجھا[4] (۱۱۵۷ھ) مصنفہ منسا رام منشی

(۵) قصہ نوروز شاہ[5] (۱۱۵۷ھ) مصنفہ اودت چند

(۶) لطافت مقال[6] (۱۱۸۱ھ) مصنفہ دلپت رائے - یہ تاریخی حکایات کا مجموعہ ہے جس میں مغل شاہنشاہوں اور امیروں کے متعلق کہانیاں جمع ہیں - یہ کتاب مہاراجہ مادھو سنگھ کی فرمایش پر مرتب کی گئی تھی (مہاراجہ کی زندگی کے لئے دیکھو ٹاڈ راجستان ج ۲ - ص ۳۶۹) - اس کتاب کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے -

(۷) گلستان[7] (۱۲۱۱ھ) مصنفہ شفیق اورنگ آبادی

---

[1] ریو - ج ۲ - ص ۷۶۸ ۔ [2] ایناف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال - عدد ۲۰۴ ۔ [3] ریو - ج ۲ - ص ۷۸۰ ۔
[4] ریو - ج ۲ - ص ۷۷۰ ۔ [5] ایضاً [6] ریو - ج ۳ - ص ۱۰۰۵ ۔
[7] انڈیا آفس کٹالاگ (ایس - براؤن) ۱۵۳ : انڈیا آفس عدد ۵۵۸ ۔ * اصل مضمون انگریزی میں ہے جہاں سے کچھ فہرست تنسیخ کے ساتھ ترجمہ کیا گیا ہے ۔

(۸) پرورتی نرورتی[1] (۱۳ صدی ہجری) مصنفہ لالہ رنجیت

(۹) قصہ ملک محمد و شہر بانو[2] (۱۲ صدی ہجری) مصنفہ لچھمن سنگھ غیوری - اصل کتاب اردو میں تھی - غیوری نے شاہ عالم ثانی کی فرمایش پر اسکا فارسی میں ترجمہ کیا -

مترجمات

(۱) مخزن العرفان[3] (۱۱۲۹ھ) مصنفہ روپ نرائن

(۲) گلشن اسرار[4] (۱۱۳۲ھ) مصنفہ نیہ نرائن

(۳) رسالہ در مدح شیو جی } مصنفہ کشن سنگھ نشاط[5]

(۴) عین الظہور } مصنفہ کشن سنگھ نشاط

(۵) بھگت مال[7] (۱۱۶۲ھ) مصنفہ لال جی داس

(۶) محیط معرفت[6] (۱۱۶۷ھ) مصنفہ ستی داس عارف

(۷) پوران ناتھ پرکاش[8] (۱۱۹۰ھ) زور آور سنگھ

(۸) رسالہ کرپارام[9] (۱۱۹۰ھ) مصنفہ منشی کرپارام کایستھ

(۹) چھتر منّا تم[10] (۱۲۱۸ھ) مصنفہ کرن سنگھ

(۱۰) ... نامہ[11] } مصنفہ منشی ولارام

(۱۱) ... بدست کاے } مصنفہ منشی ولارام

---

[1] ... عدد ۷۶۵ [2] ... عدد ۸۳۸ [3] ریو - ج ۱ - ص ۶۴ [4] ریو - ج ۳ - ص ۹۱۷

[5] ریو - ج ۲ - ص ۷۹۵ ، انڈیا آفس عدد ۱۹۵۸ ؛ ایضاً عدد ۱۹۶۱ [6] ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کرزن کالکیشن عدد ... [7] ... [8] ریو - ج ۱ - ص ۶۳ [9] باڈلین لائبریری عدد ۱۹۵۹ و ۱۹۶۲

[10] ... [11] ... ج ۱ - ص ۶۴

علم الحساب

(۱) دستور الحساب (۱۱۸۱ھ) مصنفہ اندرمن منشی
(۲) زبدۃ القوانین (۱۲۱۱ھ) مصنفہ منشی ہرسکھ رلے
(۳) مجمع الحساب (۱۲۰۲ھ) مصنفہ گہاسی رام۔ اسکا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔
(۴) رسالہ حساب (زمانہ معلوم نہیں) مصنفہ انندرام کایستھ۔ اسکا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔

ہیئت و نجوم

(۱) زیج محمد شاہی (۱۱۴۰ھ) مصنفہ راجہ جے سنگھ کچھواہہ - اس راجہ کا اصل نام راجہ بجے سنگھ تھا - اورنگ زیب کے زمانے میں بہت سے ذمہ داری کے عہدے ل پر سرفراز رہا - محمد شاہ کے زمانے میں آگرہ کا صوبہ دار تھا - عام طور پر اسے مرزا راجہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا - راجہ نے جب محسوس کیا - کہ مروجہ تقاویم میں بہت سے نقائص ہیں - تو اس نے اس معاملے میں محمد شاہ بادشاہ دہلی سے گفتگو کی - بادشاہ نے راجہ کے ساتھ اتفاق کیا - اور اصلاح و ترمیم کا مشورہ دیا - راجہ نے بہت سے ہیئت دانوں کو بلایا اور بہت سی الواح (tables) تیار کروائیں - پھر پادری پیتول کے ساتھ بعض قابل ماہرین ہیئت کو یورپ روانہ کیا - تاکہ وہاں کی الواح سے مقابلہ کیا جا سکے - یہ لوگ جب یورپ سے واپس آئے تو اس کے بعد یہ زیج تیار کی گئی - کتاب تین مقالات پر مشتمل

لہ ریو - ج ۱ - ص ۹۹۵

ہے ۔ اسکے دیباچے کا ترجمہ ڈاکٹر ہنٹر نے کیا ہے ۔ اور ایشیاٹک ریسرچز (ج ۵ ص ۱۷۷) میں موجود ہے [راجہ اور زنیج کے لئے دیکھو ۔ [۱] ٹوڈ راجستان ۔ ج ۲ ۔ ص ۳۵۶ ۔ مآثر عالمگیری ص ۳۲۴ : ریو ۔ ج ۲ ۔ ص ۴۶۰]

لغات

اس عہد میں بعض نہایت مستند اور ضخیم لغات تیار ہوئیں ۔ اس زمانے میں جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے ۔ مفردات الفاظ کی بجائے محاورات و اصطلاحات کی طرف زیادہ توجہ تھی چنانچہ مرآۃ الاصطلاح، مصطلحات وارستہ اور بہار عجم ہر سہ محاورات و مصطلحات پر مشتمل ہیں ۔ ہم اس میگزین میں مرآۃ الاصطلاح[۱] اور وارستہ[۲] پر مفصل مضامین لکھ چکے ہیں ۔ اس لئے ذیل کی سطور میں صرف ان کے ذکر پر اکتفا کرینگے ۔ البتہ بہار عجم کا حال قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے ۔

(۱) مرآۃ الاصطلاح مصنفہ انند رام مخلص[۱]

(۲) مصطلحات وارستہ مصنفہ سیالکوٹی مل وارستہ[۲]

(۳) بہار عجم مصنفہ ٹیک چند بہار

(۴) ہفت اختر (۱۱۸۲ھ) مصنفہ کاسی[۳]

(۵) آمدن نامہ[۴] (بعد از ۱۲۱۴ھ) مصنفہ سکھ رام داس

بہار عجم ۔ یہ عجیب بات ہے کہ بہار عجم کو ہندوستان میں جتنا قبول عام حاصل ہوا ۔ رائے ٹیک چند بہار کے حالات اسی قدر کم ملتے ہیں ۔ ہم عصر تذکرہ نویس بھی نہایت

---

۱ اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۲۹ء ؛ ۲ ایضاً بابت مئی ۱۹۲۹ء ؛

۳ ریو ۔ ج ۳ ۔ ص ۱۰۱۲ ؛ ۴ ریو ۔ ج ۲ ۔ ص ۵۲۱ ؛

ہی معمولی اور مختصر واقعات پر اکتفا کرتے ہیں - اور ہم ان سب کی ورق گردانی کے بعد بھی کسی حد تک تاریکی میں رہتے ہیں - تاہم ہم کوشش کرتے ہیں - کہ بہار کے حالات منتشرہ کو یہاں ایک جگہ جمع کردیں -

رائے ٹیک چند بہار[1] دہلی کا باشندہ تھا - سراج الدین آرزو اور شیخ ابوالخیر خیر اللہ وفائی کے شاگردوں میں سے تھا وہ بہار عجم میں اول الذکر کو سراج المحققین اور ثانی الذکر کو خیر المدققین کے نام سے یاد کرتا ہے -

فتح علی حسینی گردیزی[2] کے ساتھ بہار کے تعلقات و روابط دوستانہ تھے - میر تقی میر بھی[3] اسے اپنے دوستوں میں شمار کرتا ہے -

تذکرہ گلزار ابراہیم[4] کے مصنف کا بیان ہے کہ بہار نے ایران کی سیاحت بھی کی تھی - بہار کو دربار دہلی کی جانب سے رائے یا راجہ کا خطاب بھی ملا تھا - گمان غالب یہ ہے کہ یہ فاضل وہر ۱۱۸۰ھ میں دنیا سے رخصت ہو چکا تھا -

تصانیف - میر حسن[5] اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں :-

"از مستعدان روزگار - شاعر فارسی بود - از اصطلاحات فارسی بسیار خبر داشت از یاران سراج الدین علیخان صاحب بود - تصانیف بسیارے داشت"

لیکن کاش وہ اپنی اختصار پسندی سے تھوڑا سا ہٹ کر ذرا "تصانیف بسیار" کی فہرست دے دیتے - ہم صرف ذیل کی کتابوں سے واقف ہیں :-

(۱) بہار عجم	(۲) جواہر الحروف
(۳) نوادر المصادر	(۴) ابطال ضرورت
(۵) جواہر الترکیب	

---

[1] فہرست ہندوستانی اثریبری ۱ ص ۲۰۱ [2] نکات الشعراص ۱۶۱ [3] سپر نگر - ص ۲۱۱ [4] تذکرہ میر حسن ص ۶۰

[a] بہار کی زندگی کے کچھ اور واقعات مجموعۂ نغز یا تذکرہ شعرائے اردو میر قدرت اللہ قاسم سے ملے ہیں - اصل مضمون کو غلطی سے دہ گئے ہیں۔

ایک اور مصنف[1] کا بیان ہے کہ" بہار ہندی' اردو اور خصوصاً فارسی میں بہت سی کتابیں چھوڑ کر مرا" لیکن بدقسمتی سے مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ کوئی اور کتاب بہار کے ذکر میں نہیں مل سکی - اب ہم بہار عجم پر تبصرہ کرتے ہیں -

بلوخمن صاحب[2] کی رائے ہے - کہ "بہار عجم ایک انسان کے قلم سے نکلی ہوئی سب سے بڑی لغت ہے" یہ متواتر بیس سال کی کوششوں کے بعد لکھی گئی ہے - یکے بعد دیگرے سات نسخے اصلاح و ترمیم کے بعد ملک میں شایع ہوتے رہے - پہلا نسخہ سنہ ۱۷۵۲ء میں شایع ہوا - اور آخری نسخہ سنہ ۱۷۸۲ء میں نکلا - جو آنندرمن کی تصحیح کے بعد طبع ہوا - آج کل جو نسخے بازار میں بکتے ہیں - وہ اسی آنندرمن کے ہیں جسنے پہلے سارے نسخوں کے مقابلے کے بعد اسے ایک خلاصے کے طور پر شایع کیا ہے - بہار نے ایک موقعہ پر شکایت کی ہے کہ اس کے ایک شاگرد نے اسکی کتاب کے مضامین کا سرقہ کر لیا تھا اور مصنف کو ساری شہرت سے محروم کرنے کا عزم کر لیا تھا لیکن معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کونسا شاگرد تھا جسنے اپنے استاد کا حق خدمت اس طریق سے ادا کیا تھا اور غالباً وہ بہار عجم ہی تھی - جسے اس ناحق شناس شاگرد نے اپنانے کی کوشش کی تھی -

بہار عجم کے مآخذ - مصنف نے دیباچے میں سو سے زیادہ کتابیں گنائی ہیں جو مصنف کے زیر مطالعہ رہی ہیں - اور ان سے وقت ضرورت استناد کیا گیا ہے -

ان میں بہت سے دواوین و شروح اور بے شمار کتب انشا و تاریخ درج ہیں - مصنف نے دیباچے میں لکھا ہے کہ پہلی ایڈیشن کے شایع ہوچکنے کے بعد اسے بعض اور کتابیں بھی دستیاب ہوئیں مثلاً مصطلحات الشعرا ' رسالہ مخلص[3] اور ایک اور

---

[1] تذکرہ کریم الدین ص ۵۶ [2] کنٹری بیوشنز ص ۲۸ [3] رسالہ مخلص سے مراد مرآۃ الاصطلاح ہے - بعض کتابوں میں مخلص کاشی لکھا ہوا ہے - یہ صحیح نہیں +

رسالہ ان کے علاوہ تنبیہ الغافلین اور رسالہ میر افضل ثابت سے بھی کافی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

ترتیب ۔ کتاب کی ترتیب میں کوئی خاص جدّت نہیں "استعمال متاخرین" کے نمونے پیش کرنے کی خاطر، عموماً جامی کے بعد آنے والے شعرا کے اشعار بطور سند لائے گئے ہیں۔ اگرچہ متقدمین کے اشعار بھی بالکل نظر انداز نہیں کئے گئے ۔ ایک ایک اصطلاح کے ماتحت کئی کئی اشعار پیش کئے گئے ہیں ۔

مصنف عام طور پر متقدمین اور متاخرین کے مسلمات پر تنقید کرتا ہے۔ ان کے اقوال کی صحت کو پرکھتا ہے ۔ اپنے معیار پر ان کو لاتا ہے اس کے بعد انہیں کتاب میں درج کرتا ہے جیساکہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ خان آرزو کو اپنے فاضل شاگرد کی اس حیثیت کا اعتراف ہے چنانچہ لکھتا ہے[۱]۔

"و بہار عجم و غیرہ کہ از یاران فقیر آرزو ست و مثل او درین عصر بہم نرسیدہ و درین کتاب گاہے با او صلح است و گاہے جنگ است"

مصطلحات وارستہ اگرچہ ایک مختصر سا مجموعۂ محاورات ہے ۔ لیکن اس کے اوریجنل ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ۔ بہار کا اپنا بیان ہے کہ یہ رسالہ پہلی ایڈیشن کے ختم ہونے کے بعد دستیاب ہوا ۔ اور دوسری ایڈیشن میں اس کو بتمامہٗ شامل کر لیا گیا ہے ۔ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہار جن مصطلحات کو وارستہ سے لیتا ہے انہیں بہت کم تبدیلی اور تغیر کے ساتھ نقل کر لیتا ہے ۔ کاش ہمارے پاس بہار عجم کی پہلی ایڈیشن ہوتی ۔ تو ہم زیادہ تیقن اور وثوق کے ساتھ اپنے اس خیال کو پیش کر سکتے کہ بہار عجم ایک ناقص کتاب ہوتی ۔ اگر وارستہ کے مضامین

---

[۱] شعر خان آرزو، (قلمی پنجاب یونیورسٹی) ق ۱۳۴۔

اس میں شامل نہ ہوتے ۔ بہرحال پہلی ایڈیشن ہمارے پاس موجود نہیں اور بجز اس کے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اکثر محاورات کی تشریح بہار عجم اور وارستہ میں یکساں ہے جس کے لئے یہ قیاس صحیح ہو سکتا ہے کہ ان ہر دو مصنفوں کا ماٰخذ ایک ہی ہو ۔

ہمیں افسوس ہے کہ بہار عجم کے سارے ایڈیشن ہمارے پاس موجود نہیں ورنہ ہم ہر نسخے کی خصوصیتوں، ابتدائی نسخوں کے نقائص اور خامیوں، اور مصنف کی آرا و معلومات کی پے در پے تبدیلیوں سے پورے واقف ہو سکتے ۔ اور یہی ایک چیز ہے جو مصنف کی حقیقی عظمت اور رتبہ کی اصلی حقیقت کو ہماری نگاہوں میں متعین کر سکتی تھی ۔ ان حالات میں ہمارے لئے بجز اس کے کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہتا ۔ کہ ہم اپنی تفصیلی رائے کو کسی ایسے وقت کے لئے محفوظ رکھ چھوڑیں ۔ جب اندرون ملک یا بیرون دنیا کا کوئی کتب خانہ بہار کے سارے نسخوں کو بے نقاب کر دے ۔

موجودہ معلومات کی بنا پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بہار عجم مصطلحات و محاورات کی ایک جامع لغت ہے ۔ جو قدما متوسطین و متاخرین کے مختلف مجموعوں کو سامنے رکھ کر مرتب کی گئی ہے ۔ بلوخمن صاحب کی رائے ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ "یہ ایک انسان کے قلم سے نکلی ہوئی سب سے بڑی لغت ہے" ۔ غالباً بہار کی جامعیت ہی اس کے لئے ایک طرۂ امتیاز ہے آصف اللغات کے مصنف[۵] نے اس کتاب پر بہت اچھا تبصرہ کیا ہے : ۔

" مفردات چند و مرکبات بسیار را شامل در اکثر الفاظ از نظایر متعددہ متقدمین و متاخرین سند گرفتہ کہ اکثر آن مرکبات تازہ را نشان می دہد طرفہ ترتیبے دارد کہ اصطلاحات بسیار در شیرازۂ این کتاب مضمر باشند و

۵؎ آصف اللغات ۔ ج ۱ ۔ ص ۵ ،

بیان اکثر استعمالات برون از بیان و در خفای نظایر پنہان است۔ اکثر تمثیلات بر خلاف اصطلاح بعینہ بنظر آمدہ۔ من وجہ جامعیتش پیداست کہ بسیارے در کلام اساتذہ در یک شیرازہ جمع فرمودہ است"

ہم وارستہ کے ذکر میں لکھ آئے ہیں کہ اپنے تمام معاصرین میں وہ ایک شخص ہے جو زبردست تنقیدی نظر کا مالک ہے۔ اور ہم اس خیال کی طرف مائل ہو رہے ہیں کہ بہار اس کے مقابلے میں پست درجہ رکھتا ہے۔ تاہم اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ بہار اس ملکہ سے سراسر خالی ہے۔ وہ بقول خان آرزو اپنے مسلمات پر اصرار کرنے والا اور دوسروں کے اقوال و آرا کو پوری تنقید کے ساتھ قبول کرنے والا شخص ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی خصوصیتیں ہیں جن کی بدولت بہار عجم کو اقران و اماثل میں اتنا امتیاز حاصل ہوا۔ اور بعد میں آنے والے لوگوں نے اسے قبول عام کی عزت بخشی؟ ہمارے خیال میں سب سے بڑی خصوصیت، بہار عجم کی جامعیت ہے۔ ہمیں بہار عجم کے علاوہ کوئی ایسی کتاب معلوم نہیں۔ جس میں فارسی کی اصطلاحوں کو اس استیعاب و احاطہ کے ساتھ جمع کیا گیا ہو۔ وارستہ اعلےٰ ناقد سہی۔ مگر تھوڑے سے جدید و قدیم محاورات کی چھان بین اسے ایک جامع لغت کا رتبہ دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتی اور اس پر طرہ یہ کہ وارستہ تقریباً سارے کا سارا بہار عجم کے صفحات میں آگیا ہے۔ جس شخص کے پاس بہار عجم ہو۔ اسے وارستہ کی ضرورت کہاں باقی رہتی ہے؟ گویا دوسرے الفاظ میں یہ ایک بڑا دریا ہے جسمیں سب چھوٹے دریاؤں کا پانی مل جاتا ہے۔ بہار تیس سال کے طویل زمانے میں تحقیق و تنقید و جمع و ترتیب میں مشغول رہا۔ اور بقول بعض اس نے ایران تک کا سفر اختیار کیا۔ تاکہ وہاں جاکر جدید محاورات فراہم کر سکے۔ یہ تمام واقعات ارباب نظر سے چھپے ہوئے نہ رہ سکتے تھے۔ بہار نے کتاب کی ترتیب سے بہت پہلے اپنے علمی شوق اور ذوق جستجو کا

... لوگوں کے دلوں پر بٹھالیا ہوگا - یہی وجہ ہے کہ بہت تھوڑے عرصے میں بہارِ عجم کا شہرہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچ گیا -

اس کتاب کو اتنی شہرت دوام حاصل ہوئی ہے - کہ ہم اپنے اس خیال کو بغیر کسی تامل کے پیش کر سکتے ہیں کہ اگر ہندوستان میں اس کتاب کے علاوہ کسی ہندو اہل فارس کی اور کوئی علمی کوشش موجود نہ ہوتی - تو بھی بہارِ عجم سارے فارسی لٹریچر میں اپنی نمایاں ترین شکل رکھتی۔

... لغات کے مصنف نے اپنی لغت کی ترتیب میں اس کتاب سے بہت فائدہ کمایا ہے - وہ بعض صورتوں میں بہارِ عجم کی عبارتوں پر جرح کرتا ہے اور بہارِ عجم کے مسلمات کی تردید کرتا ہے - علاوہ ازیں، بعد کے آنے والے مصنفین نے اس لغت سے فائدہ اٹھایا ہے -

اس عہد کے شعرا

ہم بہت سی بالا سطور میں لکھ آئے ہیں - کہ اس عہد میں بہت سے شاعر پیدا ہوئے جن میں سے اکثر کا نام دنیائے ادب میں خاص عزت و امتیاز کے ساتھ لیا جاتا ہے - ہم ذیل میں تمام شعرا کی فہرست پیش کرتے ہیں - ان میں سے اکابر شعرا کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے -

۱ ... ... (۱۲۰۰ھ) - یہ صاحب دیوان تھا - اس کے دیوان میں غزلیات ... ... ہیں - ایک مثنوی سسی پنوں کے نام سے سپرنگر نے اس کی طرف منسوب کی ہے - ... ... گلشن بہار" نام ایک کتاب فن انشا پر لکھی ہے - دیوان کا ایک نسخہ ... آفس[۵۵] میں موجود ہے - شاعر کی وفات ۱۲۰۰ھ میں واقع ہوئی -

---

۵۵ ... ... سپرنگر - ص ۵۰۷، ۵۰۸،

(۲) سبقت[۱] ۔ لالہ دہن راج برہانپوری (۱۱۲۶ھ پیدائش)

(۳) بے تکلف[۲] ۔ لالہ سدانند عم بندرابن داس خوشگو (متوفی ۱۱۲۹ھ) صاحب دیوان

(۴) بیغم ۔ سوامی بھوپت راے بیراگی از قانون گویان پنجاب متوطن پٹن از سرکار جمول (متوفی ۱۱۳۲ھ) ہم اس شاعر کا حال ایک مستقل مضمون کی صورت میں اسی میگزین میں سپرد قلم کر چکے ہیں (ملاحظہ ہو اورینٹل کالج میگزین بابت نومبر ۱۹۲۹ء)

(۵) ہاتف[۳] (۱۱۳۶ھ میں بقید حیات تھا) رلے راجی نام قوم کھتری ساکن انبالہ

(۶) اخلاص[۴] ۔ کشن چند کھتری دہلوی ولد اچل داس کھتری (۱۱۳۶ھ) تذکرۂ ہمیشہ بہار اسی شاعر کی تصنیف ہے ۔

(۷) بہار ۔ اودے بہان دہلوی تلمیذ کشن چند اخلاص (۱۱۳۶ھ) ہمیشہ بہار (سپرنگر ۱۱۹)

(۸) سبقت[۵] ۔ لالہ سکھ راج کایستھ (متوفی ۱۱۳۸ھ) بڑا ہمہ دان فاضل تھا ۔ شاعری میں مرزا بیدل کا شاگرد تھا ۔ سید اسد اللہ خان المعروف بہ نواب الاولیا اور امیر الامرا سید حسین علی خان کی ملازمت میں عمر بسر کی ۔ آخری عمر راجہ گردھر بہادر گجراتی کے ہاں کاٹی ۔ اور وہیں کسی معمولی چپقلش کی بنا پر راجہ کے ساتھ جنگ کی اور قتل ہو گیا "جنگ نامۂ فتح" نام ایک مثنوی سید حسین علیخان کے اعزاز میں شاہنامہ کی طرز پر لکھی ۔ پنج صدی منصب رکھتا تھا ۔

۱؎ گل رعنا (بانکی پور لائبریری ج ۸ ۔ ص ۱۳۲)

۲؎ سفینۂ خوشگو (بانکی پور ۔ ج ۸ ۔ ص ۹۴)؛ گل رعنا (بانکی پور ۔ ج ۸ ۔ ص ۱۲۹)؛ نشتر عشق (قلمی پنجاب یونیورسٹی لائبریری) ج ۱ ۔ ق ۸۹ ۳؎ ہمیشہ بہار (سپرنگر ص ۱۳۰)

۴؎ سپرنگر ص ۱۱۷ ۔ روز روشن ۔ ص ۲۹؛ مخزن الغرائب (قلمی مملوکہ پروفیسر شیرانی)

۵؎ نشتر عشق (قلمی، ج ۱ ۔ ق ۲۲۲)

(۹) بانیہ[۱] - بھوپت رائے (متوفی ۱۱۳۹ھ)

(۱۰) مخلص[۲] - گلاب رائے (۱۱۳۹ھ)

(۱۱) حیا[۳] - لالہ شیو رام کایستھ (متوفی ۱۱۴۴ھ) رائے چھکنی مل (یا بھگتی مل) کا دوسرا لڑکا تھا - مرزا بیدل کا شاگرد و اسد خان وزیر عالمگیر کے ملازمین میں سے تھا - شاعر ہونے کے علاوہ نثر میں طرز خاص کا مالک ہے - "گلگشت بہار ارم" نام کتاب متھرا کی توصیف میں اور چہار عنصر مرزا بیدل کی طرز پر لکھی - ہمیشہ بہار کے بیان کے مطابق صاحب دیوان تھا -

(۱۲) امانت[۴] - لالہ امانت رائے (۱۱۴۵ھ) بڑا پر گو شاعر تھا - بھگت مالا[۵] - بھگوت یا جلوۂ ذات[۶] - ترجمۂ منظوم رامائن - مثنوی نایک[۷] وید وغیرہ اسی کی تصانیف ہیں - اکثر کتابیں مذہبیات و تصوف سے متعلق ہیں بہ حیثیت شاعر بہت بلند پایہ نہیں رکھتا -

(۱۳) فرحت[۸] - لالہ خوشحال چند (متوفی ۱۱۴۷ھ)

(۱۴) بیدار[۹] - منشی ساون لال بیدار ... تلمیذ مظہر جان جاناں (متوفی مابعد ۱۱۴۷ھ)

(۱۵) تمیز[۱۰] - صاحب دیوان سری گوپال برہمن (۱۱۴۸ھ)

---

[۱] گل رعنا قلمی (بانکی پور - ج ۸ - ص ۱۳) سفینہ خوشگو (بانکی پور - ج ۸ - ص ۹۰)

[۲] سفینہ خوشگو ... [۳] سفینہ - ص ۹۹ - نشتر عشق (قلمی) ج ۱ - ق ۵۹، گل رعنا بانکی پور ... ہمیشہ بہار (اسپرنگر ص ۱۲۱)

[۴] ... [۵] گل رعنا (بانکی پور - ج ۸ - ص ۱۳۲)

[۶] ... سفینہ خوشگو ... بانکی پور - ج ۸ - ص ۱۱۲)؛ تذکرہ عشق (اسپرنگر ص ۲۱۲)؛ گل رعنا (بانکی پور ج ۸ - ص ...) [۷] ... خوشگو ... ۱۳۰ بانکی پور - ج ۸ - ص ۱۱۳)

(۱۶) مخلص[1] - انبے داس (۱۱۴۷ھ)

(۱۷) الفت[2] - لالہ اجاگر چند کالیستھ (۱۱۴۷ھ)

(۱۸) شہود[3] - بابو بالمکند (۱۱۴۷ھ)

(۱۹) حضوری[4] - گوزبخش (۱۱۴۷ھ)

(۲۰) ندرت[5] - لالہ حاکم چند (۱۱۴۷ھ)

(۲۱) موزوں[6] - راجہ رام نراین عظیم آبادی (متوفی ۱۱۷۷ھ) شاعر اور شعرا کا قدر دان تھا - کہتے ہیں یہ شعر اسی کا ہے ؎

محروم ماند از تو لب تشنۂ حسین اے آب خاک شو کہ ترا آبرو نماند

(۲۲) خاکستر[7] - منشی سرب سکھ کالیستھ (۱۱۴۷ھ)

(۲۳) مخلص - انندرام (متوفی ۱۱۶۴ھ) اپنے زمانے کا بہت بڑا فاضل تھا - اس کا حال ہم ایک مستقل شذرہ میں کسی گذشتہ نمبر میں لکھ آئے ہیں - جس میں اسکی شاعری پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے - مخلص ایک متوسط درجے کا شاعر تھا اور ہم اسے دوسرے درجے کے شعراء فارسی میں شمار کر سکتے ہیں - مرآۃ الاصطلاح فن لغت میں اسنے خوب لکھی ہے - (تفصیل کے لئے دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۲۹ء)

---

[1] خوشگو - ج ۳ (بانکی پور - ج ۸ - ص ۱۱۳) ؛ گل رعنا (بانکی پور - ج ۸ - ص ۱۴۲)

[2] خوشگو (بانکی پور - ج ۸ - ص ۱۱۲) ؛ گل رعنا (بانکی پور - ج ۸ - ص ۱۲۹) ؛ روز روشن - ص ٦٠ : نشتر عشق (قلمی) ج ۱ - ق ۲۷ [3] خوشگو - ایضاً ، مجمع النفایس (قلمی ، ص ۸۷۴ ؛ گل رعنا (بانکی پور ج ۸ - ص ۱۳۱) [4] خوشگو ایضاً - گل رعنا ایضاً - روز روشن - ص ۱۸۱

[5] خوشگو و گل رعنا [6] ایضاً : نشتر عشق (قلمی ، ج ۲ - ق ۵۴ : گلزار ابراہیم قلمی (سپرنگر ص ۲۵۷)

[7] خوشگو ایضاً ؛

(۲۴) عشرت[1] - سبحے کش (۱۱۶۲ھ) از شاگردان خان آرزو

(۲۵) خوشگو[2] - بندرابن داس (متوفی ۱۱۷۰ھ) از شاگردان سرخوش - تذکرۂ خوشگو اسی کی تصنیف ہے - جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے اپنی ابتدائی تعلیم کے بعد جو بیغم بیراگی اور سدا نند "بے تکلف" کے پاس حاصل کی - ملازمت اختیار کر لی - اس حیثیت سے اس نے ہندوستان کے بہت سے بڑے بڑے شہروں میں قیام کیا - اور وہاں کے تمام شعرا سے ملاقات کا اتفاق ہوا - اس کے تذکرے کی یہی خوبی ہے - کہ شاعر نے اپنے اکثر معاصرین کے حالات اپنے ذاتی معلومات کی بنا پر لکھے ہیں - خان آرزو مجمع النفائس میں لکھتے ہیں "بہرحال شعر او بسیار خوب می گوید و بعض تازگئ مضمون بدست او افتادہ"

خوشگو کا اپنا بیان ہے کہ وہ حکیم شفائی کی طرز کا تتبع ہے - چنانچہ رقعینہ میں لکھتا ہے :- خان صاحب و قبلۂ آرزومندان مدظلہٗ در ایام گذرانیدن مشق شعر بہ فقیر راقم خوشگو مقرر فرمودند - کہ طبیعت تو بطرز شفائی مناسبت تمام دارد - بہتر ازین سرمشقے نخواہی یافت - و بارہا مبالغہ از حد گذرانیدہ بر مسودات فقیر نوشتہ - کہ صاشیانہ چرا می گوئید ؟ شفائی ! شفائی ! شفائی ! چون فقیر اکثر تتبع دیوان حکیم نمودہ ' ازین جہت اورا اوستاد خود می داند" شفائی کی شاعری کی خصوصیت استعارہ ہے - چنانچہ خوشگو اپنے سفینہ میں لکھتا ہے " حکیم شفائی سرخیل قافلۂ استعارہ بندان ست - طرز استعارہ را بعرش الکمال رسانیدہ" خوشگو کا

---

[1] مجمع النفائس (قلمی) ص ۶۴۸ : سہر نگر ص ۱۸۸ . گل رعنا ایضاً : ریو ج ۲ - ص ۱۴ ،

[2] مجمع النفائس (قلمی) ص ۱۹۸ : گل رعنا ایضاً : مخزن الغرائب (قلمی مملوکہ پروفیسر شیرانی صاحب) روز روشن ص ۲۰۹ : انیس العاشقین (قلمی پنجاب یونیورسٹی) ۱۵ - ق ۱۲۶ ،

کلام ہمارے پاس موجود نہیں۔ اس لئے ہم کوئی قطعی رائے نہیں دے سکتے۔ شاعر چونکہ خان آرزو کا شاگرد تھا۔ اس لئے ان کی رائے اس بارے میں خاص وقعت رکھتی ہے۔ وہ اپنے تذکرہ مجمع النفائس میں فرماتے ہیں:۔

"بندرابن داس خوشگو از ماہران لب و لہجۂ ارباب لسان است"

ہماری رائے میں خوشگو کی شہرت کا دار و مدار صرف اس کے تذکرے پر ہے۔ جو جامع اور مفصل ہونے کے علاوہ بہت حد تک صحیح بھی ہے نہ کہ شاعری پر۔ خوشگو کی شاعری کا نمونہ یہ ہے:۔

دہلی خوش است لیک ز یار این چنین خوش است
یار این چنین خوش است و دیار این چنین خوش است

برائے یار تعظیم رقیباں ہم ضرور افتد　　بشوق بت تختیں سجدۂ پیش برہمن کن

موجود گر نبودیم معدوم ہم نبودیم　　امروز از کجائیم گر در عدم نبودیم

(۲۶) شوق[۱] - لالہ تن سکھ رائے (۱۱۸۰ھ)

(۲۷) موبد[۲] - پنڈت زندہ رام (متوفی نزد ۱۱۷۳ھ)۔ صاحب دیوان

(۲۸) آرام[۳] - سندرداس (متوفی بعد از ۱۱۷۴ھ)۔ معنف مثنوی مستی پنڈل

(۲۹) امتیاز[۴] - راجہ دیال (۱۱۷۴ھ)

(۳۰) ثروت[۵] - جگل کشور (۱۱۷۳ھ)

۱؎ سپرنگر۔ص ۱۵۷ ۲؎ ایضاً ص ۵۰۴: ریو۔ج ۲۔ص ۱۴، ۳؎ کپور تھلہ لائبریری کی انگ فہرست از پروفیسر مترا۔ص ۱۰۷ ۴؎ مقالات الشعرا (سپرنگر۔ص ۱۵۴) ۵؎ ایضاً

(۳۱) عزت[1] - سنگھم لال (۱۱۷۴ھ)
(۳۲) نشاط[2] - رائے چھنی مل (۱۱۷۴ھ)
(۳۳) معنی[3] - رائے نجے مل (۱۱۷۴ھ)
(۳۴) عاشق[4] - شورام (متوفی ۱۱۷۹ھ)
(۳۵) موزون[5] - راجہ مدن سنگھ اٹاوی کایستھ (متوفی ۱۱۷۹ھ)
(۳۶) تازہ[6] - لالجی (۱۱۸۱ھ)
(۳۷) دلیر[7] - لالہ دولت رائے برہانپوری (۱۱۹۱ھ)
(۳۸) قدرت[8] - لالہ مشتاق رائے (۱۱۸۱ھ)
(۳۹) ذہن[9] - لالہ روپ نرائن (۱۱۸۱ھ)
(۴۰) مشرب[10] - بھیرے سنگھ اکبرآبادی (متوفی بعد از ۱۱۸۱ھ)
(۴۱) منشی[11] - لالہ فتح چند برہانپوری (۱۱۸۱ھ) صاحب مثنویات در تتبع شوکت بخاری
(۴۲) ہنر[12] - گیان رائے (متوفی ۱۱۹۰ھ)
(۴۳) انیس[13] - موہن لعل - صاحب دیوان
(۴۴) دیوانہ - لالہ سرب سکھ
(۴۵) ولی - پنجاب رائے
} ۱۱۹۷ھ - شاگردان مرزا فاخر مکین

---

[1] مقالات الشعرا (سپرنگر ص ۵۸) [2] مقالات الشعرا (سپرنگر ص ۱۲۰) [3] ایضاً (سپرنگر ص ۱۵۹) [4] گل رعنا (بانکی پور - ج ۸ ص ۱۳۲) [5] ایضاً [6] گل رعنا (بانکی پور - ج ۸ - ص ۱۳۰)؛ روز روشن - ص ۱۲۴ [7] گل رعنا ایضاً [8] گل رعنا (بانکی پور - ج ۸ - ص ۱۳۲)
[9] گل رعنا و روز روشن ص ۲۳۰ [10] مخزن الغرائب قلمی؛ گل رعنا (بانکی پور - ج ۸ - ص ۱۳۳)
[11] گل رعنا ایضاً [12] گل رعنا (بانکی پور ج ۸ - ص ۱۳۴) [13] انیس الاحبا بحوالہ سپرنگر

(۴۶) مختار - سیتل داس
(۴۷) مطیع - رام بخش
(۴۸) بسمل - بھگوانداس
(۴۹) عزیز - شتاب رائے
(۵۰) بیمار - میدنی لال
(۵۱) مائل - مٹھولال
(۵۲) رفیق - داتا رام
(۵۳) سائل - دیبی پرشاد

}۱۱۹۷ھ - شاگردان مرزا فاخر مکین

سرب سکھ دیوانہ[1] (نمبر ۴۴) اردو - فارسی اور ہندی کا اچھا شاعر تھا - میر حیدر علی حیران اور جعفر علی حسرت اسکے شاگردوں میں سے ہیں - اس کے تین دیوان ہیں عشقیہ - دردیہ - شوقیہ کہتے ہیں - مغلی وضع کو بہت پسند کرتا تھا - عام رائے یہ ہے کہ ۱۲۱۴ھ میں دنیائے فانی سے چل بسا -

(۵۴) خوش[2] - انندگھن (۱۲۰۹ھ)
(۵۵) بہجت[3] - الہ ٹکا رام (۱۲۱۲ھ)
(۵۶) شفیق - لچھمی نرائن اورنگ آبادی کا ذکر گذشتہ نمبر میں آچکا ہے - جہاں ہم نے اس کی مؤرخانہ حیثیت پر مختصر سا تبصرہ کیا تھا - شعروشاعری میں وہ

---

[1] روز روشن - ص ۲۲۵ : انیس العاشقین (قلمی) ج ۱ - ق ۱۸۴ ، خمخانۂ جاوید - ج ۳ - ص ۲۱۷ : شعرالہند : گلشن ہند علی لطف ص ۱۰۲ - سپرنگر ص ۲۲۱ : بانکی پور - ج ۰ - ص ۱۳۰ : ڈی ٹاسی - ج ۱ - ص ۴۴۶ تذکرہ شعرائے اردو کریم الدین - ص ۲۸۱ [2] نشتر عشق - ج ۱ - ق ۳۱ - گل رعنا و انیس العاشقین - انڈیا آفس - عدد ۱۷۲۵ [3] ایشیاٹک سوسائٹی بنگال - عدد ۸۸۴ ،

آزاد بلگرامی کے تلامذۂ خاص میں سے تھا۔ اُردو شعر کی اصلاح میر عبد القادر مہربان سے لیتا تھا۔ شفیق بحیثیت شاعر بہت شہرت رکھتا ہے۔ اس کی شاعری کا نمونہ ہمارے پاس موجود نہیں۔ اس لئے کسی رائے کا اظہار نہیں کیا جا سکتا۔ آزاد بلگرامی اور دیگر ارباب علم کی آرا کی بنا پر ہم یہ خیال کر سکتے ہیں۔ کہ شفیق کا رتبہ شاعری میں بہت بلند ہوگا۔ اگرچہ اسکی مؤرخانہ حیثیت شاعرانہ حیثیت سے اعلیٰ معلوم ہوتی ہے۔ مخلص کی طرح شفیق بھی دوسرے درجے کے شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور فارسی کے ہندو شعرا میں بلند ترین لوگوں میں سے ہے کچھ اشعار تذکروں میں ملتے ہیں۔ جن میں سے بعض یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

بر لب نازکِ او بوسہ توان داد شفیق ؎ که مرا یاد کند باز به دشنامے چند

شنیده ام که بسوے شفیق می آئی ؎ بیا بیا که دل و جان ہم نثار خواہم کرد

زخارہاے مغیلان پراست وادئ عشق ؎ شفیق آبله پا می روی خدا حافظ

جو اشعار نظر سے گذرے ہیں۔ اُن میں شیرینی۔ روانی اور لطافت کافی حد تک موجود ہے +

سید محمد عبد اللہ

ریسرچ سٹوڈنٹ پنجاب یونیورسٹی لائبریری

لاہور

تاریخ رزمیاتِ ایران

(بہ سلسلۂ اشاعتِ گذشتہ)

[پچھلے نمبر میں فردوسی کے کیرکٹر پر جو بحث ختم ہوئی۔ اس سے آگے فردوسی کے مذہب پر گفتگو ہے۔ لیکن چونکہ میں اس مبحث کو اس سے پیشتر رسالہ اُردو (بابت ماہ اکتوبر ۱۹۲۴ء) میں شایع کر چکا ہوں لہذا یہاں اسے حذف کیا جاتا ہے — مترجم]

۲۶۔ فردوسی کی حُبّ الوطنی ٭

فردوسی کی ایران پرستی سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے۔ کہ بدرجۂ کمال ہو۔ اس کا جوش ہمدردی ایک ایسی قوم کے ساتھ وابستہ تھا۔ جس کا سیاسی اتحاد اور عظمت مدت سے گئی گذری ہو چکی تھی[ل]۔ اس میں شک نہیں کہ اہل ایران خصوصاً اہل خراسان کا قومی احساس بنو امیہ کی نابودی اور پھر مامون کے ہاتھوں امین کی شکست کی بدولت ایک قوت کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ لیکن فردوسی کے زمانے میں اسکی حقیقی سیاسی اہمیت کچھ نہ تھی۔ باایں ہمہ وہ قومی احساس بالکل بے اثر بھی نہ تھا۔ یہی وہ احساس تھا۔ جس نے فارسی ادب کو نئی زندگی بخشی اور اسی احساس نے ایران کی قدیم تاریخی روایات میں جن پر شاہنامے کی بنیاد ہے نئے سرے سے جان ڈالی۔ لیکن یہ فردوسی تھا۔ جس نے کہ ان روایات کو نظم کا جامہ پہنا کر ایک نہایت خوشنما اور ذی روح صورت دی۔

ل صفویوں کے عروج کے زمانے میں نہ صرف قومی اتحاد بلکہ ملکی عظمت بھی ایران کو دوبارہ حاصل ہوگئی تھی۔ اگرچہ سلطنت کی وسعت اتنی نہ تھی، اور اب تو ایران کی آزادی کا نام و نشان بالکل مٹ چکا ہے ٭

فردوسی کی نظم میں معرکہ ہائے جنگ مقدم طور سے ایرانیوں اور ترکوں (تورانیوں) کے باہمی جنگ و جدل کی داستانیں ہیں۔ لہذا ظاہر ہے کہ فردوسی کو یقیناً یہ دیکھ کر خوشی نہیں ہوتی ہوگی کہ اس کے اپنے زمانے میں ایک ترک اس کے وطن پر حکمران ہے[1]۔ کیا ہم اس منجمانہ پیشین گوئی سے کہ ایران پر اجنبیوں کی حکومت کا زمانہ (قادسیہ کی لڑائی کے بعد) چار سو سال ہوگا اور اس عرصے میں کوئی حقدار بادشاہ تخت سلطنت پر نہیں آئیگا[2]۔ یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ فردوسی کا واقعی اس پر ایمان تھا؟ بہرحال یہ چار سو سال کا عرصہ فردوسی کے زمانے میں ابھی پورا نہیں ہوا تھا۔ اور نہ آلِ سامان اور نہ آلِ بویہ ایران کے قومی فرمانروا کہلانے کے مستحق تھے۔ اگرچہ یہ دونو خاندان اپنا سلسلۂ نسب قدیم ایرانی بادشاہوں سے ملاتے تھے[3]۔

---

[1] لیکن اس ... سے جب اسدی جو فردوسی سے تھوڑا ہی عرصہ بعد گذرا ہے۔ بالکل بے حس معلوم ہوتا ہے ... سے اپنی ایک نظم میں کمان اور نیزے کا مناظرہ نظم کیا ہے۔ کمان جو کہ ترکوں کا قومی ہتھیار ہے۔ نیزے سے فخریہ کہتی ہے کہ اگر اہل عرب نازیور ہے تو ... اکرو ... تیا پر نواب ترکوں کا قبضہ ہے۔ (دیکھو روئداد مشرقی کانگرس منعقدہ برلن ... ۹۲ ... ۱۲ ... برخلاف اس کے ناصر خسرو نے ترکوں کو کتوں سے تشبیہ دی ہے (دیوان صفحہ ۲۲۳)

[2] سد بدین سالیان چار صد بگذرد کزین تخمہ گیتی کسی نسپرد

ص ۶۰۶ س ۲۰۔

[3] [اس سے اگلے آرٹیکل میں شاہنامے کے ماخذ پر بحث ہے۔ جو اس سے پیشتر اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۲۵ء میں شایع ہو چکا ہے ۱۲ مترجم]

فصل دوم

شاہنامے کے مندرجات اور ان کی نوعیت

۲۸ - شاہنامے کی داستانوں کا خلاصہ - شاہنامہ ابتدائے آفرینش سے لیکر عربوں کی فتح کے زمانے تک سلطنت ایران کی ایک مسلسل تاریخ ہے - یہ سارا زمانہ پچاس عہد حکومت پر منقسم ہے - جن کا زمانۂ قیام بہت غیر مساوی ہے اور ہر عہد حکومت کا بیان اپنی طوالت میں اس عہد حکومت کے زمانۂ قیام کے متناسب نہیں ہے، مثلاً اشکانیوں کی مدت سلطنت کو جس کے متعلق تاریخی روایات کا انعدام نقص ایک واحد عہد حکومت فرض کر لیا گیا ہے اور نہایت تھوڑی سی جگہ میں لکھ کر ختم کر دیا گیا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ یہ پچاس کا عدد محض اتفاقی نہیں ہے - کیونکہ جہاں فردوسی کو "ایران کے سب بادشاہ" کہنا مقصود ہے - وہاں وہ اس کی بجائے "ایران کے پچاس بادشاہ" کہتا ہے

۵ بہ پنجاہ خسرو ز تخم کیان کہ بستند بر تخت ایران میان

(شاہنامہ ص ۴۷۴ س ۱۱)

فردوسی نے شاہنامے کی تاریخی صورت کو یہاں تک محفوظ رکھا ہے - کہ وہ تقریباً ہمیشہ ہر بادشاہ کے عہد حکومت کے سالوں کی تعداد بتلاتا ہے - اور اسی طرح اور بہت سی باتیں بیان کرتا ہے جو بہ نسبت ایک نظم کے ایک تاریخ کی کتاب کے لئے زیادہ موزوں ہیں - لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ فردوسی کا مقصد ایک ضخیم کتاب کے اندر تمام قومی روایات کو لکھ کر بیان کرنا تھا تو ہم کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان باتوں سے اسے چارہ نہیں تھا -

شاہنامے میں سب سے پہلے شاعر کا دیباچہ ہے - اس کے بعد عہد اولین کے

ان پادشاہوں کا حال ہے جو قدیم تصانیف کے بیان کے مطابق آفرینش انسانی بلکہ آفرینش کائنات کے وقت وجود میں آ چکے تھے۔ اُن کے عہدِ حکومت کے ذکر میں نوعِ انسانی کا سرعت کے ساتھ درجۂ تہذیب و شائستگی پر پہنچ جانا نہایت سادہ دلی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ نظم کی حقیقی سرگرمی جمشید کے عہدِ حکومت سے شروع ہوتی ہے اور بالخصوص اس دیو سیرت یعنی ضحاک کے بیان سے کہ فریدون اور کاوہ آہنگر کے ہاتھوں اس کی تباہی کی کیفیت شاہنامے کا ایک شگفتہ ترین مقام ہے۔ اس کے بعد فریدون اپنی مملکت کو اپنے تین بیٹوں میں تقسیم کر دیتا ہے جس سے تین بھائیوں میں مخاصمت پیدا ہوتی ہے۔ اور ان میں سے دو یعنی تور اور سلم اپنے تیسرے بھائی ایرج کو قتل کر دیتے ہیں۔ اور یہیں سے توران اور ایران کے درمیان خونیں عداوت کی بنا پڑتی ہے اس کے بعد منوچہر[5] اپنے باپ ایرج کے خون کا بدلہ لیتا ہے اور اسی منوچہر کے عہدِ سلطنت میں رستم کے دادا سام کا ظہور ہوتا ہے۔ اور اسی زمانہ میں سام کے بیٹے زال کی ابتدائے جوانی کے جانبازانہ معرکے، رودابہ کے ساتھ اس کے عشق کی دلفریب داستان اور رستم کے ابتدائی کارنامے آتے ہیں، منوچہر کا جانشین نوذر حالتِ اسیری میں افراسیاب (شاہ توران) کے ہاتھوں قتل ہوتا ہے۔ جس پر ایران اور توران میں دوبارہ لڑائی بھڑک اٹھتی ہے۔ اور اگلے پانچ بادشاہوں کے عہد میں (جن کی مدتِ حکومت تین صدی سے زائد ہے)، برابر جاری رہتی ہے۔ اگرچہ بیچ بیچ میں کئی دفعہ طویل مدتوں کے لئے رک بھی جاتی ہے۔ شاہنامے کا وہ مقام بھی نہایت دلکش ہے جہاں رستم پہلی ہی لڑائی میں افراسیاب کو کمربند سے پکڑتا ہے۔ لیکن اسکا کمربند ٹوٹ جاتا ہے اور وہ بچ کر نکل

---

[5] پارسی روایت کے مطابق یہ نام بفتح اول و واو مجہول بولا جاتا ہے۔ لیکن آج کل عام طور سے بکسر میم و واو معروف یعنی مِنُوچہر بولتے ہیں۔

جاتا ہے اور اگر کہیں ایسا نہ ہوتا تو اس جنگِ عظیم کا آن کی آن میں خاتمہ ہو جاتا۔

کاؤس بے خرد کے عہد میں رستم کے عظیم ترین کارنامے وقوع میں آتے ہیں اور اسی زمانے میں اسکا اپنے بیٹے سہراب کے ساتھ عبرت ناک معرکہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس کے بعد افراسیاب سیاوش[1] کو قتل کرتا ہے۔ جو اپنے باپ کاؤس سے خفا ہو کر اس کے پاس بھاگ آیا تھا۔ اور اس کی بیٹی سے شادی بھی کر لی تھی۔ افراسیاب کی یہ حرکت جنگ کو ناقابلِ مصالحت بنا دیتی ہے۔ اور خونِ سیاوش کے انتقام کو اہلِ ایران اپنا شعار بنا لیتے ہیں۔ اس جنگ کے دوران میں رستم بہت سی مہمیں اپنے سر لیتا ہے۔ لیکن اسکو ہر ایک مہم میں شاندار کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ اسی سلسلے میں وہ بہت سے دور دراز اور پر خطر سفروں میں بھی جاتا ہے۔ سیاوش کا بیٹا کیخسرو جسکو بڑی جد و جہد کے بعد توران سے لایا جاتا ہے۔ اس جنگ کو فتحیابی کے ساتھ انجام پر پہنچاتا ہے' افراسیاب روپوش ہو جاتا ہے۔ لیکن آخر اس کا سراغ مل جاتا ہے۔ اور وہ گرفتار ہو کر قتل کیا جاتا ہے۔ اس کے خاتمے سے پہلے بیژن اور منیژہ کے عشق کی داستان ہے۔ کیخسرو ایک پہاڑ کے سفر میں جا کر ناپدید ہو جاتا ہے اور اسکے بہت سے

ہمراہی پہلوان اور سورما سوار برف کے نیچے دب جاتے ہیں'

یہاں پہنچکر تسلسلِ بیان منقطع ہو جاتا ہے۔ البتہ رستم کی داستان ایسی ہے

---

[1] اوستا میں اس نام کی شکل "سیاوَرْشَن" ہے اور اس شکل سے جتنی اور شکلیں نکلی ہیں ان میں سے "سیاوُش" سب سے زیادہ مستعمل ہے' اس نام میں آخری شین کا ماقبل یقینی طور سے مضموم سمجھنا چاہیئے۔ اسلیئے کہ شاہنامے میں اسکا "نوش" کے ساتھ قافیہ باندھا گیا ہے۔

بخیره کشتی سیاوش را بزهر اندر آمیختی نوش را (ص ۹ ، ۲۳)

جس کے انجام کا ربط قدیم پہلوانوں کی داستانوں کے ساتھ ہے ۔لہراسپ کی ذات سے شاہی خاندان کی ایک اور شاخ، تختِ سلطنت پر آتی ہے ۔ اُس کے عہد سلطنت کے ذکر میں فقط اس کے بیٹے گشتاسپ کے کارناموں کا بیان ہے اور اسی ضمن میں قیصر کی بیٹی کی داستانِ عشق ہے، گشتاسپ کے اپنے عہد میں زرتشت اپنا نیا مذہب لاتا ہے ۔ جسکی وجہ سے ارجاسپ کے زمانے میں ترکوں کے ساتھ دوبارہ لڑائی چھڑ اٹھتی ہے، گشتاسپ کا بیٹا اسفندیار اس نئے مذہب کا مردِ میدان ہے جو حیرت انگیز کارنامے دکھاکر اس جنگ کو انجام پر پہنچاتا ہے باپ جسنے اسے اپنا جانشین کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اُس سے برابر لیت ولعل کرتا ہے ۔ بالآخر اسکو رستم کے ساتھ لڑائی میں بھیج دیتا ہے ۔ اور وہ اسے جادو کے زور سے ہلاک کر دیتا ہے، خود رستم بھی جلد اس کے بعد قعرِ ہلاکت میں گرتا ہے ۔ اس سے آگے کے دو اور بادشاہ افسانوی نوعیت کے ہیں ۔ داراب اور دارا[۱] کے ذکر میں ہم اسکندر کے حالات پر پہنچ جاتے ہیں ۔ جسکی داستان کی بنیاد کالستھنیس[۲] کی مجہول تصنیف پر ہے ۔

اشکانیوں کے بارے میں بہت ہی کم لکھا گیا ہے، اردشیر کی سرگذشت

---

[۱] داراب اور دارا ایک ہی نام کی دو صورتیں ہیں ۔ اور ان سے دو مختلف بادشاہ مراد لینا محض فرضی اور خیالی بات ہے ۔ اس نام کی بہت سی مختلف شکلیں ہیں ۔ چنانچہ داریاوہو، دارییوہو، داریاو، داراب، دارا، داریوش، داریادش وغیرہ وغیرہ، دیکھو کتاب Iran: Namenbuch صفحہ ۷۸،

[۲] کالستھنیس ارسطو کا شاگرد تھا اور سکندر کے ہمراہ اسکی ایشیائی مہموں میں شریک تھا، اس نے تاریخ یونان دس جلدوں میں لکھی ہے اور ایک کتاب سکندر کی ایشیائی فتوحات پر لیکن اس کی یہ تصانیف آج ناپید ہیں ۱۲ ۔ مترجم،

سے لے کر آگے شاہنامے کے خط و خال مقدم طور سے تاریخی ہیں، تاہم اس میں بھی افسانہ آمیز قصّے کہانیوں کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ اور اگر دیکھا جائے تو اساطیری اجزا بھی ناپید نہیں ہیں، بعض ساسانی بادشاہوں کے متعلق فردوسی زیادہ طوالت کے ساتھ گفتگو کرتا ہے مثلاً اردشیر اوّل، شاپور اوّل، کواذ اوّل، خسرو ثانی اور بالخصوص بہرام گور، جو کہ ایرانی شاعری کا ہر دلعزیز ہیرو ہے اور خسرو اوّل (کسریٰ نوشیروان) جو شاہانہ دانش و عدل کا بہترین نمونہ ہے لیکن شاہنامے میں اسکے حقیقی اور تاریخی کارناموں سے چنداں بحث نہیں کی گئی۔ اور اس کے پوتے خسرو ثانی کی رومیوں کے ساتھ لڑائی کا مطلق کوئی ذکر نہیں۔ برعکس اسکے شاعر نے اس کے سپہ سالار بہرام چوبین کی بغاوت اور اس کے متعلق لڑائیوں کا طویل حال لکھا ہے، اسی طرح خسرو ثانی کے زوال اور اس کے بیٹے شیرویہ کے عروج کا بھی مفصل ذکر ہے،

سلطنت کے خاتمے کو قادسیہ کی واحد لڑائی پر منحصر کر دیا گیا ہے۔ اور اس میں شاعر نے ایرانی سپہ سالار رستم کو خود عربی فوج کے قائد یعنی سعد بن وقاص کے تیر سے ہلاک کیا ہے۔ اس کے بعد شاہ گریز پا یزدگرد ثالث کے انجام اور اسکی عبرت ناک موت کا بیان ہے۔ پھر ایک خسرو سنقلی کی فصل ہے۔ اور اسی پر پوری نظم ختم ہوتی ہے۔

۲۹۔ شاہنامے کے مختلف حصّوں کی نوعیت: مندرجہ بالا خلاصہ سے واضح ہے۔ کہ اس عظیم الشان نظم یعنی شاہنامے کے مختلف حصّوں کا باہمی ربط کسی قدر ڈھیلا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ شاعر کو ہر داستان کے انجام پر یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ

"سر آمد کنون داستانِ فلان وفلان ..... کنون داستان فلان شنو" وغیرہ

ایسی صورت میں بیچ میں سے بہت سی داستانیں نکال دی جاسکتی ہیں - بغیر اس کے کہ آپ کو اس بات کا پتہ چل سکے کہ درمیان میں خلا واقع ہو گئے ہیں - لیکن ہمیں یہ ہمیشہ یاد رہنا چاہئے کہ فردوسی کو اپنے ماخذی متن کی پابندی ضرور تھی اور اسی بات کا یہ نتیجہ ہوا کہ نظم کے مختلف حصے مختلف نوعیت کے ہو گئے' مثلاً سکندر کی تاریخ کہ اگرچہ وہ تمامتر افسانہ آمیز ہے - لیکن اپنی طرز میں قدیم عہد شجاعت کی خالص ایرانی داستانوں سے بہت زیادہ امتیاز رکھتی ہے - یہ امتیاز ساسانیوں کی تاریخ میں اور بھی زیادہ واضح نظر آتا ہے - اگرچہ وہاں بھی خاصے بڑے بڑے مقامات ایسے موجود ہیں جو عہد شجاعت کی داستانوں کے انداز میں لکھے گئے ہیں - فی الجملہ ساسانی عہد کے حالات میں جو شاہنامے کے ایک تہائی پر حاوی ہیں بلحاظ شاعری کے ویسی دلچسپی نہیں ہے جو عہد شجاعت کی داستانوں میں ہے بہت سے بادشاہوں کے متعلق تفصیلی حالات کی جو قلت تھی اس کمی کی بھرتی فردوسی کے ماخذ اور اس ماخذ کے ماخذ میں حکیمانہ اقوال اور خطبوں سے کر دی گئی تھی - اور اس قسم کی چیزوں کو (جیسا کہ اوپر بھی بتلایا گیا ہے) فردوسی نہایت خوشدلی کے ساتھ طول دے کر نظم کرتا ہے -

اردشیر کے حالات میں یہ حکیمانہ مقولے اسکی افسانہ آمیز داستان کے مقابلے میں نہایت واضح طور سے متضاد ہیں - اور اگرچہ فرداً فرداً وہ اقوال بے مثل ہیں لیکن شاہنامے میں ان کی کثرتِ تعداد حد سے زیادہ تھکا دینے والی ہے - ساسانیوں کے حالات میں جو تھوڑے بہت تاریخی جزا ہیں وہ بلحاظ زورِ شاعری کے ہم کو گرمانے والے نہیں ہیں - بات یہ ہے کہ ساسانی عہد کی روایات کی زنجیر میں بہت سے مکمل رزمیہ حلقوں کی کمی تھی سوائے فقط ایک کے جس سے ہماری مراد بہرام چوبین کا تاریخی افسانہ ہے' بہرام کی جانبازیاں ... نہایت ... شاعرانہ انداز میں بیان کی گئی ہیں - اور اگرچہ ان کے بنیادی خط و خال ... حقیقی تاریخی سرگذشت سے (جو آج ہمیں اور ماخذوں سے خاصی صحت کے ساتھ

معلوم ہوتی ہے[1]، بہت کچھ مشابہ ہیں تاہم یہاں ہمارے سامنے عہد شجاعت کی سی ایک داستان ہے - جو کیخسرو کے عہد کے لئے بالکل موزوں ہو سکتی ہے - بہرام تنہا بڑے بڑے لشکروں کو تہ تیغ کر دیتا ہے - ساوہ شاہ کو اپنی تیر اندازی کے کمال سے نشانہ بنا کر ہلاک کرتا ہے - شیر کپی کو زیر کرتا ہے، اور یہ وہ کارنامے ہیں جن کو رستم و اسفندیار کی اژدہاؤں اور دیووں کے ساتھ لڑائیوں کے پہلو میں جگہ دی جا سکتی ہے - وہ اپنے خیالات میں اور اپنی جد و جہد میں ایک باہیبت جانباز دکھلایا گیا ہے - جو پُر عظمت اور باجبروت ہے اور اپنے آپ کو اسقدر زیادہ عروج پر پہنچاتا ہے کہ بالآخر اس کا اس بلندی سے نیچے گرنا یقینی ہے -

اس کے علاوہ انوشزاد کی اپنے باپ کسریٰ کے خلاف بغاوت اور خصوصاً اس کا مؤثر اور تلاش کن انجام خاص دلچسپی کا مقام ہے اور غور کے ساتھ پڑھنے والے کے لئے یزدگرد ثالث (آخرین شاہان ساسانی) کی سرگذشت بھی بہت پُر اثر ہے جو ایک حسرتناک کیفیت میں ملفوف ہے - بہرام گور کی بے شمار حکایتوں میں سے بھی بعض نہایت عمدگی کے ساتھ بیان کی گئی ہیں - اس کے شکار اور عشق کے کارنامے ایک دوسرے سے بہت کچھ مشابہ ہیں اور اسکی سرگذشت کے متفرق حصّوں میں بالکل عہد شجاعت کی سی علامتیں پائی جاتی ہیں - مثلاً خاقان چین کے ساتھ اسکی لڑائیاں، اسکا گینڈے[2] اور اژدہا کو زیر کرنا وغیرہ،

بایں ہمہ ایک اعتبار سے شاہنامہ مجموعی طور پر متحد ہے وہ یہ کہ اس میں شروع

---

[1] یعنی بہرام چوبین کی داستان باوجود تاریخی عہد کے اندر ہونے کے اسقدر افسانہ آمیز ہے کہ وہ شاہ کیخسرو کے عہد کی داستان معلوم ہوتی ہے - ۱۲ مترجم [2] اس مقام پر فارسی لفظ "کرگ" یعنی کرگدن بمعنی گینڈا ہے نہ "گرگ" جس کے معنے بھیڑیے کے ہیں ،

سے آخر تک مملکتِ ایران کی تاریخ ابتداء عہد سے لیکر قومی سلطنت کی تباہی کے وقت تک مسلسل طور پر دی گئی ہے۔ اور جس شکل میں کہ وہ قوم کی نظروں میں تھی اسی شکل میں اسکو پیش کیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس صورتگری میں عالمانہ قوتیں سرگرمی کے ساتھ صرف کی گئی ہیں۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ سکندر کے حالات کا پورا حصّہ غیر ملکی روایات سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن پھر بھی شاہنامہ پورے معنوں میں ایران کی قومی رزم ہی کہلائیگا۔ اس لئے کہ وہ نظم کی صورت میں قومی روایات کی تصویر ہے۔

۳۰۔ شاہنامے میں مضامین کا تکرار۔ مثل دوسری اقوام کے ایران کی رزمیہ حدود کے اندر بھی بعض مضامین نے اس قدر متفاوت شکلیں اختیار کی ہیں کہ زمانۂ متاخر کی تالیفوں میں واقعی ان کو مختلف قرار دیا گیا ہے۔ اور ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو محفوظ رکھا گیا ہے۔ مزید برآں یہ کہ بعض حصّے پہلے ہی سے دانستہ نقلی بنائے گئے ہیں۔ اور اس قسم کی نقلیں شاہنامے میں اپنی اصل کے ساتھ ساتھ ہم تک پہنچی ہیں۔ فرداً فرداً ہم ہمیشہ اس بات کی تمیز نہیں کرسکتے کہ کونسا حصّہ ایسا ہے جو روایات کی خودرو اختلافی صورت ہے۔ اور کونسا حصّہ ہے جو اصل کی نقل ہے۔ چھوٹی چھوٹی تفصیلی باتوں میں خود شاعر نے یا اس کے مأخذ میں سے اصل کی نقل کی ہے۔ لیکن وہ سب ثانوی اہمیت کی چیزیں ہیں[1]۔

میکن اپنے مقدمۂ شاہنامہ (صفحہ ۳۸) میں اس امر کی طرف توجہ دلا چکا ہے کہ رستم کے سفر مازندران اور اسفندیار کے سفر توران کے سات سات معرکے ایک دوسرے کی نقل ہیں۔ شپیگل نے اس پر زیادہ بالتفصیل بحث کرکے یہ دکھانا چاہا ہے[2]

---

[1] ہومر کے ہاں بھی اسی طرح مختلف نوعیت کے تکرار پائے جاتے ہیں۔

[2] آثار قدیمۂ ایران ج ۱: ص ۱۲ ۷۔

کہ یہ دراصل علمائے زرتشتی کی کوشش تھی کہ شہسوارِ عرصۂ دینداری یعنی اسفندیار کو رستم سے زیادہ بڑھایا چڑھایا جائے لہذا انہوں نے رستم کے کارناموں کے نمونے پر لیکن زیادہ بڑے پیمانے پر اسفندیار کے لئے کارناموں کا ایک سلسلہ ترتیب دیا اور حقیقت میں دونوں جانب کے حیرت انگیز کارنامے بالتفصیل باہمی مشابہت رکھتے ہیں، ٹھیک جسطرح رستم تاجر کا بھیس بنا کر قلعۂ کوہ سپند[۱] کے اندر گھس کر اس کو سر کرتا ہے۔ بعینہ اسیطرح اسفندیار روئین دژ کو فتح کرتا ہے[۲]۔ شپیگل کی طرح خود میں نے بھی پہلے یہی رائے قائم کی تھی۔ کہ اسفندیار کے کارنامے نقل ہیں اور رستم کے اصل لیکن اب یہ نظریہ قائم نہیں رہ سکتا اس لئے کہ (جیسا میں نے اوپر بھی توجہ دلائی ہے[۳]) اب ہم کو یہ معلوم ہوچکا ہے کہ عربی مورخین اور خصوصاً ثعالبی رستم کے سفرِ مازندران اور اس کے وہاں کے معرکوں کے متعلق کچھ بھی نہیں لکھتے تو ضرور ہے کہ ان چار مولفین[۴] کی کتاب میں بھی اس کا وجود نہ ہوگا۔ اور قیاس یہ ہے کہ اس خاص قسم کے واقعات جن کے اندر رستم کو معمولی پہلوانوں کے پیمانے سے بہت زیادہ بڑھایا گیا ہے۔ خدائی نامے میں بھی نہیں ہونگے، اسی طرح شپیگل نے ایک اور تکرار کے متعلق اپنا فتویٰ دیا ہے (آثار، ۱، ۵۹۴)۔ اور اب میں اس سے بھی متفق نہیں ہوسکتا وہ یہ کہ ان کے نزدیک رستم کا سفرِ مازندران

---

[۱] یہ بعینہٖ وہی سپدکوہ یا کوہ سپد ہے جہاں خسرو کا بھائی جاگزین ہے (شاہنامہ فولرس ص ۹۷)، اوستا میں اسکو کوہ سپنتوداتا لکھا ہے، [۲] یہ مقام دوبارہ بیژن اور منیژہ کی داستان میں آتا ہے اور وہ فقط شاہنامے ہی کے ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے، [۳] دیکھو اوپر آرٹیکل ۲۶،

[۴] ابو منصور بن عبدالرزاق حاکم طوس کے لئے ۳۴۶ھ میں خدائی نامے کا ترجمہ فارسی نثر میں کیا گیا تھا۔ اس ترجمے کے چار مؤلف تھے۔ (۱) سماح بن خراسانی ہروی (۲) یزدان داد بن شاپور (۳) ابوی خورشید بن بہرام (۴) شادان بن برزین طوسی، شاہنامے کا ماخذ یہی خدائی نامہ تھا ۱۲ مترجم،

جس کا مقصد کیکاؤس کو قید سے چھڑانا تھا اصل ہے اور اس کا سفر ہاماوران جہاں وہ اسی کیکاؤس کو رہائی دلانے کے لئے جاتا ہے ۔ نقل ہے ۔ لیکن چونکہ مازندران کے واقعات سے ثعالبی اور دیگر عرب مورخین یکساں بے خبر ہیں ۔ لہذا یہ نظریہ غلط ہونا چاہیئے ۔ اب ہمارا خیال یہ ہے کہ دیوانِ مازندرانی کے ساتھ رستم کی لڑائیاں یقیناً ایک علٰحدہ روایت ہے جو ایک طرف تو اسفندیار کے کارناموں کی نقل پر اور دوسری طرف اسکی مہم ہاماوران کے نمونے پر بطور تتمے کے وضع کی گئی ہے ۔

علاوہ اس کے قابل غور یہ ہے کہ رستم کے سفر کی جانبازیوں میں سے صرف پہلی چار ہیں جو واقعی اسفندیار کی جانبازیوں کے متوازی ہیں ۔ اور ہفت خوانِ رستم کے لئے سات کا عدد کسی قدر مصنوعی طور سے وضع کیا گیا ہے ۔ علاوہ بریں کارنامہائے رستم کی یہ ترتیب بہت زیادہ قدیم نہیں ہوسکتی کیونکہ ہماور جو عموماً فارسی جمع کی علامت 'ان' کے ساتھ مستعمل ہے (یعنی ہماوران ، اور جسکو بحر متقارب میں کھپانے کے لئے ہاے اوّل کے بعد ایک الف اور بڑھانا پڑا ہے (یعنی ہاماوران) سرزمینِ حمیر (یمن[۱]) سے مراد ہے اور وہ خسرو اوّل (انوشیروان) کے عہد میں ۵۷۰ء میں فتح ہوا ہے ۔ جس سے پیشتر وہ کبھی مملکت ایران کی سرحد میں شامل نہیں رہا لہذا اس عہد سے پہلے اس کا ایران کی قومی روایات میں جگہ پانا قرینِ فہم نہیں ہے[۲] ۔

---

[۱] ہماور اور حمیر ایک ہی جگہ کے دو نام ہیں ۔ گمان یہ ہے کہ اہل ایران نے حمیر کی جمع حمائر یا حماور سنی ہوگی اسی سے ہماور بنالیا [۲] یہ امر قابل توجہ ہے کہ ہاماوران کی مہم کے رستے میں سمندر پار کرنا ضروری ہے ۔ اور فی الحقیقت کیکاؤس ہاماوران پر لشکرکشی کرنے میں سمندر کو عبور کرتا ہے ۔ لیکن سمندر کی بجائے جو آبِ زرہ (شاہنامہ فولرس ص ۲۸۲) کا نام ذکر کردیگیا ہے تو یہ شاہنامے کی جغرافی بے ترتیبیوں کو دیکھتے ہوئے کچھ غیر متوقع نہیں ہے (دیکھو آگے آرٹیکل ۳۹)

ایک اور تکرار شاہنامے میں یہ ہے کہ افراسیاب کے خلاف کیخسرو کی عظیم الشان لشکر کشی جس میں جغرافیے کی بے اعتدالیاں بکثرت ہیں دو حصوں میں منقسم ہو گئی ہے۔ جو دراصل ایک ہی ہیں، گنگ بہشت کی فتح پر نصفِ اول ختم ہو جاتا ہے اور گنگ دژ کی فتح پر نصفِ ثانی لیکن یہ دونو واقعات بعینہٖ ایک ہیں[۱]۔ طوس کی دونو ناکام جنگی مہمیں بھی دراصل ایک دوسرے کی نقل ہیں۔ دونو میں ایرانی برف میں گھر کر تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اور دونو دفعہ برف کے طوفان کو ایک ترک جادوگر برپا کرتا ہے۔ اور یہ یقیناً مآخذی روایت ہے۔ گمان یہ ہے کہ افراسیاب کے خلاف جنگ کی دو جُداگانہ اطلاعات خاصے ابتدائی زمانے میں یکجا کی گئی ہیں۔ جسکی وجہ یہ ہوئی ہے۔ کہ ان دونو کے اندر جزئیات میں اختلاف ہونے کی وجہ سے کوئی شناخت نہیں کر سکا کہ دونو کے اندر ایک ہی قصّہ بیان کیا گیا ہے

جس آزمائش کے بعد رستم جنگ کے لئے اپنے گھوڑے کا انتخاب کرتا ہے بالکل اسی آزمائش کے بعد سہراب بھی انتخاب کرتا ہے (شاہنامہ طبع فولرس ص ۲۸۷ و ۴۴۴) اور یہ یقیناً بالارادہ وضع کیا گیا ہے اور سہراب کا گھوڑا بھی رستم کے گھوڑے کا بچہ ہے۔ یہ روایت ضروری نہیں کہ بہت پُرانی ہو تاہم ہم یہ تو نہیں کہینگے۔ کہ فردوسی اس تکرار کا سب سے پہلا ذمّہ دار ہے۔

بہمن رستم کو چٹان کا ایک پتھر لُڑکا کر ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ (شاہنامہ فولرس ص ۱۶۵۰) اور ٹھیک اسی طرح فریدوں کے بھائی اسکی ہلاکت کی تدبیر کرتے ہیں۔ (ایضاً ص ۵۰) فرق صرف اتنا ہے کہ رستم اس چٹان کو اپنی

---

[۱] یہ ممکن ہے کہ شاعر کو اس بات کا علم ہو یا شاید نہ ہو کہ دژ ہوخت گنگ (شاہنامہ فولرس ص ۱۱۹) بھی بعینہٖ یہی گنگ دژ ہے۔

جسمانی طاقت سے مقام لیتا ہے اور فریدون جادو کے زور سے[۵۱]۔

ایک اور تکرار بہرام گور اور یہودی بخیل کے قصے میں اور دوسری جگہ اسی بہرام گور اور فرشید ورد کی حکایت میں موجود ہے۔ (شاہنامہ ص ۴۴۷ و ۴۵۷)، لیکن جہاں افراسیاب کا ہوم کے ہاتھوں غار میں سے نکالا جانا۔ اور پھر ایک اجنبی شخص کے ہاتھوں آب چیچست میں سے نکالا جانا بیان کیا ہے۔ وہاں وہ روایات کی ایک اختلافی صورت کی مثال ہے۔ نہ تکرار مضمون کی (شاہنامہ طبع فولرس ص ۱۳۸۹)[۵۲]۔

پھر ایک اور مثال اسی اختلافی صورت کی یہ ہے کہ ساسان پسر بہمن جبکہ اسکی بہن ہمای اتفاق رائے سے ملکہ بنائی جاتی ہے۔ نیشاپور چلا جاتا ہے۔ اس کا بیٹا کہ اسکا نام بھی ساسان ہے وہاں کے بادشاہ کا چرواہا بن جاتا ہے (شاہنامہ فولرس ص۱۷۵۶) پھر ایک اور ساسان جو دارا کا بیٹا ہے سکندر کے ہاتھ سے بھاگ کر ہندوستان چلا جاتا ہے۔ اور چار نسلوں تک اسکے بیٹے کہ ان سب کا نام ساسان ہے چرواہے رہتے ہیں۔ ان میں سے آخری ساسان ہندوستان سے چلکر پاپک کے پاس آتا ہے۔ اسکی بیٹی سے شادی کرتا ہے اور شاہی خاندان (آل ساسان) کا جد اعلےٰ بنتا ہے[۵۳]۔ لیکن طبعاً ساسان پسر بہمن بھی آل ساسان کا جد اعلےٰ خیال کیا جاتا ہے

---

۵۱ دونو حالتوں میں مشترک بات یہ ہے کہ وہ بعد کے واقعات پر کوئی اثر نہیں ڈالتیں اور آگے چلکر بالکل فراموش کردی جاتی ہیں،

۵۲ ہوم (ہوما) کا افراسیاب (فرنگ رسین) کو سمندر میں سے نکال کر خسرو (ہسروا) کے پاس لے جانا اوستا میں بھی مذکور ہے۔ ریشت ۹، ۱۸، ۱۷، ۳۸، ڈارمسٹیر کا انگریزی ترجمہ اوستا ۲، ۱۱۴، ۲۸۴)، ۵۳ کارنامک اردشیر پاپکان (فصل ۱، ۳) میں روایت یوں ہے کہ ساسان بسر دارا گردی چرواہا

اور حقیقت میں یہ دو مختلف روایتیں ایک دوسرے کے منافی ہیں '

تکرارِ مضمون کی ایک اور مثال یہ ہے کہ شاہ ہندوستان کسریٰ انوشیروان کو شطرنج بھیجتا ہے ۔ بزرجمہر اس راز سربستہ کو کھولتا ہے ۔ اور اس طرح نوشیروان شاہ ہند سے بہت بڑا اخراج حاصل کرتا ہے ۔ (شاہنامہ ص ۵۱۲) اور بالکل یہی صورت دوبارہ پیش آتی ہے جبکہ قیصر روم ایک دُرجِ سربستہ نوشیروان کے پاس بھیجتا ہے (ایضاً ص ۵۲۲)

پھر ایک تاریخی واقعہ جس کے بیان میں حیرت انگیز رنگ آمیزی کی گئی ہے ۔ ہمارے سامنے دو دفعہ بیان کیا گیا ہے ۔ اور وہ شہر زیب خسرو کی بنا کا واقعہ ہے جس میں رومی قیدی آباد کئے جاتے ہیں ۔ اور وہاں وہ ہر چیز کو مانند اپنے وطن کے پاتے ہیں (شاہنامہ ص ۴۹۱) اور بعینہٖ یہی سورستان کی تعمیر کا واقعہ ہے ۔ جہاں ٹھیک یہی کچھ پیش آتا ہے (ص ۵۰۲)[۱] ۔

آخری مثال یہ ہے کہ اژدہاؤں کے ساتھ جو لڑائیاں سام، رستم، گشتاسپ، اسفندیار، اردشیر اور بہرام گور نے لڑی ہیں وہ سب بعینہٖ ایک ہیں (دیکھو شاہنامہ طبع فولرس ص ۱۹۶، ۳۲۹، ۱۴۷۴، ۱۵۹۱، شاہنامہ ص ۴۱۷، ۴۵۲)، دراصل وہ اساطیر قدیم کے متعلق خود رو خیالات ہیں جو مختلف اساطیری یا تاریخی ابطال کی طرف منتقل کر دیے گئے ہیں '

جزئی مقامات میں بھی بہت جگہ تکرارِ مضمون پایا جاتا ہے مثلاً رستم جس طرح کیقباد کا سراغ لگاتا ہے ۔ گیو اسی طرح کیخسرو کا سراغ لگاتا ہے (شاہنامہ فولرس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۶) کے ساتھ بھاگ جاتا ہے ۔ صورتِ حالات کو دیکھتے ہوئے تو یہ زیادہ مناسب ہے لیکن سکندر کے ہاتھ سے بھاگ کر پناہ لینے کے لئے ہندوستان کی دور دراز سرزمین زیادہ موزون خیال کی گئی '

ص ۲۹۳ و ۷۱۷)، اسی طرح حکیمانہ اقوال اور پہیلیوں کے مضامین میں بھی ہر قسم کا تکرار موجود ہے -

لیکن شطرنج کی ایجاد کی کیفیت کا مکرر بیان خاص نوعیت رکھتا ہے، مول نے اپنے مقدمۂ شاہنامہ میں (جلد ۶ ص ۵) اس امر کی شناخت کی ہے کہ پہلا بیان جو ایک پہلوی کتاب سے (کہ آج بھی موجود ہے) لیا گیا ہے وہ شطرنج کی اس صورت کے متعلق ہے جو آج رائج ہے - اور جس میں ۳۲ مُہرے اور ۶۴ گھر ہیں - اور دوسرا بیان (شاہنامہ ص ۵۱۴) اُس صورت کے متعلق ہے جس میں ۴۰ مُہرے اور ۱۰۰ گھر ہیں[1] - لیکن باوجود مول کی اس شناخت کے دوسرا بیان جس پر شاید سب سے پہلے فردوسی ہی نے قلم اٹھایا ہے - پہلے بیان کی تردید کرتا ہے،

محمد اقبال

(حاشیہ [illegible] [illegible] [illegible] صورت اس کی تہ میں شاہ خسرو (نوشیروان) کا شہر "انطاکیہ جدیدہ" کو [illegible] [illegible] قریب ہی بنایا گیا تھا - اور رومی علاقے کے قیدی وہاں آباد کئے گئے تھے ۔

[1] حاشیہ صفحہ [illegible] شطرنج کی اس صورت کے متعلق دیکھو مروج الذہب مسعودی ج ۸ ص ۳۱۴ ؛

گوجری یا گجراتی اردو سولھویں صدی عیسوی میں

اس سے پیشتر ایک مضمون میں واضح کیا جا چکا ہے کہ مسلمان ہندی زبان میں شعر گوئی دہلی میں آباد ہونے کے بہت جلد بعد اختیار کر لیتے ہیں۔ ہندی شعر گوئی کے محرکین میں ہم کو بزرگان ذیل کے اسماء گرامی ملتے ہیں:۔

شیخ احمد نہروانی۔ شیخ فریدالدین مسعود شکر گنج۔ نظام الدین اولیا۔ بوعلی شرف قلندر پانی پتی اور امیر خسرو دہلوی۔

اس شاعری کا مدار زیادہ تر دوہروں پر تھا۔ اردو شاعری ان ایام میں بلحاظ جذبات و زبان و اوزان ہندوستان کی دوسری زبانوں سے کچھ مختلف نہیں تھی۔ اور کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ زبان ان خصوصی خط و خال سے جو سولھویں صدی کے اواخر میں اس میں نمایاں ہونے لگے۔ اور جو حقیقت میں فارسی اوزان و جذبات کا پرتو تھے۔ اس وقت تک بیگانۂ محض تھی۔

اردو اس حالت میں تھی جب وہ خلجیوں اور تغلقوں کی فتوحات کی بنا پر ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اپنا قدم جما لیتی ہے۔ پندرھویں صدی کی ابتدا میں تیموری حملہ اور سلطنت دہلی کی کمزوری کی وجہ سے طوائف الملوکی کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ اور مختلف صوبے مثلاً گجرات۔ مالوا۔ اور جونپور اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیتے ہیں۔ قرائن اس قسم کے موجود ہیں کہ ان صوبوں میں بھی اس زبان کا جسکو ان ایام میں ہندی کے نام

سے پکارا جاتا تھا کافی چرچا تھا۔ مثلاً مالوہ کے مشہور بادشاہ سلطان علاء الدین محمود خلجی (۸۳۹ھ و ۸۸۰ھ) کے ذکر میں مورخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ اسنے ایک قصیدہ جو ہندی زبان میں تھا سلطان ابوسعید میرزا (۸۵۵ھ و ۸۷۳ھ) پادشاہ ایران کی مدح میں لکھ کر بھیجا تھا۔ فرشتہ کی عبارت یہ ہے :-

" و قصیدۂ غرا کہ در مدح سلطان ایران گفتہ بود ظاہراً بزبان ہندی بود مصحوب شیخ علاء الدین ہمراہ خواجہ جمال الدین فرستاد . وشہنشاہ ایران ازان قصیدہ کہ زادۂ طبع بادشاہ مالوہ بود چنداں محظوظ شد کہ از ہدایای دیگر آنقدر خوشحال نہ شد"

اس مختصر بیان سے سلطنت مالوا میں نہ صرف اردو کے وجود بلکہ اسکی شاعری کا بھی پتہ چلتا ہے۔

موجودہ معلومات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اردو زبان کو ادبی تشکیل سب سے پہلے صوبۂ گجرات میں ملتی ہے ۔ یہ صوبہ ۶۹۶ھ میں سلطنت دہلی کے زیر نگین آتا ہے اور مسلمان آبادکار اس میں داخل ہوتے ہیں۔ تقریباً ایک صدی تک گجرات دہلی کے تابع رہا بعد میں آزاد ہوگیا۔ ہم اور واقعات سے اعراض کرکے امیر تیمور کے حملۂ ہند کا ذکر کرتے ہیں۔ جس سے سرزمین گجرات میں اردو کو بالواسطہ تقویت پہنچتی ہے۔ تیموری تاخت کی بنا پر لوگوں کی ایک کثیر تعداد صوبۂ دہلی سے ہجرت کرکے گجرات میں جاکر آباد ہوجاتی ہے۔ چنانچہ مرآت احمدی میں مرقوم ہے :-

" ہمدرین اثنا خبر رسید کہ حضرت [صاحب] قران امیر تیمور گورگان در دہلی نزول اجلال فرمودند و فتور عظیم دران دیار راہ یافت و خلق کثیر ازان حادثہ گریختہ بگجرات آمد۔ مقارن این سال سلطان ناصرالدین محمود شاہ از دہلی فرار نمودہ بگجرات رسید و ازانجا مایوس شدہ بمالوہ رفت (ص۴۷)

مرآت احمدی، جلد اول - بمبئی)

گویا حملۂ تیمور سے دو امر متعلق ہیں - پہلے لوگوں کی مہاجرت جس میں بعض مشاہیر اولیا کے نام بھی ملتے ہیں - مثلاً شیخ احمد کھٹو - شیخ برہان الدین قطب عالم اور مولانا خواجگی اس ہجرت سے گجرات میں اردو بولنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا - دوسرے شاہان گجرات کی سلطنت کا قیام - یہ واقعہ بھی اس صوبہ میں اُردو کی آیندہ ترقی کے لئے ایک زبردست محرک ثابت ہوا - مسلمان جو مختلف مقامات سے گجرات میں آباد ہوگئے تھے دہلی کی زبان کو اپنے ساتھ لائے - اور قومی زبان کی حیثیت سے اس پر نظر ڈالتے رہے گجرات کی زبان اگرچہ گجراتی ہے - لیکن مسلمانوں نے من حیث القوم اردو کو اپنی زبان تسلیم کرلیا -

عام طور پر اقلیتوں کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنی قومیت کو غیر اکثریت سے محفوظ رکھنے کی غرض سے اپنی زبان مذہب اور رسوم کی سختی کے ساتھ پابند ہوجاتی ہیں - یہی حالت گجرات میں مسلمانوں کی ہوئی جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی -

قرائن اور آثار سے پایا جاتا ہے - کہ گجرات میں شروع ہی سے مسلمان اردو بولتے رہے ہیں - بعض مورخین و مصنفین نے مشائخ و سلاطین گجرات کے ایسے ہندی فقرے اور جملے نقل کئے ہیں جو یقیناً اردو زبان سے علاقہ رکھتے ہیں - چونکہ ان فقروں کا ذکر گذشتہ مضمون میں کیا جاچکا ہے - میں یہاں صرف ان کی ایک مختصر تکرار پر قناعت کرتا ہوں -

بقول شیخ باجن یہ فقرہ شیخ یحییٰ کے متعلق گجرات میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کرچکا تھا -

" وقت شیخ یحییٰ جیسا پڑے تیسا سہے اپنی ہیڈن کسے نکہے "

یعنے اگرچہ تمہارا شیخ وقت شیخ یحییٰ کی طرح مستجاب الدعوات ہو پھر بھی مناسب یہی ہے

کر جو تکلیف انسان پر آئے اسے خود جھیلے اور دوسروں سے اس کا تذکرہ نہ کرے - شیخ یحییٰ شیخ لطیف کے فرزند ہیں اور شیخ عزیز اللہ متوکل کے والد -

سید برہان الدین ابو محمد عبد اللہ قطب عالم متوفی سنہ ۸۵۷ھ کی طرف فقرات ذیل منسوب ہیں : -

(۱) چشتیوں نے پکائی انے بخاریوں نے کھائی[1] -

(۲) کیا ہے لوہا ہے کہ لکڑی ہے کہ پتھر ہے[2] -

ان کے فرزند شاہ عالم عرف شاہ منجھن متوفی سنہ ۸۸۸ھ سے یہ فقرے تعلق رکھتے ہیں :-

(۱) ارے میاں الونک بوستے کیوں نہیں[3] -

(۲) پدہ ندہ کرے[4] -

(۳) راجن جی بکر مستے بدل بکرہ وٹا[5] -

(۴) جو راجن جی کا اونہ بھایا ہووے تو تجھ جیسے فقیروں کی برسوں تین کناسی کرے[6]

ذیل کی ضرب المثل شاہ بیگڑہ سنہ ۸۶۳ھ و سنہ ۹۲ھ سے علاقہ رکھتی ہے :-

نجی بیری سب کوئی جھوڑے[7]

یہ نمونے زیادہ تر پندرھویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں -

اردو میں اہالی گجرات کی دلچسپی کا ایک قدیم تر ثبوت مولانا فضل الدین محمد بن قوام بلخی کی تصنیفات سے بھی ملتا ہے جو قصبۂ کرٹی واقع گجرات کے باشندے ہیں - مولانا فضل الدین اپنی تصنیف شرح مخزن اسرار میں جو سنہ ۹۵۰ھ کے بعد لکھی گئی ہے - فارسی کے بعض الفاظ کے اردو مرادف بتلاتے ہیں - ان کی فرہنگ بحر الفضائل میں جو سنہ ۸۳۰ھ

---

[1] تحفۃ الکرام ص۴۸ جلد اوّل [2] تحفۃ الکرام ص۱ جلد اول [3] تحفۃ الکرام ص۸ جلد اوّل [4] مرآت سکندری ص۸۵ [5] تحفۃ الکرام جلد اوّل ص۳۶ [6] تحفۃ الکرام ص۳۱ جلد اوّل [7] مرآۃ سکندری ص۱۱۱

میں تالیف ہوئی ہے ۔ تین سو سے زیادہ اُردو الفاظ ملتے ہیں جو مختلف فارسی و عربی الفاظ کی تشریح کی غرض سے بیان ہوئے ہیں ۔ اسکے علاوہ مؤلف ہندوستان کے جغرافیہ ۔ نجوم ۔ ماہ و سال ۔ موسیقی ۔ اوزان اور پہلوں پر بھی مختصر مختصر اطلاع دے رہا ہے ۔ سب سے آخر میں ایک باب دیا ہے ۔ جس میں بعض ایسے ہندی الفاظ کا ذکر کیا ہے جو ہندی شاعری میں کار آمد ہیں ۔ مولینا کے اصل الفاظ یہ ہیں :۔

"باب چہارم در بعض الفاظ ہندوی کہ در نظم ہندوی استعمال کنند"

ان امور سے واضح ہے کہ گجرات میں ان ایام میں یعنے فرہنگ بحر الفضائل کی تالیف کے وقت ہندی یعنی اردو میں عام طور پر کافی دلچسپی کا اظہار کیا جاتا تھا

گجرات میں ہندی نظم کے ابتدائی حامیوں کے نام اور حالات سے ہم قطعاً تاریکی میں ہیں ۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ نظم وہاں موجود تھی ۔ چنانچہ بحر الفضائل میں ایک شعر ملتا ہے ۔

دیکھ پیکھ پی پر گھر جاوے   تس نس نینو نیند نہ آوے

شیخ باجن کے ایک مختصر بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عطاء اللہ الملقب بہ شیخ رتن جو شیخ رکن الدین کان شکر متوفی ۸۴۲ھ کے مرید ہیں ۔ ہندی نغمہ اور موسیقی کے لئے مشہور تھے ۔ باجن کہتے ہیں :۔

"و پسر شیخ نصر اللہ بندگی شیخ عطاء اللہ الملقب بہ شیخ رتن کہ بندگی ایشان در علم موسیقی و در جمیع علوم دانشمند بودند کہ سرود ہاے ایشان در عالم خدا ظہور مشہور و مقبول اند"

شیخ نصر اللہ شیخ رتن کے والد شیخ عزیز اللہ متوکل کے بڑے بھائی ہیں ۔ رتن شیخ عطاء اللہ کا تخلص معلوم ہوتا ہے ۔ مسلمان ہندی گو شعرا اکثر اوقات ہندی تخلص بھی رکھ لیا کرتے تھے ۔

شیخ بہاء الدین باجن

شیخ باجن نویں صدی ہجری کے منتصف دوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ انکا نام بہاء الدین بن معز الدین اور تخلص باجن ہے۔ باجن کا ترجمہ موسیقی ساز یا باجہ ہے۔ شیخ باجن ایک رسالہ کے مصنف ہیں جو ان کے پیر شیخ رحمت اللہ بن شیخ عزیز اللہ متوکل اور ان کے اسلاف کے حالات نیز فقر و تصوف کے بیانات پر شامل ہے۔ یہ رسالہ بدقسمتی سے ناقص الطرفین ہے اس لئے مجھ کو اسکا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ متذکرہ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ باجن اپنے زمانہ میں کسی قدر شہرت کے مالک تھے۔ صاحب خزینۃ الاصفیا کے نزدیک شیخ عزیز اللہ متوکل شیخ باجن کے پیر ہیں چنانچہ لکھا ہے :-

"شیخ عزیز اللہ متوکل قدس سرہ پیر شیخ باجن است کہ پیر شیخ علی متقی است"

(ص۱۱۴ جلد اول)

لیکن شیخ باجن بار بار اپنے رسالہ میں شیخ رحمت اللہ کو اپنا پیر بیان کرتے ہیں۔ جس سے کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ شیخ باجن کے حالات بدقسمتی سے کسی تذکرہ میں نہیں ملتے۔ ان کی تصنیف سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نہایت ہی متورع اور متقی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے والد معز الدین سات مرتبہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے ہیں۔ جن میں سے پہلے تین حج انہوں نے تنہا ادا کئے ہیں باقی چار حج اپنی والدہ ماجدہ کی معیت میں کئے ہیں۔ اس کے علاوہ بیت المقدس و دیگر مقامات متبرکہ کی بھی زیارت کی ہے۔ اور آخر میں شہادت پائی۔ باجن فرماتے ہیں :-

پدر این فقیر ہفت بار حج کردہ بود سہ حج اول تنہا رفتہ بودند چون باز آمدند دوم بار برکاب خدمت والدۂ خود رفتند چہار حج دیگر کردند و یک حج اکبر

یافتند و در مدینۂ مبارک بزیارت سلطان المرسلین و در قدس وخلیل
زیارت پیغامبراں پیادہ رفتند و برکت آں جمہا موت شہادت یافتند"

شیخ باجن نے اپنے ایک بھائی کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کا نام شیخ میناں تھا اور شیخ رحمت اللہ سے ارادت رکھتے تھے۔ باجن کے ایک اتفاقیہ جملہ سے اسقدر اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ہندوستان کے جنوب میں جزیرۂ سیلان تک اور شمال میں سرحد ایران تک سفر کیا ہے۔ کہتے ہیں:-

"این فقیر تا طرف سندہ قریب خراسان و طرف دکن تا قریب سرحد
سیلان مسافر بود"

وہ شادی آباد (منڈو) بھی گئے ہیں اور شیخ عزیز اللہ متوکل کے مزار کی زیارت کر آئے ہیں۔ صاحب مرآت احمدی نے شیخ علی متقی کے ذکر میں دو مرتبہ شیخ باجن کا ذکر کیا ہے۔ پہلے فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ علی متقی کو بعمر ہشت سالگی انکے والد شیخ باجن کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ اور انہیں شیخ کی بیعت کرائی۔

"پدر او در اوان ہفت ہشت سالگی بخدمت شیخ باجن چشتی بردہ مرید
ساخت" (صفحہ ۵۶ جلد دوم)

دوسری بار اس موقعہ پہ ذکر کیا ہے۔ جب شیخ علی متقی جا کر شیخ باجن کے فرزند شیخ عبدالحکیم کے مرید ہوتے ہیں۔

"بعد ازاں جاذبۂ عنایت الہی در رسید وحقفا [illegible]
شیخ عبدالحکیم بن شاہ باجن رسیدہ خرقۂ خلافت چشتیہ پوشیدہ بجانب
دیار ملتان سفر کردہ (صفحہ ۵۶ جلد دوم)'

تحفۃ الکرام سے اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ شیخ باجن کا مزار [illegible] ہے شیخ قطب محمد بن شیخ حسن محمد چشتی کے ذکر میں مرقوم ہوا ہے کہ:-

"شیخ قطب محمد طرف برہان پور سکونت ورزیدہ بدانجا برحمت حق پیوستہ
قبر نزدیک روضۂ شیخ باجن واقع است (ص۴۹ جلد اول)

حسب روایت تذکرۂ گلزار ابرار باجن ۹۱۲ھ میں وفات پاتے ہیں جیسا کہ ایشیاٹک
سوسائٹی بنگال کی فہرست فارسی مخطوطات[1] مرتبۂ آئیوانف میں درج ہے۔

شیخ باجن کی تصنیف پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی زبان ان کے ہاں زیادہ تر ہندی طرز تخیل و تکلم کے تابع بنا دی گئی ہے وہ ہندی میں سوچتے اور بولتے ہیں۔ اور اسی لئے ان کی تحریر میں ہندی محاورات اور اسلوب کا پرتو موجود ہے۔ ہندوستانی فارسی اسی چیز کا نام ہے۔ اس عہد کے اکثر ہندوستانی بالخصوص جماعت صوفیہ کے ہاں اسی قسم کی فارسی لکھی جاتی تھی۔ ان کی تحریر نہایت صاف سلیس اور سادہ ہے۔

اردو کا قاعدہ ہے کہ تعظیماً و تکریماً ایک شخص کا ذکر بصیغۂ جمع لاتے ہیں۔ باجن کے ہاں یہ قاعدہ بالکل عام ہے مثلاً

(۱) بندگی شیخ عبداللطیف عرضداشت کردند کہ ہم ازین معنی پیش ازین درخواست کردہ بودیم کہ شما راست بدانید کہ ما راست میگوئیم

(۲) شیخ نظام الدین اولیا خوش شدند۔ آب وضو کہ در طشت بود عطا فرمودند ... گویند شیخ عبداللطیف مالیدن گرفتند

... بعض بالکل ہندی محاورے استعمال ہوئے ہیں مثلاً دب کردن ... مثال :-

بعد مرتب ... فرمایند کہ در زمین دب کنند

---

[1] فہرست ... ص ... ۱۹۲۴ء

آیندہ جملہ میں رہایش بمعنی رہائی استعمال ہوا ہے۔

"سبب دختران رہایش خود میکنند"

بحیثیت فارسی نگار شیخ باجن کسی بلند رتبہ کے مستحق نہیں ہیں۔ مگر وہ دونو زبانوں یعنے اردو اور فارسی میں شعر کہتے ہیں۔ نہ انکی شاعری بلند پایہ ہے تاہم دیگر شعرای متصوفین کی طرح انہوں نے شعر کو اپنے خیالات وجذبات کے اظہار کا آلہ بنالیا ہے۔ ہندی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کثرت سے شعر کہے ہیں۔ اسی فارسی تالیف میں جس کا کئی بار ذکر آچکا ہے۔ موقعہ بموقعہ پچاس ساٹھ سے زیادہ ہندی دوہرے اور نظمیں منقول ہیں۔ جو سب انہی کی طبعزاد ہیں۔ ہم انکی فارسی سے قطع نظر کرکے انکے ہندی کلام کی طرف توجہ دیتے ہیں۔

ان ایام میں قاعدہ تھا کہ ملکی زبانوں کو مختلف صوبوں کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ امیر خسرو دہلوی نے اسی طرح ان کا ذکر کیا ہے۔ یعنے زبان سندہ۔ لاہور۔ کشمیر۔ ڈوگر۔ دہور۔ سمندر۔ تلنگ۔ گجرات معبر۔ گوڑ۔ بنگالہ۔ اودہ۔ دہلی۔ اس لحاظ سے دہلی اور اس کے علاقہ کی زبان دہلوی کہلائی۔ یہ نام ہمارے عہد تک باقی رہا ہے۔ نواب میرزا داغ دہلوی کا شعر ہے ؎

احمد پاک کی خاطر تھی خدا کو منظور ورنہ قرآن اترتا بزبان دھلی

ابوالفضل بھی آئین اکبری میں دہلی کی زبان کو اسی نام سے یاد کرتا ہے۔ لیکن شیخ باجن پہلے شخص ہیں جو زبانِ دہلوی کا نمونہ دیتے ہیں۔ وہ اسکو ہندوی کے نام سے بھی پکارتے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ہندی اور زبان دہلوی ایک ہی چیز ہے۔ انکی تصنیف میں دنیا کی مذمت میں ایک چھوٹی سی نظم ہے۔ جو اس عنوان سے شروع ہوتی ہے۔

"صفت دنیا بزبان دہلوی گفتہ"

اور نظم حسب ذیل ہے :-

یہ فتنی کیا کہے یہ ملتی ہے جب ملتی ہے تب چھلتی ہے
اول آن چھل بہت چھلاے آن چھوہری بہتی کھاے
آن رو کر بہت رو لاے
یہ فتنی کیا کہے یہ ملتی ہے جب ملتی ہے تب چھلتی ہے
[بین دوم] آن بہت گھیرے پارے جے اس بلکے وسے ان چھارے
جے رہے اس تھے تارے وسے نجانے اس تھے پارے
جے اس کار نہ تپنہ ترسنہ جے چکہ ملے تو اس سنہ بلسنہ
یہ فتنی انہوں تپاوے چکہ پاس انہوں نا وے
جے اسس کدھی نہ دوریں جے چکہ ملے تو بھی اس چھور نہ
جے دیکہ اسس تھے بھاگے یہ نیلج ان سنہ لاگے
[تخلص] دیکہ باجن یہ تو جھوٹی کہ میٹھی چیت نیٹھی
یہ اہے ایسی دھیتی یہ کیا کہے یہ ملتی ہے

اس زبان کو شیخ باجن زبان دہلوی کہتے ہیں - میں اسی تالیف سے ایک اور مثال دیتا ہوں - اصحاب صفہ کے متعلق شیخ باجن روایت کرتے ہیں کہ جنگ میں جاتے وقت یہ لوگ لشکر اسلام سے آگے آگے چلتے تھے - لیکن لڑائی سے واپسی کے وقت سب سے پیچھے پیچھے آتے تھے - ان کی تعریف میں فرماتے ہیں :-

" مناقب حضرت ایشاں بزبان دہلوی نبشتہ شدہ است - عقدہ

جب راوت جھوجھن جاو نہ تبتوں آگیں ہووا جائیں
جھوجھ کر باھر نہ [آو نہ] تبتوں پیچھیں ہووا آئیں
باجن بر دوہی جو خدا فرمایا محمد کی کافر نہ سوں دند لایا

ایک مناجات لکھتے وقت اسی زبان کو ہندوی کے نام سے یاد کرتے ہیں -

چنانچہ " واین مناجات بزبان ہندوی گفتہ شدہ است

ترے پنتہ کوئی چل نسکھے جو چلے سو چل چل تھکے
پڑہ پنڈت پوتھی دہویاں سب جان سدہ بدہ کھویاں
سب جوگیوں جوگ بسارے سب تپئی تپ بکارے
ایک درستی ورسن بھولی سرناگے پانوہ کہلے
ایک سیوری ہوے سیو کرنہ ہوئی تپئی کیا دکہ دھرنہ
ایک درویش ہوئیکر آئے ہوی قلندر روپ بھرائے
ایک ابدال ہوے اب دھوتی ایک ہاندہ ہا ہا ہوتی
ایک کھلی ہوئی دوانی ایک باول ہہندرانی
ایک راتی ماتی ہوے ادراون [بن] پی پے سدہ ہوہو جاونہ
ایک چگلم جٹا دھاری ہور ہندو نس اندھیاری
ایک کاپری ہوی کرکنپہ مند سبو تجھے چنپہ
ایک اپاسی راتنہ جاگنہ ہوے بھکاری تجھے مانگنہ
یوں ٹولی ٹولی ہوے کرے سب رل رل کہل کہل کہوی کرے
دے مکت منے ایوے دیکھے آرے باجن توں کس لیکھے

اب ظاہر ہے کہ دہلوی اور ہندوی شیخ باجن کے نزدیک ایک ہی چیز کے دو نام ہیں - وہ اس امر سے بخوبی واقف معلوم ہوتے ہیں کہ یہ زبان جس میں وہ طبع آزمائی کر رہے ہیں اصلاً دہلی سے علاقہ رکھتی ہے -

باجن ایک موقعہ پہ ایک ریختہ بھی دیتے ہیں جو حسب ذیل ہے - ریختہ :-

یہ صوفی سر الٰہی این مرتبہ دارد شاہی یہ مظہر عین خدائی

ودراں مجلس کہ مظہرِ عین خدا باشد آنجا عین شین خدا باشد آنجا بارد رحمۃ اللہ
آنجا ساقی رسول اللہ آنجا روی تو شین اللہ آنجا ہمہ اللہ باشد نہ غیر اللہ

یہ ریختہ زیادہ ترگیت کے مشابہ ہے۔لیکن اس میں شک نہیں کہ یہاں اس اصطلاح کا استعمال نہایت قدیم ہے۔

یہاں بعض اور مثالیں باجن کے کلام کی دی جاتی ہیں:—

محمد سرور پرم کا رحمۃ اللہ بھریا باجن جیوڑا وار کر سر آگیں دھریا

(دیگر)

باجن وہ کسی کے عیب ڈھانکے اس تھے درجن تھر تھر کانپے
نعمت علی اس تھے پائی میں چیاں (دکذا) انکھیاں چاری نکھائی

(دوہرہ)

باجن وہ کسی سرکھیا نہیں اور اس سرکھیا نہیں کوے جیسا کوئی من منترچنت دے ویسا کبھی نہ ہوے

(دوہرہ)

تجھ ایک روپ اور بھانت بہت دیکھ عاشق شیدا ہوے
باجن ایکی ایک سرکھیا ناہیں سب گئے جوے

دیگر

نہ انہ جنیا نہ وہ جایا ناوہ مای باپ کیلایا
باجن سب انہ آپ نہ پایا پرگھٹ ہوا پہ آپ لگایا

(دوہرہ)

بھونرا لیوے پھول رس رسیا لیوے باس مالی سنچے آس کر بھونرا کھڑا اداس

(دوہرہ)

باجن میت بچھوڑا جس کوں ہوے پانی رووے سب کوئی وہ لوہو روے

دیگر

جب منڈل منہ منہ دھمکے یہ رباب مدنگ ہیں کھکے یہ صوفی انہ پہ رقصے

دیگر

روزے دھر دھر نماز گذاری دیتی فرض زکوٰۃ

بن فضل تیرے چھوٹک ناہیں آگیں کبھن بات

دوہرہ

عقدہ دریدہ گذارا : ۔ مصطفےٰ جگ کا موہن رے

کاندھے سوہے کانبلی سر پر سوہے تاج لت کت آوے نبی محمد تمہ کارن معراج

(دوہرہ)

باجن پرتہ درویش کی جس دیوے کرتار اس جگ میانے راج کرے اُس جگ اتھے پار

دوہرہ

گور اندھیاری ڈر بڈا باجن کھرا مفلس ہیرا کا نپے جیو ڑے یہ دکھ آکھوں کس

دوہرہ

باجن ناوہ ٹھرا بندھیا بہتی بھار آگیں دریا ڈراونا کیوں اترلیسی پار

دیگر

باجن جنہ روی روی اپنے پاپ دھوے نینہ پانی نا رہیا تب لوہو روسے

دیگر

روج جو آہے پاپن دھونا ہس ہس رووے ایسا رونا

دیگر

گھر انگن جنگل ڈونگر باجن من یکساں گھر باہر تو ہی رکھوالا نگہ وان [تیرا نانو میرا ترُوے ری]

سبہ ٹانوں کا رکھوال اوگھٹ گھاٹ اتارن ہار [تیرا نانو] میرا تروے ری

بکت دونگ نکھیں کانٹیاں باگ لبیں جن ٹھاؤں   سب بن کھنڈ کا توں ہی راجا واری تیرے جانوں

دیگر

کن کن ابھرن موندری ہے پرم پیاله پیا   باجن جے کچھ کھٹیا سہ کلالن لیا

دیگر

راول دایل ہم نجانا   بھاٹا پہنہ روکھا کھانہ
ہم درویشنہ ایہی ریت   پانی لوڑیں ہور مسیت
بیٹھے آپیں ٹھنڈی چھانو   جو کچھ دیوے سو ہی کھانو

دوہرہ

باجن کوئی نجانے وہ کدھنا اوکد تھے پرگٹ ہووا   وہی جانے آپلوں جب تھے پرگٹ ہووا

(عقدہ)

یہ جیو دیسوں یہ جیو دیسوں   سب بر ہر تمہ سوں بھوگ کریسوں

(بین اوّل)

یہ جیو پیارا آپے منجہ تیرے تائیں   بہیت تمہارے کروں گسائیں
باجن جیو تمہارے تائیں   جیو جیو اہے تو ہیں گسائیں

دیگر

باجن زھد ریائی کچھ کام نہ آئے   جب وہ بینچے ہات منہ اک جونہ پاوے

دیگر

باجن جیو آمرہے موہ انکھیو کوے   جے کوئی موو اسکہے وہی موواہوے

(عقدہ)

راجے گئے دربار سگل رات پھرے پہ نہ   مندر مندر دیورے بلنہ لن بن پنکھڑی کرل کرنہ
(عقدہ) ایک آپیں جاگتہ اور نہ بھی جگاونہ   پھرے پھرے سبد ستاونہ

النگ النگ بیٹھی ہیں چوکیاں   جاگو لوکا جاتی رات

(دوہرہ)

سبہ رس پانی نیچے جیوں جانے سبہ کوت   جس رس نیچے پانی وہ رس کیسا ہوے

اس موقعہ پر ان اشعار کی زبان کی بعض خصوصیات کا تذکرہ بے موقعہ نہیں ہوگا - ان ایام میں اردو زبان کے امتیازی خط و خال جو دوسری زبانوں سے اسے ممیز کر سکیں صرف معدودے چند ہی یعنے یہ کہ اس زبان میں مسلمانی جذبات و خیالات ہوں - اس میں ایک حد تک عربی و فارسی الفاظ کا عنصر موجود ہو اس کی صرف و نحو ایک خاص اصول قواعد کی پابند ہو - یہ امور باجن کی زبان میں موجود ہیں -

اسکے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض عربی و فارسی الفاظ اس زبان میں ہندوستانی صرف کے طریق پر لائے گئے ہیں مثلاً کافر - عاشق و درویش بحالت جمع کافرنہ - عاشقنہ اور درویشنہ بنا لئے گئے ہیں - جو برج کے مطابق ہے - عربی رقص سے ہندی مضارع رقصے بنالی گئی ہے - فارسی لفظ میاں (درمیاں) سے بقاعدۂ صرف میانے کرلیا گیا ہے - اسی طرح مسجد اور نگہبان کو مسیت اور نگہواں لکھا گیا ہے روزے دھرنا اور نماز گذارنا فارسی روزہ داشتن اور نماز گذاردن کا ترجمہ ہے

جمع مضارع میں رائج الوقت شکل کے علاوہ ایک اور جمع ہے - جو اب اردو سے بالکل متروک ہے یعنی دھرنہ (دھریں)، کرنہ (کریں)، بلسنہ (بلسیں)، ترسنہ (ترسیں)، تپنہ (تپیں)، پرنہ (پریں)، جاگنہ (جاگیں) اور مانگنہ (مانگیں) جو پنجابی جمع سے مطابق ہے -

مستقبل میں صیغہ واحد متکلم کریسوں (کرونگا)، دیسوں (دونگا)، اور واحد غائب اتریسی (اتریگا)، اکثر مستعمل تھا ،

پنجابی طرز کی جمع کانٹیاں (کانٹے) انکھیاں (آنکھیں) کے ساتھ ساتھ برج کی جمع کلالنہ (کلاؤں)، تدویشنہ (درویشوں)، پاپنہ (پاپ)، راتنہ (راتوں) اور نہ (اوروں) کثرت کے ساتھ آرہی ہے۔

بعض الفاظ کی قدیم شکلیں یہ ہیں:۔

تے = جو، تجے = سے، آبے = ہے، منہ یا منیں = میں (ظرفیہ)، آپیں = آپ، چکہ = کچھ، اگیں = آگے، سرکھا = سریکا، لہنا = لینا، چھوٹک = چھٹکارا، پہلوں = پہلے منجہ = مجھ، اب دھوتی = اب دھوت، نبلج = نرلج۔

باجن۔ کے ہاں برج کی تمام جمع مثلاً کلالن۔ لوکن اور تمام جمع مضارع یعنے دھرن۔ کرن وغیرہ نیز اکثر مصدر اور ایسے الفاظ مثلاً تم۔ اُن۔ جن۔ نین۔ باتوں۔ لین۔ دین وغیرہ بالعموم ایک ہائے مختفیہ پر ختم ہوتے ہیں۔ ہندی اصوات کے لئے اس نسخہ میں خاص علامات موجود نہیں۔ البتہ حرف مشدد کو دوبار لکھا گیا ہے۔ مثلاً لیّا = لییا، میرّا = میررا، اڑّانا = اررانا وغیرہ۔ یہ خصوصیت بحرالفضائل کے نسخہ میں بھی موجود ہے۔ جو بظاہر نویں صدی ہجری کا نوشتہ ہے۔

باجن کا کلام ہندی اوزان میں ہے۔ دوہرے جو چوبیس ماترا پر ختم ہوتے ہیں نہایت عام ہیں۔ دوسرے اوزان بھی موجود ہیں۔ زائد اشعار کی صورت میں ابتدائی شعر جو متحدالقافیہ ہوتا ہے عقدہ کہلاتا ہے۔ بعض کے بند تین تین یا چار چار ہم قافیہ مصرعوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور بین کہلاتے ہیں۔ آخری بند جس میں تخلص لایا جاتا ہے تخلص کہلاتا ہے۔ نظم کی اس قسم کی تقسیم صوبۂ گجرات میں دیر تک رہی ہے۔

قاضی محمود دریائی

قاضی صاحب گجرات کے مشاہیر صوفیہ سے ہیں۔ ہندی شعر گوئی میں انکی شہرت نہ صرف

گجرات تک محدود رہی ہے بلکہ ہندوستان میں بھی پھیل چکی ہے۔ ایک خاص طرز کی نظم کے سلسلہ میں جسکو 'جکری' کہا جاتا تھا ان کا نام خصوصیت سے زبان زد عام ہے۔ جکری مجالس حال وقال و عرس میں قوال پڑھا کرتے تھے۔ ایک زمانہ میں قاضی صاحب کی جکریاں تمام گجرات میں مقبول تھیں۔ اخبار الاخیار میں مرقوم ہے:-

"جکریہائے وے کہ بزبان ہندی دارد دستور قوالان آن دیار است بغایت مطبوع و موثر و بے تکلف و آثار عشق و وجد از سخنان وے لائح است"

(اخبار الاخیار ص ۱۸۷)

علاء الدین ثانی برناوی اپنی تصنیف کتاب چشتیہ میں شیخ علاء الدین کی 'علائیوں' کے ذکر میں (جو ایک خاص قسم کی متصوفانہ و عاشقانہ نظم ہوتی تھی) مثلاً قاضی صاحب کی جکری کا بھی ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

"کلام مقبول او رمثل جکری قاضی محمود ہر کہ می شنود بر رحمت او آفرین می ستود (ورق ۴۴۹)

تحفتہ الکرام میں مذکور ہے:-

" از غلبات عشق پیوستہ بحسب حال عاشقانہ بہندی بطرز ولبندی می بست"

(ص ۸۰ جلد اول)

صاحب خزینۃ الاصفیا لکھتے ہیں:-

"اشعار عاشقانہ بزبان ہندی فرمودے کہ قوالان آن دیار بوقت سماع اشعار آنجناب بمجلس اصفیا میخوانند و بغایت موثر می باشند" (ص ۸۰ جلد دوم)

یہاں 'جکری' کے متعلق چند الفاظ لکھنے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ 'جکری' دراصل 'ذکر' کی بگڑی شکل ہے۔ اسکا اطلاق ایسی نظموں پر ہوتا ہے۔ جن میں اور مضامین کے علاوہ سلسلہ کا شجرہ اور مشائخ کی مدح ہوتی تھی۔ نظام الدین اولیا متوفی ۷۲۴ھ کے عہد میں بھی جکری کا رواج تھا اور ان کو مولانا وجیہہ الدین کی جکری پر حال آیا تھا۔ جو

حسب ذیل ہے :-

"بینا بن بہا جی ایسا سکھ سنے باسوں"

اس سے ظاہر ہے کہ جکری بھی قدیم سے ہے -

بقول صاحب کتاب چشتیہ بعض راگ جکری کے ساتھ مخصوص ہیں یعنے للت ۔بلاول۔ ویساکھ ۔ٹوڈی ۔سیام بیراری ۔ دھناسری۔ اساوری ۔ دیوگیری ۔ پوربی ۔ کلیان ۔کانڑہ۔ بھاکرہ اور گنڈ ۔

قاضی محمود بیرپور کے باشندہ ہیں ۔خرقہ انہیں اپنے والد سے ملا تھا ۔ایک عرصہ تک احمد آباد میں رہے ۔ ۹۲۰ھ میں بقول مرآت احمدی وہ اپنے وطن بیرپور لوٹ گئے جہاں ۹۲۱ھ میں انتقال کیا ۔لیکن مجمع الاولیا اور خزینۃ الاصفیا میں انکی تاریخ وفات ۹۲۰ھ درج ہے ۔

قاضی محمود کی طرف مختلف کرامات منسوب ہیں ۔ان کو دریا کے مسافروں کا ولی ماناجاتا ہے ۔ اور اسی لئے انکو بحری کہاجاتا ہے ۔ان کے ماننے والوں کا اعتقاد ہے ۔کہ تباہی زدہ جہاز وکشتی کے لوگ ان کا نام لے کر سمندر کی تباہی سے بچ جاتے ہیں اور بخیر و عافیت ساحل پر پہنچ جاتے ہیں ۔

مجھے افسوس ہے کہ میں سردست قاضی صاحب کا نمونہ کلام یہاں درج کرنے سے قاصر ہوں ۔

(حافظ) محمود شیرانی

تنقید و تبصرہ

حافظ شیراز

حافظ کی نظر سے

یہ ۶۵ صفحے کا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے۔ جس میں خواجہ حافظ کی شاعری کے محاسن بیان ہوئے ہیں۔ اس کے مصنف مولوی سید یوشع صاحب بی۔ اے علیگ ہیں۔ دیباچے میں وہ لکھتے ہیں کہ " دیوان حافظ میں ایسے اشعار بہت سے ملتے ہیں جن سے خود ان کے کلام پر تنقیدی روشنی پڑتی ہے اور اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حافظ کی نظر میں محاسن شاعری کیا تھے۔ اس رسالے میں کلام حافظ کی خوبیاں تقریباً حافظ ہی کی زبان سے بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے"۔ دوران بحث میں جا بجا حافظ کے اشعار سے عبارت آرائی کی گئی ہے۔ لیکن حافظ کی زندگی کے حالات کو نہیں چھیڑا گیا +

مقام اشاعت **خورشید پریس** - حیدرآباد دکن ۱۹۳۰ء

قدیم افسانے

جامعۂ عثمانیہ (حیدرآباد دکن) کے پروفیسر سید عبدالقادر سروری ایم۔ اے ایل ایل بی نے ایک سلسلۂ کتب مرتب کیا ہے۔ جس کا نام " دنیائے افسانہ" ہے

اس سلسلے کی کتابوں میں ممالک مختلفہ کے مشہور اور ہردل عزیز افسانے درج کئے گئے ہیں ۔ حصّۂ اول اور حصّۂ ہفتم ہمارے پاس بغرض تبصرہ بھیجا گیا ہے ۔ حصّۂ اوّل قدیم مصری یونانی رومی ہندی ایرانی اور عربی افسانوں کا مجموعہ ہے ۔ اور حصّۂ ہفتم میں چینی اور جاپانی افسانے ہیں ۔ یہ سب افسانے مختصر کہانیوں کی شکل میں ہیں ۔ اور ہر ملک کے قدیم مُصنّفوں کی تصانیف سے اخذ کئے گئے ہیں ۔ ان کی نوعیت مختلف ہے بعض رزمیہ ہیں بعض اخلاقی بعض تاریخی ' اور بعض مذہبی ۔ مثلاً ایرانی افسانوں کے تحت میں بیژن کا قصّہ ہے ۔ جو شاہنامے سے ماخوذ ہے اور چہار مقالہ میں سے حکیم رازی کی وہ حکایت جس میں اس نے منصور بن نوح کا نفسانی علاج کیا ہے ۔ اور ایک حکایت گلستانِ سعدی میں سے دی ہے ۔ وھلم جرًا '

انگریزی میں اس نوعیت کی کتابیں بکثرت ہیں اور عموماً بہت مقبول ہیں ۔ اردو میں بھی اس قسم کے لٹریچر کا اضافہ ہمارے نزدیک فائدے سے خالی نہ ہوگا ۔ حصّہ اوّل کی ضخامت ۱۴۷ صفحے ' حصّہ ہفتم ۱۷۰ صفحے ' طباعت معمولی ' قیمت علی الترتیب ایک روپیہ اور نو آنے (۹ر) ہے ۔

ملنے کا پتہ :۔

انجمن امداد باہمی مکتبۂ ابراہیمیہ ۔ اسٹیشن روڈ حیدر آباد (دکن)

مثنوی

صفانامہ

(بہ سلسلہ اشاعت گذشتہ)

لہ

هست فضائل که بود در بشر — پیش همه اهل دل اثنی عشر
چار گرفتست تعلق بجان — چار بتن چار جدا زین و آن
عفّة و عدل است و شجاعة چو علم — خاصهٔ جان ضبط کن ای اهل حلم
قوّة و صحة شد و حسن و جمال — آنچ تن از وی بپذیرد کمال
وآنچ ندارد بتن و جان پناه — هست نسب با تبع و مال و جاه

لہ

کرده شد از چار کتاب اختیار — چار سخن و آن تو ز من یاد دار
اهل یقین نقل چنین کرده اند — آنچ ز توراة گزین کرده اند
سیر شود هرکه قناعة کند — بشنو این پند که طاعة کند
وآنچ گزین شد ز کتاب زبور — فائده ز آن یافته نزدیک و دور
هرکه بری شد دلش از آرزو — فتنهٔ ایام از و تافته رو
وآنچ ز انجیل شده اختیار — هرکه زبان بست بود رستگار
آنچ ز قرآن همه را شد دلیل — سر نه کشید است کسی زین سبیل

لہ اصل نسخے میں عنوان کے لئے جگہ خالی چھوڑی گئی ہے۔ ۱۲

هرکه توکل بخدا می کند یاری او در همه جا می کند

حکایة

پند که لقمان به پسر داده است در ذهن اهل دل افتاده است
گر تو زمن بشنوی ای هوشمند مردم عاقل ز تو گیرند پند
گفت که مال از پی دینی طلب تا نکشی از غم فاقه تعب
کوشش بسیار کن از بهر دین تا نشوی غم زده روز یقین
چون بودت حاصلی از دین مال گر نبود هیچ منالت منال

حکایة

صاحب عیشی که چو گل می شگفت رفت بر صاحب عباد و گفت
کز خورش و پوشش اهل دیار طبع شما را چه بود اختیار
صاحب عباد زبان بر کشاد گفت که ای یار مبارک نهاد
لقمهٔ من آنچ فقیران خورند خرقهٔ من آنچ اسیران درند
از همه انواع لباس و طعام این دو گزیداست بنزد کرام

حکایة

گفت بزرگی که شباب از خضاب می نتوان یافت چو آتش ز آب
صحبة صحة بدوا هم ندید آنک بسی رنج و مشقّة کشید
مال شود در هوس کیمیا صرف در آیند حکیمان زیا
عاقبة الامر نیابند کام عمر به بیهوده شود والسلام
چشم ندارند سر چیز از سه کس مردم هشیار مبارک نفس
حسن و فا از زن نا مهربان کاهل دلانند ز جورش بجان
موعظه از دشمن خون خوار خویش آنک از و شد جگر خسته ریش

حرمة ازان شخص که فاسق بود　　　همنفس یار موافق بود

له

خواسته اند اهل دل ای خوش نفس　　　در همه ایّام سه چیز از سه کس
عدل ز سلطان و عطا از کریم　　　شربة صافی ز طبیب حکیم
اهل خرد را سه علامة بود　　　تا وطنش کوی سلامة بود
هست نخست آنک بجلش زبان　　　در سخن آید چو گشاید دهان
با همه احباب بود سازگار　　　روی نتابد ز صغار و کبار
در پی هر کار ضروری بود　　　بارکش رنج صبوری بود

له

با من سرگشته یکی راه رو　　　گفت که خوش گوی بود خوش شنو
هر که بود خوش سخنی خوی او　　　اهل جهانند ثنا گوی او
گرچه سخن را خطری چند هست　　　خیز بیا بشنو از اهل نشست
[illegible]
هر که بموقع نسراید سخن　　　یا به تبسم بگشاید دهن
پیش خردمند پسندیده نیست　　　نزد من دلشده بگزیده نیست
زآنچ نپرسند مگو ای پسر　　　تا نشمارند کلامت هدر
گر ز تو خواهند نصیحة بگوی　　　ورنه درتهای مواعظ بشوی

له

یار نکو نام گرفتن خوش است　　　صحبة تهمة زده چون آتش است
هست معاش تو معاشش قرین　　　واعیه ات داعیهٔ همنشین

له عنوان کے لئے اصل نسخے میں جگہ خالی ہے - ۱۲

در غلط از مرتبهٔ خوش مباش — تا بجنونت نکند عقل فاش

له

آنک زرش داد خداوند و رای — پای نشاطش نبرد غم ز جای

داد خلاصش همه عمر از طبیب — چربی و شیرینی و حمام نیستر

آنچ ضرورة بود از وی حذر — نفس و غبار است و دخان ای پسر

هر که ازین سرسه نساید کنار — پیش اطباش نیفتند گذار

له

هاتف غیبی که ز ما رخ نهفت — با من بی دل سخنی دوش گفت

هیچ نکردند بزرگان عماد — بر زن و شمشیر و فرس اعتماد

هر که ز ما گشت پذیرای پند — چرخ بلندش نکند پای بند

له

شمع دل افروز من ای نور چشم — چشم و چراغ دل تو منظور چشم

مرغ دل اهل صفا صید تست — دل نه شنیدم که نه در قید تست

بخت که پیوسته بود نیک حال — مصحف روی تو کشاید بفال

خاطر روشن دل صافیت هست — روی مبارک دم شافیت هست

از پدر طالب آموزگار — موعظهٔ بر ورق دل نگار

گر نبود پند منت از ضمیر — سر نکشند از درت اهل سریر

دین بکف آر و غم دنیا مخور — همدم پاکان شو و دولة ببر

بندگی حق کن و آزاد باش — جز غم عقبی مخور و شاد باش

ادرج کمالی که در امکان بود — گر تو کنی ترک ز نقصان بود

خلق محمد دم عیسی طلب — آب خضر با کف موسی طلب

بر در حق پردگی خاص باش — آئینهٔ صورة اخلاص باش

کار تو گرچه ز سبب در گرفت — دل ز مسبب نتوان برگرفت

خواسته ام بهر تو وقت دعا — گریه کنان شام و صباح از خدا

له عنوان کے لئے جگہ خالی چھوڑی گئی ہے ۔

صدق و صفا لطف و کرم عقل و دین　　　مهر و وفا فضل و نعم خلق و لین
ترک مکن گر بامیری رسی　　　خدمت پیران که به پیری رسی
آنک بصر داد ز نظر آفرید　　　سوی کسی دید که در خود ندید
دیده که در زحمت خود بینی است　　　دل که گرفتار سخن چینی است
آه که از عیب خود آگاه نیست　　　وای که نزدیک کسش راه نیست
دیدهٔ بیناست که در خود ندید　　　نیک سرانجام که خود بد ندید
هر که نهد روی بفرمان بری　　　زود میسر شودش سروری
رخ ز مشایخ نتوان تافتن　　　دولت ازین زمره توان یافتن
خدمت پیران طریقت گزین　　　پیش رو اهل حقیقت گزین
قبلهٔ ما خواجه کاموی[1] بس است　　　در ره ما مشعلهٔ او بس است
دست بفرزند گرامیش ده　　　همچو پدر سر بغلامیش ده
روی متاب از نظر اهل علم　　　سر مکش از خاک در اهل علم
هر که بوصّافی تو گشت فاش　　　در مددش کوش بحسن معاش
گر ندهی عمر بغفلت ز دست　　　سر بنهد پیش تو هر کس که هست
ماه بآخر مرسان بی صیام　　　شام میاور بسحر بی قیام
فرض بجا آر و بسنت گرای　　　بر سر سجاده زمانی بپای
حلقهٔ خود نام زو ذکر کن　　　خاطر خود جلوه گر فکر کن
صبحدم اوراد و وظائف بخوان　　　جزوی از احیا و عوارف[2] بخوان
غسل کن آدینه و گل بوی شو　　　سرو روانی لب جوی شو
نان بگدا جامه بدرویش ده　　　مرهم احسان بدل ریش ده

[1] خواجہ کاموی عراقی عماد کے پیر ہیں ان کا ذکر مثنوی میں آگے چل کر آتا ہے ۔
[2] یعنی احیاء العلوم اور عوارف المعارف ۱۲

گر نه تو مضبوط شوی خانقاه — غرفهٔ جنّت شودت تکیه‌گاه
سفره ز پیران مسافر بیار — پاس جوانان مجاور بدار
غم مخور از غصه و رنج دراز — پاک شود زر چو ببیند گداز
موسم هر کار غنیمت شمار — مزرعه نم کن و تخمی بکار
بر طرف جوی نهالی نشان — آب بصحرا بر و دانه فشان
اهل صفا باش و کدورة مجوی — طالب معنی شو و صورة مجوی
بحر روانی چه پذیری غبار — پیکر جانی چه شوی سایه دار
تندی و تیزی صفة آتش است — رفق پسندیده مدارا خوش است
همدمی اهل خدا پیشه کن — وز نفس باز پس اندیشه کن
از بد و از نیک امانة مگیر — راه خطا رسم خیانة مگیر
همدمی حاکم خوش خو مکن — گوش شوی مشورة او مکن
هر که گریزد ز قضایای ملک — سر نکند در سر سودای ملک
راز دل خویش مران بر زبان — کانچ زبان گفت نماند نهان
صحبة احداث پسندیده نیست — قدوه بجز پیر جهان دیده نیست
صحبة نو کیسه نیاید بکار — این سخن از پیر کهن یاد دار
گفت حکیمی پسر خویش را — دفع تعدّی بد اندیش را
کای پسر از حزم تغافل مکن — بر کرم خلق توکّل مکن
نقره بی مهر بخازن مده — صرّهٔ مختوم بخاین مده
زر بامین هر که دهد بی شمار — شاهد رعنا کندش در کنار
با زر اگر خانه کنی بر فلک — دزد بیاید ز پیت چون ملک
بی زر اگر خواب کنی بر سبیل — مشعله شب پیش تو سوز و دلیل

تفرقه آرد زر اگر جمع گشت　　سکه زند هرکه ز زر درگذشت
بار اسیران کش و نازیتیم　　خصم لئیمان شو و یار کریم
حاتم طی گفت بابنای خویش　　هرکه ایادیش[54] کم اعداش بیش
گر بدرت سیم نهادی و زر　　بر در او بخت نبستی کمر
نقدی اگر ماند ازین پیر باز　　بر تو که بر وی نگذاری نماز
در کنف صحبت مردان گریز　　شام بدرویش ده و صبح خیز
بشنو اگر مرد رهی از عماد　　بر زن و بر مرد مکن اعتماد
هرکه دلش بی خبر از مردی است　　صحبت او موجب رخ زردی است
من چه کنم نقل بدار المعاد　　ناگه ازین منزل کون و فساد
گوهر تسبیح نثارم فرست　　سبحهٔ هفتاد هزارم فرست
منزل تلاوة بروانم رسان　　تحفهٔ اخلاص بجانم رسان
قوت روانم بنوابی فرست　　پارهٔ نان شربتهٔ آبی فرست
دامنت از لوث گنه پاک باد　　عطف تو از اطلس افلاک باد
حق ز تو راضی و خلایق مطیع　　روز حساب آل رسولت شفیع
مسکن تو روضهٔ خلد برین　　همدم تو فضل جهان آفرین

محمد اقبال

---

۵۴ در فی الاصل : ایادی ۱۲

خزائنِ مخطوطات

پنجاب یونیورسٹی لائبریری

(سلسلے کے لئے دیکھیے اورینٹل کالج میگزین بابت اگست ۱۹۲۹ء)

۱۴۰ - **وقائع شہادت** - [اوراق ۱۹۶ - سطور ۱۴ - نستعلیق - کرم خوردہ - تقطیع ½۹ × ½۴ : ½۶ × ½۳]

امام حسین علیہ السلام کے واقعۂ شہادت پر بہت سے مراثی کا مجموعہ جس میں محتشم مقبل - مخلص - اکبر اور ناسخ کے مرثیے شامل ہیں -

کاتب - صدر الدین محمد لکھنوی -

تاریخ کتابت ۱۲۴۲ھ -

۱۴۱ - **معاون الرضا** - [اوراق ۹۴ - سطور ۱۱ - نستعلیق - تقطیع ۹ × ۶ : ½۶ × ½۳]

ہفت بند محتشم کاشی کی شرح از احقر - نواب سرفراز الدولہ کی فرمایش پر لکھی گئی -

دیکھیے بوہار لائبریری کیٹالاگ - ج ۱ - ص ۲۳۸،

کاتب و تاریخ کتابت ندارد،

۱۴۲ - **مجموعہ** [اوراق ۲۰ - سطور ۱۳ - نستعلیق - تقطیع ½۹ × ۶ : ½۷ × ۴]

اس مجموعے میں پندنامۂ سعدی اور ماقیمان وصالی شامل ہیں -

کاتب - محمد حسن علیخاں تعزیہ کربلائی -

تاریخ کتابت - رجب ۱۳۳۳ھ،

۱۴۳ - **مثنویات** [اوراق ۱۴۷ - سطور ۱۳ تا ۲۲ - نیم شکستہ - تقطیع ½۹×۵ : ½۵×۳]

اس مجموعے میں ذیل کی مثنویات موجود ہیں : -

ا - مثنویات مرزا لطف اللہ خان المعروف نصرت اللہ خان نثار (المتوفی ۱۱۵۹ھ)

دیکھو روز روشن - ص ۶۸۱

(۱) بہار انشا (۱۱۳۴ھ)

(۲) مرثیہ

(۳) مثنوی جس کا آغاز یہ ہے : - اول نامہ بنام احدے (۱۱۳۸ھ)

(۴) ہفت جوش جس کا آغاز یہ ہے : - بسم اللہ الرحمن الرحیم : طرۂ منشرحش کلام کریم

(۵) کیفیت معنی جس کا آغاز یہ ہے : - تحیت نشۂ نفس را بہار

ب - دوسرے شعرا کی مثنویات

(۶) مثنوی مولانا محمد رضا نوعی (المتوفی ۱۰۱۹ھ)

آغاز : - الٰہی خندہ ام را تا لکے دہ

(۷) مثنوی منیر - آغاز : - الٰہی بہر درس رمز ایما

(۸) مثنوی از مصنف نامعلوم - آغاز : - در سرم دیگر ہوائے عشق یار

(۹) مثنوی جس کا آغاز یہ ہے : سحر آمد نسیم از نکہت گل

تاریخ کتابت ندارد - کاتب - سید مصطفیٰ بخش

۱۴۴ - **دیوان ہادی** [اوراق ۶۶ - سطور ۲۱ - ۲۰ - نستعلیق - تقطیع ۱۰×۶ : ۵×۳]

ہادی کا ناقص دیوان - شاعر کا حال معلوم نہ ہوسکا[1] - آغاز یوں ہے : -

صد پے آب لب تشنہ دویدم ہمہ جا　　ہر طرف شورش گرداب سرا بم می گشت

تاریخ کتابت و کاتب ندارد ،

---

[1] بیل - اورینٹل بیوگرافیکل ڈکشنری میں لکھتے ہیں کہ ہادی کا نام میر محمد جواد علیخان (المتوفی ۱۲۱۵ھ) تھا - شاعر نے ایک اردو دیوان بھی چھوڑا ہے - معلوم نہیں کہ یہ ہمارے شاعر کا ہی نام ہے یا کوئی علیحدہ شخصیت ہے +

۱۴۵ - **بیاضِ آزاد** [اوراق ۲۶۴ - تقطیع ۸½ × ۶]

اس بیاض کا نام مخزن العلوم ہے ۔ شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد کی مرتب کردہ ہے ۔ اس میں ذیل کی کتابیں بطور خلاصہ یا بطور تمام موجود ہیں: -

۱ - مثنوی میر الموسوم بہ جوشِ عشق

۲ - خلاصہ دیوان اردو حافظ عبد الرحمٰن خان احسان [کتب خانہ جاوید - ج ۱ - ص ۱۴۸]

۳ - ساقی نامہ میر - آغاز : ہے قابل حمد وہ سرافراز

۴ - مثنوی سودا - آغاز : کیوں ہوا اس قدر ہے عالم سوز

۵ - قصیدہ در جشن شاہ عالم بادشاہ - آغاز : عروس طرب نے دکھا کے مجھ کو جمال

۶ - خلاصہ مجالس بیدل

۷ - طریق استخراج عزیمات

۸ - خلاصہ تذکرۂ دولت شاہ

۹ - خلاصہ شجرۃ الامانی

۱۰ - خلاصہ نہر الفصاحت

۱۱ - خلاصہ سرخوش

۱۲ - خلاصہ مثمر خاں آرزو

۱۳ - خلاصہ خزائن الفتوح خسرو

۱۴ - خلاصہ نفائس المآثر

۱۵ - خلاصہ اخلاق جلالی

۱۴۶ - **مجموعہ** [اوراق ۱۳۹ - سطر ۱۶ - نستعلیق - تقطیع ۸½ × ۵ : ۶½ × ۴]

۱ - دیوان غنی کاشمیری

۲ - دیوان مولانا محمد شیرین مغربی

۳- مثنوی - آغاز: چشم بکشا کہ جلوۂ دیدار الخ

۴- مثنوی بلبل و طوطی بوعلی قلندر

کاتب کا نام ندارد - تاریخ کتابت ۱۲۳۶-۱۲۳۷ھ

۱۴۷- **مجموعہ** - [اوراق ۲۰۷ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ۹½ × ۶ : ۷ × ۴]

اس مجموعے میں ذیل کے اجزا شامل ہیں : -

۱- کلیات شفیعائے اثر (المتوفی ۱۱۲۴ھ) - دیکھو ریو - ج ۲ - ص ۶۹۱

۲- رباعیات ابوسعید ابوالخیر

۳- مثنویات عرفی

(۱) سراسر معرفت: آغاز: خداوندا دلم بے نور تنگ است + دل بن سنگ کوہ طور تنگ است

(۲) ساقی نامہ: آغاز: بیا عرفی افسانہ را پر بسوز + بخاموشی این نغمۂ تر بسوز

(۳) رباعیات - آغاز: یارب نفسے دہ کہ دعا پردازم

۴- رباعیات سحابی استرآبادی

۵- رباعیات عمر خیام - تاریخ کتابت ۲ ذوالقعدہ ۱۲۹۳-۱۲۹۴ھ

۱۴۸- **بیاض** [اوراق ۶۷ - سطور ۱۷ - نستعلیق - تقطیع ۱۰ × ۶½ : ۸ × ۴]

منشی سکھدیال کی بیاض کا انتخاب

۱۴۹- **مجموعہ** - [اوراق ۲۷ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ۹½ × ۶½ : ۷½ × ۴½]

چھ اجزا کا مجموعہ ہے : -

(أ) تصانیف قلندر شاہ بن مسیتا شاہ

(۱) بیان حق (۱۲۲۱ھ)

(۲) حلیہ حضرت رسول کریم علیہ السلام

(۳) قصیدہ معراج القبول

(ب) مجموعہ نظم شاہ غلام رکن الدین - المعروف بہ شاہ مراد (المتوفی ۱۲۱۵ھ)

۴ - مراد العاشقین

۵ - ما مریدان بہ تتبع ما مقیمان - آغاز : ما مریدان پیر خماریم - جز بہ میخانہ روئی آریم

(ج) ۶ - ما مقیمان وصالی

تاریخ کتابت ۱۲۵۴ھ

کاتب - مفتی حامد علی بن مفتی محمد عظیم ساکن بٹالہ

۱۵۰ - بیاض - [اوراق ۱۷۱ - سطور ۹ تا ۱۷ - شکستہ - تقطیع ۸×۵ : ۷×۳½]

نظم و نثر کے مختلف اجزا کا مجموعہ : -

۱ - رقعات دیا رام

۲ - غزلیات عشرت

۳ - رسالہ حسین واعظ کاشفی در اخلاق

۴ - نصاب الصبیان

۵ - ایک اور رسالہ لغت - آغاز : بشیر است و منذر محمد نبی

۶ - کلمات طیبات - اورنگ زیب کے رقعات کا مجموعہ

۷ - سراج المنیر از احمد پردل

۸ - رقعات نا معلوم

۹ - ایضاً

کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۱۵۱ بیاض - [اوراق ۱۰۲ - تقطیع ۶ × ۴]

مولوی محمد صادق کی بیاض سے نقل کی گئی ہے -

۱۵۲ - بیاض [اوراق ۸۱ - تقطیع ۶ × ۳½]

۱۵۳ - **بیاض** - [اوراق ۸۱ - تقطیع ۷½×۴]

۱۵۴ - **بیاض** - [اوراق ۵۹ - کالم ۲ - تقطیع ۸½×۵½]

اشعار کا مجموعہ

۱۵۵ - **بیاض** - [اوراق ۲۴۳ - سطور ۱۵ تا ۱۷ - نستعلیق - تقطیع ۹×۴: ۱۱×۶½]

ا - (۱) دیوان درد فارسی

(۲) دیوان درد اردو

ب (۳) دیوان فارسی خواجہ محمد میر آثر

(۴) دیوان اردو خواجہ محمد میر اثر

۱۵۶ - **مجموعہ** - [۴۵۰ - سطور ۱۳ - نستعلیق - تقطیع ۷×۵ : ۹½×۳½]

محمد عسکر کا مرتب کردہ مجموعۂ اشعار جس میں بہت سے شعرا کے کلام کا انتخاب موجود ہے -

ذیل کے شعرا کو خاص طور پر لیا گیا ہے : —

خواجہ محمد آصفی (متوفی ۹۲۳ھ)

ناصر [دیکھو ریو - ج ۲ - ص ۶۳۵]

غزلیات سہیلی

مثنویات خواجو

غزلیات عراقی

اوحدی - ابن یمین - حسن دہلوی

غزلیات احسن - اللہ خاں احسن (متوفی ۱۰۷۳ھ)

[بانکی پور لائبریری - ج ۳ - ص ۱۱۷]

مثنوی نیرنگ عشق غنیمت کنجاہی -

ان کے علاوہ بے شمار شعراء کے اشعار بیاض میں موجود ہیں۔ جن کا مفصل ذکر طوالت سے خالی نہیں۔ اس لئے ان کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

۱۵۷۔ **دواوین**۔ [اوراق ۳۱۰۔ سطور ۱۶۔ نستعلیق۔ تقطیع ۸ × ۴½ : ۶ × ۲½]

(۱) دیوان میر سعیدی طہرانی (متوفی ۱۰۶۹ھ) ریو۔ ج ۲۔ ص ۶۸۹

(۲) انتخاب کلام طاہر وحید (متوفی ۱۱۱۸-۱۹ھ) ریو۔ ج ۱۔ ص ۱۸۹

(۳) دیوان مرزا ابراہیم ادہم (متوفی ۱۰۶۰ھ) سپرنگر ص ۳۱۴۔ جس میں قصائد۔ مثنوی رفیق السالکین اور رباعیات بھی شامل ہیں۔

(۴) دیوان راہی (۔ مشتمل بر اشعار متفرقہ (مملوکہ پنجاب یونیورسٹی ورق ۶۵) میں سلطان علی بیگ راہی ایک شخص کا ذکر آتا ہے۔ لیکن معلوم نہیں کہ یہ دیوان اسی راہی کا ہے یا کسی اور راہی کا۔

(۵) دیوان حکیم۔ اس میں دو مثنویاں بھی ہیں۔ ایک کا آغاز یوں ہوتا ہے:۔

مرا در صنعت نظم معانی   خدا داد است دست پہلوانی

دوسری یوں شروع ہوتی ہے:۔

مرا از غیب آمد میہمانے   حریفے، بذلہ سنجے، نکتہ دانے

شاہ عباس ثانی صفوی کی مدح بھی ہے۔

(۶) دیوان ملا علی رضا تجلی اردکانی (متوفی ۱۰۸۸ھ) ریو۔ ج ۲۔ ص ۷۳۸

۱۵۸۔ **مجمع الصفات**۔ [اوراق ۱۴۰۔ سطور ۱۹ تا ۲۴۔ کالم ۴۔ نیم شکستہ۔ تقطیع ½ × ۱۰ ½]

مثنویات نظامی سعدی اور خسرو کا انتخاب بلحاظ مضامین مرتب کردہ راجکرا بہاس خط سیہوا مسنگھ

مشتمل بر پنج ابواب

تاریخ کتابت۔ شعبان ۱۰۹۵ھ۔

۱۵۹- بیاض [اوراق ۱۲۱ : تقطیع ۱۲ × ۵½ : ۱۱ × ۴]

کاتبان - امیر علی - خواجہ برکت اللہ

تاریخ کتابت سنہ ۱۲۶۲ھ

۱۶۰- انتخاب [اوراق ۱۰۰ - کالم ۴ - سطور مختلف - نستعلیق - تقطیع ۹½ × ۵½]

مختلف شعرا کے دواوین کا انتخاب

۱۶۱ - بیاض - [اوراق ۷۵ - سطور مختلف - شکستہ - تقطیع ۸ × ۴½]

محمد انصار اللہ[1] کی مرتب کردہ بیاض

تاریخ کتابت - بعد از سنہ ۱۱۶۷ھ

۱۶۲ - مجموعہ - [اوراق ۳۷ - سطور ۲۱ - نستعلیق - تقطیع ۱۰ × ۵½ : ۷ × ۲½]

اس میں ذیل کے اجزا شامل ہیں :-

۱ - مثنویات ابوالبرکات منیر مثلاً در ہجو اکول - در طلب زمین - در طلب کمان - در شکایت موشان - در طلب تیغ - در وصف حمام - در طلب خنجر

۲ - مثنوی[2] عنایت خان آشنا (متوفی سنہ ۱۰۷۷ھ) در تعریف آئینہ محل دارا شکوہ

۳ - اشعار از دواوین حشمت - میر نجات - ثابت - قبول - رائج - معنی یاب خان سلیم - آرزو - شیدا - کلینی - غیاثی - فصیحی

۴ - مثنوی محمد قلی سلیم در ہجو کسے

۵ - امتیاز خان سید حسین خالص استرآبادی کی دو مثنویاں : پہلی کا آغاز یوں ہوتا ہے۔

باز تر رخسار عروس سخن دست خیالم شدہ پرتو فگن

دوسری مثنوی کا نام "گلستان خیال"[1] ہے - جس کا آغاز یوں ہوتا ہے :-

بیا اے دل دمے شکرفشان شو چو طوطی بلبل ہندوستان شو

۶ - ترکیب بند شفیعائے اثر - آغاز :-

[1] دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت مئی سنہ ۱۹۲۶ء [2] دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت اگست سنہ ۱۹۲۶ء

اے اشک و آہ مردم دانا مدد کنید اے عاکفان کعبۂ دلہا مدد کنید

ایک اور مختصر سی مثنوی در ہجو حمام بھی ہے۔

۷۔ دیوان فصاحت خان راضی (؟)

۸۔ قصیدہ سخنور خان نگہت

یہ مجموعہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک بڑے مجموعے کا جزو ہے جس سے علیحدہ کر لیا گیا ہے

تاریخ و نام کاتب ندارد

۱۶۳۔ مجموعہ [اوراق ۲۴۔ سطور ۱۲ تا ۱۵۔ نیم شکستہ۔ تقطیع ½۶ × ½۳ : ½۵ × ½۲]

اس مجموعے میں ذیل کے اجزا ہیں:۔

۱۔ مثنوی مہر و ماہ خان آرزو۔ آغاز یوں ہے:۔

اسم اللہ رحمٰن است آنچہ حرز دل و جان است

۲۔ مثنوی در ماجرائے بنارس از معز الدین فطرت (متوفی ۱۱۰۶ھ)

بانکی پور لائبریری۔ ج ۲۔ ص ۱۶۴۔ عدد ۳۵۵

کاتب علیم الدین۔

تاریخ کتابت ۲۲ر اکتوبر ۱۸۵۶ء

۱۶۴۔ یوسف زلیخا ترکی [اوراق۔ ۱۱۵۔ سطور ۹۔ نستعلیق۔ تقطیع ½۷ × ۴ : ۶ × ۳]

میر علی شیر نوائی (۸۴۴ تا ۹۰۶ھ) وزیر سلطان حسین بیقرا کی مثنوی یوسف زلیخا بزبان ترکی۔

۱۶۵۔ کلام مومن [اوراق ۱۰۷۔ سطور ۔ نستعلیق۔ تقطیع ½۷ × ½۴ : ½۴ × ۲]

نادِ علی مومن کے قصائد در مدح حضرت علی علیہ السلام

نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد

وكتب السَّرِيّ[له] المَوْصِلِيّ الى صَدِيْقٍ له يستزيره في يوم الشكّ وَ
يَصِفُ مَاعِنْدَهٗ مِنَ الملاهِي ـ

غَدَاةَ الشَّكِّ نَدْعُوْكَ ۔۔۔ الىَ الرَّاحِ تغاديْهَا
وَعِنْدِيْ قَيْنَةٌ تُعْطِيْكَ ۔۔۔ دُرَّ الْقَوْلِ مِنْ فِيْهَا
اذَا دَغْدَغْتَ العُوْدُ ۔۔۔ حَسِبْنَاهُ يُنَاغِيْهَا
وَرَاحٌ خُلِقَتْ بِالطِّيْبِ ۔۔۔ مِنْ اَنْفَاسِ سَاقِيْهَا
وَوَرْدٌ كَخُدُوْدِ الْغِيْدِ ۔۔۔ تُحْكِيْهِ وَتَحْكِيْهَا
وَعِلْقٌ يَحْمِلُ الرَّايَةَ ۔۔۔ لَا غِشًّا وَتَمْوِيْهَا
فَزُرْنَا تَلْقَ دُنْيَاً كُلَّ ۔۔۔ مَا اَمَّلْتَهُ فِيْهَا ١٩/١٦

(دو فصل ازين جا حذف كرده شد) . . . .

. . . .

فَصْلٌ فِي الكنايةِ عَنْ خُرُوْجِ اللحْيَة مدحًا وذمًّا ١١/١٨

وفي كتاب لُبَابِ الآدَابِ فلانٌ قد عَلِقَتْهُ يَدُ الحُسْنِ وقد اَخْرَقَتْ فِضَّةَ خَدِّهٖ وطَرَّزَ دِيْبَاجَ وَجْهِهٖ وَمِنْ اَحْسَنِ مَا اُحَاضِرُ بِهٖ فِي الكِنَايَةِ عَنْ خَطِّ اللِّحْيَةِ قَوْلُ بَعْضِ المُوَلَّدِيْنَ:

كتابٌ من الحُسْنِ تَوْقِيْعُهُ ۔۔۔ مِنَ اللهِ في خَدِّهٖ (قَدْ) نَزَلْ

وما اَظْرَفَ ما كَنَى عَنْهُ الصَّاحِبُ بِزَغَبِ الحُسْنِ فِي قَوْلِهٖ

هَلْ زَغَبُ الحُسْنِ لَهُ ضَائِرٌ ۔۔۔ وَالقَمَرُ التِّمُّ بِهٖ يَقْمُرُ

وَاَنْشَدَنِي بَدِيْعُ الزَّمَانِ لِنَفْسِه مِنْ ابياتٍ

[له براے ترجمه اش رک به يتيمة الدهر ١: ٤٥٠]

كُنْ كَيْفَ شِئْتَ فَإِنَّنِي — قَدْ صُغْتُ قَلْباً مِنْ حَدِيدِ
وَجَلَسْتُ أَنْتَظِرُ الكُسُو — فَ وَلَيْسَ ذٰلِكَ بِالبَعِيدِ

وَإِنَّمَا كَنَى بِالكُسُوفِ عَنْ خُرُوجِ اللِّحْيَةِ كَمَا قَالَ الآخَرُ:

وَاهاً لِبَدْرٍ قَدْ كَسَفْ — أَسَفاً وَهَلْ يُغْنِي الأَسَفْ

وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العَصْرِ

أَنْحَى عَلَيْهِ الشَّهْرُ وَالدَّهْرُ — وَمَحَا مَحَاسِنَ وَجْهِهِ الشَّعَرُ
ص١١ ب وَمَتَى تصبّ ماقلّ دهاه يَقُلْ — لَا تَعْجَبُوا قَدْ يُكْسَفُ البَدْرُ

وَفِي كِتَابِ لُبَابِ الآدَابِ: قَدْ تَسَوَّدَ زَعْفَرَانُ خَطِّهِ وَتَسَبَّحَ زُمُرُّدُ خَدِّهِ

وَمِنْ بَدِيعِ الكِنَايَةِ وَخَفِيِّهَا فِي هٰذَا الفَصْلِ قَوْلُ القَاضِي أَبِي الحَسَنِ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ العَزِيزِ الجُرْجَانِيِّ:

قَدْ بَرَّحَ الحُبُّ بِمُشْتَاقِكْ — فَأَوْلِهِ أَحْسَنَ أَخْلَاقِكْ
لَا تَجْفُهُ وَارْعَ لَهُ حَقَّهُ — فَإِنَّهُ آخِرُ عُشَّاقِكْ

يَكْنِي عَنْ قُرْبِ خُرُوجِ لِحْيَتِهِ أَوْ خُرُوجِهَا وَأَنَّهُ لَا عَاشِقَ لَهُ مَعَهَا.

اَلْبَابُ الثَّالِثُ

فِي الكِنَايَةِ عَنْ بَعْضِ فُضُولِ الطَّعَامِ وَعَنِ المَكَانِ المُهَيَّأِ لَهُ

فَصْلٌ فِي مُقَدِّمَتِهِ قَرَأْتُ فِي المُسْتَنِيرِ[1] لِأَبِي عَبْدِ اللّٰهِ

[1 هو ابو عبد الله محمد بن عمران بن موسى بن عبيد الكاتب المرزباني، ترجمه اش را صاحب كتاب الانساب آورده است بذيل المرزباني وگفته كه مولدش در سنه ۲۹۶ﻫ و وفاتش در سنه ۳۸۴ﻫ بود]

الْمَرْزُبَانِيُّ أَنَّ يَحْيَى بْنَ زِيَادٍ وَمُطِيعَ بْنَ إِيَاسٍ وَحَمَّادَ عَجْرَدَ اجْتَمَعُوا فِي مَجْلِسٍ يَقْصِفُونَ وَمَعَهُمْ رَجُلٌ كَانَ يُنَادِمُهُمْ فَخَرَجَتْ مِنْهُ رِيحٌ لَهَا صَوْتٌ فَاسْتَحْيَى وَلَمْ يَعُدْ إِلَيْهِمْ فَكَتَبَ إِلَيْهِ أَحَدُهُمْ

أَمِنْ قُلُوصٍ غَدَتْ لَمْ يَثْنِهَا أَحَدٌ ... أَلَّا تَذَكُّرُهَا بِالرَّمْلِ أَوْطَانَا
خَانَ الْعِقَالُ بِهَا فَانْبَتَّ إِذْ نَفَرَتْ ... وَإِنَّمَا الذَّنْبُ فِيهَا لِلَّذِي خَانَا
مَنَحْتَنَا مِنْكَ هِجْرَانًا وَمَقْلِيَةً ... وَغِبْتَ عَنَّا ثَلَاثًا لَيْسَ تَلْقَانَا
خَفِّضْ عَلَيْكَ فَمَا فِي النَّاسِ ذُو إِبِلٍ ... إِلَّا وَأَيْنُقُهُ يُفْلِتْنَ أَحْيَانَا

وَعَرَضَ مِثْلُ ذَلِكَ لِجَارِيَةٍ مُغَنِّيَةٍ فِي مَجْلِسٍ فِيهِ الْجَمَّازُ فَأَحَبَّتْ أَنْ تَنْظُرَ مَا عِنْدَهُ فَقَالَتْ أَيَّ شَيْءٍ تَشْتَهِي أَنْ أُغَنِّيَكَ فَقَالَ غَنِّي

يَا رِيحُ مَا تَصْنَعِينَ بِالدِّمَنِ ... كَمْ لَكِ مِنْ مَحْوِ مَنْظَرٍ حَسَنِ

فَضَحِكَتْ وَعَلِمَتْ أَنَّهُ قَدْ أَحَسَّ بِذَلِكَ وَعَرَضَ[۵] مِثْلُ ذَلِكَ لِفَتًى فِي مَجْلِسِ الصَّاحِبِ فَاسْتَحْيَى وَانْقَطَعَ عَنْهُ فَكَتَبَ إِلَيْهِ الصَّاحِبُ:

يَا ابْنَ الْحُصَيْرِيِّ لَا تَذْهَبْ عَلَى خَجَلٍ ... لِحَادِثٍ كَانَ مِثْلَ النَّايِ وَالْعُودِ [۶]
فَإِنَّهَا الرِّيحُ لَا تَسْتَطِيعُ تَحْبِسُهَا ... إِذْ لَسْتَ أَنْتَ سُلَيْمَنَ بْنَ دَاوُدِ

وَعَرَضَ مِثْلُ ذَلِكَ لِفَتًى فِي مَجْلِسِهِ لَيْلًا فَقَالَ لَهُ الصَّاحِبُ يَا فَتَى لَا تَنَمْ فَخَجِلَ وَقَالَ هَذَا صَرِيرُ التَّخْتِ فَقَالَ الصَّاحِبُ أَحْسَبُ

[۵ مثل این حکایت را یاقوت در معجم الادبا ۲: ۲۹۶ آورده است،

۶ رک معجم الادبا ۱: ۱۰۷ حاصلش این که بقول بعض این فتی البدیع الهمدانی بود]

اَنْ يَكُوْنَ صَرِيْرَ التَّخْتِ، ومن مَلِيْحِ مَا سَمِعْتُ فِى هٰذِهِ الْكِنَايَةِ* حِكَايَةُ اَبِىْ عَبْدِ اللهِ ابن الْحَجَّاجِ[1] وَهِىَ اَنَّهُ دَعَا مُغَنِّيَةً كَانَ يَتَعَاشَقُ لَهَا فَلَمَّا حَصَلَتْ عِنْدَهُ لَيْلًا وَدَارَتِ الْكُؤُوْسُ نَعِسَ فَفَرْقَعَ ظَهْرُهُ وَهِىَ قَاعِدَةٌ فَغَضِبَتْ وَانْصَرَفَتْ فَكَتَبَ اِلَيْهَا مِنَ الْغَدِ -

قَدْ غَضِبَتْ مِنِّىْ وَقَدْ اَنْكَرَتْ ... فَرْقَعَةً تَعْرِضُ فِى ظَهْرِىْ
وَلَيْسَ لِىْ ذَنْبٌ وَلٰكِنَّنِىْ ... اَحِرُّ بِاللَّيْلِ وَلَا اَدْرِىْ
فَلَيْتَ (شِعْرِىْ) وَهِىَ غَضْبَانَةٌ ... مِنْ جُحْرِهَا اَضْرَطُ اَمْ جُحْرِىْ

فَصْلٌ فِىْ عَاقِبَةِ الْاَكْلِ - قَدْ كَنَى اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا بِقَوْلِهٖ[2] اَوْ جَاءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ" وَالْغَائِطُ الْمُطْمَئِنُّ مِنَ الْاَرْضِ وَكَانُوْا يَأْتُوْنَهُ تَسَتُّرًا اَوْ اِنْتِبَاذًا ثُمَّ كَثُرَ ذٰلِكَ فِىْ كَلَامِهِمْ حَتّٰى سَمَّوُا الْحَدَثَ بِاسْمِهٖ وَاشْتَقُّوْا مِنْهُ الْفِعْلَ فَقَالُوْا تَغَوَّطَ وَمِنْ [2 الف] كِنَايَاتِ[3] الْعَامَّةِ عَنِ الْحَاجَةِ دُخُوْلُ الْخَلَاءِ وَقَوْلُهُمْ لَهُ حَاجَةٌ لَا يَقْضِيْهَا غَيْرُهُ وَمِنْ لَطَائِفِ الْاَطِبَّةِ كِنَايَتُهُمْ عَنْ حَشْوِ الْاَمْعَاءِ بِالطَّبِيْعَةِ وَعَنِ الْبِرَازِ بِسَيَلَانِ الطَّبِيْعَةِ وَالْخِلْفَةِ وَعَنِ الْقِيَامِ لَهَا بِالْاِخْتِلَافِ وَمِنْهُ قَوْلُ اَبِى الْعَيْنَاءِ وَقَدْ سُئِلَ اِلٰى مَنْ تَخْتَلِفُ فَقَالَ اِلٰى مَنْ تَخْتَلِفُ[4] وَقَدْ كَنَى الْاَطِبَّاءُ عَنِ الْبَوْلِ بِالْمَاءِ وَالدَّلِيْلِ وَعَنِ الْقَىْءِ بِالتَّعَالُجِ وقال بعض الْمُفَسِّرِيْنَ فِىْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى "كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ"[5] وَقَوْلِهٖ[6] مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ اِنَّمَا هُوَ كِنَايَةٌ

[1 یعنی ابو عبداللہ الحسین بن احمد بن حجاج، مزید برای ترجمہ او بہ یتیمۃ الدہر ۲: ۲۱۱ [2] سورہ ۴ آیہ ۴۳ و سورہ ۵ آیہ ۹

[3] از ینجا تا آخر رسالہ اصل بخط غیر کاتب صفحات گذشتہ است [4] منتخبات النہایہ: کان ابو العیناء یقول یختلف الی من تختلف الیہ

[5] سورہ ۵ آیہ ۷۹ [6] سورہ ۲۵ آیہ ۸]

عَنِ الْحَدَثِ لِاَنَّ مَنْ اَكَلَ فَلَا بُدَّ لَهُ مِنْ عَاقِبَةِ الْاَكْلِ وَنَقْصِ الْفَضْلِ وَقَدْ عَابَهُمُ الْجَاحِظُ بِهٰذَا التَّفْسِيْرِ وَنَفَاهُ عَلَيْهِمْ وَقَالَ كَاَنَّهُمْ لَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ فِي الْجُوْعِ (و) مَا يَنَالُ اَهْلَهُ مِنَ الذِّلَّةِ وَالْعَجْزِ وَالْفَاقَةِ اَدَلَّ دَلِيْلٍ عَلٰى اَنَّهُمْ مَخْلُوْقُوْنَ حَتّٰى يَدَّعُوْا عَلَى الْكَلَامِ شَيْئًا اَغْنَاهُمُ اللهُ عَنْهُ وَعَلٰى ذِكْرِ الرَّسُوْلِ فَقَدْ قَالَ لِيْ اَبُو النَّصْرِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ الْعُتْبِيُّ: سَاَلَنِيْ بَعْضُ اَهْلِ جُرْجَانَ عَنْ تَفْسِيْرِ قَوْلِهِ تَعَالٰى[1] وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ فَقُلْتُ يَعْنِيْ اَنَّهُ لَيْسَ بِمَلَكٍ وَلَا مَلِكٍ وَذٰلِكَ لِاَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا يَاْكُلُوْنَ وَلَا يَشْرَبُوْنَ وَالْمُلُوْكُ لَا يَتَسَوَّقُوْنَ وَلَا يَتَبَذَّلُوْنَ فَعَجِبُوْا اَنْ يَكُوْنَ مِثْلَهُمْ فِي الْحَالِ يَمْتَازُ مِنْ بَيْنِهِمْ فِيْ عُلُوِّ الْمَحَلِّ وَالْجَلَالِ وَاللهُ[2] يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ

وَمِنْ نَادِرِ الْكِنَايَةِ فِيْ دُخُوْلِ الْمُسْتَرَاحِ قَوْلُ الرَّوَافِضِ لِمَنْ دَخَلَ لَقِيَ مُعَاوِيَةَ وَقَرَأْتُ فِيْ كِتَابِ الْمُسْتَنِيْرِ اَنَّ اَبَا تَمَّامٍ وَالْخَثْعَمِيَّ وَ اَبُو الْعَيْنَاءِ وَابْنُ الْمُكَرَّمِ اِجْتَمَعُوْا فِيْ مَجْلِسِ اُنْسٍ فَقَامَ اَبُوْ تَمَّامٍ اِلَى الْخَلَاءِ فَقَالَ اِبْنُ مُكَرَّمٍ اَذْهَبُ وَاَتَوَضَّأُ وَاَعُوْدُ فَقَالَ اَبُو الْعَيْنَاءِ اِذَنِ الْخَثْعَمِيُّ لَا يَعُوْدُ الْخَثْعَمِيُّ وَيْدَخُلُكَ فَقَالَ اَبُوْ تَمَّامٍ نَعَمْ وَ اَخْرَجُكَ فَتَعَجَّبَ الْحَاضِرُوْنَ مِنْ هٰذَا الْاِبْتِدَاءِ الْبَدِيْعِ فِي الْجَوَابِ الْعَجِيْبِ السَّرِيْعِ[3] وَمَا يُشْبِهُ هٰذِهِ الْحِكَايَةَ مَا حَدَّثَنِيْهِ اَبُوْ نَصْرٍ[4] سَهْلُ بْنُ الْمَرْزُبَانِ قَالَ دَخَلَ اِبْنُ مُكَرَّمٍ الْخَلَاءَ وَقَالَ اَذْهَبُ وَ اَتَوَضَّأُ وَاَعُوْدُ فَقَالَ اَبُو الْعَيْنَاءِ اِذَنْ لَا يَعُوْدُ اِلَيْنَا مِنْكَ شَيْءٌ

---

[1] قرآن مجید سورہ ۲۵ آیہ ۸ [2] ماخوذ از سورہ ۶ آیہ ۱۲۴ [3] این عبارت خالی از اضطرابی نیست در تم نقط ابو تمام وخثعمی مذکور اند [4] مترجم در یتیمہ ۴ : ۲۷۶ وصاحب کتاب اخبار ابی العیناء]

اَیْ لِاَنَّهُ حَدَثٌ، وَاَنْشَدَ اَصْحَابُ الْمَعَانِیْ لِاَبِیْ صُفْرَةَ -

نَعَمْ یَنْحُوكَ تَحْتَ اللَّیْلِ سَقْیًا ۔۔۔ خَبِیْثُ الرِّیْحِ مِنْ خَمْرٍ وَّمَاءٍ

یَکْنِیْ اَنَّهُمْ ضَرَبُوْهُ وَهُوَ سَکْرَانُ حَتّٰی اَحْدَثَ وَکَانَ بِشْرُ الْمَرِّیْسِیُّ یَقُوْلُ اِذَا قِیْلَ لَهُ فُلَانٌ قَدْ وَضَعَ کِتَابًا اَلْوَضْعُ وَضْعَانِ اَحَدُهُمَا بِهِ افْتِخَارٌ وَالْاٰخَرُ لَهُ بُخَارٌ یُرِیْدُ قَوْلُ الْقَائِلِ

مَرَرْتُ بِدَارِهَا فَوَضَعْتُ فِیْهَا ۔۔۔ کَجُثْمَانِ الْقَطَا وَلَهُ بُخَارٌ

وَکَتَبَ بَعْضُ الظُّرَفَاءِ اِلٰی شَارِبِ دَوَاءٍ

اَبِنْ لِیْ کَیْفَ اَصْبَحْتَ ۔۔۔ عَلٰی حَالٍ مِّنَ الْحَالِ

وَکَمْ سَارَتْ بِكَ النَّاقَةُ ۔۔۔ نَحْوَ الْمَنْزِلِ الْخَالِ

وَکَتَبَ مُؤَلِّفُ هٰذَا الْکِتَابِ اِلَی الْاَمِیْرِ[۱] اَبِی الْفَضْلِ الْمِیْکَالِیِّ فِیْ یَوْمٍ اَخَذَ فِیْهِ دَوَاءً یَقُوْلُ

یَا سَیِّدًا حَازَ اَصْلُهُ الشَّرَفَا ۔۔۔ فَلَمْ یَدَعْ مِنْهُ لِلْوَرٰی طَرَفَا

لَمَّا اَخَذْتَ الدَّوَاءَ طَالِعَهُ ۔۔۔ العدلُ عَلَی الْقَوْمِ مِنْكَ تَدًى وَقَفَا((

صَقَلْتَ سَیْفًا لِّعُلًا صَفِیَّةٍ[۲] بَیْنَ الْمَجْدِ فَالْعَیْشُ مِثْلُ ذَاكَ صَفَا

لَا زِلْتَ تَحْسُوْ السُّرُوْرَ فِیْ مَهَلٍ ۔۔۔ وَیَنْقَضِیْ الْهَمُّ عَنْكَ وَالدَّنَفَا

(ص ۱۲ ب) صـ ۱۲ (ب) وَالْعَرَبُ تَقُوْلُ لَا رَأْیَ لِحَاقِنٍ وَالْحَاقِنُ کِنَایَةٌ عَمَّنْ بِهِ الْبَوْلُ وَالْحَاقِبُ کِنَایَةٌ عَمَّنْ احْتَاجَ اِلَی الْخَلَاءِ وَلَمْ یَتَبَرَّزْ شُبِّهَ بِالْبَعِیْرِ الْحَقِبِ الَّذِیْ دَنَا الْحَقَبُ مِنْ ذَیْلِهِ فَمَنَعَهُ اَنْ یَّبُوْلَ وَقَدْ مَلُحَ مَنْصُوْرُ الْفَقِیْهُ فِی الْکِنَایَةِ عَنِ الْحَدَثِ بِقَوْلِهِ

تَتِیْهُ وَجِسْمُكَ مِنْ نُطْفَةٍ ۔۔۔ وَاَنْتَ وِعَاءٌ[۳] لِمَا تَعْلَمُ

[۱ ـ قم: یکنی عن الحدث بالسقب الخبیث الریح، ۲ ـ ملاحظہ ہو برائے ترجمہ اشعار یتیمۃ الدہر ۴ : ۲۴۷،
۳ ـ اصل: صفیہ]

فَصْلٌ فِي الْكِنَايَةِ عَنِ الْمَكَانِ الَّذِي تُقْضَى فِيهِ تِلْكَ الْحَاجَةُ يُكْنَى عَنْهُ بِالْحُشِّ[١] وَهُوَ الْبستان* وَبِالْمُسْتَرَاحِ وَالْخَلَاءِ وَالْمَبْرَزِ وَالمدنب [كذا] وَالْمُتَوَضَّأُ والمغضاء [الميضاء؟] وَمِن أَحْسَنِ مَا سَمِعْتُ فِي ذَلِكَ وَاظْرَفِ قَوْلُ أَبِي الفتح[٢] البلكتري الكاتب هذه الابيات.

أَحَقُّ بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ الْوَرَى ... لصونه[٣] قد ماوا يثارة

[بيتٌ اذا زاره زائر ... فقد قضى اعظمَ أَوطاره]

يَدْخُلُهُ الْمَوْلَى بِخِزٍّ كَمَا ... يدْخُلُهُ العَبْدُ بِأَطْمَارِهِ

وَهُوَ اذا ما كان مستنظفًا ... مُرُوَّةُ الانسانِ في دارِهِ

وَقد[؟] ذكر الكنايات فَقَدْ اعْرَضْتُ حِكَايَة[٤] كَتَبَهَا إِلَيَّ ابي سَعِيدِ بْنِ دُوست بِإِسْنَادٍ لَهُ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ بَكَّارٍ قَالَ قَدِمَ رَجُلٌ مِنَ الرُّؤَسَاءِ إِلَى مَدِينَةٍ وَمَعَهُ جَارِيَتَانِ مَاجِنَتَانِ وَبَلَغَهُ أَنَّ بِهَا مُضْحِكًا فَبَعَثَ إِلَيْهِ وَأَحْضَرَهُ وَسَقَاهُ نَبِيذًا وَأَلْقَى فِيهِ سُكَّ[٥] العر [كذا] وهو لِتَسْهِيلِ الْبَطْنِ وَتنا [و]م الرَّئِيسُ وغمز الْجَارِيَتَيْنِ فَلَمَّا شَرِبَ الْمُضْحِكُ ثَلَاثًا حَرَّكَهُ بَطْنُهُ فَقَالَ مَا أَحْسَبُهُمَا إِلَّا مَكِيسَتَيْنِ فَقَالَ جُعِلْتُ فِدَاكُمَا أَيْنَ بَيْتُ المدنب[٦] [كذا] فَقَالَتْ إِحْدَاهُمَا لِصَاحِبَتِهَا مَاذَا يَقُولُ

[١ اصل: بالفحش و هو التبيان، ٢ ترجمه اش را ثعالبی در يتيمة الدهر ١: ٢٠٧ آورده است و گفته كه او بنام ابن الكاتب الشامی معروف است، ابيات درج متن نيز در يتيمة موجود است و بيتی كه محدود بقوسين است هم از آنجا نقل شد ٣ اصل: مصونه ٤ اين حكايت را مسعودی در مروج الذهب ج ٨ ص ٣٢٩ و ابن عبدربه در عقد (قاهره ١٣٢١م) ٢١٧:٣ آورده باختلافها از متن ٥ مروج: خشب العشر عقد: سكر العشر، در منتهی بذيل عشری گويد: شكری مشهور كه از شگوفه و شاخ آن يعنی درخت عشر برآيد ٦ عقد: و اهل الشام يسمونها المذاهب فقال لهما يا حبيبتی اين المذهب، و غالباً در ص ٣ هم المذهب بايد خواند]

قَالَتْ يَقُولُ غَنِّنِي فَقَالَتْ

ذَهَبْتَ مِنَ الهِجْرَانِ فِي كُلِّ مَذْهَبٍ وَلَمْ يَكُ حَقًّا طُولُ هٰذَا التَّجَنُّبِ

قَالَ نَصْبِرُ عَلَى مَكْرُوهٍ شَدِيدٍ ثُمَّ قَالَ مَا أَحْسِبُهُمَا إِلَّا بَصْرِيَّتَيْنِ فَقَالَ جُعِلْتُ فِدَاكُمَا أَيْنَ بَيْتُ الخَلَاءِ فَقَالَتْ إِحْدَاهُمَا لِلْأُخْرَى مَا ذَا يَقُولُ فَقَالَتْ يَقُولُ غَنِّنِي فَقَالَتْ

أَضْحَتْ خَلَاءً وَأَضْحَى أَهْلُهَا احْتَمَلُوا أَخْنَى عَلَيْهَا الَّذِي أَخْنَى عَلَى لُبَدِ[۱]

فَتَصَابَرَ عَلَى مَكْرُوهٍ شَدِيدٍ وَأَظْلَمَ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ فَقَالَ مَا أَحْسِبُهُمَا إِلَّا كُوفِيَّتَيْنِ فَقَالَ فَدَيْتُكُمَا أَلَا تَسْمَعَانِ أَيْنَ بَيْتُ الحُشِّ فَقَالَتْ إِحْدَاهُمَا لِلْأُخْرَى مَا ذَا يَقُولُ قَالَتْ يَقُولُ غَنِّنِي فَقَالَتْ

أَوْحَشَ الجِنْبَابُ[۲] فَالدَّيْرُ مِنْهَا وَهَوَاهَا فَالمَنْزِلُ المَحْضُورُ

فَقَالَ المُضْحِكُ فَمَا فَهِمْتُمَا عَنِّي وَصَبَرَ عَلَى أَشَدِّ مَا يَكُونُ وَانْتَفَخَ بَطْنُهُ وَأَظْلَمَ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَضَاقَتْ حِيلَتُهُ فَقَالَ هُمَا البَتَّةَ مَدَنِيَّتَانِ فَقَالَ فَدَيْتُكُمَا أَيْنَ بَيْتُ الكَنِيفِ فَقَالَتْ إِحْدَاهُمَا لِلْأُخْرَى مَا ذَا يَقُولُ قَالَتْ يَقُولُ غَنِّنِي فَقَالَتْ.

تَكَنَّفَنِي الهَوَى طِفْلًا فَشَيَّبَنِي وَمَا اكْتَهَلَا

فَقَالَ وَيْحَكُمَا يَا زَانِيَاتُ وَلٰكِنْ أُخْبِرُكُمَا مَا هُوَ فَقَامَ رَافِعًا ثَوْبَهُ فَسَلَحَ عَلَيْهِمَا وَمَلَأَ المَجْلِسَ قَذَرًا فَانْتَبَهَ سَيِّدُهُمَا وَقَالَ وَيْحَكَ مَا صَنَعْتَ فَقَالَ أَقْعَدْتَنِي بَيْنَ هَاتَيْنِ الزَّانِيَتَيْنِ

[۱ه اصل: اخنی ... اخنی علی لبدی، این شعر نابغه است تصحیح از روی دیوان.

۲ه روایت این شعر در مروج و عقد خیلی مختلف است.]

اورینٹل کالج میگزین

جلد (۸) - عدد (۲)

عدد مسلسل (۳۲)

بابت

فروری سنہ ۱۹۳۲ء

حصہ اوّل

ایڈیٹر

مولوی محمد شفیع ایم۔ اے

[illegible]

نے

اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

فہرستِ مضامین

اُردو کی شاخ
ہریانی زبان میں تالیفات
(۲)
اکرم رہتکی المتخلص بہ قطبی

ہندوستان میں شیخوں کی ایک قلیل التعداد اور غیر معروف جماعت ہے جو اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتی ہے۔ علیگڈھ۔ سنبھل۔ رہتک وغیرہ شہروں میں یہ لوگ آباد ہیں۔ بنی اسرائیل کی وجہ تسمیہ ہمیں معلوم نہیں لیکن یہ عقیدہ کہ بنی اسرائیل یہودی النسل ہیں یقیناً صحیح نہیں۔ قرین قیاس یہ ہے کہ ان کے اجداد میں کوئی بزرگ اسرائیل نامی گذرے ہیں اور انکی نسبت سے یہ قوم بنی اسرائیل کہلائی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تغلقوں کے زمانہ میں یہ لوگ بیرون ہند سے آکر یہاں آباد ہوگئے مگر تاریخوں میں انکا تذکرہ عہد جلال الدین اکبر سے پیشتر نہیں ملتا۔ اسکے بعد سے البتہ خاص خاص موقعوں پر آتا ہے۔ بنی اسرائیل میں تعلیم و تعلم۔ علوم و فنون۔ تصوف و سلوک نیز خوشخطی کا چرچا کم و بیش ہر زمانہ میں رہا ہے۔ اور بعض اوقات نامی آدمی بھی ہوتے ہیں۔ طبقۂ علما میں ایک بزرگ شیخ سعداللہ بنی اسرائیل ہیں جو اکبر کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ عبدالقادر بدایونی نے اس عہد کے مشاہیر میں ان کا شمار کیا ہے وہ انہیں شیخ اسحٰق کاکو کا شاگرد بیان کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ شیخ نے اپنی عمر کا اکثر حصہ

درس و تدریس اور تقوی و طہارت میں بسر کیا لیکن جب شباب سے کہولت میں اور کہولت سے شیخوخت کی منزل میں قدم رکھتے ہیں اور ڈاڑھی سپید ہو چکتی ہے۔ ان میں ایک انقلاب آتا ہے اور کسی مطربہ پر عاشق ہو جاتے ہیں اور امور منہیہ کے مرتکب ہو کر رندانہ زندگی اختیار کر لیتے ہیں حتیٰ کہ شراب تک سے پرہیز نہیں کرتے۔ شیخ کے شاگردوں کو اس امر سے بہت صدمہ ہوا۔ جس طرح شیخ صنعان کے شاگردوں نے اپنے استاد کی اصلاح کی کوشش کی تھی یہ لوگ شیخ سعد اللہ کی اصلاح میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ شاہی محتسب بھی ان کا شریک کار ہو جاتا ہے۔ بالآخر شیخ تائب ہو کر بدستور قدیم اپنے مشاغل علمی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ شیخ سعد اللہ صاحب کی تصانیف کثیر ہیں۔ امام غزالی کی جواہر القرآن پر ایک شرح جو ان کی تصنیف ہے ان ایام میں بہت مقبول تھی۔

بدایونی نے ان کا ایک اور واقعہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل دراصل ہندو تھے وہ لکھتا ہے کہ ایک دن جلال الدین اکبر پادشاہ نے شیخ سعد اللہ کو خلوت میں بلا کر پوچھا کہ شیخ تمہاری قومیت کیا ہے۔ شیخ نے جواب دیا کہ ہم جماعت نویسندہ سے تعلق رکھتے ہیں جنہیں ہندی زبان میں کایت کہتے ہیں۔ پادشاہ انکی صاف گوئی سے بہت محظوظ ہوا۔ بدایونی کے الفاظ ہیں :-

"چون خلیفۃ الزمانی اورا یہ خلوت طلبیدہ پرسیدہ اند کہ از کدام قومید گفتہ از نویسندہا کہ ایشانرا بزبان ہندی کایت می گویند۔ پادشاہ را این بے تکلفی بسیار خوش آمد و صحبتے ممتد داشتند" منتخب التواریخ ص۲۹۶، نولکشور

اگر یہ بیان صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل دراصل کایستہ ہیں۔

بنی اسرائیل میں مجھ کو تین کاتب معلوم ہیں۔ پہلے ابوالفتح بن شیخ محمد بنی اسرائیل ساکن کول جو ۱۰۲۰ھ/۱۶۱۱ء میں دیوان حافظ کی کتابت کرتے ہیں۔ یہ نسخہ اب برٹش میوزیم کے

کتبخانہ میں ہے۔ ریو کی فہرست جلد دوم میں ص ۶۲۹ پر اسکا ذکر آتا ہے اور نمبر ایڈ ۲۵۹۹۰ ہے۔
اوہا بنی اسرائیل کولوی ایک اور کاتب ہے جو سترھویں صدی عیسوی میں گذرا ہے
شاہنامہ کی پہلی جلد جو اس کے قلم سے نکلی ہے انڈیا آفس کے کتبخانہ میں موجود ہے۔ ایتھے
نے اپنی فہرست میں ک ۲۸۵ پر بذیل ۸۶۲ اسکا ذکر کیا ہے۔
محمد شریف بنی اسرائیل موسوی ساکن بلدہ کول جلالی تیسرا کاتب ہے جسکے ہاتھ کی
مواہب علیہ نوشتہ ۱۰۶۵ھ ریو کی فہرست مخطوطات فارسی جلد اول ص ۱۰ پر مندرج ہے۔
انشا نگاروں میں محمد امین بنی اسرائیل اپنا مجمع الانشا ۱۱۳۶ھ میں بفرمایش بدھ چند تدوین کرتا ہے[1]
نعمت اللہ بنی اسرائیل کی انشائے نعمت بھی انڈیا آفس میں محفوظ ہے[2]۔
اکرم پریم قصہ۔ شیخ اکرم رہتکی مصنف تیرہ ماسہ رہتک کے بنی اسرائیلیوں سے تعلق
رکھتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو شیخ زادہ بنی اسرائیل کہتا ہے چنانچہ تیرہ ماسہ کا یہ شعر ہے

رہیں رہتک شہر از بسکہ سادہ بنی اسرائیل سب ہیں شیخ زادہ

ہم اکرم کے حالات زندگی سے بالکل ناواقف ہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ اسکا تخلص قطبی
ہے اور غالباً شیخ قطب الدین حبیب کا مرید ہے جو حضرت ابو صالح قطب کے تیسرے فرزند
اور حضرت قمیش کی اولاد ہیں جنکا قصبہ ساڈھورا میں سجادہ ہے

قطب الدین حبیب جن سنہ منگل گایا قطبی بڑے نصیب ڈھولا گھر میں پایا

ایک اور موقعہ پر لکھا ہے ؎

گیا پھر میں قطب کے پاس دوڑا کہ جنکا ہے وطن حضرت ساڈھورا
ابو صالح قطب کے تیسرے پوت قمیش اعظم جیو کے اولاد او دہوت

۱۱۴۳ھ مطابق ۱۳ ج محمد شاہی میں اکرم نے تیرہ ماسا یا پریم قصہ بہ تتبع بارہ ماسہ
محمد افضل نارنولی تصنیف کیا ہے کہتا ہے۔

پریم قصہ ہوا ہے آخر یار و تیرہ ماسا بھی اس کے تاں بچار و

---

[1] ۲۱۲۲ فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس [2] ۱۶۹۸ فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس

بارہ ماسا ہوے تھا اور سب کے | تیرہ ماسا ہوا جا کر قطب کے
بکٹ افسانہ کا ہے یہ تو بھیا | دونوں کے تاں جنا ہے دوہی میا
اوس افضل کہ جس کا نانو گوپال | کیا ہے نارنولی صاحب حال
اسے قطبی کہ اکرم کر ہے مشہور | زشعر و علم ہر دو ہست معذور
ہزار و یکصد و چل ثلث دیگر | جو تھا تب سن ہجری مشک اذفر
محمد شاہ کی ہے بادشاہی | لگا ہے سن تیرہ از الٰہی

دو مرتبہ اسنے اپنی عمر اڑتیس سال کی طرف اشارہ کیا ہے

گنوائے سونچ اور غفلت ماں اٹھتیں | پھنسا دردام آن شیطان ابلیس

دیگر

جو سن اٹھتیسیں ڈھولن ملاؤ | گویا سو لاکھ بندی کو چھوڑاؤ

تیرہ ماسہ یہ تتبع بارہ ماسہ قطبی کی ایجاد ہے - ان میں اسی قدر فرق ہے کہ بارہ ماسہ میں صرف بارہ مہینوں اور ان کے متعلقہ موسمی حالت کا بیان ہوتا ہے - تیرہ ماسہ میں لوند کا مہینہ بھی شامل کر لیا گیا ہے - باقی مراتب میں بارہ ماسہ اور تیرہ ماسہ بالکل ایک ہیں -

یہاں چند الفاظ بارہ ماسہ کے متعلق کہنے ضروری ہیں - نظم کی یہ قسم اسکی موجودہ حالت میں خالص ہندی پیداوار معلوم ہوتی ہے - اور ہندی جذبات کی حامل ہے - بارہ ماسہ درحقیقت ایک فراق نامہ یا سرگزشت ہجراں ہے - ہندی میں چونکہ عورت عاشق اور مرد محبوب مانا گیا ہے - اس لئے یہ سرگزشت اکثر عورت کی طرف سے بیان ہوتی ہے - وہ اپنے محبوب کی جدائی کا ایک ایک مہینہ الگ الگ گنتی ہے اور خصوصیات موسمی کے ذکر کیساتھ ساتھ اپنے جذبات عشق اور کیفیت قلبی کو باحسرت و یاس ایک دلگداز پیرایہ میں بیان کرتی ہے - مثلاً ساون آتا ہے محبوب گھر نہیں ہے - سیاہ بادل آسمان پر محیط ہیں - پپیہا اسکو پی کی یاد دلاتا ہے - کوئل کی کوک سے دل میں ہوک اٹھتی ہے - اتنے میں مینہ برسنے لگتا

ہے ۔ادھر یہ فراق زدہ طوفان گریہ شروع کر دیتی ہے یا مثلاً آسوج کا مہینہ ہے ۔شہر میں دیوالی منانے کی تیاریاں ہر طرف ہو رہی ہیں ۔ دیوالی کی شب آتی ہے ۔کوچہ و بازار میں چراغاں کا عالم ہے اور گھر گھر میں چراغ روشن ہیں لیکن یہ دکھیاری اپنے تاریک گھر میں سیج پر منہ لپیٹے پڑی ہے ۔ اندھیرے میں دم گھٹتا ہے ۔ کلیجہ منہ کو آتا ہے ۔ گھبرا کر اٹھ بیٹھتی ہے الغرض اس طرح ہر مہینہ کے تمام موسمی لوازمات بیان ہوتے جاتے ہیں ۔ ادھر ساتھ ساتھ قصۂ غم ہجراں بیان ہوتا رہتا ہے ۔جب مہینہ ختم ہوتا ہے اور دوسرا مہینہ لگتا ہے ۔ نہایت حسرت کے ساتھ کہتی ہے لو یہ مہینہ بھی ختم ہوا اور محبوب گھر نہیں آیا ۔ جب اسطرح سے پورے بارہ مہینوں کا بیان ہو چکتا ہے کسی بشارت ۔ فال یا خواب کی تعبیر کی بنا پر سمجھ لیا جاتا ہے کہ اب وصال عنقریب ہونے والا ہے ۔ یہ دکھیا اپنے گھر لوٹتی ہے اور دیکھتی ہے کہ محبوب فی الواقع گھر آ چکا ہے ۔ دوڑ کر اسکے قدموں میں گر جاتی ہے ۔ وہ گلے لگا لیتا ہے اور ایام جدائی ختم ہو جاتے ہیں ۔

بارہ ماسہ ہمیشہ نظم میں ہوتا ہے اور مختلف بندوں میں بحساب ماہ ہندی تقسیم ہوتا ہے ۔ ایک ایک بند میں ایک ایک مہینہ کا مذکور آتا ہے ۔ بند کے آخر میں دوہرہ اکثر لایا جاتا ہے ۔بعض وقت دوہرہ کے ساتھ فارسی شعر بھی ہوتا ہے ۔ اگر دوہرہ نہیں ہے تو بند کے اوپر عنوان میں خالی مہینہ کا نام لکھ دیا جاتا ہے ۔سنسکرت میں بارہ ماسہ نہیں ملتا ۔ اسکے ادبیات کا اکثر و بیشتر ذخیرہ دیسی زبانوں میں پایا جاتا ہے ۔جن میں برج ۔ اودھی ۔ پنجابی ۔ ہریانی اور اردو قابل ذکر ہیں ۔ فی زمانتا بارہ ماسہ متروک ہو چلا ہے ۔ لیکن اب سے تیس سال پیشتر تک کافی مقبول تھا ۔ بیشمار اہل قلم نے اس پر طبع آزمائی کی ہے ۔ اور اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں اسکا بیحد چرچا رہا ہے ۔صرف ناگری پرچارنی سبھا کی سالانہ فہرستوں سے ہمیں ذیل کے بارہ ماسہ نگاروں کے نام ملتے ہیں :۔

(۱) مہاراجہ بلبھدر اسنگھ (تالوہ) ۱۸۲۱ تا ۱۸۶۸ء　(۲) اوماوت تاریخ نامعلوم

(۳) راجہ دیوی سنگھ سمت ۱۸۳۱ بکرمی (۴) کھیت سنگھ (۵) نرہری داس بخشی سمت ۱۹۲۲

(۶) بچن گوری تاریخ نامعلوم (عورت) (۷) راجہ پرتھوی سنگھ۔

(۸) لال داس (۹) سندر (۱۰) محمد شاہ (۱۱) کبیر بھگت۔

(۱۲) جن گوپال قریب ۱۶۷۶ء (۱۳) جواہر ای ۱۶۶۵ء (۱۴) خیر شاہ

(۱۵) رسال ۱۹۲۹ء ۱۸۸۶ب

پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانہ میں :۔

(۱۶) جسونت سنگھ (۱۷) سیوا داس (۱۸) بیساکھی مل (۱۹) گمن (۲۰) مرلی داس

(۲۱) منسا داس

پیرزادہ محمد حنیف کے پاس :۔

(۲۲) بنام (۲۳) بارہ ماسہ سنگرہ جس میں چار بارہ ماسے ہیں۔

(۲۴) از سرور، تصنیف ۱۵۷۵ء (۲۵) سردار خان

میرے پاس حسب ذیل ہیں :۔

(۲۶) عبدالوہاب (۲۷) مقیم (۲۸) خیر شاہ (۲۹) بینی مادھو (۳۰) محمد افضل

(۳۱) اکرم ۱۳۰۱ھ (۳۲) کرپارام پوایبتھ بھٹناگر ساکن قصبۂ نرولی سمت ۱۸۲

(۳۳) کبیر ۱۱۰۸ھ بفرمائش چینا سید مراد

یہ شاید اتفاق ہے کہ اس فہرست میں وہی بارہ ماسے زیادہ قدیم ہیں جو مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر ان سے قدیم وہ ہیں جو گرنتھ صاحب میں محفوظ ہیں۔ اگرچہ ان کی تاریخ معلوم نہیں ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بارہ ماسوں کا آغاز کس زمانہ سے ہوتا ہے۔ آیا وہ خالص ہندوانی ہیں اور قدیم سے ہیں۔ یا انکی ایجاد میں مسلمانی ہاتھ ہے۔ ہم اپنی موجودہ معلومات کی روشنی میں اسکا کوئی قطعی جواب نہیں دے سکتے۔ لیکن بارہ ماسہ کی ایک قدیم طرز ہمیں خواجہ مسعود سعد سلمان کے دیوان فارسی

میں ملتی ہے جو مروجۂ حال بارہ ماسہ کی اصل مانی جا سکتی ہے۔ اگرچہ مضمون کے لحاظ سے مختلف ہے۔ خواجہ مسعود کے ہاں نہ صرف بارہ ماسا ہے بلکہ اس سے قریبی علاقہ رکھنے والی دو اور بھی چیزیں ہیں۔ مثلاً اول تو ان کے ہاں بارہ ماسہ ہے۔ جسے وہ غزلیات شہوریہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ شہوریہ بارہ فارسی مہینوں کے نام پر ہے۔ یعنے :-

فروردین - اردی بہشت - خورداد - تیر - مرداد - مہر - شہریور -
آبان - آذر - دے - بہمن - اسفندارمذ -

گویا ان بارہ مہینوں کے نام پر بارہ غزلیں ہیں جو مختلف وزن و ردیف و قافیہ میں ہیں ہر غزل میں سات سات شعر ہیں۔ مطلع میں التزاماً بارہ ماسہ کی طرح مہینہ کا نام آتا ہے بعد کے اشعار موسمی کیفیت اور شراب کے ذکر سے شروع ہوتے ہیں اور پادشاہ کی مدح ودعا پر ختم ہوتے ہیں۔ ہر غزل میں ابوالملوک ملک ارسلان ۵۰۹ھ و ۵۱۲ھ کا نام آتا ہے۔ ان غزلوں کی زبان نہایت سادہ اور سلیس ہے۔ اس شہوریہ سے میں ایک غزل جو ماہ اردی بہشت سے متعلق ہے۔ اس موقعہ پر نقل کرتا ہوں ؎

بہشت است گیتی ز اردی بہشت　　حلال آمد ای مہ مے اندر بہشت
بشادی نشیں و می لعل خواہ　　کہ بے مے نشستن زشت است زشت
براغ و بباغ و بکوہ و بدشت　　زفر گرانمایہ اردی بہشت
بخندید گلزار و بگریست ابر　　بنالید مرغ و ببالید کشت
بہ کلہ یابی کہ رضوانش بافت　　بہ حلہ بینی کہ حوراش رشت
تو گوئی کہ ملک ملک ارسلان　　گل و عنبر و مشک درہم سرشت
جہاندار شاہے کہ چرخ بلند　　بملکش یکے عہد محکم نبشت

(ص ۲۸۱ دیوان، ۱۲۹۶ھ)

اس کے بعد خواجہ کے ہاں غزلیات ایامیۂ فرس ہیں - چونکہ فارسی مہینہ کے تیس دنوں کے نام علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں یعنے اورمزدروز - بہمن روز - اردی بہشت روز - خورداد روز - مرداد روز وغیرہ اس لئے ہردن کے نام پر پانچ پانچ شعروں کی ایک ایک غزل ہے جو شاہ ارسلان مذکور کے نام پر ہے - خورداد روز کی غزل یہاں نقل کردی جاتی ہے ؎

خورداد روز، واد نباشد کہ بامداد — از لہو و خرمی نستانی زبادہ داد
از بادہ جوی شادی و از بادہ باش خوش — بے بادہ این جہاں مبنا باد گیر باد
خاصہ کہ عدل شاہ جہاں چون بہشت کرد — درہای خرمی و بطر بر جہاں کشاد
سلطان ابوالملوک ملک ارسلان کہ چرخ — گوید کہ تا بحشر ملک ارسلان زیاد
وایم عزیز باد کہ دین ہست از و عزیز — از ملک شاد باد کہ زو ہست خلق شاد

تیسری قسم میں غزلیات اسبوعیہ یعنے ہفتہ واری غزلیں ہیں جو ہفتہ کے ہر ہر دن کے ساتھ منسوب ہیں - غزلوں کی تعداد سات اور ہر غزل کے پانچ پانچ بیت ہیں یہاں شنبہ کی غزل مذکور ہے -

زحل والی شنبہ است ای نگار — مرا این چنین روز بے مے مدار
زحل تیرہ رای است و تاریک جرم — تو خیز و می لعل روشن بیار
کہ امروز گیتی ہمہ روشن است — ز اقبال و عدل شہ کامگار
ملک ارسلان پادشاہے کہ او — زمانہ فروز است و گیتی نگار
بہار و خزان باد روز و شبش — شبش روز باد و خزانش بہار

اس طرح خواجہ مسعود کے ہاں ہم دوازدہ ماہہ - سی روزہ اور ہفتہ واری نظموں سے دوچار ہوتے ہیں - ان صورت حالات میں اگر بارہ ماسہ کو مسلمانی ایجاد مانا جائے تو بجا ہے مگر ساتھ ہی یہ امر بھی قابل غور ہے کہ خواجہ مسعود ایرانی شاعر نہیں ہیں بلکہ ہندوستانی لاہو

میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی اور پنجاب ہی میں مختلف مناصب پر سرافراز رہے
انکی شاعری کا زمانہ ۱۴۹۹ء کے قریب سے شروع ہوکر ۱۵۰۸ء کے قریب ختم ہوتا ہے۔ایران
میں اس صنف نظم کا کہیں پتہ نہیں چلتا ۔اس لئے دو صورتیں ممکن ہیں۔ ایک تو یہ کہ خود
خواجہ مسعود اس صنف نظم کے موجد ہیں ۔ دوسری یہ کہ ان ایام میں اس قسم کی نظموں کا
دیسی زبانوں میں رواج تھا جیسا کہ ہمارے زمانہ تک رہا ہے ۔ اس صورت میں خواجہ مقلد
ہیں اور بارہ ماسہ بیحد قدیم ہے ۔ اردو زبان میں سب سے قدیم بارہ ماسہ محمد افضل کا ہے ۔جو
یقیناً سترھویں صدی عیسوی میں لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد قطبی کے تیرہ ماسہ کا نمبر ہے ۔
جسکا یہاں تبصرہ کیا جاتا ہے ۔

اس کے نسخے نہایت کمیاب ہیں ۔مجھے صرف دو کا حال معلوم ہے۔پہلا انڈیا آفس
کے کتب خانہ میں محفوظ ہے اور فہرست مخطوطات میں بذیل ۹۳ شمارہ، میں درج ہے ۔
۱۲۵۳ھ میں عبدالکریم نے اسکی کتابت کی ہے ۔

دوسرا نسخہ میرے پاس ہے جسکو عنایت اللہ ولد حافظ امام بخش ۱۲۷۹ھ میں بمقام
رہتک نقل کرتا ہے ۔ تعداد صفحات بائیس اور ہر صفحہ پر سترہ سطریں ہیں ۔

اس تیرہ ماسہ کو دیکھ کر معاً یہ خیال ہمارے دل میں آتا ہے ۔کہ ہریانی زبان عشقی ...
معاملات کی تنگنا سے نکلکر مذاق عام کی شاہراہ پر قدمزن ہے ۔بارہ ماسہ وغیرہ قسم کی چیزیں
عوام الناس میں بیحد مقبول ہوتی تھیں ۔ لوگ انہیں زبانی یاد کرتے پڑھتے اور گاتے پھرتے
تھے ۔گیت اور لاونی کے بعد انکا نمبر تھا ۔

قطبی کا تیرہ ماسہ نہایت سہل اور عام فہم زبان میں لکھا گیا ہے ۔ اسکا وزن وہی ہے
جو محمد افضل کے بارہ ماسہ کا ہے یعنے بحر ہزج مسدس محذوف و مقصور ۔اس کے داستانی
اجزا نہایت روکھے پھیکے اور بدسلیقگی کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ۔کہ یہ کہانی
اصلی واقعات پر مبنی نہیں ہے بلکہ تخیل پر اسکا دارو مدار ہے ۔تیرہ ماسہ کا قصہ مختصراً یوں ہے

کر شاعر ایک دن کسی تیرتھ یا اشنان کے مقام پر نہانے کے لئے جاتا ہے وہاں اسے ایک محبوب سرو اندام نظر آتا ہے۔ ناگنی زلفیں اسکے رخساروں پر کھیل رہی تھیں اور عنبریں دولائی اوڑھے تھا۔ یہ محبوب جو جنس لطیف سے تعلق رکھتا ہے انہیں دیکھ کر مسکراتا ہے۔ ان کے خرمن ہوش و خرد پر بجلی گرتی ہے اور بیہوش ہو جاتے ہیں۔ آجکل کا زمانہ بی اعتقادی کا زمانہ ہے۔ آپ لوگ کب ماننے لگے۔ اگر میں یہ کہوں کہ جناب شاعر تین یوم تک برابر بیہوش رہے مگر ان کا یہی بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے ؎

رہا دن تین تک بیہوش و بیخود   آئی پھر جسکے پیچھے سُرت اور سدھ
بیٹھا اُٹھ کر دیکھا احوال اپناں   تجا سبکوں بُجا گوپال اپناں

اور ہمت کی کمر باندھ کر ہمارا مجنوں اپنی لیلیٰ کی تلاش میں نکلتا ہے۔ قصہ مختصر بعد خرابی بصرہ ملاقات ہوئی وعدے وعید ہوے اور گھر لے آئے کئی سال تک نرد محبت کھیلتے رہے۔ آخر فلک مکار نے نیا پانسہ پھینکا۔ ان کا ایک رقیب بھی کہیں گھات میں تھا۔ یہ گھر سے باہر کسی کام گئے تھے وہ میدان خالی پا کر آ دھمکا اور ان کی لالن کو یہ پٹی پڑھائی کہ اسے دیوانی تو کیا بھولی بیٹھی ہے۔ اسنے تو کسی اور محبوب سے بازی الفت لگائی ہے

؎ کہا محبوب سیں تیں کیا بھولا ناں   تیں نے اسکا فکر اب کچھ نجا ناں
اونے ایک اور سیتی پیت جوڑی   تری الفت جو اپنے دل سیں توڑی

لالن تھیں بھولی بھالی۔ غصہ اور حسد کی آگ نے اور بھی اندھا کر دیا تھا۔ رات کو موقعہ پا کر گھر سے چل دیں۔ جب یہ واپس آئے دیکھا کہ پنجرہ خالی ہے اور مینا اڑ چکی تھی۔ دوبارہ تلاش شروع ہوتی ہے۔ سب کچھ تج کر اور فقیر بنکر شہر شہر اور گانو گانو پھرتے ہیں۔ تیرتھوں اور زیارت گاہوں میں جاتے ہیں۔ دشت و صحرا کی خاک چھانتے ہیں۔ مگر محبوب گم گشتہ کا سراغ نہیں ملتا۔ آخر تلاش سے تھک کر میدان میں ایک جھونپڑی باندھکر اسمیں پڑ رہے اور تصور یار میں محو رہنے لگے اتنے میں برسات شروع ہو گئی اور اساڑھ کا مہینہ

لگ گیا - یہاں سے تیرہ ماسہ شروع ہوتا ہے - میں یہاں اساڑھی بند نقل کرتا ہوں - یہ یاد رہے کہ ہر بند کی ابتدا میں عنوان کے طور پر دو دو شعر سورٹھا کے لائے گئے ہیں ؎

آیا ماس اساڑھ فوج سنگاری مینہ کی ۔۔۔ کیہیں کیچھے ٹہاوہ سرو اپنیں نہ کر یہہ کی
ڈھولا پھرے بدیس میں تنہا لاچار ہوں ۔۔۔ کہو سوں لٹ لٹ کیں قطبی آپا مار ہوں

چڑہے دل بادلوں کے ماس آساڑھ ۔۔۔ میرا جیو ڈالیا اون بیریوں کا ڈھ
سبھوں پہلے اکر کویل کُکائی ۔۔۔ جو سوتی ڈاڑھ ان سوکن جگائی
آئے پھر اندر راجا دسے نگارا ۔۔۔ پیا بن حال کیا ہوگا ہمارا
اچانک توپ کی جوں رعد گرجا ۔۔۔ کڑک ادسکی جو سنکر جیو لرجا
ارے یہ رت کہاں سیں نکس آئی ۔۔۔ میری برہن کے دونی آگ لائی
ہوئی برسات ماں ٹھنڈک کرتیجے ۔۔۔ میرے سینے لگے آتش کے نیجے
اودھر تو اندر نے نالے چلائے ۔۔۔ ایدھر آنکھیوں نے دو دریا بہائے
اودھر آساڑھ برسا دو نگڑا کہن ۔۔۔ ایدہر جہڑ لائے برسیں نین نسدن
اودہر اڈی گھٹا بادل چہوں اوڑ ۔۔۔ ایدھر باندھا میری نینوں نے گھنگھوڑ
عجب حالت بہئی بن پیو پیاری ۔۔۔ کہوں کسکے جو آگے یہہ بتہاری
ایدہر آساڑھ بیری چڑہ کر آیا ۔۔۔ اودھر ڈھولن نے گھر پردیس چھایا
کوئی جاکر کہے پیو سیں کہانیں ۔۔۔ بچھوہے کی نہیں ہے بات سیانیں
جوکن دوتی نے جاکر دت لایا ۔۔۔ میرے تیرے بھتر ٹونا ں چلایا
ارے یہہ دودہ کانجی کن رلائی ۔۔۔ ہتیلی بیچ سرسوں یوں جمائی
نجانوں کس طرح اب ہوئے میلا ۔۔۔ لگی تھی کس گھڑی اور کون بیلا
ارے قطبی کہاں تک ہوے زاری ۔۔۔ مٹے نانہیں تمامی غم خواری
جو بے پرواہ سیں یہہ پریت لاگی ۔۔۔ لگن ایسی لگی جو سب سیں بھاگی

سمجھتا ان سمجھ یوں ہو گیا پئیو　　اندیشے ماں چلا اب جات ہے جیو
کیا بیری لوگوں کا پیو نے ہانسا　　پہنایا ہنس گلیس پریم (کذا) پھانسا
نہ آئے آپ ناں پتیاں پٹھائی　　نہ دو باتاں زبانی کہہ بجھائی
ارے آخر ہوا آساڑہ سارا　　ملانا نہیں اجہوں تک پریم پیارا

اساڑہ کے بعد دوسرا مہینہ ساون ہے اور ساون کے بعد ایک اور ساون ہے جو لوند کا مہینہ ہے۔ اسطرح جیٹھ تیرھواں مہینہ ہو جاتا ہے اور اسی بنا پر نظم کا نام تیرہ ماسہ رکھا گیا ہے۔ ہمارا شاعر تیرتھوں تیرتھوں پھرتا قطب کے پاس جسکا وطن ساڈھورا ہے جاتا ہے۔ قطب صاحب کا نام قطب الدین حبیب ہے۔ قطب صاحب بشارت دیتے ہیں کہ تم اپنے گھر جاؤ اور وہیں محبوبہ سے ملاقات ہوگی۔ گھر پہونچتے پہونچتے بیساکھ ختم اور جیٹھ لگ جاتا ہے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی ہمارا عاشق سودائی اپنی محبوبہ کو سیج پر بیٹھا دیکھتا ہے۔ نہال ہو جاتا ہے۔ دوڑ کر اپنی آنکھیں اس کے قدموں سے ملتا ہے اور چیخ چیخ کر روتا ہے۔ محبوبہ سینہ سے لگا لیتی ہے۔ مدت کے بچھڑے مل جاتے ہیں اور اجڑا گھر پھر آباد ہو جاتا ہے۔

بیساکھ کے بند میں شاعر نے مجاز کو حقیقت کا رنگ دیا ہے۔ میں وہ بھی نقل کئے دیتا ہوں ؎

آئے گئے بیساکھ بیٹھے جو بس ناگہ ہیں　　جر برہ ہو گئی راکھ میرے بھاویں لاکھ ہیں
ہو گئے بارہ ماس اجہوں نہ ظالم یا ہرے　　دیہی رہا نہ ماس پیو کی ہوئی نہ سا ہرے
ارے بیساکھ من موہن کہاں رہے　　گئے ہیں کیا کوئی برلامکاں رہے
اگر برلامکاں ہونگے تو کیا ہے　　مجھے اس پاس بھی جاناں بھیا ہے
اگرچہ مجھکوں قوت نا رہی ہے　　برہ نے توڑ کر دیہی دہی ہے
کروں کیا بن دیکھیں مکھ کوں جو مرجانو　　نہیں دو جگ ماں مجھکوں پھر کہیں ٹھانو

جیسے یوسف کی بڈھیا ہو خریدار — ہوئی مشہور انٹی لے لنیں تار
خریداروں ماں اون نے نا نو پایا — میں عاشق ہو کر آپا ہی گلایا
زلیخا کی ترنہہ پوری کہانی — ہوا مجنون تب لیلیٰ جو پائی
چلواب جیوڑے ڈھونڈہیں وہ لارا — بناں ڈھونڈھن نپائے پی پیارا
اگر اسعی منی خواندۂ تو — ز محنت پس چرا درماندۂ تو
پھروں چھوں دیس کر جوگن کا بھیا — پاؤں جے عاقبت تیرا ہی ویسا
کرو تم سخن اقرب کو صحی رے — وہی ہے سب جگاں حاضر وہی رے
ارے لوگو تمامی جگ میں جو ہا — مجھے باؤں پنے سیں تھا بچھوہا
میرا ولدار تھا میرے ہی گھر مانہہ — بیٹھا ایک بات کے اوٹے تھا پنہاں
میرے وہ عشق کا بیورا جو لے تھا — صریحاً جان کر [لے] تھا جو دمے تھا
پہلے میں تیرتھوں اور جگ لیا پھر — کہیں پایا نہیں ہارا میں آخر
گیا پھر میں قطب کے پاس دوڑا — کہ جنکا ہے وطن حضرت ساڈھورا
ابو صالح قطب کے تیسرے پوت — قمیص (کذا) اعظم جیو کے اولاد و سوت
مجھیں اونہوں میرے گھر مان بتایا — اونہاں سیں میں گھروں کو پھیر آیا
ہوا بیاکھ آخر آدتے گھر — اگرچہ اوڈ چلا تھا لاے کے پر
ارے قطبی صبح کو ہوی میلا — صبر کر ایک شب بھر اور اکیلا

اکرم نے اس فراقیہ کو نہایت سیدھی سادھی زبان میں لکھا ہے۔ جذبات وخیالات کی ادائگی میں اسنے سگھڑپنے اور خوش مذاقی سے کام نہیں لیا ہے۔ نہ زبان کو سنوارنے اور شاعری کا ہنر دکھانے کی کوشش کی ہے۔ جیسی اس عہد کی بولی ٹھولی تھی اور بول چال میں آتی تھی۔ شاعر نے اسی بولی میں اپنا مطلب ادا کر دیا ہے۔ صوفی الفاظ کی پروا نہیں کرتے معانی کو دیکھتے ہیں۔ ہمارے شاعر کا بھی مقصد حقیقت ہے نہ مجاز۔ علاوہ ازیں

شمالی ہندوستان میں یہ عہد اردو کے ارتقا کی ابتدائی منزل ہے اور اس وقت حسن ادا و رنگینی بیان کی توقع کرنا خود ہماری ناسمجھی ہے۔ ہمیں اتنا یاد رکھنا چاہیئے کہ دہلی کے قرب و جوار میں جو ابتدائی ادبی کوششیں ہو رہی تھیں ان میں اکرم کا یہ فراقیہ ایک خاص امتیاز کا مستحق ہے۔ وہ ایک ایسی تالیف ہے جس کی تاریخ تصنیف اور مصنف کے وطن سے ہم واقف ہیں۔ خود شہر دہلی میں ابھی تک سناٹا ہے اور کوئی ادبی کارنامہ نظر نہیں آتا۔

میں اسوقت بیرہ ماسہ کے صرفی پہلو کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ اس لحاظ سے وہ بالکل محبوب عالم کی زبان کے مطابق ہے حتیٰ کہ وہ نادر شکل 'کروں'، 'دہروں'، جو محبوب عالم کے ہاں ہم دیکھ چکے ہیں۔ اکرم کے ہاں بھی موجود ہے مثلاً ؎

کلیجہ ہاتھ پکڑوں گھر کوں آیا یعنے ہاتھ سے کلیجہ پکڑے' اور یہ شکل بھی موجود ہے۔ مگر آخر میں غنہ کے ساتھ شعر

دونوں اوڑوں سوں ناگن لٹ چھوڑیں دو لائی عنبریں کی سر پہ اوڑھیں

یعنے چھوڑے اور اوڑھے۔

فارسی عربی الفاظ میں کافی تصرفات نظر آتے ہیں یعنے نقارہ 'نگارا'۔ لرزنے کی ماضی لرجا' نیزہ۔نیجا' اندیشہ۔ اندیشا' کوزہ۔ کوز' شرمندہ۔شرمند' شاد۔شادا' نصیب۔نصبی' رزائی۔ رجائی' ستمگر۔ستی' شائق۔شوقی' انتظار۔انتظاری' ہجو۔ہجّو' ہے۔ نمک بر زخم پاشیدن کا ترجمہ کیا ہے ع

میرے زخموں کے اوپر لون لایا

علاوہ بریں ریختہ کی طرز کے نامکمل فارسی جملے استعمال ہوئے ہیں مثال ع

گویا اڈی ندی از ہر کنارے

دیگر مٹے ششش پنج دکی در ہمہ حال

دیگر وزاں پس ایں فلک مکارہ مکری

دیگر

فراغت زین بکھا و دکھ جلن ہے

کہیں کہیں ہندی کی ضرب الامثال بھی ملتی ہیں :- (۱) ہتھیلی میں سرسوں جانا مصرع۔ ہتیلی بیچ سرسوں یوں جمائی (۲) ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی مصرع - نہیں ایک ہاتھ کی تاری جو باجے (۳) پیاسا کنوئیں کے پاس جاتا ہے ۔کنواں پیاسے کے پاس نہیں آتا شعر

پیاسا پاس کوتے کے گیا ہے کوا پیاسے کے پا تا نہیں ایا ہے

مضمون کی طوالت کے خوف سے میں اکرم کے تیرہ ماسہ کی دیگر خصوصیات سے دستکش ہوتا ہوں اور شاہ عبد الحکیم کی طرف توجہ کرتا ہوں

شاہ عبدالحکیم

حضرت صدیق اکبر کی اولاد میں سے ایک بزرگ شیخ کمال الدین یمنی سیستان میں آکر آباد ہوگئے۔ ان سے چھٹی پشت میں شیخ قوام الدین تغلقوں کے دور میں وارد ہندوستان ہوئے ۔ حضرت نظام المشایخ نظام الدین اولیا سے بیعت کی اور سند خلافت حاصل کرلی ۔ دربار شاہی سے آپ کو منصب قضا سپرد ہوا اور رہتک کا علاقہ جاگیر میں مرحمت ہوا ۔ آپ کے پانچ فرزند تھے ۔ جن میں سب سے بڑے قاضی افتخار الدین تھے ۔ان سے چھوٹے مولانا کبیر الدین تھے ۔ یہ دونو بھائی رہتک سے ترک سکونت کرکے جھم میں آبسے ۔ مولٰنا کبیر الدین جھم کے میر عدل مقرر ہوئے اور ان کی اولاد میں خطابت و عدالت کا عہدہ موروثی ہوگیا ۔ آپ سے چھٹی پشت میں شیخ محمد سلیمان ہیں جو میر عدل ہونے کے علاوہ حاکم شرع بھی تھے ۔مولٰنا محمد سلیمان کے پوتے مولنا سیف اللہ ہیں جنکے پوتے حضرت شاہ کمال اللہ اور شاہ لطف اللہ

ہر دو برادر ہیں - شاہ کمال اللہ منصب پنجہزاری پر ممتاز تھے اور لاہور میں کتابخانۂ شاہی کے کتابدار - آپ کی ملاقات ایک بزرگ میر ایوب بدخشی سے ہوئی ان کی باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ منصب و ملازمت ترک کرکے اور تعلقات دنیوی سے دست بردار ہوکر میر ایوب کے ہاتھ پر بیعت کرلی - اور چھوٹے بھائی شاہ لطف اللہ کو اپنا جانشین بنا دیا - ۱۱۵۵ھ میں شاہ کمال اللہ انتقال فرماتے ہیں - حضرت شاہ کمال اللہ نے ہریانی زبان میں کوئی نہ کوئی تصنیف اپنی یادگار چھوڑی ہے لیکن ابھی تک اسکا سراغ نہیں چلتا (روضۃ الرضوان ص ۱۲-۱۶)

حضرت شاہ عبدالحکیم شاہ لطف اللہ کے فرزند اور شاہ کمال اللہ کے بھتیجے ہیں سال ولادت ۱۱۲۱ھ ہے اور تاریخی نام غلام الایوب و فیض گوہر ہے - جب شاہ کمال اللہ نے بھتیجے کی ولادت کا مژدہ سُنا بہت خوش ہوے اور بچہ کو اپنے پیر کی غلامی میں منسوب کرکے اسکا تاریخی نام غلام الایوب رکھا - میر ایوب بدخشی نے عبدالحکیم نام دیا - چنانچہ آپ نے اسی نام سے شہرت پائی - شاہ کمال اللہ نے آپ کی تربیت کی اور سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت لے کر سند خلافت عطا فرمائی شاہ کمال اللہ کی وفات کے بعد آپ نے دنیاوی تعلقات سے ہاتھ کھینچ لیا اور گھر کے اثاثہ و نقد و جنس کو راہ خدا میں صرف کرنا شروع کیا - ہر بہانہ سے خلق خدا کی خدمت میں حصہ لیتے - ایک دفعہ ملک میں سخت قحط پڑا اور لوگ بھوکے مرنے لگے - آپ نے خلق اللہ کی امداد کی غرض سے ایک مکان بنوانا شروع کیا دن کو جسقدر مکان طیار ہوتا آپ کوئی نہ کوئی نقص نکال کر رات کے وقت اسکو گرا دیتے - اس بہانہ سے ایک عرصہ تک محتاجوں اور ناداروں کی امداد کرتے رہے ۱۱۵۷ھ میں آپ حضرت خواجہ عبدالباری رومی مدنی کے مرید ہوے اور ۲۰ جمادی الثانی کو دوشنبہ کے دن ۱۱۸۷ھ میں بعارضۂ بخار انتقال فرمایا اور اپنے والد شاہ

لطف اللہ کے پائیں اندرون مقبرہ زیر حویلی واقع جہم دفن ہوئے (روضۃ الرضوان ص ۱۶-۲۸)
آپ کی تمام تصانیف کا پتہ نہیں چلتا مگر جنکے نام معلوم ہیں یہ ہیں:-
(۱) نسخۂ کمال الوبی جس میں حضرت شاہ کمال اللہ اور ان کے مرشد میر ایوب بدخشی کے حالات و مقالات درج ہیں (۲) رسالۂ علم الفرائض بزبان فارسی -
(۳) خواب نامہ بزبان ہریانہ (۴) جہیز نامہ بزبان ہریانہ - ان کے علاوہ دیگر متفرق نظمیں جو حضرت غوث الثقلین و دیگر بزرگان دین کی مدح میں لکھی ہیں -
ہمیں یہاں خواب نامہ اور جہیز نامہ سے تعلق ہے -

خواب نامۂ پیغمبر

فہرست کتبخانۂ اودھ میں اسپرنگر نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے - اور محمد جیون کی تصنیف مانا ہے (فہرست ص ۶۱) لیکن یہ صحیح نہیں ہے - میرے پاس مختلف شہادتیں ہیں جنکی رو سے یہ کتاب شاہ عبدالحکیم کی تصنیف قرار پاتی ہے -

(۱) میرے پاس خواب نامہ کا جو نسخہ ہے اس کے خاتمہ میں عبارت ذیل درج ہے -

"این کتاب خواب نامۂ صلی اللہ علیہ وسلم من تصنیف مقبول رب الکریم شاہ عبدالحکیم بتاریخ یازدہم ذیقعد ۱۲۷۹ھ بدستخط زشت نمط بندہ پراگندہ عاصی پر معاصی احقر العباد من عباد اللہ شیخ عنایت اللہ ولد شیخ حافظ امام بخش متوطن دہلی در شہر رہتک صورت اتمام یافت"

گویا عنایت اللہ اسے شاہ صاحب کی تصنیف مانتا ہے -

(۲) روضۃ الرضوان موسوم بہ تذکرۃ الرمضان میں خواب نامہ وجہیز نامہ حضرت شاہ عبدالحکیم کی مصنفات میں شمار ہوئے ہیں (ص ۲۸) شاہ محمد رمضان شاہ عبدالحکیم کے پوتے ہیں اس لئے تذکرہ نگار کو جو اسی خاندان کے ایک فرد ہیں - شاہ عبدالحکیم کے حالات و

مصنفات کا صحیح علم ہو سکتا ہے۔

(۳) لیکن سب سے اہم وہ شہادت ہے جو اصل رسالہ یعنے خواب نامہ میں درج ہے۔ اس میں مرقوم ہے کہ یہ کہانی اصل میں نقیر رومی نے بزبان فارسی لکھی تھی اور عبدالحکیم نے اس کی ہندی کری ہے چنانچہ

یہ کہانی خوش کہی رومی فقیر   کرم اپنے سیں توں انکا دستگیر
فارسی ماں تھی کہانی یہ کہی   ہندوی میں چاہتا اوسکی بہی
ہندوی اسکی کری عبدالحکیم   کرم کر اپنا تو اس پر اے کریم

اس شہادت کی بنا پر ہم اسے شاہ عبدالحکیم کی تصنیف ملنتے ہیں

خواب نامہ کل آٹھ صفحہ کا رسالہ ہے جس میں فی صفحہ اٹھارہ سطریں ہیں۔ اس کا انتدائی شعر ہے ؎

شکر حق کہتا ہوں پہلی بات ماں   شرم میری راکھیو ہر بات ماں

خاتمہ کا شعر یہ ہے ؎

پیار سیں رہ اے بندہ، ب خلق سیں   پیار کرتا ہے خدا سب خلق سیں

خواب نامہ نیم مذہبی ادبیات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں جناب رسالت مآب صلعم کے ایک خواب کا بیان ہے کہ ایک شب آپ عبادت الہی کے لئے حسب معمول بیدار نہیں ہوے اور صبح تک سوتے رہے اسپر فرمان الہی عتاب کے لہجہ میں نازل ہوا۔ آپ عالم یاس میں گھر چھوڑ کر ایک پہاڑ کے غار میں مقیم ہوگئے اور رات دن خدا کی جناب میں گریہ وزاری میں مصروف رہے مگر دریا ے رحمت الہی جوش میں نہیں آیا۔ ہر چہار اصحاب رسول نے باری باری اپنی عبادات امت نبی کے گناہوں کے بخشوانے کے لئے پیش کیں مگر مقبول نہیں ہوئیں۔ آخر حضرت فاطمہ تشریف لاتی ہیں اور سر کھول کر درگاہ خداوندی بے نیاز میں دعا کرتی ہیں۔ آپ کی دعا قبول ہوتی ہے اور سرور کائنات کو آپ کی امت کی بخشش کا مژدہ

پہنچتا ہے - آپ شاداں و فرحاں واپس اپنے گھر تشریف لاتے ہیں - اس کہانی کے واسطے مصنف نے لکھا ہے کہ درویش روم نے اسے فارسی زبان میں لکھا تھا - بظاہر اس سے مراد مولانائے روم ہیں - میں نے اصل ماخذ کی تلاش میں مثنوی معنوی پر سرسری نظر ڈالی - لیکن ایسی کوئی حکایت نظر نہیں آئی جو خواب نامہ کی اصل قرار دی جا سکے - میرے پیش نظر نولکشور کی مطبوعہ مثنوی تھی -

خواب نامہ کی زبان محبوب عالم و اکرم کی زبان کے مقابلہ میں نہایت سہل اور آسان ہے - اس میں ٹھیٹ ہندی الفاظ بہت کم لائے گئے ہیں اور زبان اس عہد کی اردو کے نہایت قریب آ گئی ہے - اگرچہ ہریانی کی اکثر خصوصیات موجود ہیں - فعل مضارع و مستقبل میں جمع غائب کا فرق نمایاں ہے مثلاً مضارع ؎

امتاں پیاری لگاں مجھ آپ سیں

اور مستقبل ؎ کس طرح چھوٹا نگے اس سیں عام خاص

اس زبان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں الفاظ کے صحیح تلفظ کی مطلق پروا نہیں کی جاتی - لفظ کو توڑ مروڑ کر وزن کا تابع کر لیا جاتا ہے - میں اسکی ایک دو مثالیں دیتا ہوں

مثال آیندہ میں بڈھے اور جوان کے لفظ زیر نظر ہیں ؎

امتاں تیری بڈھے یا جواں ہوں ان عذابوں سے کبھی خالی نہوں

آنے والی مثال میں تشدید کا استعمال ملاحظہ ہو ؎

دیکھ لیا کچھ نہتّوا کار گر

کہا کا استعمال ؎ کہا اے بابا ترا کیا حال ہے

ہر روز کی مثال ؎ آوتی ہے ان پہاڑوں سے ہر روز

یہاں خواب نامہ کے خاتمے سے کچھ ابیات دیے جاتے ہیں تاکہ نمونہ معلوم ہو جائے مصنف نے ان اشعار میں شیخ ابراہیم بن ادہم بلخی متوفی ۲۶۱ھ کی ایک حکایت نقل

کی ہے جو دوستی دوستان خدا کے اخلاقی پہلو پر روشنی ڈالتی ہے ؎

شاہ ابراہیم ادہم ایک رات دن — تھا خدا کی یاد میں سب جان تن
دیکھتا کیا ہے فرشتہ ہے کھڑا — لکھتا ہے کاغذ کے اوپر کچھ کھڑا
پوچھا کیا کرنے گیا کچھ کام توں؟ — جب فرشتہ نے کہا بتلای دوں
نام اوسکے دوستوں کا ہیں لکھا — کیا نبی اصحاب اور کیا اولیا
جب کہا میرا بھی اس میں نام ہے — کہا کچھ نا نہ ہے نہ ٹھانو نہ گانو ہے
رو پڑا ادہم جو ایسی بات سوں — کہا حق آگے جو اپنے دھیان سوں
ہو نہیں ہے نام میرا اے خدا — دوستوں کی دوستی ماں رکھ سدا
دوستوں کی دوستی مجھ دل بسے — بات میری سانچہہ ہے توں مان لے
حکم حق آیا فرشتے کوں تبھی — نام اسکا لکھ سرے پر توں ابھی
جو کوئی ہے دوست میرے دوست کا — دوست ہے جو دوست ہووے دوست کا
دوست میرا جانکر کر دوستی — میں بھی رکھتا ہوں اسی سیں دوستی
پیار سیں رہ اے بندہ سب خلق سیں — پیار کرتا ہے خدا سب خلق سیں

شاہ غلام جیلانی رہتکی

شاہ عبدالحکیم کے حالات میں شیخ قوام الدین اور ان کے دو فرزند قاضی افتخار الدین اور مولانا کبیرالدین کا ذکر اس سے پیشتر آچکا ہے۔ شاہ غلام جیلانی قاضی افتخار الدین کی اولاد سے ہیں۔ قاضی صاحب کے فرزند شیخ عماد الدین قصبۂ مہم میں قاضی و مفتی و محتسب تھے ان کے بعد یہ عہدہ ان کے خاندان میں موروثی رہا۔ شاہ غلام جیلانی کے والد شاہ بدر الدین المشتہر بہ اوحد شاہ پہلے شخص ہیں جو مسند قضا ترک کرکے معرفت و سلوک کے سجادہ پر قدم رکھتے ہیں۔ اور احتساب خلق سے منہ موڑ کر احتساب نفس میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہ

خاندان قدیم سے ہریانہ میں دینی برکات و علمی روایات کا علمبردار رہا ہے۔

شاہ غلام جیلانی کا سال ولادت ۱۱۶۵ھ ہے۔ آپ ابھی خورد سال ہی تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ انتقال فرما گئیں۔ اس واقعہ کے بعد آپ اپنے ماموں کے پاس پورب چلے گئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ ماموں بڑے امیر تھے انہوں نے نہایت محبت سے ان کی پرورش کی اور جب بڑے ہوئے آپکی قابلیت اور تدبر کو دیکھ کر انہیں اپنا نائب بنا دیا اور جاگیر و فوج کا سارا کام سپرد کر دیا۔ لیکن شاہ صاحب نے اسوقت بھی اپنے پدر بزرگوار کی روایات کو قائم رکھا یعنے دن رات عبادت الٰہی میں مصروف رہتے چنانچہ دوستوں نے آپ کا نام قطب رکھ دیا۔ جب ماموں کا انتقال ہو گیا۔ آپ چار پلٹنوں کے افسر بنا دیے گئے۔ آخر وہ وقت آیا جب آپ تعلقات دنیوی سے تنگ آ گئے اور ملازمت سے استعفا دے کر واپس وطن چلے آئے اور بہت جلد بعد والد ماجد سے خرقۂ فقر حاصل کر لیا۔ اس کے علاوہ دیگر بزرگوں سے بھی اجازت نامے حاصل کئے۔ ۱۲۰۵ھ میں والد کے انتقال کے بعد آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ اور حج و زیارات سے مشرف ہو کر مع الخیر وطن آ گئے۔ آپکا دوسرا سفر بغداد و کربلائے معلےٰ تک ہوا اور بعد واپسی وطن ہدایت خلق اللہ میں مشغول ہو گئے ۱۲۳۵ھ میں بخار و درد شکم میں مبتلا ہو کر سترھویں شوال کو جمعہ کے دن وفات پائی۔

فارسی و ہندی میں متعدد تصنیفات آپ کی یادگار ہیں۔ بعض کے اسماء ذیل میں مذکور ہیں:۔

(۱) لطائف السلوک۔ یہ تصوف کا ایک رسالہ ہے (۲) شرح فارسی چوپائیہا۔ ہندی چوپائیوں یا رباعیوں کی شرح ہے اور چھپ چکی ہے (۳) اسناد الاشجار۔ جن سلسلوں سے آپ کو نسبتیں تھیں ان کے شجرے ہیں۔ ۱۲۲۰ھ کی تالیف ہے (۴) رسالۂ طریق الہدیٰ (۵) رسالۂ اعمال الامراض (۶) اثبات وحدت الوجود (۷) رسالۂ واجب ممکن۔ (۸) رسالۂ زبدۃ السالکین (۹) اس کے علاوہ پارۂ عم کی مختلف سورتوں کی تفسیریں بھی

*

لکھی تھیں ۔

ان تالیفات سے ظاہر ہے کہ آپ کا وقت دینی خدمت گذاری بالخصوص تلقین و تعلیم تصوف میں صرف ہوا ہے ۔ ہم کو ان کے باقی کارناموں سے قطع نظر کرکے جو اکثر فارسی میں ہیں ۔ یہاں انکی ہندی چوپائیوں کا تبصرہ منظور ہے جو لسانی حیثیت سے براہ راست ہمارے موضوع سے وابستہ ہیں ۔ یہ چوپائیاں ٹھیٹ ہریانی زبان میں لکھی گئی ہیں ۔ اور فن کی روسے ان پر نظر ڈالتے ہوے بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک بلند پایہ شاعری کی حامل ہیں ۔ ہندوستان میں ہندی گو شعرا کے طبقہ میں ایسے پاکیزہ خیالات و شریف جذبات کے ترجمان بہت کم شعرا ہوے ہیں ۔ کبیر اور بلھے شاہ کے ساتھ ان کا نام بھی لیا جا سکتا ہے ۔

موضوع کے لحاظ سے یہ رباعیاں طالب صادق کے لئے درس تلقین ہیں جن میں طلب مرشد کامل ۔ تجرید و تفرید ۔ طلب صادق ۔ عشق کامل ۔ استغراق و محویت و دیگر مراتب عرفاں کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں ۔ مگر ان میں ایسا عنصر بھی موجود ہے جس سے عوام بھی متمتع ہوسکتے ہیں ۔ ان رباعیوں کی امتیازی شان یہ ہے کہ ان کا آخری مصرع بالعموم کسی نہ کسی ضرب المثل پر آکر ختم ہوتا ہے ۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ایجاز و اختصار کی بہترین مثال ہیں ۔ اور اسی لئے مصنف کو انکی شرح کی ضرورت محسوس ہوئی جسکا ذکر اوپر آچکا ہے ۔ سنہ ۱۳۱۶ھ میں انور رہتکی نے انکی اردو شرح موسوم بہ قانون سلوک لکھی ہے اور یہ شرح میرے پیش نظر ہے ۔

رباعیوں کا نمونہ دیتے وقت میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے ہر رباعی کا مختصر سا مطلب بیان کر دیا جاے اور بعد میں اصل رباعی نقل کر دی جائے تاکہ ان کے مطالب کے سمجھنے میں دقت نہ ہو ۔

دنیا کی مذمت : ۔ کہتے ہیں کہ اس دنیا پر کون اعتماد کر سکتا ہے ۔ جب دیکھا جاتا

ہے کہ ہمیں اس سے کیا نفع حاصل ہوا تو نتیجہ صفر نکلتا ہے۔ وہ صرف نمائش اور دکھاوے کے ہے لیکن ہر حال میں بے فیض۔ ٹیسو کو دیکھتے نہیں جب پھولتا ہے کس قدر خوش آیند اور خوش نما نظر آتا ہے۔ مگر ہمیشہ بے ثمر ہے۔ بالفاظ دیگر دنیا دیکھنے کی ہے۔ برتنے کی نہیں۔

ایسے جگ کو کو پتیا وے جب ڈھونڈے جب کچھو نہ پاوے
دیکھن کا پرنت ہے اوت کیسو پھولے سدا نپوت

ترغیب عمل:- جو کچھ کرنا ہے ابھی کر لو تمہیں موقعہ حاصل ہے۔ اگر موقعہ کھو دیا تو کف افسوس ملتے رہوگے۔ زمانہ تمہاری عمر عزیز کو لحظہ بہ لحظہ اور دمبدم گھٹاتا جا رہا ہے۔ یاد رکھو جب کولھو کٹتا ہے تو اس کی موگری بنا کرتی ہے۔ کولھو سے رس اور تیل طیار کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد استطاعت عمل نیک ہے۔ موگری سے خالی کھونٹیاں ٹھوکی جاتی ہیں۔ اس میں اشارہ ہے سر پیٹنے اور افسوس کرنے کی طرف۔ یعنے اگر نیک عمل کا وقت کھو دیا تو سر پیٹنا اور افسوس کرنا پڑیگا۔ کہتے ہیں:-

کر لے جو کچھ کرنا ہو پھر ترا پچھتانا ہو
یہ جگ تیرا چھن چھن چھنے کولھو کٹے اور موگری بنے

اعمال نیک و بد:- تمہارے اعمال اگر نیک ہیں تو بہشت مقام ہے۔ اگر برے ہیں تو دوزخ ٹھکانہ ہے۔ جیسا بوؤگے ویسا کاٹوگے۔ نیک عمل کو آفرین اور بد عمل کو پھٹکار ہے۔

بھلی کرے تو سُرگ بساوے پونجی بری نرگ لیجاوے
جیسا بووے ویسا لے دہری جے اور پاپی چھے

اصلی اور نقلی پیر:- جب شہر عشق کی گدڑی بگڑ گئی کم مایہ بنئے سیٹھ بن بیٹھے اوچھی پونجی سے دکان آرائی کی۔ وہی مثل صادق آئی کہ اندھوں میں کانا راجا۔

جب پیم نگر کی او جڑی پینٹھ　　　سگرے بنئے ہو گئے سیٹھ
او چھی پونجی ہوا بناؤ　　　اندہوں بھیتر کانا راؤ

ہادی کی ضرورت :- سالک کو تنہا جانے میں بھٹک جانے کا خطرہ ہے۔ نابینا تنہا جاتا ہے اور گر کر پڑتا ہے۔ لغزشوں اور غلط رویوں کے بعد رہبر کامل تلاش کر۔ ٹوٹی گاڑی تو بڑھی کے دروازہ پر ہی لائی جاتی ہے۔

آپ چلے تو بچلا چلے　　　اندھا دوڑے گر گر پڑے
بھول بھٹک کے گرو سنوار　　　گاڑی ٹوٹی کھاتی دوار

جھوٹے پیروں کی مذمت :- فرماتے ہیں کہ شیخ فانی نام رکھا کر پیر بنے ہیں۔ مرید بناتے ہیں اور انہیں بہکاتے ہیں۔ زبانی جمع خرچ سے راہ معرفت طے کرانے کے مدعی ہیں اور عمل میں پیادہ ہیں۔ ان پیروں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اناڑی نائی ہو اور بچہ کا سر چھیل کر رکھ دے۔

ناؤ رکھا کر گرو کہاوے　　　چیلے پکڑے اور بہکاوے
جوگ کا مارگ باتوں کیلے　　　اناڑی نائی سر کو چھیلے

شغل عبادت اور مرشد کی طلب :- جب تک شیخ کامل ملے بیکار نہ ہو اپنا وقت عبادت الٰہی میں گذارو۔ دیکھتے نہیں بنیا خالی نہیں بیٹھتا اور کچھ نہیں تو باٹ ہی تولتا رہتا ہے۔

جب لگ گرو سے بھینٹ نہو　　　دن رات سکھ سے مت سو
کچھ تو کر مورے میتا پیارے　　　ٹھالا بنیا باٹ ہی ہاڑے

پیر کے ارشادات سے تساہل :- جب ہادی کامل مل جائے۔ لازم ہے کہ اسکے ارشاد و تلقین پر مستعدی سے کاربند رہو۔ ایسا نہو کہ اسکی ہدایات پر تساہل سے کام لو ورنہ بدنصیب رہوگے۔

جب لگ نہو گرو کا ساتھ کیسے پاوے ہر کی بات
گر پاوے اور ہو سیلا کم بختی کا آٹا گیلا

اسی بحث کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ شیخ کی ہدایت کو دل کے کانوں سے سنو اور غور کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہو۔ اگر وہ بال رنگنے کا حکم دے تو بال رنگ لو۔ قاعدہ ہے کہ انسان جس ملک میں جاتا ہے۔ اسی ملک کے اوضاع و اطوار اختیار کرلیتا ہے۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں ؎

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید کہ سالک بے خبر نبود ز راہ ورسم منزلہا

کہتے ہیں ؎

گرو کے بینیں جی سے سن ہردے چھن چھن پورا گن
اس کے کہنے رنگ لے کیس جیسا دیس ویسا بھیس

نفس امارہ :- تمہارے اندر ایک چور ہے جیسے بنے اسکا زور توڑو۔ جب اسکا زور ٹوٹے گا تب راہ راست پر آئیگا۔ مال حرام حرام میں جائے گا

ایک ہے تیرے اندر چور جہاں ملے بل اس کا توڑ
ٹوٹے جب وہ سیدھا بنجا پاپی مال پراپت جا

خصائل ذمیمہ :- دشمنان باطنی یعنے حرص وشہوت وغضب وغیرہ تعداد میں بے شمار ہیں اور سب تیری مخالفت میں متحد ہیں۔ ان سے اسی وقت امن میں رہیگا جب انہیں سولی دے دیجائے۔ یہ سب رہزن ہیں اور سب کی ایک زبان ہے

گھٹ کے بیری گنے نجان کام پڑے پر سب مل جاں
بچے جبھی جب دیوے سولی چوروں ٹولی ایک ہی بولی

صفات مذمومہ کا علاج ریاضت ہے :- یہ باطنی دشمن جھوٹی باتیں بنا بنا کر تجھے برباد کرتے ہیں اور تیرے قلب کو ورغلاتے ہیں۔ ریاضت کر اور انہیں راہ راست

پرلا - مار کے آگے بھوت بھاگتا ہے

جھوٹی باتیں تجھکو کھووین　　　اندر تیرے سب ل موہیں
کشٹ کرے تو ہوجاں ساپچے　　　مار کے آگے بھتنا ناسچے

ریاضت و مجاہدہ :- مجاہدہ کے بغیر راہ معرفت نہیں ملتی اور اتنا چل کہ اہل قافلہ سے جا ملے - یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اضافت افعال کی جواب بتقاضاے انانیت اپنی طرف کر رہا ہے ترک کردے اور توفیق الہی شامل حال ہو -

بن کشٹ نہ مارگ ملے　　　یہاں تک چل جو سنگ جا رلے
پوگے تب جب کر تب چھوٹے　　　بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹے

طلب صادق :- راہ خدا میں طلب صادق ضروری ہے - ناواں دوڑے گا - اور گرے گا - حصول مراد میں دیر لگنے سے مت گھبرا اور صبر سے کام لے - ہر چیز اپنے اپنے وقت پر ہوتی ہے - پہلے کودوں ہوتی ہے اور پھر دھان'

محبت میں اچھا نہیں دوڑ چلنا　　　جو آگے بڑھے ہیں وہ پیچھے رہے ہیں
پوری دھن کا پوری کرے　　　مورکھ دوڑے گر گر پڑے
دن بیتن کامت کر گیاں　　　پہلے کودوں پاچھے دھان

دل بیار و دست بکار :- مراقبہ کرو اور توجہ الی اللہ سے کام لو اور عشق الہی کی شراب پیتے رہو - آہستہ آہستہ تمہاری رسائی ہوگی - بے صبر مت بنو - تیل اور تیل کی دھار دیکھو '

ہر سے گیان لگا اور جی　　　مدھوا اسکا چپ چپ پی
دھیرج دھیرج پاوے یار　　　دیکھ تیل تیں کی دھار

عبادت کی غرض و غایت :- کہتے ہیں عبادت کا مقصد قرب الی اللہ ہونا چاہئے نہ نعیم جنت - بہشت کے لئے عبادت عاشق صادق کے نزدیک جہنم سے بدتر ہے

۵ طاعت میں تار ہے نہ مے و انگبیں کی لاگ دوزخ میں ڈالدے کوئی لیکر بہشت کو

جنت کے واسطے ترک دنیا ایسا ہے جیسے کوئی شخص دنبہ دیکر مینڈھا لے ۔ ایسا شخص عشق حقیقی کے ذوق سے ناآشنا ہے خود ناقص ہے اور دوسروں پر نکتہ چینی کرتا ہے ۔

ہر کو بھجے اور مانگے سُرگ برہی جانے اس کو نرگ

چھوڑے دنبہ لیوے مینڈھا ناچ نچانے آنگن ٹیڈھا

عبادت خالص :۔ عبادت میں سالک کے لئے خلوص شرط ہے ۔ وصال حق اور قرب جنت دو مختلف راستے ہیں ۔ دو رنگی چھوڑ، یکرنگ ہو جاؤ ورنہ تمہاری وہی کیفیت ہوگی جو دھوبی کے کتے کی ہے ۔ گھر کا ہے اور نہ گھاٹ کا ۔

ایک رنگ ہو پی کن چلّے دھیرے دھیرے ہر سے ملّے

دبدھا میں من جاوے پھاٹ دھوبی کا کتا گھر نہ گھاٹ

سالک کی راہ میں دشواریاں :۔ وصول الی اللہ کا راستہ آسان نہیں ہے ۔ اسکی منزلیں کٹھن ہیں ۔ جب منزل مقصود پر پہنچ جاؤ تب جانو کہ فائز المرام ہوئے ۔ ورنہ اس راہ میں قدم قدم پر دشواریاں حائل ہیں اور خطرہ سامنے کھڑا ہے ۔ ان منازل میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ اونٹ چڑھے مسافر کو کتا کاٹ لیتا ہے ۔ آپ لوگوں کو مرزا غالب کا شعر یاد ہوگا ؎

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ دیکھیں کیا گذرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک

لیکن شاہ صاحب کہتے ہیں

ہر کو مارگ سہج نجان پوری پڑے تب لاگے دھیان

تس پر ڈر ہے گھاٹے باٹے اونٹ چڑھے بھی کتا کاٹے

جذب و استغراق :۔ جو شخص عشق الٰہی میں غرق ہے وہ ماسوے اللہ سے بے تعلق ہو جاتا ہے ۔ نہ اسپر کسی کی تعریف کا اثر ہوتا ہے نہ تنقیص کا ۔ وہ اپنے حال میں مست

سبے نہ ساون سوکھا اور نہ بھادوں ہرا

جس کی دھن ہر ساتھ لگے　　پھر وہ سب سے ٹوٹ رہے

ناں کبھی چکنا ناں کبھی روکھا　　ساون ہرا نہ بھادوں سوکھا

محویت حقیقی:- جب محبوب کی دھن ہے تو پھر زمانہ کے گرم و سرد راحت و غم کی تمیز باقی نہیں رہنی چاہئے - جب ناچنے نکلے ہو تو پھر حیا کیسی

جب دھن لاگی پیے کے سنگ　　تتا سیلا ایک ہی رنگ

پھر کیا سوجھے ایسا ویسا　　ناچن نکلی گھونگٹ کیسا

اب ہم چوپائیوں سے رخصت ہو کر اور امور کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے یہ مضمون اس قسط میں ختم نہیں ہوا اور مواد اسقدر موجود ہے کہ ایک اور قسط کے لئے کافی ہے مگر بخوف طوالت آج اسی پر اکتفا کی جاتی ہے - البتہ یہاں مختصراً ان اہل قلم کا ذکر کر دیا جاتا ہے جو اس مضمون میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں - ان میں سب سے زیادہ معروف اور محترم شخصیت شاہ محمد رمضان شہید کی ہے - وہ ہریانہ ولیں کے صحیح معنے میں مصلح اور ہادی ہیں - انکی عملی زندگی کے کئی پہلو ہیں یعنے فقہی - روحانی - اصلاحی اور ادبی - آخر الذکر حیثیت کی تفصیل کے لئے علٰحدہ مضمون کی ضرورت ہے - میں یہاں انکی ہریانی زبان میں تالیفات کے نام درج کرتا ہوں -

(۱) آخرگت - قیامت نامہ کی طرز کی مثنوی ہے - ۱۲۲۱ھ اسکا سال تصنیف ہے جیساکہ اس کے نام سے ظاہر ہے - مولوی محمد ساکن لکھوکی نے اس کا ترجمہ بہ اضافۂ بعض مضامین پنجابی زبان میں کیا ہے اور احوال الآخرۃ نام رکھا ہے - آخرگت ۱۸۸۵ء میں مطبع نامی دہلی میں چھپی تھی -

(۲) بلبل باغ محمد، ۱۲۲۶ھ کی تالیف ہے - اس مثنوی میں چہل حدیث قدسی و نود و نہ اسمای باری تعالٰے کے معانی اور دیگر نکات مفیدہ درج ہیں -

(۳) رنگیلی - ہندی بحر میں ایک چھوٹا سا رسالہ ہے - جس میں اہل معرفت کے لئے ہدایات ہیں -

(۴) عقائد عظیم - مذہبی مسائل پر ایک تالیف ہے جو چھپ بھی گئی ہے ،

(۵) نصیحت نامہ - بچوں کے لئے اخلاقی کتاب ہے - (۶) وصیت نامہ

امام بخش تھانیسری - تھانیسری تخلص ہے اور مختلف منظوم دینی رسالوں کے مصنف ہیں -

نوابان جھجر کے دور میں ایک شاعر شیخ غلام نبی نارنولی ہیں وہ نواب فیض محمد خاں ۱۸۱۴ء و ۱۸۳۵ء کی سرکار میں بمشاہرہ ۵۶ روپیہ ماہوار ملازم تھے - اور ٹپہ - ٹھمری - بارہ ماسہ - خیال وکبت میں مہارت رکھتے تھے - شیخ نے راگ مالا بزبان ہندی لکھی ہے (تاریخ جھجر صفحہ ۲۱۳ ، ۱۸۶۶ء) -

اسی عہد میں جھجر میں ایک اور بزرگ غلام حسین چشتی ہیں - ہریانی زبان میں ایک راگ مالا انکی یادگار ہے اور جھجی تخلص ہے - پیرزادہ محمد حنیف کی بیاض سے یہاں ان کے کلام کا نمونہ دیتا ہوں (ایک ہندی عورت کا گیت)

برج رہا - سارا دیس - ری - میں ایک نہ مانی ، ساس بھتیرا ہیں سمجھائی - دیور - اُتاری - جاگ ری

سسرا چھوہ کیا بھتیرا - جیٹھ اُٹھائی سانگ ری ، میں ایک نہ مانی

نند بھاوج کی لاج گنوائی - سینڈھک کھولی مانگ ری ، گلی گلی میں ناچن لاگی - ایسی لائی لاج ری ، میں ایک نہ مانی ،

پنڈت پوچھت سگن مناوت - ہتھا اڑاوت کاگ ری ، ان پاپی نے ایسی کینی ، نین لگا گیو بھاگ ری ، برج رہا سارا دیس ،

ہریانی زبان میں گیت بھی کثرت سے ملتے ہیں - بعض ان میں سے تاریخی دلچسپی کے ہیں اور واقعات عصری پر روشنی ڈالتے ہیں - میں یہاں اسی قسم کا ایک گیت سناتا ہوں

جو مسٹر ولیم فریزر اور سرون سے متعلق ہے۔ یہ صاحب دہلی کے ریزیڈنٹ تھے اور ۱۸۳۵ء میں قتل کیے گئے۔ یہ قتل سیاسی نہیں تھا۔ اور شاعر مشہور نواب مرزا خان داغ دہلوی کے والد نواب شمس الدین خاں والی فیروز پور جھرکا اس قتل کے سلسلہ میں ماخوذ ہوئے۔ اور پھانسی کی سزا پائی۔ یہ گیت ہڑال میں ۱۸۳۶ء سے قبل جوڑا گیا ہوگا۔

سرون

اُدھر کلکتہ سے چلا فرین۔ پانچوں پیر مناسے۔ رب جانے پانچوں پیر مناسے
پانچ مقام دلّی میں کرکے۔ چھٹا گنگا نے گاؤں۔ ترا مریو۔ چھٹا
دھوے کنڈیں پر تنبو تانا۔ سرون ملتی ناہ۔ رب جانے سرون ملتی، گلی گلی چپڑاسی پھر گئے
گھر گھر تھانہ دار۔ ترا مریو تھانے دار،
کہے فریزن گام سے رے۔ سن لے سارا گام۔ ترا مریو سارا گام، جو کوئی سرون بھال لگاوے
ہاتھی دوں انعام۔ رب جانے ہاتی دوں انعام،

کسی بیری۔ نے بھاں لگائی۔ سرون کھیت کو جائے۔ رب جانے،
سر پر چھپڑا ہاتھ میں درانتی۔ باجرہ کاٹن جاسے۔ ترا مریو،
باجرہ کاٹتی۔ سرون پکڑی۔ دراتی ڈھونگے۔ ماہ۔ ترا مریو،
سرون رو رو گال سناوے۔ ہنس ہنس ٹالے تھانہ دار۔ ترا مریو،

ہاتھ ماں بیلوا۔ بیلے میں کنگھی۔ میں گندھاون جاسے۔ رب جانے،
ایسا تو سر میرا گوندہ نائی کے۔ سانپ لہریے کھاسے۔ ترا مریو،
تایاں کے گھر سرون بیٹھی۔ باہر پکارے تھانہ دار،
سرون رو رو گال سناوے ہنس ہنس ٹالے تھانہ دار

الٹا سلٹا گوندہ لے رے نائی کے - ٹہاڈا لیو جای - ترا مریو'
لمنا ہے تول رے نائی کے - پھر کیا ہو نرباہ '
بھائی بھیناں - سب تول لئے - انی چند ملتا ناہ'
گام گنگا نہ سو بسو بسیو - امیچنڈ اوتا جا - ترا مریو

دھرتی کا بیٹھنا - چھوڑ دے ری سرون - مونڈھے کا بیٹھنا لے - ترا مریو
اوڑھنی کا اوڑھنا - چھوڑ دے ری سرون ٹوپی کا پہنا لے
گھگرا - آنگی پہرنا - چھوڑ دے ری سرون - سایہ کا پہر نا لے'
چیکا بیٹھنا چھوڑ دے ری سرون - گانا بجانا لے
سرم لاج کو چھوڑ دے ری سرون ہاتھ ملانا سیکھ (از بیاض پیرزادہ محمد حنیف)

ان دو اقساط میں مَیں نے ہریانی زبان کے متعدد مصنفین کا ذکر کیا ہے جو در حقیقت مشتے نمونہٗ از خروارے و اندکے از بسیارے کے مصداق ہیں - یہ امر بدیہی ہے کہ اس زبان میں اورنگزیب عالمگیر کے ابتدائے جلوس سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ برابر جاری رہا ہے - یہاں یہ دعوےٰ نہیں کیا جاتا کہ ہم نے اس زبان کی تمام تالیفات کا جائزہ لے لیا ہے - کیونکہ عہد قدیم کی مصنفات کا اکثر حصہ ضایع ہو گیا ہے اور آج اس ذخیرہ کی بہت قلیل مقدار باقی ہے مگر جو کچھ باقی ہے اس تک بھی ہماری رسائی مشکل ہے تاہم اس تبصرہ سے اتنا ضرور روشن ہے کہ اس علاقہ میں ادبی تحریک گذشتہ ڈھائی سو برس سے سرگرم کار ہے - اس علم کے ساتھ جب ہم سرکاری رپورٹ و دیگر محققین ہریانی کے بیانات پڑھتے ہیں کہ اس زبان میں کوئی لٹریچر نہیں ہے[2] تو ہمیں سخت تعجب ہوتا ہے - اصل حالات سے یہ بیخبری ہمیں مشہور ضرب المثل "چراغ تلے اندھیرا" کی یاد دلاتی ہے اور بدگمانی کو یہ کہنے کا موقعہ ملتا ہے کہ جسطرح دیگر زبانوں میں

[1] سرون کے بھائی کا نام ہے '
[2] رہتک گزیٹیر ص ۹۱، پیمایش لسانی از سر جارج گریرسن جلد نہم ص ۶۶-۶۴ '

مسلمانی ذہنی کارناموں کے ساتھ تجاہل عارفانہ کا سلوک روا رکھا گیا ہے۔ ہریانی کے میدان میں بھی اسی ضابطۂ رائج الوقت پر عمل درآمد کی گئی ہے۔ بہر حال ہریانی زبان کے لٹریچر سے ہمیں اس اردو کے مطالعہ کا نادر موقع ملتا ہے جو گیارھویں صدی ہجری میں شمالی ہندوستان میں رائج تھی اور جسکے قدیم نمونے ہریانی میں محفوظ ہیں +

محمود شیرانی

تاریخ رزمیاتِ ایران

(بہ سلسلۂ اشاعت گذشتہ)

۴۶۔ شاہنامے کا اندازِ عبارت

شاہنامے میں جملوں کی باہمی ترکیب زیادہ سادہ ہے اور حقیقت میں سادگیِ بیان بھی اسی کی مقتضی ہے، بڑے بڑے جملے شاذ ہیں اور کہیں ہیں بھی تو ان کی بناوٹ تقریباً ہمیشہ آسان ہوتی ہے، ایک جملہ عموماً ایک شعر پر مشتمل ہوتا ہے اور بسا اوقات فقط ایک مصرعہ ہی پر تمام ہو جاتا ہے، پہلے مصرع کے قافیہ پر اکثر جملے کا ایک حصہ قطع ہو جاتا ہے، ایک مصرع سے کم کا جملہ بہت شاذ و نادر ہوتا ہے اور جو کہیں کہیں آ بھی جاتا ہے تو لوہی برجستگی اور تاثیر میں بے نظیر ہوتا ہے مثلاً ع

جہان خواستی یافتی خون مریز[1]

(شاہنامہ فولرس ص ۹۰)

---

[1] ڈولرٹ بھی باوجود اپنی قادر الکلامی کے اس مصرعے کا ترجمہ ایک مصرعے میں نہیں کر سکے،

باایں‌ہمہ ہم کو بہت سی جگہوں پر اشعار کے مسلسل قطعات بھی ملتے ہیں لیکن بحر کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے ایسے موقع پر اکثر دفعہ مطلب کو سمجھنے میں دقت ہوتی ہے۔ خصوصاً مکالمات میں یا خطوط کے مضامین میں اور مباحث میں۔ ایک مزید دقت یہ ہے کہ فارسی زبان میں حروف عطف اور اسی قسم کے اور چھوٹے چھوٹے الفاظ جنکی مدد سے خیالات کا باہمی ربط سمجھ میں آتا ہے بہت کم استعمال ہوتے ہیں[۵۱] اور پھر حروف استفہام اور اسمائے موصول میں سے جو زیادہ ضروری ہیں مثلاً "کہ"، "کجا"، "چوں"، "چو" وغیرہ ان میں سے ہر ایک کے کئی کئی مفہوم ہیں، لفظ "مگر" کی بھی یہی حالت ہے، علاوہ اس کے اگرچہ فارسی میں مخصوص حروف شرط موجود ہیں (مثلاً "اگرچہ"، "ہرگاہ"، "ہرچند" وغیرہ) تاہم انکی بجائے اکثر دفعہ فقط لفظ "اگر" یا "گر" استعمال ہوتا ہے۔ پھر بعض ایسے حروف ہیں جنکا استعمال ہماری زبان میں ضروری معلوم ہوتا ہے لیکن فارسی میں ترک کردئے جاتے ہیں مثلاً "ہی" یا "بھی" ؎

بسی بر نیامد بریں روزگار　　کزو نام ماند از جہاں یادگار

"بہت زمانہ نہیں گذرنے پایا تھا کہ اسکا فقط نام (ہی) دنیا میں باقی رہ گیا"

مزید برآں فارسی میں کوئی حرف تعریف[۵۲] نہیں ہے اور بسا اوقات فقروں میں باہمی تعلق نہیں ہوتا۔ پھر ایک اور دقت یہ ہے کہ فارسی میں ایسے بہت سے الفاظ ہیں کہ ان میں سے ایک ایک کے کئی کئی معنی ہیں، تغیر تلفظ کی وجہ سے ایک ہی مادے کے بہت

---

۵۱ اس قسم کے حروف عطف یونانی میں بالخصوص بکثرت ہیں اور جرمن میں بھی کچھ کم نہیں ہیں "خود" کا لفظ شاہنامے میں بمعنی "عین" یا "ٹھیک" مستعمل ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ "ٹھیک اسی جگہ پر یا وہیں تم کل گئے تھے" انگریزی میں اسکا مترادف itself یا even ہے۔ اسی طرح "خود نہ" بمعنے "بالکل نہیں" یا "ہرگز نہیں"

۵۲ یعنی Definite Article،

سے مشتقات بالبعض اوقات بالکل مختلف الفاظ یکساں شکل اختیار کر لیتے ہیں[1]، اکثر اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی چھوٹے سے لفظ کو گرامر کی رو سے مختلف طریقوں سے برتا جاتا ہے مثلاً ضمیر متصل "م" یا "ش" پھر یہ کہ کسی لفظ کے آخر میں "ی" کو یاء معروف یا یاء مجہول پڑھنے سے معنی بالکل مختلف ہو جاتے ہیں[2]

فردوسی اگرچہ مختصر اور نیز بہدف کلام کرنے پر قدرت رکھتا ہے تاہم اسکی طبیعت کا میلان یہ ہے کہ وہ ایک ہی خیال کو مختلف شکلوں میں پہلو بہ پہلو بیان کرتا ہے - اور مکالمات اور خطوط میں جو شاہنامے کے اندر بہت سی جگہ گھیرے ہوئے ہیں نیز اخلاقی مواعظ میں وہ بسا اوقات بہت طویل گفتگو کرتا ہے، اسکے اشعار کی ساخت بھی اکثر دفعہ حشو کی متقاضی ہوتی ہے مثلاً اگر پہلے مصرع میں مطلب تمام ہو گیا تو شعر کو پورا کرنے

---

[1] مثلاً غور کرو کہ "بر" اور "در" کے کسقدر مختلف معنی ہو سکتے ہیں، ہم اہل یورپ کے لئے ان باتوں کے علاوہ فارسی رسم الخط بھی ناقص ہے کہ کبھی تو وہ تلفظ کو ادا کرنے سے خود قاصر ہوتا ہے (مثلاً یاء معروف اور یاء مجہول، واو معروف اور واو مجہول کے درمیان لکھنے میں کوئی تمیز نہیں ہے علاوہ اس کے حرکات زبر، زیر، پیش کو بھی جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں)، اور کبھی دانستہ بھی تلفظ کو ادا نہیں کیا جاتا مثلاً چ اور ج، پ اور ب، گ اور ک کے درمیان لکھنے میں تمیز نہیں کی جاتی،

[2] مطلب یہ ہے کہ اگر کسی اسم کے آخر میں "ی" ہو تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ یائے تنکیری ہے یا یائے نسبتی ہے مثلاً "شخصی" کے معنے "کوئی شخص" (شخصی را دیدم) اور "منسوب بہ شخص" جیسے "شخصی حکومت" پھر ایک "ی" حاصل بالمصدر اور اسم کو بھی ظاہر کرتی ہے مثلاً "شاعری" سے مراد "کوئی شاعر" یا "ایک شاعر" بھی ہو سکتی ہے (شاعری خوش گفتہ است، کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے) اور "صنعت شعر گوئی" بھی ہو سکتی ہے، اسی طرح "بادشاہی" کے معنی "ایک بادشاہ" یا "حکومت" (مترجم)

کے لئے دوسرے مصرع میں اسکو کوئی زائدسی بات کہہ دینی پڑے گی اور ایسی حالتوں میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پڑھنے والے کو دوسرے مصرعے کے قافیے کا پہلے سے پتہ چل جاتا ہے[۱]۔

۴۷ - شاہنامے میں رسمی اشعار

جیسا کہ عموماً رزمیہ کلام کا معمول ہے ۔ شاہنامے میں اکثر جگہ رسمی اشعار آتے ہیں، بہت سے شعر اس میں ہم کو ایسے ملتے ہیں جو تقریباً یا بالکل یکساں ہوتے ہیں ایسی باتوں کو بیان کرنے میں جو باہم ملتی جلتی ہوں فردوسی نے الفاظ کے اندر جہاں جہاں فرق رکھا ہے وہ خاص تحقیق کا مستحق ہے لیکن اس غرض کے لئے ہمارے ہاتھ میں شاہنامے کا ایک بہتر متن ہونا چاہیئے بہ نسبت اُس کے جو آج ہمیں میسر ہے، تاہم اب بھی مثلاً یہ نہایت دلچسپ ہوگا اگر ہم اُن تمام اشعار کو جنکے اندر فردوسی نے طلوع صبح کا سماں باندھا ہے یکجا کر کے باہمی مقابلہ کریں[۲]، ہر بیان کے شروع

---

[۱] جرمنی کی رزمیہ نظموں (مثلاً Nibelungenlied وغیرہ) میں بھی اس قسم کے زائد مصرعے پائے جاتے ہیں، برعکس اسکے ہومر کے کلام میں جو یکسانیت اور ہمواری ہے وہ اس بات کی زیادہ پروا نہیں کرتی کہ مصرعہ اور جملہ ساتھ ساتھ ختم کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ اس میں اکثر لمبے لمبے جملے ہیں اور اس قسم کے حشو و زوائد سے بالکل پاک ہے،

[۲] پال ہورن نے اس قسم کے اشعار کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا جن میں طلوع صبح کا بیان ہے لیکن بدقسمتی سے وہ انکی قبل از وقت موت سے پیشتر شائع نہ ہو سکا ۱۲ مصنف

پال ہورن کا ایک مضمون جسکا عنوان "شاہنامے میں طلوع شمس کی کیفیتیں" ہے - پروفیسر نولدکہ (مصنف کتاب ہذا) کے یادگار نامہ میں (جو ۱۹۰۶ء میں ان کی سترویں سالگرہ کی یادگار میں شائع ہوا تھا) چھپا تھا، غالباً مصنف کی مراد اسی مضمون سے ہے ۱۲ مترجم،

میں فردوسی کو یہ بات پسند ہوتی ہے کہ طلوع خورشید کی مختصر سی کیفیت لکھ کر واقعہ کی صورت کو چمکائے اگرچہ وہ کیفیت اس واقعہ کے لئے کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو، رات کی رخصت اور دن کی آمد کی تصویر وہ ہمیشہ نئے انداز سے کھینچتا ہے جو کبھی تو نہایت خوشنما ہوتی ہے اور کبھی اس میں تصنّع اور آورد کا رنگ ہوتا ہے[51]

۴۸۔ شاہنامے میں قدیم الفاظ کا استعمال

فارسی زبان میں قدما کی غزلیہ شاعری کے متعلق ہماری واقفیت بہت کم ہے لیکن رزمیہ شاعری کے اوّلین مدارج کے بارے میں تو ہمیں گویا کچھ بھی علم نہیں، اگر یہ لاعلمی نہ ہوتی تو ہم یقیناً اس بات کو دیکھ سکتے کہ (دقیقی اور) فردوسی کے ہاں کلام کا انداز، الفاظ کا انتخاب اور خاص خاص محاورے بہت کچھ اُس طریقے کے مطابق ہیں جو ان کے زمانے سے پہلے رائج ہو چکا تھا بعینہٖ جیسا کہ شاہنامے نے بعد کی شاعری پر اسقدر زبردست اثر ڈالا، بیشک اُس طریقے کو مقبول بنانا فردوسی ہی کا کام تھا، اُسنے اُن تمام محاوروں کے استعمال سے اجتناب کیا جو یا تو بذاتِ خود یا کم از کم رزمیہ شاعری کے لئے مبتذل تھے[52] اور اُنکی بجائے چیدہ

---

[51] مرزبان نامہ میں طلوع خورشید کی کیفیتیں غایت درجہ تکلّف اور آورد کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

[52] ان امور میں سطحی طور سے تو ایک مقرّر فلیش کی پابندی کی جاتی ہے لیکن انکی تنقید کا مذاقِ سلیم فقط شاعر کے تعلیم یافتہ معاصرین کو ہوتا ہے، ایک چھوٹی سی مثال لفظ "می" اور "ہمی" کے درمیان فصاحت کا تفاوت ہے، فردوسی "می" کے استعمال سے یا تو قطعاً پرہیز کرتا ہے یا بہت شاذ و نادر استعمال کرتا ہے۔ فردوسی سے بیشتر مشہور ناثر موفق ہروی بھی فقط "ہمی" سے کام لیتا ہے لیکن دقیقی نے "می" کا بھی استعمال کیا ہے اور ناصر خسرو بھی جو فردوسی کا معاصر ہے "می" کو بکثرت لایا ہے لیکن فردوسی کے متعلق تو ہمارا یہ قیاس ہے کہ جہاں دو ہم پلّہ اور ہم معنی بناوٹیں شعر کے اندر یکساں طور سے کھپ سکتی ہوں وہاں اسنے اسی بندش کو اختیار کیا ہے جو زبان کا پختہ استعمال ہے،

اور برگزیدہ محاورے استعمال کئے، لیکن ساتھ ہی وہ قدیم العہد الفاظ کے برتنے کا بھی شائق تھا، پارسی الفاظ جو شاہنامے میں ملتے ہیں مثلاً "نیایش، باژ، پاوزرہ، پتیارہ وغیرہ اور جنکو فردوسی نہایت رغبت کے ساتھ استعمال کرتا ہے، وہ عام بول چال کی زبان میں بالکل نہیں برتے جاتے تھے، بہت سے غیر مروج الفاظ جو آج ہمیں شاہنامے میں نظر آتے ہیں اور بہت سے اور بھی جو بدقسمتی سے کاتبوں نے نکال ڈالے ہیں خود فردوسی کے زمانے میں بھی متروک ہو چکے ہونگے لیکن یہ اُسی کی مثال اور اسی کے نمونۂ کلام کا اثر ہے کہ ان میں سے بعض اب تک (کم از کم شاعری کی زبان میں) زندہ چلے آتے ہیں، مثلاً لڑائی کے لئے مترادف الفاظ جیسا کہ جنگ، کارزار، پیکار، پرخاش، نبرد، آورد، ناورد، کار، آویز وغیرہ اگرچہ معنوں میں ضرور ایک دوسرے سے کسی قدر مختلف ہیں تاہم ہمیں شک ہے کہ وہ سب کے سب زندہ زبان میں مستعمل تھے، فردوسی سے پیشتر بھی چوتھی صدی ہجری کے شاعروں نے ان غیر مانوس الفاظ کا استعمال کیا ہے اور ان کی تعداد کا پتہ ہمیں لغات اسدی سے چلتا ہے۔ جسکا سبب تصنیف ہی ان الفاظ کے معنی بتانا تھا،

ان قدیم الفاظ میں سے ایک لفظ بیور ہے کہ بیور اسپ (ضحاک) کے معنے سمجھانے کے لئے اسکا سمجھانا ضروری تھا، اسکو فردوسی نے پہلوی (یعنی قدیم زبان) کا لفظ بتلایا ہے جسکے معنی دری میں "دہ ہزار" کے ہیں ؎

کجا بیور از پہلوانی شمار بود در زبان دری دہ ہزار

(شاہنامہ فولرس ص ۲۸)،

لیکن یہ بات قابل توجہ ہے کہ اسنے اس قدیم لفظ کو جب دوسری جگہ استعمال کیا ہے اس کے آگے "ہزار" کا لفظ بڑھاکر اس کے معنے بھی واضح کیا ہے۔

اور ایسا کرنے سے اسکا استعمال خاص طور سے غلط ہوگیا ہے ۵

بدو ماندم این نامہ را یادگار   بشش بیور ابیاتش آمد ہزار

گرامر کے قواعد میں سے بھی فردوسی کے ہاں شاید زیادہ قاعدوں کا استعمال ہوا ہے بہ نسبت ان کے جو آج ہم کو معلوم ہیں[۵] ، اسبات کو ہم اوپر مشاہدہ کر چکے ہیں کہ یہ رزمیہ کلام کے انداز کی خصوصیت ہے جسکی وجہ سے عربی الفاظ کا استعمال شاہنامے میں بہت کم ہوا ہے۔ تاہم عربی کے جو الفاظ فارسی میں دخل پا چکے تھے۔ وہ شاہنامے میں بکثرت نظر آتے ہیں اور یہ وہ الفاظ ہیں جن کو عام استعمال کی زبان میں کامل طور سے حق سکونت مل چکا تھا ،

عام شاعری کی زبان میں خاص خاص استعارے ہیں جو شاہنامے میں بھی خاصی کثرت کے ساتھ نظر آتے ہیں، مثلاً مشک سے سیاہ بال مراد لئے جائینگے، کافور یا برف سے سفید بال مراد ہوگی، سرو کے معنے قدِ راست

---

[۵] موفق ہروی کے ہاں اسم مفعول کے آخر میں بجائے "تہ" یا "دہ" کے صرف "ت" اور "د" ہے مثلاً آزمودد کی بجائے آزمود، گرفتہ کی بجائے گرفت وغیرہ، شاہنامے میں ایک جگہ پر جہاں "نیازرد" کا قافیہ "درد" کے ساتھ آیا ہے۔ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی نے بھی اسم مفعول کی اس شکل کو استعمال کیا ہے ۵

زخون سیاوش پُر از درد بود   بدان کارکس ز و نیازرد بود

(ص ۱۲۶۵)، لیکن بہت سی جگہوں پر تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آخری "ہ" محض لفظ کو لمبا کرنے کے لئے بڑھائی گئی ہے مثلاً لفظ "خستہ" میں ۵

دو در بند و زندان شاہ اردشیر   پدرکشتہ و پور خستہ بہ تیر

(شاہنامہ ص ۲۱۹)،

کے ہونگے، ماہ خوبصورت چہرہ ہوگا، یسدٌ، بیجادہ[1]، عناب سرخ ہونٹ ہونگے اور نرگس آنکھ وغیرہ وغیرہ،

۴۹ - شاہنامے میں تجنیس الفاظ

شاہنامے میں صنعت تجنیس و ایہام کہیں کہیں دیکھنے میں آتی ہے لیکن وہ فردوسی کے کلام کی کوئی نمایاں خصوصیت نہیں ہے، مثلاً ع

بچنگ آر چنگ و می آغاز کن،

(شاہنامہ فولرس ص ۱۰۶۶)، ے

همه رخ چو دیبای رومی برنگ   خروشان ز چنگ پری زاده چنگ

(ص ۱۱۳۹)، ے

ترا ای پسر پند من یاد باد   بجز گفت مادر دگر باد باد

(ص ۴۴)، گرازان گراز ے

گرازان گرازان نه آگاه ازین   که بیژن نهادست بر بور زین

(۱۰۷۱)، جهنده جهان ے

---

[1] اس میں کوئی شک نہیں کہ "بیجادہ" کے معنے کہربا کے ہیں مثلاً ے

شد آن تخت شاہی و آن دستگاہ   زمانہ ربودش چو بیجادہ کاہ

(شاہنامہ فولرس ص ۴۳)، انوری ے

در روزگار عدل تو با جبر خاصیت   بیجادہ از تورّض کاہست بر حذر

(شمس قیس ص ۲۹۹)، لیکن شاہنامہ میں اور جگہوں پہ بیجادہ کسی سرخ قیمتی پتھر کے معنوں میں آیا ہے، تو یا تو خود لفظ کے معنے بدل گئے ہونگے یا پھر یہ کہا جائے گا کہ شاعر کو اس کا صحیح مفہوم معلوم نہیں تھا،

منہ ہیچ دل بر جہندہ جہان ـــــ کہ با تو نماند ہمی جاودان

(۱۴۲)، "جہانِ جہان یعنی جہانِ ناپائدار" ـ

چنین کار دارد جہانِ جہان ـــــ نخواہد گشادن بما بر نہان

(۱۷۳۷)، ـ

گرازان و چون شیر نعرہ زنان ـــــ سمندش جہان و جہان راکنان

(۵۰۲)، ـ

ز خاقان چین آن سہ ترکِ سترگ ـــــ کہ ارغندہ بودند بر سانِ گرگ

(شاہنامہ ص ۵۵۹)، ـ

چنین گفت کای جفت قیصر نژاد ـــــ مرا داور دادگر داد داد

(ایضاً ص ۱۵۷)، ـ

گرفت آن زمان دستِ شان بدست ـــــ برفتند ہر دو بکردار مست

(شاہنامہ فولرس ص ۱۶۵)، ـ

نبستند بر ما در آسمان ـــــ مشو بدگمان از بد بدگمان

(ص ۹۲۲)، ـ

چو بر زد زخر چنگ چنگ آفتاب ـــــ بفرسود رنج و بپالود خواب

(شاہنامہ ص ۴۹۱)، ـ

بتابید با او بتابید روی ـــــ شدند از دلیران بسی جنگ جوی

(شاہنامہ فولرس ص ۴۹۴)، ـ

ـہ موسیو شیفر کے انتخاب فارسی (Chrestomatie Persane) میں ایک جگہ "جہانِ جہندہ جہان" (ج ۱ ص ۲۰۸ س ۱۰) آیا ہے۔

خدنگی کہ پیکانش بد بید برگ   فرو دوخت بر تارک تُرک ترگ

(ص ۷۰۰)، ۵

چو بر گاہ باشد زر افشان بود   چو در جنگ باشد سر افشان بود

(ص ۱۵۴)، ۵

بہ گُل ننگرد آن کہ او گِل خوراست   اگرچہ گُل از گِل ستوده تراست

(ص ۱۵۵)، گُل اور گِل فارسی میں اکثر تقابل کے طور پر یکجا آتے ہیں[1]، ۵

چہ گویم ازان اژدہای دژم   کہ ہشتاد گز بود از دُم بدم

(ص ۲۳۹ ح)، اسی طرح "دَم اندر دُم نای" ، "ز ایوان بہ کیوان" ۵

فغانش ز ایوان بہ کیوان رسید   ہمی زار بگریست ہر کان شنید

(ص ۱۵۱۵)،

ان مثالوں میں سے بعض مثلاً "از دُم بدم" وغیرہ زیادہ مقبول عام تھیں ۔ اور بات چیت میں بھی استعمال ہوتی تھیں ،

بہت سی اور زبانوں کی مانند فارسی میں بھی تکرار اصوات *alliteration* کی مثالیں موجود ہیں[2]، مزدوج الفاظ مثلاً تام و ننگ ، در و دشت ، تیر و تیغ ،

---

[1] سعدی سے

بگفتا من گِل ناچیز بودم   ولیکن مدتی با گل نشستم

الخ ۱۲ مترجم ،

[2] ہومر کے ہاں اسکی مثالیں بہت شاذ و نادر ہیں اور جتنی بھی ہیں اُن کے متعلق نہیں کہا جاسکتا کہ آیا وہ اتفاقی ہیں یا شاعر کی آورد کا نتیجہ ہیں ، برعکس اس کے جرمن رزمیہ نظم نیبلونگن لیت *Nibelungenlied* میں وہ بکثرت پائی جاتی ہیں ،

نان و نمک، داد و دین، شہد و شیر، دارو و درمان[۵۱]، سلاح و سپاہ، تاج و تخت، تیر و تند[۵۲]، دود و گزیدہ[۵۳]، دود[۵۴]، خورد و خواب[۵۵]، خواب، خورد[۵۶] وغیرہ دقیقی اور فردوسی کے ہاں بکثرت ہیں اور رودکی کے پسماندہ اشعار میں بھی پائے جاتے ہیں[۵۷]، "گرز گاو سر"

---

۵۱ شاہنامہ فولرس ص ۱۷۷۰ (کذا) لیکن اس صفحے پر مجھے یہ مثال نہیں ملی، غالباً صفحے کا حوالہ غلط دیا گیا ہے ۱۲ مترجم

۵۲ گر او از جوانی شود تیز و تند — گردان تو در آشتی رای کند

(شاہنامہ ص ۵۵۹)،

۵۳ دو صد بندہ تا مجمر افروختند — برو عود و عنبر ہمی سوختند

(ص ۵۸۸)،

۵۴ گنہ یکسر افگند سوی جہود — تن خویش راکرد پر درد و دود

(ص ۱۰۰۵)،

۵۵ گرامی بر گفتی خوش آید مرا — خور و خواب در آتش آید مرا

(ص ۵۵۲)۔

۵۶ نگہ سوی آن بندہ زانگونہ کرد — کہ گفتم سرآمد مرا خواب و خورد

(ص ۸۰)،

۵۷ دیکھو ایتھے کا مضمون در 1873 Gotting Anzeigen، وہاں انہوں نے رودکی کے اشعار میں سے جو مثالیں دی ہیں ان میں "سنگ و سندان"، "جہان و جان"، "نام و نشان" وغیرہ وغیرہ ہیں، لیکن مزید مثالیں لغات اسدی میں ملتی ہیں ؎

(۱) آتشی بنشاند از تن تفت و تیز — چون زمانی بگذرد گردد گمیز

(۲) پراگندہ چنگ و چنگل ریختہ — خاک گشتہ باد و خاکش بیختہ

(۳) تخم و خنبہ پر زآندہ دل تہی — زعفران و نرگس و بید و بہی

"گرز گران" ۔ "کلاہ کیان" اور اسی قسم کی اور مثالیں بھی اسی کے تحت میں آ سکتی ہیں، یہ بات قابل توجہ ہے کہ اوپر کی مثالوں میں عربی عنصر کافی طور سے نمایاں ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فارسی پر عربی کا اثر فردوسی کے زمانے تک بھی خاصا گہرا ہو چکا تھا ، تکرار اصوات کا عروج وہاں ہوتا ہے جہاں متواتر چار چار لفظ ایک ہی حرف کے ساتھ آتے ہیں ؎

اگر باز ماندی از و سیم و زر — کمان و کلاہ و کمند و کمر

(شاہنامہ ص ۴۸۹)،

نہ دینار و گنج و نہ تاج و گہر — کلاہ و کمان و کمند و کمر

(شاہنامہ فولرس ص ۹۱۱)،

بعض جگہ تکرار اصوات کی خاطر الفاظ کی صف میں ایک ناجنس لفظ کو بھی رکھا گیا ہے ۔ مثلاً کمان و کمند کے ساتھ "کمین" ؎

بجای می سرخ کین آوریم — کمان و کمند و کمین آوریم

(ایضاً ص ۱۶۷۶)، ؎

کجات آن کمین و کمان و کمند — کہ کردی بدو دیو و جادو ببند

(ص ۱۳۹۳ ج ۲)، اسی طرح "تن و تیغ و تیر" ؎

تو اکنون رہِ خانۂ دیو گیر — برنج اندر آور تن و تیغ و تیر

(ص ۳۵۰)،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲، (ص ۴۰ و ۸۳ و ۱۰۷)، ابو شکور ؎

ای زبہر مردمی تہی و تہیک — مردم نزدیک تو چہرا با با

(ایضاً ص ۶۶)، ان کے علاوہ اس قسم کی اور بہت سی مثالیں دسویں بلکہ نویں صدی عیسوی کے شعراء کے پسماندہ اشعار میں موجود ہیں،

ذیل کی مثال بھی قابل غور ہے جس میں مزدوج الفاظ" دام و دد" اور" داغ و درد "کے ساتھ" دل" کو بڑھا کر ایک پانچویں دال کی آواز اور ملائی گئی ہے ؎

شنیدی کہ باشاہ نوذر چہ کرد   دل دام و دد شد پر از داغ و درد

(ص ۳۱۱)'

نیز اس قسم کی مثالیں شاذ ہیں تکرار مزدوج ذیل کی مثال میں پایا جاتا ہے ؎

بیامد بمالید و زین بر نہاد   شد از رخش رخشان و از شاہ شاد

(ص ۱۴۴)'

اکثر جگہ اسبات کی تعیین کرنا مشکل ہے کہ تکرار اصوات کو شاعر نے دیدہ و دانستہ پیدا کیا ہے یا اتفاقی طور سے خود بخود پیدا ہو گیا ہے لیکن پہلی صورت کو ہم ذیل کی مثالوں میں یقیناً فرض کر سکتے ہیں ؎

چنان رنجہ شد رستم از رنج راہ   کہ بر سرش بر رنج بود از کلاہ

(ص ۱۱۳۱)' " شد شاہ شاد" ؎

چو بیژن چنین گفت شد شاہ شاد   بدو آفرین کرد و فرمانش داد

(ص ۱۰۷۰)' " شاد شد شہریار" ؎

ز کسریٰ چنان شاد شد شہریار   کہ شاخش ہمہ گوہر آورد بار

(شاہنامہ ص ۴۸۲ وغیرہ)' " شد شاہ دلشاد" ؎

بزد کوس و برداشت از نیمروز   شدہ شاد دل شاہ گیتی فروز

(شاہنامہ فولرس ص ۳۸۱ ؁)'

؎ از ین جملہ ایک نہایت مبتذل شعر ہے جو شاہنامے کے ایک مجہول قطعے کے اندر آیا ہے ؎

از ین پنج شین روی رغبت متاب   شب و شاہد و شہد و شمع و شراب

شب عیش کے اس ضروری سامان کی فہرست میں سوائے لفظ "شب" کے اور سب عربی ہیں' انکے علاوہ "رغبت" بھی عربی ہے'

۵۰ - شاہنامے کی ضخامت

حقیقی طور سے شاہنامے کی داد دینے سے جو چیز مانع ہے وہ اسکی بیکراں وسعت ہے، زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ لطف اٹھانے کی خاطر اس کے بعض بعض حصّوں کو فرداً فرداً پڑھ لیا جائے، اہل مشرق نے بھی ہمیشہ یہی کیا ہے اور یقیناً شاعر کا منشا بھی یہی تھا[1]، اگر ان حصّوں کو علیحدہ علیحدہ دیکھا جائے تو ان میں سے بہت سے ایسے ہونگے جو اپنی ذات میں تو غور سے پڑھنے والے کو خوش کر سکینگے لیکن جب اُنہی کو سارے شاہنامے کے مسلسل مطالعے کے دوران میں پڑھا جائیگا تو ویسے دلکش معلوم نہیں ہونگے، اور پھر اسطرح مختلف حصّوں کو فرداً فرداً پڑھنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ جو باتیں بار بار اُنہی الفاظ میں دہرائی گئی ہیں (مثلاً شاہی دربار کی شان و شوکت کے نظارے یا کوچ کے وقت لشکر کی دار و گیر کے ہنگامے)

---

[1] مسٹر میکن مقدمۂ شاہنامہ (ص ۱۰) میں لکھتے ہیں کہ " میں نے کئی بار ہندوستان کے بڑے بڑے حصّوں کا دورہ کیا ہے اور بہت سے ایسے ہندوستانی بزرگوں سے جو اپنے علم یا جاہ کی وجہ سے ممتاز ہیں ذاتی ملاقات اور خط کتابت کی ہے لیکن باوجود اسباب کے کہ میں سَو سے زیادہ ایسے حضرات کو جانتا ہوں جن کے پاس شاہنامے کے نسخے موجود ہیں تاہم میں نے کسی ایک کو بھی دیکھا یا اس کے متعلق سنا نہیں کہ اسنے اسکا دسواں حصّہ بھی پڑھا ہو اور اُن میں بہت کم ایسے ہیں جنہوں نے ایک ہزار شعر کا بھی مطالعہ کیا ہے، اس نظم کی تعریف تو ہمیشہ کی جاتی ہے لیکن اسے نظر اٹھا کر دیکھا کبھی نہیں جاتا، جن لوگوں کو ادبی مذاق رکھنے کا دعویٰ ہے وہ اس کے چند اشعار زبانی یاد کر لیتے ہیں اور مناسب موقعوں پر ان کی سند پیش کرتے ہیں" - لیکن ہمارے خیال میں شاعر کے اپنے وطن میں ایسی بے قدری نہیں ہے یا کم از کم نہیں تھی،

ان کے مطالعے کی کوفت سے بچنا ہو سکے گا، شاہنامے کے یہ منفرد حصے بذات خود عیب سے پاک ہیں اور یہی بات اُن نصیحت آمیز تقریروں اور خطوں پر بھی صادق آتی ہے جو انفرادی طور سے بہت قابل تعریف ہیں، لیکن شاہنامے کو کماحقہٗ سمجھنے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ پڑھنے والا اپنے آپ کو خود شاعر کے وطن میں لے جائے اور وہاں سے نو صدی پیچھے ہٹ کر اس زمانے کے اہل ایران کے اعتقادات کی روشنی میں اس کا مطالعہ کرے۔

۱۵۔ شاہنامے کے بہترین مقامات

شاہنامے کے بہترین مقامات کو چھانٹنے میں انتخاب کی شدید زحمت کا سامنا ہوگا لہذا ہم یہاں محض اُن چند مقامات کو انتخاب کرینگے جو اُن سب میں قابل ترجیح ہیں، شاعر کی قوتِ صورتگری خاص طور سے وہاں دیکھنے میں آتی ہے جہاں وہ پُرجوش تقریروں یا مکالمات کو نظم کرتا ہے۔ سب سے زیادہ خوشنما سین وہ ہے جہاں رودابہ کی کنیزیں ہاتھوں میں گلاب کے پھول لئے ہوئے اس کے محل کو واپس آتی ہیں اور دربان ان سے بڑھ کر ہمکلام ہوتا ہے (دیکھو شاہنامہ فولرس ص ۱۶۱ ببعد)۔

اس مقام پر نوعیت کلام میں بہت تغیرات دیکھنے میں آتے ہیں، کہیں تو ایک لمبی تقریر آگئی ہے اور کہیں نہایت چھوٹے چھوٹے جملے ہیں، ایک خاص تعجیل کے موقع پر صرف اتنا کہا گیا ہے کہ ؎

پرستندہ شد سوی [illegible] — [illegible]

(ص ۱۶۴)۔

منجملہ ان کے ایک اور دلفریب مقام وہ ہے جہاں پشنگ اپنے باپ افراسیاب

سے کیخسرو کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے جو کہ اپنے مقتول باپ سیاوُش کا عوض لینے کے لئے اپنے نانا (افراسیاب) سے برسرپیکار ہے اور جس کی خطا کاری کی وجہ سے اسکا سوتیلا باپ پیران ہلاک ہُوا (ص ۱۲۹۱ ببعد)'

اس مقام میں ہمیں اس امر کی مثال بھی ملتی ہے کہ فردوسی نے ایران کے دشمنوں (یعنی تورانیوں) کے بارے میں بھی کیسا منصفانہ کلام کہا ہے اور کس بے تعصبی کے ساتھ اسنے (ایران اور توران کے) اس جنگ عظیم کے مختلف پہلوؤں کو دکھایا ہے اور گو وہ کتنا ہی عہد قدیم کا واقعہ کیوں نہ سہی تاہم ایک وطن پرست ایرانی ہونے کی حیثیت سے اسکے دل پر اسکا ضرور گہرا اثر ہوگا'

ایک اور نہایت دلکش مقام اسفندیار کی وہ تقریر ہے جبکہ وہ اپنے باپ گشتاسپ کے حکم سے پا بہ زنجیر قید میں پڑا ہے اور گشتاسپ نے ایک نہایت کڑے وقت میں جاماسپ کو اس کے پاس بہت تاکید کے ساتھ درخواست کرکے بھیجا ہے کہ میری مدد کو فوراً پہنچو اور اسفندیار اس کے جواب میں آنے سے انکار کرتا ہے' وہاں اس کی تقریر میں تلخ حقارت اور جائز غضب نہایت تیزی اور تندی کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے اور یہی لہجہ دونو کی باہمی گفتگو میں مسلسل چلا گیا ہے' جب اسکو اطلاع دیجاتی ہے کہ اسکا دادا اور اڑتیس بھائی قتل کئے گئے ہیں اور اسکی بہن اسیر ہوکر چلی گئی ہے تو اسکا اسپر کوئی اثر نہیں ہوتا' جواب میں وہ کہتا ہے کہ میرا باپ (گشتاسپ) اپنے باپ کے خون کا بدلہ لیا کرے اور اپنی بیٹی کو چھڑانے کی فکر کرے میں اس کی کیوں پروا کروں ؟ اور بھائیوں میں سے کسی نے کب میری اسیری اور مصیبت کی پروا کی؟ لیکن جب آخر اسے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا پیارا بھائی فرشیدورد بھی مقتول ہُوا تو وہ اس بات پر رضامند ہوتا ہے کہ اپنی بیڑیاں اتروا کر جنگ میں آکر شریک ہو (ص

۱۵۶۶ ببعد)[1]

روکرٹ نے شاہنامے کے ایک مقام کو بجا طور سے فردوسی کی صناعی کا بہترین نمونہ بتلایا ہے[2] اور وہ یہ ہے :

فریدون کا بیٹا ایرج اپنے بھائی تور کے ہاتھ سے مارا جاتا ہے، ایرج کا بیٹا منوچہر اپنے دادا فریدون کی رضا مندی سے جنگِ انتقام کو اپنے سر لیتا ہے اور تور کو ہلاک کرتا ہے، قاصد اُسکا سر لے کر فریدون کے پاس آتا ہے اور جی میں خیال کرتا ہے کہ تور گو لاکھ بد کردار سہی پھر بھی آخر اسکا بیٹا ہے، اس خیال پر اسکے چہرے پر خجالت آتی ہے اور دونو آنکھیں فریدون کا خیال کرکے آنسوؤں سے ڈبڈبا جاتی ہیں کہ میں کس منہ سے شاہِ چین (تور) کا کٹا ہُوا سر لے کر شاہ ایران (فریدون) کے سامنے جاؤنگا؛ بیٹا گو کتنا ہی دین سے برگشتہ کیوں نہ ہو باپ کو اس کے مرنے کا رنج وہی ہوتا ہے، لیکن خیر اگر دیکھا جائے تو تور کا گناہ بھی بہت سنگین تھا اور اس میں عفو کی گنجائش نہیں تھی اور پھر یہ بھی ہے کہ انتقام لینے والا ایک نوخیز (ناسمجھ) جوان تھا، اس خیال پر اس کے دل میں ہمت اور جرأت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ شوخ روئی کے ساتھ سر لے کر فریدون کے سامنے آجاتا ہے

۵ بنامہ درون چون ہمہ کرد یاد	ہیونی بر افگند چون تند باد
فرستادہ شد بارخی پر ز شرم	دو چشم از فریدون پُر از آب گرم
کہ چون برد خواہد سر شاہ چین	بریدہ بر شاہ ایران زمین
کہ فرزند ہر چند پیچد ز دین	بسوزد بمرگش پدر ہمچنین

---

[1] اس مقام پر ہمیں ہومر کی ایلیاڈ کے نویں باب کا سین یاد آتا ہے،

[2] رسالۂ انجمن آسیائی آلمانی ج ۸ ص ۳۲۲،

گنہ بس گران بود و پوزش نبرد و دیگر کہ کین خواہ تو بود و گرد
بیامد فرستادہ شوخ روی سر تور بنہاد در پیش اوی
فریدون شہ . بر منوچہر . بر ہمی آفرین خواند از دادگر

(ص ۱۱۵)'

شریف طینت منیژہ کا ذکر اوپر ہم کر چکے ہیں (آرٹیکل ۳۶) ' رستم کے ساتھ اُس کی ملاقات کی جاندار تصویر جو فردوسی نے دکھلائی ہے وہ اس کے معشوق (بیژن ، کی رہائی تک ساری کی ساری قابلِ تحسین ہے (ص ۱۱۲۰ ببعد)'

رستم کے سفر مازندران میں جو شاہنامے کے بہترین حصوں میں سے ہے ہمارے سامنے یکے بعد دیگرے نہایت خوشنما اور گوناگوں نظارے آتے ہیں ' منجملہ ان کے مختصر الفاظ میں اس موقع کی تصویر ہے جبکہ رستم ایک جگہ رات کے وقت سویا ہے اور اسنے اپنے گھوڑے کو دھمکی دی ہے کہ اگر تو نے مجھے جگایا تو تلوار کے ساتھ تیرا سر اڑا دونگا لیکن اژدہا نکل آتا ہے اور وفادار گھوڑے کے دل میں (جو نہ تو اپنے آقا کے حکم کے خلاف کر سکتا ہے اور نہ اس کو اژدہا کا لقمہ بنتے دیکھ سکتا ہے) ارادوں کی ایک کشمکش شروع ہوتی ہے۔

ـہ بغرید باز اژدہای دژم ہمی آتش افروخت گفتی بدم
چراگاہ بگذاشت رخش آن زمان نیارست رفتن بر پہلوان
دلش زان شگفتی بدو نیم بود کش از رستم و اژدہا بیم بود
ہم از مہر مہتر دلش نا رمید چو بادوان پیش رستم دمید

سلہ اوپر آرٹیکل ۴۶ میں جو ہم نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ فارسی میں عطف کا استعمال کم ہونے کی وجہ سے جملوں میں باہمی ربط واضح نہیں ہوتا اسکی خاص مثال یہ قطعہ ہے'

خروشید و جوشید و برکند خاک　　زنعلش زمین شد ہمہ چاک چاک

(ص ۳۴۰ - ۳۴۱)'

ہم ان مثالوں کی فہرست کو بہت زیادہ بڑھا سکتے ہیں لیکن وہ اس قدر کثیر ہیں کہ اُن تمام بڑے بڑے اور بذات خود مکمّل قطعات کا (جو بہت زیادہ تحسین کے مستحق ہیں، محض شمار کرنا بھی دشوار ہے' تاہم اُن میں سے جو زیادہ اہم ہیں اُن کی طرف ہم اوپر کے مباحث میں وقتاً فوقتاً اشارے کرتے آئے ہیں۔

۵۲ - شاہنامے کے نسخوں میں متن کا اختلاف

شاہنامہ شروع سے لے کر اب تک بیشمار دفعہ لکھا گیا ہے، جو نسخے آج ہمارے زمانے میں موجود ہیں ان کی تعداد بھی بہت بڑی ہے لیکن جہاں تک معلوم ہو سکا ہے۔ ان میں بہت زیادہ پرانے نسخے نہیں ہیں، اور ہمیں اس میں بھی شک ہے کہ ان سب میں ایک نسخہ بھی ایسا ہے جسکو صرف "اچھا" کہہ سکیں اور جسکا متن ٹھیک اسی شکل میں ہو جس میں کہ شاعر نے اُسے چھوڑا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ خاصے ابتدائی زمانے میں بھی کاتبوں نے شاہنامے کے ساتھ پوری آزادی برتی ہے ورنہ کم از کم اُن چند نسخوں میں جو نسبتاً زیادہ پرانے ہیں (مثلاً برٹش میوزیم کا نسخہ نمبر Add. 21103 مورخہ ۱۲۷۶ء یا پطرز بورغ کا نسخہ مورخہ ۱۳۳۳ء)، اسقدر کثرت کے ساتھ متن کی غلطیاں نہ ہوتیں' فارسی کاتبوں کی "شاعرانہ قابلیت" فردوسی کو بھی اصلاح دینے سے باز نہیں رہ سکی' اس ادبی اصلاح کے علاوہ مذہبی وجوہات کی بنا پر بھی

تبدیلیاں کی گئی ہیں[۱] اور جو کثرت کے ساتھ غلطیاں محض انکی غفلت کی وجہ سے ہوئی ہیں وہ الگ ہیں'

شاہنامے کے مختلف نسخوں میں متن کا اختلاف کس قدر ہے۔ اس کا اندازہ اشعار کی تعداد سے ہو سکیگا' خود فردوسی نے شعروں کی تعداد ساٹھ ہزار بتلائی ہے ؎

(۱) بود بیت شش بار بیور ہزار سخنہای شایستۂ آبدار

(۲) بدو ماندم این نامہ را یادگار بشش بیور ابیاتش آمد ہزار

(شاہنامہ ص ۵۸۸ و ۶۱۶)'

چونکہ وہ اعداد کے بارے میں زیادہ صحت سے کام نہیں لیتا اس لئے ٹھیک ساٹھ ہزار تو خیر لیکن اتنا ہم اطمینان کے ساتھ فرض کر سکتے ہیں کہ اصلی تعداد پچاس ہزار سے بہت زیادہ نہیں ہوگی اور اسنے اسکو بہت اوپر کی طرف بڑھا کر ایک گول عدد کی شکل میں دکھلایا ہے' ہمیں اسوقت چالیس سے زیادہ نسخوں کے اشعار کی تعداد معلوم ہے[۲]۔ لیکن ان میں سے صرف ایک

---

[۱] دیکھو اوپر آرٹیکل ۲۵' اسی بنا پر ذیل کا شعر بیڈن والے نسخے میں اور شتراس برگ کے دوسرے نسخے میں مفقود ہے ؎

مرآن خانہ را داشتندی چنان کہ مر مکّہ را تازیان این زمان

(شاہنامہ فولرس ص ۱۴۹۶) اور موخر الذکر میں تو یہ شعر بھی نہیں ہے ؎

نیایشس ہمی کرد خورشید را چنان چون کہ بد راہ جمشید را (ص ایضاً)

[۲] دیکھو شاہنامے کی جلد اوّل طبع لمسڈن' تتمہ ص ۷۷' (کلکتہ ۱۸۱۱ء' اس اڈیشن کی باقی جلدیں طبع نہیں ہوئی تھیں' ۱۲ مترجم)' میکن' مقدمہ فارسی ص ۴ ببعد' ریو' فہرست فارسی ص ۵۳۴ ببعد' شاہنامہ تیج آموزندہ شیر مرد (بمبئی)'

(یعنی برٹش میوزیم نمبر Add. 27258 ، لمسڈن ص ۳۸) ایسا ہے جس میں تعداد ساٹھ ہزار سے زائد یعنی ۶۱۲۶۶ ہے، دو اور ہیں جن میں ساٹھ ہزار کے لگ بھگ ہے یعنی ایک میں ۵۹۲۶۰ اور دوسرے میں ۵۸۵۰۰[۵۱]، بعض اور ہیں جن میں پچپن ہزار سے کچھ اوپر ہے لیکن زیادہ تر ایسے ہیں - جن میں اڑتالیس ہزار اور باون ہزار کے درمیان ہے، آموزندہ شیر مرد کی ایڈیشن کے مقدمے میں (ص ۴)، دس قلمی نسخوں کے اشعار کی تعداد بتلائی گئی ہے اور وہ ۴۶۹۸۲ اور ۵۶۶۸۵ کے بین بین ہے[۵۲]، بعض کے اندر اور بھی کم ہے چنانچہ لمسڈن کے ایک نسخے میں (ص ۴۰) صرف ۳۹۸۵۱ ہے، لیکن یہ فرض کرنا کہ جتنی کسی نسخے میں تعداد زیادہ ہو اسی قدر وہ نسخہ زیادہ کامل ہوگا بالکل غلط ہے، مثلاً جس نسخے میں ۶۱۲۶۶ شعر ہیں اس میں ایک بہت بڑا حصہ برزونامے کا (جو کچھ اوپر ۳۷۰۰ اشعار پر مشتمل ہے) شامل ہے جو فردوسی کی تصنیف نہیں ہے، یہی حال شتراس برگ والے نسخے اور تمام دیگر نسخوں کا ہے جن میں تعداد زیادہ بڑھی ہے[۵۳]۔ وہی ۶۱۲۶۶ شعر والا نسخہ ہے جس میں سے لمسڈن (ص ۲۷۷ بعد) نے "سرگذشت رستم با کک کوہزاد" کی مجہول داستان اخذ کی ہے جس میں ۷۰۰ سے زائد اشعار

---

۵۱ لمسڈن ص ۳۹، اور برٹش موزیم کا نسخہ نمبر 682 - 685 Egerton جو بہت جدید زمانے کا لکھا ہوا ہے،

۵۲ لیڈن والے نسخے میں میرے تخمینے کے مطابق تقریباً پچاس ہزار اشعار ہیں اور شتراس برگ کے ایک نسخے میں جس میں شاہنامے کا فقط نصف اخیر ہے (یعنی میکن کے صفحہ ۱۰۶۴ سے ۲۰۹۶ تک) ستائیس ہزار ہے،

۵۳ میکن کو پانچ ایسے نسخوں کا علم ہے جن میں برزونامے کا یہ حصہ شامل ہے (دیکھو مقدمہ فارسی ص ۹)،

ہیں[1]، اور جب اس نسخے میں سے یہ دونو مجعول حصے (یعنی برزونامہ اور داستان کک، نکال دئے جائیں تو اشعار کی تعداد گھٹ کر ۰۰۰، ۵۷ کے قریب رہ جاتی ہے اور پھر ان میں بھی بہت سے مزید جعلی حصے ہیں، ان مجعول حصوں کو چھانٹنے میں اگر حد سے زیادہ احتیاط بھی کی جائے تب بھی صاف نظر آ جائیگا کہ لمسڈن، میکن، مول اور فولرس کی ایڈیشنوں میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جو بعد کے زمانے کے بڑھائے ہوئے ہیں[2]، برعکس اس کے بہت سے چھوٹے اور بڑے قطعات ایسے بھی ہیں جو زیادہ تر تو کاتبوں کی غفلت کی بدولت لیکن کہیں کہیں قصداً بھی حذف کئے گئے ہیں،

اب ہم شاہنامے کے بعض الگ الگ حصوں کی طوالت کا مختلف ایڈیشنوں اور نسخوں میں (جو ہمارے پیش نظر ہیں) باہمی مقابلہ کرکے اُنکی نابرابری کو واضح کرینگے، بیژن اور منیژہ کی داستان میں فولرس کے ہاں ۱۳۲۵ شعر ہیں، مول کے ہاں ۱۴۰۷ ہیں، میکن کے ہاں ۱۳۹۲ اور آموزندہ شیر مرد کی اڈیشن میں اس سے

---

[1] یہ داستان اُن نسخوں میں "اندر رزم کردن منوچہر پیرشش را" (شاہنامہ فولرس ص ۲۴۰) سے پہلے آئی ہے، لمسڈن کو اسکی اصلیت کے متعلق زبردست شبہ تھا لیکن اپنی ایڈیشن میں وہ اسکو حذف کرنے کا عزم نہیں کرسکے، برخلاف اس کے میکن نے اسے متن میں سے نکال کر ذیل کے طور پر آخر میں لگا دیا ہے ۔ (ص ۲۱۲۳ - ۲۱۶۰)، اس داستان میں بعض باتیں بالکل لغو ہیں اور وہ فردوسی کے کلام میں الحاق کی ایک مثال ہے، یہ بات یوں ثابت ہوتی ہے کہ اس داستان کا آخری حصہ (یعنی میکن ص ۲۱۵۸ بعد) جس میں شاعر بخت کی ناپائداری کا گلہ اور سلطان محمود کی مدح کرتا ہے ۔ شاہنامہ (میکن ص ۱۳۶۱ س ۱۵ تا ص ۱۳۶۳) سے لیا گیا ہے،

[2] میکن کے ہاں مول کی نسبت اشعار کی تعداد زیادہ ہے اور وہ تقریباً پچپن ہزار ہوگی،

بھی زیادہ ہیں، لیڈن والے نسخے میں ۲۰۰ ہیں اور شتراس برگ والے میں ۱۵۶۱[۵۹]،
اگر فولرس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اسنے اس داستان میں بعض ایسے اشعار ترک
کردیئے ہیں جو اصلی کہلا سکتے ہیں تو دوسری طرف باقی نسخوں میں جو اضافہ ہے اس
کا بھی بیشتر حصہ یقیناً جعلی ہے[۶۰]،

رستم کے خوان ہفتم (یعنی کشتن رستم دیو سپید را) میں فولرس اور مول کے ہاں
۹۶ شعر ہیں، میکن کے ہاں ۱۱۸ (+ ۲۶ - ۴)، پطرزبورغ کے نسخے میں ۷۵ (- ۲۱)،
لیڈن والے میں ۹۰ (- ۱۸ + ۱۲)، شتراس برگ والے میں بھی ۷۹ (- ۱۹ + ۲)،
میکن کے ہاں اس مقام میں اشعار کی جو زیادتی ہے وہ رستم کی مناجات کی وجہ سے
ہے جو بیچ میں آگئی ہے، وہ اٹھارہ شعر جو تینوں قلمی نسخوں میں نہیں ہیں سب کے
سب حذف کئے جانے کے قابل ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میکن کے ہاں اصل
اشعار پر نصف سے زیادہ کا اضافہ بعد کا کیا ہوا ہے۔

"داستانِ جنگ رستم با اکوان دیو" میں تمہید کے اشعار سمیت (فولرس ص
۱۰۴۹ س ۱ تا ص ۱۰۵۰ س ۱۸) مجموعی تعداد میں اختلافات نسبتاً کم ہیں اگرچہ منفرد
اشعار میں خاصے ہیں، فولرس کے ہاں اس داستان میں کل ۲۳۱ شعر ہیں، مول
کے ہاں ۲۳۶ (+ ۶ - ۱)، میکن کے ہاں ۲۳۵ (+ ۸ - ۴)، لیڈن کے نسخے
میں ۲۳۹ (+ ۲۰ - ۱۲)، شتراس برگ والے میں ۲۱۲ (+ ۱۳ - ۳۲)، آخرالذکر میں
شعر ۲۵ تا ۵۸ تک اور ۸۹ سے ۹۴ تک (یعنی کل ۴۰ شعر) سہواً حذف ہو گئے
ہیں اور لیڈن والے نسخے میں شعر ۱۹۷ ب سے ۱۹۹ الف تک، اس آخری نسخے میں

---

[۵۹] اشعار کو گننے میں چھوٹی چھوٹی غلطیوں کا امکان ملحوظ رکھنا چاہیے۔ [۶۰] فولرس صاحب نظرانداز
کر گئے ہیں کہ میکن کے ہاں شعر نمبر ۳۶۶ کے بعد بھی دو شعر اور زائد ہیں اور وہ آموزندہ شیر مرد کے ہاں بھی موجود ہیں،

اشعار کی جو زیادتی ہے اسکا کچھ حصّہ یقیناً مجعول ہے مثلاً وہ دیند ارانہ قطعہ جو اخیر میں بطور آرائش کے بڑھا دیا گیا ہے، ویسے بھی ان متنوں میں جو حصّہ فولرس کے متن سے زائد ہے اُس کے اشعار محض جزئی طور پر باہم متفق ہیں،

رستم کے خوان ششم یعنی "جنگ رستم و ارژنگ دیو" (فولرس ص ۳۴۹) میں مول اور فولرس کے ہاں ۴۸ شعر ہیں، میکن اور آموزندہ شیرمرد کے ہاں ۵۳، بطرز بورغ، لیڈن اور شتراس برگ کے نسخوں میں فقط ۴۲ اس لئے کہ ان تینوں میں فولرس کے شعر نمبر ۵۶۱، ۵۶۴ تا ۵۶۷، ۵۷۰، نیز میکن کے ہاں کے تین زائد شعر موجود نہیں ہیں اور وہ سب ہیں بھی غیر ضروری بلکہ ایک حد تک مُخلِّ مطلب ہیں،

۵۳ - اشعار کے اندر لفظی اختلافات

شاہنامے کے مختلف نسخوں میں اگر اشعار کی عبارت کا مقابلہ کیا جائے تو رنگا رنگ کے اختلافات نظر آئینگے، لسڈن نے اپنی اڈیشن کے ذیل میں (ص ۹ ببعد) ۵۴ اشعار کی عبارت کا ۲۴ قلمی نسخوں میں مقابلہ کر کے تمام اختلافات کو درج کیا ہے یہ اشعار فولرس کی اڈیشن میں صفحہ ۴۱۹ س ۵۸۴ سے صفحہ ۴۲۲ س ۶۳۱ تک ہیں جن میں حاشیے پر کے چھ شعر بھی شامل ہیں[۱]، ان میں مشکل سے کوئی شعر ہوگا جس کے اندر لفظی اختلافات موجود نہ ہوں اور بعض بعض میں تو اختلافات کی تعداد ۹ یا ۱۰ تک پہنچ گئی ہے[۲]۔ لیڈن والے نسخے میں ان ۵۴ اشعار میں سے ۲۷ (گویا ٹھیک نصف)

---

[۱] لسڈن کی اڈیشن میں بدقسمتی سے نسخوں کے نمبروں میں بہت جگہ رقوم غلط چھپے ہیں ورنہ شاید یہ معلوم ہوجاتا کہ اکثر اشعار مختلف نسخوں میں محذوف ہیں، [۲] ان اختلافات کو گننے میں اگر کوئی شعر مختلف جگہوں پر آگیا ہے تو طبعاً اسکا شمار دونو حالتوں میں فقط ایک مرتبہ کیا گیا ہے،

ایسے ہیں جو لسڈن کے ایک نسخے سے متفق ہیں لیکن باقی سب شعروں میں (باستثناء چند جو اس میں موجود نہیں ہیں) چھوٹے چھوٹے ایسے اختلافات ہیں جو کسی اور نسخے میں نہیں پائے جاتے، شتراس برگ والے نسخے میں ۱۹ شعر لسڈن کے بیانات سے غیر متفق ہیں لیکن ان میں سے تین بالکل وہی ہیں جو لیڈن کے نسخے میں ہیں، اور ۴ محذوف ہیں لیکن بعینہٖ وہی نہیں جو لیڈن والے میں محذوف ہیں، اگر ان دونو نسخوں کے اختلافات کو شامل کر لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ شعر ۱۱۶ بارہ مختلف شکلوں میں محفوظ ہے اور پھر مزید یہ کہ شتراس برگ کے نسخے میں اسکی دو علیحدہ علیحدہ شکلیں یکے بعد دیگرے آئی ہیں اور متول کی اڈیشن میں اسکی اور بھی مختلف صورت ہے، یہ تو ظاہر ہے کہ شاہنامے کے ان تمام لفظی اختلافات میں سے اکثر غیر اہم ہیں اور بہت سے فوراً پہچانے بھی جاتے ہیں کہ یہ اصل کی بگڑی ہوئی صورت ہے تاہم کثرت سے ایسی مثالیں ہیں جن میں تمیز نہیں کی جا سکتی کہ اصلی صورت کیا تھی؟

محمد اقبال

عربوں کا علم طب

(بسلسلۂ ماسبق)

عربوں کا علم طب سب سے پہلے یہودیوں میں رائج ہوا اور بالخصوص ابن میمون[1] نے طب میں نمایاں خدمات سرانجام دیں ، بعد ازاں یہ علم عیسائیوں تک پہنچا ۔ عربی تصنیفات کے لاطینی ترجمے مغرب میں قدیم الایام ہی میں ہو چکے تھے ، اور عہد نہضت علمیہ میں شائع ہوئے ، یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ مغربی ممالک میں ان تصانیف کو کس قدر قبولیت حاصل ہوئی ہم ذیل میں چند پرانی مطبوعات کا تذکرہ کرتے ہیں[2] ۔

---

[1] ابو عمران موسیٰ بن میمون بن عبد اللہ القرطبی الاسرائیلی ۔ اسکا عبرانی نام ربی موسیٰ بن میمون تھا ۔ یہ [illegible] الہیات و دینیات و فلسفہ کا بھی ماہر تھا عربی میں اُسے رئیس الامت کہتے ہیں ۔ اسکا دوسرا لقب موسیٰ [illegible] بھی تھا ۔ قرطبہ میں ۱۱۳۵ء کو پیدا ہوا ۔ جہاں اسکا باپ قاضی تھا ، تیرہ برس کی عمر میں الموحدین کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور بالآخر یہ سارا خاندان ہجرت کر کے شمالی افریقہ ہوتا ہوا [illegible] پہنچا اور یہیں [illegible] میں اقامت اختیار کر لی ۔ اس سلسلے میں اسکا باپ فوت ہو گیا اور اسے بے حد مصائب کا سامنا کرنا پڑا آخر کار طب کا مشغلہ اختیار کیا ، صلاح الدین کے وزیر القاضی الفاضل نے اسے اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا اور یہیں اس کی زندگی صرف ہوئی ۔ طب و فلسفہ پر اسکی بہت سی تصانیف ہیں جو زیادہ تر عربی میں ہیں ۔ ان کتابوں کے مطالعہ اور تراجم کا اثر یورپ پر بہت زیادہ پڑا ، ابن القفطی اور ابن ابی اصیبعہ لکھتے ہیں کہ وہ مسلمان بھی ہو گیا تھا مگر اسکی کوئی اور تاریخی شہادت نہیں ملتی ، اسنے ۱۲۰۴ء کو وفات پائی اور فلسطین کے [illegible] میں دفن ہوا (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

[2] اس شہرت و مقبولیت کا ایک زبردست ثبوت یہ بھی ہے کہ [illegible]

رازی کی کتاب المنصوری[۱] میلان کے مقام پر ۱۴۸۶ء میں طبع ہوئی، اسی مصنف کی دوسری تصنیف "الحاوی[۲]" کو وینس سے ۱۵۴۲ء میں شائع کیا گیا، ۱۵۳۳ء میں ڈاکٹر جارج کروٹ[۳] نے منصوری کا ایک ملخص شائع کیا اور اس کی ابتدا میں ایک مقدمہ لکھا جس میں بقراط اور بوعلی سینا کے طبی نظریوں کے مطابق علم طب کے عام اصولوں پر بحث کی گئی تھی۔ اس کتاب کا نام عجیب طرز کا ہے[۴]،

عملی طب پر ایک نہایت عمدہ کتاب، جو آج تک طبع نہیں ہوئی، جسے رازی نے شاہ منصور کے نام سے معنون کیا، طب جالینوس پر ایک جدید رسالہ متعلقہ علاج الامراض، موجودہ صدی کے لئے بالخصوص مفید، اس مختصر سی تصنیف میں بوعلی سینا، اور دیگر فلاسفہ کے وہ تمام طبی نظریے ہیں جو جالینوس کی مہارت طب اور اس فن کے علمی اور ذاتی نظریات و تجربات کا نچوڑ ہیں۔ یہ کتاب اُن اصحاب کے لئے خاص طور پر مفید ہے جو بقراط کے فضائل علمیہ سے مستفیض ہونا چاہتے ہیں۔ اس میں ایسے نوادر بھی ہیں جنہیں بہت کم لوگ جانتے ہیں اور جو آج دماغوں سے محو ہو گئے ہیں، مرتبہ اور تصحیح کردہ از جارج کروٹ، بوعلی سینا کی کتاب قانون وینس کے مقام پر ۱۵۰۷ء میں اور پاڈو کے مقام پر ۱۵۱۰ء اور دوبارہ وینس میں ۱۵۲۰ء میں طبع ہوئی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷) فرانسیسی اور دیگر یورپین زبانوں میں جو ازمنہ وسطیٰ میں براہ راست اسلامی علوم کی حامل رہیں، طبی اصطلاحات و الفاظ کثرت سے ملتے ہیں اور یہ چیز محض طب تک محدود نہیں بلکہ دوسرے اسلامی علوم کے متعلق بھی یہی کہا جا سکتا ہے، جن میں ریاضیات، و طبیعیات خاص طور پر قابل ذکر ہیں،

(حاشیہ صفحہ ۵۸) [۱] اس کتاب کا لاطینی نام "Ad Almansorem libri x" "یعنی منصور کے نام" "دس جلد" [۲] اسکا لاطینی نام "Continens Rasis." تھا، [۳] Georgio Kraut. [۴]

بمقام وینس - معہ تشریحات پانچ جلدوں میں سنہ ۱۵۲۲ء
" " سنہ ۱۵۴۴ء
" باسل سنہ ۱۵۵۶ء
" روم سنہ ۱۵۹۳ء

موخر الذکر ایڈیشن عربی میں تھا، اور پہلی مرتبہ اصل زبان میں شائع ہوا تھا، باقی لاطینی زبان میں تھے، روم کا ایڈیشن ایک اور اعتبار سے بھی ممتاز تھا اور وہ یہ کہ نہایت خوشخط، دیدہ زیب اور مصوّر تھا اور نقش و نگار سے آراستہ، اور اس میں طبی مصور تشریحات بھی شامل تھیں

سنہ ۱۵۹۵ء کو وینس میں ایک اور ایڈیشن بھی طبع ہوا تھا، یہ لاطینی زبان میں تھا اور جیرارد دا کریموں[۱] اور بیلون[۲] کے ترجمہ کا چربہ تھا،

قانون کے بعض مطبوعہ حصے قدیم مطبوعات میں شمار ہوتے ہیں، چنانچہ اس تصنیف کا جو حصہ عشق سے متعلق تھا اسے ڈی راکو[۳] نے ناپ میں سنہ ۱۴۷۳ء کو شائع کیا، قانون کی جلد پنجم "Antidotarium" کے عنوان سے پادوبی کے مقام پر سنہ ۱۴۷۶ء میں طبع ہوئی، اسی کتاب کے ایک حصے کا ملخص ایک عیسائی طبیب یعقوب میٹینوس نے لاطینی زبان میں لکھ کر وینس کے مقام پر شائع کیا [illegible] اس کتاب کا نام "رسالۂ طریق علاج" تھا، سنہ ۱۵۴۳ء میں اسی جگہ اس عظیم الشان تصنیف یعنی قانون کی بعض تشریحات بھی طبع ہوئیں جنہیں پروینیوس نے ترتیب دیا تھا اور جو خود بھی ایک مشہور فلسفی اور طبیب تھا،

۱۔ Gerard de Crémone

۲۔ Andrea Alpagus de Bellune ۳۔ J. de Rocco.

ابن الرشد کی تصنیف "کلیات" کو بھی وہی شہرت و امتیاز حاصل ہوا جو بوعلی سینا کی تصنیف قانون کو حاصل ہوا تھا، یہ کتاب بھی عہد وسطیٰ میں قدیم مطبوعات کے سلسلے میں طبع ہوئی تھی (وینس ۱۴۹۰ء) اس کے بعد ۱۴۹۷ء اور پھر ۱۵۴۰ء میں شایع کی گئی، ۱۵۳۷ء کو اسکا ایک نہایت اہم ایڈیشن لیڈن کے مقام پر شایع ہوا جو یوحنا برجیری نوس کے لاطینی ترجمہ پر مبنی تھا، مترجم نے لکھا تھا کہ میں نے پہلی مرتبہ اس کتاب کو لاطینی زبان کا جامہ پہنایا، غالباً یہ ترجمہ عبرانی زبان سے کیا گیا ہوگا، مترجم موصوف کے قول کے مطابق ابن الرشد جالینوس کے مقابلے میں ارسطو کا زیادہ تتبع کرتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ کرنے سے پہلے مترجم نے ان دونوں مصنفوں کی اصل تصانیف کا مطالعہ کیا ہوگا، یہ ترجمہ علم طب کے اُن مطالعہ کرنے والوں کے لئے بے حد مفید ہے جو اصل کتاب سے استفادہ نہیں کرسکتے کیونکہ اس کتاب کی زبان نہایت ثقیل اور کرخت ہے،

اس کتاب کا نام ہے "طبی تصنیف کلیات ابن الرشد کے جو کہ جالینوس اور ارسطو کے بعد فاضل فلسفی گذرا ہے تین باب"

یہ تین باب حسب ذیل ہیں :-

(۱) صحت، اعضا و قوائے جسم انسانی کا بیان جالینوس اور ارسطو کے مطابق[۱]

(۲) طریق الصحت، حفظان صحت کے بیان میں، علی الخصوص نظریہ جالینوس کے مطابق[۲]

(۳) علاج الامراض، مختلف امراض کا علاج، لیکن اس میں یہ نہیں ظاہر

---

[۱] De sanitatis functionibus.

[۲] De sanitate tuendo.

کیا گیا کہ یہ طریق علاج کس مصنف یا طبیب کے نظریۂ طبی کے مطابق ہے،
لاطینی ترجمہ کچھ شستہ نہیں اور نہ ہی زیادہ صاف اور سلیس ہے، ہم
ذیل میں فصل دوم کا نمونہ پیش کرتے ہیں:-

" ہوا کے متعلق احتیاط کرنے کے بارے میں - ہوا میں کبھی خواص کے اور کبھی اجزاے ترکیبی کے اعتبار سے کم و بیش تغیر آجاتا ہے - اور کبھی بالکل متغیر ہو جاتی ہے - اس لئے سانس لیتے وقت گرد و پیش کی ہوا کے متعلق خاص احتیاط کی ضرورت ہے - فضا میں مختلف تغیرات کے باعث ہوا کبھی گرم ہو جاتی ہے اور کبھی سرد، اور کبھی گرم اور سرد دونو ہوتی ہے، اس لئے گرم ہوا کے مقابلے میں تہ خانوں کی سرد ہوا کا انتظام کرنا پڑتا ہے، جن میں ہوا سرد ہوتی ہے - ایسے تہ خانوں میں سرد پانی چھڑکا جاتا ہے اور زمین پر مختلف پھول جن کی خوشبو شیریں اور خوشگوار ہو بچھا دئے جاتے ہیں "-

فصل سوم

ہم اس فصل میں عربی علم طب کے بعض نظریوں پر بحث کرینگے، اور ساتھ ہی قانون کے چند اقتباسات بھی درج کرینگے خاصکر ایسے اقتباسات جو علم حفظان صحت سے متعلق ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ خیال کریں کہ حفظانِ صحت یہ طریق ورزش تفریحی جسکا ان دنوں اسقدر چرچا ہو رہا ہے ایک جدید تخیل ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ یہ طبی نظریہ بو علی سینا کی تصنیف میں موجود ہے اور اس کی تمام جزئیات پر نہایت تفصیل سے بحث کی گئی ہے - جنہیں لغوی اعتبار سے سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے، ان تفصیلات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بو علی سینا مباحث

کو اقسام در اقسام بیان کرنے میں کسقدر مشتاق تھا، ان تفصیلات کی تعداد بہت کثیر ہے، انہیں نہایت سلیقہ سے ایک دوسرے کے نیچے مختلف اقسام بیان کرنے کی غرض سے مسلسل پیرائے میں لکھا ہے، یہ تقسیم نہایت معقول اور عالمانہ ہے۔ لیکن اس فلسفیانہ اندازِ بیان و استدلال کا معیار بہت بلند ہے، اس میں محض منطقی ترتیب و استدلال ہی نہیں بلکہ طبی تجربات کو بھی الفاظ کا جامہ پہنایا گیا ہے،

بوعلی سینا علم طب کی تعریف اسطرح کرتا ہے کہ علم طب وہ علم ہے جس سے جسم انسانی کی مختلف النوع حالتوں کا پتہ چلتا ہے اور جس کے ذریعہ انسان اپنی صحت قائم رکھ سکتا ہے، اس کی دو شاخیں ہیں ایک علمی یا نظری اور دوسری عملی، ہر علم میں اس مادے کے اسباب کا جس سے وہ علم متعلق ہو جاننا ضروری ہے، پس علم طب میں عوارض و صحت کے اسباب کا معلوم ہونا لازمی ہے، یہ اسباب بعض اوقات ظاہر ہوتے ہیں اور بعض اوقات پوشیدہ، ان اسباب کو جو پوشیدہ ہوتے ہیں ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں، لیکن وہ بعض ظاہری علامات سے دریافت کیئے جا سکتے ہیں۔ ان اسباب یا علل کی چار قسمیں ہیں۔ اول مادی، دوم فاعلی، سوم صوری چہارم غائی وغیرہ وغیرہ، اس بیان سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ بوعلی سینا نے علم طب کی تشریح میں کیسا بلیغ فلسفیانہ طریق اختیار کیا ہے، لیکن ہمارا تعلق یہاں حفظانِ صحت سے ہے،

اس کتاب میں بالغوں کے طریقِ صحت کے متعلق ۷ فصلیں درج ہیں،
طریقِ صحت کے سلسلے میں تین چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، اول طریق ورزش، دوم خوراک، سوم نیند،

ورزش کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ان ارادی حرکات کا نام ہے۔ جس سے

انسان زور سے سانس لینے لگتا ہے، اگر انسان اس پر باقاعدگی اور درستی کے ساتھ کاربند ہو تو یہ چیز علاج کا بدل ہو سکتی ہے۔

ورزش کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم کی ورزش وہ ہے جس میں ہم اپنے روزانہ مشاغل روزمرہ تفریحی حرکات میں مصروف رہتے ہیں، دوسری وہ ہے جو خاص مقصد کو مدنظر رکھ کر کی جاتی ہے، ورزش سے مراد یہاں موخرالذکر ورزش ہے، اس ورزش کے بہت سے طریقے ہیں، یہ ورزش یا تو شدیدالحرکات ہوگی یا خفیف الحرکات یا باعتبار وقت بار بار یا گاہے گاہے، بحیثیت رفتار تیز یا نرم، کشتی لڑنا، دوڑنا، گھونسوں سے لڑنا، تیز چلنا، کمان جھکانا، نیزہ پھینکنا، قلابازیاں کھانا، ایک ٹانگ پر چلنا، تلوار یا نیزے سے لڑنا، ٹخنوں پر کھڑے ہو کر بازوؤں کو آگے پیچھے زور سے ہلانا، یہ تمام شدید ورزشوں میں شمار ہوتے ہیں، نرم یا خفیف الحرکات ورزش میں جھولا جھولنا، لکڑی کے گھوڑے پر بیٹھ کر ہلنا، گھوڑے اور اونٹ کی سواری کرنا، گاڑی میں بیٹھ کر سیر کرنا شامل ہے، شدید ورزش کے طریقے اور بھی ہیں جن میں سے ہم چند یہاں درج کرتے ہیں:-

اول دو مقررہ مقاموں کے درمیان نہایت تیزی سے اسطرح دوڑنا کہ ہر بار فاصلہ کم ہوتا چلا جائے یہانتک کہ دوڑنے والا عین وسط میں آکر ٹھہر جائے، ہاتھوں، انگلیوں اور کہنیوں کے بل پر کشتی لڑنا، مگدر اٹھانا، گھوڑ دوڑ یا دوسری کشتیاں لڑنا، مثلاً حریف کی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر اُسے دھکیلنا، یا اسی طرح اسکے دائیں ہاتھ میں دائیاں ہاتھ اور بائیں ہاتھ میں بائیاں ہاتھ ڈالکر زور آزمائی کرنا، مدمقابل کے سینے سے سینہ ملا کر کشتی لڑنا، یا اُسے گردن سے پکڑ کر زمین پر گرانا، یا داؤ پیچ سے اسے چاروں شانے چت کرنا، غرض اسی طرح کشتی کے اور بھی بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں،

ورزش مختلف قسم کی ہونی چاہیئے، تاکہ کسی خاص عضو کو نہیں بلکہ تمام جسم کو اس سے فائدہ پہنچ سکے، مختلف اعضا کے لئے مختلف ورزش کی ضرورت ہے، چھاتی اور پھیپھڑوں کے لئے زور زور سے سانس لینا اور چلانا بیحد مفید ہے، یہ چیز گلے اور حلق کے لئے بھی فائدہ مند ہے، اس سے چہرے کا رنگ کھلتا ہے اور سینہ فراخ ہو جاتا ہے، پھیپھڑوں کو پھیلانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ زور زور سے سانس لیا جائے۔ اس سے تمام جسم میں بھی قوت آتی ہے،

بو علی سینا اس چیز کا بھی ذکر کرتا ہے کہ کون کون سی ورزشیں کون کونسی حالت میں مفید ہیں مثلاً جھولا جھولنا ان لوگوں کے لئے مفید ہے جو بخار کی وجہ سے کمزور ہو گئے ہوں، یا آغاز صحت کی حالت میں ہوں یا ایسے اشخاص کے لئے جنہوں نے خربق اسود پی لی ہو یا کسی اور دماغی عارضے میں مبتلا ہوں۔ جھولے کی حرکات انسانی مزاج کے تغیرات کو جو بخار کے اتر جانے کے بعد پیدا ہو جاتے ہیں اعتدال پر لانے کے لئے نہایت مؤثر ثابت ہوتی ہیں۔ چہرے کی کمزوری رفع کرنے کے لئے بھی یہ ورزش فائدہ مند ہے، کشتی میں سیر کرنا مرض استسقا اور صرع کے لئے مفید ہے، دریا کے کنارے ایسی جگہ کشتی چلانا جہاں کبھی لہروں کا تلاطم زوروں پر ہو اور کبھی تھم جائے، معدہ پر خوشگوار اثر ڈالتا ہے، گہرے سمندر میں جہاز رانی کرنا مدوجزر کے باعث اس سے بھی زیادہ فائدہ بخش ہے۔

ورزش کے لئے موزوں ترین موقع وہ ہے جب جسم تمام عارضوں سے پاک ہو۔ یہ ضروری ہے کہ ورزش کے وقت پہلا کھانا ہضم ہو چکا ہو اور بھوک لگی ہو، ایسے وقت میں پیشاب کا رنگ معتدل ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ورزش کے وقت معدہ بالکل خالی نہ ہو، سردیوں میں نسبتاً زیادہ پُر اور گرمیوں میں کسی قدر کم مقدار کھانے کی موجود ہونی ضروری ہے، مزاج کا اعتدال پر ہونا بھی لازمی ہے، زیادہ گرم مزاجی یا زیادہ

سرو مزاجی دونوں درست نہیں'

اس کے بعد بو علی سینا غسل، شمپو (تدلیک) اور علاج المائی یا علاج الامراض بالماء کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے جنکی امعا یا انتڑیاں سکڑی ہوئی ہوں ٹھنڈے پانی سے نہانا مفید نہیں، نہانے سے جسم میں خوشگوار سی حرارت اور خفیف سی طراوت آجاتی ہے، ورزش کے بعد نہ تو زیادہ دیر ٹھہرنا چاہیئے اور نہ ہی فوراً نہانا چاہیئے، سرد پانی سے نہانا ان لوگوں کے لئے مفید ہے جو ہر طرح سے تندرست ہوں، بوڑھوں اور بچوں کو اس سے احتراز کرنا چاہیئے۔ گرم پانی سے نہا چکنے کے بعد بھی سرد پانی سے نہا سکتے ہیں، تاکہ جلد کی طبعی حالت اور جسم کی حرارت غریزی برقرار رہے، لیکن پانی زیادہ سرد نہیں بالکل شیر گرم ہونا چاہیئے، ورزش کے بعد سرد پانی سے بھی نہا سکتے ہیں۔ غسل سے پہلے جو شمپو ہو وہ معمول سے زیادہ تیز ہو اس کے بعد سرد پانی میں دفعتہً کود پڑنا چاہیئے اس طرح کہ تمام جسم ایک دم اس میں ڈوب جائے اور اس وقت تک پانی سے باہر نہیں آنا چاہیئے جب تک کہ جسم پانی کی ٹھنڈک کو قبول نہ کرلے اور گرم نہ ہو جائے۔ لیکن اسقدر تاخیر بھی اچھی نہیں کہ بدن میں لرزہ پیدا ہو جائے غسل کے اختتام پر کھانا زیادہ اور پانی کم پینا چاہیئے، غسل کے بعد اس امر کو ملحوظ رکھنا بھی لازمی ہے کہ جسم کا قدرتی رنگ اور حرارت دوبارہ کب پیدا ہوئی تھی اگر یہ وقفہ زیادہ ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ غسل میں زیادہ وقت صرف ہوا ہے۔ اگر یہ وقفہ کم ہو تو جان لینا چاہیئے کہ یہ عرصہ مناسب تھا، سرد غسل کا یہ اثر ہوتا ہے کہ بدن میں سردی سرایت کر جاتی ہے لیکن دوبارہ غسل کے بعد حرارت پہلے سے زیادہ تیز ہو جاتی ہے۔

بو علی سینا اپنی تصنیف کی جلد چہارم کے ساتویں باب میں علم حفظ الصحت مختص بالحسن کا ذکر کرتا ہے، بالوں کے متعلق اس نے بہت سی تفصیلات درج

کی ہیں ، اور بالوں کے گرنے ، ان کے سفید ہو جانے ، سر کی کھوپڑی کے خراب ہونے کا علاج اور بالوں کو وسمہ لگانے کا طریقہ بیان کیا ہے ، اس کے بعد وہ ایسی چیزوں کا تذکرہ کرتا ہے ، جس سے انسانی جلد خراب ہو جاتی ہے مثلاً دھوپ ، ہوا ، سردی وغیرہ وغیرہ ، گرمی دانوں یا چیچک کے داغوں کو دور کرنے کا طریقہ ، چہرے کی چھتیاں اور منشیات کے استعمال سے جو جھریاں منہ پر ظاہر ہو جاتی ہے ان کو مٹانے کا طریق ، گودنے ، پھوڑے پھنسی کے نشان ، اور جلد کے پھٹنے کا علاج ، غرض ان سب کا بیان تفصیل سے کیا ہے ، بعد ازاں فربہ ہونے کا طریقہ بیان کیا ہے +

"تبسم"

خزائنِ مخطوطات

پنجاب یونیورسٹی لائبریری

بہرہ لغات فارسی

(گذشتہ سے پیوستہ)

۴ - **مجموعہ** [اوراق ۲۵ - سطور ۲۰ - نسخ و نستعلیق - تقطیع ۹ × ۴½ : ۶½ × ۳]

اس مجموعے میں چار کتابیں ہیں :-

(۱) قنیۃ الفتیان - از صدر بدر - برای تعلیم اطفال

آغاز - حمد ایزد را کہ داد او طبع روان الخ

(۲) فرہنگ - آغاز : مصر شہر و شہر ماہ و ماء آب الخ

(۳) فرہنگ (سنہ ۷۷۶ھ) - آغاز ھ

نامہ بر نام کردار (؟ کردگار) جہان، کوست اللہ و راحم و رحمان

(۴) فرہنگ - آغاز : از پس حمد خداوند زمین و آسمان الخ

کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۵ - **مؤید الفضلاء** - دیکھو ریو - ۲ج - ص ۴۹۴

[اوراق ۴۲۱ - سطور ۲۱ - شکستہ آمیز - تقطیع ۱۲½ × ۶ : ۷ × ۴½]

محمد بن ۔۔ دہلوی کا لغت (سنہ ۹۲۵ھ)

کاتب و تاریخ کتابت ندارد

اس نسخے کے علاوہ کتب خانے میں تین نسخے اور بھی ہیں۔ جن میں سے ایک کے اختتام پر واضح الفاظ میں یہ عبارت درج ہے:

"قد وقع الفراغ لمحمد بن لاد بن عبدالوہاب عن تالیف ہذالکتاب بعون اللہ الملک الوہاب یوم سہ شنبہ ۲۲ رشہر جمادی الاول ۱۰۹۳ھ ہجری الخ" جس کا مطلب بظاہر اسکے سوا نہیں کہ یہ کتاب ۱۰۹۳ھ میں تصنیف ہے۔ حالانکہ بلاخمن اور ریو دونوں کا یہ خیال ہے کہ یہ ۹۲۵ھ میں تصنیف ہوئی۔

۶۔ شرفنامہ احمد منیری۔ دیکھو ریو۔ ج ۲۔ ص ۴۹۲

[اوراق ۲۱۹ - سطور ۲۱ - نسخ - تقطیع ۹½ × ۶½ : ۷ × ۲½]

ابراہیم قوام فاروقی کی فارسی تصنیف جو ابوالمظفر باربک شاہ کے زمانے (بنگال ۸۶۲-۷۹ھ) میں لکھی گئی۔

کاتب - سید قلی ابن ملا خواجہ - تاریخ کتابت - سمرقند ۱۰۳۲ھ

۷۔ تحفۃ الاحباب - دیکھو - ریو - ج ۲ - ص ۴۹۴

[اوراق ۶۳ - سطور ۲۱ - نستعلیق - تقطیع ۸½ × ۴½ : ۷ × ۲½]

حافظ اوبہی کا فارسی لغت (۹۳۶ھ)

کاتب ندارد - تاریخ کتابت جمادی الاخری ۱۰۹۱ھ

۸ - حل لغات شعرا - دیکھو بلاخمن کنٹری بیوشن - ص ۷

[اوراق ۱۳۶ - سطور ۱۸ تا ۲۳ - نسخ و نستعلیق - تقطیع ۸ × ۴½ : ۶ × ۳]

محاورات شعر کا لغت از عبداللطیف المعروف بہ یمین بن سید کمال الدین

تاریخ کتابت - ۹۷۴ھ - نام کاتب ندارد

۹ - انیس الشعرا - دیکھو باڈلین - عدد ۱۴۰۵

[اوراق ۱۵۱ - سطور ۱۷ - نستعلیق - تقطیع ۸ × ۵ : ۷ × ۳]

شعرا کے الفاظ و لغات کا مجموعہ (۹۹۸ھ) از عبدالکریم بن قاضی راجن غزنوی
کاتب و تاریخ کتابت ندارد

اس مجموعے میں عبداللطیف عباسی کا لطائف اللغات بھی شامل ہے

۱۰ - مدارالافاضل - دیکھو ریو - ج ۲ - ص ۴۹۶
[اوراق ۴۳۵ - سطور ۲۱ - نستعلیق - تقطیع ۱۱×۷ : ۸×۴]

عربی - فارسی - ترکی کا لغت از الہ داد فیضی بن اسد العلما علی شیر سرہندی (۱۰۰۱ھ) - اس مجموعے میں انتخاب اصطلاحات کے عنوان سے ایک اور فرہنگ بھی ہے -

کاتب - لطف اللہ - تاریخ کتابت - شعبان ۱۰۹۱ھ

۱۱ - کشف اللغات والاصطلاحات - دیکھو ریو - ج ۲ - ص ۴۹۵
[اوراق ۴۳۳ - سطور ۲۳ - نستعلیق - تقطیع ½۱۰×½۶ : ½۸×½۴]

فارسی عربی کا ایک لغت (نزد ۱۰۱۰ھ) از عبدالرحیم بن احمد سور
نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد

اس کے علاوہ اس کے دو اور نسخے بھی ہیں -

۱۲ - فرہنگ جہانگیری - دیکھو - ریو - ج ۲ - ص ۴۹۶
[اوراق ۴۳۹ - سطور ۲۶ - نستعلیق - تقطیع ½۱۰×۶ : ۸×½۳]

فارسی کا مستند ترین لغت (۱۰۱۷ھ) از جمال الدین حسین انجو بن فخرالدین حسن شیرازی (متوفی بعد ۱۰۳۲ھ)
نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد '

اس فرہنگ کے دو اور نسخے بھی ہیں - جن میں سے ایک کی تاریخ کتابت صفر ۱۰۸۵ھ ہے -

۱۳ ۔ مجمع الفرس ۔ دیکھو ریو ۔ ج ۲ ۔ ص ۴۹۸

[اوراق ۱۵۲ ۔ سطور ۲۱ تا ۲۴ ۔ نستعلیق ۔ تقطیع ½۸ × ½۴ : ۷ × ½۲]

سروری (متوفی ۱۰۳۶ھ) کا فارسی لغت (۱۰۰۸ھ)

کاتب ۔ ابن یحیی محمد یوسف النقوی الموسوی ۔

تاریخ کتابت ۱۲۲۵ھ

اسکا ایک اور نسخہ بھی ہے ۔

۱۴ ۔ منتخب اللغات شاہجہانی ۔ دیکھو ۔ باڈلین ۔ عدد ۱۶۷۲

[اوراق ۴۱۵ ۔ سطور ۱۷ ۔ نستعلیق ۔ تقطیع ½۹ × ۶ : ۷ × ½۳]

عربی فارسی لغت (۱۰۴۶ھ) از عبدالرشید بن عبدالغفور

کاتب ۔ محمد معصوم ۔

تاریخ کتابت شعبان ۱۰۸۰ھ

اس کے دو اور نسخے بھی ہیں

۱۵ ۔ برہان قاطع ۔ دیکھو ریو ۔ ج ۲ ۔ ص ۵۰۰

[اوراق ۶۵۳ ۔ سطور ۲۳ ۔ نستعلیق تقطیع ۱۰ × ½۵ : ۸ × ۴]

محمد حسین برہان بن تبریزی کا لغت فارسی (۱۰۶۲ھ)

کاتب ۔ جمال الدین محمد بن محمد لاہجی ۔

تاریخ کتابت ۔ محرم ۱۰۹۸ھ

۱۶ ۔ فرہنگ رشیدی ۔ دیکھو ۔ ریو ۔ ج ۲ ۔ ص ۵۰۰

[اوراق ۳۹۴ ۔ سطور ۱۹ ۔ نیم شکستہ ۔ تقطیع ۹ × ۵ : ۷ × ۲]

عبدالرشید تتوی کا لغت (۱۰۶۴ھ) تخمیناً گیارھویں صدی کا نسخہ ہے ۔

اسکا ایک اور نسخہ بھی ہے ۔

۱۷ - **چراغ ہدایت** - دیکھو ریو - ج ۲ - ص ۳۰۳

[اوراق ۲۰۳ - سطور ۱۶ - نستعلیق - تقطیع ۹ × ۵½ : ۷ × ۴½]

خان آرزو کا لغت (۱۱۴۷ھ)

نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد

اسی کا ایک اور نسخہ بھی ہے -

۱۸ - **غرایب اللغات** - دیکھو - بانکی پور - ج ۹ - ص ۵۲ - عدد ۸۳۸

[اوراق ۱۷۷ - سطور ۱۳ - نستعلیق - تقطیع ۹ × ۷ : ۶ × ۴]

ہندوستانی فارسی لغت از خان آرزو (۱۱۵۰ھ)

تاریخ کتابت ۲۵ محرم ۱۲۳۷ھ

اسکا ایک اور نسخہ بھی ہے -

۱۹ - **مرآت الاصطلاح** - دیکھو ریو - ج ۲ - ص ۹۹۷

[اوراق ۲۲۲ - سطور ۱۷ - نستعلیق - تقطیع ۱۱ × ۷ : ۸½ × ۴½]

محاورات و اصطلاحات کا لغت (۱۱۵۸ھ) از راے انند رام مخلص (متوفی ۱۱۶۴ھ) -

نام کاتب ندارد - تاریخ کتابت ۲۵ ماگھر سموت ۱۹۱۴

۲۰ - **بہار عجم** - دیکھو ریو - ج ۲ - ص ۵۰۲

[اوراق ۳۴۴ : سطور ۱۹ - نستعلیق - تقطیع ۱۳½ × ۹ : ۱۰ × ۵½]

رای ٹیک چند کی مشہور تصنیف (از ۱۱۶۲ھ تا ۱۱۸۲ھ) دو جلدوں میں

کاتب - علی اوسط بن سید سلمان - تاریخ کتابت ۱۲ ربیع الثانی ۱۲۶۳ھ

اسکا ایک اور نسخہ بھی ہے - جو اسی کاتب کا لکھا ہوا ہے - قاف سے شروع ہوتا ہے اور کتاب کی "جلد چہارم" ہے -

۲۱ - **مصطلحات الشعرا** - دیکھو ریو - ج ۲ - ص ۵۰۲

[اوراق ۹۹ - سطور ۱۷ - تقطیع ۹½ × ۶ : ۷½ × ۳½]

سیالکوٹی مل وارستہ کا فرہنگ مصطلحات (۱۱۸۰ھ)

تاریخ کتابت - ۲۴ ربیع الاول ۱۲۲۵ھ

۲۲ - **شرف اللغات** [اوراق ۲۹۶ - سطور ۲۰ - شکستہ آمیز - تقطیع ۱۱ × ۶½ : ۸½ × ۴]

فارسی الفاظ کا لغت بمعہ دیباچہ از حسن دہلوی جو نواب آصف الدولہ کے زمانے (۱۱۹۲ھ) لکھا گیا -

نام کاتب ندارد -

تاریخ کتابت جمادی الثانی ۱۲۵۲ھ

۲۳ - **مصطلحات** [اوراق ۱۱۰ - سطور ۲۰ - نستعلیق - تقطیع ۹½ × ۶ : ۷½ × ۴]

قاضی محمد غوث علی کی تصنیف - سو الفاظ کی ایک فہرست جو اچھے اچھے شعرا کے کلام میں مستعمل ہوے -

تاریخ کتابت - ذوالقعدہ ۱۲۳۵ھ

۲۴ - **شرح نصاب مثلث** [اوراق ۲۴ - سطور ۱۰ - نستعلیق - تقطیع ۹ × ۶½ : ۶ × ۴½]

نصاب بدیعی کی شرح از گوبند رام

نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۲۵ - **لغت** [اوراق ۱۰۸۴ - سطور ۲۴ - نستعلیق - تقطیع ۱۲½ × ۸ : ۹ × ۵]

فارسی الفاظ و محاورات کا ایک ضخیم لغت - جسکے مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا - شروع کے ۵۰۰ اوراق موجود نہیں اور آخر کے اوراق بھی ضایع ہو گئے ہیں -

۲۶ - **فوائد الصبیان** [اوراق ۲۲۸ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ۷½ × ۵ : ۶½ × ۴]

اولیا محمد کی تصنیف برای اطفال
تاریخ کتابت - ۱۷ شوال ۱۲۸۱ھ
کاتب میر نواب موزون،

۲۷ - شرح لغات بہار دانش - [اوراق ۵۰ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ۹ × ۵½ : ۷ × ۳½]

بہار دانش کے مشکل الفاظ کا فرہنگ - مصنف کا نام معلوم نہیں،

۲۸ - زوایدالفواید - [اوراق ۸۸ - سطور ۱۵ نستعلیق - تقطیع ۹½ × ۶ : ۷ × ۴]

فارسی مصادر و مشتقات کا فرہنگ از عبدالواسع ہانسوی

۲۹ - لغت المبین [اوراق ۹۹ - سطور ۱۷ - بدخط نستعلیق - تقطیع ۱۰ × ۶]

ایک فارسی لغت کا ابتدائی مسودہ
مصنف کا نام معلوم نہیں،

۳۰ - اصطلاحات ضروری - [اوراق ۲۶ - سطور ۱۳ - نستعلیق - تقطیع ۹ × ۶ : ۶ × ۳½]

محاورات و مرکبات کا فرہنگ - تبویب "جلوہ" کے نام سے کی گئی ہے
تخمیناً ۱۲۳۲ھ سے قبل -
کاتب - عبدالحکیم عرف حکیم لام بخش،

محمد عبداللہ

بہاء الدین ابو محمد الخرقی

انسائکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۲ ص ۹۰۲ پر الخرقی کا ترجمہ درج ہے۔ جو ارلانگن (جرمنی) کے مشہور فاضل ویڈمان کے قلم سے ہے، ہماری رائے میں فاضل موصوف کو بہاء الدین ابو محمد الخرقی کے متعین کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی اور انہوں نے فلسفی الخرقی کو فقیہ الخرقی کے ساتھ ملتبس کر کے ان دونو کے حالات کو مخلوط کر دیا ہے،

یہ درست ہے کہ اس التباس کے لئے وہ کاملاً ذمہ وار نہیں ہیں اور یہ ذمہ داری ان لوگوں پر بھی عاید ہوتی ہے جنہوں نے ان سے پہلے یہ التباس پیدا کیا۔ مگر علاوہ اس التباس کے بعض اور فرو گذاشتیں بھی ترجمہ مذکور میں موجود ہیں، سطور ذیل کا مقصد یہ ہے کہ "تا حد امکان اس التباس کو رفع کیا جائے اور ان اغلاط کی تصحیح ہو"

انسائکلوپیڈیا آف اسلام کے مضمون کا حاصل

ویڈمان نے لکھا ہے:

الخرقی' محمد بن احمد بن ابی بشر ابوبکر بہاء الدین' ایک خوارزمشاہ (قطب الدین محمد ۴۹۰ تا ۵۲۱ یا اتسز[1] ۵۲۱ تا ۵۵۱ ھ) اسکو مرو[2] لے گیا اور وہ اسکے دربار کے فضلا میں سے تھا' شمس الدین ابو الحسین علی بن نصیر الدین محمد[3] بن المظفر سے بھی اسکو تعلق خاص تھا۔ جسکے نام پر اسنے التبصرہ وغیرہ[4] لکھا (جو ذیل میں مذکور ہیں)' الخرقی ۵۳۳ میں مرو[5] میں فوت ہوا۔ بقول بیہقی اسکو مسائل فلسفیہ اور ہیئت میں بہت توغل رہتا تھا'

---

[1] اصل میں غلطی سے اتسِر چھپا ہے [2] خوارزم چاہئے جیسا کہ آگے آتا ہے [3] والصواب محمود دیکھو فہرست برٹش میوزیم طبع ۱۸۴۶ ص ۶۲۰ جہاں لکھا ہے: شمس الدین علی بن نصیر الدین محمود' نیز فہرست گوتھا ص ۵۴ جہاں لکھا ہے: شمس الدین ابو الحسن علی بن نصیر الدین محمود بن مظفر' [4] اس وغیرہ کی سند ہم کو معلوم نہیں' منتہی الادراک کے متعلق یہ کہیں نظر نہیں آیا کہ وہ بھی شمس الدین مذکور کے نام پر لکھی گئی [5] محمد بن احمد الخرقی بقول سمعانی خراق میں فوت ہوا۔

انہوں نے احوال عالم پر دو کتابیں لکھیں جنکے بہت نسخے ملتے ہیں' ایک مختصر یعنی التبصرہ فی علم الہیئۃ جس کا موضوع صرف ہیئت ہے ایک مفصل یعنی منتہی الادراک فی تقسیم الافلاک (دیکھو حاجی خلیفہ نمبر ۱۳۱۲۴) جس میں مصنف نے ہیئت ارضی پر بھی لکھا ہے[1]' (اسکے بعد ویڈمان نے ان کتابوں کے مضمون پر گفتگو کی ہے جسکو ہم نظرانداز کرتے ہیں)

اس ترجمہ کے آخر میں ویڈمان نے اپنے ماخذ میں کتب ذیل کو شمار کیا ہے :-

(۱) تاریخ[2] حکماء الاسلام ظہیر الدین زید[3] (کذا) البیہقی (ویڈمان کے مضمون "چند تراجم جو بیہقی سے ماخوذ ہیں" ص ۲۷، کا حوالہ بھی اس کے ساتھ دیا گیا ہے)'

(۲) سوٹر کی کتاب ریاضی و ہیئت دانان عرب ترجمہ نمبر ۲۷۶'

(۳) کول کا مضمون ابن الہیثم اور ہیئت عالم پر'

اب ہم ان کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ ویڈمان نے جو کچھ بیان کیا ہے اسکا ثبوت کیا ہے'

ویڈمان نے 'تراجم' کے ص ۲۷ پر تو تتمہ ہی سے لیکر خرقی کا ترجمہ دیا ہے اسکو ہم چھوڑتے ہیں' کول کا مضمون ہمارے سامنے نہیں ہے۔ تتمہ (یا تاریخ حکماء اسلام) اور سوٹر کی کتاب موجود ہے۔ آئیے ہم دیکھیں کہ ان کتابوں میں کیا لکھا ہے۔

(۱) الخرقی کا ترجمہ تاریخ حکماء الاسلام میں

بیہقی نے جو کچھ لکھا ہے اسکا ترجمہ یہ ہے :

"الفیلسوف بہاء الدین ابو محمد الخرقی حکماء مرو سے تھا' اسنے علم ہیئت اور معقولات پر کتابیں لکھی ہیں' بادشاہ عالم عادل خوارزمشاہ[5] اسکو استفادے کے لئے خوارزم لے گیا' تاریخ پر بھی اسنے کتابیں لکھیں' اسکے اخلاق بہت اچھے تھے" (اسکے بعد مصنف نے اس کے اقوال نقل کئے ہیں۔ جنکو ہم نظرانداز کرتے ہیں)

---

[1] برلین کی فہرست ج ۵ ص ۱۵۶ پر دونو کتابوں کی فہرست مضامین دی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونو کتابوں کا موضوع ایک ہی ہے' فرق صرف یہ ہے کہ منتہی مفصل ہے اور تبصرہ مجمل [2] کتاب کا صحیح نام تتمہ صوان الحکمہ ہے گو برلین کے نسخہ پر تاریخ حکماء الاسلام ہی لکھا ہے [3] یہ غلط ہے' مصنف کا نام ظہیر الدین علی بن زید ہے' دیکھو معجم الادبا ج ۵ ص ۲۰۸' [4] یہ مضمون ارلانگن کے رسالہ S.P.M.S (سنہ ۱۹۱۰ء) میں ص ۵۹ تا ۷۷ پر ہے۔ خرقی کا ترجمہ

تاریخ کامل ج ۱۱ ص ۴۰ سے بیہقی کے بیان کی تائید ہوتی ہے - ابن الاثیر نے ۵۳۶ھ کے حوادث کی ذیل میں لکھا ہے کہ خوارزمشاہ اتسز نے ۱۷ - ربیع الاول سنہ مذکور کو مرو الشاہجان فتح کیا اور شہر میں داخل ہو کر بہت لوگوں کو قتل کیا۔ پھر وہ خوارزم کو واپس لوٹا " واستصحب معہ علماء کثیرا من اھلھا منھم . . . وابومحمد الخرقی الفیلسوف"

(۲) الخرقی کا ترجمہ سوٹر کی کتاب میں

محمد بن ابی بشر ابوبکر بہاء الدین الخرقی مرو میں ۵۳۳ھ (= ۳۹-۱۱۳۸ء) میں فوت ہوا، مصنفات:
(۱) التبصرہ ہیئت پر، اسکے نسخے گوتھا (نمبر ۱۳۸۴) لیڈن (نمبر ۱۰۷۲) برٹش میوزیم (نمبر ۱۳۳۹ - ۲)، آکسفورڈ (۱ : ۹۱۱، ۹۲۱ و ۹۷۶)، برلین (نمبر ۵۶۷۰) اور اسکوریال (نمبر ۹۵۰) میں ہیں - ایک شرح[۱] جس پر مصنف کا نام نہیں کتبہ ایاصوفیا قسطنطنیہ میں ہے (نمبر ۸۱ - ۲۵۷۸)، (۲) منتہی الادراک در تقسیم افلاک پیرس (نمبر ۲۴۹۹)، اور برلین (نمبر ۵۶۶۹) میں ہے، دونو نسخوں میں مصنف کا نام غلط طور پر یوں لکھا ہے "ابومحمد عبدالجبار بن عبدالجبار الخرقی" التبصرہ جو منتہی کا ملخص ہے، وزیر ابوالحسین علی بن نصیر الدین[۲] (یا نصر الدین) کے نام پر لکھا گیا [حاجی خلیفہ ۲ : ۱۸] (۳) الرسالۃ الشاملۃ حساب پر ہے [حاجی خلیفہ ۳ : ۶۳۰]

التبصرہ اور منتہی دونو کے متن میں مصنف کا نام درج نہیں مگر منتہی کے جو دو نسخے معلوم ہیں ان میں سے ایک پیرس میں ہے اور ایک برلین میں - دونو کے شروع میں مصنف کا نام لکھا ہوا ہے - پیرس[۳] کے نسخہ میں وہ نام یوں درج ہے۔ ابومحمد عبدالجبار بن عبدالجبار بن محمد الثابتی الخرقی؛ مولف فہرست نے لکھا ہے کہ نسخہ پر تو یہ

---

[۱] حاجی خلیفہ نے بذیل التبصرہ شارح کا نام احمد بن عثمان بن صبیح (م ۷۴۴) دیا ہے۔ مگر معلوم نہیں شرح مذکورہ یہی ہے یا نہیں [۲] نصیر الدین محمود بن المظفر بن عبدالملک بن ابی توبہ المروزی لقبیہ ابوالقاسم المتوفی ۵۰۳؛ مراد ہے جو سلطان سنجر سلجوقی کا وزیر تھا، [۳] فہرست پیرس (مطبوعہ ۹۵ - ۱۸۹۳) ج ۲ ص ۴۴۳،

نام درج ہے مگر حاجی خلیفہ نے محمد بن احمد کو مصنف قرار دیا ہے، قریباً اسی طرح مصنف کا نام برلین والے نسخے پر درج ہے یعنی: عبدالجبار بن عبدالجبار بن محمد الثابتی الخرقی[۱] ابی محمد، اور اہلوارٹ مرتب فہرست نے اسی کو مصنف تسلیم کیا ہے۔

سوٹر نے ہمکو یہ نہیں بتایا کہ ابو محمد عبدالجبار کو منتہی کا مصنف کیوں نہ تسلیم کیا جائے اور کتاب کو کیوں محمد بن ابی بشر ابوبکر بہاء الدین کی طرف منسوب کیا جائے۔ مگر یہ یقینی بات ہے کہ وہ کشف الظنون کے تتبع میں ایسا لکھ رہا ہے اور شمہی سے فہرست برٹش میوزیم (ص ۶۲۰) اور فہرست گوتھا (ص ۷۵) میں جو میرے سامنے ہیں استناد کیا گیا ہے ان کے علاوہ مرتب فہرست پیرس اور مرتب فہرست برلین دونو کشف ہی کا حوالہ دے رہے ہیں[۳]،

صاحب کشف الظنون کا بیان

تبصرہ فی الہیئۃ کی نسبت حاجی خلیفہ[۴] نے لکھا ہے:

للامام شمس الدین ابی بکر محمد بن احمد بن ابی بشر المروزی المعروف بالخرقی[۲] ... المتوفی بہا (بمرو)، سنہ ۵۳۳، پھر منتہی الادراک کی نسبت لکھا[۵] ہے: للامام محمد بن احمد الحسینی الخرقی المتکلم المتوفی سنہ ۵۳۳، (امام محمد بن احمد الحسینی سے مراد امام شمس الدین ابوبکر محمد بن احمد الخرقی ہی ہے)

اسمیں کچھ شک نہیں کہ انہی بیانات سے تمام مغالطہ پیدا ہوا۔ حاجی خلیفہ نے ہمارے علم میں سب سے پہلے ان کتابوں کو محمد بن احمد الخرقی کی طرف منسوب کیا،

---

[۱] فہرست برلین جلد ۵ (مطبوعہ ۱۸۹۳) ص ۱۵۵ [۲] درست نسبت الخرَقی ہے،
[۳] ان سب میں سے صرف مرتب فہرست برلین نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ حاجی خلیفہ نے اس کتاب کو محمد بن احمد الحسینی الخرقی کی طرف منسوب کردیا ہے یہ بظاہر اسکی غلطی ہے [۴] کشف الظنون طبع یورپ ۱۸۰۵ [۵] کشف الظنون ۶ : ۱۲۰،

امام محمد بن احمد بن ابی بشر ابو بکر بہاء الدین الخرقی کون تھے

امام موصوف کے حالات سمعانی، یاقوت اور سبکی نے لکھے ہیں۔ ان کو ہم درج ذیل کرتے ہیں -

(ا) امام ابوسعید سمعانی امام محمد کے شاگرد تھے وہ لکھتے ہیں:

فقیہ فاضل متکلم یعرف الاصول اقام بنیسابور مدة سمع ابا بکر احمد بن علی بن خلف الشیرازی و اباالحسن علی بن احمد بن محمد المدینی سمعت منہ بقریة خرق و توفی سنة نیف[1] و ثلاثین و خمسمائة (کتاب الانساب ورق ۱۹۵ بذیل الخرقی)'

(ب) یاقوت نے معجم البلدان ۲ : ۴۲۵ میں الخرقی کی ذیل میں لکھا ہے:

و ممن ینسب الیہا ابوبکر محمد بن احمد بن [ابی] بشر الخرقی کان فقیہا فاضلا متکلما یعرف الاصول اقام مدة بنیسابور فسمع احمد بن خلف الشیرازی ذکرہ ابوسعد [والصواب ابوسعید یعنی السمعانی] فی معجم شیوخہ و قال توفی سنة نیف[1] و ثلاثین و خمسمایة'

(ج) السبکی نے لکھا ہے:

محمد بن احمد بن الحسین بن ابی بشر الخرقی من اہل خرق احدی قری مرو و ہو الامام ابوبکر المروزی ولد بقریة خرق فیما ذکر صاحبہ ابن السمعانی بعد ۴۷۰[2] تقدیرا و رحل الی نیسابور و تفقہ بہا فقہا و اصولا و کلاما و اشتہر بعلم الکلام و سمع من ابی بکر بن خلف الشیرازی و جماعة روی عنہ ابن السمعانی و قال فقیہ فاضل متکلم عاد الی قریتہ و کان یعظ فی القری و بقریة خرق مات فی شوال او ذی القعدہ سنہ ۵۳۳ (طبقات الشافعیة ۴ : ۶۱)

ان تینوں تراجم کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد بن احمد الخرقی فقیہ و متکلم تھے، نہ کہ ہیئت دان معقولی اور مورخ، انکی تاریخ وفات بقول سمعانی ۵۳۰ سے کچھ اوپر اور بقول سبکی ۵۳۳ تھی، اور حاجی خلیفہ نے اور اس کے متبعین نے ۵۳۳ ہی کو اختیار کیا ہے'

---

[1] "قال ابو العباس الذی حصلناہ من اقاویل حذاق البصریین والکوفیین ان النیف من واحدة الی ثلاث"... "و کل ما زاد علی العقد فنیف .... حتی یبلغ العقد الثانی" ابن سیدہ (لسان العرب ۱۱ : ۲۵۶) [2] اصل میں یہی لفظوں میں دیا ہے'

امام محمد بن احمد الخرقی کی طرف کیوں تبصرہ اور منتہی کو منسوب نہیں کر سکتے

اول اس لئے کہ السمعانی امام موصوف کے شاگرد نے انکو صرف فقیہ اور متکلم لکھا ہے اور انکی ہیئت دانی وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں کیا اور یاقوت اور سبکی بھی انکو فقط فقیہ و متکلم و واعظ ہی کی حیثیت سے جانتے ہیں -

دوم اسلئے کہ بہار الدین ابو محمد الخرقی جنکو بیہقی ہیئت دان معقولی اور مورخ بتا رہا ہے وہ ۵۳۶ میں موجود تھے اور اسی سن میں انکو خوارزم شاہ استفادہ کیلئے خوارزم لے گیا حالانکہ امام محمد بن احمد الخرقی کی تاریخ وفات بقولے ۵۳۰ سے کچھ اوپر اور بقولے ۵۳۳ تھی '

سوم اسلئے کہ منتہی الادراک کے موجودہ دونو نسخوں پر مصنف کا نام ابو محمد عبد الجبار بن عبد الجبار بن محمد الثابتی الخرقی لکھا ہے -

ابو محمد عبد الجبار بن عبد الجبار بن محمد الثابتی الخرقی کا ترجمہ

خوش قسمتی سے سبکی نے انکا ترجمہ بھی طبقات الشافعیہ (ج ۴ ص ۲۴۲) میں دیا ہے اور وہ یہ ہے :

عبد الجبار بن عبد الجبار بن محمد بن ثابت بن احمد ابو احمد الثابتی الخرقی من اہل مرو . . . . ولد بہا فی ۲۸[1] من شہر ربیع الاول ۴۷۷ھ ' قال ابن السمعانی فی التحبیر : کان فقیہا فاضلا تفقہ علی والدہ و لازمہ وقرأ المذہب علی ابراہیم المروروذی ثم اشتغل بالحساب و المقدمات وحصل بہا طرفا صالحا و جاوزہما الی العلوم المہجورۃ من الفلسفۃ وغیرہا وکان حسن الصلاۃ نظیف الثیاب اشتغل بالحدیث مدۃ وسمع الکثیر وجمع تاریخا غیر مستند ذکر فیہا احوال المحدثین والعلماء استوعبہ . . . . . سمعت منہ انتہی قال وتوفی بمرو صباح یوم الفطر وہو یوم الاحد سنہ ۵۳۳ '

ظن غالب ہے کہ یہی وہ شخص ہے جسکا نام منتہی کے نسخوں پر بطور مصنف کے درج ہے - دونو کا نسب ایک ہے البتہ کنیت میں فرق ہے ' سبکی نے اسکو ابو احمد لکھا ہے اور

---

[1] اصل میں یہ تاریخیں لفظوں میں دی ہیں '

مذکورہ نسخوں پر اور بیہقی اور ابن الاثیر کے ہاں وہ ابو محمد ہے۔ شاید اسکی دو کنیتیں ہوں یا سبکی کو مغالطہ ہوا ہو ۔ بہرحال سبکی نے لکھا ہے کہ وہ حساب دان اور فلسفی تھا، تاریخ پر بھی اسنے ایک کتاب لکھی تھی ۔ اس کے حسن صلاۃ اور لطافت ثیاب کا بھی ذکر ہے ۔ یہ سب بیانات فی الجملہ بیہقی کے بیانات سے مطابقت رکھتے ہیں ۔ اور چونکہ اس کی تاریخ وفات ۵۵۳ھ ہے وہ اشکال بھی رفع ہو گیا جو امام محمد بن احمد کے ۵۳۳ھ میں فوت ہونے سے پیدا ہوتا تھا، تتمہ[1] بیہقی میں ایک مقام پر ۵۵۳ھ مذکور ہے مگر اس کے بعد کی کوئی تاریخ مذکور نہیں ۔ اس لئے قرین قیاس ہے کہ تتمہ اسی زمانے میں تصنیف ہوا اور اسی لئے مصنف حرقی کی وفات کا ذکر اس میں نہ کر سکا،

حاصل کلام

مختصر یہ کہ ہماری رائے میں اغلب ہے کہ منتہی اور تبصرہ کا مصنف ابو محمد عبد الجبار الخرقی ہی تھا جیسا کہ منتہی کے موجودہ نسخوں پر درج ہے، اور ان کتابوں کو امام محمد بن احمد الخرقی کی طرف منسوب کرنا درست نہیں ۔ اس صورت میں ویڈمان نے الخرقی کے ترجمہ میں کچھ باتیں ابو محمد عبد الجبار کی لکھ دی ہیں اور کچھ امام محمد بن احمد کی،

محمد شفیع

---

[1] تاریخ حکماء اسلام کا صحیح نام

تبصرہ و تنقید

(۱) انڈین لنگوسٹکس :- یہ لنگوسٹک سوسائٹی آف انڈیا (انجمن لسانیات ہند) کا رسالہ ہے جس کی پہلی جلد کا پہلا نمبر ابھی شائع ہوا ہے۔ یہ سوسائٹی پرنس آف ویلز کالج جموں کے پروفیسر ڈاکٹر سدھیشور ورما کی حسن سعی کا نتیجہ ہے۔ ہندوستان میں یہ اپنی قسم کی پہلی سوسائٹی ہے اور اس کی ضرورت مدتوں سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس سوسائٹی کا مقصد ہندوستان کی زبانوں کے متعلق تحقیق کرنا ہے۔ ہندوستان میں اس وقت چھوٹی بڑی آٹھ سو کے قریب زبانیں بولی جاتی ہیں جن میں سے بہت سی ایسی ہیں کہ ان کی گرامر وغیرہ ابھی تک تیار نہیں ہوئی۔ موجودہ زمانہ میں کسی قسم کی علمی تحقیق کے لئے ایک سوسائٹی اور رسالہ کا ہونا لازمی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اس سوسائٹی اور رسالہ کا ظہور ہوا۔ اس سوسائٹی کے حامیوں میں سر جارج گریرسن کا نام بھی شامل ہے جنکا مرتبہ ہندوستانی زبانوں کے مسلّم فضلا میں سب سے بلند ہے۔ ان کی تصنیف لنگوسٹک سروے آف انڈیا ہندی لسانیات کے متعلق نہایت مستند کتاب ہے۔

رسالہ کے موجودہ نمبر میں تین مضامین شائع ہوئے ہیں۔ پروفیسر تاراپور والا نے موجودہ ہندوستانی زبانوں کی گرامر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ یا تو پرانی زبانوں سنسکرت فارسی وغیرہ کے ڈھانچے پر لکھی گئی ہیں یا انگریزی لاطینی وغیرہ کی طرز پر۔ لیکن اس طریق کو علمی طریق نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ کسی زبان کی گرامر لکھتے وقت اس زبان کی مکمل اور مستقل تحقیق ہونی چاہئے۔ ایک زبان کی گرامر کسی دوسری زبان کی گرامر کی طرز پر نہیں لکھی جا سکتی۔ لہذا پروفیسر تاراپور والا نے اس امر کی سفارش کی ہے کہ لنگوسٹک سوسائٹی

ہندوستان کی مشہور زبانوں مثلاً ہندی - اردو - بنگالی - گجراتی - مرہٹی وغیرہ کی گرامریں علمی طریق پر تیار کرے۔ دوسرا مضمون ڈاکٹر سینتی کمار چیٹر جی کے قلم سے ہے۔ انہوں نے ہندوستانی زبانوں کی چند مخصوص آوازوں کا مطالعہ کیا ہے - یہ آوازیں سندھی اور ملتانی زبان میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے بولتے وقت حلق میں اسی قسم کا عمل ہوتا ہے جو ہمزہ (ء) کے بولتے وقت ہوتا ہے - تیسرا مضمون دراوڑی زبانوں سے تعلق رکھتا ہے - یہ تینوں مضمون اعلیٰ پائے کے ہیں اور سوسائٹی کے ارکین کے نام دیکھ کر یہ امید ہوسکتی ہے کہ آیندہ بھی ایسے ہی عالمانہ مضامین شایع ہوتے رہینگے -

سوسائٹی اسبات کی امید کرتی ہے کہ جو اصحاب زبانوں کی تحقیق سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ ممبر بنکر یا مضمون بھیجکر سوسائٹی کی حوصلہ افزائی کرینگے +

(۲) منتخبات ہندی کلام :-

مرتبہ ڈاکٹر جعفر حسن - مطبوعہ اعظم سٹیم پریس - حیدرآباد - سنہ ۱۹۳۰ء

حجم $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۸}$ صفحہ ۲۲۵ - قیمت فی جلد دو روپے آٹھ آنہ ٭

ہندی کی شیرینی اور لطافت نے مرتب کو ہندی ادب کے مطالعہ کی طرف راغب کیا - اور اردو ادب اور ہندی ادب میں موازنہ کرنے کے شوق نے اور زیادہ مستعدی سے ہندی ادب کی طرف متوجہ کیا - موجودہ کتاب مرتب کے اس مطالعہ اور موازنہ کا نتیجہ ہے +

تمہید میں مرتب نے اسبات پر افسوس ظاہر کیا ہے کہ اردو رسم الخط میں چھپی ہوئی ہندی کتابوں کی تعداد بہت کم ہے - تلاش کرنے پر بھی صرف آٹھ سات ہی ایسی کتابیں دستیاب ہو سکیں جنکا مرتب نے مختصر بیان کیا ہے - ہندی کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد مسلمانان سلف کی ہندی زبان اور ادب سے دلچسپی کی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں اور کئی ایک ہندی شاعروں کے نام گنئے ہیں، جو مسلمان بادشاہ اور امیروں کے درباری شاعر تھے، اس کے

بعد ایک سو ہندی دوہے جن میں سے اکثر کبیر۔ تلسی داس۔ سور داس۔ بہاری لال۔ برند وغیرہ کی تصنیف ہیں۔ ہندی اور اردو رسم الخط میں دیے گئے ہیں۔ ان کے مشکل الفاظ کے معانی دے کر اردو ترجمہ مع تشریح دیا گیا ہے۔ انتخاب کے دوہے دلچسپ۔ سبق آموز اور صنعت سے پُر ہیں۔ میری رائے میں اُردو خوان اصحاب اس کے مطالعہ سے ہندی ادب کا خاصہ حظ اٹھا سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے انہیں مرتب کا مشکور ہونا چاہیئے۔

اخیر میں میں مرتب کو دو باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اگر اگلے اڈیشن میں ان کا خیال رکھا جائیگا تو کتاب کی اہمیت میں اضافہ ہو جائیگا۔

(۱) چونکہ اس کتاب میں صرف دو چار شعروں کو چھوڑ کر باقی سب مثالیں دوہوں کی ہیں۔ اور کتاب کا نام "منتخبات ہندی کلام" ہے۔ اس سے ناظرین کو یہ خیال ہو سکتا ہے۔ کہ ہندی کلام میں اکثر دوہے ہی ہیں اور دوسرے بحر تقریباً منفی کے برابر ہیں۔ اس مغالطہ کو دور کرنے کے لئے یا تو انتخاب میں دوسری بحریں مثلاً گیت۔ سویا۔ چھپے وغیرہ بھی شامل کر لئے جائیں یا اس کتاب کا نام "منتخبات ہندی دوہجات" ہونا چاہیئے۔

(۲) ہندی رسم الخط میں اکثر غلطیاں رہ گئی ہیں۔ بہتر ہوتا کہ اسے ہندی ٹائپ میں کمپوز کرایا جاتا۔ اردو رسم الخط میں اعراب کا استعمال مکمل اور صحیح ہونا چاہیئے تھا *

(۳) گلشن گفتار :۔ مرتبہ سید محمد ایم۔ اے۔ قیمت ۱۲ر

ملنے کا پتہ :۔ مکتبہ ابراہیمیہ۔ حیدر آباد (دکن) *

یہ شعرائے اردو کے قدیم ترین تذکروں میں سے ہے اور خواجہ خان حمید اورنگ آبادی کی تصنیف ہے۔ ۱۱۶۵ھ میں یعنے جس سال نکات الشعراء میر تقی میرؔ و تذکرۂ فتح علی گردیزی لکھے جاتے ہیں گلشن گفتار بھی وجود میں آتا ہے۔ اردو کے تمام قدیم تذکرے فارسی زبان میں لکھے جاتے تھے چنانچہ یہ تذکرہ بھی اسی زبان میں ہے۔

اصل متن غالباً پچاس صفحات سے زیادہ نہ ہوگا اور اس میں صرف ۴۲ شعرا کا تذکرہ درج ہے۔ جہانتک قدیم شعرائے دکن کا تعلق ہے یہ تذکرہ بعض مفید اور خاص اطلاعات کی بنا پر اصل ماخذ کا حکم رکھتا ہے۔ چنانچہ ان ۴۲ شعرا میں سترہ اٹھارہ خاص دکن کے شاعر ہیں اور چونکہ مصنف خود دکن کا باشندہ ہے اور اپنے معاصرین سے ذاتی واقفیت رکھتا ہے۔ اس لئے اسکے بیانات دوسرے تذکروں کے مقابلہ میں زیادہ مستند اور معتبر مانے جاسکتے ہیں۔
علاوہ بریں اس تالیف میں ایسے شاعر بھی درج ہیں جنکا نام تک دیگر تذکروں میں نہیں ملتا۔
جناب مرتب نے دیباچہ علیہیات و اشاریہ (انڈکس) کے علاوہ ایک مفید کام یہ کیا ہے کہ بعض قدیم شعرا کے حالات نکات الشعرا۔ تذکرۂ فتح علی گردیزی۔ مخزن نکات۔ چمنستان شعرا۔ گلزار ابراہیمی اور تحفۃ الشعرا سے بغرض مقابلہ حاشیہ میں درج کر دئے ہیں تاکہ پڑھنے والے کو سہولت رہے۔

سید محمد صاحب کا یہ دوسرا علمی کارنامہ ہے۔ اس سے پیشتر وہ اپنے مفید اور مشہور تصنیف نثر نگاران اردو علمی دنیا کے پیش کر چکے ہیں +

(۴) **محمود گاواں** :۔ مولفہ محمد ظہیر الدین صاحب متعلم بی۔اے سینیر کلیہ جامعہ عثمانیہ

قیمت ۸ر ملنے کا پتہ :۔ مکتبہ ابراہیمیہ۔ اسٹیشن روڈ۔ حیدرآباد (دکن)

خواجہ محمود گاواں کا نام ان مشہور مسلمان مدبرین اور وزرا کی فہرست میں شامل ہے جو اپنی حیرت انگیز دماغی اور ذاتی اوصاف کی بدولت مشرق کی تاریخ میں نمایاں عظمت کی مسند نشین پر فائز ہیں۔ علی الخصوص اس عہد کے ہندوستان میں تنہا ان کی ہستی ہے جو اپنے تدبر اور قابلیت کے لحاظ سے مورخ کی نگاہ کو بے اختیار اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔
زیر نظر رسالہ میں مولف نے دکن کی اس شہرہ آفاق اور تاریخی شخصیت کے حالات وسوانح پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور یقیناً تاریخی ماخذ کی تشنگی اور اختصار پسندی کے

خوب گفت، اما ہم دران ایام او را قضا رسید، این معما باسم کاکا از وست کہ معما[1]

آنچہ کردی بر دل از بیداد گر یاد آرمش
گویم ار یا کوہ، جانا، من بفریاد آرمش[2]

سید عبد الحق استرابادی

جوان خوش طبع و خوش محاورہ و خوش خلق بود و از ان محل کہ قاضی ولایت خوجان بعد ... زمان برشوت خری داد و منصب قضا گرفت، این قطعہ گفت قطعہ

ہمی گشت در شہر شخصی ز خوجان کہ قاضی شود صدر راضی نمی شد
برشوت خری داد بست قضا را (ق ۲۷ ب) اگر خر نمی بود، قاضی نمی شد[2]

مولانا میر قریشی[3]

در سمرقند می بود، دکان صحافی داشت و ہمیشہ ظرفا آنجا جمع می آمدند، مولانا خود را از استادان خجل می دانست، و در باب شکایت این مطلع از وست

نیست آئین محبت کردن از یاری گلہ ورنہ می کردم از ان بیداد بیار نہ گلہ

خطائی تخلص می کرد و در سمرقند فوت شد

مولانا خاوری

مشرف صابون خانہ سمرقند بود، عروض راغب می دانست و سیر النبی نظم کردہ، این

---

[1] نسخہ ترکی ب: "کا ثر کاہ کورستانیدا مدفون دور" [2] نسخہ ترکی ب: "قبری کویا کہ استراباد ولایتی دا دور" [3] [ماک ہفت اقلیم (خطی)]

بیت از انجاست ؎

فلک بسکه در موکبش تاختہ ۔۔۔ بهر ماه نعلی بینداخته

قبرش در سمرقند است،

مولانا جوہری[۱]

هم از سمرقند بود و خیاطی می کرد، طبعش نیک بود و بدیهه روان می گفت، ترجیع بندی گفته، بندش اینست ؎

گر بسنّم زنی وگاه بمشت ۔۔۔ بازی بازی مرا بخواهی کشت

و این مطلع نیز از وست ؎

من که عمری بهوس پیروی دل کردم ۔۔۔ عمر بگذشت و ندانم که چه حاصل کردم

حلوائی[۲]

نیز از سمرقند بود، طبع شگفته داشت، در ایام شباب فوت شد، بجهت آن سخنش کمتر شهرت گرفت، این مطلع از وست که ؎

زاهدا قبلهٔ ما ابروی دلدار اولی ۔۔۔ تو و مسجد که ترا روی بدیوار اولی

قبرش در سمرقندست

مولانا ریاضی[۳]

هم از سمرقند بود، متعجب و متکبر و بدخلق بود، بعضی (ق ۲۸ ا) غزلهایش نیک

---

۱ [رک هفت اقلیم (دخلی)]؛ نسخهٔ ترکی ب "جوہری" را بر "خاوری" مقدم داشته ۲ [رک تذکرهٔ دولتشاه

می افتاد و این مطلع از وست که ؎

ستاره ایست که در گوش آن هلال ابرو　　ز روی حسن بخورشید می زند پهلو

چون در این مطلع کاف رابطه می بایست، فقیر باو گفتم، اگر این نوع خوانند بهتر است که نظم

ز روی حسن در گوش آن هلال ابرو　　ستاره ایست که باماه میزند پهلو

از روی انصاف مسلّم بایستی داشت، جدل بنیاد کرد فقیر ساکت شد[۱]

صفائی

جوان ساده بود، اما بصحبت جوانان ساده رو شغف[۲] تمام داشت، از جمله چیزهای که منافی طبع ساده او بود، از وزانیه (؟) می شد، این بیت از وست ؎

می نماید گاه چوگان نعل شبرنگش بچشم　　چون مه نو کز نظر سازند مردم غائبش

در سمرقند فوت شد

مولانا یوسف[۳]

بدیعی تخلص می کرد، با مولانا صفائی می بود و اگرچه در اوائل جهت صغر سن در شعر

(بقیه حاشیه صفحه ۸۴) ص ۳۷۴] زیادة در نسخه ترکی ب " قبری او ز نکی داد ور " ۵۳ [ہمک هفت اقلیم (خطی)؛ حبیب السیر - ج ۳ - جزو ۳ - ص ۳۴۲] '

(بقیه حاشیه صفحه ۸۵) ۵۱ نسخه ترکی ب زیادة : " او ز یاران امیری تکا شتیلار سمرقند دا فوت بولدی"

۵۲ شغف (کذا) ۵۳ از ولایت اندجان بود و در صغر سن از آنجا بسمرقند رفت و آغاز کسب فضایل نمود، پس از ان بهرات آمد در علم عروض و صنایع و بدایع شعری و فن معما، وقوف کامل داشت، متوفی ۸۹۶ھ در

خامی داشت، آخر خوب شد، و بشهر هرات آمد، بسیار صلاحیت کسب کرد و بواسطهٔ عجبی که داشت شوخ طبعان او را یوسف صفائی می گفتند و او بسیار متغیر می شد، اما مرد خوش صحبت بود و عروض را نیک می دانست و اکثر صنعت شعری را نیک می گفت، این بیت از وست که ؎

در مقصود جویان مجمع البحرین شد صوفی که بحر[ی] در برت از چشمهٔ هر چشم گریانش

رسالهٔ معما نوشت و در ان فن کارها (ق ۲۸ ب) بسیار بود، باسم منصور این معما از وست ؎

مرا زان شد منور خانهٔ چشم که آمد دوست در کاشانهٔ چشم

در سرخس فوت شد و قبرش در خانقاه شیخ لقمان[۱] است[۲]

مولانا خاکی

از خدماء خواجه کوسوی بود، درویشی نام داشت، این مطلع از وست ؎

نیازمند توئیم ای بناز پرورده ترا زمانه عجب دلنواز پرورده

مولانا لطفی[۳] علیه الرحمة

ملک الکلام زمان خود بود، در شعر ترکی و فارسی نظیر نداشت، اما [در] نظم ترکی

(بقیه حاشیه صفحه ۸۵) متن کذا [رک حبیب السیر ج ۳ - جزء ۳ - ص ۳۳۶] نسخهٔ ترکی ت - یوسف شاه بدیعی (حاشیه صفحه ۸۶) ۱ - شیخ لقمان پرنده [در حبیب السیر: عقلای مجانین بود، برای تفصیل احوال رک نفحات الانس (خطی)، هفت اقلیم (خطی)، تذکرة الاولیاء] ۲ - در حبیب السیر. و نسخهٔ ترکی ت این بیت افزوده: ؎

گر بدین آب و هوا کو بیت بوده سبز گهم فی زلال خضر باید فی دم روح اللهم

۳ - [رک حبیب السیر - ج ۳ - جزء ۳ - ص ۱۹۹]

شهرت او بسیارست و دیوان او مشهور، مطلع متعذر الجواب وارد، ازان جمله ع

نازو کلوک اچرو پلچه یوق یارگیبوئی — اوز حدینی بیلیب بیلیدین او تسور ورقوئی

یکی دیگر اینست که ع

صید الی دلبرم منی اشفته ساخ دین — سالدی کمند یو نیومه ایکی غولاج دین

بیشتر قصاید استادان فارسی گوی را جواب کردند و هیچ کدام این مطلع را جواب نتوانستند گفت ع

ای ز زلف شب مثالت سایه پرور آفتاب — شام زلفت را بجای ماه در بر آفتاب

در محل رحلت مطلعی گفت و فرصت غزل کردن نیافت، وصیت کرد که حضرت مخدومی نورا غزلی کند و در دیوان خود نویسد، ایشان نیز وصیت بجای آورده غزل تمام کردند و ثبت (ق ۲۹ ر) دیوان خود کردند و مطلع آن غزل اینست ع (ق ۲۹ ر)

گر کار دل عاشق یا کافر چین افتد — به زانکه به بدخوئی بی رحم چنین افتد

مولانا در ایام جوانی بعد از انکه تکمیل علوم ظاهر کرده بخدمت مولانا شهاب الدین خیابانی رفته طریق صوفیه را نیز مسلوک داشت، قبرش در شهر هرات در ده کبارست[۱]

یقینی

شعر ترکی و فارسی می گفت و مشربش بلند بود و از ابیات ترکی خود این را بمباهات تمام میخواند ع

آه کیم عالمغه میتم یاد نادان ایلکیدین — داد فریاد اول جفاجی فتنی جان ایلکیدین

---

[۱] حاشیه: " وله ع

ترا در دیده جا کردم که از مردم نهان باشی — چه دانستم که آنجا هم میان مردمان باشی

اما در فارسی او این مطلع بد واقع نشده ؎

صبحی که دم بمهر نزد یکنفس توئی
نخلی که بر نخورد از وی هیچکس توئی

قبر او در ده ... برادر انست

مولانا اتائی

در قبة الاسلام بلخ می بود و از اولاد اسماعیل آتا بود، مرد درویش و خوش طبع و منبسط بود و شعرش درمیان اتراک آن ملک شهرت تمام داشت، این مطلع ترکی از وست ؎

اول صنم کیم سوقراغیدا پر بدیک[۱] دلتورور
غایت ناز و کاهو قیدین سوبیله یوتسه بولور

مولانا مقیمی

از شهر هرات بود و از اصطلاحات صوفیه وقوف داشت، چون ترکی گوی بود، موافق اصطلاح این طایفه ترجیع گفت: ترجیع

سنسین اصلی وجود هر موجود
سندین اوزکا وجود غیر نه وجود[۱]

مولانا کمال

از کوه صاف بود (ق ۲۹ ب) نظم ترکی می گفت و شعرش درمیان مردم همان نواحی (ق ۲۹ ب) شهرت تمام داشت و این مطلع ترکی از وست ؎

ایرنینک قلید زینگرای جان بلی باغلیق
کل داغی یوزونک بنده سیدور تونی یما غلیق[۲]

---

[۱] حاشیه: حلقهٔ زلف نگارم زیر زلف تابدار
هست چون کوکب درخشنده در شبهای تار

[۲] نسخهٔ ترکی ب افزوده: "قبری کوه صاف دا دور"

مولانا لطفی[1]

معلوم شد، اما بسیار طبع خوش داشته، این بیت ترکی از وست کہ ؎

اقار کہ تا مانیپک سشکری   پنز کا یقماس ہوسیج آقار نا ماری

اگرچہ ترکانہ است اما شوخ طبعی قایل می شود[2]۔

مولانا سکاکی

از ماوراء النہر بود، اہل سمرقند او را بسیار معتقد بودند و بی نہایت تعریف می کنند، اما در محلی کہ فقیر در سمرقند بودم ہرچند تفحص نمودم کہ از نتایج طبع او چیزی معلوم کنم چنانکہ تعریف کنند پیدا نشد، اما از ہمہ جوابی کہ عاجز شدند، سخن ایشان این بود کہ ہمہ ابیات خوب مولانا لطفی از وست کہ بنام خود کردہ است، اما در ماوراء النہر امثال این سخنان مکابرہ بی مزہ است، این مطلع بمولانا سکاکی اسناد می کنند ؎

نی نازنے پوشیدہ ودرای جلوہ کو زیوک شوخ شنگ   کبک دری طاؤس دایوق البتہ یو رفتار و نگ

مولانا حاجی موعندی[3]

از آدمی زادگان شہر سمرقند ست، اگرچہ در بعضی اوقات از و چیزہاء غریب سر می زد، اما این بیت از و خوب واقع شدہ ؎

او ختشاتی قامتیکنہ صنوبر نی باغبان   بیچارہ پیلما و یکہ الف دین یتا قتی

---

[1] "لطف" در نسخہ ترکی ب   [2] نسخہ ترکی ب افزودہ "قیی معلوم ایماس دا دور"

[3] نسخہ ترکی ب "مرحاے سوغدی"

دق ۳۰ ل ، قبرش نزد ملک اوست

نورسعید بیگ

از خوارزم بود و قوت و لطافت طبع از اشعارش معلوم می شود، این مطلع از وست ؎

مارا درین دیار تو ئی دلنواز و بس
داریم از تو گوشهٔ چشمی نیاز[1] و بس

قبرش در مرو در جوار خواجه یوسف همدانیست،

پهلوان حسین[2] دیوانه

دیوانه تخلص می کرد، فی الواقع مرد ابدال وش بوده، رندی و نامرادی هم داشت.
خالی از لطافت طبع نبود، این مطلع از وست ؎

طوبی مثال سروی و شمشاد قامتی
من وصف قامت تو چگویم قیامتی

در قراباغ مقتول[3] شد

مولانا صانعی[4]

از ولایت باخرز بود، بیشتر مثنوی می گفت، در تعریف مخدومی این بیت از مثنوی

---

[1] نیاز (کذا)
[2] "پهلوان حسن" در نسخهٔ ترکی ب [3] منتول (کذا)، [4] خواجه علاء الدین علی الصانعی، در ابتدا رحال با مر وزارت سلطان حسین بیقرا رسید اما چون بر عجزه و رعایا ظلم و تعدی جایز می داشت، مزاج میر علیشیر نوائی از و متغیر گشت، و در ان اوقات خواجه این بیت نوشت ؎ ذوالکرسی تو و معرکهٔ ضربت شمشیر : معلوم شود قوت بازوی علی شیر.
این معنی سبب از دیاد کدورت شد و بفرمان سلطانی معاتب و معاتب گشته تا شش سال در زندان بماند خواجه صانعی در مدت حبس اکثر اوقات را به کسب فضایل مصروف ساخت، قرآن پاک را حفظ کرد و کتب متداوله را بمطالعه آورد (ترک حبیب السیر ج ۳ ـ جزء ۳

ص ـــــ ۲

اوست ؎

بتو ہرکہ او دعوی می کند　　چہ دعوی کہ بی معنی می کند

[ترا میوه شیرین او راست تلخ　　چو سیب سمرقند ایوای بلخ[1]]

وزیر بود، بسبب ظلم و بدنفسی بسیاست پادشاه رسید، قبرش در رزه است، این بیت نیز از وست ؎

تا فراق تو مرا دلشده را پیش آمد　　بصد اندوه و غم و درد و بلا پیش آمد[2]

خواجه مسیّب

از صانعی عجیب تر و غریب تر بود و از غفلتی که داشت، بمسلمانان کم نظلم بهار

---

[1] دراصل محذوف، از نسخهٔ ترکی ب افزوده شد

[2] این ابیات برحاشیه : ولہ

دل اسیر عشق و جان در کنج غم　　گشته ام حیران کار خود عجب

ولہ

چون نبود از دل پر درد رساندم ناله　　جگرت خون شد و از سنگ برآید لاله

ولہ

شبها براه یار مرا شعلهای آه　　باشد بسان مشعلها پیش پیش شاه

ولہ

آنچه عمدا نشنود گوش تو فریاد منست　　وانچه هرگز نگذرد بر خاطرت یاد منست

ولہ

شمع اگر دعوی کند با روی بزم آرای او　　در طریق عشق باید سوخت سرتاپای او

ولہ

چون کشی تیغ ز شرم تو سراندازم پیش　　چکنم پیش کشی نیست مرا پیش از پیش

ولہ

چو آید صورت آن ماه عالمتاب در چشمم　　نمی آید ز شادی تا سحر گه خواب در چشمم

ولہ

مغنی ساز کردی نغمه و بنواختی ما را　　بتشریف حضور خود مشرف ساختی ما را

ولہ

ای ز جور تو دل افگار و جگر ریش مرا　　لطف فرما و ببخش از کرم خویش مرا

عجب بستہ بود کہ ناگاہ از دیوان قنقنابی واسطہ موجب سیاست شد، و مردم از شر او خلاص شدند، این مطلع از وست ؎

گذشت عمر ز غفلت من آن چنان مستم (ن ۳۰ ب) کہ ہیچ توبہ نکردم کہ باز نشکستم

قبرش در خانۂ اوست۔

مولانا بلالی[1]

ندیم پیشہ و شیرین گوی بود، این مطلع ترکی از وست کہ ؎

جان کو نکلومنی صفا اوتی سلہ گوید ور ود نگمز

ایلہ کیم کول بولدوم من دین کوسکل تنندور دو نگمز[2]

میر سعید کابلی

خالوی فقیرست، طبع خوب دارد، بنظم ترکی میل او بیشتر است، این تجنیس ترکی از وست ؎

ای حب در یتسا مگر کر یازہ میز کل ع اقیدا خماری یازہ بیز

کر من اوسام تربتم تننک ناشیغہ کشتہ پر شوخ ایر وردیب یازہ بیز[3]

امیر علی کابلی

برادر میر سعید کابلی بود، غریبی تخلص می کرد، جوان خوش محاورہ و خوش خلق و

---

[1] نسخہ ترکی ب: "بلال" [2] نسخہ ترکی ب افزودہ: "ہری دا فوت بولدی قبی خواجہ طاق کورستانیدا دور"

......

خوش طبع بود و اکثر سازہا خوب می نواخت و خطوط می نوشت و از علوم موسیقی خبردار بوده، پادشاہ دربارۂ او التفات بسیار داشت، این مطلع ترکی از وست مطلع

وردو و حالیم دین اگر غافل اگر اکاسین
ہیچ غم یوق کیم منگا سین دلبر و دلخواہ سین

این مطلع فارسی ہم از وست ؎

چشم بیمار تو ہر دم ناتوانم می کند — لعل جان بخش تو جانا قصد جانم می کند[۱]

در سمرقند بمرتبہ شہادت رسید[۲]

درویش بیگ

پسر میرزا علی ایکو تیمور ست، نسبش خود بر اہل عالم ظاہر ست ع

"در حسب نیز از نسب کم نیست"

جوانی است (ق ۱۳۱ ا) بحسب و نسب آراستہ و طبعش بحلیۂ نظم و خوبی پیراستہ این مطلع (ق ۱۳۱) از وست[۳] ؎

بہ بین نفیر فقیری کہ کشتۂ ستم است — کہ آتش دل و از ناوک توش قلم است[۴]

(بقیہ حاشیہ صد ۹۲) [۳] نسخہ ترکی ب افزوده "سلطان ابوسعید میرزا ایکی دا مرخس قورغانیدا شہید بولدی تبری شہروا دور" [۴] نسخہ ترکی ب : "محمد علی" -

(حاشیہ صد ۹۳) [۱] نسخہ ترکی ب افزوده : "سلطان صاحبقران خذمیتدا القربت اختیار قلیب سمرقند دا قانغاندا اغاسی ملک قاتلی انی ہم شہادت غہ تیکوردی قبری معلوم ایماس" [۲] ارو دکذا ، [۳] این بیت در نسخۂ ترکی ب بالفاظ دیگر آمده ؎ بہ بین بفیر شہید نگہ کشتہ ہمت کز آتش دل از ناوک تو این علمت

میرزا بیگ

در ... نسبت، اخلاق خویش یگانهٔ سمرقند و خراسان بود و در سپاهی گری سر آمد پابک سواران، ... از نقود معانی غنی و طبعش ازین تعریف مستغنی بود، این بیت ترکی از ... است نظم

کوزونک نه یلا قرا بولوب دور کیم جانغه قرا بلا بولوب دور

ذو القافیتین[1] است و قافیهاش طرز و ملس واقع شده، جواب گفتن پیش فقیر از محالاتست، اگرچه بر زبان[2] و امثال این ابیات بسیاری گذشت[3]، اما او هرگز پروا نمی کرد و بر جای نمی نوشت، ولی این مطلع او را فقیر تمام کرده در دیوان خود نوشتم، مرقدش در سمرقند، در مدرسهٔ امیر احمد حاجی است[4]،

امیر سید حسین اردشیر

... بدین فقیر بمثابهٔ پدر بود و درمیان ترک و تاژیک از و تمامتر کس

(بقیه حاشیه ص ٩٣) نسخهٔ ترکی بیت افزوده . ابنای سننی دا ... کنی یوق ایردی حیف تو رحیف اندین سم تاش کنت یوروشبدا مقابع بولغاندر ارا سد آلتف یلدی جون تنا سید بیذ غرتی بولدی فنری معین ایماس"

(حاشیه ص ٩٤) [1] ذو القافیتیں (کذا)، [2] بر زبان (کذا)، [3] گدشت (کذا)،

[4] نسخهٔ ترکی ب "محفوظ سید امیر احمد حاجی بیک سلمه الله مدرسه سیدا متعین مدفن لا ... دور ... روضهٔ جنان و روضهٔ فردوس، علی و امکان بولسون" - امیر احمد حاجی، در زمان سلطان حسین بیقرا، ایالت هرات و بعد ازان سمرقند تعلق به او داشت [سفینهٔ خوشگو (خطی) ج ٢ - ق ١٥ ب ؛ حبیب السیر - ج ٣ - جزء ٣]،

ندیدم، طبعش در تصوف خوب بود و در ایام جوانی علم ظاہر را اکتساب نمود و ہرچند سلاطین در حضور تربیت او شدند اجتناب کرد، اما سلطان صاحب قران از غایت لطف بامور سلطنت دخل داد و تربیت (ق ۱۳۱ ب) کلی کرد چون بالطبع جانب فقر[1] میل داشت، عاقبت (ق ۱۳۱ ب) قدم بہمان وادی نہادہ در خدمت مولانا محمد بتادکانی چندین اربعین نشست و مقاصد معنوی بسیار حاصل کرد و در ایام رندی و ناقش میان رندان خرابات بود و دران کارکسی ازو بہتر اقدام نمود این قطعہ دران فرصت گفتہ بود، بیت:

چہ خوش باشد صبوحی با دلارام | لبالب از قدح در دم کشیدن
چو غنچہ ہردو در یک پیرہن تنگ | بہم پیچیدن و درہم کشیدن[2]

---

[1] فقیر (کذا)،

[2] حال وی در نسخہ ترکی ب مفصل تر آمدہ " اما تقوی حاغیدا بو ترکیچہ بیت ہم اینک دورکیم:

الہی نور عرفاندن لوکل کا بر صفا برگیل | کہ عصیان ظلمتی الحسرہ خراب احوال حیراندور

مبارک مرقدی میان دو جوی دا کارزنگاہ یولیدا اوز اتاسی حظیرہ سیدا کنیذی دا دور"

مجلس سیوم

ذکر لطایف مخادیمی کرده است که بعضی را بملازمت می رسیده و بشرف قدوم بعضی مشرف میگردیده

از انجمله آفتابی که زبان یارای عالم آرایش مباهی و اهل زمان را شرف نامتناهی میسرست و محیطی که از لطایف طبع گوهر زایش جیب اهل دوران پر از لولو لولو مکنون و در اظهرست

حضرت مخدومی شیخ الاسلامی[۱] مولانا عبدالرحمن جامی[۲] مدظله

است که تا جهان باشد نتایج خاطر انور آن حضرت از جهانیان کم نگردد و سر سرور جماعتی که درین مختصر مذکور می گردد و بهتر و مهتر گروهی که درین رساله مختصر مسطور می شود آن جناب است، از

---

[۱] نسخ (کذا)، [۲] مولانا نورالدین عبدالرحمن الجامی بن نظام الدین احمد بن شمس الدین محمد الدشتی الاصفهانی، در خرجرد جام در ۸۱۷ھ متولد گشت. در تصوف از خواجه عبیدالله احرار (متوفی ۸۹۵ھ) و شیخ سعدالدین کاشغری (متوفی ۸۶۰) کسب فیض نمود، در اول حال، نزد سلطان ابوسعید می بود، اما بعد از قتل وی رجوع به سلطان حسین بیقرا کرد و تا مین حیات آنجا بسر برد و با میر علی شیر مصنف این کتاب روابط مخلصانه و عقیدتمندانه داشت، باین طور که چون جامی از دار فنا به منزل بقا رحلت گزین شد، میر علی شیر جنازهٔ وی را بدوش خود برداشت، وفاتش در ۸۹۸ھ واقع افتاد [برای تفصیل احوال رک تذکره دولت شاه ص ۴۸۳: حبیب السیر - ج ۴ - جز ۳ - ص ۳۳۷ - روضة الصفا - ج ۷ - ص ۴۷: هفت اقلیم (خطی)، سفینهٔ خوشگو - ج ۲ - ق ۱ (خطی) نشتر عشق (خطی) - آتشکده

نوشتن اسم مبارک ایشان سراسر دلکش و صفحۂ خاطر از نظم روح پرور ایشان (ق ۱۳۲) (ق ۱۳۲ ل)
مزین و منقش است و درین اوراق چند بیتی ثبت[۱] کردن مناسب نبود، ہر آینہ بدین رباعی
بدعا ختم می کند رباعیہ

یارب بو معانی در سک عمانی بو دانش و فضل و گوہری نیک کانی
کیم ایلادینگ آنی اہل عالم جانی عالم ایلکا بو جانی ہمت ارزانی[۲]

[چون ابیات میر اگرچہ ترکی ست اما قریب الفہم است، امثال این رباعی یا بیتی کہ باشد
فارسی کردن لایق نبود]

امیر شیخم سہیلی[۳]

از مردم متعین ممالک خراسانست و از خردی باز آثار طبع و نمودار ذہن ازو ظاہر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۶) مجمع الفصحا: ریو - ج ۲ - ص ۶۴۳: برون - تاریخ ادبیات ایران - ج ۳ - ص ۵۰۷ وغیرہ، بابرنامہ (ترجمہ انگلیسی بیورج، ص ۲۷۱، ۲۷۷، ۲۸۵، ۳۰۵، ۲۸۳، ۲۸۶، ۶۲۰ وغیرہ]

(حاشیہ صفحہ ۹۷) ۱ھ تیت (کذا) ۲ھ در نسخۂ ترکی ب افزودہ: "طرفہ بود در کیم خواجہ محمود تیابادانی کیم ہر قرن اول حضرت نینگ مخصوص ملازمی ایردی نظم لاریدن بر بیت بیلماس سلہ ہم نظم ایماس و نثر لاریدین بر نکتہ فہم قیلماس ملسہ ہم مقصود غہ موافق دیماس بارک اللہ کمال قابلیت مونچہ بولغای" ۳ھ نظام الدین امیر شیخ احمد السہیلی، در تصوف معتقد شیخ کمال الدین حسین گذرگاہی بود، ملا حسین واعظ کاشفی بہ ایمای وی انوار سہیلی را تالیف نمود، در بابرنامہ او را شیخم بیگ گفتہ۔ صاحب دواوین ترکی و فارسی بود و مثنویات ہم گفتہ، غالباً در ۸۱۹ھ از عالم فنا بہ دار بقا شتافت [سوک بابرنامہ (ترجمہ انگلیسی بیورج) ص ۲۷۷: ۲۸۶: بابرنامہ (طبع بمبئی) ص ۱۱۰ - تذکرہ دولت شاہ - ص ۵۰۹، سفینۂ خوشگو (خطی) - ج ۲ - ق ۵: ریو - ج ۲ - ص ۷۵۶]

واخلاق حمیده و معاش پسندیده از اطوار او باهر بود، بخدمت سلطان ابوسعید میرزا افتاده و ملازم مخصوص گشت و اشعار او شهرت یافت و حالا از مدت بیست سال زیاده است که در ملازمت سلطان صاحب قران بمناصب رفیع و مراتب اعلا مشرف است، چنانچه [در] همه امور مالی و ملکی مشارالیه و معتمد الیه، و بر زبلوجه امارت سائی است و بمسند تقرب متمکن، و هیچ امر نا لایم منسوب نیست و دین و دولت چنانکه انتظام حالش درجه جلال یافت، احوال نظمش نیز اوج جمال گرفت، این مطلع قصیدهٔ عیدیه او خوب واقع شده ے

شهای دل که دگر بار بصد زیب و جمال (ق۳۲ب)　　گردن شاهد عیدیست در آغوش هلال　(ق۳۲ب)

و این مطلع نیز از وست که **مطلع**

دل چو شکستهٔ مران عاشق خسته حال را　　سنگ جفا چه می زنی مرغ شکسته بال را

در لیلی و مجنونش در صفت بیماری لیلی این بیت خوب واقع شده ے

گوی ذقنش ز حال گشته　　مانندهٔ سیب سال گشته

احیانا بشعر ترکی میل می کند این مطلع ترکی از وست ے

زیدایلی تسبیح دیب حیران قالور او باش ارا　　رشتهٔ جهیم نی کورسه قطره قطره باشش

چون [از] اول حال تا اکنون بدین فقیر التفات و اتحاد دارد، اگر زیاده ازین تعریف او کرده میشود، تعریف خود کرده، ازین سبب اختصار کرد،

مولانا سیفی[۱]

از بخاراست و از انجا آمده اکثر متداولات دیده و در اثناء تحصیل بنظم مشغول می گردید

---

[۱] مولانا سیفی عروضی بخاری (متوفی نزد ۹۰۹ھ) از تربیت یافتگان میر علی شیر است۔ صاحب دیوان بود، و

وطریق مثل را بغایت خوب گفت واشعارش مشهور شد، این مطلع از وست که ؎

دلِ وصف میان نازک جانان من گفتی نکو گفتی حدیثی از میان جان من گفتی

وبرای اہل صنعت وحرف نیز لطایف بسیار نظم کردہ و دران فن مخترعست[1] واین بیت ازان جمله است ؎

بت پرداز کردم (؟) گو بکسان میساند هیچ بر حال من خسته نمی پردازد

رساله معما نیز نوشته باسم قبول این معما از وست ؎ (ق ۳۲ ا) (ق ۲)

بسکه دل هردم بسوی زلف جانان میشود تا دل خود جمع میسازم پریشان می شود

مولانا در هوشیاری بسیار جوان باحیا و ادبست اما در سرخوشی ماهیه دیگر بلکه[2] نیم رسوا می شود درین اوقات بتوبه موفق شد، امیدست که باستقامت هم موفق شود[3]

مولانا آصفی[4]

پرورش در دیوان وزارت پادشاه زمان مهر زده وطبعش چندانکه تعریف کنند هست

(بقیه حاشیه صد ۹۶) بمثنوی میل کمتر می نمود، صاحب رساله موردف در عروض است [ساک حبیب السیر ج ۳ - جز ۳ - ص ۳۴۱، ۳۴۲ : هفت اقلیم (خطی) ، بابرنامه (ترجمه انگلیسی بیورج) - ص ۲۸۸ ، بابرنامه طبع بمبئی ، ص ۱۱۴ : ریو - ج ۲ - ص ۵۲۵ : سفینه خوشگو (خطی) ج ۲ - ق ۸ ب]

(حاشیه صد ۹۹) [1] مخترعست (کذا) [2] بلکه (کذا) [3] برحاشیه این بیت هم اندوست :

در حالت تکلم از نازکی زبانش برگ گلیست گویا در غنچه دهانش

[4] خواجه آصفی بن خواجه مقیم الدین نعمت الله قهستانی ، شاگرد مولانا جامی بود ، مدتی در صحبت سلطان بدیع الزمان بسر می برد ، در سن وفاتش اختلاف بسیار است - اقرب که در سنه ۹۲۳ھ وفات کرد ، صاحب دیوان بوده

وحافظه اش نیز خوبست ، نه طبع خویش و نه حافظهٔ خود را کار می فرماید و اوقات خویش به عنائی و خویشتن آرای می فرماید ، این نوع صفاتش بسیار است ، اگر شرح شود بطویل می انجامد ،

ابیات نیک دارد ، این مطلع از وست ؎

زبخت بدوی می محتسب زدی گذشت   رسیده بود بلای ولی به خیر گذشت

این مطلع ترکی هم از وست که ؎

بو بلارا کوزدین اول ارام جاندین کوره مادیم   بکی کوزوم دین بجانیق کوردوم آندین کوره مادیم

باسم بهمن این معما از وست ؎

ای برسم سمند تو سرهٔ سروران   افگنده سروران جهان لا بسروران

انشاء الله براه راست آید در تتبع غزل مخدومی که ؎

خاست هر سو فتنهٔ گوئی فتنه جوی من رسید   برسمند ناز ترک تند خوی من رسید

این مطلع نیز از وست که ؎

۹۳) تازه رسر چین در ابرو تند خوی من رسید (ق ۲۳۳ ا) فتنه را سر کرده اینک فتنه جوی من رسید

درین غزل تتبع این بیت که ؎

ز آسمان هر سنگ بیدادی که آید بر زمین   گر زبخت بد به مدکان بر سبوی من رسید

چنین گفته است که ؎

هر طرف چندین سبوکش دارد این دیر خراب   زان میان سنگ ملامت بر سبوی من رسید

(بقیه حاشیه صـ۹۹) مصنف آتشکده یک مثنوی در جواب مخزن اسرار نظامی بدو منسوب می کند [ر ک حبیب السیر ـ ج ۳ ـ جز ۳ ـ ص ۳۱۶ : هفت اقلیم (خطی) ، سفینه خوشگو (خطی) ـ ج ۲ ـ ق ۱۰ و : خزینهٔ گنج الهی (سپرنگر ص ۱) : ریاض الشعرا (خطی) ، مجمع النفائس (خطی) : ریو ـ ج ۲ ـ ص ۶۵۱ : فهرست بانکی پور ج ۲ ـ ص ۱۰۵ عدد ۲۱۹] ،

در جواب این مطلع که ؎

مجنون که کوه و دشت پر از خون آل کرد　　　هر جا که رفت خانهٔ لیلی خیال کرد

این مطلع او بغایت خوب افتاده ؎

مجنون لباس کعبه سیه دید و حال کرد　　　گویا پلاس خانهٔ لیلی خیال کرد

این مطلع او بغایت مشهور است ؎

ما آئینه برابر نکنیم آن رو را　　　حیف باشد که درین دائره داریم او را

این مطلع نیز تتبع[1] شاهی علیه الرحمه است ؎

بسی خود را در آب دیده چون ماهی وطن دیدم　　　که تا قلاب زلفش را بکام خویشتن دیدم

مطلع امیر شاهی اینست ؎

خوش آن شب کان مه رخسار و زلف پرشکن دیدم　　　بهار عارضش را بهره بر گرد [illegible]

[گویند[2] میر دایم این بیت می خوانده ؎

بدین جان بلاکش کس نکردست آنچه من کردم　　　درین چشم سیه روکس ندیدست آنچه من دیدم]

مولانا بنائی[3]

از اوساط الناس است و مولدش از شهر هرات و قابل است، اول بتحصیل مشغول شد و رشد تمام کرد (ق ۳۴۹) اما زود برطرف ساخت و بخط عشق پیدا کرده باندک فرصت نیک نوشت و بفن موسیقی میل نمود زود آموخته شد، کارها نیک تصنیف کرد و در ادوار دو رساله نوشت اما بواسطه عجب و تصور باطل در دل مردم مقبول نشد و طریق فقر اختیار کرد

---

[1] تتبع (کذا)　[2] زیادة از فخری　[3] مولانا کمال الدین شیرعلی بنائی بن استاد محمد خان معمار الهروی عالم و

و ریاضتها کشید و چون بی پیر بود کاری بسر خود کرد فایده باو نرسید، و از طعن مردم دهری نتوانست بود بعراق رفت، و دران دیار نیز اخبارش بهمین طور آمد چون جوانست و مقبل و شکستگی و غربت دید، امیدست که بنفس او هم شکست رسیده باشد، بهر تقدیر این مطلع ازوست که مطلع

بسرمه هر که سیه کرد چشم یار مرا بسان سرمه سیه کرد روزگار مرا

مولانا کامی

از اوبه است و از خردی مولانا محمد بدخشی تربیت نموده، تحصیل او بجای رسید که مولانا از عهده سبق او بیرون نتوانست آمد و در تربیت او رجوع فرمود بدانشمندی بزرگتر چون سعادتمند تحصیل بسیار کرد، حالا طالب علم نیک است و اقعاً جوان بتواضع و ادب شد و مولانا را فی الحقیقت فرزندست، این مطلع ازوست که ــ

(بقیه حاشیه صفحه ۱۰۱) فاضل بود - در علم شاگرد محمد یحیی بن عبید الله بود، در موسیقی خط بهره وافر داشت، می گویند میان او و میر علی شیر نوائی منافرت بود، و بنابر آن علیه' بنائی ترک هرات و خراسان نموده' بعراق نزد سلطان یعقوب رفت، بعد چندی بنائی قصیدهٔ در مدح نوائی ارتسام نموده پیش او فرستاد اما این هم در دل وی راه پیدا نکرد بعد ازان بنائی از ترس او به ماوراء النهر شتافت، و این حکایت خالی از حقیقت نیست زیرا که اندازه بیان مهردین ، اوراق به مشعر بر آنست، صاحب دیوان و مثنوی موسوم بباغ ارم بود، در سنه ۹۱۸ھ بمقام سمرقند در قتل عام اسمعیل صفوی، کشته تیغ شد (ملاحظه کنید حبیب السیر ج ۳ - جزء ۳ - ص ۳۴۲ : هفت اقلیم (خطی) . مجمع النفائس (خطی) . ریاض الشعراء (خطی) خزانه عامره - نشتر عشق (خطی) : فهرست بانکی پور - ج ۲ - ص ۹۴ و مابعد - عدد ۲۱۵ و ذیل : سفینهٔ خوشگو (خطی) . ج ۲ - ق ۹۰ سا؟ .

۵۴ ترتیب (کذا)

کسی که او سرو دستار من چیند　　　دگر ز باغ چرا دستهٔ چمن چیند

این معما باسم نعمان ازوست ؎ (ق ۳۴ب)　　　رأ

گلی داد از گلستان خودم یار　　　که از برگش تو نام خود برون آر

امیدست که از مردم متعین شود[1]

مولانا عالم

دانشمندست و بدرس و افاده مشغولی می نماید، طبعش نیز بشعر ملایمت دارد روزی در سر دیوان قصهٔ بخواجه مجدالدین محمد عرض کرد و موافق مدعا عرضه داشت نیز بخواجه داد خواجه کاغذ مولانا را از هم بگشاد و باز ناخوانده درهم پیچید و جانب مخالفان رعایت کرد، مولانا این بیت دران محل گفت ؎

کار ما را خواجه مجدالدین محمد هیچ کرد　　　کاغذ ما را نخوانده آنروز و درهم هیچ کرد

این مطلع هم ازوست ؎

---

[1] [رک حبیب السیر - ج ۳ - جز ۳ - ص ۳۴۹] نامش مولانا کمال الدین شاه حسین کامی، این ابیات بر حاشیه: ——

گره اهل دل گشتیم چون افتاد مشکلها　　　که باشد کار درویشان گدای از در دلها

ولہ

آب از گل عذار تو چون یاد می کند　　　بر سنگ می زند سر و فریاد می کند

ولہ

تا که ای شوخ شمع بزم غم سازی مرا　　　تند بر من بگذری چون باد و بگذاری مرا

ولہ

نعمان که نیست غیر ماه مهربان مرا　　　ز آه من که سیه کرد خان و مان مرا

ولہ

زهی لب تو شکر بلکه شکرستانها　　　نبات ریزه ترا در دهن ز دندانها

ولہ

[illegible]　　　بر لب داغ نار، آبله بر خونست

گردی ز بهرم از خط ای ماه همچو نامه	آیم بسر برایت پیوسته همچو خامه

[این مطلع نیز در جواب حضرت مخدومی (جبیت "آن زلف سیه پیش رخش کافروخته است
شهپر جبریل از برق تجلی سوخته است") این بیت ازوست و حضرت مخدومی تعریف کرده اند و
خوب واقع شده ؎

هر طرف خلقی بروی‌ش چشم پر خون دوخته	نیست گل گل عارضش کز تاب می افروخته

این سه مطلع مشهور نیز ازوست ؎

چون ننالد زین همه پیکان که در پهلوی اوست	نالهٔ قانون چه من از غمزهٔ جادوی اوست

نکو رفتی غمی برداشتی از روی جان من	فگندی ای صبا برقع ز روی دلستان من

گوشهٔ چشمی بحال ناتوانی داشتی]	(ق ۱۳۵ و) از وفا گر آن کمان ابرو نشانی داشتی (ق ۱۳۵ و)

مولانا حسن شاه[۱]

از شعراء قدیم است و از زمان شاهرخ سلطان تا بدین فرخنده زمان برای اکثر سلاطین و
اکابر هم مدح و هم مرثیه گفته "این مطلع ازوست ؎

سخن زان دهن بخواهم گفت	از لبت یک سخن بخواهم گفت

ندیم شیوه و طبعش بهزل مایل است اشعار او در هزل بسیار مشهور است از آنجمله برای مطهر عودی که خراو
جهت نتایج نیک مردم "بر خر خود جهانیده" باد زری دادند ؎

تجنیس را کی مطهری توان گفت	مطهر هست اسم بی مسمی
پس او را گیدی خری توان گفت[۲]	خمرش بر خر جهید او زر ستاند

---

[۱] زیادة از فخری [۲] مولانا حسن شاه هزال و متوفی ۹۰۹ھ است [برای تفصیل احوالش نگاه کنید حبیب السیر -
ج ۳ - جزء ۳ - ص ۳۴۰ هفت اقلیم (خطی) وغیره]

[۳] بر حاشیه این بیت از مولانا حسن شاه ؎

چه بودی گر شدی او هم چو عیسی بی پدر پیدا	زغیرت سوختم چون با پدر شد آن پسر پیدا

مولانا شامی

از دامغان ست، بسیار تحصیل کرده و متداولات را مکرر گزرانیده، اما در اسامی موالی در نیامد، بعد ازان بطب مشغول شد و اکثر کتب معتبر را دیده هم در سلک اطبا پیوست، شعر را نیک می گفت ولیکن ملا نه داشت که شعر خود بنویسد، بر هر تقدیر این مطلع ازوست ؎

دیده را گفتم که در رویش بگستاخی مبین گفت گستاخی نباشد عین مشتاقیست[1] این

مولانا عبدالله [ہاتفی][2]

درخدمت مخدومی نورا می باشد بلکه از خویشان نزدیک اوست (ق ۳۵ب) و رق ۳۵ب
از سایر اصناف شعر بمثنوی مایل ترست، اگرچه در اوائل جوانی که شعبه ایست از جنون نامِلائمی داشت، حالا اوقاتش مضبوط و مقالاتش مربوط معلوم می شود، و بجای ناز نیاز زوا در مقابلهٔ سوز گدازانه جلوه می دهد، و درین تاریخ که این رساله نوشته می شد از خمسه جواب

---

[1] مشتاقت (کذا)۔ [2] مولانا عبدالله ہاتفی خواهرزادهٔ مولانا عبدالرحمن جامی بود (متوفی ۹۲۷ھ) [مآک حبیب السیر - ج ۳ - جز ۳ - ص ۳۴۶: ہفت اقلیم (خطی)، مجمع النفائس (خطی)، آتشکده - مجمع الفصحا - نشترعشق (خطی)، - بانکی پور - ج ۲ - ص ۱۱۲ - عدد ۲۲۲ و ما بعد: ریو - ج ۲ - ص ۶۵۲ - سیر نگر ص ۴۲۱: سفینهٔ خوشگو (خطی)، ج ۲ - ق ۱۳] علاوه بر مصنفاتی که درین جا در شمار آمده - یک مثنوی فتوحات شاہی بنام شاه اسمعیل صفوی هم بصورت ناتمام ازوست،

[3] ظفرنامهٔ تیموری بنام تمرنامه یا تیمورنامه هم اشتهار دارد،

لیلی مجنون و خسرو شیرین و هفت پیکر گفته بود و در مقابلهٔ اسکندر نامه بنظم ظفرنامه[1] اشتغال می نمود، و شعرش درمیان مردم مشهور، و رواجش نامقدور است، در نعت این دو بیت ازوست ؎

نبوت را توئی آن نامه درمشت | که از تعظیم دارد مهر بر پشت

در تعریف جنگ این بیت او را هم می خوانند ؎

فتاده دران پهن دشت درشت | سرنا تراشیده چون خار پشت

مولانا درویش مشهدی

می گویند سفیه و بد زبان بوده، و بعضی عزیزان را هجو ها بد کرده، از و عجب نباشد[2] چراکه هرچند گویند طرف بدی نیک می رود، فقیر از و جنون و آشفتگیها دیدم، اما از هجو چیزی ظاهر نساخت و در سایر نظمها یک نوع طبع دارد، این مطلع ازوست ؎

آنکه از ابروی او دید مه عید اثری | رفت سالی که ازان ماه نیامد خبری

(ق ۱۳۶ ر) [آنچه حضرت میر از سفاهت و بد زبانی او فرموده، صد چندان است اما مردم او را (ق ۱۳۶ پ)
بدین مطلع درویشانه معاف می دارند ؎

الهی شیوهٔ روزی کن این نفس سگ آسا را | که از در هر دونان بهر نان خلاص کند ما را]

مولانا خرمی

از آزادگان شهر هرات است، اما از آدمی گری در و اثری نیست و بسبب بد مزاجیها

---

[1] ظفرنامه تیموری بنام تمرنامه یا تیمورنامه هم اشتهار دارد، [2] زیادة از فخری،

خود در شهر نتوانست بود بعراق رفت و از انجا عزیمت مکه و مدینه و بیت المقدس کرد و دران ممالک پیاده بخدمت مقابر اکثر انبیا و مشایخ رسیده بلکه دو بار بدین سعادت مشرف و سرافراز گردیده، اما بواسطهٔ بی دولتی که در ذات او بود چون باز آمد از اول بدبختی و بدفعلی بیشتر نمود، القصه از مداحی او زبان عاجزست و باوجود همه طرفگیها شعر نیز می گوید و دران فن کسی را پسند نمی کند، این مطلع از وست ــ

آوازهٔ رخ گل تا باز بر نیامد — در بوستان ز بلبل آواز بر نیامد

سیّد قراضه

ازشیرازست، در صورت طالب علمی بخراسان آمد و بغایت نامراد و واجب الترحم بود، این فقیر بعز یزان سفارش کرده در شفقت او کوشیده، چندانکه ممکن و مقدور بود، در اندک فرصتی چیزها غریب از و سر بر زد، عاقبت کارش آنجا رسید که اینجا معاش نتوانست کرد، رفت بد معاشی بسمرقند کشید، چنان معلوم شد که آنجا بعد خوبی اینجاست، کارها او زیاده ازانست که (ق ۳۶ ب) شرح توان کرد، باری هرچه (ق)
باشد این مطلع از وست که مطلع

دگر آن فصل شد که لاله بزم شمع در گیرد — گل رعنا شراب لعل گون در جام زر گیرد

[مولانا غیاث الدین حنفی که شرح احوالش در مجلس نهم گفته خواهد شد، گفت این مطلع را چنین خوانند که ــ

رسید آن دم که بلبل در چمن مستی ز سر گیرد — گل رعنا شراب لاله گون در جام زر گیرد

ـــه زیادة از فخری

خوبتر است[۱]

مولانا مقبلی

از ولایت ترشیز بود و مرد ندیم شیوه و حکمت در مجالس بمثال او نظیر آوردن مثال ونظیر نداشت ، این مطلع از وست که ؎

محتسب می گفت دی از روی حال　　باده ارزان شد کجائی زر حلال

مولانا شوقی

از ولایت جیجیک[۲] است ، طبعش خوب و صحبتش مرغوبست ، این مطلع از وست

؎ با غیر دیدمت بسخن گشت[۳] آن مرا　　لب را چو بستی از سخن آسوده جان مرا

درویش حسامی[۴]

در اصل خوارزم است این مطلع ترکی از وست ؎

---

[۱] در نسخهٔ ترکی ب تذکرهٔ "سید قطب الملک سمرقندی" آمده که در لطایف نامه نیست [۲] ججک (کذا) ؛ نسخهٔ ترکی ب "ججکتو" یا طالقان [رک لیسترنج ص ۴۲۳] ؛ خوشگو در سفینهٔ خویش می گوید "از اکابر شعرای بلد بوده در عهد سلطان حسین میرزا ظهور یافته ، تا دم مرگ نشأ عشق مجازی بود ، چیلی طبع رسا داشت ، با اکثر شعرای عصر معارضه ها داشته ، غالب اوقات رباعی می گفت [رک سفینه ، خطی ۲۰۲ ، ق ۸ الف ؛ هفت اقلیم]

[۳] کشت [۴] در نسخهٔ ترکی ب تذکرهٔ حسامی نیست - وفاتش در ۹۳۰ تا یکی در ۹۳۲ اتفاق افتاد [رک تقی خلاصة الاشعار ، سید محمد ، ص ۲۱]

مولانا ضیاء تبریزی[۱]

مرو شیرین حرکات و مقبولست و از جهت جنه اش اصحاب را بسط نیز می شود و از تبریز بهرات آمده نش بسبب تحصیل بود (ق ۹۲۷) و در اثنای تحصیل بشعر مشغولی کرده چنانچه [...]

---

[۱] بر حاشیه این ابیات :-

من بیدل بکوی آن پری چندانکه بنشستم … کسی نگرفت غیر از داغ عشق او سر دستم
ولهٔ
بسکه اعضایم کبود از سنگ آن سیمین برست … کس نمی دانم منم یا تودهٔ خاکستر است
وله
خلق جمع اند بنظارهٔ چشم تر ما … بروای اشک و بران معرکه را از سر ما
وله
همچو نی در غم او چهرهٔ زردی دارم … گر بنالم عجبی نیست که دردی دارم
وله
فغان ای دوستان کان لعل شیرین را هوس ما را … بکشت و هیچکس بر سر نیامد جز مگس ما را
وله
در بیابان غم از تشنگی ام داد نجات … زخم تیغ تو که چشمهٔ ز دریای حیات
وله
خیز تا از کنج عزلت سوی آن مه رو رویم … او بسوی ما نیاید ما بسوی او رویم
وله
گر محراب وید از گوشه آن طاق ا... [حاشیه مقطوع - این بیت و چند ابیات دیگر هم در زیر حاشیه آمده]
وله
حسامی را ز شاهان مجازی نیست (؟) … چرا کز گنجهای زنده او هم لشکری دارد
وله
عالم آب که بیرون برد از دل غم را … غم نداریم اگر آب برد عالم را

[۲] ضیائی تبریزی یا اردوبادی (متوفی ۹۲۰ھ) [مراک تقی خلاصة الاشعار (اسپرنگر ص ۲۰) ؛ خزینهٔ گنج الٰهی (اسپرنگر ص ۸۰) ؛ نشتر عشق (خطی)].

خوب اورا روی نمود و این مطلع از وست ـــه

خوش آن ساعت که آید شد من شمشیر کین با او رقیبان جمله بگریزند و من مانم همین با او

با سم خلف این معما ترکی از وست ـــه

ای درد کش دردبادۀ دین خالی بلوب دو بورتنکر تا تو تعالی خمخانه دین) بر گوشه بز بر گوشه سیز

مولانا خلف تبریزی[۱]

از شیخ زادگان[۲] انجق[۳] است، خلق پسندیده و فهم و فراست بسر حد کمال رسیده بواسطهٔ تحصیل از مولد خود بشهر خراسان آمد و حالا مصاحب بدیع الزمان میرزاست و باسم عبدی این معما از وست ـــه

صد شکر که وصل دوست واقع شد باز نور[۴] دل و آب دیده مانع شد باز

خورشید بدیع ما اگر غائب[۵] بود طالع مدوے نمود و طالع شد باز

مولانا محوی[۶]

از آدمی زادگان خراسانست و طبع خوب دارد و بعضی اوقات خاطر خود را بتحصیل نیز می آرد اما باز هوا و هوس جوانی و مصاحبت یاران پریشان او را آشفته و بی سروسامان

---

[۱] بریزی (کذا)، [۲] زادگان (کذا)، [۳] انجق - نزد نخجوان در آذربیجان [مارک لیسترینج - ص ۱۶۷]
[۴] "سوز" نسخهٔ ترکی ب [۵] غایب (نسخهٔ ترکی ب)، [۶] مولانا محوی هروی (متوفی ۹۲۸ھ)
[تحفهٔ تقی خلاصة الاشعار (سپرنگر ص ۲۱)؛ خزینهٔ گنج الهی (سپرنگر ص ۸۴)]

می سازد، این مطلع از وست مطلع

دودی که از دل من در شام غم بر آید بر یاد طرهٔ او به پیچ و خم بر آید

این مطلع نیز از وست که مطلع

ترکیب تن خاکیم از لای شراب است جمعیت ما در قدم بادهٔ ناب است

مولانا نرگسی[1]

از هری است و تخلص[2] مذکور (ق ۷۳ب) نظم نمی گفت، آنرا به آهی تبدیل داد جهت را آنرا پرسیده شد، جواب نیک نتوانست گفت و هرجا که اندک معنی باریکی می بیند بتصرف کردن عادت کرده، انشاءالله چنانچه تغییر تخلص کرده تغییر آن عادت کند، این مطلع از وست

بیاض صفحهٔ رخسار او از مه فزون آمد گشادم فال مصحف سورهٔ یوسف برون آمد

[این[3] مطلع ترکی هم از وست

جان اولور خالی بلاحت زین لب خندانیدا حس ایمیش کیم تور بلور لور هربی تو شار توزکانید]

مولانا سایلی[4]

از مردم نیک عراق است و در خراسان فضایل بسیار کسب کرده اول بشعر مشغولی کرد

---

[1] [تحفهٔ سامی، خزینهٔ گنج الٰهی (اسپرنگر ص ۸۵)؛ سفینهٔ خوشگو (خطی)، ج ۲- ق ۱۶ب: هفت اقلیم (خطی) ملا نرگسی از ولایت ابهر بخصال حمیده و افعال پسندیده موصوف بود. با ملالی مناظره ها داشت و صاحب دیوان است (متوفی سنه ۹۳۰ھ)

[2] مجلس (کذا)

و آخر بمعا و خط کوشیده و اکثر سازها خوب نواخت و در موسیقی کارهانیک ساخت، هم سلامت نفس وارد و هم سلامت طبع، این مطلع از وست ؎

چنان بصورت آن آفتاب حیرانم　　که تیغ اگر زندم چشم خود نپوشانم

باسم امان این معما از وست ؎

نگارم اشارت بلب می کند　　اگر دیده نامش طلب می کند[۱]

مولانا جنتی

از خراسانست، طبعش بد نیست، اما بیچاره عقل ندارد و هم طالع، این مطلع از وست

؎ مطلع

بی خوردن چو ساقی ساغری را دهن پوشد　　چه شد کانرا بسرپوش سواد چشم من پوشد

مولانا انوری[۲] (ق ۳۸ ب)

(۳۸ب)

از جانب بلخ است و چون آشفته مزاجست گاهی سودایش غالب می شود که مزاج او

(بقیه حاشیه صـ۱۱۱) ۱۵ در نسخه ترکی ب عبارت مابین قوسین نیست، ۱۶ [مآک نشتر عشق (غلطی)] ظاهرا سایلی عراقی غیر سایلی همدانی ست که تذکره اش در مجمع النفایس آمده،

(حاشیه صـ۱۱۲) ۱ این ابیات بر حاشیه از سایلی ست: وله

گر پای کشتم از ره عشقت بسلامت　　یارب که ازین ره بروم سر بسلامت

وله

اشک گلگونم که بر مژگان پر خون آمده　　غنچه های تر بود کز خار بیرون آمده

وله

بهر شهری که چون من بیدلی دیوانه باشد　　حکایت های او مشهور هر کاشانه باشد

۲ [مآک خزینهٔ گنج الهی (سپرنگر ص ۲۷)]

از قانون صحت منحرف می گردد، و باز بزحمت بسیار علاج می پذیرد، و این مطلع از وست ؎

ای ز تاب می ترا هر گونه بر رخسار گل 			سبزهٔ باغ جمالت اندک و بسیار گل[1]

مولانا سرّی[2]

پسر مولانا علی شهاب الدین است که ذکر لطایف او گذشت[3] و ابدال صفت جوانیست این مطلع از وست ؎

بود در دعوی بابروت مه نو تیز و تند 			دید چون خورشید، کرد خود را گرد[4] و غند (؟)

سید میر حاج[5]

سید و طالب علم است، و همانا که الزام کرده که بیشتر قصیده[6] گوید، احیانا غزل می گوید،

---

[1] این ابیات بر حاشیه از انوری ست: وله

چیزی که برم ور . . . . . . (حاشیه مقطوع)

تن زارم در آب دیده می ماند بدان کاهی 	وله 	(حاشیه مقطوع)

هر طرف دریای خون دارم ز هجران در درون 	وله 	استخوان پهلویم موجیست از دریای خون

بیا که موسم گلگشت باغ و بادهٔ نابست 	وله 	پیاله گیر که عالم چو کاسه بر سر آبست

[2] در نسخهٔ ترکی ب بجا تذکرهٔ مولانا قابلی ترشیزی آورده [3] گذشت (کذا) [4] گرد و غند = بهم آمده و جمع کرده [5] ر.ک. حبیب السیر - ج ۳ - جزء ۳ - ص ۳۴۱: سفینهٔ خوشگو (خطی) ج ۲ - ق ۴ ب: هفت اقلیم (خطی): ریاض الشعراء (خطی)، خزانهٔ عامره - خلاصة الاشعار (سپرنگر ص ۲۱): فهرست بانکی پور - ج ۲ - ص ۱۰۸ -

این مطلع از وست ؎

اگر در گوشهٔ غم دور از آن نازک بدن میرم   خلل در کار عشق آید، همان روزی که من میرم

مولانا مانی[۱]

از مشهد است، جوانی صاحب جمال و ظریف است، و باوجود آنکه پدر و برادرش در کاسه‌گری و نقاشی سرآمد استادان قلم روحطا، و بشاگردی قبول ندارند، و ایشان را بغلام و غلام بچگی قابل و مقبول نمی دانند، چون حسن جمال و کمال او بکمال است هرچه کند از و خوب می نماید، این مطلع از وست که ؎

چو در دریای غم دیوانه سازد خود فتد جنگم   گهی در چنگم افتد سنگ و گه سنگ افتد از چنگم

(بقیه حاشیه ص۱۱۳) عدد ۲۲۱ وغیره] سید قطب الدین است. اکثر قصاید در مدح علی علیه السلام می نوشت؛ تخلصش در دیوان قصاید صبحاج و در غزلیات الستی گوید، قصهٔ لیلی و مجنون را منظوم کرده. یک نسخهٔ خطی دیوانش در کتابخانه بانکی پور محفوظ است. وفاتش در سنه ۹۰۳ھ واقع شد. عند البعض مسکن او گوناباد (یا جناباد) بود، اما صاحب هفت اقلیم او را به تون منسوب می کند. ۵ قصده (کذا)

(حاشیه ص۱۱۴) ۱ مرم (کذا)، ۲ [ماک هفت اقلیم (خطی)؛ خزینهٔ گنج الهی (سپرنگر ص ۹۲)؛ سفینهٔ خوشگو - (خطی، ج ۲ - ق ۱]

مولانا مانی مشهدی (یا طوسی)؛ از منظوران ابوالحسن میرزا ابن سلطان حسین بایقرا بود. بر حاشیه بخط دیگر این الفاظ مندرج است " در خدمت محمد محسن میرزا پسر سلطان حسین میرزا که مشهور بکپک مرزا بود افتاده از جملهٔ مقربان شد و آخر در مشهد مقدس همراه شهزادهٔ مذکور بدست اوزبکان بقتل رسید فی سنه ۹۱۳ھ "

[این[1] مطلع نیز از وست کہ (ق ۳۸ ب) مطلع
بخندۂ تمکین یار در مقابل او	چگونہ تازہ نگردد جراحت دل ما] [2]

مولانا سلامی[3]

در مسجد جامع ہرات خادم گنبد ملکان است، طبع نیک دارد، این مطلع از وست مطلع

این پس از خون جگر کوز غمت حاصل من	کہ بہر قطرہ گشاید گرہی از دل من

مولانا فارغی[4]

در خانقاه جدید می باشد، مرد درویش وش دکم سخن ست، این مطلع

---

[1] در نسخہ ترکی ب نیست [2] بر حاشیہ این رباعی از مانی ست : " ولہ
آنی کہ نہال گلشن جان منی	آنی کہ برخ شمع شبستان منی
آنی کہ چو خاطرم پریشان گردد	جمعیت خاطر پریشان منی"

[3] مولانا شاہ محمد ابن حسن شاہ - در ہرات از کار ابریشم زندگانی بسر می برد [رک خزینۂ گنج الٰہی دسپرنگر - ص ۷۹) ؛ نشتر عشق (خطی)]

[4] [رک حبیب السیر - ج ۳ - جز ۳ - ص ۳۴۷ ؛ سفینۂ خوشگو (خطی) ج ۲ - ق ۱۷ ؛ نشتر عشق (خطی) ؛ منتخب التواریخ بدایونی - ج ۱ - ص ۴۷۵ ' نامش شیخ ابو الوجد فارغی بن وجیہ الدین - خوشگو در سفینہ او را عبد الواحد فارغی می گوید - گویند او را بازین وفائی محبت از حد زیادہ بود، ہردو باتفاق در ہندوستان آمدند، در سنہ ۹۴۰ھ وفات یافتند - فارغی دیوان مختصر دارد، صاحب نشتر عشق آوردہ کہ فارغی عم زین الدین خوافی بود دہردو شان در آگرہ مدفون گردیدند - این ابیات شیخ بسیار مقبول بین العوام والخواص است :

. از وست ؎

از بسکه آن جفاجو آزار می نماید   اندک ترحم او بسیار می نماید

مولانا جمشید معمائی

از جملهٔ جوانان خوش طبع است که حالا در رسیده اند و کاتب نیک است و از سائر اصناف شعر طبعش بمعما ملایم ترست، باسم زین از وست ؎

چکنم نکهت گل را که ز دلغ ـن ـست   مشت خوشبوی ز مشک سر زلفت پیوست

مولانا شهاب

در خانقاه مولانا نظام می باشد خورد سال است و بمعما شغل تمام دارد، این معما باسم جابر از وست ؎

آنانکه کنند دیده چون ابر بهار   یابند یقین درو وصال دلدار

دروا که ز آب دیدهٔ مجروح تو مرد   نی روی نوای ماه لقا آخر کار

مولانا ابوطاهر

از ولایت بدخشان است و جهت تحصیل بشهر هرات آمده در مدرسهٔ فقیر سبق می خواند

(بقیه حاشیه ص۱۱۵) عمری که دل بوصل تو ام بهره مند بود   نمود آن قدر که توان گفت چند بود

القصه در فراق بسر شد تمام عمر   سرمایهٔ وصال که داند که چند بود

اغیار دوش پیش تو بودند و فارغی   از دور ما بر آتش حرمان سپند بود

رشتهٔ جمعیت ای یاران بهمدم گسلید   در پریشانی پریشانیست از هم گسلید

(حاشیه ص۱۱۶) ؎ جکنم (کذا)،

این معما باسم آدم از دست ـــ (ق ۱۳۹ ا)

عاشقان را دل ز هجرانش بسی فریاد کرد تا کہ آمد از سفر آن ماه و دلها شاد کرد

مولانا مشربی[2]

از مشهد است، جوان خوش طبع است، این مطلع از دست ـــ

ترک من هرگه که چادر خانهٔ زین کرده[3] خانهٔ زین را چو صورت خانهٔ چین کرده

مشارٌ الیه بغایت لاابالی و بی تعین و لوند بود، این مطلع هم از دست ـــ

گهم دل بشکند گه ساغر عیشم ز دست افتد مباد اوره مندی را شکستی بر شکست افتد

مولانا وفائی[4]

هم از مشهد است، این مطلع از دست ـــ

کاش پیوسته بود آئینه پیش نظرش تا نظر جانب اغیار نیفتد دگرش

مولانا حبیب

هم از مشهد است، طبع نیک دارد، این مطلع از دست ـــ

چگویم حال دل با تندخوی نازپرورم چو آثار محبت ظاهر است از چهرهٔ زردم

مولانا قرانی

از ظرفاء مشهد است، این مطلع از دست که ـــ

---

[1] شاکرد (کذا) [2] ر ک تذکرهٔ گنج الٰہی (سپرنگر ص ۸۵) [3] زین (کذا)

[4] وفائی (کذا)

خانهٔ دل مهر شد از داغ آن قاتل مرا　　تا پس از مردن بماند مهر او در دل مرا

این بحر و قافیه را خواجه آصفی چنین گفته ؎

قاتل من چشم می بستد دم بسمل مرا　　تا بماند حسرت دیدار او در دل مرا

مولانا فنائی

هم از مشهد است و خط نسخ تعلیق را نیک می نویسد، این مطلع از وست ؎

(ن ۲۹ ب) من ز دلبیده موی عقل از آن بیگانگی دارم　　که در عشق پری (ق ۲۹ ب) روی سر دیوانگی دارم

مولانا لطفی ثانی

از شعرا و ظرفاء نیک مشهد است، این مطلع او نیک مشهور است ؎

شد چو مهمان من آن شمع شب افروز امشب　　کاش تا روز قیامت نشود روز امشب

مولانا غیاث الدین محمد

هم از مشهد است و در اسم بابل این معما از وست ؎

مرا مهر مهی تا مهربان کرد　　نمی گردد جدا از دل زمانی

مولانا عبداللطیف

هم از مشهد است، و در چهارده سالگی این معما را گفته، و معلوم نیست که هرگز مثل این چیزی واقع شده باشد ؎

عاشق گریان ز کنج هجر در گلخن گریخت　　چید هر سو از گل و در ها، اشک از چهره ریخت

مولانا سایلی

از خراشّار ولایت جوین است، مرد درویش و کم سخن است، و این مطلع ازوست که ؎

مرا در دیده نیک آمد قضاء کوه و هامون هم　　غم فرهاد من دارم بلا عشق مجنون هم

مولانا داعی

از نواحی بلخ ست، و در کسوت نمد پوشان می گردد، اما اگرچه عامی ست، طبعش از لطافت خالی نیست. و این مطلع ازوست ؎

دلا نتوان حریف اہل تقوی جاودان بودن　　بدردی کشان ہم چند روزی می توان بودن

به کمان گری مشہور ست، و خود را بفن معما نیز شهرت داده، ولی معمائی که بکار آید از و استماع نیفتاد، این مطلع نیز[۳] ازوست ؎

تا بزلف تو سر در آوردم　　سر بدیوانگی بر آوردم

(رق ۱۴۹) مولانا مشرفی　　(رق)

فرزند شهر ہرات است و مشرف توشکخانهٔ میرزا بود و بدان مناسبت مشرفی تخلص می کند، این مطلع ازوست ؎

گوہر اشک نثار ره یاری کردم　　شادم از عاشقی خویش که کاری کردم[۴]

---

[۲] نام قلعه ایست نزد جاجرم یا جهروم در ولایت فارس، باسمار مختلف یاد کرده می شود - خورشاه - خرشاه - خارشاه - خارشاد یا خارشار یا خراشار [ممالک لیسترینج - ص ۲۵۴] [۳] نیز (کذا)،

[۴] این بیت بر حاشیه از مشرقی ست : ملہ

مولانا صبلی

از مشهد است و حالا دران شاعر و خوش طبع اوست، خط نسخ تعلیق را نیک می نویسد، این مطلع اوست ؎

چو بطفلیش بدیدم بنمودم اہل دین را کہ شود بلاء جانها بشما سپردم این را

مولانا کوثری

از شهر هرات است و از خردی باز قابلیت نظم در طبع اوست اما مشغولی نمی کند و این بدولت خواجه آصفی است، این مطلع از وست ؎

محتسب گر رند باشد دیر را در وا کند بهر رندان باده از زیر زمین پیدا کند

مولانا ہلالی[۲]

از مردم ترک است و حافظه اش خوبست و طبعش نیز برابر حافظهٔ اوست

(بقیه حاشیه ص۱۱۹) ترک ترکش بند من در بر قبای آل داشت ماه نو را توسنش بر خاک ره پامال داشت
وله دوستان هرگه شبی در کوی او مسکن کنید مشت خاکی از رهش گیرید یاد من کنید

(حاشیه ص۱۲۰) ؎۱ ریه (کذا) ؎۲ [مآخذ حبیب السیر - ج ۳ - جز ۳ - ص ۳۵۰: هفت اقلیم (خطی): ریاض الشعرا - خزانهٔ عامره - نشتر عشق (خطی)، - آتشکده - مجمع الفصحا - مجمع النفائس (خطی)، - بابرنامه (ترجمه بیورج)، - ص ۲۹۰ - بانکی پور - ج ۲ - ص ۱۲۳ - عدد ۲۲۸؛ ریو - ج ۲ - ص ۶۵۶: سپرنگر - ص ۴۲۷: انڈیا آفس - عدد ۱۴۲۶ - ۱۴۲۹، وغیره] مولانا بدر الدین ہلالی استرابادی - می گویند، در ابتدای کار شعر ناقص می گفت، ازین سبب میر علی شیر ازو برنجید - پس از زمانی باز بخدمت میر حاضر شد و اکنون صلاحیت پیدا کرده بود - میر بر او نوازشها فرمود - حینی که عبدالله خان ازبک

خیال سبق دارد، امیدست که توفیق یابد، این مطلع از وست ؎
چنان از پا فگند امروزم آن رفتار و قامت هم — که فردا بر نخیزم بلکه فردای قیامت هم
[ظاهرا دعاء حضرت میر قبول افتاده که مشار الیه بمدعاء خود رسید و در شعر بهمه[1]
اسلوب مهارت تمام پیدا کرد و نادر زمان خود گردید و دیوان جمع ساخت و
چندین مثنوی گفت، یکی لیلی و مجنون و دیگری (ق ۴۰ ب) شاه و درویش و (ق ۴۰
دیگر صفات العاشقین، از لیلی مجنونش این دو بیت در تعریف لیلی است ؎

پاکیزه تنی چو نقرهٔ خام — نازک بدنی چو مغز بادام
چشمش زاغی نشسته در باغ — ابروی سیاه او پر زاغ

در کتاب شاه و درویش این بیت در صفت تیر انداختن شاه گفته ؎

استخوان را اگر نشان کردی — تیر را مغز استخوان کردی

(بقیه حاشیه صـ ۱۲۰) هرات را مفتوح ساخت، هلالی در مدح خان قصیدهٔ انشاد کرد - خان را این قصیده خیلے خوش آمد - و هلالی را بعز رکاب بنواخت - این امر باعث حسد ملا بقائی لنگ و مولانا شمس الدین قهستانی گردید - بایمای هر دو، بنا بر الزام رفض، هلالی کشتهٔ تیغ ستم گردید - این واقعه بقول بعض در سنه ۹۳۶ھ و بقول جماعتی از اصحاب سیر در سنه ۹۳۹ھ، بوقوع پیوست - ظهیر الدین بابر، در تزوکات خود، او را شاعر سست می گوید - مولانا هلالی، در مثنوی شاه و درویش، عاشق را درویش و معشوق را شاه قرار داده - بابر این معنی را لائق تحسین و آفرین، نمی پندارد و می گوید، این تخیل خیلی مکروه و ناپسندیده است بجهت اینکه مولانا هلالی "بجهت مصلحت مثنوی خود یک جوانی بادشاه را بسیار بی ادبی کرده است" سپرنگر آن را مثنوی پر از معارف تصوف قرار داده و ریو (فهرست نگار موزهٔ بریطانیه) آن را معرا از حقیقت می گوید -
بروایت تزوکات، هلالی حافظهٔ قوی داشت و او را تخمیناً چهل هزار بیت حفظ بود،

(حاشیه صـ ۱۲۱) [1] زیادت از فخری،

و در صفات العاشقین در نابینائی و پیر شدن زلیخا در فراق یوسف گفته ؎

غم پیری سمن بر سنبلش ریخت   ز آسیب خزان برگ گلش ریخت

سیه بادام او از جور ایام   شد از عین سفیدی مغز بادام

و مثل این ابیات خوب او بسیارست، اما اینها همه نیست[۱]، و آنچه می بایست]

مولانا دوست محمد

در شهر هرات از محله مرغنی است و در شعر و معما طبع او بسیار خوبست، این مطلع از وست ؎

بلاست از تو بدل هر زمان جفای دگر   جفا که بر دگری می کنی بلائی دگر

این معما باسم آصفی از وست ؎

هر سحر باد دمد بوی از آن گلزارم   من دل سوخته بر باد صبا بیدارم

مولانا ناصحی

از خوش[۲] طبعان رشید خراسانست، این مطلع از وست ؎

کسی که صفحهٔ روی تو در نظر دارد   کی از مطالعه خواهد که چشم بر دارد

(ق ۱۴۱ ا) مولانا قبولی   (۱۴۱ ا)

قندزی، بسبب[۳] تحصیل بطرف خراسان آمد، مرد فقیرست، اما دماغ او خالی از پریشانی نیست، این مطلع از وست ؎

خانه ای عاقل چه کار آید من دیوانه را   چون نمیدانم من دیوانه راه خانه را

---

۱ سه مت (کذا)، ۲ حوش (کذا)، ۳ بسب (کذا)،

مولانا جانی

از ولایت تورجام[1] است و اول ریحانی تخلص می کرد و بمناسبت مولدش تخلص جانی داده شد، یک نوع طبع دارد و این مطلع از وست ؎

تا جلوه کرد خط او، لب یار سبز و سرخ	آتش علم زد از دل آنگار سبز و سرخ

مولانا آفتی

از مشهد است و بحلو اگری منسوب می دارند، این مطلع از وست ؎

خدا کند بخیال تو هر زمانم شاد	که از وصال تو گر دم جدا خدا مکناد

مولانا زلالی[2]

از هری است و پدرش مرد درویش است و غزل فروشی می کند، چون گاهی از چشمهٔ ذهنش زلال نظم ظاهر می شود، زلالی تخلص داده شد، این مطلع از وست مطلع

لیلی عذاری می رسد دامن کشان در خون من	دیگر ندانم چون شود حال دل مجنون من

سید نقیبی[3]

مرویست، بمناسبت امیر عبدالقادر نقیب تخلص نقیبی کرد، این مطلع از وست

دیده ام تا شده از ماه رخ یار جدا	دل جدا خون شده و دیده خونبار جدا

---

[1] خورزان عند یاقوت "جبل بین ... همدان" و حبیب السیر ... القلوب ... [illegible] [... ص ۱۷۹]

[illegible]

امیر هاشمی

ب) بکوفت گری[1] مشهورست، طالب علمی هم وارد (ق ۱۴ ب) این مطلع ازوست

خوشم زانرو که تیرش در دل ناشاد جا دارد　　که خواهد یاد کرد از من خدنگ خود چو یاد آرد

مولانا صاحب

از ولایت کبود جامه[2] است، طبع خوب وارد و شطرنج غایبانه رانیک می داند،

اما از جنون چاشنی دارد، این مطلع ازوست مطلع

دوستان تاکی بکوشش منعم از رفتن کنید　　ترک رفتن چون نخواهم کرد ترک من کنید

معما را هم خوب می گوید و هم خوب می کشاید، این معما باسم پاینده ازوست ؎

ای شاه حسن از دل مجروح هر کسی　　بیند سیاه بی سر و پا هر طرف بسی

مولانا مایلی

از ولایت اسفراین است، او هم از جنون خالی[3] نیست، اما طبعش نیک است

این مطلع ازوست که ؎

هست در سینه پیکان ستمگارهٔ من　　جان ز دل تنگ و زجان این دل خونخوارهٔ من

---

[1] منبت کاری، آنچه از زر و سیم بر دستهٔ شمشیر و دشنه و کارد کوبند (فرهنگ آنند راج)

[2] کبود جامه ولایتی بود در ملک مازندران، در معرکه های تیمور خراب شد، حاصل آنجا ابریشم و انگور و غلهٔ بسیار بود [ماک نزهة القلوب ص ۱۶۰: لیسترینج ۲۷۵]　[3] حالی (کذا) مایلی (متوفی ۹۳۰ھ) ماک تقی خلاصة الاشعار (سپرنگر ص ۲۱)،

مولانا قوسی

بسیار قابلیت دارد، و لوند و بسپاہی گری میل تمام دارد، و دعوی بہادری نیز می کند این مطلع از وست مطلع

چو بر من وقت جانبازی لباس خویشتن پوشد   کسی خواہم کہ روز مرگ بر تابوت من پوشد

مولانا نوری

بیشتر اوقات در مشہد می باشد، مرد آشفتہ روزگار و لوندست، این مطلع از وست کہ مطلع

دلم بینوا شد از انرو حزین است   بلی بی نوائی ہمیشہ چنین است

مولانا ودائی

در سرخس[1] بر سر مزار شیخ (ق ۲۴۲ ب) لقمان[2] قدس سرہ می باشد و گاہی با مردم (ق ۲۴۲) اندک سودا و معاملہ جہت معاش می کند، این مطلع از وست کہ

جستیم آن دہن را بالا و چپاہ غبغب   خندید و گفت آن مہ جائی کہ نیست مطلب

مولانا ناصحی[3]

بنواحی او بہ در چشمۂ کرمان می باشد، و در شعر بسیار چاشنی دارد، این مطلع از وست

---

[1] سرخس (کذا - نسخہ ترکی ب "داعی" متوفی ۹۱۵ھ [ماک تقی خلاصۃ الاشعار سپرنگر ص ۲۱]،

[2] شیخ لقمان پرندہ کہ ذکرش گذشت،

[3] صحیح، (کذا)،

ماه من امشب بنورِ خویش این کاشانه را　　ساز روشن، ورنه آتش میزنم این خانه را[۱]

مولانا مجنون[۲]

از هرات است و طبعش در غایت شوخیست، و چپ نویس و خوش خط مثل او کم بوده است، بلکه نبوده، دانش نیز مقبول افتاده این مطلع از وست ؎

بو عظا میروم و زار زار می گریم　　بدین بهانه زهجران یار می گریم

---

[۱] این بیت برحاشیه ؎

تا کم نکند بلبل نالان ره گلزار　　گل ساخت علم جامهٔ خود بر سر هر خار

[۲] [تذکرۂ خوشنویسان - ص ۹۴ - مجالس المومنین حبیب السیر - ج ۳ - جز ۳ - ص ۳۵۰] -

میر علی "الکاتب هروی" المتخلص به مجنون، شاگرد سلطان علی مشهدی بود، در عربی و فارسی و شعر دخل تمام داشت - چندی در بخارا سکونت کرد - همراه عبدالله خان ازبک بسیار می ماند و گویند به استادی پسرش مومن خان سرافرازی داشت - شاعر بی مثال بود، این اشعار از وست ؎

چشم صاد و زلف دال و قد الف　　طره لام است و دهان میم مراد

کلک استاد ازل زین پنج حرف　　شد الم بر روی جان ما نهاد

عمری از مشق دوتا بود قدم همچون چنگ　　تا که خط من بیچاره بدین قانون شد
طالب من همه شاهان جهان اند و مرا　　در بخارا جگر از بهر معیشت خون شد
سوخت از غصه درونم چه کنم چون سازم　　که مرا نیست ازین شهر رهی بیرون شد
خوشنویسان جهان ساغر عشرت نوشند　　ساغر عیش مرا بین که سراسر خون شد
حسن خط بهر خلاصی ز جنون می جستم　　وه که خط سلسلهٔ پای من مجنون شد

شاعر نادر سخن و ساحرم　　در فن خط نیز بسی ماهرم
فیض مسیحا ز دمم می چکد　　آب حیات از قلمم می چکد

مولانا ملک

از ولایت باخرزست[۱]، وخود را از اولاد ملک رزن[۲] می خواند در ملک نیز بدان مناسبت تخلص می کند، و آنانکه با او مطایبه دارند ملک گاو هم می گویند، تا مدت سی سال نظم بر زبان او جاری نشد، بشعر میل کرد و اشتغال نمود، این مطلع ازوست ؎

صد قصۂ گر ز لیلی و مجنون روایتست　　با او حدیث عشق تو اینها حکایتست[۳]

[این[۴] مطلع مشهور نیز ازوست ؎

(بقیه حاشیه ص ۱۲۶)

چند در وادی خط می کنی ای دل تگ و پوی　　بشنو این نکته و چون من بنشین فارغ بال

پنج چیز است که تا جمع نگردد باهم　　هست خطاط شدن نزد خرد امر محال

قوت دست و وقوفی ز خط و دقت طبع　　طاقت محنت و اسباب کتابت بکمال

گر ازین پنج قصوریست یکی را حقا　　ندهد فائده گر سعی نمائی صد سال

حافظ هدایت حسین در حاشیۂ ذیل تذکرہ خوشنویسان می گوید" در تذکرہ شمع انجمن میر علی کاتب مجنون را معاصر جامی گفته و در مرآت العالم مذکور است که وفاتش تقریباً در ۹۲۴ واقع بوده و از مصنفات او دو کتاب یکی المسمی برسم الخط و دیگر المسمی بخط و سواد در کتاب خانہ برٹش میوزیم موجود است" یک نسخه یوسف زلیخا جامی بخط میر علی الکاتب در موزۂ لاهور است،

(حاشیه ص ۱۲۷) ۱؎ باخرد (کذا) ۲؎ سس (کذا) ۳؎ زیادة در نسخه ترکی ب: " مشهد وین دور خواجه علی زین الدین کیم اول بیرد امتعین کشی و خانقاهی هم بار اینك اولادی دین دور طبع نینك ملایمتی معادافنی تعریف قیلغوجه یارا حمد اسمیغه بو اینك دور کیم ؎ بجانبی که دلم را رقیب می خواهد نخواهد آمد دروی حبیب می خواهد" ۴؎ زیادة از فخری ،

در چمن صبح به بوی تو گذاری کردم — روی گل دیدم و فریاد هزاری کردم
آتش زدهٔ عارض آن سرو روانرا — تا آب دهد دیدهٔ صاحب‌نظران را

(ق ۲۲۴ ب) شب فراق تو روز مرا سیه دارد — ز روز من همه کس را خدا نگه دارد (ق ۲۲۴ ب)

این بحر و قافیه را که خواجه حافظ گفته ~~ع~~ مزرع سبز فلک دیدم و داس مه نو
یادم از کشتهٔ خویش آمد و هنگام درو) اکثر تتبع کرده اند و مولانا بنائی چنین گفته ~~ع~~

می‌کنم جامهٔ خود در ره می خانه گرو — که مرا جام می کهنه به از جامهٔ نو

امیر محمد صالح چنین گفته که ~~ع~~

شب عیدم بقدح کرد اشارت مه نو — من و میخانه دگر جان گرو و جامه گرو]

مولانا جلال الدین

از اولاد خواجه علی زین الدین است که یکی از مردم متعین مشهد ست، و طبعش بمعما
چندانکه تعریف کنند هست، باسم احمد این معما از وست ~~ع~~

بجانبی که دلم را رقیب می‌خواهد — نخواهد آمد و روی حبیب می‌خواهد[2]

مولانا موسوی

خود را بشعر منسوب ساخته پیش مردم شعرها می‌خواند، اما پیش آنانکه احوال او خبر دارند
معروف است، که طبع خواجه نظم نیست، و بدین طایفه زر داده بنام خود شعر می‌فرماید، این مطلع ازان

---

[1] متوفی ۹۲۱ھ [ر.ک تقی خلاصة الاشعار (سپرنگر ص ۲۲)]: نیز بابرنامه - بیورج ص ۲۸۹) مصنف
شیبانی نامه]

[2] این بیت برحاشیه :-

هرگز که خواهم یک نظر آن روی زیبا بنگرم — از بیم چشم مردمان اول بصد جا بنگرم

جملہ است ؎

جام شراب را سر رندان حباب شد بسیار سر کہ در سر جام شراب شد

مولانا امینی

پسر محمد علی امین است کہ در مجلس دوم ذکر او گذشت ، جوان پسندیدہ و در نظم طبعش ملایم ، این مطلع از وست : مطلع

یار در سلسلۂ ناز و عتابم دارد (ق ۴۴ ر) باز دیوانگی عشق خرابم دارد (ق ۴۴ و)

مولانا محمد طالب

مجنون صفت جوانیست ، طالب علمی نیز دارد ، اما بشطرنج بسیار مشعوفت ، گاہی بمعما مشغولی می کند ، باسم مجد این معما از وست ؎

ندارم جز دو زلفت یار و غمخوار مرا بی یار و بی غمخوار مگذار

مولانا زیرکی

از خوش طبعان شہرست ، ولی نظمش بمردم صحرا مناسبت دارد ؎

در راہِ عشق سنگ جفا توشۂ منست در کوہ و دشت لالہ جگر گوشۂ منست

مولانا وحدتی

یکنوع نظمی دارد ، خالی از حالی نیست ، این مطلع از وست ؎

کشتہ ام بی حال ازان خالی کہ بر رخسار اوست آفرین بر صانعی کین نقطۂ پرکار اوست

مولانا نادری[1]

از جانب مروست، طبعش غرایب طلب و مشکل پسند است، این مطلع از وست که ؎

بسنگ نرم کن ای چرخ استخوان مرا　　مباد رخنه کند تیغ دلستان مرا

مولانا زمانی[2]

پسر مولانا محمد آملی است که در مجلس دوم ذکر او کرده شد، وفائی تخلص می کرد، از روی التماس بزمانی تغییر داده شد، چرا که ملازم بدیع الزمان میرزا بود و هم امیر احمد حاجی[3] و اشعارش هم مشهور است و دیوان نیز دارد، و آنکه با مردم کلان شریک شدن مناسب حال او نبود، این مطلع از وست که ؎

گر گرد خاک تسکین باید این سوزی که من دارم　　(ق ۲۴۴ ب) بآب دیده کم هرگز نشد سوز دل زارم (ق ۲۴۴ ب)

مولانا سوسنی

مرد آزاده مجرد است، و قید ندارد، و اکثر اوقات در مدرسهٔ عالیه گوهرشاد بیگم می باشد، و بی فایده بمردم مصاحبت نمی کند، و تردد زیادتی بخود راه نمی دهد، امید که همه را این دولت نصیب باشد این مطلع از وست مطلع

مجردان که ز قید زمانه آزادند　　نه صید گشته بدام کسی، نه صیادند[4]

---

[1] نادری مروی (متوفی سنه ۹۳۶ھ) ؛ [مرک خلاصة الاشعار (سپرنگر ص ۲۱)] [2] مرک نشتر عشق (خطی) امیر احمد حاجی در زمان سلطان حسین بر هر ... ... در عهد طهماسپ شاه در سنه ... درگذشت، [3] ابیات بروایت ... گذشته

مولانا ہلاکی[1]

از شہر ہرات است، و از غایت استغنا [و] فقر بر دوم[2] ترک و ارباب جاه اختلاط نمی کند، و بنامرادی مشغول است، و در ملازمت مخدومی نورا بزیارت مکه نیز مشرف شده، زہی موفق بندۀ که اوست گاہی نظمی می گوید، این مطلع از وست ؎

بی غمت دم نمی توانم زد دم بیغم نمی توانم زد

[این[4] مطلع نیز از وست ؎

دہنِ تنگِ تو و غنچۂ تر ہر دو یکی است اشکِ گلگون من و خونِ جگر ہر دو یکی است]

مولانا غباری

اکثر اوقات در سرکار استراباد و جوین و بحرآباد[3] می باشد، و مرد فقیراست، این مطلع از وست که ؎

شب کہ می افتم به پہلوی سگِ آن دلفروز خواب در چشم نمی آید ز شادی تا بروز

[این[4] مطلع نیز از و حضرت میر نوشته ؎

وی چو پیش آمد براه آن دلبر رعنا مرا من ز شرم او ر اندیدم، او ز استغنا مرا

خط غبار خوب می نوشت، و بدان سبب (ق ۱۴۴) غباری تخلص می کرد، و در موسیقی ای، مہارت تمام داشت، در آخر عمر دیوانه شد، و با وجود جنون در عُزّال[5] نقشی بست و شہرت

---

[1] [ر.ک خزینۂ گنج الہی (سپرنگر ص ۸۷)]، [2] در نسخۂ ترکی ب نیست،

[3] در خراسان نزد جوین - مقام سعد الدین حموی [ر.ک نزہۃ القلوب ۱۵۰]

[4] اضافه از فخری،

[5] بالضم والتشدید - نام پردۂ موسیقی که از شعبۂ گوله ست د و ہنگ اندراج،

گرفت و این بیت میان خانه بود ؎

بی خبر بودم زدی سنگِ جفا ناگه مرا — از برای دیدن خود ساختی آگه مرا [1]]

مولانا ریاضی [2]

از ولایت زاوه [3] است، و مردِ مبدل الاحوال وقاضی آنجا بود، منافی منصب قضا از و کارها صادر شد، و معزول گردید، و قید و مصادرها کشید، و بسی زحمت ها باو رسید، گاهی وعظ می گفت، و بر سر منبر شعر می خواند، و وجد و حال می کرد، و می گریست، و دست می افشاند، این مطلع اوست ؎

ملک شسته بآب خضر اگر دامان من بودی — هنوزم دست دور از دامنِ جانان من بودی

[مولانا طاهری

از استراباد است، طبع بد ندارد، این مطلع از وست ؎

خوشم بعشق و گرم روز و روزگاری نیست — مرا به نیک و بد روزگار کاری نیست]

سید حزینی

هم از استراباد است، طبع خوب دارد، این مطلع از وست ؎

---

[1] این بیت برحاشیه از مولانا غباری ست :

بهر شستن آب گرم از دیدهٔ پر خون بود — درد مندی راکه داغ گلرخی بر جان بود

[2] [ماک حبیب السیر - ج ۳ - جز ۳ - ص ۳۴۲] از مشاهیر شعرای خراسان بود، نظم فتوحات وحالات سلطان حسین بیقرا اشتغال می نمود - اما معلوم نشد که بتکمیل پیوست یا نه چندگاه بقضاء ولایت زاوه سرفرازی داشت، اما بواسطهٔ شکایت کلانتران معزول شد. [3] زاوه، در قهستان نزد ترشیز [ماک بیستریخ ص ۳۵۶]

وادی هجران که نبود غیر درد و غم درو　　　باخیال او فراغت دارم از عالم درو

[پوشیده نماند که مشارٌ الیه سید حسن قاضی است که میر تخلص یاد کرده این مطلع نیز از یشانست

توان بهجر تو آسان وداع جهان کردن　　　ولی وداع تو آسان نمی توان کردن]

(ق ۴۴ ب) مولانا مهدی (ق ۴)

هم از استراباد است، و این مطلع از وست

ساقی نبود بی ادبی ها عجب از ما　　　ما مردم مستیم نیاید ادب از ما

مولانا طایفی (؟)

از زیارتگاه است و این مطلع از وست که

من که در خیل سگانش جا معین ساختم　　　از غبار آستانش دیده روشن ساختم

میر لوند

مرد قلندر و جهان گشته است و خالی از فضلی نیست، این مطلع از وست

رخش را ماه گفتم شهری از گفتار من پر شد　　　ز دندانش سخن گفتم دهان من پر از در شد

سید زاده منشی

ابلوک[۲] وش جوانیست، اما طبعش چاشنی دارد، این مطلع از وست

یار بر حال من اغیار از فغان من گریست　　　بر من و بر حال من هم دوست هم دشمن گریست

---

[۱] زیادت از فخری، [۲] ابلوک بمعنی منافق و دو رنگ (فرهنگ انندراج)،

مولانا عاصمی

از آدمی زادهای شهرت و طالب علم، و نظم نیز می گوید، این مطلع از وست ؎

چون آتشم ز هجر تو بر سر زند علم سازم روان چو شمع ز گرداب و دیده نم [۵۱]

مولانا طاهری

از شهر هرات است و بکفش فروشی مشهور و از خردی باز نظم می گفت، چون بزرگتر شد در طبعش چاشنی ظاهر گشت و این مطلع از وست ؎

دل که صد پرکاله شد از زخم جادوئی توام من بیکدل نے بصد دل عاشق روی توام

[درین[۵۲] اوقات در محلی که بنده بترتیب فارسی این رساله مشغول بودم، مشارٌ الیه کتابت می کرد و حالا نیز وجه معاش او از ممر کتابت است، این مطلع از وست ؎ (ق ۴۵ ا) (ق ۵۰ ر)

انگشت بهر عشق چه بر ابروان نهاد تیری برای کشتن من در کمان نهاد

این مطلع نیز از وست ؎

گفتم به ازین فکر من بیدل و دین کن در خنده شد و گفت که فکری به ازین کن[۵۳]

دیوان غزل تمام کرده این مطلع نیز از وست ؎

چو آب زندگی پیش لبت شرمندگی دارد نهان مانده ازین شرمندگی تا زندگی دارد[۵۴]]

---

۵۱ از طاهری استرابادی تا مولانا طاهری هروی در نسخهٔ ترکی ب نیست - ظاهراً زیادت از فخری ست

۵۲ زیادت از فخری - طاهری (یا ظاهری)، متوفی سنه ۹۲۶ [ر ک تقی خلاصة الاشعار (سپرنگر ص ۲۲) ۵۳ این کذا

۵۴ بر حاشیه: "وله" : ظاهری راست ؎

در رفت و گر ز دل نگاهی ز جان می پرسمش بسکه دارم بی خودی از این و آن می پرسمش

مولانا مجنونی

ترکی گوی است، و در قبة الاسلام بلخ بر سر مزار خواجه عکاشه کتابت می کند، این مطلع ترکی ازوست ؎

ماه تابانم ایسنی قیلدی باغریمنی کباب   آی ایدی ایمدی حرارت دین بولوبدور افتاب

مولانا همدمی

مشهدیست، بصنعت کاسه گری منسوب، این مطلع ازوست ؎

بی غمت ماتم وغمی دارم   ماتمی وجه ماتمی دارم

مولانا نجمی

هم از مشهد است و جامه بافی می کند، این مطلع ازوست ؎

سرم آن به که ز سودای تو در پا باشد   چون نه بینم سرانت که سرما باشد

مولانا صفائی

از شعرائیست که حالا پیدا شده، این مطلع ازوست ؎

بسکه در سرهوس روی تو دارد دیده   پشت سوئی من و رو سوی تو دارد دیده

مولانا صافی

از شیخ زادگان کوه صاف است و در نظم تتبع حافظ می نماید و این مطلع ازوست که ؎

(بقیه حاشیه ص۱۳۴) وله:

ترا در دیده جا کردم که از مردم نهان باشی   وله: چه دانستم که آنجا هم میان مردمان باشی

ق ۴۵ب   ساقیا سرخوشم ، بادهٔ صافم داری (ق ۴۵ب)   گر کنم سر خوشی آن به که معافم داری

[فغانی]

میر سعید گوید : ' فغانی تخلص می کند ' در مجلدی و نقش پری وقوف تمام دارد ' واقعاً ہنرمند بی مثل است ' اما خوش طبی او را پریشان می سازد ' این مطلع از وست ؎

دمی وصال تو از عمر جاودان خوشتر   بیا وصل تو خوش بودم این زمان خوشتر

مولانا بوعلی

دیوانہ وار می گردد ' اگر دیوانہ نمی بود بوعلی تخلص نمی کرد ' این مطلع از وست ؎

خلقی براه عشق تو آسوده می روند   عاشق منم دگر همه بیهوده میروند

مولانا شیخی

از ولایات طبس است و در علم ادوار صاحب وقوف و تصنیف نیک دارد ' این مطلع از وست ؎

این نه داغیست که بر سینهٔ سوزان من است   مهر عشقیست که از بهر تو بر جان منست

مولانا هراتی

مولدش از تخلص معلوم است ' طبعش بد نیست ' این مطلع از وست ؎

در کمند تو نه هر بی سر و پا افتادست   این بلائیست که در گردن ما افتادست

(حاشیه ص۱۳۵) ے۵ رادگان (کذا) .

مولانا اهلی[1]

[از ولایت ترشیز[2] ست ، طبعش خالی از چاشنی نیست ، این مطلع ازوست ؎

درش افغان من از چشم ملایک خواب برد   خرمن مه را ز طوفان سرشکم آب برد

این مطلع مخدومی نورا را تتبع کرده ؎

سر نگندم در رهت یعنی که خاک پاست این   بگذری فارغ ز من یعنی چه استغناست این

از شعرا بسیار مردم گفتند (ق ۴۶ و) ازان جمله مولانا هلالی گفته است : نظم (ق ۴۶ و)

---

[1] [رک هفت اقلیم (خطی) ، سفینهٔ خوشگو (خطی) ، ج ۲ ، ص ۱۹ : سپرنگر ص ۳۱۹ : بابرنامه (ترجمه بیورج) ، ص ۲۹۰ - نشتر عشق (خطی) ، ج ۱ ، ق ۱۶ ب - آتشکده ، وغیره ، تقی خلاصة الاشعار (سپرنگر ص ۲۱)] ذکرش در نسخهٔ ترکی ب نیست ،

مولانا اهلی ترشیزی غیر اهلی شیرازی و اهلی تورانی ست - در اول حال ، برای کفش دوزان شعر می گفت ، گویند در عشق فریدون حسین میرزا بن سلطان حسین بیقرا گرفتار بود [و بقول بعض بعشق سلطان حسین بیقرا مبتلا بود] بعد از انقراض دولت سلطان حسین بیقرا ، به مشهد و کاشان رفت و اوقات بحسرت و تنگی می گذرانید . در آخرکار به تبریز رفت و از معلمی تیرگری یا تیراندازی وجه معاش می نمود - در سنه ۹۳۴ھ درگذشت ، صاحب سفینهٔ خوشگو وغیره را سهوی عظیم در بیان اهلی رو نموده که ما بین شعراء مختلف که باسم اهلی موسوم بودند ، امتیاز نکرده - سحر حلال از اهلی شیرازی بود نه از اهلی ترشیزی و اغلاط ازهمین قبیل در تذکره ها بسیار است ،

یک نسخهٔ خطی از دیوان اهلی ترشیزی در مکتبه کلیه پنجاب محفوظ است ، بابر در تزوکات ، اهلی را "عامی" می گوید و یک دیوان غزل هم باو منسوب می کند ،

آغاز دیوان اهلی خراسانی یا ترشیزی این است : ؎

دو چشم فرش آن منزل که سازی جلوه گاه آنجا   بهر جا پا نهی خواهم که گردم خاک راه آنجا

[2] ترشیر (کذا) ،

مُردم از درد و نگفتی دردمند ماست این   دردمندان را نمی پرسی چه استغناست این

امّا او دو مطلع نیک گفت و اینست ؎

می کشم درد و غمت، وز چهره ام پیداست این   برامید آنکه گوئی، دردمند[۱] ماست این

سرمهٔ چشم مرا گفتی که خاک پاست این   خاک پای تست امّا نور چشم ماست این]

مولانا نرگسی[۲]

نوشته که از جانب مروست و جوانی فقیرست این مطلع ازوست ؎

آن را که درد عشق تو دیوانه ساخته   مجنون صفت بگوشهٔ میخانه ساخته

[بلی[۳] مشارٌ الیه جوان فقیرست، امّا از مرو نیست، بملازمت میرزادان دیار رسیده، ظاهرا بدین دلیل نوشته که از مروست، درین اوقات تحقیق نموده از شیخ زادگان بهرست، جوان شکسته است، و اکثر ایام بروزه و نماز قیام می نماید، این مطلع ازوست ؎

هرشب ای دل گفت و گوی زلف جانان می کنی   خود پریشانی و ما را هم پریشان می کنی]

مولانا خضری

گویا مملوک کسی بوده، خواجه او را آزاد کرده یا او خواجه را خواجه وار می گردد، این مطلع ازوست که ؎

عمر من بی رخت ای زهره جبین می گذرد   حیف از اوقات شریفم که چنین می گذرد

---

۱ "برامید انکه گوئی دردماست" ،کذ . - از دیوان اهلی خراسانی (خطی)، تصحیح شد، ۲ [مراک هفت اقلیم (خطی)، سفینهٔ خوشگو (خطی)، - ج ۲ - ق ۱۲ ب : تقی - خلاصة الاشعار (اسپرنگر - ص ۲۲) - بروایت تقی، نرگسی در ۹۳۶ھ درگذشت، ۳ زیادت از فخری،

مولانا باطنی

مرد فقیر و ساده است و در بلخ می باشد و بقدم توکل بزیارت مکہ معظمہ مشرف شد
این مطلع از وست ــہ (ق ۴۶ ب) (ق ۴۶ ب)
بسکہ داری تنگدل ای غنچۂ خندان مرا   جان ز دل آمد بتنگ و دل گرفت از جان مرا

مولانا فضلی

از شہر ہرات است، و در خردی نقاشی می کرد، و نظمی نیز می گفت، آخر خود
را شاعر تصور کردہ نقاشی را برطرف کرد، و شاعر شد، این مطلع از وست ــہ
زاہد بیار خرقہ و رہن شراب کن   اسباب زہد و خانۂ تقوی خراب کن

مولانا شوخی

ولد شیخ سعید لاوہ است، اگرچہ طبع نیک نصیب او نشدہ، اما از طور پدر بی
نصیب نیست، این مطلع از وست ــہ
نیست رہ پیش سگان او من آوارہ را   تا بدیشان گویم احوال دل بیچارہ را

مولانا ظاہری

جوان درویشی است، طبعش خالی از لطافت نیست[۱] این مطلع از وست ــہ
ساغر بادہ کہ پیمان روشن از آنست مرا   صورت آن ہمیقل آئینۂ جان است مرا

---

۱ ابیات بر حاشیہ (مقطوع) ۲ این بیت بر حاشیہ غالباً از ظاہری ست:
نکہت زلفت معطر می کند ما را دماغ   عکس خالت دیدہ را داغیست بر بالای داغ

مولانا خلقی

از شهر هراتست، و طبعش در نظمها بد نیست، این مطلع از وست ؎

ای سرو ناز در دل ما جانی کنی — جا میکنی ولی بدل ما نمی کنی

میر اسد الله

از سمنان بطالب علمی بشهر هرات آمد، و در مدرسه می بود و باز معاودت کرد، این معما باسم انس از وست ؎

ریزد از چشم تر اهل محبت متصل (دل، بهم ل) — آتش هجران او ناچار و اشک خون دل (دل، بهم ل)

امیر احد الله

از بلخ بتحصیل آمده و طبع نیک دارد، این مطلع از وست ؎

دی شب، از غم، دوران شمع جمالم سوختی — سالها در وعدهٔ روز وصالم سوختی

باسم پارسا این معما از وست ؎

سر پاکان و فرق اهل ادراک — سراسر گشته زیر پای او خاک

میر حسن مشهدی

هم از مشهد، تحصیل هرات آمد و مدرسه اخلاصیه ساکن است و طبع نیک دارد، این معما باسم لطف از وست ؎

شاد از آنم که یار، ناوک غم — طرف دل گکند از پی هم

مولانا زایری

هم از مشهد است، این مطلع از وست ؎

مراسرویست در دل کرده جا در چشم روشن هم ‌ ‌ ‌ چو گل پاکیزه رخ همچون صبا پاکیزه دامن هم

مولانا ضیائی

از خوش طبعان ولایت نیشاپور[1] است، این مطلع از وست ؎

بخون عاشق امشب تشنه بینم لعل سیرابش ‌ ‌ ‌ مده می ساقیا ترسم که از مستی برد خوابش

نام مشارٌ الیه میر نظام بود و کفگری می کرد، این مطلع نیز از وست ؎

سرمه را که بود منت غیری همراه ‌ ‌ ‌ کور باد آنکه کند چشم بدان سرمه سیاه

(ق ۷۴ ب) مولانا عینی

(ق ۷۴ ب)

از اوبه است و کتابت هم می کند، طبعش در نظمها نیک است، این مطلع از وست ؎

منم دور از مه روی تو هر شب تا سحر گریان ‌ ‌ ‌ صراحی وار دل پرخون و بر سر چشم تر گریان

مولانا درویش علی

اطوارش و قوت طبع از ابیات او معلوم می توان کرد، این مطلع از وست که ؎

قامت شیوه و رفتار چه بنیاد کند ‌ ‌ ‌ سرو را بندهٔ خود سازد و آزاد کند

---

[1] نیشاوز (کذا)

میر ہمایون

مرد سیاه چهره است بہمانا بغلامی منسوبست، این مطلع از وست و برین معنی گواہی می دہد ؎

غلامم خویشتن خواند ماه رخساری سیاه روئی من کرد عاقبت کاری

مولانا درویش علی شماع

پدرش شمع ریز بود، اما بطبابت مشغولست و اطبای که درین کار مہارتی دارند او را بسیار تعریف می کنند، طبعش نیز خوبست، اما بمعما بیشتر توجه دارد، این معما باسم ولی از وست ؎

بند ؤ زلف او ز بد کیشی گوش بگرفت و گفت درویشی

این مطلع نیز از وست ؎

دردمندان را ز ساقی نباشد حاصلی می خورم لای شراب و می شوم مست گلی

مولانا قلاشی

اطوار او بتخلص مناسبت مردی است، گویا بدین مناسبت این تخلص کرده، این مطلع از وست ؎

۱۴۸) آنکه بر خوبان عالم پادشاه وارد ترا (ق ۱۴۸) خواہم از چشم بد مردم نگه دارد ترا

مولانا گدائی

از مشاهیر شعرای ترکی گوی است، و در زمان بابر میرزا شعر او شهرت گرفت[۲] این

۱ علام (کذا)، ۲ گفت (کذا)

مطلع ترکی از وست ؎

آه کیم دیوانہ کونکلم مبتلا بولدی نیه　　　یوکونکل تنیک ایلیکدن حالغه بلا بولدی نیه

این مطلع نیز از مولاناست ؎

دلبرش سبزه هر یک لب هرلای جان السش　　　کم اشنک دروی قاشیدا وزیدا ولم حیزی السش

مولانا واحدی

مشهدیست وہم دران دیار می باشد، این مطلع از وست ؎

تا تزا طرۂ عنبر شکنی پیدا شد　　　دل آوارۂ مارا وطنی پیدا شد[۱]

مولانا معینی[۲]

از شیراز ست، و طبعش خالی از نازکی نیست، این مطلع از وست ؎

از صد سخن بحیله یکی گوش می کنی　　　آن ہم نگفته که فراموش می کنی

استاد قل محمد

کار دگر ست و نظمش پخته، این مطلع از وست که ؎

نسیم خلد و عمر خضر می بخشد اگر دانی　　　ہوای دشت گازرگاه و آب جوی سلطانی

قاضی زاده

جوان خوش طبع است و مثنوی را خوب می گوید، این مطلع از وست ؎

---

[۱] این ابیات بر حاشیۂ بابا از واحدی ست:-

خواہم آن روز که پیراہن جانان دوزند　　　رشتۂ جان مرا گرد گریبان دوزند

که گوید بر سر پیه ملک خوبی بادشاهی را　　که بر در ناله زاریست مسکین داد خواهی را

[این بیت[۱] نیز در وصف قلعه خانی از وست ؎

یکی خاره سنگی کشیده باوج　　چو خارای سنگین بر آورده موج
(ق ۴۴ ب) چو البرز هر پاره سنگی بران　　سپهر منیعش پلنگی بران (۴۴ ب)
مثل گر کسی را وران ره بدی　　اجل را از دوست کوته بدی

این مطلع هم از وست ؎

چو لاله با دل پر داغ و حسرت زین چمن رفتم　　تو ای شاخ گل رعنا بمان باقی که من رفتم]

مولانا کوکبی

مناسب فن خود تخلص اختیار کرده، این مطلع از وست ؎

بی رخت هر قطره خون بر سر مژگان مرا　　مشعلی باشد فروزان در شب هجران مرا[۲]

مولانا محنتی

از شعرای نو رسیده، این مطلع از وست ؎

سحر چو روی خود آن ماه در نقاب گرفت　　فغان ز شهر بر آمد که آفتاب گرفت

(بقیه حاشیه ص ۱۴۳) وله :- دمادم مفل اشک ما ز چشم اشکبار افتد　بسان مردهٔ گر آب دریا بر کنار افتد

۲ [سفینهٔ خوشگو (خطی)، - ج ۲ - ق ۱۰ ب]

(حاشیه ص ۱۴۴) ۱ در نسخه ترک ب نیست - ظاهراً زیادت از فخری ست　۲ در نسخه ترکی ب باین طور آمده :

بی رخت . . . الخ　مشعلی باشد فروزان در شب هجران مرا'

مولانا شکری

در رنگ مولانا طوسی مثل گویدو وران اسلوب شعر ذہن او خوب می رود' این
طلع از وست ـــه

چون زخط پرسمت ازمشک ختن می گوی چند با ما بسر زلف سخن می گوی

[مولانا نور کمال[۱] (؟)]

از شعراء نیشا پورست' این مطلع از وست که ـــه

خدنگش شده نخل گلزار دل نیاورده باری بجـز بار دل

مولانا حقیری

نیز از شعرائیست که حالا بگوشهٔ میخانه و عشقبازی رسیده' و از جام سخن وری جرعه
نیده اند' جوان خوش طبع است و بسیار چاشنی (ق ۴۹ ۱) دارد و مولدش شهر ہرا
ت' این مطلع از وست ـــه

می روم در گوشهٔ میخانه جا خوش کنم جام مَی می یابم و انجا فرموش می کنم

شار الیه محمّدی نام داشته' ولد خواجه خدایداد طمغاچی بوده' در جواب این مطلع میر
مطلع

عالمی خواہم که نبود مردم عالم درو از جفای مردم عالم نباشد غم درو

ن دو بیت ہم از وست ـــه

مزرع گیتی که سر سبزست تخم غم درو جای آن دارد که نبود آدمی خـرم درو

---

۱ در نسخهٔ ترکی ب نیست' ۲ اضافه از فخری'

هرچه می آید بکف جز مایهٔ اندوه نیست　　　غیر جام می که پیدا نیست نقش غم درو

این مطلع مشهور نیز از وست ؎

کاشکی برگ خزانی سوی او باد آورد　　　تا ز رنگ زرد و آه سرد من یاد آورد[۱]]

مولانا اسیری

هم از شعرای تازه است و در رنگ مثل می گوید و هنوز نظم او شهرت نیافته است

این مطلع از وست ؎

شدم از یار جدا و ببلا افتادم　　　چه بلا بود که از یار جدا افتادم[۲]

مولانا سعید

مولدش معلوم نیست، اما در طبعش بسیار خیال انگیزی هست، این مطلع از وست

؎ برگ گل نیست که افتاده بطرف چمن است　　　پنبهٔ داغ دل بلبل خونین کفن است

خواجه کلان بزاز

از مردم شهر هرات است، این مطلع از وست ؎

---

[۱] این بیت برحاشیه غالباً از مولانا حقیری ست :

ساغر بزم تو بودی دیدهٔ ما کاشکی　　　پرده های دیده بودی باده پالا کاشکی ۸

[۲] این ابیات برحاشیه غالباً از مولانا اسیری ست :

جان من غمگین اگر گردی منه ره قدم　　　زان که دل را طوف گورستان کند فارغ ز غم

ولہ

دریغ گر دل من تیغ تو بجان طلبید　　　چرا که از همه کس آب می توان طلبید

ولہ

ای که هر دم ز نظر تیر بلا اندازی　　　چه شد گر نظری جانب ما اندازی

(ق ۴۹ ب) انجم مشمر آنکه درین گنبد خضراست (ق ۴۹ ب) کز بهر تماشای رخت دیده‌ور است[۱]

خواجه منصور[۲]

از ولایت جرجان است، از قوم تبکچی، فی الواقع دران مردم کسی ازو بهتر نیست، طبعش بغایت خوب است، این مطلع ازوست که ؎

پردهٔ لاله‌ی دیدم و آغشته بخون یادم آمد که مرا رفته[۳] دل ازوست برون

سلطان محمود

ولد خواجه شمس الدین محمد تبکچی است و بخواجه منصور خویشی دارد، و در علم نجوم بسیار صاحب وقوفست، این مطلع ازوست ؎

شد روزمن سیه همه از روزگار من کس را مباد روزمن و روزگار من

مولانا نظام[۴]

از استراباد است، قصیدهٔ خوب می گوید، این مطلع قصیده ازوست ؎

بازگلزار خط از سبزهٔ تر پیدا کرد کارستان جهان رنگ دگر پیدا کرد

مولانا یاری

هم از استراباد است و در طبع چاشنی تمام دارد، این مطلع ازوست ؎

---

[۱] این بیت بر حاشیه از مولانا کلان بز از است:

به پهلوی سگش هر شب بخاکستر کنم مسکن که میدانم چراغ من از انجا می شود روشن

[۲] [رک حبیب السیر - ج ۴ - جز ۳ - ص ۳۴۴] [۳] رفته (کذا)، [۴] [رک هفت اقلیم (خطی)،]

نخواهم پیش مردم دیده بر رخسار یار افتد　　　چو پیش آید نظر بر روی او بی اختیار افتد

مولانا داعی

از استراباد است و دایم در خیال پیدا کردن معنی خاص است، این مطلع از وست که ؎

آن پری را که ز گلبرگ قبا در بر اوست　　　هر طرف بند قبا نیست که بال و پر اوست[1]

بابا شوریده

بقصه خوانی مشهور است، و با اکثر خوش طبعان مصاحب طبعش نیک، (ق ۹۵۰) و در باب پیری این بیت از مثنوی از وست ؎

قدم شد چون کمان و عمر چون شست　　　جوانی همچو تیر از شست من جست

مولانا صوفی

استرابادی، طبع خوب دارد، و انشاء او هم نیک است، این مطلع از وست که ؎

نیست در هجر توام ضعف ز بیماری دل　　　ترسم آزرده شود طبع تو از زاری دل

مولانا حمید

پسر مولانا عبدالوهاب است که مذکور شد، خالی از لطف طبعی نیست، اما مرد دیوانه و خاکسار ست، این مطلع از وست که ؎

---

[1] این بیت بر حاشیه از مولاناست: ـ

نیستم غمگین که با من التفات کمتر ست　　　کز توام بی التفاقی التفاقی دیگر ست

شب خاک تیره بستر ما بیدلان بس است چادر شب کشیده ما آسمان بس است[1]

مولانا بهشتی

برادر حمیدست، اما نه طبع و نه در اطوار، با او مناسبتی ندارد، این مطلع از وست که ؎

شمع امشب ترک دعوی با رخ آن ماه کن تیره کردی مجلس ما را سخن کوتاه کن

مولانا فغانی

خویش نزدیک خواجه افضل است و طبع پاکیزه[2] دارد، این مطلع از وست ؎

هر که چون صورت چین دیده بروی تو گشاد چشم دیگر ز تماشای تو برهم ننهاد

[معلوم شد که مشار الیه خواجه میرم[3] است، و حضرت میر درین نسخه تخلص یاد کرده است، فی الواقع ذو فنون عالم است، (ق ۵۰ ب) و اشعار خوب دارد، در مادهٔ تاریخ پیدا کردن و گفتن مثل او کم است بلکه حالا نیست، اول تخلص فغانی می کرد و درین اوقات ضیا تخلص می کند، این دو بیت در تاریخ فوت میر محمد یوسف از وست ؎

چون میر محمد شرف آل عبا از دیر فنا شد بسوی دار بقا
تاریخ شهادتش رقم کرد ضیا والله شهید هو یحیی الموتی

ل۵ این بیت برحاشیه از مولانا حمید است:

کوهکن در کوه شیرین گفتی و گشتی خموش تا رسیدی بار دیگر نام شیرینش بگوش

ولہ

مائیم چون سبوی کز می جدا فتاده در فکر باده دستی در زیر سر نهاده

۲ه پاکیره (کذا) ۳ه [ر.ک حبیب السیر - ج ۳ - جزء ۳ - ص ۳۴۹: خواجه ضیاء الدین میرم بن خواجه علاء الدین و برادر بزرگتر خواجه افضل الدین محمد کرمانی بود از جانب مادر، برادر امیر سلطان ابراهیم امینی و بفضائل متصف بود،

هنر دیگریش آنکه همه مردم دروغ بدی گویند، او نیک می گوید، قصیدهٔ ردیف "دروغ" گفته، این مطلع آنست که ؎

زبی جمال تو مرآت بی صفای دروغ
دلت سیاه چه آئینه از جلاء دروغ

این مطلع نیز ازوست ؎

مدام زهجر و بازمرا چشم تر هنوز
یعنی نکرده ام ز تو قطع نظر هنوز[۱]

مولانا شراری

از استراباد است، در رنگش[۱] در سرخی با خگرپاره ماند، ظاهرا بهمان مناسبت این تخلص اختیار کرده، این مطلع ازوست ؎

ندارم بیشتر زین طاقت بی مهری جانان
خدایا بر من آن نامهربان را مهربان گردان

مولانا فنائی تبریزی

سیدزاده است، همراه پدر بزیارت مکّه مشرف شد، تماهرش عقائی تمام دارد وطبعش نیز خوبست، این مطلع ازوست ؎ (ق ۱۵۱) (۱۵۱)

همیشه روی بدیوار بود مجنون را
که از رقیب بپوشد سرشک گلگون را

مولانا محرمی

از مردم متعین استراباد است و عم خواجه منصور است، طالب علمی دارد و چون فقیر است، این مطلع ازوست ؎

مدام واعظ ما منع باده نوشش کند
چه خوش بود که زنی در کشد خموش کند[۲]

---

[۱] رنگش (کذا)، [۲] بر حاشیه این بیت از مولانا محرمی ست :

دُرد نوشان راز صاف می نباشد حاصلی
می کشم لای شراب و می شوم مست گلی

مولانا غیاثی

هم از استراباد است، و طبعش[1] بسیار تصرف دارد، و بسیار کیفیت معلوم می شود از این مطلع او که

در سر از لای ته خم هوسی هست مرا　　　بخت یدبین که با آن هم ترس دست مرا

مولانا واهی

عطار است، و فرزند شهر هرات است، در بیرون درب خوش می باشد، و بملازمت سلطان صاحب قران می رسد، این مطلع از وست که

آن چشمهٔ حیات که یابند جان از و　　　جز آب حسرتم نبود در دهان از و

سید خنجر[2]

از چیچکتوست و برای تحصیل بشهر آمد اما زود تحصیل ترک کرد و روی به ملازمت و اشتغال امر سپاهی گری آورد، این مطلع از وست که

جدا ز یاد بجز درد اشتیاق ندارم　　　اجل بیا که دگر طاقت فراق ندارم

مولانا ناظری

از مشهد مقدس رضویه است، جوان بفهم است، و در ذهن تصرف تمام دارد و این مطلع از وست

می شود در قهر اگر خود را کشم از بهر او　　(ق ۱۵ ب) وجه شهرت این که خود را می کشم از قهر او　　(ق ۱۵ ب)

---

[1] طبعش (کذا)، [2] چچر (کذا) از نسخهٔ ترکی ب تصحیح کرده شد،

مولانا ذاتی

از جمله خوش طبعانیست که حالا نو پیدا شده، این مطلع از وست ؎

نی گرچه دم ز زمزمهٔ زیر و بم زند در پیش ناله ام نتواند که دم زند

مجلس چهارم ذکر فضلای کرده است که بشعر مشهور و مباهی نبوده اند، و از ایشان در لباس نظم لطایف ظاهر شده. از انجمله

پهلوان محمد ابو سعید

سلمه الله که بانواع فضایل و کرم آراسته، و بعلم ادوار و موسیقی بلکه بجمیع فنون پیراسته است بتخصیص در فن کشتی که تا فلک لاجوردی بر طل نقره ماه از سر چشمه خورشید میدان عرصه خاک را آب می زند، مثل او کسی قدم در معرکهٔ سرو پا برهنگان شکسته گوش و شکسته گوشان سرو پای برهنه تنبان پوش ننهاده و تا لواء فرزانگی بهجه نصر من الله مزین ساخته، هر کرا که بر سر میدان دعوی او آمده، انداخته و نیفتاده و چون کمالات پهلوان عالم اظهر من الشمس بر همه عالمیان واضح است، زیاده گستاخی نرفت، این مطلع از وست ؎

گفتمش در عالم عشق تو کارم با غم است گفت خندان زیر لب غم نیست کار عالم است

[حضرت[۱] میر لطایف پهلوان را علیحده کتابی نوشته است، بدین جهت درین اوراق در اختصار کوشیده از آن جمله که آن نوشته که پیش از جمعیت و حضور در بقعه پریشان و بی حضور سر بر بالین ضعف داشتم، و هر روزه پهلوان بر ترتیب غدا و فقیر قیام می نمود، و

۱؎ اضافه از مخزن،

بدانچه ممکن و مقدور بود توجه و اهتمام می فرمود، تاانکه سپاه امراض از ممالک بدن قدم بیرون نهاد و باز دولت تندرستی که معموری شهرستان وجود دست داد، شبی غزلی ترکی تمام کردم و آن غزل نه بیت بود و صباح پهلوان تشریف آورده از روی شفقت دست مرحمت بر سر و بازوی این ضعیف رسانیده کمال التفات اظهار کرد، بعد ازان بر سبیل کسب هوا بیرون رفت و باز آمد، و برجای خود نشست، خواستم غزلی که در شب گذشته گفته شده بود بخدمت پهلوان بگذرانم، بخود اندیشه کردم که اول باعثی برانگیزم و بعد ازان برو خوانم، پس بدان سبب از پهلوان پرسیدم که مدت مدیدست که از کارهای شما چیزی استماع نیفتاده، درین اوقات هرچه واقع شده باشد التفات فرمایند که خاطر مشتاقست، جواب گفت که درین روزها بیک غزلی حضرت می رسید، نسیمی صوتی بسته شده، و از وشاقان خود که هم زبان او بودند گروهی را طلبیده بنیاد کرد و مصرع اول را میان خانه مصرع اول غزل فقیر بود چون هنوز بکسی نخوانده بودم گفتم توارد واقع شده، مصرع دوم را که خواند هم از فقیر بود، تعجب کردم که یک مطلع توارد واقع شدن بسیار غریبست، القصه آن غزل را (ق ۵۲ ب) بتمام خواند و بنوائی رسید، نسیمی خواند، بغایت متغیر (ق ۵۲ ب)
و متاثر شدم، چون دگر مجال سخن نماند از ممر شعر سکوت ورزیدم، و در تحسین کار او کوشیدم، بعد از ساعتی ظاهر ساخت که غزل از شماست و بسیار خوب گفته اید، فقیر در محل بیرون رفتن خادمی از جیب بیرون آورد، فی الحال باز گرفتم و بیرون رفته صوت بستم، غرض ازین حدیث آنست که هرچند صفت پهلوان کنند زیاده ازان است و مطلع غزل اینست ~

هر صان کورنکا اول قوماش دین تورا برو هرساری سال سام نظر اول آن منکا منظور ابرو

در معما چنان بوده که در بیتی که شاعر قصد معما نکرده او اسم استخراج می کرده، مثل این مطلع خواجه حافظ را که اسم علی بیرون آورده ~

الا یا ایها الساقی ادر کاسا و ناولها   که عشق آسان نمود اول ولی افتاد مشکلها

وازین مطلع این بیرون آورده ؎

حالیا مصلحت وقت درآن می بینم   که کشم رخت بمیخانه و خوش بنشینم

وازین بیت اسم نقی (؟)[1] حاصل کرده ؎

گنج زر گر نبود کنج قناعت باقیست   آنکه آن داد بشاهان بگدایان این داد

وازین مطلع شجاع بیرون آورده ؎

درخت دوستی بنشان که کام دل ببار آرد   نهال دشمنی برکن که رنج بے شمار آرد

(ق ۱۵۴ ا) چون مذکور شد که در تعریف پهلوان[2] (ق ۱۵۴ ا) رساله علیحده نوشته اند، زیاده ازین محل سخن نبود،

میر سر برهنه[3]

از سادات واجب الاحترام ممالک ترکستانست، مرد خوش طبع و خوش صحبت و

---

[1] نقی (کذا) [2] [رک بابرنامه (ترجمه بیوریج) ص ۲۹۲] [3] [رک حبیب السیر ـ ج ۴ ـ جزء ۳ ـ ص ۳۲۸ ؛ بابرنامه (ترجمه بیوریج) ص ۲۸۰ : هفت اقلیم (خطی)] سید شمس الدین محمد، میر سید سر برهنه ـ بابر او را منسید می گوید یعنی سید وضعی و جعلی ـ البته صاحب حبیب السیر او را سید حقیقی می گوید ـ سبب اطلاق لقب سربرهنه آن بود که میر در ایام جوانی بر کنگر پسری عاشق گشته و بطور قلندرانی در پس آن پسر در کوچه و بازار "سر برهنه" می گشت ـ بنا بران درمیان انام به لقب "سربرهنه" شهرت یافت، میر بحسن کردار و گفتار و بانواع فضائل متصف بود، چون از ترکستان بدار السلطنه رسید امیر علی شیر او را بمنصب شیخی و تولیت مزار شیخ لقمان پرده سرفراز ساخت، بعد چندی از سعایت بد اندیشان معتوب گشته، الا بار دگر، منصب صدارت باو مفوض شد، چنانچه بابر او را امجد صدور سلطان حسین بیقرا شمار کند ـ در ۸۹۸ھ درگذشت، داستان امیر حمزه منظوم باو منسوب است، بابر می گوید "در مقابله قصه امیر حمزه عمر خود را ضایع نموده، و در دراز دروغ قصه بسته، این امر مخالف طبع و عقل است [رک مدیره ـ ۱۵ ـ ص ۴۴۰]،

اورینٹل کالج میگزین لاہور

عرض واجب

اغراض و مقاصد۔ اس رسالہ کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تاحد امکان تقویت دیجائے اور خصوصیت کیساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت۔ عربی۔ فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں *

کس قسم کے مضامین کا شایع کرنا مقصود ہے۔ کوشش کیجائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شایع کئے جائینگے *

رسالے کے دو حصے۔ یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصہ اول عربی۔ فارسی۔ اردو اور پنجابی بحروف (فارسی) حصہ دوم سنسکرت۔ ہندی اور پنجابی بحروف (گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے *

وقت اشاعت یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی۔ اگست میں شایع ہوگا *

قیمت اشتراک سالانہ چندہ حصہ اردو کے لئے ایک روپیہ بارہ آنے ؏؏ اورینٹل کالج کے طلبا سے چندہ داخلہ کالج کے وقت وصول ہوگا *

خط و کتابت و ترسیل زر۔ خریداری رسالہ کے متعلق خط و کتابت و ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مرسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہیئیں *

محل فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جاسکتا ہے *

قلم تحریر۔ حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم۔ اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں۔ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے *

[illegible]

اورینٹل کالج میگزین

جلد (۹) عدد (۱)

عدد مسلسل (۳۳)

بابت

نومبر ۱۹۳۲ء

حصّہ اوّل

ایڈیٹر

مولوی محمد شفیع ایم۔ اے

[illegible]

... ایم اے نے

اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

فہرست مضامین

شاہنامے میں طلوعِ آفتاب

"تاریخ رزمیاتِ ایران" کے کسی آرٹیکل میں فاضل مصنّف نے فردوسی کی قادر الکلامی پر بحث کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ جہاں کہیں ایک ہی بقییت یا ایک ہی واقعہ کو متعدد مرتبہ بیان کرنے کی ضرورت ہوئی ہے ۔ تو ِوسی نے اپنی قادر الکلامی اور تنوّع بیان کا پورا ثبوت دیا ہے ۔ اور مثال کے طور پر یہ بھی جتلایا تھا کہ مثلاً اگر وہ تمام اشعار جہاں فردوسی نے شاہنامے یں طلوعِ آفتاب کو بیان کیا ہے یکجا کئے جائیں تو اس تنوّعِ بیان کی یہ ایک نہایت عمدہ مثال ہو سکتی ہے ۔ غالباً اسی تجویز پر عمل کرتے ہوئے مشہور جرمن ستشرق پروفیسر پال ہورن نے شاہنامے کے ان اشعار کو جمع کیا ہے ۔ جن یں طلوعِ آفتاب کا بیان ہے ۔ لیکن اصل اشعار کی بجائے انھوں نے فقط رمن ترجمہ لکھ دیا ہے ۔ اور آخر میں شاہنامے کی دو مختلف اڈیشنوں میں صفحوں کے حوالے دئے ہیں ۔ ہورن کا یہ مضمون نولڈکہ کے یادگار نامے میں جوان کی ستروں سالگرہ کے جشن کی تقریب میں مرتب کیا گیا تھا شائع ہوا تھا ۔ اوّل تو یہ یادگار نامہ کمیاب ہے ۔ دوسرے شاہنامے کی جن اڈیشنوں کے حوالے ہیں وہ

بھی بہت کمیاب ہیں۔ تیسرے ہمارا خیال یہ ہے کہ "تاریخ رزمیاتِ ایران" کے خاتمے پر اس مجموعۂ اشعار کا بطور ذیل یا تتمّے کے طبع ہونا نہایت برمحل ہوگا۔ لہذا یہاں اسکو شایع کیا جاتا ہے۔

بر دمیدنِ آفتاب ؎

بشگیر چون بر دمید آفتاب — سر جنگ جویان برآمد ز خواب

(فولرس[1] ص ۴۹۸)

دگر روز چون بر دمید آفتاب — بیالید کوه و بپالود خواب

(میکن[2] ۱۴۸۹)

کشتی زرد ؎

برآمد یکی زرد کشتی ز آب — بیالید رنج و بپالود خواب

(میکن ۱۴۲۷)

برآمدنِ آفتاب ؎

همی باش در پیش پرده سرای — چو خورشید تابان برآید ز جای

بخفت او چو خورشید از خاوران — برآمد بسانِ رخِ دلبران

(فولرس ۴۹۶، ۴۳۲)

تابیدنِ آفتاب ؎

چو آمد ببرج حمل آفتاب — جهان گشت با فرّ و آیین و آب

بتابید زانسان ز برج بره — که گیتی جوان گشت زو یکسره

(ایضاً ۱۴)

---

[1] فولرس سے مراد شاہنامہ طبع فولرس (لیڈن ۱۸۷۷ء)
[2] میکن ... کلکتہ ۱۸۲۹ء

بلند شدنِ آفتاب ــ
شب تیره تا شد بلند آفتاب همی گشت با نوذر افراسیاب

نکرد ایچ رستم برفتن شتاب بدان تا بر آمد بلند آفتاب

چو گفتار گرسیوز افراسیاب شنید و بر آمد بلند آفتاب
(فولرس ۲۶۳، ۳۵۲، ۶۵۶)،

پدید آمدنِ آفتاب ــ
چو خورشید رخشنده آمد پدید زمین شد بسان گل شنبلید

چو خورشید تابنده آمد پدید سپیده ز خم کمان بر دمید
(فولرس ۷۱۲، ۸۷۵)،

رخشیدنِ آفتاب ــ
بآرامگه بود تا شب گذشت دگر روز چون شید رخشنده گشت

چو رخشنده خورشید شد بر سپهر بیاراست روی زمین را بمهر
(فولرس ۳۹۸، ۴۴۱)،

افروختنِ هور ــ
بروز چهارم چو بفروخت هور شد از خواب بیدار بهرام گور
(میکن ۱۴۹۳)،

افروختنِ آفتاب ــ

چو از چرخ بفروخت گردنده شید

(فولرس ۱۴۶۹)،

روشن شدنِ خورشید ـــه

چو خورشید بر چرخ روشن شود   سر کوه چون پشت جوشن شود

(میکن ۱۷۹۶)،

تابیدنِ خورشید ـــه

چو اندر گذشت آن شب گشت روز   بتابید خورشید گیتی فروز

(فولرس ۱۵۲۳)،

افروختنِ گیتی فروز ـــه

بدین کار ما بر نیاید دو روز   که بفروزد از چرخ گیتی فروز

(میکن ۱۸۱۹)،

چو بفروخت از کوه گیتی فروز   برفتند ازان بیشه با باز و یوز

از آن پس بیاسود لشکر دو روز   سه دیگر چو بفروخت گیتی فروز

هم آنجا ببودند گردان سه روز   چهارم چو بفروخت گیتی فروز

دو رزم گران کرده شد در سه روز   چهارم چو بفروخت گیتی فروز

(فولرس ۲۵۹، ۱۶۰۴، ۱۷۷۸)،

سه جنگ گران کرده شد در سه روز   چهارم چو بفروخت گیتی فروز

ببد بر در دژ بدینسان سه روز   چهارم چو بفروخت گیتی فروز

سخن گفت و بنشست با او سہ روز ‏ چہارم چو بفروخت گیتی فروز

(مبکن ۱۶۴۳، ۱۸۳۴، ۱۹۲۶، ۲۰۹۱)،

برین نیز بگذشت یک ہفتہ روز ‏ ہشتم کہ بفروخت گیتی فروز

(ایضاً ۱۶۷۲)،

چو از کوہ بفروخت گیتی فروز ‏ دو زلف شب تیرہ بگرفت روز

یکی رزم کردند تا چاک روز ‏ چو پیدا شد از کوہ گیتی فروز

(فولرس ۲۴۲، ۹۰۷)،

ہور گیتی فروز ؎

کنون می گساریم تا چاک روز ‏ کہ رخشان شود ہور گیتی فروز

(مبکن ۱۵۳۶)،

از امروز بشکیب تا پنج روز ‏ چو پیدا شود ہور گیتی فروز

(ایضاً ۱۵۷۴)،

زمان دادہ ام شاہ را تا سہ روز ‏ چو پیدا شود فر گیتی فروز

(ایضاً ۱۸۲۰)،

خورشید گیتی فروز ؎

شما می گسارید خرم سہ روز ‏ چہارم چو خورشید گیتی فروز

بر آید یکی کلبہ سازم فراخ ‏ سر طاق بر تر ز دیوار کاخ

(ایضاً ۱۳۹۰)،

بخشکی رسیدند چون روز گشت ‏ کہ تابش گیتی افروز گشت

(ایضاً ۱۵۷۵)،

چراغ ـــ ہ

جہان از شب تیرہ چون پرّ زاغ　　ہم آنگہ سر از کوہ برزد چراغ

ہم انگہ زمین گشت چون پرّ زاغ　　چنین تا سر از کوہ برزد چراغ

(فولرس ۳۸، ۱۴۵۸)،

دگر روز چون سیمگون گشت راغ　　پدید آمد آن زر درخشان چراغ

(ایضاً ۱۸۴۸)،

چو خورشید پیدا شد از پشت راغ　　برآمد یکردار روشن چراغ

دگر روز چون خور برآمد ز راغ　　نہاد از بر چرخ زرّین چراغ

(فولرس ۷۱۰، ۱۳۳۰)،

برینگونہ تا شید بر پشت زاغ　　برآمد جہان شد چو روشن چراغ

چو اندر رہ غور نہادی چراغ　　پس دشت بودی و در پیش باغ

(میکن ۱۵۰۷، ۲۰۰۶)،

روشن شدن گیتی از خورشید ـــ ہ

چو گیتی ز خورشید شد روشنا　　رسید اندران جایگہ بیسترنا

دگر روز چون گشت روشن جہان　　درفش شب تیرہ شد در نہان

(فولرس ۱۲۶۰، ۱۵۹۳)،

خورشید فام ـــ ہ

چو روی زمین گشت خورشید فام سخن گوی ہندوی بر شد بیام

(میکن ۱۸۹۶)،

زر و شدنِ گیتی ؎

چو شد روی گیتی ز خورشید زرد نجم اندر آمد شب لاجورد

(فولرس ۸۷۳)،

چو شد روی گیتی ز خورشید زرد نجم اندر آمد شب لاجورد

(میکن ۱۳۷۱)،

آراستہ شدنِ گیتی ؎

چو خورشید گیتی بیاراستی بدان کلبہ بازار بر خاستی

(فولرس ۱۱۲۰)،

چو خورشید گیتی بیاراستی خروشی ز درگاہ برخاستی

(میکن ۱۷۱۰)،

چو خورشید تابان ز برج برہ بیاراست روی زمین یکسرہ

(فولرس ۱۲۹۰)،

گستردنِ دیبای زرد ؎

چو گسترد خورشید دیبای زرد بجوشید دریای دشت نبرد

(ایضاً ۱۲۱۶)،

یاقوتِ زرد ؎

دگر روز چون گنبد لاجورد بر آورد و بنمود یاقوت زرد

تو گفتی کہ بر گنبد لاجورد بگسترد خورشید یاقوت زرد

(فولرس ۳۱، ۳۸)،

کوه یاقوت زرد ؎

چو پنهان شدی چادری لاجورد   پدید آمدی کوه یاقوت زرد

چو پنهان شد آن چادر لاجورد   جهان شد ز دیدار خورشید زرد

(میکن ۱۸۰۰، ۱۹۰۰)،

بدانگه که دریای یاقوت زرد   زند موج بر کشور لاجورد

(فولرس ۸۹۵)،

کشادنِ راز ؎

چو خورشید بر چرخ بکشاد راز   سپهدار جنگی بزد طبل باز

(میکن ۱۹۴۳)،

بشادی سر آمد شب دیر یاز   چو خورشید رخشنده بکشاد راز

چو خورشید تابنده بکشاد راز   بهرجای بمنود چهر از فراز

(فولرس ۱۸۶، ۶۳۲)،

بر دمیدن آفتاب از دریا ؎

ز دریای جوشان چو خور بر دمید   شد آن چادر قیرگون ناپدید

بر آمد یکی زرد کشتی ز آب   بیالید رنج و بپالود خواب

(میکن ۱۵۱۱، ۱۸۲۷)،

چشمهٔ آفتاب ؎

دوم روز چون چشمهٔ آفتاب بجنبید و بیدار شد سر ز خواب
(وولرس ۲۰۵)،
درفشی بزد چشمهٔ آفتاب سر شاه گیتی سبک شد ز خواب
(میکن ۱۵۵۶)،
برآمدنِ آفتاب از کوه سے
چو خورشید تابان بر آمد ز کوه برفتند گردان همه همگروه

چنین تا بر آمد ز کوه آفتاب دل لشکر ترک شد پر شتاب

چو فردا بر آید ز کوه آفتاب کنم زین حصار تو دریای آب

بدانگونه تا خور بر آمد ز کوه نیامد ز بانش ز خواهش ستوه

شبی تا بر آمد ز کوه آفتاب دو تن را نیامد سر اندر بخواب
(وولرس ۱۶۷، ۸۹۷، ۹۰۰، ۱۶۶۹، ۱۷۳۲)،
برین گفته یک شب بپیمود خواب چنین تا بر آمد ز کوه آفتاب

چنین تا پدید آمد از تیغ شید در و دشت شد چون بلور سپید
(میکن ۱۷۰۲، ۱۵۹۹)،
همه شب همی راند خود با گروه چو خورشید تابان بر آمد ز کوه
چراغ زمانه زمین تازه کرد در و دشت بر دیگر اندازه کرد
(وولرس ۱۹۹۰)،

زبانہ برزدے

چو برزد زبانہ زکوہ آفتاب سر نامداران بر آمد زخواب

دفولرس ۲۱۱)،

بعض اشعار میں آفتاب انسانی جسم کے ساتھ تصوّر کیا گیا ہے چنانچہ شاعر اس کے سر، ہاتھ، چہرے اور رخسار کا ذکر کرتا ہے :

سر بر زدنِ خورشیدے

چو برزد سر از کوہ زرد آفتاب سر تاجداران بر آمد زخواب

دمیکن ۱۴۳)،

چو از کوہ خورشید سر بر زدی منیژہ ز ہر در ہمی نان چدی

چو خورشید برزد سر از کوہسار سپہبد برفتن بر آراست کار

دفولرس ۱۰۹۱، ۱۷۶۷)،

ببودند یک شب بر آژنگ چہر بدانگہ کہ برزد سر از کوہ چہر

دمیکن ۱۷۳۲)،

چو خورشید برزد سر از کوہسار سیاوش بیامد بر شہریار

چو خورشید برزد سر از کوہسار بگسترد یاقوت بر پشتِ قار

چو خورشید برزد سر از کوہسار سوارانِ توران ببستند بار

دفولرس ۵۳۴، ۷۰۱، ۱۱۳۲)،

چو خورشید برزد سر از تیرہ کوہ تہمتن ز خواب خوش آمد ستوہ

چو خورشید بر زد سر از تیره کوه	خروشی برآمد ز هر دو گروه

چو بر زد سر از تیره کوه آفتاب	بد اندیش را سر برآمد ز خواب

چو خور سر برآرد ز کوه سیاه	نمایم ترا جنگ شاه و سپاه

(فولرس ۲۳۶، میکن ۱۹۳۲، ۲۰۴۰، ۱۸۲۲)

چو خورشید بر زد سر از تیغ کوه	بیامد سبک مرد دانش پژوه

چو خورشید بر زد سر از برز کوه	میانها ببستند توران گروه.

چو خورشید بر زد سر از تیغ کوه	ز گیتی بیامد ز هر سو گروه

(فولرس ۴۳، ۴۵۶، ۱۴۳۷)

سر بر کشیدنِ خورشید سے

چو از کوه خورشید سر بر کشید	ز چشم جهان شاه شد ناپدید

چو خورشید بر زد سر از تیره راغ	زمین شد بکردار روشن چراغ

چو خورشید بر زد سر از پشت زاغ	زمین شد بکردار روشن چراغ

هم آنجا رسیدیم هنگام روز	چو بر زد سر از چرخ گیتی فروز

شب تیره تا سر زد از چرخ شید ‌ ‌ ‌ ‌ بید کوه چون پشت پیل سپید

دفلرس ۱۴۳۹، ۱۷۹۹، ۱۷۹۱، ۱۳۲۴، ۱۳۳۷،

گذشت اندرین نیز یک شب سپهر ‌ ‌ ‌ ‌ چو بر زد سر از کوه تابنده مهر

پرستنده بد شاه دو هفته روز ‌ ‌ ‌ ‌ چو بر زد سر از چرخ گیتی فروز

بکشتیبن آمد بهنگام روز ‌ ‌ ‌ ‌ که بر زد سر از کوه گیتی فروز

چو بر زد سر از کوه گیتی فروز ‌ ‌ ‌ ‌ زمین را بملحم بپوشید روز

دمیکن ۱۲۹۹، ۱۸۳۰، ۱۵۴۵، ۱۹۴۲،

بر آمدن آفتاب از برج شیر ــ

چو خورشید بر زد سر از برج شیر ‌ ‌ ‌ ‌ سپهر اندر آورد شب را بزیر

چو بر زد سر از برج خرچنگ شید ‌ ‌ ‌ ‌ جهان گشت چون روی رومی سپید

چو بر زد سر از برج شیر آفتاب ‌ ‌ ‌ ‌ ببالید روز و بپالود خواب

چو بر زد سر از چشمهٔ شیر شید ‌ ‌ ‌ ‌ جهان گشت چون روی رومی سپید

چو بر زد سر از برج شیر آفتاب ‌ ‌ ‌ ‌ زمین شد بکردار دریای آب

دفلرس ۷۵۷، ۸۸۷، میکن ۱۴۴، ۱۸۲۲، ۱۷۳۷،

روی نمودن خورشید، چهره نمودن خورشید ــ

بگفت آن زمان رستم جنگجوی   چو خورشید تابنده بنمود روی

برین نیز بگذشت گردان سپهر   چو خورشید تابنده بنمود چهر

شب تیره بودند باگفت وگوی   چو خورشید بنمود بر چرخ روی
بگشت اندرین نیز چندین سپهر   چو از خوشه بنمود خورشید چهر

چو خورشید تابنده بنمود چهر   خرامان بر آمد بخم سپهر

چو خورشید تابنده بنمود چهر   جهان کرد از چهر خود پر ز مهر

چو خورشید تابنده بنمود چهر   بسان بتی با دل پر ز مهر

چو خورشید تابنده بنمود چهر   بیاراست روی زمین را بمهر

چو خورشید بنمود تابنده چهر   در باغ بگشاد گردان سپهر

چو بگذشت نیمی ز گردان سپهر   درخشنده خورشید بنمود چهر

شب تیره چون چادر مشکبوی   بیفگند و بنمود خورشید روی

دولرس ۳۴۹ ، میکن ۱۹۲۵ ، ۱۴۸۸ ، ولرس ۷۷۵ ، ۸۲۰ ، ۹۰۰ ، ۹۱۵ ، ۱۵۸۴ ، میکن ۱۹۲۷ ، ولرس ۵۶۷ ، میکن ۱۸۰۷ ،

پهنای خورشید ـه

چو خورشید بنمود پهنای خویش — نشست از بر تند بالای خویش
بزیر اندر آورد برج بره — جهان چون می زرد شد یکسره
(فولرس ۷۹۲)،

رخسارِ خورشید ـه

چو بنمود رخ آفتاب از نشیب — دل موبد شاه شد پر نهیب
(میکن ۱۵۸۶)،

دستِ خورشید ـه

چو خورشید بر چرخ بنمود دست — شهنشاه بر تخت زرّین نشست

چو خورشید بنماید از چرخ دست — بدین دشت خیره نباید نشست
(میکن ۱۵۵۵، ۱۵۹۹)،

چو خورشید بر چرخ بنمود دست — رخ تیره شب را بناخن بخست

چو بنمود خورشید بر چرخ دست — شب تیره بار غریبان ببست
(فولرس ۱۳۵۷، میکن ۱۵۷۴)،

پنجۀ خورشید، چنگ خورشید ـه

چو خورشید زد پنجه بر پشت گاو — ز هامون بر آمد خروش چکاو

چو خورشید بر زد ز خرچنگ چنگ — بدرّید پیراهن مشک رنگ

چو بر زد ز خرچنگ چنگ آفتاب — بفرسود رنج و بپالود خواب

دفولرس ۹۳۵، ۹۱۸، میکن ۱۶۴۲)،

پرِ خورشید ؎

چو خورشید رخشان بگسترد پر سیہ زاغ پرّان فرو برد سر

دفولرس ۴۹۷)،

آفتاب کا ایک جنگجو یا ایک بادشاہ کی مانند بر آمد ہونا، سپر گرفتنِ آفتاب

؎ چو خورشید برداشت زرّین سپر زمانہ بر آورد از چرخ سر

چو زرین سپر برگرفت آفتاب سر جنگجویان بر آمد ز خواب

چو خورشید زرّین سپر برگرفت شب آن شعر پیروزہ بر سر گرفت

چو خورشید زرّین سپر برگرفت شب تیرہ زو دست بر سر گرفت

چو خورشید از چرخ گردندہ سر برآورد بر سان زرّین سپر

دگر روز چون بردمید آفتاب چو زرّین سپر می نمود اندر آب

دفولرس ۴۷۷، ۱۷۷۰، ۱۳۱۵، ۱۵۷۷، ۶۱۲، ۱۴۸۲)،

تیغ آفتاب ؎

بدو گفت رستم کہ شد تیرہ روز چو پیدا کند تیغ گیتی فروز

بدانگہ کہ خورشید بنمود تیغ بخواب اندر آمد سر تیرہ میغ

سپهدار ایران بفرزانه گفت　　که چون برکشد هور تیغ از نهفت

چو خورشید شمشیر رخشان کشید　　شب تیره را گشت سر تا پدید

چو خورشید تیغ از میان برکشید　　شب تیره زو دامن اندر کشید

چو زد بر سر کوه بر تیغ شید　　جهان شد بسان بلور سپید

رفولرس ۴۹۲، ۹۷۱، ۵۳۴، ۷۶۸، ۱۵۵۶، ۱۵۱)،

ببود اندر آن شهر خسرو سه روز　　چهارم چو خورشید گیتی فروز

بابر اندر آورد برّنده تیغ　　جهان جوی شد سوی راه مدیغ

دمیکن ۱۹۰۷)،

سر تیرگی اندر آید بخواب　　چو تیغ تپش برکشد آفتاب

رفولرس ۴۸۴)،

خنجر آفتاب ـ

چو از کوه خنجر برآورد هور　　گریزان شد از خواب بهرام گور

چه خورشید خنجر کشید از نیام　　پدید آمد آن مطرف زرد فام

دمیکن ۱۴۹۵، ۱۸۹۷)،

پدید آمد آن خنجر تابناک　　بکردار یاقوت شد روی خاک

رفولرس ۱۰۰۷)،

سنان آفتاب ـ

کنون چون بر آرد سنان آفتاب نه بینند ازین پس مرا جز بخواب

چو خورشید بر زد سنان از فراز سوی کاخ شد دشمن دیو ساز

چو خورشید بر زد سنان از نشیب شتاب آمد از رفتن اندر وریب

چو خورشید بر زد سنان از فراز خود و واهرن از ره گشتند باز

چو بر زد سنان آفتاب بلند شب تیره گشت از درخشش نژند

چو بر زد خور از چرخ رخشان سنان به پیچید شب گرد کرده عنان

(فولرس ۱۴۳۸، میکن ۲۰۲۳، فولرس ۸۷۴، ۱۴۷۴، میکن ۱۸۵۷،
فولرس ۱۳۶۴)،

کمند آفتاب سے

چو خورشید روشن ز چرخ بلند همی خواست افگند مشکین کمند

(فولرس ۴۴۰)، تخت آراستن خورشید سے

چو خورشید تابان بیاراست گاه طلایه بیامد ز نزدیک شاه

چو کرسی نهاد از بر تخت شید جهان گشت چون روی رومی سپید

چو خورشید بر تخت زرین نشست شب تیره رخ را بناخن بخست

چو پیدا شد آن فرّ خورشید زرد ز بپیچید زلف شب لاجورد
(میکن ۱۹۴۲، ۱۳۶۸، فولرس ۱۴۸۷، میکن ۱۹۵۸)،

تخت و تاجِ خورشید ←

چو خورشید تابنده بنمود تاج گسترد کافور بر تخت عاج

چو خورشید تابنده بنمود تاج زمین شد بکردار تابنده عاج

پر اندیشه بود آن شب دیر باز چو خورشید بنمود تاج از فراز

چو خورشید بنمود تاج از فراز هوا بر زمین نیز بگشاد راز

چو خورشید بنمود تاج از فراز بپوشید روی شب دیر یاز

چو خورشید بنهاد بر چرخ تاج بکردار زرّ آب شد روی ساج

چو خورشید بر چرخ بنمود تاج جهانبان نشست از بر تخت عاج

چو شبگیر خورشید بنمود تاج زمین شد بکردار دریای عاج
(فولرس ۸۹۷، میکن ۱۵۲۷، فولرس ۳۲۰، ۱۵۸۸، میکن ۱۷۵۵، فولرس ۱۴۷۷، میکن ۱۵۱۲، ۱۶۱۵)،

دوم روز چون شید بنمود تاج نشست از بر سیم گون تخت عاج

بدانگہ کہ خورشید بنمود تاج بر آمد نشست از بر تخت عاج

دگر روز چون تاج بنمود مہر زبانہ بر آمد ز خم سپہر
(فولرس ۱۱۱۵، ۱۰۲۴، میکن ۱۵۵۳)،
ز ماہی چو خورشید بنمود تاج بر افگند خلعت زمین را ز عاج

ز خاور چو خورشید بنمود تاج گل زرد شد بر زمین رنگ ساج

دگر ہفتہ چون ہور بفروخت تاج بیامد نشست از بر تخت عاج
(میکن ۱۷۷۹، ۱۴۳۴، ۱۶۶۷)،
سہ دیگر چو بفروخت خورشید تاج زمین زرد شد کوہ و دریا چو عاج

برین ہمنشان تا ز خم سپہر پدید آمد آن زیور تاج مہر
(میکن ۱۵۱۳، ۱۶۰۰)،

کلاہِ خورشید ــ ۵
ببود آن شب و بامداد پگاہ چو خورشید بنمود زرین کلاہ

شب تیرہ لشکر ہمی راند شاہ چو خورشید بفراشت زرین کلاہ

بمان تا بیاساید امشب سپاہ چو بر سر نہد کوہ زرین کلاہ
(میکن ۱۴۳۵، فولرس ۱۵۹۵، ۱۲۹۵)،

درفش خورشید ؎

چو خورشید بر زد بهامون درفش　　　دم شب شد از خنجر او بنفش

زدیبا چو خورشید بر زد درفش　　　چو مصقول گشت آن هوای بنفش

چو بر زد زدریا درفش سفید　　　ستاره شد از تیرگی نا امید

چو خورشید بنمود تابان درفش　　　معصفر شد آن پرنیانی بنفش

چو خورشید تابان بر آرد درفش　　　درفشان کند روی چرخ بنفش

چو خورشید تابان بر آرد درفش　　　چو زر آب گردد زمین بنفش

(فولرس ۸۳۴، میکن ۱۵۰۸، ۱۹۳۵، فولرس ۱۰۳۵، ۱۳۰۲، ۱۴۳۸)،

سراپردۂ خورشید ؎

چو خورشید بر کشور لاجورد　　　سراپردۂ زد ز دیبای زرد

(فولرس ۹۲۰)،

لشکر خورشید ؎

چو خورشید بر چرخ لشکر کشید　　　شب تار تا زنده شد ناپدید

(ایضاً ۹۲۷)،

پرده برداشتنِ آفتاب ؎

چو برداشت پرده ز پیش آفتاب　　　سپیده بر آمد بپالود خواب

چو خورشید از پرده بالا گرفت جهان از ثری تا ثریا گرفت

(فولرس ۸۸، ۲۳۶)

چو خورشید با رنگ دینار زرد ستم کرد بر پردهٔ لاجورد

چو خورشید آن چادر قیرگون بدرید و از پرده آمد برون

چو خورشید از آن چادر نیلگون همی شد بدرید و آمد برون

بدانگه که خور چادر مشکبوی بدرید و بر چرخ بنمود روی

چو خورشید از پرده آگاه شد ز برج کمان بر سر گاه شد

چو خورشید ازان چادر لاجورد برآمد بپوشید دیبای زرد

چو برقع برافگند از چهر مهر بخواندش برِ خویش بوزرجمهر

(فولرس ۱۰۱۲، ۴۷۲، ۹۰۱، میکن ۱۵۱۵، فولرس ۱۴۸۴، ۱۵۹۱، میکن ۱۷۸۹)

چون پیدا شد آن چادر عاج گون خور از برج دو پیکر آمد برون

چو پیدا شد آن چادر زرد رنگ وز و گشت گیتی چو پشت پلنگ

چو زرین شد آن چادر مشکبوی　　　فروزنده بر چرخ بنمود روی

چو روشن شد آن چادر لاجورد　　　جهان شد بکردار یاقوت زرد

(میکن ۱۷۹۷، ۲۰۵۹، ۱۵۶۴، فولرس ۵۸۸)،

زرد جام خورشید سے

چنین تا پدید آمد آن زرد جام　　　که خورشید خوانی مر او را بنام

چو مہمان من بوده باشد سه روز　　　چهارم چو از چرخ گیتی فروز

بیندازد آن چادر لاجورد　　　پدید آید آن جام یاقوت زرد

(میکن ۱۵۸۱، فولرس ۱۶۸۸)،　　　(باقی)

محمد اقبال

خزائنِ مخطوطات
پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور

قصص و حکایات

(گزشتہ سے پیوستہ)

۱ - ملاحت مقال - دیکھو ریو - ج ۳ - ص ۱۰۰۶

[اوراق ۵۰، سطور ۱۷ - نیم شکستہ - تقطیع ۸½ × ۹ : ۶½ × ۴½]

دلپت رای (یاد پست سنگھ) کا مجموعہ قصص [بعد از سنہ ۸۱۱ھ)
ناقص الآخر

۲ - محبوب القلوب - ریو - ج ۲ - ص ۷۶۷

[اوراق ۲۱۹، سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ۸" × ۵½ : ۶ × ۴]

اخلاقی کہانیوں کا مجموعہ (۱۱۰۵ — ۱۱۳۵) از برخوردار بن محمود ترکمان
کتاب کچھ ناقص ہے -

۳ - لطایف الظرایف - ریو - ج ۲ - ص ۷۵۷

[اوراق ۱۲۵ - سطور ۲۰ - بدخط نستعلیق - تقطیع ۹ × ۷ : ۷ × ۴]

پر لطف کہانیوں اور لطیفوں کا مجموعہ (بعد از ۹۳۹ھ) از صفی بن علی بن
حسین واعظ کاشفی - کتاب کے ۱۴ ابواب ہیں - ہر باب میں مختلف طبقات

میں سے ایک طبقے کے متعلق لطیفے ہیں -
کاتب - رحمت اللہ بن حاجی محمد بہوتہ ہیں -
تاریخ کتابت - ۲۵ ذوالقعدہ ۱۰۸۱ھ

۴ - کارستان - دیکھو انڈیا آفس - عدد ۲۰۸۳
[اوراق ۹۶ - سطور ۱۳ تا ۱۷ - شکستہ - تقطیع ۷½ × ۵½ : ۶ × ۳]
قصہ والا اختر (۱۱۵۰ھ) از مولانا ابوالبرکات منیر
کاتب - عصمت اللہ
تاریخ کتابت - محرم ۱۲۲۴ھ

۵ - کشایش نامہ - دیکھو ریو - ج ۲ - ص ۷۶۷
[اوراق ۶۳، سطور ۱۵ - تقطیع ۱۰ × ۶ : ۷ × ۴]
از خواجہ راجکرن رہتکی

۶ - داستان حمزہ - ریو - ج ۲ - ص ۷۶۱
[اوراق ۱۹۷ - سطور ۱۴، ۲۱، نستعلیق - تقطیع ۹½ × ۶½]
یہ مکمل داستان کا ایک جزو ہے -
کاتب - احمد بخش قانونگو بھیرہ
تاریخ کتابت ۱۱۸۴ھ

۷ - چہار درویش [اوراق ۵۵ - سطور ۲۳ - شکستہ آمیز - تقطیع ۸½ × ۶½ : ۷½ × ۴]
چہار درویش کا ایک ناقص نسخہ از میر عطا حسین خان تحسین مرصع رقم
بن باقر خان شوق
ناقص الآخر - اس کے دو نسخے اور بھی ہیں -

۸ - قصہ دقیانوس [اوراق ۲۶ - سطور ۱۴ - نستعلیق - تقطیع ۸½ × ۴½ : ۶ × ۳]

دقیانوس کا قصہ ۔

آغاز: راویان اخبار و ناقلان آثار چنین روایت کردہ اند

۹ ۔ حکایات عجیب [اوراق ۱۱ ۔ سطور ۱۶ ۔ شکستہ ۔ تقطیع ½۸ × ½۵ : ½۶ × ۴]

۵۲ حکایتوں کا مجموعہ ۔ مصنف کا نام نامعلوم

۱۰ ۔ انوار سہیلی ۔ دیکھو ریو ۔ ج ۲ ۔ ص ۷۵۶

[اوراق ۱۹۲ ۔ سطور ۲۲ ۔ نستعلیق ۔ تقطیع ۱۲ × ½۸ : ۹ × ۶]

حسین واعظ کاشفی کی مشہور کتاب انوار سہیلی

تاریخ کتابت ۷ / صفر ۱۲۱۳ھ

اس کتاب کے ایک دو نسخے اور بھی ہیں ۔

۱۱ ۔ عیار دانش ۔ دیکھو ریو ۔ ج ۲ ۔ ص ۷۵۶

[اوراق ۲۳۸ ۔ سطور ۱۷ ۔ ۱۸ ، نستعلیق ۔ تقطیع ۱۰×۵ : ½۷ × ۳]

ابوالفضل علامی کی تصنیف (۹۹۶ھ)،

کاتب ۔ محمد علی

تاریخ کتابت ۔ ۱۲۳۰ھ

اس کا ایک نسخہ اور بھی ہے ۔

۱۲ ۔ طوطی نامہ ۔ دیکھو ریو ۔ ج ۲ ۔ ص ۷۵۳

[اوراق ۲۲۷ ، سطور ۱۵ ، نستعلیق ۔ تقطیع ۸×۵ : ½۵ × ۳]

۵۲ کہانیوں کا مجموعہ (۷۳۰ھ) از ضیاء الدین نخشبی (متوفی ۷۵۱ھ)

اس کا ایک نسخہ اور بھی ہے ۔

۱۳ ۔ مرآۃ الخیال ۔ [اوراق ۲۴۹ ۔ سطور ۱۱ ۔ نستعلیق ۔ تقطیع ۱۰ × ½۶ : ½۶ × ½۳]

خاقان بن ملک شاہ اور ملکہ مصر کا افسانہ عشق و محبت (۱۰۳۰ھ)،

از مکھہ راج یا میگراج یا منکراج ملتانی جس نے اسے نواب حفظ اللہ خان کے نام پر معنون کیا۔ تلسی رام بن ملک دنی چند نے دیباچہ لکھا۔

۱۴ - معدن الجواہر [اوراق ۲۴۷ - سطور ۱۵ - شکستہ - تقطیع ½۹ × ½۵ : ۷×۴]

خواجہ امیر قادری نے اس مجموعہ حکایات کو مرتب کیا (۱۲۳۵ھ)

کتاب ۲۰ جواہر پر مشتمل ہے۔

ناقص الآخر۔

۱۵ - قصہ یوسف [اوراق ۱۶۸ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ۱۰×۷ : ۶×۳]

اس قصے کے ساتھ تصوف کی کتاب ریاض العاشقین بھی ہے۔

تاریخ کتابت ۱۱۰۰ھ

کاتبان - (۱) دوست محمد بن ملا سمرقندی

(۲) حاجی محمد ضیا بانی (؟) (ضیا بانی)

۱۶ - قصہ مہربانو - دیکھو - ریو - ج ۲ - ص ۷۷۲

[اوراق ۴۳۳ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع - ۹×۶ : ۷×۴]

قصہ ملک زادہ و مہربانو

ناقص۔

۱۷ - شعلہ آہ - [اوراق ۱۲۱ - سطور ۱۵ - شکستہ آمیز - تقطیع ۱۱×۶ : ½۷×½۳]

ملک محمد اور شمس بانو کا قصہ عشق و محبت از منشی لچھمن سنگھ غیوری (زنزد ۱۲۲۱ھ)

۱۸ - قصہ سیف الملوک - دیکھو ریو - ج ۲ - ص ۷۶۴

[اوراق ۴۴۵ - سطور ۱۵ - نیم شکستہ - تقطیع ½۸ × ۵ : ½۶×۳]

سیف الملوک اور بدیع الجمال کا قصہ عشق و محبت،

۱۹ - ریاض القصص [اوراق ۲۳۸ - سطور ۱۱ - نیم شکستہ - تقطیع ۱۰×۶ : ۵×۳½]
از شیخ قمرالدین بن حافظ عبدالرحیم بن محمد حاجی جالندھری
اس کتاب کے ساتھ ذیل کے رسائل ہیں :-
(۱) تعزیت نامۂ شیخ دانشمند - مصنف معلوم نہیں
(۱۱) زمانہ نامہ - شکایت روزگار
تاریخ کتابت - محرم ۱۲۸۶ھ

۲۰ - بہار دانش - دیکھو ریو - ج ۲ - ص ۷۰۵
[اوراق ۱۳۱ - سطور ۱۹ - نیم شکستہ - تقطیع ۱۲½×۸ : ۱۱×۶]
جہاندار سلطان اور بہرہ ور بانو کی داستان عشق (۱۰۶۱ھ)
از شیخ عنایۃ اللہ (متوفی ۱۰۸۸ھ)

۲۱ - ہفت قصہ حاتم طائی - دیکھو ریو - ج ۲ - ص ۷۶۴
[اوراق ۱۴۴ - سطور ۱۳ - ۱۴ - شکستہ - تقطیع ۷½×۴ : ۵½×۳]
حاتم طائی کے قصے -
کاتب - سادھو رام - تاریخ - ربیع الاول ۱۲۱۶ھ

۲۲ - کتاب النشر [اوراق ۵۷ - سطور ۱۱ - نستعلیق - تقطیع ۸×۵ : ۵×۲½]
جعفر زٹلی (متوفی ۱۱۲۵ھ) کی کہانیاں

۲۳ - حکایات - [اوراق ۲۶ - سطور ۱۵ - شکستہ - تقطیع ۹½×۵½ : ۶½×۳]
لطایف و حکایات کا مجموعہ

سید محمد عبداللہ

میر قدرت اللہ خان قاسم

اور

اُن کی تالیف مجموعۂ نغز

ان کی کنیت ابوالقاسم عرف میر قدرت اللہ قادری اور قاسم تخلص ہے۔ اکثر تذکرہ نگار "خان" کا لفظ ان کے نام کے ساتھ اضافہ کرتے ہیں۔ حضرت امام رضا کی اولاد سے ہیں۔ ان کے سربرآوردہ بزرگوں میں ایک تو سید اسمٰعیل غوربندی ہیں۔ دوسرے سید فاضل گجراتی ہیں جو قصبۂ گجرات شاہ دولہ پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا مکان گجرات میں لوہاروں کے محلے میں تھا اور قبر بھی وہیں ہے۔ جو زیارت گاہ خلائق ہے۔ مصنف کا بیان ہے کہ "بزار و یتبرک بھا"

حکیم صاحب نے اپنے خاندانی حالات کا مطلق ذکر نہیں کیا ہے۔ صرف اسی قدر کہا ہے کہ اب صرف فتح علی خان حسینی جو ایک شیخ باکمال ہیں اور جن کا ذکر اس تصنیف کے علاوہ "کرامات پیران پیر" میں بھی آتا ہے۔ ان کے بزرگوں کے جاننے والوں میں باقی رہ گئے ہیں۔ چنانچہ کرامات پیران پیر

بزرگوں سے واقف میرے لے چل — نہیں کوئی اسکے سوا آج کل

نہیں کوئی باقی [illegible] — شناسا بزرگوں کا اب اس کے سوا

حسب اور نسب کا مری دوستاں — وہی آج آگاہ ہے بے گماں

اس اشارے سے ہم اس قدر اخذ کرتے ہیں کہ وہ ایک شریف اور ممتاز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ تذکرہ نگار ان کے نام کے ساتھ

"خان" کا لفظ بھی ضم کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ سرکار شاہی سے یہ خطاب ان کے بزرگوں کو عطا ہوا ہے۔ اور وراثتاً" ان تک پہنچا ہے۔ یہ امر بھی ان کی شرافت خاندانی کی دلیل ہے۔ ان کا آبائی پیشہ درس و تدریس و تعلیم و تعلم کے علاوہ درویشی اور پیری مریدی تھا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی سے ان کے خاندان کو خاص ارادت تھی۔ اور ان کے والد کی بھی انہیں یہی نصیحت تھی کہ وہ ہمیشہ قادری رہیں۔ چنانچہ حکیم صاحب اپنی مثنوی کرامات پیران پیر میں فرماتے ہیں

ہمیشہ اسے والد نامدار | کہ یادا پدر و رحمتِ کردگار
یہ کرتا نصیحت بدل دوستو | جو بعد ائمہ تو اے نیک خو
دل و جان سے جان جان پدر | شہنشاہ بغداد کو راہ بر
سدا بوجھ سب کا انہیں پیشوا | کہ ہیں تیرھویں وہ امام ہدیٰ

حکیم صاحب اس نصیحت پر مدۃ العمر عامل رہے اور ہر بارھویں تاریخ کو بڑے پیر کی فاتحہ دلواتے رہے۔ مصنف نے اپنے والد کے ذکر کے متعلق بھی خاموشی سے کام لیا ہے۔ صرف اسی قدر کہا ہے کہ میری عمر کے آٹھویں سال میں ان کا انتقال ہوتا ہے۔ چنانچہ

گیا جب جہاں سے وہ ناصح کریم | ہوا اور برس آٹھویں یہ یتیم

والد کی رحلت سے تین سال بعد میر فتح علی خان حسینی ان کو لے جاکر مولانا فخرالدین کے مدرسہ میں داخل کرا دیتے ہیں۔ چنانچہ کرامات پیران پیر۔

مجھے لے گیا وہ جوانمرد پیر | جہاں تھے وہ صد فخر قطب کبیر
جب اس مدرسہ میں بصد انکسار | مری آمد و شد ہوئی گرم یار

حکیم صاحب چونکہ ابھی کم سن تھے۔ ان کی عمر مشکل سے گیارہ سال ہوگی۔ اس لئے مولانا فخرالدین نے انہیں سید احمد ابا حسن کے حوالے کر دیا تھا جو اسی

مدرسہ میں ایک مدرس اور مولانا کے مرید و جانشین تھے ۔ کرامات پیران پیر:-

وہ استاد جن کے کیا تھا سپرد — مجھے حضرت شیخ نے جان خورد
وہ تھا سید پاک و عالی تبار — نہایت بزرگ و بزرگی شعار
وہ رکھتے تھے از بسکہ خلق حسن — کنیت تھے کہتے انہیں با حسن
فنا شیخ میں تھے ہوئے مو بمو — گویا حضرت فخر تھے ہو بہو
پس از رحلت شیخ قربت دثار — خلافت ہوئی ان کو صدیق وار
باجماع یاران وہ پاکیزہ دین — محب نبی کے ہوئے جانشیں

اس عہد کے طلبا کی سادہ زندگی کا ہم اس ایک امر سے اندازہ لگا سکتے ہیں جو مصنف نے اپنی اسی نظم میں اتفاقیہ ذکر کر دیا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ میں صبح سے لے کر شام تک ایک لمحہ کے لئے بھی کتاب کو اپنی آنکھ سے اوجھل نہیں ہونے دیتا تھا ۔ علی الصباح اٹھا ۔ آٹا گوندھا ۔ اس کا ایک پیڑا بنایا اور جا کر تنور پر لگوالیا اور کھا پی کر دن بھر پڑھنے میں مصروف رہا

نہ چھٹتی تھی مجھ سے کتاب ایک پل — کہ کرنا تھا مشکل مسائل کو حل
غرض شام سے صبح تک میں یکد — مطالعہ کناں تھا لے اہل خرد
لے ایک ساتھ آٹے کا پیڑا میں خام — علی الصبح پڑھنے کو جاتا مدام
پکا اوسکو تنور سے اور کھا — میں تا شام پڑھنا پڑھاتا سدا
مجھے بس کہ مقصود میاں علم تھا — میں تھا پیچھے باندہ اسکے آٹا پڑا
کبھو ہی میں ناغہ نہ کرتا سبق — بلاناغہ پڑھتا ورق دو ورق

ان ایام میں حکیم صاحب اپنا اکثر وقت اپنے استاد اور مولانا فخر الدین کی معیت میں گذارتے ۔ جب یہ بزرگ زیارات کے لئے جاتے ۔ یہ اپنے سبقوں میں ناغہ ہو جانے کے ڈر سے ساتھ ساتھ رہتے ۔ زیارتیں بھی کرتے اور موقعہ پا کر سبق بھی پڑھ

لیتے۔

توجوں سایہ ہمراہ شیخ اے جواں — زیارت کو پیروں کی پھرتے رواں
سمجھ اپنی تحصیل میں یہ فتور — سدا ساتھ رہتا میں با صد سرور
جہاں وقت فرصت کا ملتا مجھے — میں لیتا سبق پڑھ وہیں لطف سے
زیارات تھے مجکو مفت لے پسر — بسر ہم تھے یہ شیر و شکر

اسی زمانہ میں حکیم صاحب کے نانا کو امیر الامرا نجیب الدولہ بہادر کی سرکار سے توسل تھا۔ نانا کی کوئی جاگیر تو تھی نہیں مگر امیر الامرا ان کے ساتھ مروت سے پیش آتے اور سلوک کرتے رہتے تھے اور ایام طالب علمی میں یہی نانا ہمارے مصنف کے کفیل معاش تھے۔

نجیب زماں تھا وہ خان زماں — کہ تھی دولت وجاہ کی اسکے شاں
وہ تھا دیندار اسقدر اے عزیز — کہ عہد اس کے میں باہزاراں تمیز
ہوے لاکھا حافظ با وقار — ہزاروں ہی فاضل ہوئے نامدار
یہ قاسم بھی میاں اسکے ہی جود سے — ہوا ہے کچھ آگاہ شد بود سے
کہ نانا سے اسکے وہ صاحب کرم — مروت سے کرتا تھا کچھ بیش و کم
عوض اسکی جاگیر کے یہ امیر — کرے تھا تواضع قلیل و کثیر
یہ تھا حال پر اسکے حد مہرباں — وہ تھا اس کے الطاف سے کامراں
میں سدرمق کھاکے نانا کے ہاتھ — شب و روز مشغول تھا علم ساتھ

نجیب الدولہ کے متعلق ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ وہ علی محمد خاں کے زمانہ میں روہیلکھنڈ پہنچے۔ کچھ عرصہ بعد وہاں سے قطع تعلق کرکے وزیر غازی الدین کی وساطت سے دہلی آگئے۔ جب نواب صفدر جنگ نے دربار دہلی سے مخالفت کی ۱۱۶۷ھ میں نجیب الدولہ نے صفدر جنگ پر حملہ کرکے اسکو دریاے گنگا عبور کرنے پر مجبور کیا۔ اس معرکے میں نجیب الدولہ خود بھی زخمی ہوئے تھے۔ احمد شاہ بہادر نے اس

حسن خدمت کے صلہ میں ان کو نجیب الدولہ کا خطاب دیا ۔ عالمگیر ثانی کے دور میں احمد شاہ ابدالی نے انہیں بادشاہ دہلی کا امیر الامرا مقرر کیا ۔ لیکن شاہ موصوف کی واپسی قندھار پر جو ۱۱۷۰ھ میں ہوئی ۔ غازی الدین خاں وزیر نے یہ منصب ان سے لے کر احمد خاں بنگش والی فرخ آباد کو تفویض کردیا ۔ نجیب الدولہ ۱۱۷۴ھ کی جنگ پانی پت میں بھی شریک تھے ۔ اس جنگ کے اختتام پر احمد شاہ ابدالی نے بوقت واپسی دوبارہ ان کو امیر الامرا بنا دیا اور شہر دہلی اور شاہی خاندان کی حفاظت ان کے سپرد کر دی ۔ نجیب الدولہ نے اپنے زمانۂ امیر الامرائی میں دہلی اور ان بقیہ اضلاع کا جو ابتک شاہان دہلی کے قبضے میں تھے بوجہ احسن انتظام کیا اور رجب ۱۱۸۴ھ میں اس دار فانی سے رحلت کی ۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ نجیب الدولہ ۱۱۷۴ھ سے دہلی میں رہنے لگے ہیں اور اپنی وفات کے سال ۱۱۸۴ھ تک یہیں رہے ۔ یہی زمانہ ہے جب ہمارا مصنف شہر دہلی میں اپنی طالب علمی کا زمانہ مولانا محمد فخر الدین کے مدرسہ میں گذار رہا ہے ۔ جب ان ایام میں وہ طالب علم ہے اور ۱۲۴۶ھ میں انتقال کرتا ہے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک بڑی عمر کا جو تقریباً اسی سال ہوگی مالک تھا ۔

معقول و منقول میں حکیم صاحب مولانا فخر الدین اور خواجہ احمد خاں کے شاگرد ہیں ۔ مولوی محمدی ملقب بہ میاں صاحب بسمل تخلص سے مختصر وقایہ ۔ مختصر معانی مطول و شرح عقائد نسفی پڑھی ہیں (مجموعۂ نغز صفحہ ۱۲۱) ۔ فن طب میں رئیس الحکما و شریف الاطبا حکیم محمد شریف خاں کے اور فن شعر میں ہدایت اللہ خاں ہدایت کے تلمیذ ہیں ۔

حکیم صاحب کسی کے ملازم نہیں تھے اور طبابت ذریعۂ معاش تھی ۔ مولوی کریم الدین تاریخ شعرائے اردو میں لکھتے ہیں " علم طب خوب ان کو آتا تھا ۔ علاج

بیماروں کا کیا کرتے تھے (ص۳۱۹) صاحب گلستان سخن انکو "حکیم کامل اور طبیب فاضل" کے معزز الفاظ سے یاد کرتے ہیں (ص۳۰۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت اچھے طبیب تھے۔

ان کی زندگی ایک بے انقلاب زندگی معلوم ہوتی ہے جو طبابت اور شعر کی خدمت میں خاموشی کے ساتھ بسر ہو گئی - ابتدائے شعور سے انہیں شعر گوئی کا شوق تھا۔ مشاعروں میں ضرور حاضر رہتے - امیر الامرا نجیب الدولہ کے عہد میں میر محمدی شرف کے ہاں محفل مشاعرہ منعقد ہوا کرتی تھی۔ حکیم صاحب ان ایام میں محض مبتدی فن تھے لیکن مشاعرہ میں ضرور شامل ہوا کرتے - فرماتے ہیں :-

" در ایام دولت نواب معلےٰ القاب نجیب الدولہ بہادر عفی اللہ عنہ طرح مراختہ بخانۂ خود می انداخت - قاسم ہیچمدان سراپا نقصان کہ دران اوان مبتدی این فن بود بمجلس وے حاضر می شد" (ص۳۴۰/۱)

اسی زمانہ میں میاں مصحفی دہلی میں مقیم تھے اور اپنے گھر مشاعرے کراتے تھے - حکیم صاحب ان مشاعروں میں بھی شریک ہوا کرتے تھے - چنانچہ کہتے ہیں

" در زمانے کہ وارد حضرت دہلی بود یک چند طرح مراختہ بخانۂ خود انداختہ باقاسم ہیچ مدان سراپا نقصان کہ اکثر بمشاعرہ اش میرفت بسیار باہلیت و آدمیت پیش می آمد" (ص۱۸۹/۲)

معلوم ہوتا ہے کہ اسی عہد میں استاد ہدایت کی شاگردی اختیار کی ہے - ہدایت کے ذکر میں کہتے ہیں :-

" قاسم ہیچمدان سراپا نقصان باوصف صحبت مستوفی درعرض چہل سال تخمیناً گاہے ندیدہ کہ از وے کسی رنجیدہ" (ص۳۱۴/۲)

اس میں چالیس سال کے زمانہ کی طرف جو اشارہ ہے وہ تذکرۂ ہذا کی تحریر کے

وقت یعنے ۱۲۲۱ھ میں کیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ (۱۱۸۱ = ۴۰ - ۱۲۲۱) ۱۱۸۱ھ میں حکیم صاحب استاد ہدایت سے تعلق میں آئے ہیں اور غالباً اسی زمانہ میں وہ ان کے شاگرد بنتے ہیں۔

نوعمری سے جو زلف سخن کے سنوارنے کا لپکا پڑا ہے مرتے دم تک نہیں چھوٹا۔ مشاعروں میں ان کی حاضر باشی ضروری تھی۔ کثرت مشق سے استادوں میں شمار ہونے لگا اور فن شعر کے ماہر تسلیم کر لئے گئے۔ انہی مشاعروں کی بدولت میر انشاءاللہ خاں انشا سے ان کا اور عظیم بیگ عظیم کا بگاڑ ہو جاتا ہے۔ حکیم صاحب کی سلیم الطبعی اور سلامت مزاج سے توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ خود کسی معاملہ میں پہل کرتے البتہ انشا کی شوخ اور ہنگامہ زا طبیعت ادھر مرزا کی خود بینی اور بد دماغی زیادہ تر اس ادبی معرکہ کی ذمہ دار ہے۔ حکیم صاحب براہ راست کوئی فریق نہیں تھے لیکن مرزا عظیم کی رفاقت کی بنا پر انہیں اس جنگ میں حصہ لینا پڑا۔ یہ شعری رزم جس میں انشا کی طرف سے بعض ناجائز امور کی حد تک اقدام ہوا ہے۔ مرزا میڈھو کے مشاعرہ میں قطعات وغزلیات فخریہ سے گذر کر باقاعدہ میدان جنگ کی صورت اختیار کرنے والی تھی۔ جب حکیم صاحب کے سامنے شمع لائی گئی۔ انہوں نے انشا سے خطاب کرکے کہا۔ عمزاد! آپ کی سرکار سے ہمیں مسیلمۂ کذاب کا خطاب عنایت ہوا ہے۔ بہت اچھا! اب ذرا ہمارے الفیل ما الفیل پر بھی کان دھریے۔ صاحب مشاعرہ کو گمان گذرا کہ اب کوئی رکیک ہجو پڑھی جانے والی ہے۔ ادھر سے یہ اور اُدھر سے محب علی محبؔ اٹھے اور کوشش کرکے فریقین میں صلح کرا دی۔ دونوں طرف شرفا تھے مان گئے۔ معاملہ بخیر و خوبی گذر گیا اور کشت و خون تک نوبت نہیں آنے پائی اس پرخاشس شاعرانہ کی یادگار مرزا عظیم بیگ کا وہ مشہور مخمس ہے جس کے شعر ذیل نے ہماری زبان میں ضرب المثل کی عزت حاصل کرلی ہے۔

شہزور اپنے زور میں گرتا ہے مثل برق وہ طفل کیا گریگا جو گھٹنوں کے بل چلے

...صیل کے لئے ملاحظہ ہو تذکرۂ انشا صفحہ ۸۲ و ۸۶)

تذکرۂ ہذا میں بعض اشاروں سے پایا جاتا ہے کہ حکیم صاحب نے بعض اوقات ...ر ادھر سفر بھی کئے ہیں۔ کنور پریم کشور فراقی کے ذکر میں کہتے ہیں کہ میں نے اس ...باپ کو بندرابن میں فقیرانہ لباس میں دیکھا ہے (صفحہ ۴۸/۲) ۔اس سے انکا بندرابن پہنا ثابت ہے ۔

منت کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ میں اور منت ایک ہی گاڑی میں لکھنؤ پہنچے ۔ ...ں واپس چلا آیا ۔ اور وہ وہیں رہ گئے ۔

" اتفاقاً قاسم ہیچمدان سراپا نقصان ہم سفر آن فصاحت زبان دریک گردوں تا بلدۂ لکھنو رسید جامع المتفرقین ویرا در اندک فرصت بوطن مالوف رسانید و آن میر میدان سخنوری در یہمان نوح ، توطن گزید" (صفحہ ۲۱۵/۲) "

حکیم صاحب کی شادی مولوی نور احمد صاحب ممتاز کی دختر بلند اختر سے ہوئی تھی ...ر احمد مولوی عبدالوہاب کے فرزند ہیں جو اپنے عہد کے بڑے عالم مانے جاتے تھے۔ ...و مولوی نور احمد شاہ عالم ثانی کے ایام شہزادگی میں استاد تھے ۔جب شہزادہ والاگوہر ...شاہ عالم کی شہزادگی کا نام ہے) دیار شرقیہ کو چلے گئے ۔ مولوی نور احمد کا سلسلہ سلطان ...بیت بخش اور نواب عماد الملک کی سرکاروں میں ہو گیا ۔ آخر میں خانہ نشین ہو گئے اور باقی عمر بڑی عزت کے ساتھ گذاردی ۔ اہل شہر و محلہ مولوی صاحب کی بیحد عزت ...رتے تھے ۔ یہ اس سے ظاہر ہے کہ جس دن مولوی صاحب کا انتقال ہوا اہل بازار نے ...ن کے احترام میں اپنی دکانیں بند کر دیں اور شریک جنازہ ہو گئے اور جب تک مولوی صاحب کو دفن نہیں کر دیا گیا اسوقت تک واپس نہیں آئے (صفحہ ۲۱/۲)

اولاد میں حکیم صاحب نے صرف ایک فرزند کا ذکر کیا ہے ۔ اور بمصداق "الولد سر

لابیہ' وہ بھی شاعر ہیں۔ ان کا نام عزت اللہ عشق ہے۔ حافظ و قاری ہونے کے علاوہ فن طبابت میں صاحب کمال ہیں اور میرزا ولی عہد بہادر (اکبر شاہ ثانی) کے فرزند اکبر مرزا ابوالمظفر بہادر ظفر (ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ پادشاہ) کے کلام کی اصلاح دیتے ہیں۔ اس موقعہ پر حکیم صاحب کے فقرہ سے مترشح ہوتا ہے کہ شاید خود حکیم صاحب بھی شاہی خاندان کی اصلاح دیتے رہے ہیں۔ ان کے الفاظ ہیں:-

"اما از برخوردار کامگار میر عزت اللہ عشق مدعمرہ و زاد قدرہ کہ ارشاہ شتہ استادی این دودمان عالیشان وارد استشارہ می فرمایند" (ص ۳۷۳)

ایک احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عزت اللہ عشق کے نانا مولوی نور احمد شاہ عالم ثانی کے استاد ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ اشارہ اس طرف ہو۔ بہرحال استاد ذوق سے پیشتر عشق ظفر کی غزلیات کی اصلاح دیا کرتے تھے۔

حکیم صاحب کے بزرگوں کا پیشہ درس و تدریس اور پیری مریدی تھا۔ آخرالذکر کو ترک کرکے حکیم صاحب نے اس کی جگہ طبابت کا مفید پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ مگر اول الذکر تعلیم و تعلم کو معلوم ہوتا ہے کہ برابر جاری رکھا۔ فن شعر میں ان کے شاگردوں کی فہرست جہاںتک کہ تذکرۂ ہذا کا تعلق ہے نہایت مختصر ہے۔ لیکن میں ایسے شاگردوں کے نام جن کا ذکر اتفاقیہ اس تذکرہ میں آگیا ہے خواہ وہ مکتبی شاگرد ہوں یا فن شعر کے یا محض کتابی تکرار کرنے والے یہاں درج کئے دیتا ہوں۔

(۱) آفاق - میر فرید الدین - اصل میں حکیم ثناء اللہ خان فراق کے شاگرد ہیں لیکن استاد کے کہنے سے حکیم صاحب کو بھی اپنا کلام دکھا دیا کرتے ہیں (ص ۳۷)

(۲) احسن - احسن اللہ - حکیم صاحب ہی کے شاگرد ہیں (ص ۴۵)

(۳) اشرف - غلام اشرف - منجملہ دیگر کمالات علم موسیقی میں پوری دستگاہ رکھتے ہیں۔ ساز سندر بین ان کی ایجاد ہے۔ بعض علوم عربیہ کے علاوہ ریختہ میں بھی

ب سے اصلاح لیتے ہیں۔ انکی لاابالیانہ افتادِ طبیعت کے حکیم صاحب شکوہ سنج
تے ہیں کہ اب تو وہ اپنا کلام مجھے دکھائے بغیر غیر ذمہ دارانہ طریق پر لوگوں کے
ھد دیتے ہیں (ص ۶۲/۱)

۴) افسوس - غفور بیگ - اصل میں استاد ہدایت کے تلمیذ ہیں لیکن استاد
یں اپنا کلام فراق اور حکیم صاحب کو دکھا دیا کرتے ہیں (ص ۶۶/۱)

۵) بیان - خواجہ احسن اللہ خان - مصنف کے ساتھ بلا ناغہ سبق کی تکرار
ے ہیں (ص ۱۲۳/۱)

۶) تنہا - ایک افغان زادہ تھا - عین عالم شباب میں انتقال کیا - اپنا کلام
صاحب کو اور کبھی فراق کو دکھاتا رہا ہے (ص ۱۴۸/۱)

۷) حفیظ - حافظ محمد حفیظ - کشمیری الاصل اور دہلوی المولد ہے - اپنا کلام کبھی
بھی حکیم صاحب کو دکھاتا رہا - بعد میں عشق سے مشورہ کرنے لگا (ص ۲۱۳/۱)

۸) راقم - غلام محمد ہفت قلم - مصنف مشہور تذکرۂ خوشنویسان و مجموعۂ نغز
سے بارہ تیرہ سال پیشتر جب راقم لکھنؤ نہیں گیا تھا - حکیم صاحب سے شرح
ور حاشیۂ میر پڑھتا رہا ہے - اور شعر میں بھی اصلاح لی ہے (ص ۲۶۴/۱)

(۹) شفیق - مظہر علیخان - مشق سخن فراق سے کرتا رہا ہے - لیکن حکیم صاحب
کے فرزند عشق سے بھی استفادہ کیا ہے (ص ۳۴۴/۱)

(۱۰) نیاز - میاں نیاز احمد شاعر مشہور - حکیم صاحب کے ساتھ بعض کتابوں کی
لی ہے (ص ۳۹۸/۲)

(۱۱) سرور - میر فیض علی - سید ابراہیم کی اولاد سے ہے جو سید شمس الدین کے بھائی
- ان کا مزار دہلی سے دو منزل پر قصبۂ اجراڑہ میں واقع ہے - سادات کبرویہ میں
ہیں اور طریق شطاریہ پر عامل ہیں - ان کے مزار پر ذیقعدہ کی سترھویں تاریخ سے

بیسویں تک سالانہ عرس ہوتا ہے۔ جس میں قرب و جوار کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ یہ سرور علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کے لئے اپنے وطن سے آکر حکیم صاحب کے ہاں مستقلاً مقیم ہوگیا ہے اور پوری سرگرمی کے ساتھ اپنی تعلیم میں مصروف ہے (ص ۱۲۹ پ)۔

حکیم صاحب کا شمار چوٹی کے شعرا میں نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے کلام کا جوہر مشاقی اور روزمرّہ کی صفائی ہے۔ کثرت مشق نے کلام کو پختگی کی حد تک پہنچا دیا ہے۔ مگر ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ شاعری اس میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ ان کے پُرگو ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ جیسا کہ ان کی تصنیفات سے ظاہر ہے۔ اس تذکرہ کی تالیف کے وقت ایک ضخیم دیوان ختم ہو چکا ہے۔ جس میں سات ہزار اشعار ہیں۔ اس کے علاوہ بحر رمل مسدّس محذوف میں ایک معراجنامہ لکھا جا چکا ہے۔ جس کے ابیات کی تعداد تین ہزار پانسو ہے۔

۱۳۱۷ھ میں ایک مثنوی بوزن شاہنامہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے حالات و کرامات میں موسوم بہ کرامات پیران پیر ختم کر چکے ہیں۔ جس میں پانچہزار دو سو اشعار ہیں۔ اور بشرط زندگی ارادہ کر رہے ہیں کہ غزوۂ بدر کو نظم کے قالب میں ڈھالیں

کرامات پیران پیر کے سوا باقی تالیفات راقم کی نظر سے نہیں گذری ہیں۔ یہ مثنوی نواب صدر یار جنگ بہادر کے کتب خانہ واقع حبیب گنج میں محفوظ ہے اور وہیں راقم کو حکیم صاحب کی اس متبرک تالیف کی زیارت کا موقعہ ملا۔ گذشتہ سطور میں حکیم صاحب کی زندگی پر روشنی ڈالنے والے بعض اشعار اسی مثنوی سے ماخوذ ہیں۔ یہ مثنوی گویا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی جناب میں مصنّف کی انتہائی عقیدت مندی کی ایک یادگار ہے۔

لیکن حکیم صاحب کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ جس کی بنا پر انہیں ہمارے ادبیات کی تاریخ میں ایک ممتاز جگہ مل گئی ہے۔ ان کی موجودہ تالیف مجموعۂ نغز ہے

اس قابل قدر تالیف کی اہمیت اور اس کا صحیح رتبہ معلوم کرنے کے لئے ہمیں اس شاخ ادب کی ان مصنفات کا ذکر کرنا ہوگا - جو اس تذکرہ سے پیشتر عالم وجود میں آچکی ہیں - اور جن کے متعلق ہمیں کچھ علم ہے -

۱۱۶۵ھ میں نکات الشعرا اور تذکرۂ علی حسینی گردیزی - ۱۱۶۸ھ میں مخزن نکات - ۱۱۷۵ھ میں چمنستان شعرا - ۱۱۸۸ھ و ۱۱۹۲ھ کے مابین میر حسن کا تذکرہ ۱۱۹۳ھ میں تذکرۂ شورش - ۱۱۹۶-۵ھ میں گلزار ابراہیم - ۱۲۰۸ھ میں تذکرۂ مصحفی - گلشن ہند ۱۲۱۵ھ میں اور تذکرۂ عشقی اسی سن کے عنقریب بعد مرتب ہو چکے ہیں - مجموعۂ نغز ان تالیفات کے مقابلہ میں یقیناً ایک مبسوط اور ضخیم تالیف ہے - لیکن دو اور تذکرے ہیں جو ضخامت اور حجم کے اعتبار سے ان سب پر فضیلت رکھتے ہیں - چونکہ ہمارے تذکرہ کا ان کے ساتھ قریبی تعلق بتایا جاتا ہے - اس لئے ان کے بیان میں کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے -

ان میں ایک تو عیار الشعرا از خوب چند ذکا ہے جو ۱۲۰۹ھ یا ۱۲۱۳ھ میں شروع ہوا - اور مولف برابر تیس سال تک اس میں اضافے کرتا رہا - آخری تاریخ ۱۲۴۷ھ بتائی جاتی ہے - اس تصنیف میں پندرہ سو شاعروں کا ذکر ہے - اور ایک ہزار صفحات ہیں -

دوسرا تذکرہ عمدۂ منتخبہ از اعظم الدولہ سرور ۱۲۱۶ھ کی تالیف ہے - اور بارہ سو شعرا کے حالات پر شامل ہے -

اب مجموعۂ نغز کی باری آتی ہے جو ۱۲۲۱ھ میں تالیف ہوتا ہے - چھ سو ترانوے ریختہ نگاروں کے حالات اور آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے - ۱۲۲۱ھ تاریخ اختتام ہے - اگرچہ اس تاریخ سے بہت عرصہ پہلے اس کی داغ بیل پڑ چکی ہے - اشپرنگر جس کے سامنے یہ تذکرے موجود ہیں کہتا ہے کہ قاسم کا تذکرہ سرور

کے تذکرے پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ ساتھ ہی سرور کی تالیف کو عیار الشعرا کا ایک اصلاح یافتہ مرتبہ کہتا ہے۔ مگر خود عیار الشعرا کی نسبت اسکی رائے بہت بری ہے کہتا ہے کہ اس میں تکرار کے علاوہ ہر قسم کا رطب و یابس اور غیر تنقیدی مواد جمع کر دیا گیا ہے حتیٰ کہ غیر شاعروں کو بھی شاعر لکھ مارا ہے۔ ہم ان دونوں تذکروں سے ناواقفیت کی بنا پر کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے کہ مجموعۂ نغز پر ان تذکروں کا پرتو کس قدر ہے۔ اور مصنف کی اپنی کوشش کا حصہ کس حد تک ہے۔ حکیم صاحب ذکا اور سرور کے حالات کے ضمن میں ان کے تذکروں کا تو ذکر کرتے ہیں۔ مگر ان سے استفادہ کی بابت کچھ نہیں کہتے۔ البتہ ایک امر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تذکرۂ ہذا میں خود مصنف کی تحقیقات اور تلاش کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ اسپرنگر جس کے پاس شفیق اور میر حسن کی مولفات کے سوا فہرست بالا کے تمام تذکرے موجود ہیں۔ ریختہ گویوں کی جدید فہرست طیار کرتے وقت جس میں التزاماً یہ اصول مدنظر رکھا ہے کہ ہر شاعر کا ذکر اصل ماخذ سے نقل ہو نہ اس کے کسی ناقل سے۔ مجموعۂ نغز کو تین سو بیس شعرائے اردو کے سلسلہ میں استعمال کر رہا ہے۔ جس سے صریحاً ظاہر ہے کہ ماخذی اطلاعات کی ایک بڑی مقدار اس میں جمع ہے۔ ادھر دتاسی نے اپنی تاریخ شعرای اردو میں ادھر نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے گلشن بے خار میں کثرت کے ساتھ اس سے کام لیا ہے۔ لیکن اس تالیف کی حقیقی وقعت کا اسوقت اندازہ ہوتا ہے۔ جب مولانا محمد حسین آزاد کی مشہور عالم تصنیف آبحیات کی ورق گردانی کی جاتی ہے۔ مولانا نے اگرچہ ہر موقعہ پر اس تالیف سے استفادہ کا اظہار نہیں کیا ہے۔ تاہم وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ آب حیات کا ایک بڑا حصہ اس تذکرہ سے ماخوذ ہے۔

یہ تذکرہ جیسا کہ اس عہد کی تالیفات کا دستور ہے۔ فارسی زبان میں مرقوم ہے جس میں نثر سادہ و عاری کو موقعہ بموقعہ مرجز و مقفیٰ کے ساتھ آمیز کر دیا گیا ہے۔ لیکن

یہ بدعت آٹے میں نمک کے برابر ہے ۔ محمد شاہ کے زمانہ سے لے کر شاہ عالم ثانی کے اختتام عہد تک کے شعرا کے حالات و کلام پر یہ تصنیف روشنی ڈالتی ہے ۔ مصنف دور سوم و چہارم کے شعرا سے ذاتی واقفیت رکھتا ہے ۔ چالیس سال تک اسنے باغ سخن کی آبیاری کی ہے ۔ شاعروں اور مشاعروں سے واسطہ رکھا ہے اور شعر و غزل کے چرچوں میں اوقات گذاری ہے ۔ اس لئے اسکو اپنے عہد کے شعرا انکے محاسن و اخلاق ۔ قابلیت و استعداد اور جوہر کلام کے دیکھنے اور رائے قائم کرنے کا نہایت نادر موقعہ ملا ہے ۔

اساتذہ کے اسما کے ساتھ مصنف نے یہ التزام کیا ہے کہ ہر استاد کے تخلص کا ہم قافیہ جملہ اس کے نام سے پہلے لایا ہے اور پھر یہ فقرہ گاہ گاہ بادنیٰ تغیر ہر جگہ اس نام کے ساتھ دوہرایا گیا ہے ۔ گویا سرکار قاسمی سے خطابات عطا ہوئے ہیں ۔ شیخ ظہور الدین حاتم کا نام یوں لکھا ہے ۔

استاد اکثرے از سخن سنجان عالم شیخ ظہور الدین حاتم ص ۶۹/۱ ، ص ۱۱۴/۱ ، ص ۲۸۷/۱

میرزا مظہر کے لئے ۔ سخن سنج ہنر گستر مرزا جان جان مظہر ص ۱۲۳/۱ ، ص ۲۰۰/۱ ، ص ۲۵۳/۱

سودا کو ۔ سر آمد شعرای فصاحت آما مرزا محمد رفیع سودا ۔ ص ۳۰/۱ ، ص ۵۹/۱ ، ص ۱۰۶/۱ ، ص ۳۵۶/۱ ، ص ۳۵۷/۱ ،

میر صاحب کو سخن سنج بے نظیر محمد تقی میر ص ۱۰۷/۱ ، ص ۱۹۵-۴/۱ ، ص ۳۴۶/۱ ، ص ۳۶۱/۱ ، ص ۳۶۶/۱ ،

میر درد ۔ مملکت سخن سازی را یکہ تاز مرد خواجہ میر درد ص ۲۴/۱ ، ص ۱۲۶/۱ ، ص ۱۷۷/۱ ، ص ۳۶۷/۱ ، اور سخن سنج روشن ضمیر حضرت خواجہ میر ص ۲۷۷/۱ ، ص ۲۸۹/۱ ، ص ۲۴۰/۱ ، ص ۲۳۵/۱ سے بھی خواجہ میر درد مراد ہیں ۔

میر سوز ۔ شاعر فصاحت افروز محمد میر سوز ص ۳۴/۱ ، ص ۸۰/۱ ، ص ۲۰۳/۱ ، ص ۲۶۷/۱ وغیرہ

ہدایت - استاد صاحب درایت ہدایت اللہ خاں ہدایت - ص ۱۹/۲ ، ص ۲۴/۲ ، ص ۸۲/۲ وغیرہ

فراق - دوستدار دمحب، سراپا وفاق حکیم ثناء اللہ خاں فراق ص ۱۲۶/۱ ، ص ۲۷۴/۱ ، ص ۳۵۴/۱ ، ص ۳۶۹/۱ ،

مشہور اور پایہ کے شعرا کے نمونۂ کلام میں کثرت کے ساتھ اشعار نقل کئے ہیں ان کے حالات کے سلسلہ میں اگرچہ چنداں اہتمام نہیں کیا گیا ہے تاہم اور تذکروں کے مقابلہ میں ہمارے مولف کی مساعی بارور مانی جاسکتی ہے - شعرا کی تاریخ وفات وحیات اگرچہ درج نہیں ہے - تاہم ایسے امور موجود ہیں جن سے ان کے زمانوں کے متعلق غلطی کا احتمال باقی نہیں رہتا -

تذکرہ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ اگرچہ مشغلۂ شعر کے خلاف تھا اور سیاسیات کے مطلع پر فتنہ و آشوب کی گھنگھور گھٹائیں ہر وقت چھائی ہوئی تھیں - احمد شاہ ابدالی کی آمد اور بعد کے سیاسی واقعات نے شیرازہ سلطنت کو پراگندہ کر دیا ہے - دہلی ویران ہو رہی ہے اور اس کے فرزند تلاش معاش میں دربدر اور خاک بسر پریشاں حال پھرتے ہیں - لیکن راجا سے پرجا تک جسکو دیکھو شوق شعر میں ڈوبا ہوا ہے - ذکور و اناث اور عامی و عالم اس کی چھینٹ سے خالی نہیں مسلمان اور ہندو بلکہ فرنگی زادوں تک میں یہ ذوق سرایت کر گیا ہے - سلاطین و عمال - امرا وعلما - سپاہ واہل دیوان کے علاوہ ہر طبقہ کے پیشہ وروں پر شاعری کا رنگ چڑھا ہوا ہے - مثلاً منیر صیقل گر ہے - اگرچہ اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے - محمد امان نثار معمار ہیں - جامع مسجد دہلی انہی کے بزرگوں کی بنائی ہوئی ہے اور یہ خود بھی اسی پیشہ سے بسر اوقات کرتے ہیں - یہ وہی نثار ہیں جنہوں نے میر تقی میر کے اژدر نامہ کے جواب میں بدیہہ نظم پڑھ کر اہل مشاعرہ سے خراج تحسین وصول کیا تھا - محمد ہاشم شائق خیاط

ہے - اس کے ساتھ مرثیہ خوانی کی خدمت کو بھی ضم کر لیا ہے اور کافی شہرت رکھتا ہے
محمد عارف رفوگر ہے - عنایت اللہ عرف کالو حجام ہے اور حضرت مولانا محمد فخرالدین
کی سرتراشی کرتا ہے - شعر میں میاں کالو کو مرزا سودا کے تلمذ پر فخر ہے - مذاق سخن
اسقدر بلند ہے کہ سوداؔ کے سوا کسی کو شاعر بھی تسلیم نہیں کرتے - غلام ناصر جرّاح
ہے - مقصود ایک سقّہ ہے - جو فن شعر میں بازار کے لونڈوں کا استاد ہے - زرّین
ایک خاکروب ہے - اگرچہ تکملہ میں درج کرتے وقت مصنّف نے اس کے اصل پیشے
کا ذکر ترک کر دیا ہے -

اسی طرح ہر وضع و قماش کے شعرگو موجود ہیں - ثقہ و سنجیدہ نگار سے لے کر
رند و اوباش - ہزال و پوچ اور فحش گو تک اپنی اپنی بولی بول رہے ہیں - جعفر زٹلی
اٹل د میر عبدالجلیل بلگرامی ، محمد عطا بانکہ - صاحبقران - شہوت وغیرہ - مؤخرالذکر کو
شاہ عالم ثانی نے مسخرۃ الدولہ قرمساق خان بہادر پھکڑ جنگ کا مناسب خطاب عنایت
کیا تھا - بعض نے عجیب عجیب تخلص اختیار کئے ہیں - کوئی اوباش ہے - کوئی عیّاش
ایک عشاق ہے - اور ایک کافر ہے - یہ بزرگ اپنے اشعار کو کافر کٹے کے خطاب
سے یاد کرتے ہیں - پنچھا - جبنا - کھو وغیرہ بھی اسی قسم کے نام ہیں -

احمد نگر فرخ آباد - رامپور - لکھنؤ - عظیم آباد - مرشد آباد اور حیدر آباد وغیرہ
شاعری کے مرکز ہیں - لیکن سب سے زیادہ طاقتور مرکز دہلی ہے - مشاعرے کثرت سے
ہوتے ہیں - اور ہر فرقہ و خیال کے لوگ اس میں حصّہ لیتے ہیں - حتیٰ کہ ہندوؤں
کے ہاں بھی بزم مشاعرہ منعقد ہوئی ہے -

حکیم صاحب دشت سخن کے پرانے سیّاح ہیں - ان کی تمام عمر شعرا اور شاعروں
کی صحبتوں میں گذری ہے - اس لئے ان کی رائیں شعرا کے کلام اور مقام کے متعلق قابل
احترام ہیں - باوجودیکہ اس تذکرہ میں سینکڑوں شعرا کا ذکر ہے - ان میں ایسے بھی تنگے

"با وصفے کہ والد ماجدش بر قاسم ہیچمدان خیلے مہربان و زبدۂ صوفیان زمان حضرت میر جہان بر این سراپا نقصان نہایت عنایت فرمابودند ومعہذا جلوہ اش از کتم غیب بمنصۂ ظہور نمودن این عین قصور و دیگر امور مستدعیہ مودت و تعیش باسرور کہ ذکر آنہا با وصف عدم ملایمت باطناب مُمل می کشد از ہمہ اغماض العین فرمودہ برخلاف چشمداشت پیش مے آید ۔ ہے ہے غلط کردم وخطا کردم ۔ جائے شکوہ نیست ۔ در اظہار اوصاف جبلی و ابراز اخلاق خلقی انسان مجبور ومعذور است ع کل اناء یترشح بما فیہ" (ص ۲۷۳/۲)

مولانا آزاد نے اس گتھی کو یوں سلجھایا ہے : ۔

"حکیم قدرت اللہ خاں قاسم سے ایک خاص معاملہ یہ درمیان آیا کہ ایک دفعہ مشاعرہ میں طرح ہوئی ۔ یار شتاب اور تلوار شتاب ۔ شاہ نصیر نے جو غزل کہہ کر پڑھی تو اس میں قطعہ تھا کہ : ۔

رخ انور کا ترے وصف لکھا جب ہم نے ۔۔۔ انوری نے دیا دیواں الٹ لے یار شتاب
پھر پڑھا ہم نے جو مضمون بیاض گردن ۔۔۔ سن اسے ہوگیا چپ قاسم انوار شتاب

حکیم صاحب مرحوم خاص و عام میں واجب التعظیم تھے ۔ اس کے علاوہ فضیلت علمی کے ساتھ فن شعر کے مشاق تھے اور فقط موزونی طبع اور زور کلام کو خاطر میں نہ لاتے تھے ۔ چونکہ خود قاسم تخلص کرتے تھے ۔ اس لئے قاسم انوار کا لفظ ناگوار ہوا چنانچہ دوسرے مشاعرہ کی غزل میں قطعہ لکھا : ۔

واسطے انساں کے انسانیت اول شرط ہے ۔۔۔ میر ہو یا میرزا ہو خاں ہو یا نواب ہو
آدمی تو کیا خدا کو بھی نہ ہم سجدہ کریں ۔۔۔ گر نہ خم تعظیم کو پہلے سر محراب ہو

(آب حیات ص ۴۸-۳۴۷)

شاہ نصیر کے علاوہ حکیم صاحب میر صاحب (میر تقی میر) سے بھی خفا ہیں خفگی کے اسباب سے ہم تاریکی میں ہیں۔ الزام وہی ہے جو شاہ نصیر کے خلاف تھا یعنی نخوت اور بددماغی۔ یہ کمزوری شاعروں میں کم و بیش پائی بھی ضرور جاتی ہے۔ آبحیات میں میر صاحب کی سیرت کی جو بدنما تصویر اتاری گئی ہے۔ اس کے بعض رنگ حکیم صاحب ہی کے طیار کردہ ہیں۔ ہم ان الزامات کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے ناظرین ان کے متعلق بعض اشارے عنوان ذیل میں ملاحظہ فرمالیں:۔

آبحیات اور مجموعۂ نغز

اس سے قبل اشارہ کیا جاچکا ہے کہ حکیم صاحب کا یہ تذکرہ مولینا محمد حسین آزاد کی مشہور تالیف آبحیات کا ایک اہم ماخذ ہے۔ یہاں اس مسئلہ پر کسی قدر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور مختصراً اس اطلاع کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ جو اس تذکرہ سے لی گئی ہے:۔

شاہ مبارک آبرو کے حالات اور اشعار متفرق۔ کمھن پاکباز کا ذکر ص۹۷ شیخ شرف الدین مضمون کا حال اور اشعار ص۱۰۲۔ آرزو کا ذکر اور اشعار ص۱۲۱-۱۲۲ آرزو کی بدیہہ شعر خوانی ص۱۲۳۔ محمد شاکر ناجی کے حالات اور نادر شاہ سے جنگ کے متعلق ان کے خمسہ کے دو بند اور متفرق اشعار ص۱۰۵۔ شاہ حاتم کے بیشتر اور اشرف علیخان فغاں و یکرنگ کے کمتر حالات و اشعار ص۱۰۷ اس تذکرہ سے منقول ہیں۔

میرزا جان جان مظہر کے واقعۂ شہادت کے ذکر میں تو خود آبحیات میں اس تذکرہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مولینا آزاد فرماتے ہیں:

"لیکن حکیم قدرت اللہ خاں قاسم اپنے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب

اپنے کلام میں اکثر اشعار حضرت علی کی مدح میں کہا کرتے تھے ۔اس پر بگڑ کر کسی سنی نے یہ حرکت کی" (حاشیہ میں اضافہ کیا ہے)

"عجب مشکل ہے حکیم صاحب بھی ایک خوش اعتقاد سنت جماعت تھے ۔ وہ کہتے ہیں کہ سنی نے مارا ۔ لوگ کہتے ہیں شیعہ نے مارا" (ص۱۴۴)

لیکن حکیم صاحب کا منشا بالکل برعکس ہے ۔ ان کی عبارت ہے :

"ازانجاکہ مشرب صافی و مذہب اہل حق حق بوے ارزانی داشتہ بود

ظالمے ناحق شناس در ایام متبرکۂ عاشور بہ تعصب مذہب پے بہ

حقیقت کار نابردہ کہ وے غریق حب جناب ولایت مآب و حریق عشق

حضرت امامت انتساب مرتضوی بود سلام اللہ علیہ و کرم اللہ وجہہ چنانچہ

بعضے اشعار آبدارش خاصہ این بیت ؎

نکرد منظہر ماطاعتے ورفت بخاک نجات خود بتولای بوتراب گذاشت

بر بے گناہیش گواہی دہد بے گناہ شہید ساختہ بحضور سراپا سرور شہدای کربلاے معلے

علیہم السلام و الرضوان رسانید (ص۱۹۹/۲)

سودا کے بیان میں میر و میرزا کی افضلیت کے سلسلہ میں مجموعۂ نغز کی اصل

عبارت بھی منقول ہے چنانچہ :-

"حکیم قدرت اللہ خاں قاسم بھی اپنے تذکرہ میں فرماتے ہیں :-

"زعم بعضے آنکہ سرآمد شعرای فصاحت آما مرزا محمد رفیع سودا در غزل گوئی بپے

نرسیدہ ۔ اما حق آنست کہ ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

مرزا دریائیست بیکران و میر نہر ایست عظیم الشان ۔ در معلومات قواعد میر را

بر مرزا برتریست و در قوت شاعری مرزا را بر میر سروری" (ص۱۶۴)

بقاء اللہ خاں بقا کے حالات ص۱۵۸ حاشیہ اور اشعار میر صاحب کی ہجو میں

ص۲۲۲ - میرخاں کمترین کا حال حاشیۂ ص۲۱۱ و ص۲۱۲ اسی ماخذ سے ہیں'

میر تقی میر کے متعلق ہمارے ہاں عام جذبات یہ ہیں کہ مولینا آزاد نے میر صاحب کی بد دماغی اور تنک مزاجی کے افسانہ کو غیر ضروری فروغ دیا ہے جس کی اصل غالباً کچھ بھی نہیں - مصنّفِ گلِ رعنا کا بیان ہے -

"آزاد کہتے ہیں کہ " افسوس یہ ہے کہ ان کو (میر صاحب کو) اوروں کے کمال بھی دکھائی نہ دیتے تھے اور یہ میر سے شخص کے دامن پر بدنما دھبّہ ہے" ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ خواجہ حافظ اور شیخ سعدی کی غزل پڑھی جائے تو وہ سر ہلانا گناہ سمجھتے تھے - کسی اور کی کیا حقیقت ہے" - مگر جب اس کی جانچ ہم ان کی کتاب نکات الشعرا سے کرتے ہیں تو حیرت کی کچھ انتہا نہیں رہتی کہ یہ بیان کس قدر واقعہ کے خلاف ہے" (گل رعنا ص۱۵۶)

مولانا آزاد کی اصل عبارت یہ ہے

"سب تذکرے نالاں ہیں کہ اگر یہ غرور اور بے دماغی فقط امرا کے ساتھ ہوتی تو معیوب نہ تھی - افسوس یہ ہے کہ اوروں کے کمال بھی انہیں دکھائی نہ دیتے تھے اور یہ امر ایسے شخص کے دامن پر نہایت بدنما دھبّہ ہے جو کمال کے ساتھ صلاحیت اور نیکوکاری کا خلعت پہنے ہو - بزرگوں کی تحریری روایتیں ثابت کرتی ہیں - کہ خواجہ حافظ شیرازی اور شیخ سعدی کی غزل پڑھی جائے تو وہ سر ہلانا گناہ سمجھتے تھے - کسی اور کی کیا حقیقت ہے (آبحیات ص۲۱۶-۲۱۷)

اس موقعہ پر مولانا آزاد نے تخیّل سے کام نہیں لیا ہے - ان کی عبارت کا اصل ماخذ حکیم صاحب کا یہ فقرہ ہے :

"از نخوت و خود سرپیش چہ برنگارم کہ سینۂ قلم حقایق رقم می فگارد و بر شعر کسے گرچہ اعجازنہ باشد و کلام شیخ شیراز سر ہم نمی جنبانند تا بہ تحسین خود چہ رسد و بہ سخن احدے اگرچہ معجز

طرازی بود وگفتۂ اہلی شیرازی گوش ہم فراخی دارد امکان چیست کہ حرف آفرین بزبانش رود (ص ۲۳۰/۲)

ولی کے متعلق آزاد کا یہ بیان بے اصل مانا گیا ہے " ولی کہ بنی نوع شعرا کا آدم ہے۔ اس کے حق میں فرماتے ہیں " ولی شاعریست از شیطان مشہور تر" میرخان کمترین اسی زمانہ میں ایک قدیمی شاعر ولی کے تھے انہیں اس فقرہ پر بڑا غصہ آیا۔ ایک نظم میں اول بہت کچھ کہا آخر میں آکر کہتے ہیں ع

ولی پر جو سخن لائے اسے شیطان کہتے ہیں" (ص ۲۱۱-۲۱۲)

نکات الشعرا چھپ گیا ہے۔ بیشک اس میں شیطان والا فقرہ موجود نہیں ہے لیکن آزاد کا بیان حکیم صاحب کے ان بیانات پر مبنی ہے:

" در تذکرۂ خود ہمہ کس را بہ بدی یاد کردہ در حق شاعر شان جلی المتخلص بہ ولی نوشتہ کہ وے شاعرے است از شیطان مشہور تر و سزای این کردار ناہنجار از کمترین شاعر بواجبی یافتہ کہ وے ہجو ہاے متعددہ او کردہ کہ بعضے ازان بغایت رکیک و پردہ در افتادہ" (ص ۲۳۰/۲)

" بنا بر نوشتن میر در تذکرۂ خود شاعر شان جلی المتخلص بہ ولی را کہ وے شاعریست از شیطان مشہور تر ہجوہاے رکیکہ بواجبی نمود (ص ۱۴۳/۲)

" حقش بر جملہ سخن پردازان ہندی زبان ثابت است و سخن بر سخنش ابلیس منشی و شیطنت۔ میرخان کمترین کہ خداش بیامرزد بسیار بموقع و بجا گفتہ کہ ع

ولی پر جو سخن لاوے اوسے شیطان کہتے ہیں (ص ۲۹۷/۲)

محمد امان نثار کے حالات اثر دہ نامہ کا ذکر اور نثار کی ہجو نگاری ص ۲۱۸۔ اسی تذکرہ سے منقول ہے۔ اور جرأت کے حال میں ایک حوالہ بھی ملتا ہے۔ چنانچہ:۔

" حکیم قدرت اللہ خان قاسم فرماتے ہیں کہ ان کے بزرگ دربار شاہی میں دربانی

کی خدمت رکھتے تھے (صـ۲۳۶) جرأت کے بعض ابتدائی حالات صـ۲۳۷ - مرزا محمد تقی خاں ترقی کے مشاعرہ میں جرأت کا دھوم دھامی غزل پڑھنا اور میر صاحب سے داد طلب کرنا ان کا ٹال ٹال جانا اور بعد میں جھنجلا کر یہ کہنا " کیفیت اس کی یہ ہے کہ تم شعر تو کہہ نہیں جانتے ہو اپنی چوما چاٹی کہہ لیا کرو (صـ۲۴۱) اسی تالیف کا فیضان ہے۔ البتہ ایک فرق ہے کہ مجموعۂ نغز میں 'چوما چاٹی' کی جگہ 'چوما چاٹا' لکھا گیا ہے - ملاحظہ ہو (صـ ۱۵۵/۲) میر حسن کے حالات صـ۲۵۳ - میر ماشاء اللہ خاں کے پورے حالات صـ۲۵۹ - انشا اور عظیم بیگ کا معرکہ (صـ۲۶۲ - صـ۲۶۵) اور نواب امین الدولہ یمین الملک ناصر جنگ عرف مرزا میڈھو کے ذکر کے لئے بھی یہی تذکرہ سند مانا جا سکتا ہے - اس کے علاوہ اور بھی موقعے ہیں جہاں آبحیات میں اس تالیف کا پرتو نمایاں ہے +

محمود شیرانی

عربوں کا علم طب

(گذشتہ سے پیوستہ)

واکوننگ نے رازی کی تصنیف المنصوری، قانون بو علی سینا اور علی ابن العباس کی کتاب الملکی کے بعض حصے مرتب کئے ہیں اور ان کا ترجمہ بھی شایع کیا ہے، یہ حصے بالخصوص تشریح سے متعلق ہیں، یہ مجموعہ اچھی خاصی ضخیم کتاب بن گیا ہے۔ جس میں مسلمانوں کی علم تشریح کے متعلق تمام معلومات آگئی ہیں، اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا علم تشریح بالعموم بہت قطعی ہے، جسم کے تمام اعضا کے خاص فرائض ہیں اور ہر عضو کی ظاہری شکل و صورت اس مقصد کے مطابق ہوتی ہے جسے وہ پورا کرتا ہے۔ اس لئے عضلات کی جسامت بھی اُن اعضا کے مطابق ہوتی ہے۔ جنہیں وہ حرکت میں لاتے ہیں اور ان عضلات کی وضع اور انسانی اعضا کی حرکات میں بھی خاص تطابق ہوتا ہے، پس خالق نے ہر عضلہ کے دونوں سروں سے لمبے ریشے نکالے ہیں جن کا کام خاص عضو کو حرکت دینا ہوتا ہے،

علیٰ ہذا القیاس ریڑھ کی ہڈی، اس کے مختلف ٹکڑے، سوراخ، گانٹھیں، اور گودے (النخاع الشوکی) کی تشریح بھی اسی طریق پر کی گئی ہے، جالینوس نے بھی ایسی ہی باتیں بیان کی ہیں۔ اور اس بارے میں عربوں نے سوائے مفسرانہ توضیحات کے اس پر کوئی خاص اضافہ نہیں کیا، رازی کے قول کے مطابق خدا تعالے نے انسانی دماغ کو تمام حرکات و احساسات کا منبع بنایا ہے، لیکن ان اعضا تک جو دماغ سے بہت دور فاصلے پر واقع ہیں پہنچنے کے لئے حرکی اور حسی اعصاب کو کافی فاصلہ طے

کرنا پڑتا تھا اس لئے خدائے تعالیٰ نے طاسۃ الراس کے نیچے کی طرف ایک سوراخ رکھا ہے۔ جہاں سے نخاع نکل کر نیچے کو جاتی ہے، اس نخاع کو ریڑھ کی ہڈی (عمود فقری) کے ذریعے اسی طرح محفوظ کیا گیا ہے، جس طرح دماغ کو طاسۃ الراس یا کاسۂ سر کے ذریعے محفوظ کیا گیا ہے۔ یہ نخاع اسی طرح اخیر تک محفوظ چلی گئی ہے کسی عضو کے قریب پہنچنے پر تو وہاں اعصاب کے ذریعے جو ریڑھ کی ہڈی کے سوراخوں میں سے نکل کر آتے ہیں۔ انہیں باہم پیوست کر دیا گیا ہے، اس سے اس عضو کا دماغ سے تعلق قائم ہو جاتا ہے اور وہ حرکات و احساسات اس میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اگر دماغ کو کوئی شدید صدمہ پہنچے تو تمام جسم احساس و حرکت سے عاری ہو جاتا ہے، اور اگر نخاع میں کوئی ایسی تکلیف ہو تو وہ تمام اعضا جن کا فعل اس سے وابستہ ہوتا ہے یا جائے ماؤف سے نیچے کا حصہ اپنی حرکت و احساس کھو بیٹھتا ہے۔

بوعلی سینا بھی قریب قریب یہی کہتا ہے، جالینوس کی طرح لیکن کسی قدر تفصیل سے ریڑھ کی ہڈی کے چار بڑے مقصد بیان کرتا ہے، پہلا مقصد نخاع کے لئے محفوظ راستہ پیدا کرتا ہے، اگر تمام اعصاب براہ راست دماغ ہی سے نکل کر جسم میں جائیں تو انسان کے سر کی جسامت اتنی بڑھ جائے کہ اُسے اٹھانا مشکل ہو جائے، علاوہ بریں اعصاب کو اعضا تک پہنچنے کے لئے بہت بعید فاصلہ طے کرنا پڑے اور انہیں راستے میں صدمہ اور نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، اور بھاری اعضا کو حرکت میں لانا بھی دشوار ہو جائے، ریڑھ کی ہڈی کا دوسرا فائدہ ان اعضائے رئیسہ کی حفاظت ہے جو اس کے متصل واقع ہوتے ہیں، تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جس طرح کشتی میں درمیانی ستون کے سہارے دوسرے چھوٹے چھوٹے ستون یا لکڑیاں کھڑی کی جاتی ہیں۔ اسی طرح اس ہڈی کے بل پر تمام جسم کی ہڈیاں جو اس سے وابستہ ہوتی ہیں قائم رہتی

ہیں، چوتھا فائدہ یہ ہے کہ انسان جب چاہتا ہے اس کے سہارے سیدھا کھڑا ہو سکتا یا جھک سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریڑھ کی ہڈی چھوٹی چھوٹی ہڈیوں کو باہم پیوست کر کے بنائی گئی ہے، اور ایک ہی ہڈی یا بڑے بڑے ٹکڑوں سے نہیں بنائی گئی،

مسلمان اطبا نے ریڑھ کی ہڈی کے مختلف حصّوں کی خوب تشریح کی ہے اور ہر حصّے کی خاص غرض و غایت بیان کی ہے، اور پھر ان کی ساخت اور ان کے فرائض منصبی کے باہمی ارتباط کو واضح کیا ہے، چنانچہ یہ دکھایا ہے کہ پہلے ٹکڑے کا سوراخ جس میں سے اعصاب گذرتے ہیں دوسرے ٹکڑوں کے سوراخوں کی طرح نہیں، اگر یہی سوراخ سر کے قریب کے جوڑوں میں ہوتا جہاں اعصابی حرکات زیادہ تیز ہوتی ہیں تو اعصاب کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا۔ اس کے برعکس یہی سوراخ اگر بارھویں ہڈی کے بند میں ہوتا تو بھی یہی نتیجہ ہوتا۔ سینے کی فقاری ہڈیاں بھی جسے ہم پسلیاں کہتے ہیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں، بوعلی سینا نے ان کی نہایت واضح تشریح کی ہے، دسویں پسلی کی شکل بالکل نصف دائرہ کی طرح خمیدہ ہوتی ہے، اس سے نیچے کی پسلیاں نسبتاً کم خمیدہ ہوتی ہے۔ بارھویں پسلی کی شکل پیٹھ کی ہڈیوں سے ملتی ہے اور یہ اُن سے پیوستہ بھی ہوتی ہے۔ یہی باعث ہے کہ اس میں دو جوڑ ہوتے ہیں ٭

علم تشریح میں مسلمانوں نے اسقدر شرح و بسط سے کتابیں لکھی ہیں کہ اس نے ایک مستقل فنی حیثیت اختیار کر لی ہے، اس موضوع کی تصنیفات، دقیق مسائل، لطیف جزئیات، اور وسیع تفصیلات سے مملو ہیں، ہر مسئلہ کی تشریح نہایت مفصل اور اس کی تقسیم نہایت مبسوط ہے، ان کتابوں کے صفحات میں مسلم مصنف کی شخصیت نمایاں طور پر نظر آتی ہے، بالخصوص جب ہم

علم الحیات کے متعلقہ مسائل کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ چیز اور بھی واضح ہو جاتی ہے، مثلاً بوعلی سینا جگر کے تحت میں رگوں کے افعال پر بحث کرتے ہوئے ایک مصنّف کا ذکر کرتا ہے جو اپنے متقدمین سے اختلاف رائے رکھتا ہے، وہ اس مصنّف کے خلاف لکھتا ہے اور کہتا ہے :۔

" تم جانتے ہو کہ جگر تولید خون کی جگہ ہے اور صفراوی، سوداوی اور بلغمی مادہ کو خارج کرتا رہتا ہے، . . . . جگر میں چاروں خلطیں کام کرتی ہیں۔ وہ قوت ہضم کی جگہ گوشت کو بناتا ہے اور باقی قوتیں رگوں میں ہوتی ہیں

بوعلی سینا نے اس مصنّف کا جواب دیا ہے جو رگوں کو ہی قوت دوران خون کا سرچشمہ خیال کرتا ہے۔ اس خاص فنی بحث کو سمجھنا ہمارے لئے مشکل ہے۔

اکثر مسلمان اطبا نے جنین کی مختلف ارتقائی منازل کا گہرا مطالعہ کیا ہے، مسعودی نے مروج الذہب[1] میں بہت سے اطبا کے خیالات درج کئے ہیں اور اسطو، بقراط، جالینوس وغیرہ کے اقوال نقل کئے ہیں، وہ لکھتا ہے کہ جنین یا علوق کے ارتقائی مراحل تقریباً وہی ہیں جو نباتات کے ہیں، جو حیثیت بیج کی زمین میں ہے وہی حیثیت جنین کی رحم میں ہوتی ہے، جنین کے لئے خون کی پوٹلیاں ایسی بھی ہیں جیسی کسی پودے کے لئے جڑیں جو زمین میں پھیلتی جاتی ہیں، یہ حالت اسوقت تک قائم رہتی ہے۔ جب تک کہ جنین غذائی شیرہ چوسنے کے قابل نہ ہو جائے ؎

" تبسم "

(ترجمہ مفکرین اسلام از کاراڈوو)

---

[1] جلد ۳۔ صفحات ۳۳۲۔ ۳۷۔ ۴

ابن قتیبہ
کی
چار اہم کتابوں کا مطالعہ

اس سے قبل ہم نے ابن قتیبہ کی ان کتابوں کی طویل فہرست نقل کی ہے - جو کہ سیلاب زمانہ سے بچ کر علمائے ادب تک پہنچیں - اب ذیل میں ہم مصنف موصوف کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں -

یوں تو ہمارے مصنف کی ہر کتاب اپنی مستقل علمی - ادبی - شعری - لغوی نحوی - تاریخی - شرعی - اجتماعی یا سیاسی حیثیت رکھتی ہے - لیکن وقت اور جگہ کی قلت مانع ہے کہ اتنی بڑی تعداد پر کما حقہ بحث کی جائے - اس لئے یہاں ہم صرف کتاب المعارف - کتاب الشعر و الشعراء - ادب الکاتب اور عیون الاخبار[1] ایسی متداول و اہم کتب کو پیش نظر رکھیں گے

سب سے پہلے ہم کتاب المعارف کو لیتے ہیں -

(۱)
کتاب المعارف[2]

ووستنفیلڈ ناشر کتاب المعارف نے اس کتاب کے پانچ مخطوطات

---

[1] لیکن ووستنفیلڈ نے عیون الاخبار کو ایسی اہمیت نہیں دی - اسی طرح نووی، سمعانی، ابن الانباری وغیرہم نے کتاب الشعر و الشعراء کا جسے نقد شعری میں ایک ممتاز درجہ حاصل ہے

(ا) سلطانی کتب خانۂ عدالتِ وائنا کا قلمی نسخہ مورخہ صفر ۱۱۰۷ھ مطابق ستمبر ۱۶۹۵ء،

(ب) شاہی کتب خانہ گوتھا کا محشی قلمی نسخہ مورخہ ۳ رجب ۱۰۱۴ھ = ۲ر نومبر ۱۶۰۵ء (منقول از نسخہ مورخہ ۲ر جمادی الثانی ۸۷۱ھ)،

(ج) کتب خانہ لیدن کا قلمی نسخہ مورخہ ۱۸ر ذالحجہ ۱۰۱۲ھ = ۷ر مئی ۱۶۰۴ء

(د) قلمی نسخہ ۔ ٹوڈرینی صفحہ ۳۰، اور

(ہ) شیخ بشتنرزی (متوفی ۱۸۴۶ء) کا قلمی نسخہ ۔ موروثی لائبریری قسطنطنیہ،

احمد زکی ناشر عیون الاخبار نے دو اور قلمی نسخوں کا ذکر کیا ہے جو کہ دار الکتب المصریۃ میں موجود ہیں[۱] :-

(۱) استاد شنقیطی کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ مورخہ ۱۱۱۶ھ اور

(۲) ایک غیر مشکول اور بے تاریخ نسخہ

کتاب المعارف دو دفعہ طبع ہو چکی ہے:

(ا) گوٹنجن میں (۱۸۵۰ء) ناشر ایف ووسٹنفیلڈ ۔ یہ مطبوعہ نسخہ مذکورۃ الصدر مخطوطات میں سے پہلے تین کے مقابلہ و معائنہ کا نتیجہ ہے[۲]

(ب) مصر میں (۱۳۰۰ھ = ۱۸۸۱ء)

سبب تالیف و اہمیت:

ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ " اس کتاب میں میں نے ایسے معلومات جمع کئے ہیں جنکا جاننا ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے جسے اشرف المخلوقات کا درجہ حاصل ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶) کوئی ذکر نہیں کیا ۔ تاہم جرجی زیدان نے ابن قتیبہ کا تذکرہ کرتے وقت انہی چار کتابوں کو مقدم رکھا ہے اور انگریزی معاصر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام نے بھی انہیں 'اہم' اور 'عظیم الشان' کہا ہے [۲] اس کتاب کے تمام حوالہ جات طبع یورپ کے مطابق ہیں [۳] تفصیل کیلئے دیکھو جرمن دیباچہ کتاب المعارف صفحہ ۲-۸

(حاشیہ صفحہ ۵۷) [۱] تفصیل کے لئے دیکھو عیون الاخبار حصہ چہارم [۲] جرمن دیباچہ کتاب المعارف صفحہ ۶ سطر ۱۱-۱۲

جسے خدا تعالےٰ نے ادب سکھلا کر افتادہ طبقے سے نکال کر سرفراز کیا اور جسے علم و بیان عطا کر کے عوام پر فضیلت بخشی ہے۔ ایسے شخص کو چاہیئے کہ اپنی ذات کو تعلیم و تعلم کے لئے وقف کر دے اور اس کے تحفظ کے لئے روحانی ریاضت کی طرف رجوع کرے کیونکہ بادشاہوں کی مجلس میں بھی بیٹھ کر وہ اس چیز سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ شرفا کی صحبت میں بھی اس سے گریز نہیں ۔ نیز ہر قسم کی معاشرت میں اس سے سابقہ پڑتا ہے کیونکہ اہل علم حلقہ میں بحث و تحیص کے دوران میں یہ لوازمات میں سے ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ شاذ و نادر ہی کوئی مجلس جس کے ارکین کی نیت بخیر ہو اور خود جس کی بھلائی پر بنیاد ہو اور جس کا مسلک سراسر انسانیت ہو، ایسی ہوتی ہے کہ جہاں عام معلومات کی کسی نہ کسی طرح ضرورت نہ پڑے خواہ وہ کسی نبی کے ذکر کے دوران میں ہو یا کسی بادشاہ یا زمانۂ ماضی کے کسی عہد کے متعلق ہو۔ خواہ وہ کسی کے نسب کی بابت ہو یا عربوں کی کسی جنگ کے سلسلہ میں، بہرحال اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ قصہ کا اصل راز۔ قبیلہ کی اصل بود و باش۔ شہنشاہ کے عہد کے واقعات اور زیر بحث آدمی کی سرگذشت۔ نیز ضرب الامثال کی وجہ اختراع وغیرہ امور کے متعلق علم حاصل کیا جائے۔ چنانچہ اکابر و اشراف میں سے ایسے لوگ بھی میں نے دیکھے ہیں جنہیں اپنا نسب تک معلوم نہیں اور ایسے عجیب حضرات بھی نظر سے گذرے جنہیں اپنے اسلاف کا مطلق پتہ ہی نہیں۔ اور ایسے قریش جنہیں یہ بھی علم نہیں کہ انہیں کس پشت میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آں سرورؐ کے جلیل القدر صحابہ سے شرف قرابت حاصل ہے۔ میں نے فارس کے بادشاہوں کے ان لڑکوں کو دیکھا جو کہ اپنے باپ اور اپنے باپ کے عہد کے واقعات و حوادث سے قطعاً نابلد ہیں۔ اکثر ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آئے جو اپنے تئیں کسی قبیلہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ . . . .

حالانکہ انہیں یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ وہ قبیلہ کس خاندان کی شاخ ہے۔ کہیں وہ اپنے شجرہ نسب کو کسی قبیلے کے ایک حصّہ کی طرف لے جاتے ہیں حالانکہ انہیں اس قبیلے کی جڑ کا علم تک نہیں ہوتا۔ ایک شخص ایسا بھی ملا جسنے اپنے وقیق نسب سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو ایک ایسے شخص کے ساتھ جوڑ دیا جس نے کوئی اولاد ہی نہیں چھوڑی مثلاً وہ آدمی جسے میں نے دعوے کرتے سنا کہ اسے ابوذر سے نسبت ہے حالانکہ ابوذر کی کوئی اولاد ہی نہ تھی۔ ایک اور آدمی تھا جو اپنے آپ کو حسانؓ بن ثابت کی طرف منسوب کرتا تھا حالانکہ حسانؓ کے سب بچے دار فانی کو سدھار چکے تھے اور اس شخص کی طرح جو ماموں کے پاس گیا اور اس کے ساتھ نہایت دلکش انداز میں باتیں کیں۔ ماموں نے اس سے اس کا نسب پوچھا تو اسنے جواباً کہا "طی سے، جو عدی بن حاتم کی اولاد ہیں" ماموں نے اس سے پوچھا "کیا اس کی پشت سے؟" اسنے کہا "ہاں! ماموں بولا" ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، ابوطریف نے تو کوئی بچہ ہی نہیں چھوڑا" اس آدمی کا ایسے شخص کے پاس اظہار جہالت کرنا جو کہ اسے اپنے تقرب کے لئے چنتا تھا ایسے نسب کے اختیار کرنے سے بھی قبیح تر تھا۔ پھر دیکھئے ایک متبوع شخص جو کہ ادب میں مہارت تامہ رکھے۔ مگر کسی ایسی ضروری چیز سے بے بہرہ ہو جس کا علم اس کے لئے تمام معلومات سے زیادہ اہم ہو۔ اس قصور سے اس شخص کے کمال میں نقص واقع ہو جاتا ہے اور اس کا رتبہ گر جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک طالب علم فقہ کے اسرار و غوامض کے حصول کے درپے ہو لیکن ابواب صلوٰہ اور ابواب فرائض جیسی اہم چیزوں سے نا آشنا ہو یا حدیث کے راستوں کا ایسا سالک جو احادیث کے متن اور معانی سے غافل ہو۔ یا نحو کی علل اور تصاریف کا ایسا متلاشی جو ایک رقعہ یا ایک شعر بھی صحیح نہ پڑھ سکے[1]

نفس مضمون:

"میری یہ کتاب گوناگوں معلومات کی حامل ہے۔ سب سے پہلے ابتدا آفرینش

---

[1] کتاب المعارف ص۲-۳

بعد ازاں انبیاء کے حالات آمدِ مسیحؑ اور مسیحؑ کے بعد کے وقفے تک۔ ان کی عمر اور ان کی اولاد ۔ انکی اولاد کا ایک دوسرے سے جدا ہو جانا اور ان کا زمین کے مشارق و مغارب میں پھیلنا اور سمندروں ۔ جنگلوں اور ریگستانوں کے اطراف و جوانب میں قیام پذیر ہونا ۔اس کے بعد میں نے انساب عرب کا مختصر سا ذکر کیا ہے ۔ اور نہایت ہی تھوڑے الفاظ میں، مشہور عمائر اور بطون کا حال لکھا ہے ۔زاں بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات پیش کئے ہیں مثلاً آپؐ ۔آپ کے والدین ۔ پھوپھیوں ۔ دادیوں ۔ نانیوں ۔دایوں ۔ ازواج ۔ اولاد اور موالی کے انساب و تراجم ۔ آپکے مولد بعثت و غزوات کا تذکرہ ۔ تاآنکہ آپؐ اپنے خالق حقیقی سے واصل ہوئے ۔ اور مہاجرین عشرہ کے حالات پھر مشہور صحابہ کے ۔ پھر معاویہ ابن ابی سفیان کے عہد سے لےکر احمد بن محمد بن المعتصم المستعین باللہ تک کے خلفا کے واقعات اور مشہور ارباب سلطنت اور باغی جنہوں نے ان کے خلاف سر اٹھایا ۔ پھر تابعین اور ان کے بعد کے علمائے حدیث ۔ اور اصحاب الرای اور ان کے رافضی ۔شیعہ ۔مرجئی ۔قدری وغیرہ ہونے کے متعلق ۔ نیز حجاز ۔ مکہ ۔ عراق اور شام کے اہل قرآت، نسابین، مورخ، غریب اور شعر کے راوی، علمائے نحو ۔معلمین، متہاجرین، صحابہ کرام و تابعین کے حالات پھر ان شخصوں کا ذکر جنہوں نے کوئی ایسی بات کی جو مدتوں تک جاری رہی (یعنی "اوائل") اور کعبہ ۔ بیت المقدس ۔ مسجد مدینہ ۔مسجد بصرہ ۔مسجد کوفہ ۔مسجد دمشق جیسی مشہور مساجد کا تذکرہ ۔ عمارات کی تاریخیں اور یہ کہ وہ کس کے ایماء سے بنائی گئیں ۔ میں نے جزیرۃ العرب ۔ حدود سواد اور جزیرہ واقع میان دجلہ و فرات اور حدود نجد و حجاز و تہامہ کے متعلق بھی اشارہ کیا ہے ۔میں نے فتوحات کا بھی ذکر کیا ہے کہ آیا وہ بالجبر واقع ہوئیں یا صلح سے ۔ اور ایسے والیوں کا ذکر بھی جو عراقین پر حکمران تھے میں نے پہلے مہاجرین اور پچھلے مہاجرین میں فرق ظاہر کیا ہے ۔مخضرمین کے حالات

نصاری بنی تغلب پر صدقہ کی مقدار کے دوچند ہوجانے کی وجہ۔عرب کے زمانۂ جاہلیت کے مذاہب اور جاہلیت میں اشراف کے پیشوں کا بیان، اہل عاہات جن میں متعدد عوارض جمع ہوئے نیز یہ کہ ابرص۔لنگڑا۔اندھا۔کوڑھی۔کم ریش۔کانا۔مجذوم۔ناک اور لب کٹا۔چھوٹے بڑے جبڑوں والا۔بے بال وغیرہ وغیرہ کون کون تھا۔اور ایسی چیزوں کا ذکر جو ایک ہی لڑی میں مسلسل ہوں اور ان کا شتی نہ ہو۔ان لوگوں کے حالات جو اپنے آباء و اجداد اور قبائل کے غیر کی طرف منسوب کئے گئے ہیں اور جو اپنی کنیت سے موسوم ہیں اور طاعونوں اور ان کے اوقات اور مشہور لڑائیوں مثلاً یوم ذی قار۔فجارین۔حلف الفضول۔حلف مطیبین۔بکر و تغلب اور داحس وغبراء کا ذکر۔جن لوگوں کے نام ضرب المثل بن گئے انکے حالات مثلاً قوس حاجب۔باقل، قرطے ماریہ۔حریم ناعم۔ساباط۔شقائق نعمان۔حدیث خرافہ۔برجان چور۔سحبان وائل الخطیب۔طفیل جسکی طرف طفیلی منسوب ہیں۔لطف کا خزانہ۔کسعی کی ندامت۔عرقوب کے وعدے۔حنین کے موزے۔منشم کا عطر وغیرہا۔نیز میں نے ملوک حیرہ۔ردافہ (یعنی عارضی نیابت) اور شاہان پارس کا ایک ایک کرکے ذکر کیا ہے۔اور ان کی زندگی کے واقعات اور ان کی شان و شوکت اور رعب اور دبدبے کی کیفیت کا بھی تذکرہ کیا ہے[۵]۔

طریق بیان :

کسی قبیلہ یا فرد کا ذکر کرتے وقت ہمارا مصنف سب سے پہلے اس فرد یا قبیلہ کا شجرہ نسب اور جگہ کا پتہ لگاتا ہے۔پھر اس فرد یا ان افراد کی زندگی کے نہایت اہم اور مشہور واقعات کو تحریر میں لاتا ہے اور جہاں کہیں اختلاف روایت ہو وہاں ان مختلف اقوال و روایات کو نقل کر دیتا ہے۔بیان نہایت سلیس۔

---

[۵] کتاب المعارف صہ۲-۳

پر مغز، بر محل ۔ مختصر اور حشو و زوائد سے خالی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ تین سو صفحے کی چھوٹی سی کتاب میں اسقدر مواد بھرا پڑا ہے ۔

" یہود و نصاریٰ کے حالات میں ابن قتیبہ عہد نامہ عتیق و جدید ہر دو کو نقل کرتا ہے ۔ ان کے انبیاء و زعماء کا بیان کرتے وقت مصنف نے وہب بن منبہ کی طرف بہت دفعہ رجوع کیا ہے ، اہل فارس کے حالات میں فارس کی تاریخ سے اقتباسات پیش کئے ہیں ۔ لیکن تاریخ اسلام کے متعلق اسنے اپنے ماخذ کے سلسلے میں کتب تاریخ کا ذکر نہیں کیا ۔ ہاں بالعموم اپنی اسناد کا تذکرہ کیا ہے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام اور خلفائے راشدون کے حالات ابو الخطاب ابو الیقظان وغیرہم سے نقل کئے ہیں[1]) "

خاتمہ :

کتاب المعارف انواع و اقسام کے اعلام و اشخاص کے حالات پر مشتمل ہے ۔ ادب عرب کے طلبہ کے لئے یہ کتاب لابد مرجع ہے ۔ ادب و شعر اور اخبار و آثار کے اسرار و غوامض پر صحیح روشنی ڈالی گئی ہے ۔ اہل ادب کی بہت سی مشکلات ایسی ہیں جن کی عقدہ کشائی اس کتاب سے استفادہ کئے بغیر ہو نہیں سکتی اور نہ ہی اسوقت تک وہ کسی تسلی بخش نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں ۔ مختصر یہ کہ یہ کتاب ادب عرب کی مفتاح ہے ۔

عربی نظم و نثر میں اکثر محاورات و ضرب الامثال وغیرہ آتے ہیں جن کے سمجھے بغیر عبارت صاف نہیں ہوتی ۔ چنانچہ کتاب المعارف میں ایسے ابواب موجود ہیں جہاں کئی ایک امثال و محاورات کی وافی تشریح کی گئی ہے مثلاً اسرع من نکاح ام خارجہ (ص ۲۹۶) ، خفا حنین (ص ۲۹۸) اکفر من حمار (ص ۲۹۴)

۱؎ جرمن دیباچہ کتاب المعارف ص ۳ ،

وغیرہ۔اشعار عرب میں اکثر ایسے لوگوں اور قبیلوں کا ذکر ہوتا ہے کہ جب تک ان کا نسب نامہ معلوم نہ ہو شعر کا راز سربستہ ہی رہتا ہے۔ ابن قتیبہ نے قبائل عرب کا شجرۂ نسب اور ان کا مختصر حال بھی دیا ہے (ص ۳۱)۔ پھر عرب کے ادب وشعر میں جاہلیہ کی لڑائیوں کا اکثر ذکر ہوتا ہے۔ ہمارے مصنف نے ان کی بھی ضروری تشریح و تفصیل کر دی ہے (ذکر ایام العرب المشہورۃ فی الجاہلیۃ ۲۹۲)

تاریخ دانی کے لحاظ سے یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے اور قدیم تاریخی مصنفات میں سے ہے[1]۔ اس میں تاریخ کے ہر اس حصہ پر جس سے اہل عرب کو کوئی سروکار ہو سکتا ہے، سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مصنف نے اعلام یہود ونصاریٰ و اسلام۔ اسلامی یادگاروں۔ فتوحات۔ مشہور واقعات اور افراد کی سرگذشت اور فارس اور شام کے بادشاہوں کے حالات کو کافی جگہ دی ہے۔ "مابعد کے مورخین نے بھی اس کے محتویات کو بطور ایک شاندار ذخیرۂ معلومات کے استعمال کیا۔ ابن خلکان نووی، وغیرہما نے بھی اس سے استفادہ کیا" بعض اس کے نقش قدم پر چلے ہیں چنانچہ ابن ندیم نے بیان کیا ہے کہ وکیع القاضی نے اپنی کتاب الشریف میں وہی طرز بیان اختیار کیا ہے۔ جس طرز پر ابن قتیبہ کی کتاب المعارف لکھی گئی ہے[2]۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ ابن جوزی کی کتاب تلقیح فہوم الاثرہ فی التاریخ والسیرۃ کتاب المعارف کے اسلوب کا تتبع کرتی ہے۔

اخیر میں ہم اس کتاب کے متعلق خود مصنف کی نصیحت کو جو کہ بالکل مبنی برحقیقت ہے، پیش کرتے ہیں :۔

---

[1] یہ امر یقینی ہے کہ بہت سے راویوں نے ابن قتیبہ کے پاس زبانی روایات بیان کیں جو سب سے پہلے اسی نے قلمبند کیں۔ جرمن دیباچہ کتاب المعارف ص۳، زیدان لکھتا ہے: ھو من قبیل الکتب لتاریخ العام

وقد شرطت عليك تعلم ما فى هذا الكتب وتعرفه ولواطلته وذكرت مابك عنه الغناء اكثر دهرك اتعبتك وكذلك واوجبتك الى ان تلفظ منه شيئًا للمعرفة والحفظ وتنبذ منه شيئًا فكفيتك ذلك واحتطت لك فيه بابلغ الاحتياط وعايرت على نظرى بنظر الحفاظ من اخواننا والنساب وادجوا ان اكون قد بلغت لك فيه همة النفس وثلج الفواد ولنفسى ما املت فى تبصيرك وارشادك من توفيق الله وحسن الثواب[1]

ضروری نوٹ :

کتاب المعارف کی ترتیب میں دو ایک سقم قابل توجہ ہیں :-

(۱) "عرب کے ہمنام قبیلوں اور خاندانوں کا تذکرہ : اسے اس نسب نامہ کے بعد ہونا چاہیئے تھا جو کہ ص۵۵ پر تمام ہوتا ہے -

(۲) "ضرب الامثال اکفر من حماد اور احمق من دغہ (ص۳۰۴) کا ذکر باب قصص قوم جری المثل باسمائہم (ص۳۹۵) میں ہونا چاہیئے تھا"[2]

سخاء اللہ
میکلوڈ عربیک سٹوڈنٹ

(بقیہ حاشیہ ص۶۳)

۲ھ المعارف جرمن دیباچہ ص۲ حاشیہ ص۶۳ ۳ھ الفہرست ص۲۱۴

۳ھ کتاب المعارف ص۲ ۱ھ جرمن دیباچہ کتاب المعارف

میرزا بیدل

(قسط دوم)

مرزا بیدل کے تعلّقات

اس میں شک نہیں کہ مرزا بیدل نہایت سیرچشم اور قناعت پیشہ واقع ہوئے تھے۔ لیکن ان کے رقعات اور دیگر تصانیف سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس استغنا اور گوشہ نشینی کے باوجود ان کے تعلقات اس زمانہ کے سربرآوردہ امراء و وزرا اور نامور اہل علم کے ساتھ نہایت گہرے تھے۔ وہ ان کی شادی اور غم میں شریک ہوتے تھے۔ باقاعدہ تہنیت نامے اور تعزیت نامے تحریر کرتے تھے۔ تحفے تحائف اظہارِ تشکر کے ساتھ قبول کرتے تھے۔ تصنیفات ان کے نام معنون کی جاتی تھیں۔ ان کے کلام میں اصلاح دی جاتی تھی وغیرہ وغیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کشمکش حیات سے گھبرائے ہوئے نرے خشک اور گوشہ نشین زاہد ہی نہیں تھے۔ بلکہ انزوا سے دلدادگی اور روحانیت میں انہمک رکھنے کے باوجود یہ بھی جانتے تھے کہ تکمیل نفس کے لئے خلق اللہ کے برگزیدہ اشخاص سے میل جول کس قدر مفید اور سودمند ثابت ہو سکتا ہے۔ فضلائے عصر میں وہ مخصوص حیثیت رکھتے تھے اور ذاتی خوبیوں۔ عمدہ خصائل۔ خداداد ذہانت اور روحانی جاذبیت کے باعث اکثر جلیل القدر منصبداروں کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے۔ ہم ذیل میں بعض ان اشخاص کا ذکر کرینگے جن کے ساتھ میرزا کو خصوصیت کے ساتھ رابطۂ اتحاد رہا اور مرزا

نے اپنے منشآت میں ان کا تذکرہ کیا ہے ۔

۸۰۔ مرزا کے رقعات کا زیادہ حصّہ نواب شکر اللہ خاں کے نام نامی کے ساتھ وابستہ ہے گو رقعات نفس مضمون کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن تمام کا اندازِ بیان نہایت نیازمندانہ اور مخلصانہ ہے جس سے استنباط کیا جاسکتا ہے کہ مرزا اور نواب صاحب کے درمیان گہرے تعلقات تھے ۔

اُدھر بقول آزاد بلگرامی نواب شکر اللہ خان اور ان کے تمام خاندان کو مرزا صاحب سے بیحد عقیدت تھی ۔ آزاد کا یہ قول صحیح مانا جاسکتا ہے کیونکہ مرزا کے رقعات میں چند ایسے رقعے بھی ملتے ہیں ۔ مزید براں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب مرزا سے مشورۂ سخن کیا کرتے تھے ۔

نواب شکر اللہ خان اور مرزا کے درمیان دوستی اور یگانگت کا سلسلہ تقریباً بارہ سال تک رہا ہے ۔ جیسا کہ خاں موصوف کی وفات کے وقت مرزا کے ایک خط سے جو شکر اللہ خان کے فرزند کے نام ہے معلوم ہوتا ہے ۔

" از دست رفتن دولتیکہ بسببِ موافقتش دوازدہ سال محرک عسرت آہنگیٔ سازِ انفاس بود" (صـ۱۲۶ رقعات)

نواب شکر اللہ خاں | مولانا غلام علی سرو آزاد میں لکھتے ہیں کہ شکر اللہ خان ذات کے سید ۔ خورت کے رہنے والے اور عاقل خاں رازی کے داماد تھے ۔ شہنشاہ اورنگزیب نے سرہند ۔ سہارنپور اور میوات کا علاقہ ان کو عطا کیا تھا ۔ آخر میوات ہی میں شـ۱۱۰۸ھ میں

لہ نواب شکر اللہ خان از سادات خورت است و داماد عاقل خان رازی و از پیشگاہ خلد مکانی بہ حکومت سہرند وسہارنپور و میوات سرفرازی یافت ۔ آخر در میوات سنہ ثمان و مأتہ والف (۱۱۰۸) از منصب حیات مستعفی گشت ۔ میر لطف اللہ شکر اللہ خان پسر اوست کہ بہ خطاب پدر مخاطب گردید و خلف دیگرش میر عنایت اللہ شاکر خان و دیگرے میر کرم اللہ عاقل خان '

داعی اجل کو لبیک کہا - ان کے تین فرزند تھے - لطف اللہ - عنایت اللہ اور میر کرم اللہ - سرکار شاہی سے نمبر اول کو شکر اللہ نمبر دوم کو شاکر خاں اور نمبر سوم کو عاقل خاں کے خطاب عنایت ہوئے -

بیشک یہ صحیح ہے کہ نواب شکر اللہ خاں سہارنپور - میوات وغیرہ کے حاکم رہے ہیں - کیونکہ بیدل کے ہاں بھی دو تین رقعے ایسے ملتے ہیں جن میں سہارنپور[1] - فتح میوات[2] اور عطاء میوات[3] کا ذکر آتا ہے - نیز یہ بھی درست ہے کہ اُن کے تین[4] فرزند تھے - اور ان کے نام لطف اللہ، عنایت اللہ اور کرم اللہ تھے - لیکن ہمیں افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ لفظ "شکر اللہ" جو باپ بیٹے کے لئے رقعات میں بلا تمیز استعمال ہو رہا ہے - ہمیں اس قدر شبہات میں ڈال دیتا ہے کہ صفحہ ۱۱۴ کے رقعے کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم نواب شکر اللہ خاں کی تاریخ وفات کے مسئلہ میں مولانا آزاد کیساتھ اتفاق یا اختلاف کرنے میں لمحہ بھر کے لئے مذبذب ضرور ہو جاتے ہیں - لیکن بعض دیگر وجوہات کی بنا پر جنکا ذکر ذیل میں ہوگا ہم یہی رائے قائم کرتے ہیں کہ یہاں شکر اللہ سے مرزا کی مراد غالباً شکر اللہ خاں نمبر دوم ہیں - کیونکہ پہلے پہل ۱۰۹۷ھ میں شاہی افواج نے نواب شکر اللہ خاں کی سرکردگی میں میوات کو تسخیر کیا ہے - اس لئے قدرتی طور پر یہی گمان گذرتا ہے کہ خان موصوف الذکر کو میوات کی حکومت ۱۰۹۷ھ میں یا اس کے قریب دربار شاہی سے عطا ہوئی ہوگی - دوسرے رقعہ[5] مندرجہ

---

[1] مہربانی ہسے خانصاحب الطاف منش سہہ و اشفاقا تہاے میر صاحب کرم مناقب از عالم تقریر بیرون است واز مبالغہ تعدد افزون - تکہے بہ مقتضائے بے اختیاری سرے بہ سہارنپور مے کشد و یاد گرامی صحبت خود را در خدمت فیض مناقب ایشان دے سے دہد بہ اطفائے شعلہ ہائے بے کسی اگر آب است دران جا است ... ص۹۷

[2] دوشم از گردون ندا آمد کہ خان دلنواز   کرد در یک دم زدن بنیاد میواتی خراب

حاشیہ بنام شاکر خان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سنہ ۱۱۰۰ھ میں شکر اللہ خاں کے منجھلے بیٹے شاکر خان کو شاہجہاں آباد کی حکومت ملی۔ تیسرے سنہ ۱۱۰۴ھ میں شکر اللہ خاں کے چھوٹے بیٹے کرم اللہ خاں کو منصب نمانی عطا ہوا۔ ان واقعات کو دیکھ کر ہمیں خیال گذرتا ہے کہ اسوقت نواب شکر اللہ خاں وفات پا چکے ہونگے اور ان کے فرزند اپنے والد کی اعلےٰ خدمات کے عوض میں شاہی نوازشات سے سرافراز ہو رہے ہونگے۔ چنانچہ شاکر خاں کو شاہجہان آباد کی حکومت ملی اور کرم اللہ خاں کے منصب میں اضافہ ہوا۔ اسی طرح شکر اللہ خاں کو جنہیں اپنے باپ کا خطاب ورثہ میں ملا تھا۔ حکومتِ میوات عنایت ہوئی ہوگی + صفحہ ۹۸ کے ایک رقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۰۹۰ھ میں شکر اللہ خان کے منصب میں اضافہ ہوا۔

(بقیہ حاشیہ صـ۶۷)

بے تکلف جست میواتی و جاٹ و راجپوت   تا نگرد و پائمال حکم آن نصرت رکاب

یک جہاں خفاش را برتے زآہنگش بس است   آفتاب است آفتاب است آفتاب (صـ۱۰۲)

۵۳ مناصب حکومت میوات علو گشن درجات بہ جناب جلالت منقبت مقصد نصرت و اقبال مصدر اثر جاہ و جلال نص نشار تحقیق قدر جوہر توفیق سرکوب بداندیشیٔ دشمناں نوید جمعیت دوستان خانصاحب مبارکباد صـ۱۱۱ ، نمبر ۳ کے ہر فقرہ سے سال عطا رمیوات سنہ ۱۱۰۴ھ برآمد ہوتا ہے۔

۵۴ شکر امروز کہ در بہار وفاق   رنگ و بوئے شگفتگی ہم اند

اے خدا فضل کن کہ این گلہا   ہمہ لطف و عنایت و کرم اند

۵۵ اقتدار بہار ملک و مال، استقلال علم و عمل، دستگاہ علامت جاہ و جلال ... حکومت مبارک شاہجہاں آباد بخان صاحب کواکب لوا مبارکباد صـ۱۵۹،

(حاشیہ صـ۶۸) پیشگاہ کرم انتساب جم کواکب فیاض رکاب ناز و نعمت دستگاہ خانصاحب افلاک درگاہ عطائے مہر سپہر آستان والی ملک کرم اللہ خان بمناصب خانی مبارکباد،

شکرِ خدا کہ صاحب ما راز فضل حق جمعیت اضافہ اقبال سرمدی است
تا شکر این عطیہ برون آید از حساب تاریخ رو مراتب تائید ایزدی است
۱۰۹۰ھ

مرزا بیدل کے رقعات میں چند رقعے ایسے بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب شکر اللہ خاں ملکی مہمات اور سیاسی معاملات میں منہمک رہنے اور اپنے فرائض منصبی کو سرگرمی کے ساتھ سر انجام دینے کے باوجود اپنے علمی اور ادبی ذوق کو برقرار رکھنے اور ترقی دینے میں ہمیشہ ساعی رہے۔ زمین شعر میں طبع آزمائی کرتے اور اپنا نتیجۂ فکر مرزا کے پاس اصلاح اور مشورہ کی غرض سے ارسال کرتے تھے۔ اس امر کا ثبوت صفحہ ۹۵، ۱۰۲، ۱۲۳ کے رقعات سے ملتا ہے۔

کمال فن کے لحاظ سے نواب شکر اللہ خاں ایک اچھے خاصے نقاد تھے۔ انہیں ماہرِ فن جان کر مرزا نے اپنی کئی تصنیفات ان کے نقد اور تبصرہ کے لئے بھیجی ہیں۔ جب مثنوی طلسمِ حیرت ارسال کرتے ہیں تو ایک رقعہ میں ناقدری زمانہ کی شکایت کرتے کرتے اس خیال سے کہ کتاب خان کے پاس پہنچنے والی ہے اطمینان اور خوشنودی کا اظہار اسطرح کرتے ہیں ؎

شاد باش اے دل کہ آخر عقدہ ات وا می شود
قطرہ ما مے رسد جائیکہ دریا مے شود

شکر اللہ خان نے اس مثنوی کے نثر میں تلخیصی عنوان قائم کئے ہیں۔ یہ زمانہ ان بزرگوں کی دوستی کا ابتدائی زمانہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ مرزا خاں موصوف کی توجہ اور مہربانی کا تذکرہ عاقل خاں کے نام ایک رقعہ میں کر رہے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے۔ کہ شکر اللہ خاں عاقل خاں کے داماد ہیں:۔

" درین ایام خان سعادت عنوان بہ انکشاف مطالب طلسم حیرت عنوان ہا مقرر نمودہ و مرآتے کہ خلاصۂ مدعائے آن نسخہ است بصیقل تحریر زدودہ" (ص ۱۳۲ رقعات)

مثنوی طور معرفت ارسال کرتے وقت مرزا نے مندرجہ ذیل سطور حوالہ قلم کی ہیں جو رقعات میں ص۱۱۷ پر ملتی ہیں:۔

"معنی نوازا طور معرفت از ہجوم دیدہ انتظار سامان یک عالم چراغاں است و بہ ہوائے نثار آن کلیم این حقیقت صد ہزار گوہر معنی بداماں ... درین وقت آرزوئے بیتاب ہوا پرست این تمنا است کہ رابطۂ اجزائے تفرقہ امکان اوراق انتظار بیدلان برگرداند و دیدہ مشتاق را ہم چشم نقش پا بہ مطالعہ قدمبوسی رساند"

اپنی نظم گل زرد خاں کی خدمت میں روانہ کرتے وقت مرزا رقم طراز ہوتے ہیں:۔

"اقبال رنگینہائے این گلدستہ منتظر نگاہ معنی بین است و معراج خرمیہائے این گلشن مطالعہ بہار آفرین" رقعات ص۱۳۵

شکر اللہ خان بیدل کے کلام سے بیحد شغف رکھتے ہیں۔ مرزا کے دو رقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مرزا کے دیوان کا انتخاب بھی تیار کیا تھا۔ چنانچہ بیدل نے اس موقعہ پر یہ معنی خیز جملہ لکھا ہے " لطف کریم بہانہ جوست ہر کرا پسندید پسندید و ہر چہ را برگزید برگزید" ایک اور جگہ مرزا نے شکر اللہ خان کا ان الفاظ میں شکریہ ادا کیا ہے:۔

"سجدۂ شکر را جبین نیاز بار منتہاست کہ اجزائے پریشاں مقال دور گرداں بساط حضور را برشتۂ نظر تامل شیرازہ پیمائی اقبال تحسین مے فرمایند و اوراق خزاں فرسائے مہجوران گلشن قرب را از توجہ حفظ الغیب بہ گلدستہ ہا مے ستایند"

نواب شکر اللہ خان کے نام مرزا کے بعض ایسے رقعے بھی ہماری نظر سے گذرے ہیں جو اسوقت کے بعض تاریخی واقعات پر روشنی ڈالتے ہیں:۔

مندرجہ ذیل قطعہ سے جو ایک رقعہ کا ضمیمہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ ما بچی رام ترو کہ(؟)

باغی ہوکر میوات کے پہاڑوں میں مطلق العنان پھر رہا تھا۔ اسکی سرکشی کی بنا پر شکر اللہ خاں اسکی سزا دہی کے لئے گئے۔ دونوں کے درمیان لڑائی ہوئی۔ جس میں باجی نے شکست فاش کھائی اور بصد مشکل جان بچاکر فرار ہوا۔ اس جنگ کی تاریخ وقوع جو بروئے حساب جمل ۱۰۹۷ھ ہے۔ اس طرح بیان کی گئی ہے :—

سرخیل نرد کہ مابجی رام (؟)	از باد بروت پشم در دست
باہفت پسر کہ ہر کدامش	چون کہ سرے بہ تیغ مے زد
عمرے در کوہسار میوات	مے بود چون خرس از خودی مست
با لشکر خان آسمان جاہ	گردید طرف از فطرت پست
یعنی بہ پناہ قلعہ کوہ	بر جنگ مبارزان کمر بست
بگریخت بصد ہزار تشویش	تا از دم تیغ بے امان است
در تاریخش مہندس فکر	فرمود دل نرد کہ بشکست (ص۱۲۶)

مرزا نے رقعہ ذیل میں یورش دکن، تسخیر بیجاپور اور گولکندہ کی تاریخ میں ذیل کا قطعہ لکھا ہے :—

شاہ عالمگیر یعنی حضرت اورنگ زیب	آنکہ دارد تکیہ بر شمشیر او فتح و ظفر
عزمش از اقلیم دہلی کرد آہنگ خروج	تا کند بنیاد شاہان دکن زیر و زبر
اولین سالیکہ فتح ملک بیجاپور بود	در غل و زنجیر رفت اسکندر از طوق و کمر
تاخت بر گلکندہ رایات ظفر سال دوم	ہمچنان بر قلب قطب الملک طوفان دو سر
گشت از روئے جمل در دیدۂ اہل حساب	سال فتح اولین جمشید نصرت جلوہ گر
خواستم روشن شود آئینۂ فتح دوم	داد شوخیہائے ادراکم درین مصرع خبر
ہست یک معنی کہ تعبیر از دو تاریخش کنند	اعظم مطلوب فتح پادشاہ نامور

مرزا ایک اور رقعہ بنام شکر اللہ خان میں اسلام آباد کی بدنظمی۔ دہلی کے سفر۔

عاقل خاں سے ملاقات اور شاہجہان آباد میں مستقل رہائش اختیار کرنے کی خواہش کا ذکر کرتے ہیں - اس کا تذکرہ ہم اپنی پہلی قسط میں کر چکے ہیں -

مرزا کے منشآت سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب شکراللہ خاں کی وفات کے بعد مرزا اور نواب صاحب کے بیٹوں کے درمیان سابقہ تعلقات برابر جاری رہے - مرزا انہیں مختلف تقاریب پر رقعات لکھتے رہے ہیں اور ان رقعات کا انداز نہایت مخلصانہ ہے ذیل میں چند رقعے بہ غرض وضاحت پیش کئے جاتے ہیں : -

جب شکراللہ خاں کو میوات کی حکومت دربار شاہی سے سنہ ۱۱۱۴ھ میں عطا ہوئی تو مرزا نے انہیں ایک رقعہ مبارک باد کے طور پر لکھا - اس رقعہ کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں -

شکراللہ خاں کے بیٹے کی تاریخ پیدائش مرزا نے ذیل کے رقعہ میں لکھی ہے - اس رقعہ کے ہر فقرہ سے سال سنہ ۱۱۱۰ھ بر آمد ہوتا ہے :-

"خرمیہائے بہار آگہی ، سرسبز بہائے عید شاہنشہی ، فلک درگاہی مراتب پایندگی رفیع الشانی . . مبارک ص۱۶۳"

شکراللہ خاں کی مطلوبہ کے فوت ہونے پر مرزا نے نہایت افسوسناک الفاظ میں صفحہ ۱۷۰ پر اظہار غم کیا ہے - رقعات صفحہ ۱۷۸ ، ۱۷۹ ، ۱۹۵ ، ۲۱۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ شکراللہ خاں نے جاٹوں اور راجپوتوں کی تنبیہ کا بار اپنے ذمہ لیا تھا اور حیدرآباد دکن کی طرف لشکرکشی بھی کی تھی -

اسی طرح شاکر خاں کے ساتھ بھی مرزا کی باقاعدہ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا - جب شاکر خاں کو سنہ ۱۱۱۱ھ میں شاہجہان آباد کی حکومت ملی تو مرزا نے ایک رقعہ میں جس کا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اظہار مسرت کیا ہے - اس رقعہ کے ہر فقرہ سے تاریخ سال سنہ ۱۱۱۱ھ بر آمد ہوتی ہے -

شاکر خاں کے ہاں لڑکا پیدا ہونے پر مرزا نے خان کو ایک رقعہ مبارک باد میں لکھا

اور مندرجہ ذیل اشعار میں تاریخ ولادت بیان ہوئی

این گل کہ ز رنگش چمن صبح شگفت   افسردگی از طبیعت امکان رفت

تاریخ بہار او سروش تحقیق   جمعہ نہم جمید الآخر گفت

مرزا کے متعدد رقعوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شاکر خان نے بھی دکن کی طرف فوج کشی کی تھی۔ چنانچہ ہم یہاں صرف مرزا کے اس رقعہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ شاکر خانؔ ان کے لئے دکن میں بادشاہ وقت سے جاگیر حاصل کی تھی۔ لیکن مرزا نے جاگیر قبول نہیں کی تھی اور اس احسان کے شکریہ میں شاکر خاں کو صفحہ ۱۷۷ کا رقعہ ارسال کر دیا تھا۔

جہاندار شاہ نے شاکر خاں کو فوج کے ہراول کے لئے منتخب کیا تھا۔ اس کا ذکر مرزا نے صفحہ ۱۸۹ کے رقعہ کے ایک شعر میں کیا ہے۔

خلقے درین گنج سعادت میرفت   آخر گہر نیاز شاکر خاں سفت

گفتم چہ نویسم رقم تاریخش   رضواں بدل اسرار در جنت گفت

۱ ۱ ھ ۱۹

مرزا اور کرم اللہ خاں کے درمیان بھی ہمیشہ خط و کتابت ہوتی رہی۔ ۱۱۱۴ھ میں جب انہیں منصب خانی ملا تو مرزا نے انہیں مبارک باد لکھی۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

کرم اللہ خاں کے ہاں لڑکا اور لڑکی پیدا ہونے پر مرزا نے ایک رقعہ تہنیت کے طور پر لکھا۔ اس رقعہ کے ہر فقرہ سے تاریخ پیدائش ۱۱۱۸ھ بر آمد ہوتی ہے ص۱۷۸

بہ خوف طوالت ہم مرزا بیدل کے دیگر رقعات جن میں نواب شکر اللہ خاں اور ان کے بیٹوں کے حالات ملتے ہیں نظر انداز کرتے ہیں۔

نظام الملک | مرزا کے چھ سات رقعے نظام الملک آصف جاہ کے نام پر ہیں۔ نظام الملک کا نام چینقلیچ خاں ہے۔ وہ نسلاً ترک تھے۔ امرائے عالمگیری میں مخصوص

حیثیت رکھتے تھے ۔ دہلی کی وزارت اور دکن کی حکومت بھی ان کے سپرد رہی۔ سیدوں کے زوال کے بعد ان کا تسلط دکن پر مستحکم ہو گیا ۔ اور وہاں اپنی سلطنت کی داغ بیل اس قابل ستائش طریقہ پر ڈالی کہ ان کا خاندان دکن کے زرخیز علاقہ پر آجتک قابض چلا آتا ہے ۔

آزاد بلگرامی اپنی تصنیف سرو آزاد میں لکھتے ہیں کہ نظام الملک بیدل کے شاگرد تھے ۔ ظن غالب ہے کہ آزاد اپنے اس بیان میں صحیح ثابت ہوں ۔ کیونکہ مرزا اپنے ایک رقعہ میں نظام الملک کی ایک غزل کی برجستگی کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"تمہید غزل تازہ چہ قدر افسون معنیہائے برجستہ داشت" صـ۲۰۳

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام الملک اپنا کلام مرزا کے پاس بھیجتے رہتے تھے ۔ مرزا کے ایک اور رقعہ صفحہ ۴۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام الملک نے مرزا سے ان کا دیوان اور مثنوی بھیجنے کی درخواست کی تھی اور ان کی خواہش کے مطابق مرزا نے یہ کتابیں ارسال کی تھیں ۔

رقعہ صفحہ ۱۰۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا برابر تین ماہ دستوں کی بیماری میں مبتلا رہے اور نظام الملک کو ان کے سفر کی تقریب پر الوداع نہیں کہہ سکے ۔

عاقل خاں | مرزا نے متعدد رقعات عاقل خاں کو بھی لکھے ہیں ۔ ان رقعات میں ایسا مواد محفوظ ہے ۔ جسکی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ عاقل خاں اور مرزا کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے ۔ نیز یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ امرائے عالمگیری میں مرزا کو سب سے پہلے عاقل خاں ہی سے ملنے کا اتفاق ہوا ۔ اور خان موصوف کی وساطت سے ان کا تعارف نواب شکر اللہ خاں کے ساتھ ہوا ۔

ایک رقعہ صفحہ ۸۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے عاقل خاں کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارے دربار میں حاضر ہونگا ۔ لیکن چند مجبوریوں اور پریشانیوں

کی بنا پر وہ اپنا وعدہ ایفا نہیں کر سکے ۔ اور معذرت میں مندرجہ ذیل الفاظ تحریر کئے :۔

فریاد رسا دلیل افسردگیہا غیر ازین چہ خواہد بود کہ وعدہ آن قرب سعادت بہ بعد این ہمہ مدت کشید و شاہد نارسائیہا بیش ازین چہ خواہد نمود کہ سر رشتۂ پرواز این قدر بعقدۂ قفس آرائی آرمید ؎

ندانم شعلۂ افسردہ ام یا گرد نمناکم　　کہ تا از پا نشستم نقش پائے خویشتن گشتم

نیز اس رقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے اپنی مثنوی محیط اعظم کو اپنی کاہلی اور غفلت کا وسیلہ آمرزش جان کر خان موصوف کے پاس ارسال کی :۔

"محیط اعظم را کہ ساقی نامہ ایست مخترع افکار دعاگو ۔ یا منتخبے از غزلیات خیال رنگ و بو وسیلہ آمرزش قصور نمودہ ببارگاہ قبول معذرت فرستاد"

صفحہ ۱۵ کے ایک رقعہ سے ظاہر ہے کہ مرزا نے اپنی مثنوی طلسم حیرت عاقلخان[1] کے نام نامی پر معنون کی تھی ۔ اسی طرح صفحہ ۱۳۲ کے ایک رقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے مثنوی طور معرفت کا خاتمہ عاقلخان کے پاس بھیجا تھا اور بعد عجز و نیاز گذارش کی تھی :۔

"اگر در جناب خلد انتساب قبول برگ سبزے بیرزد گلدستہ آرائے یک عالم فرق افتخار است"

مرزا کے دیگر رقعات کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم ان کے ایک رقعے کے وہ دو اشعار نقل کرنا چاہتے ہیں جو انہوں نے شاہ عالم کو اعظم شاہ پر فتح حاصل کرنے کے وقت عاقلخان کو مبارک باد کے طور پر لکھے تھے ۔ ان ابیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۱۹ھ میں شاہ عالم اور اعظم شاہ میں لڑائی ہوئی جس میں شاہ عالم نے فتح پاکر عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لی اور سریر آرائے سلطنت ہند ہوئے :

[1] لیکن یہ رقعہ کرم اللہ عاقل خاں کے نام معلوم ہوتا ہے کیونکہ کرم اللہ کا خطاب بھی عاقل خان ہے ۔

جلوسِ معدلت انوار بادشاہ زمن با این مربع اسرار دادہ اند نشاں
شئون رافت یزداں جلال قدرت شان ہماں خلیفۂ رحمٰن معظم دو جہان

مندرجہ بالا اشعار سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اسوقت اعظم شاہ اور مرزا کے پُرانے تعلقات منقطع ہو چکے ہونگے اور ان میں کسی قدر کشیدگی پیدا ہو چکی ہوگی۔ کیونکہ اگر یہ معاملہ نہ ہوتا تو مرزا اپنے سابق سرپرست کی شکست اور ہلاکت پر عاقل خاں کو رقعہ مذکورہ کے اشعار بالا بطور مبارکباد ہرگز نہ لکھتے۔

حسین علی خاں | مرزا بیدل کے رقعات کی ایک اچھی خاصی تعداد حسین علیخان امیر الامرا کے نام پر بھی ہے۔ حسین علیخان قطب الملک سید عبداللہ خاں کے چھوٹے بھائی تھے۔ یہ وہی سید ہیں جو خاندان مغلیہ کے زمانہ انحطاط میں لامحدود طاقت اور رسوخ کے مالک تھے۔

سروِ آزاد کے مصنف صفحہ ۱۴۹ پر لکھتے ہیں کہ مرزا بیدل اور سید حسین علیخاں کے تعلقات اچھے تھے۔ جب سید حسین علیخاں دکن کے نظم و نسق میں مصروف تھے تو مرزا نے انہیں ذیل کے دو اشعار لکھے ؎

اے نشۂ پیمانۂ قدرت بچہ کاری ہستی اثرے یا پے تاراج خماری
نے در قدحی گل بسری جام بدستی رنگ چمن موج گلی جوش بہاری

لیکن جب انہوں نے بادشاہ فرخ سیر کے ساتھ غداری کی تو مرزا نے مصرع "سادات بہ وے نمک حرامی کردند" لکھا۔ اس مصرع کو عالمگیر شہرت ہوگئی۔ مرزا نے سیدوں کے خوف سے لاہور کا رُخ کیا اور عبدالصمد خاں ناظم لاہور کے پاس پناہ گزیں ہوئے۔ عبدالصمد خاں نے ان کا پُر تپاک خیر مقدم کیا اور نہایت عزت و احترام سے اپنے پاس رکھا۔ جب سیدوں کی طاقت اور زور میں زوال آنا شروع ہوا۔ مرزا شاہجہان آباد واپس چلے آئے۔

مرزا کی تصنیفات اس واقعہ پر اگرچہ پوری روشنی نہیں ڈالتیں۔ لیکن ان کا لاہور میں آنا ثابت ہے چنانچہ :۔

"وقتے غبار قافلۂ تجرّدم از ساحت عرصۂ دہلی بسیر پنجاب دامن عزم شکست و درائے محمل خیال بہ پیش آہنگی سفر لاہور کمر شوق بر بست (چہار عنصر صفحہ ۵۳)

اسی سفر میں میرزا سرائے نکودر میں بھی وارد ہوئے۔ میرزا کے پاس ایک زنگ آلود چھرا تھا۔ اسکو نکودر کے کسی لوہار نے ان کی خواہش کے مطابق سان پر رکھ کر درست کر دیا اور کوئی اجرت نہیں لی۔ اسی سفر میں حسن ابدال بھی پہنچے ہیں۔ سفر میں ایک برہمن ان کا ہمراہی تھا۔ جس سے حشر اجساد و قیام قیامت پر خوب خوب بحث رہی اور میرزا اس کے پیچیدہ اعتراضات کی معقول تردید کرتے رہے (صفحہ ۲۲۳ چہار عنصر)

یٰسین خان

تنقید و تبصرہ

(۱) اسلامی نظام تعلیم

یہ ایک چھوٹا سا رسالہ جرمن مستشرق ڈاکٹر ہانہ برگ کے ایک عالمانہ مضمون کا اردو ترجمہ ہے جس میں فاضل مستشرق نے اسلامی نظام تعلیم اور اسلامی مدارس کے طریقۂ تعلیم پر مبصرانہ بحث کی ہے - یہ رسالہ ۱۸۵۰ء میں لکھا گیا - ظاہر ہے کہ اب سے اسّی برس پہلے فاضل مصنّف کو جو مواد میسر آیا - آج اس سے بہت زیادہ موجود ہے، اگر اسی مضمون پر آج کوئی مبصّر قلم اٹھائے تو وہ اس کو بے انتہا وسعت دے سکتا ہے - تاہم اس مختصر رسالے میں بہت سی مفید اطلاعات ہیں اور فاضل مستشرق نے یہ ثابت کیا ہے کہ آج کل کی یونیورسٹیوں میں بہت سی روایات مسلمانوں کی قدیم درسگاہوں سے اخذ کی گئی ہیں - مثلاً درس کے وقت پروفیسر کا طیلسان یا گاؤن پہننا - مدارس کے اخراجات کے لئے اوقاف کا ہونا، درس دینے کے لئے سند یا اجازت[1] کا حاصل کرنا وغیرہ، سب سے بڑی قابل قدر بات یہ ہے کہ مصنّف نے مسلمانوں کی تعلیمی روایات کو اُس بیجا تعصّب کی نظر سے نہیں دیکھا جو اب سے اسّی برس پہلے یورپ میں عام تھا - بلکہ اُن روایات کو عزّت و احترام کے ساتھ بیان کیا ہے -

ایک قابل افسوس کوتاہی اس مضمون میں یہ ہے کہ بیانات کی سند کہیں پیش نہیں کی گئی معلوم نہیں کہ یہ کوتاہی اصل مضمون میں ہے یا ترجمے میں اسناد کو قلم انداز کیا گیا ہے -

[1] License.

اُردو ترجمہ جناب فضل کریم صاحب درانی بی۔ اے نے کیا ہے۔ فاضل مترجم کو ہم مبارک باد دیتے ہیں کہ انہوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ اس فرض کو سرانجام دیا ہے۔

ملنے کا پتہ:- **قومی کتب خانہ** ریلوے روڈ۔ لاہور (مطبوعہ ۱۹۳۲ء)

---

(۲) **عنقائے معانی** - غالب اور اس کے دلآویز ادبی و شعری کارناموں کا اعتراف ملک کی جانب سے جس وسعت و رنگارنگی کے ساتھ کیا گیا ہے اسکی تفصیل قابل نگارش نہیں۔ اس کے کلام کی دقت و پیچیدگی کو مدنظر رکھتے ہوئے آج تک بے شمار شرحیں لکھی گئیں اور آئے دن لکھی جارہی ہیں۔ حال ہی میں جناب شیر علی خاں سرخوش نے دو جلدوں میں ایک شرح لکھی ہے جو عنقائے معانی کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ سرخوش صاحب کو تمام دوسرے شارحین سے کسی نہ کسی طرح اختلاف ہے - اور اختلاف رائے بری بات نہیں، ان کو شارحین سے خاص شکایت یہ ہے کہ انکی شرحیں طلبہ کے نقطۂ نظر سے اپنے مقاصد کو صحیح طور پر کامیاب نہیں ظاہر کرتیں۔ چنانچہ سرخوش صاحب نے زیادہ تر طلبہ کے فائدے کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ شرح مرتب کی ہے۔ کتابت کی غلطیاں اور بدنمائی اور کاغذ و طباعت کی خرابی بھی ایسے نقص ہیں جو آیندہ اشاعت میں نہ ہونے چاہئیں۔ قیمت تین روپے +

ملنے کا پتہ:- **پاپولر بک ڈپو - موہن لال روڈ - لاہور**

---

(۳) **احسان عشق** اور **احسان عشق کا ضمیمہ** - لسان الحکمہ شمس العلما جناب مولوی محمد عبدالرحمٰن صاحب شاطر کی قابلیت علمی و شاعری صوبہ مدراس میں مسلّم

ہے جو محتاج بیان نہیں ۔ چنانچہ گورنمنٹ کی طرف سے ان کو خطاب شمس العلما اور قوم کی طرف سے لسان الحکمہ انکو لقب ملا ہے ۔ مدراس یونیورسٹی کے ممتحن اور ممبر ہیں ۔ یہ سب امور ان کی شہرت اور قابلیت پر دال ہیں ۱۹۲۵ء میں احسان عشق کے نام سے چالیس صفحات کا ایک رسالہ اور ۱۹۳۰ء میں سولہ صفحات کا دوسرا رسالہ موسومہ ضمیمہ احسان عشق ۲۰×۲۶ تقطیع پہ چھپوایا تھا جسے حال میں مصنف نے اورینٹل کالج میگزین لاہور کے دفتر میں بھیجا ہے ۔ ان دونوں میں کلام نظم جناب شاطر کا ہے ۔ دونوں کی نظمیں زیادہ تر اردو زبان کی ہیں اور کم کم فارسی ۔ پہلے رسالہ میں مصنف کی مختصر لائف بھی ہے ۔ خواہ بندہوں یا سباعیات • رباعیات و مثنویات تقریباً سب کا وزن رباعی ہے ۔

کلام سے وسعت معلومات مصنف کا پتہ چلتا ہے ۔ عنصر مذہب غالب ہے جو مولوی صاحب کی دینداری پر دال ہے ۔ تخیل خوب ہے ۔ صفائی اور روانی بھی کلام میں پائی جاتی ہے ۔ یورپین خیالات کی تردید و تغلیط اور مسلمات اسلامی کی تصدیق شاعرانہ انداز میں فرماتے ہیں ۔ پیشوایان دین سے اظہار عقیدت و ارادت بھی کافی ہے ۔ اکبر ۔ محسن ۔ اقبال ۔ سرسید و غالب کے مداح بھی ہیں جس سے ان کی نیک نیتی ۔ حسن ظن اور خوش خلقی نمایاں ہے ۔ بربنائے سنت شاعری کہیں کہیں اپنی بھی مدح کی ہے ۔ کلام سے جامع معلومات مشرق و مغرب ہونا معلوم ہوتا ہے ۔ یورپین مسلمات جدیدہ خلاف مذہب کی تنقیص و تردید بطور خطابات شعریہ اچھے عنوان سے فرماتے ہیں عیب ایطاء جسکو اہل فن عیب فاحش مانتے چلے آتے ہیں ۔ مولانا بخیال توسع میدان شاعری اپنے لئے جائز قرار دیتے ہیں ۔ طباعت و کتابت و کاغذ برا نہیں قیمت دونوں رسالوں پہ تحریر نہیں اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ مصنف سے مفت ملتے ہوں گے ۔

---

۴ ۔ گلزار عثمانی

مولوی محمد عبد القوی صاحب المتخلص بہ فانی ایم اے (علیگ) لکھنؤ یونیورسٹی کے

فارسی لکچرر نے اپنے نو تصنیف نو قصائد بزبان فارسی حال میں شائع کئے ہیں - نواں قصیدہ تقریب کتخدائی شہزادگان والاشان اعلیحضرت حضور نظام بالقابہ دام ملکہٗ وسلطانہٗ کی تہنیت میں ہے اور باقی آٹھ حضور نظام کی مدح میں ہیں -

پہلے قصیدہ کی بحر اور قوافی وہی ہیں جو قاآنی کے مشہور قصیدہ کے ہیں جس کو قاآنی نے مدح مرزا تقی خاں میں کہا ہے اور جس کا مطلع یہ ہے (قاآنی)

نسیم خلد میوزد مگر زجوئبارہا که بوے مشک میدہد ہواے مرغزارہا

اسکے جواب میں جناب فانی مطلع ذیل ارشاد فرماتے ہیں ؎

نہ این گل است و یاسمن بطرف جوئبارہا بہار کرد عنبرین ہواے مرغزارہا

ساتواں قصیدہ عرفی کے مشہور قصیدہ کے جواب میں ہے جسکو عرفی نے مدح میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے فرمایا ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

اے مرتفع ز نسبت ذات تو شان علم کلک گہر فشان تو رطب اللسان علم

جناب فانی بھی بہ تتبع عرفی ممدوح سے مخاطبہ کرتے ہوئے مطلع یوں تحریر کرتے ہیں ؎

اے ذات تو بدہر ہمہ میزبان علم باشد ز فیض تو ہمہ تاب و توان علم

جس طرح علم جناب امیر شہرۂ آفاق ہے - علم پروری حضور نظام بالقابہ بھی اظہر من الشمس ہے جو محتاج بیان نہیں

دوسرا قصیدہ بھی عرفی کے مشہور قصیدہ کے جواب میں ہے - جس کو عرفی نے مدح جلال الدین اکبر میں کہا ہے - جبکہ اکبر کو دین آتش پرستی کی طرف میلان تھا - اسی وجہ سے ردیف آفتاب کو اختیار ہے - جس کا مطلع یہ ہے ؎

اے دل بعشق سرشتت رازدان آفتاب تا ابد بر خوان دولت میہمان آفتاب

اس کے جواب میں جناب فانی مطلع ذیل لکھتے ہیں :-

؎ شہسوار دولت تو ہمعنان آفتاب آستان قصر جاہت آسمان آفتاب

تیسرا قصیدہ بھی قاآنی کے مشہور قصیدہ کے جواب میں ہے۔ جس کو قاآنی نے مدح محمد شاہ غازی شہنشاہ ایران میں کہا ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے ؎

ساقی بدہ رطل گران زان مے کہ دہقان پرورد — اندہ برد غم بشکرد شادی دہد جاں پرورد

اس کے جواب میں جناب فانی ارشاد فرماتے ہیں ؎

بادہ ہمہ قوت روان بر رخ گلستان پرورد — در دل ہمہ شادی دہد سر جان پژمان پرورد

قاآنی نے اگرچہ دونوں قصیدوں میں صنعت تسمیط کو التزاماً صرف کیا ہے۔ جناب قاآنی کے قصیدہ میں بھی کہیں کہیں کسی مصرع میں تسمیط پائی جاتی ہے۔

چوتھا قصیدہ بھی اسی بحر اور اسی ردیف و قافیہ میں ہے۔

آٹھواں قصیدہ وہ قافیہ اور ردیف رکھتا ہے جسکو خاقانی نے غیاث الدین بن محمود بن ملک شاہ کی مدح میں کہا ہے۔ جسکا مطلع یہ ہے ؎

فتنہ بر تو ایم و تو فتنہ بر آئینہ — مارا نگاہ در تو ترا اندر آئینہ

جناب فانی نے قافیہ و ردیف تو یہی اختیار کیا ہے مگر بحر اور ہے اور مطلع اسکا یہ ہے۔

ز جمال روئے زیبا شد منور آئینہ — کرد غلست مطلع خورشید خاور آئینہ

تخئیل۔ شوکت الفاظ اور ترنم ان قصائد میں پائے جاتے ہیں جو شاعری کے لئے ضروری ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ خاقانی۔ ظہیر۔ عرفی اور قاآنی کا باحسن وجوہ تتبع کیا ہے۔ تو بیجا نہ ہوگا۔ اہل زبان کا اس طرح تتبع زبان آموز سے دشوار ہے۔ چسپانی ردیف و برجستگی قافیہ بھی پائی جاتی ہے۔ ان مشکل قوافی و ردیف میں قلم اٹھانا کوئی آسان کام نہیں جب ممدوح اعلے ہے تو مدح اعلے کیوں نہ ہو۔

صفحہ نو پر پہلا شعر یہ ہے ؎

آنچہ در مغرب بود از علم بہر الاش — خامہا در دست دارد ترجمان آفتاب

الاش کی ترکیب الا۔ اور ششن ضمیر یا اش سے ہے جس پر الف بوجہ تعذر تلفظ وقت

ضرورت بڑھا لیا کرتے ہیں - اہل ایران جن الفاظ کے آخر میں ہمزہ ہو اسے جہاں باقی رکھتے ہیں وہاں اکثر حذف بھی کر دیتے ہیں - اس صورت میں املاء بقاعدہ اہل فرس املا بروزن فعلن رہ جاتا ہے - پھر جن الفاظ کے آخر میں الف ہو ان پر یائے زاید کا اضافہ بھی کر دیتے ہیں - اس بنا پر یہ لفظ املاے بھی ہو سکتا ہے - ان امور کو مد نظر رکھتے ہوئے ذیل کی صورتیں ہو سکتی ہیں - املاش یا املایش بروزن مفعولن - املاش بروزن فعلان - اِلٰاُش بروزن فاعلن اس شعر میں نظم ہوا ہے - ممکن ہے صحیح ہو مگر میری نظر سے نہیں گذرا - کسی کی نظر سے نگذر نا دلیل غلطی نہیں -

اگرچہ صحت میں اچھی کوشش کی گئی ہے مگر معدودے چند کتابت کی بھی غلطیاں ہیں - صفحہ ۳۷ پر یہ مطلع ہے ؎

تو ہستی بجان میزبان خلیفہ دو فرزند تو مہمان خلیفہ

کاتب نے بجائے میہمان مہمان لکھدیا - جب تک اس مصرع میں یہ لفظ اشباع کے ساتھ نہ ہو وزن منکسر رہتا ہے -

چونکہ قصائد مدح اعلیحضرت حضور نظام بالقابہ میں ہیں - لہذا ان کا نام گلزار عثمانی رکھا گیا ہے - ۲۰ × ۲۶ تقطیع پر مع ٹائیٹل پچاس صفحات ہیں - کاغذ کتابت اور طباعت سب خوب ہیں - مجلّد کی قیمت سوا روپیہ اور غیر مجلد کی ایک روپیہ ہے - آسی پریس محمود نگر لکھنؤ سے یہ کتاب ملتی ہے *

رسالے

(۱) **ہندوستانی** - صوبہ متحدہ الہ آباد کی 'ہندوستانی اکیڈمی کا سہ ماہی رسالہ ہے جو ڈاکٹر تاراچند ایم - اے پروفیسر ڈاکٹر عبد الستار صدیقی ایم - اے مولوی سید مسعود حسن رضوی ایم - اے منشی دیا نرائن نگم بی - اے (اڈیٹر زمانہ) اور مولوی اصغر حسین (سکریٹری

کی ادارت میں جاری ہوا ہے۔ زیادہ تر اردو علم و ادب کے متعلق مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اور ان کے لب و لہجہ میں عام تحقیق و تدقیق اور تنقید و تفحص کے علاوہ زبان و بیان کی آسانی کو بھی رائج کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اکیڈمی تمام ملک میں وہ پہلی اور تنہا علمی انجمن ہے جو حکومت کی مالی امداد سے بروئے کار آئی ہے اور اپنی بساط کے مطابق اردو اور ہندی زبانوں کی علمی و ادبی خدمت انجام دے رہی ہے۔ چنانچہ وہ متعدد تالیفات جو ابتک اکیڈمی کی جانب سے شائع ہو چکی ہیں۔ اسکی سرعت رفتار اور ترقی کا کافی ثبوت بہم پہنچاتی ہیں۔

'اردو' 'معارف' اور اورینٹل میگزین کیساتھ ہندوستانی ہی وہ رسالہ ہے۔ جو خالص اور ٹھوس علمی خدمت کو اپنا مقصد زندگی قرار دیتا ہے اور ہمیں مسرت ہے کہ ہم ملک کے علمی حلقہ کو اس نئے رسالے کی قابل قدر ادبی خدمات کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔

رسالہ ٹائپ میں شائع ہوتا ہے اور ٹائپ کی خوبصورتی قابل داد ہے۔ سالانہ قیمت پانچ روپے۔ ملنے کا پتہ: — **ہندوستانی اکیڈمی صوبہ متحدہ الہ آباد**

---

(۲) الضیاء ۔ مادہ پرستی کے اس دور عروج میں عربی تحریر و تقریر اپنے انتہائی انحطاط کو پہنچ چکی ہے۔ کیونکہ حالات سے مجبور ہو کر امت کے اعلیٰ طبقہ کو علوم عربیہ کی طرف توجہ ہی نہیں رہی۔ دوم سوم طبقہ کے افراد گو ادھر متوجہ ہیں۔ مگر کئی ایک ناگفتہ بہ وجوہ کی بنا پر ان میں ملکۂ تقریر و تحریر عربی بہت کم پیدا ہوتا ہے۔ ضرورت تھی کہ اس طبقہ کی رہنمائی کے لئے کوئی علمی، ادبی مجلہ کسی عالم کی نگرانی میں شائع ہوتا کہ طلبۂ علوم عربی کو تحریر و تقریر کا خوگر بنایا جا سکے۔ بحمد اللہ کہ یہ دیرینہ ضرورت پوری ہوتی نظر آتی ہے۔ لکھنؤ سے ایک ماہواری رسالہ 'الضیاء' کے نام سے مولانا سید سلیمان ندوی اور شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی کی نگرانی اور جناب مسعود صاحب ندوی کی ادارت میں شائع ہوا ہے۔ رسالہ مذکورہ کا نمبر (۶) اسوقت ہمارے سامنے ہے جس میں مفید معلومات کو فراہم کیا گیا ہے ہم مسلم طلبہ علوم عربیہ کو رسالہ مذکور کیطرف پر زور توجہ دلاتے ہیں۔ رسالہ کا سالانہ چندہ ۳ روپے ہے۔ دفتر "الضیاء" لکھنؤ سے مل سکتا ہے۔

(۴) **مسلمہ** - انجمن اشاعت اسلام جالندھر کے مدرسۃ البنات کا ماہوار صحیفہ "مسلمہ" مسلمان عورتوں اور بچیوں کے لئے ایک گرانبہا تحفہ ہے - ہم نے اس رسالہ کے تینوں نمبروں کا مطالعہ کیا ہے - مسلمات کی اصلاح و ترقی کے لئے فی الحقیقۃ یہ ایک مبارک قدم ہے - مضامین کافی سلجھے ہوئے اور فرقہ پرستی سے بالا ہیں اور ان میں اچھا خاصہ اسلامی رنگ نظر آتا ہے - عبارت کے سلیس اور عام فہم ہونے کا بھی پورا لحاظ رکھا گیا ہے - کیا ہی اچھا ہو اگر غیر اقوام کی عورتوں کے حالات کے علاوہ تاریخ اسلام کی مشہور و معروف، بہادر اور نیک اور پاک عورتوں کے سوانح حیات اور ان کے شاندار کارناموں کی نشر و اشاعت کے لئے بھی ایک مستقل سلسلۂ مضامین شروع کر دیا جائے اور یوں نیک نمونے پیش کر کے مومنات میں جذبۂ عمل پیدا کرے اور انہیں صالحات بننے کی ترغیب دے -

تعداد صفحات ۳۲، لکھائی - چھپائی اور کاغذ عمدہ - سالانہ چندہ ایک روپیہ +

دار المصنّفین، اس کا تخیل اور گذشتہ تاریخ - اِس عنوان سے دار المصنّفین اعظم گڈھ کی جانب سے ایک مختصر رسالہ شائع ہوا ہے، جس میں اعظم گڈھ کے اس قابل قدر علمی مجلس کے حالات و ضروریات کے متعلق تفصیلات شائع کی گئی ہیں -

آج اس بات کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ ہم اپنے ناظرین کو دار المصنفین کی مفید اور قابل قدر علمی و ادبی خدمات کی جانب توجہ دلائیں یا اس کے اشاعتی کارناموں پر ستائش و استحسان کی نظر ڈالیں - کیونکہ یہ حقایق تمام ملک کے سامنے ہیں - قارئین کرام سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس رسالہ کو پڑھیں تاکہ دار المصنفین کی تاسیس و مقاصد کے علاوہ اس کی موجودہ ضروریات سے بھی ان کو آگاہی حاصل ہو - ہم ان سے یہ بھی استدعا کرتے ہیں کہ وہ دار المصنفین کی موجودہ ضروریات کی جانب فوری توجہ کریں - جس کی یہ علمی مجلس، ہر لحاظ سے مستحق ہے +

عربوں کے پالتو جانور

ہم نے اپنے گذشتہ مضمون بعنوان "اہل البدو و اہل الحضر" میں اس بات کی تشریح کی کوشش کی تھی کہ ملک عرب کے جغرافی طبعی حالات نے عرب قوم کی ہیئت ترکیبی اور اُن کی اقتصادی زندگی کی تعیین و تشکیل میں کس حد تک اور کس طرح اثر ڈالا ہے - چونکہ ان کی اقتصادی زندگی یعنی طریق حصول معاش میں اُن کے پالتو جانوروں کا بہت سا حصہ ہے - اس لئے اتمام بحث کی غرض سے آج کے مضمون میں ہم اُن کے پالتو جانوروں کا مزید ذکر کرتے ہیں -

پالتو جانوروں کے متعلق کئی لحاظ سے بحث ہو سکتی ہے - مثلاً "علم الحیات (Biology) یا علم اللسان (Philology) کے نقطۂ نظر سے - مگر اس مضمون میں ہم اُن سے صرف اس لحاظ سے تعرض کرینگے کہ اولاً ان کو ملک عرب کی آب و ہوا کے ساتھ کیا کچھ مناسبت ہے - اور ثانیاً ان کا اہل البدو اور اہل الحضر کے اقتصادی نظام میں کیا درجہ ہے +

اسبات کے یہاں بالتفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ کسی ملک کی آب و ہوا اور طبعی حالات صرف انسانی زندگی ہی پر اثر نہیں ڈالتے بلکہ حیوانات پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں - ہر ملک کی آب و ہوا اسبات کا فیصلہ کرتی ہے کہ کون کون سے جانوروں کی اس خاص ملک میں پیدائش و افزائش ہو سکتی ہے - اور کون سے جانوروں کی زندگی وہاں دشوار یا محال ہے - بالفاظ دیگر ہر ملک کا جغرافیہ ان انواع حیوانات پر ایک قسم کا انتخابی عمل کرتا ہے - جن سے انسان جلب منفعت کر سکتا ہے - یہی سبب ہے کہ اگرچہ روئے زمین پر انسان نے بہت سے حیوانوں کو تسخیر کیا ہے - مگر اسکے تسخیر کردہ جانور مختلف

ملکوں میں مختلف نوع کے ہیں۔ علیٰ ہٰذالقیاس ملک عرب کے بھی چند خاص پالتو جانور ہیں جن کی خلقی طبائع کو وہاں کی آب و ہوا کے ساتھ کم و بیش موافقت ہے۔ یہ جانور ملک عرب اور باشندگان عرب کے درمیان گویا ایک رابطہ یا کڑی ہیں۔ ایک طرف تو انہیں خطۂ عرب کے ساتھ مناسبت ہے اور دوسری طرف اہالیان عرب کی مخصوص اقتصادی زندگی کا جزو لاینفک ہیں +

عربوں کے پالتو جانور چار پانچ انواع کے ہیں (۱) اونٹ (اِبل) (۲) گھوڑا (فرس) (۳) بھیڑ بکری (غنم اور شاۃ) (۴) گائے (بَقَر) اور (۵) گدھا (حِمار) ہم ذیل میں اسی ترتیب سے اُن کا مختصر ذکر کرینگے :۔

۱ - اونٹ

اقتصادی لحاظ سے عربوں کے پالتو جانوروں میں سے اونٹ سب سے اہم ہے +

معلوم ہوتا ہے کہ عربوں نے اونٹ کو نہایت قدیم الایام سے تسخیر کرکے گھریلو بنالیا تھا۔ کیونکہ اُن کا باہمی تعلق نہایت قدیم زمانہ سے ہے۔ جسوقت عرب تاریخ کے منظرِ عام پر آتے ہیں تو اونٹ بھی اُن کے ساتھ ساتھ نظر آتا ہے۔ جنوبی عرب کی قدیم مہذب سلطنتوں میں بھی اس کی نمایاں حیثیت تھی۔ وہاں لوگ اس کو دودھ اور باربرداری دونو اغراض سے پلتے تھے۔ زمانۂ قبل المسیح میں عرب لوگ اپنے شمالی ہمسایہ اقوام مثل اثور (Assyrians) کے ہاں بحیثیت شتربانوں کے معروف تھے۔ چنانچہ اثوری شہنشاہ اثوربنی پال کے محلات کی دیواروں پر جو تصویریں منقش ملی ہیں' ان میں عرب جنگجوؤں کو اونٹوں پر سوار دکھلایا گیا ہے۔ تورات (کتاب پیدائش ۳۷/۲۵) کی روایت کے مطابق یوسف کنعانی [۴] بنی اسمعیل کے ہاتھ فروخت ہوئے جو اپنے لدّو "اونٹوں" کے ساتھ مصر جارہے تھے۔ اسی طرح جب ملکۂ سبا سلیمانؑ کی ملاقات کو یروشلم آئی

تو اس کے ساتھ مصالحہ جات سے لدے ہوئے "اونٹوں" کی قطار تھی (تواریخ ۹/۱) ۔

اگر اونٹ ملک عرب کا مخصوص جانور سمجھا گیا ہے اور اسے عربوں کی زندگی اور خصوصاً بدویوں کی معیشت کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے تو یہ کوئی اتفاقی امر نہیں۔ عرب کی خشک اور بے آب و گیاہ سرزمین میں گھوڑا یا گائے یا اور جانور جو دیگر چرواہہ اقوام کی معیشت کے ساتھ متعلق ہیں، ان میں سے کوئی جانور بھی اونٹ کی جگہ نہیں لے سکتا تھا۔ اگر اونٹ اور اہل بادیہ کا چولی دامن کا ساتھ ہے تو اسکی یہ وجہ ہے کہ صرف یہی واحد جانور ہے جو اپنی خلقت کی بدولت عرب کے تقریباً ہر حصہ میں رہ سکتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ عرب کی آب و ہوا بالعموم بہت گرم خشک ہے اور وہاں پانی اور گھاس چارہ کی بہت کمی ہے۔ مگر اونٹ کے لئے اس میں کچھ قباحت نہیں کسی جانور کی پرورش میں اس کے مالک کو اتنا کم خرچ یا کم تکلیف نہیں اٹھانی پڑتی جتنی کہ اونٹ کے مالک کو۔ جہاں کہیں اُسے روکھی سُوکھی گھاس یا خاردار پودے مثل ببول جھاؤ (اَثَل) یا تھوہر کے مل جائیں، وہیں چر چُگ کر گزارہ کر لیتا ہے۔ کھانے پینے کے معاملہ میں اونٹ بہت وسیع المشرب ہے جو کچھ سامنے آئے، بلا تکلف ہضم کر جاتا ہے[1]۔ باقی رہا پانی کا معاملہ، سو اونٹ کئی کئی دن بلکہ کئی کئی ہفتوں تک بغیر پانی کے رہ سکتا ہے۔ سخت گرمی کے موسم میں تین چار دن اور سردیوں میں سات دن تک بلا تکلیف بغیر پانی کے گزارہ کر سکتا ہے۔ جب موسم ربیع آتا ہے اور تر و تازہ گھاس اور رس بھرے پودے ہر طرف کھانے کو بافراط موجود ہوتے ہیں۔ تو ان کی طراوت کے سہارے

---

[1] اونٹ کی مرغوب خوراک کے لئے ملاحظہ ہو کتاب المخصص لابن سیدہ فصل علف الابل (الجزء السابع ص ۸۶-۸۹)

عُمان کے سواحل پر جہاں لوگ مچھلی کا شکار بھی کرتے ہیں، اونٹوں کو مچھلیوں کے سر، کھجور کی گٹھلیوں میں اُبال کر کھلاتے ہیں۔ جس طرح کہ سکاٹ لینڈ کے ساحلی علاقوں میں بھیڑوں کو مچھلیاں کھلائی جاتی ہیں ۔

ایک ماہ تک پانی کو منہ نہیں لگاتا - غرض اسکا حیرت انگیز صبر و تحمل اور عام جسمانی
اسے صحراء کی بامشقت زندگی کے لئے خاص طور پر قابل بناتی ہے - غالباً قرآن مجید
(أفلا ینظرون الی الابل کیف خلقت) کہہ کر ہماری توجہ اونٹ کی اسی قسم کی غیر
لی صفات اور فطری خواص کی طرف مبذول کرائی ہے -

اسبات کے کہنے میں کچھ مبالغہ نہیں کہ اگر عربوں کے پاس اونٹ نہ ہوتا تو ملک
کا ایک کثیر حصہ غیر آباد رہتا اور انسان اس سے منتفع نہ ہو سکتا - اہل بادیہ کی زندگی
اونٹ کے تصور میں نہیں آسکتی - مزروعہ علاقوں میں بھی کنوؤں سے پانی کھینچنے
محنت و مشقت زیادہ تر اونٹ ہی کے ذمہ میں ہے - اس قسم کی آب رسانی کے بغیر
ل زراعت مفقود ہوتی ؛

اونٹ کے فوائد اور استعمال

عربوں کے لئے بالعموم اور اہل بادیہ کے لئے بالخصوص اونٹ کی قدر و قیمت
بے حساب ہے - اور جن مختلف طریقوں سے اونٹ ان کے کام آتا ہے - ان کا احاطہ
نا قریباً ناممکن ہے - اونٹنی تقریباً سال بھر دودھ دیتی ہے - تنہا اسی دودھ پر اکثر خاندانوں
مہینوں گزراں ہوتا ہے - دودھ بھی کئی صورت سے استعمال ہوتا ہے - یا تو تازہ
پیتے ہیں (حلیب)، یا ترشا کر لسی کی صورت میں (لبن)، اور یا سوکھا کر (مریسۃ، اقط
غیرہ[1]) - دودھ سے مکھن بھی نکالتے ہیں - اس سے گھی (سمن) تیار کرتے ہیں - جو نہ صرف
ن کے لئے ایک مقوی غذا کا کام دیتا ہے - بلکہ ایک قیمتی مال تجارت بھی ہے - جس کو
بیچکر وہ اپنی کئی ضروریات پوری کرتے ہیں - ذبح کرکے اسکا گوشت کھاتے ہیں - جو بچ
رہے وہ سکھا کر سفر کے لئے رکھ چھوڑتے ہیں - عورتیں اسکی اون سے کپڑا بنتی ہیں جس

---

[1] عربوں کی خوراک کا بیان کسی آیندہ مضمون میں ہوگا ؛

سے پہننے کے کپڑے بناتے ہیں۔ موٹے بالوں سے خیموں کے لئے کپڑا اور رسیاں اور تھیلیوں کے لئے بوریا بناتے ہیں۔ کھال کو صاف کر کے پانی نکالنے کے ڈول (دلو)، پانی رکھنے کے لئے چھوٹے بڑے مشکیزے (قربہ)۔ کپّے اور دیگر کئی طرح کے ظروف تیار کرتے ہیں۔ اس کی مینگنیاں بطور ایندھن کام آتی ہیں۔ گرما میں جبکہ پانی کا قحط ہوتا ہے۔ بدوی عورتیں اس کے پیشاب سے اپنا سر دھوتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کی کھار سے جوئیں ہلاک ہو جاتی ہیں۔ حدیث [شریف] میں اس کے طبی فوائد کا بھی ذکر آیا ہے (بخاری، ابن ماجہ، ترمذی وغیرہ)۔ سخت ضرورت کے وقت اس کا پیٹ چاک کر کے معدہ سے پانی نکال کر پیتے ہیں۔ مشہور سیاح برکھارٹ نے (جسکو بدویوں کے ہمراہ رہنے کا اتفاق کم ہوا اور جو زیادہ تر حجاز کی شہری زندگی سے واقف تھا) اور اسکے بعد المانی پروفیسر یعقوب نے اگرچہ اس سے انکار کیا ہے۔ مگر موسل جس نے ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۵ء تک شمالی عرب میں اہل بادیہ کے درمیان کئی دفعہ سفر کیا، وضاحت کے ساتھ لکھتا ہے۔ کہ اس قسم کے واقعات کم از کم قبیلہ رویلہ کے ہاں نادر نہیں اور شاید ہی کوئی ایسا رُوَیلی ہوگا۔ جس نے اپنی عمر میں کم از کم ایک دفعہ اس قسم کا پانی نہ چکھا ہو۔ علاوہ ازیں تاریخ طبری (جلد اول ص۲۱۲۳) میں ایک واقعہ مذکور ہے۔ جبکہ ایک مہم کے دوران میں گھوڑوں کو اس طریق سے پانی پلایا گیا تھا۔

اگر تند و تیز ہوا چلے اور بدوی بغیر خیمہ کے ہوں تو وہ اونٹ کو بٹھا کر اسکی اوٹ میں آ بیٹھتے ہیں اور اسطرح باد تند کی شدت سے قدرے پناہ میں ہو جاتے ہیں۔ اونٹ منبر کا کام بھی دے سکتا ہے۔ قُس بن ساعدہ نجران کا مشہور و معروف فصیح و بلیغ اسقف اونٹ پر چڑھ کر وعظ کیا کرتا۔ اسی طرح آنحضرت صلعم نے ایک سے زیادہ مرتبہ، خصوصاً

---

۵۱ ملاحظہ ہو ڈاوُٹی صاحب کا سفرنامہ جلد اول ص۲۳۷ و ص۲۴۰ اور مُوسل صاحب کی کتاب "قبیلہ رُوَیلہ کے رسوم و آداب" ص۱۱۷۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر حاضرین کے جم غفیر کو اونٹ پر سوار ہوکر مخاطب کیا۔

اونٹ اپنے مالک کے لئے بار برداری کا کام بھی دیتا ہے۔ اس کے بال بچوں، اس کے خیمہ اور دیگر اسباب خانہ داری کو بھی اپنی پشت پر اٹھائے پھرتا ہے۔ اہل بادیہ کو دراصل اپنے اونٹوں ہی کی خاطر خانہ بدوش ہونا پڑتا ہے۔ اندریں حالات ان کے لئے یہ بات آیۂ رحمت ہے کہ اونٹ اپنی قوت جسمانی کی بدولت نہ صرف اس کو بلکہ اس کے مال و اسباب کو بھی اٹھا سکتا ہے۔ ویسے بھی عرب کے لق و دق بیابان بغیر اونٹ کے ناقابل گزار ہوتے۔

کئی دیگر طریق سے بھی اونٹ اپنے مالک کے لئے نفع بخش ہے۔ جب حضریوں کو ایک شہر سے دوسرے شہر تک سفر کرنا مقصود ہوتا ہے تو بدوی لوگ انہیں اونٹ کرایہ پر دیتے ہیں۔ حج کے موقعہ پر اجرتی اونٹوں کا استعمال ایک معروف بات ہے۔ جو اونٹ زائد از ضرورت ہوتے ہیں۔ بدوی ان کو شہریوں یا دیہات کے مزارعین کے پاس بیچ ڈالتے ہیں۔ دیہاتی ان کو ہل چلانے۔ کوؤں سے پانی نکالنے یا اپنے باغوں اور کھیتوں کی پیداوار منڈیوں میں لے جانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ تاجروں کے واسطہ سے ایک کثیر تعداد اونٹوں کی بیرونی ممالک کو جاتی ہے۔ جہاں فوجی کمسریٹ میں بار برداری کے لئے مستعمل ہوتے ہیں۔ مصر اور عراق میں لوگ اسکا گوشت بھی کھاتے ہیں۔ اونٹ کی تجارت عرب کی اہم تجارتوں میں سے ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ تقریباً پنتالیس ہزار جانور ہر سال ملک سے باہر جاتے ہیں۔ اس تجارت برآمد کے متعلق یہ امر قابل لحاظ ہے کہ یہ تجارت موسم کے تغیر و تبدل کے زیر اثر ہے۔ بدوی لوگ صرف گرما میں اپنے زائد اونٹ بیچتے ہیں۔ جبکہ چارہ کی کمی ہوتی ہے اور ان کو خود سرما کے لئے غلہ اور کپڑا خریدنے کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ سرما میں یہ تجارت بالکل بند ہوتی ہے۔ جب کہ بدویوں نے ضروری سامان کا ذخیرہ جمع کر لیا ہوتا ہے۔ سرما کے آغاز میں تھوڑی بہت

بارش بھی ہو جاتی ہے۔ جس سے اونٹوں کا چرانا قدرے آسان ہو جاتا ہے۔ جن کو وہ دودھ کی خاطر اور افزائش نسل کے لئے محفوظ رکھتے ہیں۔

عربوں کی عملی زندگی میں اونٹ کو جو نمایاں درجہ حاصل ہے وہ ان کی زبان اور ادب سے بھی عیاں ہے۔ جو اونٹ کے ذکر سے بھرے پڑے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ عربی میں اونٹ کے لئے چار ہزار اسماء ہیں اور جس کسی نے ابن سیدہ کی کتاب المخصص، الجزء السابع میں ساٹھ صفحے "نُعُوت الابل و صفاتہا" سے بھرے دیکھے ہیں۔ اس کو اس قول سے اختلاف کرنے کی کم ہی جرأت ہو گی۔ تقریباً ہر بدوی شاعر نے اونٹ کے گیت گائے ہیں۔ اونٹ کی یہ ثنا خوانی قدیم شعراء ہی تک محدود نہیں۔ موسل نے اپنی محولہ بالا کتاب کے تیس صفحے اُن قصائد کی نذر کئے ہیں جو آج بھی قبیلہ رُوَیلہ میں اونٹ کے بارے میں شائع ہیں۔ عربوں کے امثال، تشبیہات اور روزمرہ کلام میں بھی اونٹ کا بکثرت ذکر آتا ہے۔

اس بات کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے کہ درحالیکہ اونٹ بدوی زندگی کے لئے لابدی ہے اور ان کے سارے اقتصادی نظام کی کل اسی کے سہارے چلتی ہے۔ حضری زندگی میں اس کا درجہ نسبتاً بہت کم ہے۔ قریوں میں جہاں لوگوں کی بسر اوقات اپنے نخلستانوں اور کھیتوں کی پیداوار پر ہے۔ اونٹ محض کنوؤں سے پانی کھینچنے کے کام آتا ہے۔ اگرچہ یہاں بھی اس کی ضرورت خاصی شدید ہے کیونکہ بیل یا گدھے سات آٹھ گز سے زیادہ گہرے کوئیں سے پانی نہیں کھینچ سکتے۔ ایسے موقعہ پر اونٹ ہی کی ضرورت پڑتی ہے۔

۲ - گھوڑا

پالگریو نے عرب کے جانوروں کا ذکر کرتے ہوئے گھوڑے کو اوّل نمبر پر شمار

کیا ہے ۔ مگر درحقیقت عام عربوں کے لئے اقتصادی لحاظ سے گھوڑے کا فائدہ اونٹ کے مقابلہ میں بہت کم ہے ۔ اگرچہ گھوڑے کی نسل ملک عرب میں آکر بعض باتوں میں بہتر ہوگئی ہو اور عربی گھوڑے کو غیر ممالک میں جو شہرت اور ہر دلعزیزی حاصل ہے ' وہ بالکل بجا ہو ۔ تاہم یہ امر واقعہ ہے کہ پانی اور عمدہ چارہ کی کمی کے سبب سے گھوڑا ملک عرب میں ہمیشہ سے نادر رہا ہے ۔ اور عربوں کے ہاں اسکو ایک عام پالتو جانور کی حیثیت کبھی حاصل نہیں ہوئی ۔ اور بغیر انسان کی پرورش اور نگہداشت کے وہ وہاں ہرگز سرسبز نہ ہوسکتا ۔ عرب کے تمام سیاح گھوڑے کی کمیابی پر متفق الرائے ہیں ۔ جب برکہارٹ قبیلہ عنیزہ میں گیا تو اسکو ہر چھ سات خیموں میں سے بمشکل ایک میں گھوڑی نظر آئی ۔ حجاز کے قبیلہ حرب کے درمیان بھی صرف بعض شیوخ کے پاس چند گھوڑیاں ملیں ۔ ڈاؤٹی نے لکھا ہے کہ فقراء کا شمار گھڑ چڑھے قبیلوں میں ہوتا ہے تاہم ان کے پاس بیس سے زیادہ گھوڑیاں نہ تھیں ۔ لیڈی بلنٹ نے بھی اسی کے قریب قریب لکھا ہے " نجد میں بھی جوکہ عمدہ گھوڑوں کے لئے مشہور ہے اور جہاں کی سرزمین گھوڑوں کی نسل کشی کے لئے بہت موزون سمجھی جاتی ہے ۔ گھوڑے بہت کمیاب ہیں ۔ جزیرۃ العرب میں دُور دور تک سفر کر جائیے ، مگر ایک گھوڑا بھی مشکل سے نظر آئے گا " ۔

اس نایابی کے اسباب کی تلاش کچھ مشکل نہیں ۔ گھوڑے کی پرورش کے لئے دو ضروری شرائط ہیں ۔ پانی کی فراوانی اور عمدہ چارہ ۔ اور یہ وہ شرائط ہیں جن کا عرب میں پورا ہونا آسان نہیں ۔ لیڈی بلنٹ شمالی نجد کے متعلق لکھتی ہیں کہ نخلستانوں میں جہاں قریے آباد ہیں ' صرف کھجور کے درخت اور کسی قدر پھل اور سبزیاں پیدا ہوتی ہیں ۔ گرد و نواح میں نخلستانوں سے باہر گھاس کا ایک تنکا دکھائی نہیں دیتا ۔ دیہاتی لوگ سوائے اونٹ کے دیگر جانور نہیں پالتے ۔ گھوڑوں کی پرورش گویا ایک عیاشی ہے جو صرف شیوخ یا امراء کے ساتھ مخصوص ہے ' ڈاؤٹی نے لکھا ہے ۔ کہ

"گھوڑا اونٹ سے ایک ثلث زیادہ پانی پیتا ہے اور چونکہ اسے جلد پیاس لگ جاتی ہے۔ اس لئے لمبے سفر میں اس کی خاطر پانی اونٹوں پہ بار کرتے ہیں جس سے سفر میں رکاوٹ پیش آتی ہے۔ اسکی خوراک کا مسئلہ بھی پانی سے کم مشکل نہیں۔ کیونکہ سخت گھاس جس پر اونٹ قناعت کر سکتا ہے۔ گھوڑے کے لئے مطلقاً" ناقابل برداشت ہے۔ ہر گھوڑی کے لئے ایک دودھ والی ناقہ ہوتی ہے۔ کیونکہ عربوں کے گھوڑے غلہ نہیں کھاتے۔ اور نہ ہی صحرا کی درشت گھاس ان کی قوت کو برقرار رکھ سکتی ہے۔ گھوڑا جگالی نہیں کرتا اور علاوہ ازیں پسینہ کے راستہ سے بہت پانی خارج کرتا ہے۔ اس لئے بھوک اور پیاس پر صبر نہیں کر سکتا۔ غرض صحراء میں بدوی شیخ کو اپنی گھوڑی کے لئے بہت کچھ زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ اور اکثر اوقات ایک علیحدہ اونٹ پر اس کے لئے پانی بار کرانا پڑتا ہے۔

زمانہ قدیم میں بھی تقریباً یہی حالت تھی۔ صرف امیر لوگ گھوڑے رکھنے کی مقدرت رکھتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کی طرح اس زمانہ میں بھی گھوڑوں کی پرورش میں جو سب سے بڑی مشکل حائل تھی۔ وہ مناسب چارہ کی تھی۔ تاریخ طبری میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن ابی ربیعہ کو مدینہ میں گھوڑے پالنے کی صرف اس شرط پر اجازت دی کہ وہ ان کے لئے ضروری چارہ باہر سے لائینگے[1]۔

الغرض عرب کا ملک اور خصوصاً اس کے خشک تر علاقے گھوڑے کے مناسب حال نہیں۔ اور اگر عرب اسکی نگہداشت اور خاطرداری اپنے بال بچوں سے بڑھکر نہ کرے تو وہ زندہ نہ رہ سکے۔ بدوی شیخ جب اونٹنی کا دودھ دوہتا ہے۔ تو سب

---

[1] اتخذ عبداللہ بن ابی ربیعۃ افراساً بالمدینۃ فمنعہ عمر بن الخطاب فکلموہ فی ان یاذن لہ، قال لا اذن لہ الا ان یجیئ بعلفہا من غیر المدینۃ فارتبط افراساً وکان یحمل الیہا علفہا من ارض لہ بالیمن (طبری جلد اوّل صفحہ ۲۷۵۶)

سے پہلے اپنی گھوڑی کو پلاتا ہے اور اپنے مشکیزہ سے اس کی خاطر پانی کا آخری جرعہ انڈیل دیگا خواہ اس کے بال بچے پیاس سے بلبلا رہے ہوں - اونٹ انسان کی نگہداشت کے بغیر بھی صحراء میں کم و بیش مدت تک زندہ رہ سکتا ہے - خصوصاً ربیع میں جبکہ چارہ اور پانی کی نسبتاً افراط ہوتی ہے - لیکن گھوڑا اگر اپنے مالک کی حفاظت سے نکل جائے تو وہ جلد ہلاک ہو جائے گا -

اگرچہ حسب بیان بالا عرب کے طبعی حالات گھوڑے کی افزائش کے موافق نہیں تاہم قدیم الایام سے عربی گھوڑے کی تھوڑی بہت پرورش اور تجارت ہوتی رہی ہے تاریخ طبری (جلد اول صفحہ ۲۱۹) میں سوداگران اسپ کا ذکر آیا ہے - زمانہ قریب میں اس تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوا جس کی بظاہر یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ پچھلی صدی میں ذرائع آمد و رفت کی ترقی سے اس کے برآمد کرنے میں بہت سہولت ہو گئی تھی - ابن رشید امیر حائل کے پاس گھوڑوں کا ایک خاصہ بڑا اصطبل تھا، جو نفود میں چرائے جاتے تھے - اور جن میں سے تقریباً چالیس پچاس ہر سال کویت کے راستہ سے ہندوستان کو روانہ کئے جاتے - جہاں عرصہ دراز سے عربی گھوڑوں کی کافی مانگ رہی ہے - ڈاؤٹی کا بیان ہے کہ قصیم کے مشہور شہروں عنیزہ اور بُرَیدہ کے تاجر آس پاس کے بدوی قبائل سے گھوڑے خرید کر باہر بھیجتے تھے - پولو کے لئے بھی عربی گھوڑوں کی ہر چہار طرف مانگ رہی ہے - مگر جب سے پولو کی شرائط میں سے قد کی حد اٹھ گئی ہے اس خاص کھیل کے لئے عربی گھوڑے کی مانگ بہت کم ہو گئی ہے -

---

[1] بدوی لوگ خود صرف گھوڑیوں پر سواری کرتے ہیں - نرینہ بچوں کو یا تو فروخت کر دیتے ہیں یا پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے ہیں تاکہ گھوڑیاں دودھ پلانے سے کمزور نہ ہو جائیں - بدویوں کے نقطۂ نظر سے گھوڑوں میں یہ قباحت ہے کہ اگر وہ حملہ کے وقت ہنہنا اٹھیں تو اس سے دشمن آگاہ اور ہوشیار ہو جاتے ہیں - علاوہ ازیں گھوڑا گھوڑی کی نسبت سرکش ہوتا ہے -

اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایک عرب کے لئے گھوڑے کی قدر وقیمت کس بات میں مضمر ہے اور وہ کس وجہ سے اسکو اتنا عزیز رکھتا ہے اور باوجود اتنے قدرتی موانع کے اس کے لئے ہزار تکلیف اٹھانے کو تیار ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ عرب میں گھوڑے کی قدر وقیمت محض ایک جنگی جانور (War animal) کی حیثیت سے ہے۔ اونٹ پر سوار ہونے کی نسبت گھوڑے کی پشت پر چڑھ کر تاخت وتاراج کرنا یا حملہ کا جواب دینا زیادہ آسان ہے۔ الغرض عرب میں گھوڑا ایک آلۂ حرب ہے اور کسی قبیلہ کی جنگی طاقت اور عام رعب و داب اس کے مملوکہ گھوڑوں کی تعداد کے متناسب ہے۔ جن کو وہ قبیلہ غزو کے وقت میدان میں لاسکتا ہے۔ چونکہ عرب بالعموم گھوڑے کو بطور آلۂ جنگ کے استعمال کرتے ہیں اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ جزیرۃ العرب میں اس حیوان کی درآمد اور رواج پذیری عربوں کے لئے رحمت کا موجب ثابت نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کے استعمال سے اس جنگجو قوم کی باہمی قبیلہ وار لڑائی بھڑائی اور بھی زیادہ تند اور ہلاکت آفرین بن گئی ہے۔ جس ذوق وشوق اور فخر و ناز کے ساتھ ایک عرب جنگجو بہادر اپنی گھوڑی کی صفات اور اپنے دلاورانہ کارناموں کو بیان کرتا ہے، وہ عرب شعراء کا کلام پڑھنے والوں کو بخوبی معلوم ہے۔ اس سلسلہ میں یہ دیکھنا خالی از دلچسپی نہیں کہ گھوڑے کی تعریف میں قرآن بھی کسی عربی شاعر سے پیچھے نہیں رہا۔ سورۂ عادیات[1] میں سواروں کے صبحدم حملہ آور ہونے کی جو ولولہ انگیز تصویر کھینچی گئی ہے۔ اسکی نظیر عرب لٹریچر میں ڈھونڈنا بے سود ہے۔ گھوڑوں کا ایک دستہ اچانک ہمارے سامنے دوڑتا ہانپتا نظر آتا ہے۔ جن کے سموں سے اس دیوانہ وار حملہ میں شرارے نکل رہے ہیں۔ اس دوڑ دھوپ میں گرد کے بادل اٹھاتے ہوئے بالآخر دشمن کی صفوں میں گھس جاتے ہیں ⁂

---

[1] والعادیات ضبحاً ہ فالموریٰت قدحاً ہ فالمغیرات صبحاً ہ فاثرن بہ نقعاً ہ فوسطن بہ جمعاً ہ

۳- بھیڑ بکری

بلحاظ اقتصادی فائدہ کے اونٹ سے اتر کر بھیڑ بکری کا درجہ ہے۔ بمقابلہ اونٹ کے بھیڑ بکری معدودے چند مقامات میں رہ سکتی ہے۔ کیونکہ ان کو چارہ اور پانی کی پے بہ پے بہت ضرورت رہتی ہے۔ ان میں نہ تو اونٹ کا سا صبر و تحمل ہے اور نہ اسکی طرح لمبے سفر کی طاقت۔ اگرچہ اکثر قبائل کے پاس اونٹوں کے علاوہ بھیڑ بکریاں بھی کم و بیش تعداد میں ہوتی ہیں۔ مگر شام کی سرحد پر وہ نسبتاً زیادہ تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ اور دیگر مقامات میں بھی جہاں چارہ اور پانی نسبتاً زیادہ مقدار میں میسر آسکتا ہے جو قبیلے صرف بھیڑ بکری پالتے ہیں انکو شَوَایا یا شَاوِیَہ کہتے ہیں۔

بھیڑ کی ہیئت کذائی عرب کے ماحول میں بہت کچھ بدل چکی ہے اور شکل و صورت میں وہ بکری کے قریب قریب آرہی ہے۔ اسکی گھنی اُون نے لمبے نرم بالوں کی صورت اختیار کرلی ہے اور جسامت میں پتلی دُبلی ہوگئی ہے۔ کئی سیاحوں نے لکھا ہے کہ انکو بھیڑ اور بکری میں تمیز کرنا مشکل تھا۔

۴- گائے

عربوں کے پالتو جانوروں میں گائے کا درجہ غالباً سب سے کمتر ہے۔ گائے کو کھانے کے لئے بہت سا چارہ اور پینے کے لئے بہت سا پانی درکار ہے۔ لہذا عرب کی خشک اور بنجر زمین میں یہ جانور سرسبز نہیں ہوتا۔ وسطی عرب کے اکثر دیہات اور شہروں میں گائے پائی جاتی ہے مگر نہایت زبون حالت میں۔ ڈاوٹی نے اسے حجاز کے نخلستانی مقامات مثل العلاء خیبر اور طائف اور مزید براں قصیم کے شہروں میں دیکھا۔ فلبی نے اسکو نجد کے جنوب مشرقی علاقہ الخرج میں پایا۔ مگر ہر جگہ اسکا قد چھوٹا تھا اور بالعموم یہ جانور خراب و خستہ حالت میں تھا اسکی اصلی وجہ دیہات میں چارہ کی کمی ہے جہاں نہ صرف اسکا دودھ دُہتے ہیں۔ بلکہ اونٹوں کے ہمراہ کنوؤں سے پانی نکالنے کا کام بھی لیتے ہیں۔ یمن میں بھی گائے پائی جاتی ہے مگر اسکی

نسل کی عمدگی کا ڈاؤٹی کے اس بیان سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ یمن کی پست قد گائے مدینہ میں ایک اچھی بھیڑ کی قیمت میں مل جاتی تھی۔

برٹریم ٹومس جنہوں نے ۱۹۳۱ء کے سرا میں ربع الخالی کو عبور کیا اور اس سے پیشتر عمان اور جنوبی عرب کے ساحلی مقامات کی سیاحت کر چکے ہیں۔ اپنے حالات سفر میں لکھتے ہیں کہ جنوبی عرب کے وسطی حصہ میں جبل قرع کے جنگلات میں لوگوں کے پاس گائے کے بڑے بڑے گلے ہیں۔ مگر اخبار "ٹائمز" مورخہ ۱۱ر مئی ۱۹۳۱ء میں انہوں نے جو فوٹو گراف شائع کرائے ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی حصص عرب کی طرح یہاں بھی گائے کا قد ایک گز سے کچھ ہی زیادہ اونچا ہوگا +

۵۔ گدھا

گدھا اپنی مضبوطی اور قوت برداشت میں اونٹ سے کچھ ہی کم ہے اور بحیثیت باربرداری کے جانور کے گھوڑے سے یقیناً زیادہ مفید ہے۔ کیونکہ گدھا پیاس خوب برداشت کر سکتا ہے اور اسے صرف دوسرے دن پانی پلانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ قبیلہ صُلَیب جنکے پاس سوائے گدھے کے اور کوئی جانور نہیں، بے آب و گیاہ بیابانوں کو ایسی ہی خوبی سے عبور کرتے ہیں جیسا کہ شتربان بدوی (ملاحظہ ہو سفرنامہ ڈاؤٹی جلد اوّل صفحہ ۲۸) بلکہ حرّات میں گدھے کو اونٹ پر اس لحاظ سے فوقیت ہے کہ وہاں اونٹ کے نرم پاؤں تیز اور نکیلے پتھروں سے زخمی ہو جاتے ہیں۔ مگر گدھا اپنے سخت سموں سے پتھریلی زمین پر خوب چلتا ہے۔ شہروں اور دیہات میں گدھا بکثرت پایا جاتا ہے۔ لوگ نہ صرف اسکو سواری کے کام میں لاتے ہیں۔ بلکہ آب رسانی کے کام میں بھی استعمال کرتے ہیں +

عنایت اللہ

از جھنگ

مولانا شبلی

در او به بود ، و از خطوط بعضی خوب می نوشت ، مرد نیک بود ، این قطعه از وست ؎

دی سگی را رقیب می زد چوب　　سگ همی خورد چوب و می نالید
گفتمش چیست با تو او را گفت　　بهتر از خود نمی تواند دید

مولانا توزہ پوش

فرزند شهر هراة است و در کار خود دانا و بشعر خود اعتقاد تمام دارد ، بلکه خود را استاد این فن می داند ، اما غلط می کند ، این مطلع از وست ؎

زشوق تنگ دہانی دم از عدم زده ام　　به لوح هستی خود نیستی رقم زده ام

گوشش بسیار گران است چنانچه فریاد کند نمی شنود ، کافر ماجرا نیز هست ، این بیت نیز از وست و درین بیت بعضی را سخن است و بجای است نمی رسد ؎

بجز حدیث تو با کس نگفته ام سخنی
وگر بکس سخنی گفتم از تو دم زده ام

مولانا غیاث الدین علی

مرد خوش خلق است و برادر مولانا اصیلی مشهدی است که ذکر او گذشتہ[۱] نمود ، در خراسان کسی به از و ابریشم را رنگ نکرده ، این رباعی از وست ؎

---

[۱] گذشتہ (کذا) ۔ رک خزینہ گنج الٰہی (سپرنگر ص ۷۲)

خوبان کہ ز جام حسن مستند ہمہ هر عهد که بستند شکستند همه
با عاشق خویش آشنائی نکنند بیگانه و بیگانه پرستند همه

مولانا موالی

مرد دانشمند و درویش نفس و خوش اخلاقست، و طبع خوب دارد، لطافت طبع اورا ازین بیت احساس می توان کرد که ؎

ترسم از آسیب سست برکش تیر جفا بر تو دشوار است اما بر من آسان بگذرد

مولانا غیاث الدین قالی

از شعراء قدیم است، مرد تو نمرست، طبع خوب دارد، این مطلع ازوست که جهت روزه گفته ؎

از روزه نخواهم که بران مه ستم آید خواهم که عدا ماه کم و روزه کم آید

عیبش همین است که بوستان حضرت شیخ را جواب می گوید، این مطلع هم ازوست که جهت بیگ (؟) مرزا سلطان حسین گفته، هزار دینار صله گرفته ؎

بر لب شوخ شاطر من لنگ نیلگون نیلوفری به پای گلی گشته سرنگون

خواجه حافظ احمد

حفظ تمام دارد، فرزند شهر هراة است، و حنا تراشی است که مثل ندارد[۱]، این مطلع ازوست که ؎

گفتمش در نظر آن رخ بصفای قمرست زیر لب خنده زنان گفت صفای دگرست

---

[۱] مدارد (کذا) [تماک خزینهٔ گنج الهی (سپرنگر ص ۶۸)]

مولانا حیدر کلوچه

مرد عامی است، و قبل ازین در بازار ملک بکلوچه پزی[1] مشغول بود، ولی حالا از شعرا و متقرر شهر هراة است، و ابیات نیک از و سر می زند، این مطلع از وست

ع
پس ازین بهر سر رهٔ من و عرض بی نوائی
که کنم دعای جانش به بهانه گدائی

و بعضی یاران ظرافت می کنند که نیک و بد اشعار خود امتیاز نمی تواند کرد، چنانکه هرگاه این مطلع او را که ع

چنان حوطی صفت حیران آن آئینهٔ رویم
که می گویم سخن اما نمی دانم چه می گویم

خوانده تعرض می کنند متألم می شود، و اگر تحسین می نمایند خوشحال می گردد،

خواجه حافظی

از دارالامان کرمان است، اما از بسیاری اقامت در شهر هراة می توان گفت که ازینجاست، طالب علم است، از حکاکی صاحب وقوفست، این مطلع از وست که

ع
فروغ ماه رخت دیده ام پر آب کند
کسی ندیده که مه کار آفتاب کند[2]

---

[1] کلوچه بمعنی کلیچه که آنرا در پنجاب قلچه می گویند "نان روغنی" [فرهنگ انندراج] برای حیدر کلوچ متوفی سنه ۹۵۹ھ ـ تاک خزینهٔ گنج الهی (سپرنگر ص ۴۷ : ر ب ـ ج ۲ ـ ص ۷۳۶ ـ باڈلین لائبریری عدد ۱۰۳۰ : بانکی پور فهرست ج ۲ ـ ش ۱۳۶ : عدد ۲۳۴

[2] این بیت بر حاشیه ظاهرا از مولانا حافظی ست :

درویش قاسمی

از اصفهان بود، مرد ظریف و عارف و صحبت دیده، بمصاحبت امیر نجم بماوراء النهر رفت و آنجا مقتول شد، این بیت از وست ؎

شب می خوردن از فردا بیندیش
که هر شب را عجب روزیست در پیش

مولانا حیرتی[1]

(ق ۷۹ ب) از ولایت تون است (ق ۷۹ ب) و در مرو نشو و نما یافته بمروی مشهور شد، و [illegible] جمال بود، طالب علمی کرده بود و طبعش شوخ و چون بشعر مشغولی نمود [illegible] اما از خود بینی و عجب و بابائی که دارد و بهر دیار که رفته خجالتی بدو رسید، این مطلع از وست ؎

قضا که صورت یوسف چنان لطیف رقم کرد
برای صورت خوب تو امتحان قلم کرد

[illegible]) هرچند که ما بر دل خود دست نهادیم — چون روی تو دیدیم دل از دست بدادیم
[illegible] خزینهٔ گنج الهی (سپرنگر ص ۴۷)]

[illegible] ۲۵۴) [1] مولانا حیرتی تونی، محمد تقی الدین، در مجلس شاه طهماسپ صفوی بود، صاحب دیوان [illegible] و مثنوی بود، برای تفصیل احوالش رک سفینهٔ خوشگو (خطی) ج ۲ - ص ۵۳ ب؛ هفت اقلیم (خطی)، خزانهٔ عامره، خزینهٔ گنج الهی سپرنگر ص ۷۵)، آئین اکبری (ترجمهٔ بلوخمن)، ج ۱ - ص ۱۸۷ وغیره

این مطلع نیز از وست ؎

از زهر چشم یار چه جای شکایتست — این زهر چشم نیست که عین عنایتست

مولانا پیامی[۱]

مروی الاصل است اما اکثر اوقات در ماوراء النهر در شیوهٔ قلندری می گشت گویند آخر بابر میرزا تربیت کرد و صدر ساخت، این ابیات از وست ؎

وفا وعده کردی جفا می نمائی — مه من عجب بیوفا می نمائی
چو بیگانگان مگذر ای نور دیده — که در چشم من آشنا می نمائی
پیامی چو زلف بتان بیقراری — بدام کسی مبتلا می نمائی

مولانا حاجی محمد

نقاش شهر هراة و مرد خوش طبع است، خیالات غریب می کند و کم فن باشد که او را دران اندیشه بخاطر نرسد، خواه راست و خواه غلط، حالا در عراق است این مطلع از وست ؎

بخنده رز خود گل شگفتی چه سود — که ناشگفته درون وی از خزان[۲] پر بود

درویش محمد نقاش

از آدمی زادگان خراسانست و ترک است و کوکلتاش محمد مومن میرزا است،

---

۱ [ملک خزینه گنج الهی رسیرنگر- ص ۷۲]
مثنوی بهجت المباهج معروف به کتاب معجزات در فهرست بانکی پور (ج ۲ - ص ۱۴۲ - عدد ۲۱۳) مذکور است،
یک مثنوی موسوم به گلزار منسوب به حیرتی ست که مشتمل بر چل هزار ابیات بود ۲ خزان (کذا)

اول رنگ روغن کاری می کرد و چون بملازمت استاد بهزاد رسید بنقاشی و مصوری عشق پیدا کرد و استاد بهزاد به تربیت او مشغول شد و حالا استادکار خود باد رجوع می کند، طبع نیک دارد، این مطلع از وست که ؎

کجا مجنون چو من در عشق درد و محنتی دارد
که او از عاشقی چیزی که دارد شهرتی دارد

مولانا مجلسی[1]

سید محمد نام دارد و فرزند سیادت است، اول غریبی تخلص می کرد و چون بمجلس سلطان صاحب قران رسید بجهت خاطر شاه غریب میرزا تخلص او را مجلسی قرار دادند، شعر ترکی و فارسی را نیک می گوید، این مطلع از وست ؎

هر زمان گردی ز کوی دوست سر بر میکند
تا کدام افتاده آنجا خاک بر سر می کند

مولانا صفائی[2]

کرمانی، مرد نامراوست و اختلاط نیک دارد، این مطلع از وست ؎

ز شوق شست کمان ابروان عالمگیر
دمی ز خنده نیاید بیکدگر لب تیر

مولانا فیضی

کارگر ولد استاد محمد لعبت باز ست و بعشق بازی اشتغال تمام دارد

---

[1] ر.ک خزینۂ گنج الہی ـ سپرنگر (ص ۸۴) [2] ر.ک خزینۂ گنج الہی (سپرنگر ص ۸۰)،

وشعرش بدنیست و مرد نیک است این مطلع از وست که ؎

گرچه رفت از چشم گریانم چو آب آن تند خوی
چشم میدارم که آب رفته باز آید بجوی

مولانا شاه محمد

ولد مولانا حسن شاه، (ق ۹۸ ب) شاعر بود، ابریشم کاری می کرد و این (ق۹۸ب)
مطلع از وست ؎

می شدم در طلب یار و نمی پرسیدم
خبرش راز کسی تا که نگوید دیدم

مولانا رئیس (؟)

از شاخن است، و شاخن قریه ایست از بلوک ولایت قاین این مطلع
از وست مطلع ؎

می بده ساقی بمن چندانکه لایعقل شوم
کز خیال او مبادا لحظهٔ غافل شوم

مولانا قطب الدین

از قریهٔ اقصی است، که در ولایت اندجان است واز آدمی زادگان
آن دیارست، طالب علمی دارد وخط را خوب می نویسد، در محلی که بشهر هراة
آمده بود این مطلع را گفته مطلع

ماکه در سالی نمی دیدیم ماهی را بخواب   در بهری دیدیم هرسو جلوه گر صد آفتاب

مولانا حاجی آش پز

از خوش طبعان معین شهر سمرقند ست، مرویست طبعش بهزل مایل و مدام صاحب هزل و مطایبه اش در مقابل، این مطلع از جمله ابیات او مشهور ست ؎

ای جمله خوبرویان مابستهٔ شمائیم
از دست بی زر یها شرمندهٔ شمائیم[1]

مولانا عبدالجلیل[2]

خویش مولانا آگهی است و از اولاد مولانا جلال قاینی، مرد نیک است و شعر را نیز خوب می گوید، اما بمدرسه جد خود بسیار می نازد، بلکه بر موالی منت دارد، این مطلع از دست ؎

زبسکه کاست مه از میل طاق ابرویش
شد آن چنان که نمود استخوان پهلویش

مولانا کوکبی (۱۹

از مردم معتبر[3] بخاراست، طالب علمی کرده و از موسیقی وقوف تمام دارد این رباعی از دست ؎

گر یار بنا مناسبی سیر کند | وز روی صلاح ره سوی دیر کند
غم نیست دلا چو یار بی مهر و وفاست | با ما چه وفا کرد که با غیر کند

---

[1] سمائیم (کذا)، [2] عبدالجلیل خزینهٔ گنج الهی سپر نگر ۸۸) [3] معبر (کذا)

مولانا والہیؔ[1]

سمرقندی، طالب علم است بخواجہ عطا شہرت دارد، مرد نیک است و طبع خوب دارد، این مطلع ازوست مطلع

زچاک سینہ بناخن دل حزین کندم
جدا چو گشتم ازان مہ دل اینچنین کندم

مولانا ہجری

اندجانی، مرد فقیرست، بقدر طالب علمی دارد، در اوایل لوند و اوباش بود، اما آخر روی بگوشہ فقر و درویشی آوردہ، این دو مطلع ازوست کہ

برِ رخ نشستہ گرد ملامت بسی مرا نبود عجب اگر نشناسد کسی مرا

رفتی و میرود از پی دل حاصل من
آن چنان رو مہ من کز تو نماند دل من

مولانا بقائیؔ[2]

در اصل از خراسانست، اما اکثر اوقات را در ماوراءالنہر گذرانیدہ

---

[1] [ملاک خزینۂ گنج الٰہی (سپرنگر - ص ۸۷) : این ابیات برحاشیہ غالباً از مولانا والہی ست ۔

مستند دو چشم تو دران طاق دو ابرو یا در دو کمند ند گرفتار دو آہو

اجل نزدیک و تن بیمار و جان عزم سفر دارد ولہ بگو یید آن جوان تابوت ما را نیک بردارد

[2] این بیت برحاشیہ، احتمالاً از مولانا بقائی ست :۔

بادہ را از محتسب در دیدہ پنہان ساختم چشم بند دختر رز را ز مژگان ساختم

وہمیشہ در نظر سلاطین آنجا معزز و مکرم بوده و در شعر و معما خوبست، این مطلع ازوست کہ ؎

زہر طرف کفنم زرد و زعفران کرده　　بهار عمر منست اینچنین خزان کرده

(ق ۹۹ ب) این رباعی نیز ازو مشهور ست ؎

مسکن شده کوچۂ ملامت مارا　　ره نیست بوادی سلامت مارا
درویشانیم ترک عالم کرده　　اینست طریق تا قیامت مارا

خواجہ سیف اللہ

ولد خواجہ شیخ عبداللہ مخدومی ست، و بحلیۂ فضایل و کمالات آراستہ، طبع خوب دارد و بنظم تاریخ شاه جهان پناه قیام می نماید و بد و نیک می گوید، این دو بیت در تعریف جنگ ازوست ؎

شد از ضربت گرز خارا ستیز
نی نیزه چون استخوان ریزه ریزه

مولانا ذہنی[1]

اورد خانی[2]، مرد طالب علم بود، اوقات بہ حقیقت و زراعت صرف می کرد و طبع خوب داشت، این مطلع ازوست کہ ؎

مرا چون شمع می دارد ہمہ شب گریہ پا در گل
میان آتش و آبم ز سیل اشک و سوز دل

---

[1] نوادی (کذا) [2] [مآک خزینۂ گنج الٰہی رسپرنگر ص ۶۷)، [3] ارتخانی [مآک سپرنگر محولہ بالا] [4] این ابیات برحاشیہ غالباً از مولانا ذہنی ست :-

مولانا مقصود

شوقی تخلص، تیرگر، از شہر ہرات است، و مرد نامراد فانی صفت ست، اوقات بکسب می گذراند، طریق رُباعی نیک ورزیده، این رباعی مشہور ازو ست ؎

جانا ہمہ از تو تندخوئی آید — وز خوی تو بوی فتنہ جوئی آید
گوئی کہ بجز جفا نیاید از من — باللہ کہ از تو ہرچہ گوئی آید

این رُباعی نیز ازوست ؎

ق ۱۰۰) ای دل غم یار و نالۂ زار خوشست — ق ۱۰۱) خون جگر و دیدۂ خونبار خوشست[1]
غیر از غم یار ہرچہ حاصل کردی — حاصل ہمہ ہیچست، غم یار خوشست[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۰) ؎

تا جدا از وصلت ای شیرین شمایل ماندہ ام — ہمچو لالہ داغ بر دل پای در گل ماندہ ام

ولہ

ای اجل چون خاک جسم غمناک مرا(؟) — باری از کوئیش مبر جای دگر خاک مرا

ولہ

ہر تیر کان ابرو کمان برجان مشتاقان زند — دل از پی تعظیم او صد بوسہ بر پیکان زند

ولہ

نیست ای شمع بتان بر ساق سیمیں تو داغ — سوختہ پروانۂ افتادہ در پای چراغ

ولہ

زلف تو زینت است رخ آفتاب را — تا سوختنت آتش ردیت نقاب را

ولہ

بی لب میگون او مارا ز چشم لالہ گون — چون صراحی غیر خون دل نمی آید برون

ولہ

پر خون مراست دیدہ ز ہجرت کنارہم — از دیدہ خواب رفتہ و از دل قرار ہم

[1] [مک ہفت اقلیم خطی وغیرہ و سفینۂ خوشگو (خطی)، این رباعی بر حاشیہ غالباً از مقصود شوقی ست :-

در ہجر تو دل ز کردہ خاموش نکرد — جان تو بی تو بجز ساغر غم نوش نکرد
آنکس کہ تو یاد او نکردی ہرگز — ہرگز ز تو یک نظر فراموش نکرد

مولانا یوسفی

از اطبای مشهور خراسانست، مرد خوش خلق و جهان گشته و صحبت دیده است و دیوان غزل تمام ساخته و شعرش پاکیزه است، این مطلع از وست ؎

می زد سپهر لاف ز رفعت به کوی او — شد آفتاب گرم و برآمد بروی او

دیوان غزل تمام کرده اما یکی مشهور نشده، این مطلع نیز از وست ؎

میل سامان دارم و از یار دور افتاده ام
من کجا، سامان کجا بسیار دور افتاده ام[1]

مولانا دوست[2]

از ولایت اسفرار[3] است، شعرشناس نادر و شاعر کامل و ماهر ست، ابیات و اشعار بسیار از استادان بخاطر دارد، بیشتر اوقات قصیده می گوید و دران وادی انوری زمان است، این مطلع از وست که ؎

وقت گل آمد و اسباب طرب نیست مرا — باده نایاب نرگس روی طلب نیست مرا

و این مطلع نیز از وست که ؎

با قد چون چنگ هر گه یاد جانان می کنم
بر تن من تارگی می جنید افغان می کنم

---

[1] مولانا یوسفی هروی قیاساً مصنف ریاض الادویه و بحر الجواهر است او در زمان بابر و همایون در هند بود برای تفصیل احوالش [ریک ریو - ج ۲ - ص ۴۰۸ ؛ فهرست بانکی پور - ج ۱۱ - ص ۱۶ - عدد ۹۷۶] این بیت بر حاشیه ظاهراً از مولانا یوسفی ست ؎

با درد و محنت آمده ام از دیار غم — در روی ما نگه کن و بنگر غبار غم

مولانا شہاب

فرزند شہر ہرات است و در محلہ مولانا افتخار ساکن است، مرد فقیر ست، طبعش بمعما مایل است، این معما باسم او از وست ۵ (ق ۱۰۰ ب) (ق ۱۰۰ ب)

یاران حذر کنید کہ ندہید دل ز دست
کان شہسوار بر فرس دلبری نشست

مولانا یقینی

ہم از خوش طبعان شہر ہرات ست و خط نسخ تعلیق را بدنمی نویسد، ۱۱ خالی از نشاء جنون نیست، این مطلع از وست ۵

تا بکی خواہم بدرد محنت و غم زیستن
زیستن گر این چنین باشد نخواہم زیستن

مولانا معزی [۹]

از اولاد امجاد مقرب الحضرة الباری خواجہ عبداللہ انصاری است و ملک معزالدین نام دارد، و مرد بی قید است و این مطلع نیز از وست مطلع

خضر خط او نشان از آب حیوان می دہد
از لبش عیسی سخن می گوید و جان می دہد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۲) ۵۲ [ماک خزینہ گنج الٰہی (سپرنگر ـ ص ۲۷۶)] در بعضی کتب اورا دوست محمد سبزواری نوشتہ [ماک روز روشن ـ ص ۲۲۳]

۵۳ اسفرار (کذا)

مولانا اسمی[۱]

فرزند شهر هرات است، مرد درویش و شکسته است، بقدر طالب علمی نیز دارد، و این معما باسم بابا ازوست

دی روز بمکتب مرا بود گذار[۲] | دیدم همه دلبران خورشید عذار
هندو بچهٔ نشسته لوحی بکنار | می کرد برسم خود اب[۳] تکرار

مولانا بیدلی

لنگ، از گذر خیابان بود و همیشه در گوشهٔ می خانه اوقات می گذرانید و بهیچ چیز مقید نبود، این مطلع ازوست

چشم پرخون وخیال خال آن دلبر درو
مجمر پرآتشست و پارهٔ عنبر درو

مولانا سروی[۴]

ولد حافظ علی برجندی[۵] است که علم قرائت را درین زمانها برابر او (ورق ۱۰۱ ا) (۱۰۱ ا)
کسی کم دانسته باشد، اما مولانا سروی غریب میثاقی (کذا) دارد، معلوم نیست که از
زمان آدم تا غایت مثل او پیکری از کتم عدم بوجود[۶] آمده باشد یا به تناسب اعضایش
سروی از لب جویبار حیات در نشو و نما آمده باشد، ظاهرا استاد این بیت از

---

۱ ساک خزینهٔ گنج الٰهی (سپرنگر ۱۷) ۲ گذار (کذا) ۳ الف ب
۴ ساک خزینهٔ گنج الٰهی (سپرنگر ۵ برجندی (کذا)
۶ بوجود آمده آمده باشد (کذا)

برای او فرموده ؎

صدهزاران[۱] آفرین صنع خدای پاک را کافریداز آب وگل سروی چنین چالاک را

امّا شاعر خوش گوی معنی انگیزست، این مطلع ازوست ؎

کاشکی دامن کشان آید قد رعنای او
تا نه بیند دیدهٔ غیری نشان پای او

میر عزیز

از ولایت قزوین است و از ملازمان حضرت آصف صفاتی اسلام ملاذی مدظله العالی است و ممیز ولایت قاین است، طبع نیک دارد، این مطلع ازوست ؎

باز از تازه[۲] گلی سینه فگارست مرا
آرزوی عجبی در دل زارست مرا

مولانا محمود

ولد مولانا جلال الدین مدرس است و مشهدی الاصل است، و پدرش را مولانا جلال الدین عروس نیز می گفتند، بواسطهٔ این که بسیار در زیب و زینت می کوشیده، اما این مرد فقیر است و اوقات از ممر کتابت می گذراند، این مطلع ازوست ؎

نسبت غنچه بدان تنگ دهن نتوان کرد
پیش لعل لبش از غنچه سخن نتوان کرد

۱؎ هزاران (کذا) ۲؎ تاره (کذا)

خواجه طاهر محمد[۴] (ق ۱۰۱ ب) ۱۰۴۰

ولد عبدالسلام خیازست و جوان نیک است، سابقاً ملازم و مصاحب فریدون حسین میرزا بوده و هنوز از کیفیت نشأ در اختلاط او فهم می‌شود، این معما باسم بابا ازوست ـ

آن خالها مشکین بعارض تو از دور
بالاء صاف (؟) چون دانهای انگور

مولانا فرهادی

از ماوراءالنهرست و ملازم عبید خان بود، روزی جریمهٔ ازو در وجود آمد مردود شد، این دو بیت ازوست ـ

بتان شما شه حسنید و من گدای شما   زدست من چه برآید بجز دعای شما
بخاک پای شما چهره سودنم هوست   جز[۱] این مراد ندارم بخاک پای شما[۲]

مولانا صدر

بلاجوردشوی مشهورست، فرزند ابهرست، مرد خوبست، اما بشعر خود بسیار معتقدست و تعریف بی نهایت می‌کند، این مطلع ازوست که ـ

چه می‌کنم بدیاری که نیست یار آنجا   کجاست خاک درش تا شوم غبار آنجا

۱ـه جز (؟)

۲ـه این بیت بر حاشیه نیز از مولانا فرهادی است ـ

بخون نشستم بوی خون از درد و داغ کوهکن   لاله‌ها بشگفت و روشن شد چراغ کوهکن

این مطلع نیز ازوست که ؎

درد اکه درد ما بدوای نمی رسد — فریاد می کنیم و بجای نمی رسد

این دو بیت نیز ازوست ؎

زان لب بکام دل می نابم نمی دهی — می میرم از خمار و شرابم نمی دهی

سروی ولی نمی فگنی سایه برسرم — خضری ولی چه سود که آبم نمی دهی

مولانا جزوی

از جانب عراقست، یکچندی در شهر هرات بوده، عزیمت وطن مالوف (ق ۱۰۲) (ق ۱۰۲و)
نمود طبعش خالی از چاشنی نیست، این مطلع ازوست که ؎

عاشق و بدنام اگر گشتم دلم باری خوشست
عاشقی بدنامیی دارد ولی کاری خوش ست

مولانا فتحی

مرغنانی از نواحی ولایت اندجان است و در ملازمت بابر میرزا می باشد، این
بیت ازوست که ؎

منکر عشقند بی دردان بحمد الله که من
دردمندم عاشقم بی درد یاری نیستم

مولانا خلقی

بخاری، در اوایل بزاز بود و حالا تجارت، می کند، یک نوع نظم دارد، این
مطلع نیز ازوست ؎

خراب ماه وشان چو آفتابم من
بهر کدام جدا عاشق خرابم من

مولانا میلی

از ولایت حصارست و طالب علمی دارد و معما را نیز نیک می داند، این مطلع نیز از وست ؎

جفا همین نه ازان شوخ بیوفا دیدم
ز هر که چشم وفا داشتم جفا دیدم

مولانا عبد الله

غشه، فرزند شهر هرات است، و بغایت مرد فقیر و نامراد است، و اکثر مختصرات را دیده و حالا در ولایت غشه، بمکتب[1] قیام می نماید و در نظم ترکی خوبست، این مطلع فارسی از وست ؎

بوسه زدن بپای سگت می کنم هوس
وستم نمی رسد چه کنم نیست دسترس

مولانا مقیمی

از بخاراست، مرد لوندست، این مطلع از برای جانی نام شخصی گفته ؎

گوشهٔ چشمی نمود آن دلبر جانی مرا
(ق ۲۰۴) کرد از عین محبت لطف پنهانی مرا

(ق ۲۰۴)

---

[1] بمکتب (؟) رکذا)

مولانا روحی بخاری

ملازم شیبک خان بود، و داروغگی کان فیروزه داشت، و پیشتر از دولت ملازمت قلندر بود، و در ایام دولت نیز بیاران بهمان رنگ بی تکلف ملاقات می کرد، این دو بیت در تعریف شب از وست ؎

شبی همچون مرکب بود تاریک　　رهی دوری چو شق خامه باریک
شده طاس سپهر از مشک سوده　　سواد اندود همچون دیگ دوده

مولانا عشقی

از ولایت تربت و از حرفهٔ کفش دوزی بهره دارد و مرد نامراد است و عامی، این مطلع از وست و خوب گفته است ؎

باز آتشم در جان زده لعل پری رخسارهٔ
دل گرم می دارد مرا سودای آتش پارهٔ

مولانا محمد صبوری

هم از ولایت تربت است، مرد فقیر و نامراد است، اما خالی از فضولی نیست، این مطلع از وست و خوب گفته ؎

بجانم آتش افتد چون روم سوی چمن بی او
نماید هر گل آتش پارهٔ در چشم من بی او

مولانا رهائی

از ماوراء النهر و در صورت قلندری بشهر آمده از انجا عزیمت کعبهٔ معظمه کرد،
امیدست که توفیق یافته باشد، این مطلع از وست ؎

غنچه را در سخن آورده دهن می گوید
می فشاند گوهر از لعل و سخن می گوید

مولانا علی بخاری (ق ۱۰۰۳ء) (ق ۱۰۰۳ء)

مرد طالب علم است، خالی از عشقبازی نیست، جوانان را نیز با او التفات است، گاهی از روی ظرافت "اسم گاو" برو اطلاق می کنند، این رباعی از وست ؎

تا کی بمن زار[1] جفا خواهی کرد   با غیر برغم من وفا خواهی کرد
اینک من بیچاره زکویت رفتم   بینم که دگر جفا کرا خواهی کرد

بعضی می گوید که مصراع آخر بایکی از یاران توارد واقع شده، درمیان یاران سهل ست +

مولانا بلائی

هم از بخاراست، مرد بی تعین و بی قیدست، گاهی مقلدی نیز می کند، این مطلع از وست ؎

میروی جلوه کنان جانب ما می نگری   گر دلت جانب ما نیست چرا می نگری

---

[1] زاز (کذا)

این مطلع نیز از وست ؎

گر بگرد حرمش کس ندہد رہ ما را
ساکن کشور او ئیم ہمین بس ما را

مولانا طفیلی

از حصار ست، گویند ولد مولانا شمسی است کہ میر در مجالس گذشتہ یاد کردہ، مرد نامراوست و طبع خوب دارد، این مطلع ازوست ؎

چہ سان پنہان شبی در کوی آن نازک بدن باشم
کہ برق آہ روشن می کند جای کہ من باشم

مولانا میرکا بخاری

مرد لوندست، سامانی تخلص می کند، خالی از طالب علمی نیست، این مطلع او مشہورست ؎

چو من در عاشقی دیوانۂ پیدا نخواہد شد
(ق ۱۰۳ب) وگر پیدا شود مانند من رسوا نخواہد شد (ق ۱۰۳ ب)

مولانا چرمی

از بخارا[1] است و بچرم گری[2] مشہورست، مرد بی قیدست و تعینی ندارد، این مطلع ازوست کہ ؎

سر بہ بالین چو نہم غیر دو چشم تر من نیست غیری کہ وگر گریہ کند بر سر من

---

[1] بخارا (کذا) [2] بحرم گری (کذا)

همایون سمرقندی

بسیار طبع لطیف دارد، در حواشی نویسندگان می باشد، این مطلع ازوست ؎

دوشش دستارہ گرو از پی صہبا کردم
داشتم دردسری از سرِ خود وا کردم

فانی کور

از بخارا[1] است و معما را نیک می داند و طبعش غرایب پسند است، این مطلع ازوست کہ ؎

نہ داغ تازہ مرا بر دل مشوش بود
زبکارِ وان غمت ماندہ جای آتش بود

مولانا ذہنی

از کابل است، و اندک طالب علمی دارد و بقدر خطی ہم می تواند نوشت، وگاہی شعری ہم می فرماید، اما عقیدۂ او چنانست کہ در ہیچ از ینہا کہ گفتہ شد میل ندارد، این مطلع ازوست ؎

من کہ ہمچون زلف مشکینت پریشان ماندہ ام
گردن کج کردہ بر روی تو حیران ماندہ ام

لسانی

گویند از شیراز ست، خوش محاورہ و خوش صحبت ست و اکثر خطوط خوب می

---

[1] بخارا (کذا)، [2] [م ک سفینۂ خوشگو (خطی)، ج ۲ - ق ۵۶ ب] نشتر عشق (خطی)،

نویسد، این مطلع از وست ؎

نه با تو دست هوس در کمر توان کردن
نه آرزوی تو از دل بدر توان کردن

(ق ۱۰۴ ا) مولانا سلطان محمود (ق ۱۰۴ ا)

ندائی تخلص می کند، او را سلطان محمود حافظ هم می گویند، در اصل از ولایت اسفزار[1] ست، امّا مدتها و مدید ست که ساکن دار السلطنة هرات[2] شده، و اکثر از فضایل و کمالات بهرهٔ تمام گرفته و بیشتر اوقات بطاعت و تقوی قیام می نماید، و نسبت بآل سامان درست می کند و سلسلهٔ نقشبندیه نیز توسل می جوید و در باب "ناز و نیاز" مثنوی گفته و بسیار نیک تمام کرده، این بیت در توحید آن دارد

؎ معمار کهن حصار گردون کرد از شفقش عذار گلگون

این سه بیت را در وصف نقاشی گفته است ؎

پیشش ز برای رنگ کاهی بودی مه نو چو گوش ماهی
هنگام طلاکشی برایش خورشید پیالهٔ طلایش
از بهر صلایه کردن رنگ بودی چو سپهر تختهٔ سنگ

این مطلع نیز از وست و خوب گفته است ؎

کاش روزی بدمی چاک گریبان مرا کاتش دل می نماید سوز پنهان مرا

(بقیه حاشیه ص ۲۷۲) هفت اقلیم (خطی)، مجالس المومنین - ریاض الشعرا - خزانهٔ عامره - آتشکده، مجمع النفائس (خطی)، مولانا وحید الدین لسانی بن عبدالله الشیرازی متوفی سنه ۹۹۱ھ - این بیت هم از لسانی ست:

؎ آن روز خوشش کجاست که از جرم عاشقی جلاد دست و شحنه میانم گرفته بود

(حاشیه ص ۲۷۳) [1] اسفراز (کذا) [2] هراه (کذا)

ساعتی از گریه چشم تر نیاساید مرا
بس که می گریم ز مردم شرم می آید مرا

فغانی[۵]

هم از شیراز است، این مطلع از وست سہ

سر مصورکان جمال و قامت موزون کشید
حیرتش آمد که ناز و عشوه او چون می کشید

---

[۵] بابا فغانی شیرازی اول سکاکی تخلص داشت۔ شاعر نغز گو بود و در غزل روش نو اختراع کرد اما شعرا خراسان طرز فغانی را مخالفت کردند، بنابران، فغانی هرات را بگذاشت، و نزد سلطان یعقوب رفته، در انجا مورد التفات شاهانه شد، و به خطاب "بابای شعرا" مخاطب گشت، ابین ۹۱۵ھ و ۹۲۵ھ وفات کرد [رک ہفت اقلیم (خطی)؛ مجالس المومنین، مجمع النفائس (خطی)، ریاض الشعرا (خطی) ج ۲ - ص ۱۶۵: بانکی پور فہرست: ج ۲ - ص ۱۰۱ - عدد ۲۱۷، این ابیات از وست سہ

گذشتن ز جان سهل باشد ولی　　کجا می توان از محبت گذشت

از اسیران محبت خبرم نیست ولی　　در قفس مشت غباری به نظر می آید

امشب نه آمدی و چشم رمیده خواب　　دین در بانتظار تو تا صبح باز بود

کارم افتاد عزیزان به بت خود رای　　گر بگویم که ز جای بنشین برخیزد

آن فتنه ها که دیده ام از چشم یار خویش　　دوران ندیده است ز لیل و نهار خویش

بی ما تو با رقیب می ناب می کشی　　ما بی تو آه در دل شبها کشیده ایم

از ما نگاه غنچه ٔ هوشش برده است　　مردم گمان برند که صهبا کشیده ایم

می رود یار چه سازم کنم　　با دل زار چه سازم کنم

دل دران زلف سیاه کردم گم　　در شب تار چه سازم کنم

با کام دل بکویش نتوان کشید شوی　　کان مست ناز دارد طبع بهانه جوی

مولانا گلخنی[1]

از ولایت قم است، و در زمان میرزا سلطان حسین بشهر ہرات آمده بود (ق ۱۰۴ب) بغایت سفیه و بدزبان و بی باک و نامتی بود، محمد حسین میرزا (ق ۱۰۴ب) رعایت نیک کرد و آخر از وجریۂ کلی در وجود آمد و بسیاست رسید، این مطلع از وست ؎

بجان کندن مرا سنگین دلان دیدند و غوغا شد
که عاشق پیشۂ شیرین تر از فرہاد پیدا شد

مولانا وحیدی[2]

خویش گلخنی است، این نیز باطوار برادر خود منسوبست، این مطلع از وست ؎

زہجر روی تو آوارۂ جہان شده ام
چنانکه بود مراد تو آنچنان شده ام

محیی نیشاپوری

مرد رند و لاابالی بود، و اکثر اوقات با میرزادگان چغتائی مصاحبت می کرد، این دو بیت او مشہورست ؎

نمی بینمت مایل دردمندان — حذر کن ز آه دل دردمندان
من و اشک سرخی و رخسار زردی — عجب گر بود قایل دردمندان

---

[1] [ہاک ہفت اقلیم (خطی)، سفینۂ خوشگو (خطی)، ج ۲ ـ ق ۹ب، وغیره] خواہرزادۂ شہیدی بود و بوفور استغنا متصف بود' [2] [ہاک ہفت اقلیم (خطی)]'

دیوانهٔ نیشاپوری

از شعرای قدیم است و طبع نیک دارد، این بیت از وست

ای لب لعلت ز آب زندگانی پاک تر — زندگانی بی لب لعلت نمی خواهم دگر

ابروان دلکشت زاغان مشکین پیکراند — در تلاش افتاده باهم بر سر بادام تر

مولانا خماری

در زمان بابر میرزا بود و طبع خوب داشته و میرزا با او در غایت عنایت و التفات بوده و دیوان شعر تمام کرده، این سه بیت از وست

مرا تیغ جفا بر سر نه از بیداد می آید (ق ۱۰۵ ا) که تیشه بهر شیرین بر سر فرهاد می آید (ق ۱۰۵ ا)

من آن ژولیده موی بیدلم چاکم کرد کو — مرا هر کس که می بیند ز مجنون یاد می آید

خماری بی گل رویت همی نالد بزاری — که مرغان چمن را جمله در فریاد می آید

سلیمان ترکمان

شعر را نیک می گفته و طبعش غرایب پسند بوده، این مطلع از نتایج طبع اوست

با آن سوار رعنا چون سایه هم عنانم — جای که او نباشد بودن نمی توانم

مولانا ساقی

در گنبد خیابان مردی بود طالب علم، و گاهی از و نظمی سر بر میزد[۱]، اما مداومت

---

۱ التقاب (کذا)

نمی کرد، این بیت ازوست ے

بہر زلفت شانہ می جستی زمن گفتم بچشم

رفتم از مژگان خود ترتیب کردم شانہ را

شفائی

ولد مولانا محمد خالد از (؟) طبیب است کہ دران علم از مشاہیر روزگارست

و در طبابت خود معلوم ے

ازان پر ہنر بی ہنر چون بود

این مطلع ازوست، اما بشعر فرود آمده ے

خوبروی چو تو در خیل بنی آدم نیست

عالم حسنی و چون حسن تو در عالم نیست

استاد سید احمد قیچکی

در حسن و جمال و سازندگی از بی نظیران زمان بوده، چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن

جامی این مطلع از برای او گفتہ مطلع

صداء آن عجگلم[1] گشت و شکل آن غجکی

کہ شور مجلس عشاق شد ز پر نمکی

طبعش تیز بسیار خوب بوده است این مطلع ازوست کہ مطلع

(ق ۵۰۱ب) ایکہ وادی خبر آمدن پیکانش (ق ۵۰۱ب)

رفت در خاطر من باز بدل بنشانش

---

[1] غجک = سازی ست کہ بہندی آن را سارنگی گویند [مالک فرہنگ اندراج]

مولانا حالی

بر سر مزار شیخ سعد الدین تفتازانی قدس سرہٗ می بود، مرد درویش و پاکیزہ روزگار بود، این مطلع از وست ؎

گرچہ ہرگز محرم بزم وصالت نیستم
خوشدلم باری کہ ہرگز بی خیالی نیستم

مولانا خواجہ خیابانی

از جوانان خوش طبع شہر ہرات بود، و طالب علمی داشت، و علم معمار نیک می دانست، گویند پدرش مرد چرم گر بود، این مطلع از وست کہ مطلع

بتعریف دہانش غنچہ را گفتار بایستی   باستقبال قدش سرو را رفتار بایستی

این بیت او بہتر از مطلع واقع شدہ ؎

بدیواری کہ بینم صورتش زین آرزو میرم
کز آب و خاک من بنیاد آن دیوار بایستی

مولانا وصلی

از شعراء قدیم سمرقندست، و خوش طبعان آن ممالک در فن شعر او را استاد می گویند، این مطلع از وست کہ ؎

کاسہ دار مجلس رندان بی سامان شدم
کشتی میدہ کہ در گرداب سرگردان شدم

این مطلع نیز از وست ؎

در مجلس از بہانہ ز مستی گریستم
تا کس نداندم کہ گرفتار کیستم

مولانا شاہ حسین [بزمی]

بزمی تخلص می کند، فرزند خراسانست، طبع خوب دارد، قپوز[1] را نیک
می نوازد، این مطلع از وست مطلع

خشک سال ہجر را باور اگر می داشتم
(ق ۱۰۶ ب) تخم مہر دلبران در سینہ کیٔ می کاشتم (ق ۱۰۷ الف)

مولانا قیماق

از سمرقندست از مردم کہن سال، این مطلع از وست ؎

آن بلبلم کہ خار بود ہمدم گلم
کردم شکایتی چہ کنم بی تحملم

مولانا بیخودی

از عاشق پیشگان ماوراء النہرست، این مطلع از وست کہ ؎

ہزار گونہ جفا از تو بر دلست مرا ہنوز دل بجفای تو مایل است مرا

مولانا افسری

نایب مناب بلکہ مصاحب عبداللہ خان است، مردی متواضع است، امّا

---

[1] قپوز (کذا)،

تعصب تمام دارد، نظم ترکی و فارسی نیک می گوید، این مطلع ازوست ؎

ای شوخ میل خنجر بیداد کردهٔ
معلوم می شود که مرا یاد کردهٔ

مولانا نادری

از بخاراست، و بشعر نو در آمده، اما طبعش خالی از لطافتی نیست، این مطلع ازوست که ؎

آن نازنین که شد سرِ ما خاک راه ازو
ما را هنوز بر سر ناز است آه ازو

مولانا ویسی[1]

از سمرقند ست او نیز بشعر نو در آمده، این مطلع ازوست ؎

نمی توان بتو ظاهر غم نهان کردن
عجب غمیست که ظاهر نمی توان کردن

مولانا عبداللّٰه

از ولایت قزوین است، قرب چهل سالست که ساکن شهر هرات است، در ملازمت مولانا مسعود شروانی تحصیل کرده و در حکمت نیز دخل می کند۔ اگرچه بشعر اشتغال می نماید اما طبع شعر دارد، این مطلع ازوست ؎

بسکه از دیدهٔ مردم دهنت ناپیداست (ق ۱۱۶) تا نگوئی سخنی هیچ ندانند کجاست

---

[1] ویسی (کذا)

مرزا یوسف

چلگزی، از آدمی زادگان شہر ہرات است، اما پارۂ لوندی از حد اعتدال دور افتادہ، این مطلع ازوست ؎

از سر کوی تو با درد و الم می رفتم
دردمندانہ بصحرای عدم می رفتم

مولانا احمدؒ سراج

در ولایت سبزوار مردی بود بحرفۂ سراجی مشغول و طبعش در شعر نیک بود، اما ہمیشہ لُغز می گفت، این لُغز شمع ازوست ؎

آن چیست کہ در انجمنش جا باشد خورشید عذار و سرو بالا باشد[1]
جانش نبود ولی بمیرد ہر روز این طرفہ کہ بنشستہ و برپا باشد

مولانا طریقی[2] (؟)

از ولایت تون است، بیشتر قصیدہ می گوید و لاابالی و بی تمیز واقع شدہ، و این مطلع ازوست ؎

جہان اگرچہ باسباب بی شمار خوش است
زہر چہ ہست بعالم وصال یار خوش است

مولانا عشرتی

ولد حسینی[3] طنبورچیست و مولدش از غربوغہ مشہد مقدسہ، در نظم ترکی بذینت

[1] ماشد (کذا)، [2] کذا، طریقی ہم می تواں بود، [3] حسی (کذا)

اما عامی است و بسیار می گوید، این بیت ترکی از وست و بسیار خوب گفته ـــ

غلغنک زرنفت بولسه و بهروین شاد اولما نسل
کنم نهال عمر کا لبلکا خــرانی بیش الماش

مولانا حالی

از خراسان بود، و با اکثر امیرزادگان مصاحبت داشت، طالب علمی نداشت، ‌(ق ۱۰۷ ا) مرد لوند بود امرا د ؟) بسیار اختیار می کرد و دران بی اختیار بود این مطلع از وست ـــ

آنکه با خود ز ازل[1] درد و غم آورد منم
دردمندی که خبری دهد از درد منم

مولانا بابا جان

فرزند شهر هرات است، در بیرون بازار بصنعت مینچه گری قیام می نماید، گاهی سبق نیز می خواند طبعش نیک است، عشرتی تخلص می کند، این مطلع از وست ـــ

روز فــراق یار که با صد ندامت ست[2]
روز فــراق نیست که روز قیامت ست

کور لطیف

از شعراء ماوراء النهر ست، طبعش خالی از لطفی نیست و اطوارش ازین بیت او معلوم می شود ـــ

سبوی باده بسرمی بریم و خوش عیشی است اگر مدام توان این چنین بسر بردن

[1] ت : از دل (کذا) [2] ندامت (کذا)

مولانا لطفی

از تاشکند بود و حسن تمام داشت و بجوانی دیگر عاشق بود و موی بسر گذاشت[۱]،
این مطلع دران محل گفته ؎

ساخت بی لیلی وشی ژولیده مو گردون مرا
یکسر مو فرق نتوان کرد تا مجنون مرا

چیشتری[۲] (؟)

کیفیت احوالش معلوم نشد، اما لطافت طبعش معلوم است ؎

بیکدم فراقش چنان ساخت مارا
که آن یار دیرینه نشناخت مارا

شیخ زاده

نبیره مولانا حسنشاه مشهورست، در ملاقاتش فهم می شود که گوهر آن دریاء
معانیست، چراکه خوش طبع و ندیم پیشه و مقلدست، ابیاتش (ق ۷۰۱ ب) نیز در (ق ۷۰۱ ب)
رنگ اشعار جدش واقع می شود، این مطلع ازوست که ؎

سجده کردن پیش روی دوست به از بندگیست
رخ نهادن بر زمین از غایة شرمندگیست

این مطلع از دختر مولانا حسنشاه است و او ضعیفی تخلص می کرده ؎

اگرچه مهر بتقدیر لایزال برآید ... بماه من نرسد گر هزار سال برآید

---

۱ - گذاشت (کذا) ۲ - چیشتری (کذا)

درمیان این جماعت[1] نیز خوش طبعان که اشعار نیک دارند بسیارند، از جمله

آفاق[2] جلایر

مهری زنان[3] است بلکه در شعر بهتر از وست، چراکه از و بیتی دو بیش نمانده، یکی این که نظم

حل هر نکته که بر پیر خرد مشکل بود   آزمودیم بیکجرعهٔ می حاصل بود

دیگری اینکه از برای مسعود ترخان گفته و این چنین بود که مسعود ترخان بغایت صاحب جمال بود و مهری با او نظر محبت داشته، گویند روزی باهم در برج قلعه بوده اند و خواجه حکیم که شوهر مهری بوده، از پایان برج می گذشته[4] مهری این بیت در بدیهه گفته نظم

کردم بر اوج برج مه خویشتن طلوع

هان اے حکیم طالع مسعود من نگر!

بدیهه او بغایت روان بوده، چون سخن لطایف او درمیان آمد نقلی دیگر از و استماع افتاده که خالی از خوبی نیست، می گویند که او مصاحب مهد عالیه گوهرشاد بیگم بوده، روزی بیکدیگر نشسته بودند که از دور خواجه حکیم مذکور پیدا شده، بیگم او را نزدیک خود طلبیده و از ضعف (ق ۱۰۸ ا) پیری چندانکه سرعت می کرده از انجا که (ق ۱۰۸ ا)
توجه خاطر بیگم بوده دیر می نموده، مهری را مناسب حال بدیهه تکلف نموده، چون

---

[1] مراد ازین "جماعت" طبقهٔ نسوان است [2] آفاق (کذا) برای آفاق ← خزینهٔ گنج الهی (سپرنگر ص ۱۱): خواهر محمد علی جلایر المتخلص به نثاری، دختر امیر علی جلایر و منکوحه درویش علی برادر علی شیر بود [← جواهر العجائب فخری (سپرنگر ص ۱۱)] [3] ← آتشکدهٔ آذر: اختر تابان: جواهر العجائب فخری (سپرنگر وخلاصة الاشعار تقی کاشی (سپرنگر ص ۴۵) [4] گذشته (کذا)

حکیم نزدیک رسیده تهری خوانده ؎

مرا با تو سر یاری نماندست ... دل مهر و وفاداری نماندست

ترا از ضعف پیری قوت و زور ... چنانکه پای برداری نماندست

امّا آفاق بیگه ابیات نیک بسیار دارد، این مطلع از وست که ؎

حل شد از غم همه مشکل که مرا در دل بود ... جز غم عشق که حل کردن آن مشکل بود

این مطلع او مشهورست ؎

آه ازان زلفی که دارد رشتهٔ جان تاب ازو

وای ازان لعلی که مردم می خورم خوناب ازو

و این مطلع هم ازوست مطلع

من اگر توبه ز مَی کرده ام ای سروسهی

تو خود این توبه نکردی که مرا می ندهی[1]

این بیت مشهور هم ازوست ؎

غربت چه سخن چه داستانست ... هر جا که خوشی وطن همانست

مهستی را نیز همچنانکه تعریف می کنند نبوده است، و امیر دولتشاه اسفرائی[2] در تذکرة الشعراء[3] خود می آورد که او در ملازمت سلطان سنجر می بوده و همیشه سلطان نظر مصروف جمال او داشته، تا آنکه شبی از مجلس بیرون آمده و قضا را برف باریده بود، چون باز گشت سلطان استفسار هوا کرده، او در بدیهه این رباعی گفته ؎

(ق ۱۰۸ ب) شاها فلکت اسب سعادت زین کرد ... وز جمله خسروان ترا تحسین کرد (ق ۱۰۸ آ)

تا در حرکت سمند زرین نعلت ... بر ننهد پای زمین سیمین کرد

---

[1] نذهی (کذا) [2] یعنی اسفرائنی [3] تذکرهٔ دولت شاه ص ۶۵: برای مهستی نیز رک اختر تابان ص ۴۰: آتشکدهٔ آذر وغیره.

طالع واقع شده وکارش از بسیار خوردن افیون بفنا رسیده، این مطلع از وست ؎

ای که با مدعیان کار تو لطف و کرم است
در حق اہل محبت چه جفا و ستم است

این بیت ازو بهتر واقع شده است ؎

بسفال سگ کوئی تو ولم آب خورد　　که سفال سرکوی تو به از جام جم است

مولانا اسیری

از بلدهٔ مروست و ولد مولانا ستری مشهورست، طالب علمی دارد و بدیهه را روان می گوید این مطلع ازدست ؎ (ق ۱۰۹ ب)

چرا چو آهوی وحشی رمیدهٔ از من؟
چه گفته ام؛ چه شنیدی؟ چه دیدهٔ از من؟

مولانا محمد علی

از اولاد بی بی سوقی بوده، و بی بی سوقی از خدماء محرم سلطان حسین میرزا بود، محمد علی بغایت جوان خوش طور وخوش طبع و فانی صفت بود، همراه کاروان بخارا عزیمت آن دیار کرد، در راه قطاع الطریق اورا تلف کردند، این رباعی در مرثیهٔ میرزا گفته ؎

شام اجل تو سر فگند از سر خویش　　برکند ز دوریت رخ انور خویش
برخاست بماتم تو شمع از سر سوز　　پیچید ز دود دل سیه بر سر خویش

---

۵۱ سبک (کذا)

مولانا عبدالکریم [نگاهی]

از طبقه جامه بافان ولایت نیشاپورست، در سادگیها بغایت صاحب جمال بوده، نگاهی تخلص می کرد و حالا در عراق ست، این مطلع از وست ؎

هر که از قید تعلق یک قدم بیرون نهاد
از تجرّد پا چو عیسیٰ بر سر گردون نهاد

میرزا علی خلج

ملازم جناب نقابت[1] پناهی خلافت دستگاهی خلیفة الخلفائی امیر فریدالدین جعفرست، طبعش بدنیست، این مطلع از وست ؎

دین عشاق بجز دیدن جانان نبود
هر کرا میل بدین نیست مسلمان نبود

مولانا فقیری

مرد سیاه چرده است و در بازار ملک بحرفهٔ طاقیه دوزی قیام می نماید ظرفا اظهار علامیتی[2] او می کنند، اما او بغایت آزاد و فارغ البال است و باوجود که عامی است دیوان غزل تمام کرده (ق ۱۱۰ الف) اشعارش بدنیست، این مطلع از وست ؎ (ق ۱۱۰ الف)

ساخت پابوس[3] توای سرو سرافراز مرا
که تو با خاک برابر نه کنی باز مرا

---

[1] نقایت (کذا) [2] علامے (کذا) یا غلامی [3] پابوس (کذا)

مولانا جاروبی لنگ

ترک است، و از مردم صحرانشین است، و در نواحی قبة الاسلام بلخ دیوانه و قمارباز و بی اعتبار است، این دو بیت از وست ؎

صد ره سرم بکوی تو گر خاک در شود — کی شوق پای بوس[1] تو از سر بدر شود

ای شمع امشب از سر بالین من مرو — یکشب چه شد برای توام گر سحر شود

مولانا سوادی

گویند خط و سواد ندارد، او را از جانب رُوم باسیری آورده فروخته اند، این مطلع از وست که ؎

بسوختیم و کسی نیست در حوالی ما
که پیش یار بگوید خراب حالی ما

مولانا نجمی

گویند از شیراز ست و مرد لوند ست، این مطلع از وست که مطلع ؎

آباد از خیال تو ویرانهٔ دلم
جان منی و جای تو در خانهٔ دلم

مولانا تابعی

فرزند شهر هرات است، سابقاً بصنعت لسمه کاری مشغولی می کرده، و از

---

[1] پای پوس (کذا)،

تخلص نیز معلوم ست اما حالا بہ تمالی اشتغال می نماید، و دیوان غزل تمام کردہ و ابیاتش از دہ ہزار بیت زیادہ است، اما بہ از ین مطلع کہ جہت خانہ اش کہ آب ویران ساختہ گفتہ، ندارد

مدام خانۂ چشمم ز آب دیدہ خراب ست — خراب چون نبود خانۂ کہ بر سر آب ست

مولانا قوسی (ق ۱۱۰ ب)

مولدش از شہر ہرات است، مرد نامراد است و ہنرش از تخلص ظاہر ست، این مطلع ازوست

جائی کہ توئی نیست کسی را گذر آنجا
از من کہ تواند کہ رساند خبر آنجا

مولانا مانی

تبریزی، از آدمی زادگان آن دیار ست و نویسندگی می کرد، طبعش خوب بود، این بیت ازوست کہ

ز بت کمتر نۂ آموز از و آئین محبوبی
کہ پیشش سجدہ آرند و نگوید یک سخن با کس

حبیب معرّف

بسیار جوان بفہم است، و در اوائل حال معرف جامع امیر علی شیر بود و حالا معرف مسجد جامع شہر ست، طبعش نیک و آوازش خوب و صحبتش مرغوب و خود ندیم شیوہ است، اما سیاہ چردہ است، بعضی یاران از روی مطایبہ می گفتند بہر

وجه قابل است و مقبول طبع پادشاه و گداست این رباعی از وست که در آمدن[1] نواب نامدار گفته است رباعیه

صد شکر که کرد رو بآبادانی | عالم ز کمال عدل و رمش خانی
خانیست که نیست ثانی حضرت شاه | اما خانی که نیست او را ثانی

این مطلع او خوب واقع شده

آن زلف بعذار تو از شکستها چیست | چندین ستاره سوخته بر آفتاب چیست

(ق ۱۱۱ ل) حضرت مخدومی نورا نیز این بحر و قافیه را فرموده اند نظم

ای ترک شوخ این همه ناز و عتاب چیست
با دل شکستگان ستم بی حساب چیست؟

مولانا ابو المعالی [سامعی]

از ولایت خواف است، و درویشی بر او غالبست، و در جوار مزار مقرب باری خواجه عبد الله انصاری می باشد، گاهی بشعر و معما توجه می نماید و سامعی تخلص می کند،

این معما باسم آدم از وست بیت

دامن بخون گر ساختی ای آسمان خورشید را
باری بخونم تر مکن جیب مه امید را

مولانا مایلی (؟)

فرزند شهر هرات است و نقاشی کاسه و طبق می کند و گاهی نغمهٔ[2] نی هم از و سر میزند، این رباعی از وست

[1] آندن (کذا)، [2] نعمه (کذا)،

دور از تو بدرد و محنت و غم بودم   با سینۂ ریش و چشم پر نم بودم
باقی ہمہ شب بہ نالہ ہمدم بودم   بی یاد تو القصہ دمی کم بودم

مولانا عبد الصمد

از سمرقندست، اگرچہ پدرش مرد درویش و مرید خواجہ عبداللہ بودہ و او مرد لوند و بی قیدست، این دو بیت ازوست کہ ؎

کشتۂ عشقم، گلی کز خاک من بیرون شود   بر مشام ہر کہ بوی او رسد مجنون شود
از جفای گردش گردون شکایت گر کنم   ہمدمم آہست و آن ہم جانب گردون شود

مولانا شاہ محمد

ملازم بابر بادشاہ بود، منصب کتاب داری داشت (ق ۱۱۱ ب) و دران ممالک (ق ۱۱۱ ب) "بحافظ تیزک" مشہور بود، این مطلع ازوست کہ مطلع

ہرچند شعلہ زد شب غم برق آہ ما
روشن نگشت[1] پیش تو روز سیاہ ما

درویش حیدر توتیائی

قلندر شیوہ است، و در نقش و عمل و خوانندگی قابلیت دارد، این مطلع ازوست ؎

چہ روم کعبہ کہ بینم در و دیوار آنجا
من و کویش کہ بود لذت دیدار آنجا

---

[1] نگشت د کذا

شاہ محمود قورچی

در شعر ترکی و فارسی خوبست، اول سپاہی بود، حالا بنامرادی مشغولست،
این مطلع ازوست ؎

بقصد خون من برخاست با ہر کس کہ بنشستم
بجان من بلای راست شد در ہر کہ دل بستم

مولانا درویش

در ولایت سرخس مروی بود عامی و تمدمالی می کرد، اما طبعش نیک بود، این مطلع ازوست ؎

کشم بدیده و دل نقش ابروان ترا
بہ بین بچشم کہ چون می کشم کمان ترا

مولانا نور اللہ

از ظرفاء متعین خراسانست، این مطلع ازوست کہ ؎

جان را فدای لالہ عذاری نساختیم
ای روی ما سیاہ کہ کاری نساختیم

مولانا لوائی

از آدمی زادگان شہر ہرات است، و در قریۂ سیاوشان می باشد، طالب علمی نیز کردہ، اما خالی از ابدالی نیست، این مطلع (ق ۱۱۲ ا) ازوست کہ ؎

دل بزنجیر سر زلف نگاری مایل است
باید این دیوانه را زنجیر ورنه مشکل است

مولانا ماہری

از قندہار، مرد فقیر ست و نامراد، این مطلع از وست ؎

زلفین تو در گردن جان کرده رسنها
ایشان دو بلای سیه و من تن تنها

مولانا پناہی

از خوش طبعان متعین شهر ہرات است، جوانی خوبست، اما مردم می گویند که دستار خود را بسیار کلان می بندد، این مطلع از وست ؎

شدم دیوانه و عالم برای من غمی دارد
مرا غم نیست چون دیوانگی ہم عالمی دارد

مولانا امیرجان

برادر مشارٌ الیه است، طبع نیک دارد و اکثر قصیده می گوید، اما قصایدش همه مناقب است و مدح، اما شعر را چنان می خواند که گوئی بحث می کند، این مطلع از وست ؎

وصل بگذشت[۱] و مرا ہجر مہی پیش آمد
وه چه گویم که چه روز سیهی پیش آمد

---

[۱] بگذشت (کذا)

مولانا ضعیفی

از نیشاپور بود، طالب علمی داشت، در اوائل رند و لاابالی بود، اما در آخر باوجود پای لنگ پیاده بحج رفت و در ولایت مذکور فوت شد، این مطلع ازوست ؎

چون بحلقهٔ زلف بتان در آورده‌ام
سر در بیابان دیوانگی بر آورده‌ام

ملک معزالدین

نویسنده است و مولدش از ولایت خواف است (کذا)[1] جوان نیک است این مطلع ازوست که ؎

گر مرا در عشق غمخواری نباشد گو مباش
اینچنین غم بر دل یاری نباشد گو مباش

مولانا باقی

در سر مزار بی‌کسی[2] می بود و می گفت، من سیدم، اما جنون تمام داشت، این مطلع ازوست ؎

زرد و زارم چون هلال از فرقت آن آفتاب
میروم از گریه چون برگ خزان بر روی آب

مولانا فراقی

از ولایت لسکرد و سحرآباد است، و مرد فقیر است و کفش دوزی می کند،

[1] کذا - غالباً هنر یا سیر [2] کفش (کذا)

این مطلع از وست که

شب قدر است زلف یار و دل گم کرده راه آنجا
نمی بینم دلیل روشنی جز برق آه آنجا

من و کویش حدیث های واعظا از جنت کن چندین
مرا مقصود دیدار است خواه اینجا و خواه آنجا

مولانا زین الدین علی

ملازم بدیع الزمان میرزا بود، در نویسندگی وقوف داشت، نی را نیک می نواخت، بینی دو نیز می خواند، این مطلع از وست مطلع

قامت سرو که بر آب نمودار شده
کرد دعوی لب قمری و نگون سار شده

مولانا محرمی

از آدمی زادگان شهر هرات است، اما اکثر اوقات در ماوراءالنهر می بوده، طبع غریب دارد این رباعی از وست

شوخی که نقاب از رخ خود بر نگرفت
جز جور و جفا طریق دیگر نگرفت

گفتم برافروز شبی شمع جمال (ق۱۱۳ا)
افسوس که گفتیم و لی در نگرفت

میرم سیاه[1]

از خوش طبعان مشهور شهر هرات است، اما طبعش بهزل و مطایبه واقع شده

---

[1] میرم سیاه قزوینی متخلص به میرم [متوفی نزد سنه ۹۱۰ھ] رک هفت اقلیم (خطی)؛ مجمع النفائس (خطی)؛ سفینه خوشگو (خطی)؛ ریو (ضمیمه) ص ۲۲۱؛ فهرست مخطوطات بانکی پور لائبریری - ج ۲ - ص ۱۳۵ - عدد ۲۳۲ وغیره، از میرم سیاه یک دیوان و مجموعه رقعات هم متداول است - هزلیات

و هرچه می گوید نیز دران رنگ است، این قطعهٔ او مشهورست ؎

گفت با من لبری گر وصل خواهی زر بیار — عاشقان کی وصل بی زر تمنا کرده اند

گفتمش من عاشق پاکم ندارم سیم و زر — این چنینم تا لوای عشق بر پا کرده اند

گفت میرم فکر زر کن زانکه عشق پاک را — کیدیان مفلس مفلوک پیدا کرده اند

و این رباعی هم ازوست ؎

هر سیمبری که قد رعنا دارد — مانند الف میان جان جا دارد

بالای بتان بلاء جانست مرا — جان باد فدای آنکه بالا دارد

مولانا محرمی

میر شکار، از مردم ترک است و از تیولداران[1] مرو نامرادوست، این بیت ازوست ؎

جانا اگرم به بندگیت شادی کنی

مانند بنده ایست که آزاد می کنی

مولانا قاسم غمزه

از جملهٔ ظرفاء بخاراست، و مرد لوند و بی قید و عاشق پیشه است، این مطلع ازوست که ؎

شکست بر سر من محتسب سبوی مرا

دلم شکسته شد و ریخت آبروی مرا

(بقیه حاشیه ص۲۹۷) او هم مشهور و معروف است،

(حاشیه ص۲۹۸)، [1] تیولداران - تیول بمعنی جاگیر و مدد معاش،

قسم ششم

ذکر لطایف وزراء عالیمقدار

ازانجمله

خواجه میرک

در ایام حکومت مملکت پناهی زینل خان وزیر یک قلمه خراسان بود، این فقیر دولت ملازمت او دریافت، چندان بزرگی و همت و اخلاق حمیده ازو مشاهده افتاد که مزیدی بران (ق ۳۱۱ ب) متصور نباشد طبع لطیف دارد اگرچه بنظم مداومت نمی کند، (ق۳۱۱ب) اما اگرگاهی اتفاق افتد التفات هم می کند، این مطلع هم ازوست ؎

می کرد تماشا خوبی نمی داند سراپا — کجا داند غم عشق سرانداز[ان] شیدا را

این مطلع نیز ازوست که مطلع

در سر هوس سرو خرامان تو دارم — در سینه غم غنچهٔ خندان تو دارم

این مقطع ازوست که ؎

چون میرک اگر شیفته حالم عجبی نیست
زانرو که سر زلف پریشان تو دارم

مولانا حسن علی

وزیر نارن بیگ بود، مردی خالی از نامرادی نبود، این مطلع ازوست ؎

هرکسی جو بید هلال و خاطـر ما بد جست
زانکه شکل او بشکل یار می ماند درست

میرزا قاسم

ولد خواجه میرکی، میر دیوان سلطان بدیع الزمان میرزاست، در ترکی و فارسی و معما و انشا و املا و خطوط رشید خراسانست، این مطلع از وست ؎

بازم خیال ابروی او چون هلال کرد
گشتم چنان ضعیف که نتوان خیال کرد

خواجه حسن قندهاری

مدتها وزیر صاحب اختیار شجاع بیگ بود، طبع خوب دارد، و ادراک بلند و همت عالی او هم در ملازمت امیر مذکور فرمان یافت، این مطلع از وست که ؎

ندارم تاب وصل و طاقت هجران کشیدن هم
بلای جان شده تا دیدن روی تو دیدن هم

خواجه وجیه

۱۱۴ ا ولد خواجه ملک احمد است (ق ۱۱۴ ا)، و از جانب والده بخواجه وجیه سمنانی که وزیر شاهرخ بوده نسبت اولادی دارد، چنانکه القاب او را در نشان و پروانجات سلاطین نتیجة الوزرا می نویسند، طبع خوب دارد، نسخه نوشته است موسوم به «مطالع الانوار» و بسیار نیک واقع شده، این مطلع از وست ؎

بصد حسرت بر آوردم دل از چاه زنخدانش
ولی افتاد آخر در سر زلف پریشانش[۱]

[۱] پرل نشش (کذا)

مولانا خواجہ کلان

از ولایت اندجان است، ملازم مخصوص و پرداکچی بابر میرزاست، بغایت خوش طبع و عاشق پیشہ است، نظم ترکی و فارسی نیک می گوید، این مطلع از وست ؎

ندارم تاب دیدن پیش آن بدخو رقیبان را
ازان با صبح وصل او گزیدم شام ہجران را

این مطلع ترکی ہم از وست ؎

ہر کیم کا کہ کونکلو نک بیتلا سا مہر و وفاقیں
کونکلو نک بیتلا کان جور و جفا یارلی منکاقیں

مولانا مسعود

وقایع نویس سلطان حسین میرزا بود و مسعود قصاب نیز می گویند، مرد فاضل است و در باب پیدا شدن خطوط نسخۂ خوب نوشتہ است، این مطلع از وست ؎

مانند نون کشیدہ ابروی چون ہلالش
طغراء حسن گشتہ بر صفحۂ جمالش

قسم ہفتم

ذکر امراء نامدار

از انجملہ

میرزا مقیم کیخسرو

از امراء نیک سلطان حسین میرزا بود، طبع لطیف داشت و ہمیشہ شعراء زمان
(ق ۱۱۴آ) در مجلس حاضر بودند و او را بصحبت (ق ۱۱۴ ب) آن طایفہ میل تمام بود، چنانچہ ہرچہ
داشت، صرف این جماعت می کرد، این مطلع از وست ؎

شراب خوردن دایم خراب ساخت مرا
خراب بودم و آخر شراب ساخت مرا

امیر قاسم ولدی

ہم از امرای نامدار میرزا سلطان حسین بود، طبع لطیف داشت و ہمیشہ
باشعراء زمان صحبت می داشت و دلیر و گستاخ بود، این مطلع از وست[۱] ؎

تاج سلطانی کہ ہر ترکش سری را افسرست
ترک او خوشتر کہ در ہر ترک او ترک سرست

[illegible]

مغول عبدالوہاب

از امیرزادگان محفوظۂ سمرقند بود و شیبک خان اورا تربیت کرد و منصب شغاولی ارزانی داشت، جوان بی تکلف و خوش طبع بود، در جنگ مرو کشته شد، این مطلع از وست که ؎

ازان قلاشِ درمیخانه می خواہم درون آیم
که خود را رہن می گردانم و بیخود برون آیم

امیر رستم علی

ولد میر قاسم ترکی گوی بود، از امیرزادگان خراسان بصلاحیت او کم بود، این مطلع ترکی از وست ؎

جان پر وردا بسجدۂ قبلدیم اول جفا کار ایلدار
شکر کیم باشیمنی قویدیم عاقبت یار ایلدار

این مطلع فارسی نیز از وست ؎

ہر گه تو نازه رو بچمن خنده می کنی
گلہای باغ را ہمه شرمنده می کنی

دق ۱۱۵ و، شاه ولد بیگ [قائی] دق

جوان موالی و از امیرزادگان اصیل ممالک عراقست، و در ملازمت جناب جکور که [پیش ؟] سلطان مرتبۂ وکالت دارد و بغایت خوش طور و بی تکلف جوانی ست، و با وجود کثرت جاه و نفاذ حکم که موجب تکبر و انانیت است، چندان شستگی

ونامرادی دارد که شرح نتوان کرد، وگاهی نظمی نیز میگوید و قائلی تخلص می کند، این مطلع از وست که ؎

همیشه ناوک دلدوز آن کمان ابرو مصاحبیست دلم را نشسته در پهلو

چون زهره ندارم که کف پای تو بوسم افتم بره و خاک قدمهای تو بوسم

امیر محمد یوسف

ولد یوسف احمد میرآخور بود، جوان خوش شکل و خوش طبع و خوش خلق بود، در ملازمت محمد زمان میرزا بود، درین اوقات او را قضا رسید، این رباعی از وست ؎

ای سرو روان مایل اغیار مباش با من بسر کینه و آزار مباش
چون نیست مرا بغیر تو یار دگر ای دوست تو هم بغیر من یار مباش

امیر مقصود غلامی[۱]

از تربیت کرده های ابن حسین میرزا بود، طبع نیک داشت، این مطلع از وست ؎

مهاست روی تو یا آفتاب ازین دو کدامست؟
شبست زلف تو یا مشک ناب ازین دو کدامست؟

یار محمد رخنه

هم ملازم ابن حسین میرزا بوده، تقرب تمام داشت، این رباعی از وست که ؎

---

۱ یا "غلام"

تا از تو جدا شدم دلم غمگین است (ق ۱۵۱ب) چون شمع مرا ز گریہ و سوز آئین است
می سوزم و می گدازم و می میرم آن کز تو جدا شود سزایش این است

سلطان محمد نخشی

ملازم سلطان بدیع الزمان میرزا بود، بسیار طبع خوب داشت، این رباعی ترکی از وست ؎

اول آنی کورمک ماه شعفه مایلغ مایلغ هم سا همه سمنیفه مایلغ مایلغ
یوزه آه که بولدیم لو مایلغ ماسلغ و ولیقه نثار ادنش لوما یلغ مایلغ

دوست حسن

خزینہ دار خان شیبانی بود، و تقرب تمام داشت، و توان گفت کہ در محفوظہ سمرقند بلطافت اطوار او جوانی نبوده، از تعریف بہار مثنوی گفتہ، این بیت از انجا ست ؎

بید مشک از حرارت بدنش باژگون کرده پوستین بہ تنش

شاہک

برادر مشار الیہ بود، مُہردار خان مذکور بود، صورت و سیرت خوب داشت، این مطلع از وست ؎

شاد ہرگز نکند چرخ ستمگار مرا
کہ ہمان لحظہ نسازد بغمی زار مرا

مولانا شہودی

نبیرۂ امیر بایزید ایلیہ است کہ امیر الامراء الغ بیگ میرزا بوده است، از خوش

طبعان مشهور سمرقند است، بقدر طالب علمی کرده، این مطلع از وست ؎

مطرب ترانهٔ شب غم سازمی کند   غمهای رفته را مگر آواز می کند

اُلغ بیگ

ولد امیر محمد صالح است که ذکر لطایف او ازین پیش کرده شد، جوانیست در غایت
(ق ۱۶۱ب) انسانیت و ولایت و بصفاء ظاهر و باطن آراسته، در تتبع این مطلع پدرش که ؎ ق ۱۶۱ب)

روز هجران بر سر کویش رسیدن مشکلست   جلوه گاه یار را بی یار دیدن مشکلست

این مطلع از وست که ؎

یار را هم صحبت اغیار دیدن مشکلست
وه چه دیدن کین حکایت[1] را شنیدن مشکلست

امیر سلطان ولی

ولد امیر تیمور[2] نبیرهٔ امیر ولی بیگ است و عظمت امیر ولی بیگ اظهر من الشمس است، بحسن صورت و لطف سیرت آراسته است، گاهی بنظم نیز توجه می نماید، ولی نام جد خود تخلص می کند، این رباعی از وست ؎

افسوس که آن عارض گلفام نماند   وان دانهٔ خال و زلف چون دام نماند
دل در سر زلف تو سر انجامی داشت   این سلسله رفت و آن سرانجام نماند

---

[1] حکاتة (کذا)   [2] تغمور (کذا)

اورینٹل کالج میگزین

عرضِ واجب

اغراض و مقاصد | اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے۔ کہ احیا و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تا حدِ امکان تقویت دی جائے۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ٭

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے | کوشش کی جائے گی۔ کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں۔ جو مضمون نگاروں کی ذاتی تحقیق اور تلاش کا نتیجہ ہوں۔ غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابلِ قبول ہوگا۔ اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائینگے

رسالے کے دو حصے | یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے، حصہ اول عربی، فارسی، پنجابی (بحروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے ٭

وقتِ اشاعت و قیمتِ اشتراک | یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی، اگست[^] میں شائع ہوگا۔ سالانہ چندہ حصۂ اُردو کے لیئے ۶/ ۔ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا کسی سہ ماہی رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکیگا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری ،مئی، دسمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے ٭

خط و کتابت و ترسیلِ زر | خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیلِ زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام سے ہونی چاہیئے مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں٭

محلِ فروخت | یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ٭

[^] [illegible] اگست میں کالج [illegible] ہوتا ہے۔ اس لئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے ٭

اورینٹل کالج میگزین حصہ اول

ایڈیٹر

محمد اقبال

(پروفیسر پنجاب یونیورسٹی لاہور)

جلد ۲۱ - عدد ۳ | بابت ماہِ مئی ۱۹۴۵ء | عددِ مسلسل ۸۱

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	لسان العرب کی فہرستیں (مسلسل)	مولوی عبدالقیوم صاحب ایم۔اے	۴۲۹ تا ۴۵۲
۲	تلخیص مجمع الآداب فی معجم الالقاب (مسلسل)	مولوی عبدالقدوس صاحب	۵۹۳ تا ۶۲۲

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام مہتہ ایشرداس پرنٹر طبع ہوا۔ اور بابو صدیق
احمد خان پبلشر نے اورینٹل کالج لاہور سے
شائع کیا۔

سیرتِ محمد علی

انشاء اللہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو شائع ہوگی

مولانا محمد علی کے ہزار ہا معتقدوں اور اُن کی سیرت کے ہزار ہا مشتاقوں کو یہ سُنکر مسرت ہوگی کہ انکی سیرتِ نگاری کا کام ایک مختصر پیمانے پر ختم ہو چکا ہے اور اب یہ مسودہ مولانا عبدالماجد مدیر "سچ" کی زیرِ نظر ثانی ہے۔ طباعت کا کام اگست سے شروع کردیا جائیگا اور بانیِ جامعہ کی یہ سیرت انشاء اللہ یوم تاسیس جامعہ (۲۹ اکتوبر) کو شائع ہو جائے گی۔

قیمت غالباً تین روپے ہوگی

خریداری کی تمام درخواستیں اسی وقت مندرجہ ذیل پتہ پر بھیجی جائیں

مہتمم مکتبہ جامعہ دہلی

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۰ - عدد ۴ بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۳۴ء عدد مسلسل ۳۸

فہرست مضامین

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام دین پرنٹر طبع ہوا اور بابو این این منرا نے دفتر اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد۔ اس رسالہ کے اجراء سے غرض یہ ہے کہ احیاء و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تا حدِ امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کیساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت۔ عربی۔ فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ٭

کس قسم کے مضامین کا شایع کرنا مقصود ہے۔ کوشش کی جائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شایع کئے جائینگے ٭

رسالے کے دو حصّے۔ یہ رسالہ دو حصّوں میں شایع ہوتا ہے حصّہ اوّل عربی فارسی اردو اور پنجابی بحروف فارسی۔ حصّہ دوم سنسکرت ہندی اور پنجابی بحروف گورمکھی۔ ہر ایک حصّہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے ٭

وقت اشاعت۔ یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی۔ اگست[1] میں شایع ہوگا ٭

قیمت اشتراک۔ سالانہ چندہ حصّہ اردو کے لئے ۱۲/ع۔ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کالج کے وقت وصول ہوگا ٭

خط و کتابت و ترسیل زر۔ خریدِ رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ٭

محل فروخت۔ یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ٭

قلم تحریر۔ حصّہ اردو کی ادارت کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم۔ اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصّہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے ٭

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اس لئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شایع ہوتا ہے ٭

خط و خطّاطان

ذیل میں تین غیر مطبوعہ اقتباسات مع تکملہ خط اور خطاطوں کے متعلق درج کئے جاتے ہیں:-

اڈیٹر

۱- اقتباس
از
رسالہ خط و سواد

مصنفہ مجنون بن محمود الرفیقی

ذیل کا مختصر سا اقتباس رسالہ خط و سواد سے لیا گیا ہے، جو دسویں صدی ہجری میں (۹۰۹ھ کے بعد) مرتب ہوا،

اس رسالہ کے باب دویم میں مصنف نے استادان و مخترعان خطوط کا حال لکھا ہے جو اپنی قدامت کی وجہ سے بہت دلچسپ ہے، مصنف نے اس میں اپنا نام "مجنون بن محمود الرفیقی" لکھا ہے اور اپنی نسبت یہ اطلاع بہم پہنچائی ہے:

چون کاتب[۱] مکتوب حقیقی (؟) مجنون بن محمود الرفیقی . . . . ابدا[۲] بمقتضی الولد الحر
(ورق ۲۰ ب) یقلد بابائہ الغر[۳]* از آوان[۴] طفولیت تا زمان کہولیت در تحصیل علم [ورق ۲۰] خط و تکمیل
اعداد شناخت[۵] [سیاقت؟] و سعادت خدمت استادان ماہر و خطاطان نادر دریافت از ہر
خرمنی خوشۂ و از ہر انجمنی توشۂ بر می داشت اما چون از نقصان قابلیت دران صنعت

---

[۱] دیکھو ص ۵ حاشیہ ۲،

[۲] فقط در نسخہ موزۂ برطانیہ (= آ) دارد [۳] در آ "نفید" و "المعز" نوشتہ است بجای "یقلد" و "الغر" تصحیح قیاسی است، در نسخۂ کہ من دارم (= ب) بجای عبارت متن فقط "اصلح اللہ شانہ" نوشتہ است نیز رکہ بہ ص ۱۱ س ۹ [۴] آ: از اول نہ، تصحیح از روی ب، [۵] ب: سیاقت (؟) و در حاشیہ معنیش و روانگی نوشتہ (،

لطیف و ازان علم شریف مقصودش حاصل نگشت و ازان ممتوری نکشود [۱] و درپناه (؟) اختراع مزید خطوط ابداع نمود که ازان جمله است توامان قد اخترعته اختراعاخطا غریبا مرکبا من المعکوس و غیر المعکوس مشکلا بشکل الانسان وغیره وسمیته بالتوامان لقسمه [لقسمته؟] صورتین متشابهتین المتقابلتین [متشابهتین متقابلتین] (کذا المسودة) بدین صورت بیت

توامان مخترع مجنونست — کز قلم چهره کشائیها کرد[۲]

وقبل ازین در قواعد خطوط نسخه رسم الخط نظم کرده بود و مایحتاج آن را بنوعی که از استادان شنیده بود بنظم آورده اگرچه میل طبع موزون بنظم بیشتر است [۵] اما مبتدی را یافتن سخن نثر از نظم بیشتر] بنابران در نثر نیز بهمان طریق ورقی چند ساخته شد و سطری چند در قواعد نسخ و تعلیق که هیچ یکی از استادان پیرامن آن نگشته اند پرداخته آمد تا طالبان صورت[۳] خطی را حظی باشد* و چون مبتدیان را[۴] از سواد آن خطش هم خط و هم سواد حاصل بود نام این! نسخه خط و سواد مناسب نمود'

اس عبارت کو "اقتباسات تحفۂ سامی" (اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۰۱) سے ملاکر دیکھیں[۵] تو معلوم ہوتا ہے کہ تحفۂ سامی کا "مولانا مجنون چپ نویس"

---

[۱] آنچه محدود است بقلابین از آ افتاده است، از روی ب نوشته شد اما عبارت متن خصوصاً جملات عربیه خیلی مضطرب است [۲] "رسم خط" نام تاریخی رساله رسم الخط است که ازان ۹۰۹ھ حاصل می شود مجنون می گوید'

چو از رسم خطش تاریخ دادم ازانش نام رسم الخط نهادم'

[۳] ب: او را صورت خطی حاصل باشد [۴] ب: از سواد الخطش هم خط سواد و هم سواد خط حاصل شود نام این نسخه سواد الخط مناسب نمود' [۵] تحفۂ سامی ۹۵۷ھ میں تصنیف ہوئی — اس سے پہلے میر علی شیر نے ۸۹۶ میں مجالس النفائس لکھی اور مجنون کا ترجمہ احوال اسمیں دیا ؛ اس ترکی متن کا فارسی ترجمہ

یہی شخص ہے، تحفہ سامی میں ہے کہ

مولانا مجنون چپ نویس از خوش طبعان ہرات است و در خط چپ بی بدل عالم بود و خط دیگر اختراع کردہ بود کہ او را توامان نام نہادہ ..... منہ

توامان مخترع مجنون است الخ

(بقیہ حاشیہ ص۵) فخری نے یوں کیا ہے: "از مشہد است و طبعش در غایت شوخیت، وچپ نویس و خوشخط مثل او کم بودہ است بلکہ نبودہ، ذاتش نیز مقبول افتادہ، این مطلع از وست:

؎ بوعظ میروم و زار زاری گریم بدین بہانہ ز ہجران یار می گریم (لطائف نامہ ص۱۳۶)

میر علی کاتب کا ترجمہ مجالس النفائس میں اگر ہے تو نمایاں صورت میں درج نہیں ہوا، لطایف نامہ ص۱۱ پر جہاں مولانا شیر علی لکھا وہاں میرے قلمی نسخہ میں مولانا میر علی ہے مگر مجالس النفایس کے دو نسخے جو میرے پاس ہیں دونوں میں مولانا شیر علی ہے، انہی ترکی نسخوں میں مجلس سوم کے آخر میں مولانا ذاتی (دیکھو لطایف ص۱۵۲) کے بعد دو ترجمے اور ہیں ایک میر علی کا اور ایک پہلوان کاتب، کا اس میر علی کی نسبت فقط یہ لکھا ہے کہ وہ مولانا جامی کے مدرسہ میں تھا اور انکے ملازم کی سی حیثیت رکھتا تھا پھر یہ مطلع اس کا دیا ہے ؎

مرا بی سرو قدش باشدا دل بجان ہر لحظہ تیر ہجر حاصل

یہ بھی غالباً کوئی اور میر علی ہے، بہرحال چونکہ میر علی کاتب ۹۵۰ کے قریب فوت ہوتا ہے اور مجالس النفائس اسکے مرنے سے قریباً ۵۴ سال پہلے کی تصنیف ہے۔ اسلئے عجب نہیں کہ میر علی کو اسوقت کوئی نمایاں اور قابل ذکر حیثیت حاصل نہو، ہاں تاریخ رشیدی (تصنیف ۹۵۲) میں میر علی کا مجمل سا ذکر آیا ہے (دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت مئی ۱۹۳۲ء ص۱۶۵) اسمیں صرف یہ لکھا ہے کہ وہ زین الدین محمود کا شاگرد ہے بہت صاف اور محکم لکھتا ہے، خفی جلی سے بہتر لکھتا ہے اور کتابہ قطعہ سے بہتر، جلی بے تناسب و بے مزہ لکھتا ہے، تحریر اسکی ملیح نہیں مگر قوت میں بے مثل ہے، اسمیں اسکی شاعری اور تخلص کا کوئی ذکر نہیں، خلاصۃ التواریخ (؟) میں جو ۹۵۰ کے بعد کی تصنیف ہے اور اس سے ایک اقتباس آگے آتا ہے اس رائے کے برعکس اس کے جلی اور اوسط کو بہتر قرار دیا گیا ہے، مگر ما نحن فیہ پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی،

اس کے بعد سام میرزا نے لکھا ہے کہ "رسالۂ نظمی باسم من در بحر لیلی و مجنون بسلک تحریر آوردہ بود در قواعد خطی و تعریف چگونگی قلم و سیاہی و رنگ کردن کاغذ و ما یتعلق بہا" پھر اس رسالہ میں سے یہ شعر دیا ہے:

رنگی کہ صفای خط ازانست از آب حنا و زعفران است

اس کے بعد ذیل کے دو مطلع دئے ہیں۔

مطلع غزل ؎

(۱) بیوفا بودی ز اوّل من ترا نشناختم حیف اوقاتی کہ در عشق تو ضایع ساختم

مطلع قصیدہ ؎

(۲) فیروزۂ سپہر در انگشترین تست روی زمین تمام بزیر نگین تست

یہ یاد رہنا چاہیے کہ سام میرزا نے مجنون کا ذکر ذیل صحیفۂ سوم میں کیا ہے جس میں سادات کا ذکر نہیں ہے، سادات کا ذکر اسنے صحیفۂ دوم کے صفحۂ اول میں کیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے۔ کہ مجنون بن محمود رفیقی سید نہ تھا، چونکہ یہی مصنف سادات کی ذیل میں (صحیفہ دوم میں) میر علی کاتب کا ترجمہ الگ دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ میر علی کاتب سید تھا اور وہ مجنون بن محمود رفیقی کے سوا کوئی اور شخص ہے میر علی کے ترجمہ کا متن یہ ہے:

اصل او از سادات ہرات است در مشہد رضویہ نشو و نما یافتہ در خدمت مولانا سلطان علی مشق خط نستعلیق می کرد فی الواقع کہ بعد از مولانای مذکور خط نستعلیق را کسی بہ از و ننوشت در شہور سنہ ۹۳۵ بواسطہ انقلاب خراسان بماوراء النہر

ل‍ه اقتباسات تحفہ سامی در اورینٹل کالج میگزین۔ فروری ۱۹۳۴ء ص ۸۷،

افتاد می گویند کہ دران وقت در باصرہ اش ضعفی پیدا شدہ بدین واسطہ خطش تنزل کردہ، طبعش در نظم اشعار ملایمت تمام دارد'

اس کے بعد اسکا معما باسم مہدی دیا ہے یعنی ؎

خوش آنکہ بعشق مبتلا گردیدہ بیگانہ زخویش و آشنا گردیدہ الخ

اس سے کچھ شک باقی نہیں رہتا کہ مجنون بن محمود رفیقی اور شخص ہے اور میر علی کاتب اور، مگر مولانا غلام محمد صاحب "تذکرۂ خوشنویسان (متوفی در حدود ۱۲۳۹) نے یہ مانتے ہوئے کہ میر علی سادات ہرات سے ہے اسی کو مجنون بن محمود رفیقی بنا دیا ہے اور ان دو اشخاص کے تراجم کو مخلوط کر دیا ہے جس سے ایک گونہ اشتباہ ریو کو بھی پیدا ہوا، گو ریو (فہرست مخطوطات فارسیہ ۵۳۱) نے بھی اپنے قارئین کو اسی امر کی طرف متوجہ کیا کہ حبیب السیر (تالیف ۹۳۰) میں ان دو آدمیوں کے تراجم علیحدہ علیحدہ منعقد کئے گئے ہیں، حبیب السیر میں ان تراجم کی صورت یہ ہے :

مولانا **مجنون** ولد مولانا کمال الدین محمود رفیقی است کہ بحسن خط و لطف طبع اتصاف داشت و مولانا مجنون بغایت درویش وش و فانی مشرب است و اشعارش سلیس و ہموارہ اتفاق می افتد (اس کے بعد دو مطلع دئے ہیں جو تحفۂ سامی سے ہم نے ص ۷ پر نقل کردئے ہیں) حبیب السیر ۲ : ۳ : ۳۵۰

میر علی بسیادت مشہور است و در خط نستعلیق سر آمد خوشنویسان نزدیک و دور طبعش بنظم اشعار ملایمت تمام دارد و احیانا ابیات و معمیات بر صحیفۂ روزگار می نگارد (اس کے بعد مہدی والا معما دیا ہے جسکا ذکر ص۳ میں اوپر آچکا ہے اور جو مجالس النفائس میں مولانا محمود کے نام سے درج ہے دیکھو لطایف نامہ ص ۲۴۴)

و این مطلع و رباعی کہ مُنبی است از صنعت اظہار المضمر و مبنی است بر مدح مربی اہل فضل و ہنر نتیجہ طبع اوست کہ مطلع ؎

دلا بگو غم و دردم اگر بیابی راہ یہ پیش آصف عالی گہر حبیب اللہ

صفت این مطلع آنست کہ سر ہر حرف را از حروفی کہ در مطلع مندرجست چون در ضمیر نگاہ دارند و باصطلاحی کہ متعارفست عمل نمودہ بمصراعی کہ در آخر نوشتہ شد رجوع کنند بوضوح پیوندد کہ حرف مضمر کدام است رباعی

ای ذات توفیض بخش با اہل طلب وز حسن تو گردیدہ فزون ذوق و طرب

تو معدن ملک جودی و دیدہ نہند صاحب جایان بہ باب ات ازمین ادب

ع شرف ملک و صاحب عہدی (حبیب السیر ۳: ۴: ۱۱۸)

غرض صاحب حبیب السیر کے بیانات بھی ہمیں اسی نتیجہ پر پہنچاتے ہیں جس پر سام میرزا نے ہمیں پہنچایا تھا۔ یعنی یہ کہ مجنون بن محمود رفیقی میر علی کاتب سے علحدہ شخص ہے۔

مجالس المومنین (تصنیف سنہ ۱۰۱۰) طبع طہران ۱۲۹۹ھ ص ۴۵۷ پر ملا میر علی کا حال دیا ہے۔ اس میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ اسکا تخلص مجنون تھا یا یہ کہ وہ مجنون رفیقی ہے۔ وہ ترجمہ یہ ہے:

ملا میر علی مشہدی نزد ملا زین الدین محمود کاتب و ملا سلطان علی مشق می کرد و چون خط او بکمال رسید با مولانا سلطان علی در مقام دعوی شد و اہل عصر جانب مولانا گرفتند و آخر او سہ قطعہ از ملا سلطان علی گرفتہ تقلید فرمود و با قطعہای مولانا پیش آورد مولانا متحیر شد کہ آیا خط او کدام است و بعد از تامل بسیار خط میر علی را برداشت۔ [اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ ملا میر علی اور اور فضلای ہرات کو عبید خاں اوزبک پکڑ کر بخارا لے گیا اور آخر عمر تک وہ وہیں رہا اور کوخان اور اس کی اولاد نے اس کیساتھ بہت

اچھا سلوک کیا - مگر وہ فطری طور پر غریب الوطنی کی شکایت کیا کرتا تھا - چنانچہ ایک قطعہ بھی اس باب میں اسنے کہا **قطعہ**

عمری از مشق دوتا بود قدم ہمچون چنگ الخ

یہ قطعہ اقتباس مرآۃ العالم ص ۴۷ پر دیکھو] از جملۂ شاگردان او میر سید احمد[1] (کذا) و خواجہ[2] محمود سیاوشانیست و خواجہ محمود از عنفوان جوانی و سادہ روئی در خدمت ملا میر علی بود وقتی ملا از و رنجیدہ این قطعہ را گفت **قطعہ**

خواجہ محمود اگرچہ یکچندی الخ [دیکھو اقتباس خلاصۃ التواریخ ص ۳۰]

قبر ملا در فتح آباد بخارا در جوار مزار شیخ سیف الدین باخرزی کہ او را شیخ العالم گویند واقع است و ملا را فرزندان ہستند کہ در انجا نشو و نما یافتہ و آخر بہند افتادند[3] و ہمگی عقیدۂ فاسدۂ اہل بخارا دارند فاعتبروا یا اولی الابصار

اس ساری عبارت میں کوئی بات ایسی نہیں جو اسکو مجنون بن محمود رفیقی ثابت کرتی ہو - البتہ قطعۂ اول کے آخر میں یہ شعر ہے :

این بلا بر سرم از بہر خط آمد امروز کہ خطم سلسلۂ پای من مجنون شد

عجب نہیں کہ اسی شعر سے بعض لوگوں کو خیال ہوا ہو کہ میر علی کا تخلص مجنوں تھا یعنی وہ مجنون جو محمود رفیقی کا بیٹا تھا '

---

[1] مگر عالم آرای عباسی ص ۱۲۴ پر اسکو "میر سید احمد مشہدی" لکھا ہے '

[2] یعنی محمود شہابی یا محمود بن اسحاق سیاوشانی (دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۳۴ء ص ۱۲۹ و عالم آرای ص ۱۲۴)

[3] غالباً انہی میں سے ایک محمد باقر ہے جسکو آئین اکبری میں عہد اکبری کے مشہور خطاطوں میں شمار کیا گیا ہے (دیکھو بلاخمن ص ۱۰۳) اور ایک میرزا باقی (دیکھو مآثر رحیمی (۳ : ۱۶۸۱) و فہرست بانکی پور ج ۳ نمبر ۹۴) یہ بھی شک پڑتا ہے کہ باقر اور باقی ایک ہی ہوں '

تحفۂ سامی اور حبیب السیر کی صریح شہادت کے ہوتے ہوئے اسکو محمود کا بیٹا سمجھنا ممکن نہیں، بخلاف اس کے یہ ممکن ہے کہ مجنون کا لفظ صرف استعارۃً اس شعر میں استعمال ہوا ہے اور غایۃ یہ کہ میر علی کا تخلص بھی مجنون بن محمود رفیقی کی طرح مجنون تھا۔ مگر اس کے ثبوت کے لئے اور مآخذ سے بھی اس کی تائید ہونی چاہیئے جو بالفعل موجود نہیں،

صاحب عالم آرای عباسی (تصنیف ۱۰۳۸ھ) نے ص ۱۲۵ پر میر صدر الدین محمد کے ترجمہ میں میر علی کا استطرادا ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ "او اعتقاد بخط مولانا سلطان علی بیشتر از مولانا میر علی داشت و تتبع او بیشتر از دیگران کردہ بود. درین مقام درباب حسنِ خطِ این دو نادرۂ زمان شرحی بنظر رسیدہ بود ثبت افتاد گویند کہ مولانا میر علی درین فن ترقی عظیم کردہ بلند آوازہ گردیدہ بارہا مولانا سلطان علی دعوی کردہ ارباب تمیز جانب مولانا سلطان علی می گرفتند" اس کے بعد وہی قصّہ دیا ہے جو ہم نے مجالس المومنین کے حوالہ سے اوپر[1] نقل کیا ہے۔ ان سطور میں اسکندر منشی نے بھی کوئی ایسی بات نہیں لکھی جس سے میر علی اور مجنون رفیقی کا ایک ہونا ثابت ہو،

صاحب مرآۃ العالم (تصنیف ۱۰۷۸ھ) نے میر علی کا جو حال دیا ہے وہ ص ۷۰ پر آتا ہے، اس میں بھی کوئی بات ایسی نظر نہیں آتی جو مندرجہ بالا نتیجہ سے تناقض رکھتی ہو بجز اس قطعہ کے جس کے آخر میں لفظ 'مجنون' آتا ہے اور جسکا ذکر اوپر آچکا ہے،

حاصل اس کلام کا یہ ہے کہ بجز صاحب تذکرۂ خوشنویسان کے اور کسی نے میر علی کاتب ہروی کو مجنون بن محمود رفیقی قرار نہیں دیا اور سام میرزا اور صاحب حبیب السیر جو ان دونوں کے ساتھ معاصر ہیں۔ صراحۃً ان کو دو شخص قرار دے

---

[1] دیکھو ص ۹، تذکرۂ خوشنویسان ص ۳۴ س ۵ پر مصنف نے جس میر علی ہروی کا ذکر کیا ہے وہ بظاہر میر علی کاتب ہروی ہی ہے۔ اسکا علٰحدہ ذکر مصنف نے اس لئے کیا کہ وہ مجنون اور میر علی کاتب کو ایک قرار دے رہا ہے۔ غرض یہ دو آدمی ہیں تین نہیں ہیں،

رہے ہیں[۱]، اس بحث کے بعد ہم مجنون کے کچھ مزید حالات درج کرتے ہیں،

ہم نے اوپر مجنون کے رسالہ خط و سواد سے وہ عبارت نقل کی ہے جس میں وہ اپنے منظوم رسالہ رسم الخط کا ذکر کرتا ہے، اس رسالہ کے آخر میں اسنے کہا ہے کہ اس میں چارسو سے زیادہ اشعار ہیں، جو اسنے قریباً ایک مہینے میں نظم کئے۔ رسالہ کے ابتدا میں وہ ہم کو بتاتا ہے کہ اسنے کتابت کا فن اپنے باپ سے سیکھا، اس کے اپنے الفاظ برٹش میوزیم کے نسخہ[۲] سے درج ذیل کئے جاتے ہیں، "سبب نظم کتاب و باعث ترتیب این ابواب" کے عنوان کی ذیل میں وہ لکھتا ہے:

بخط و شعر میلم بیشتر بود — کہ این فضلم ز میراث پدر بود
ہوالواثق بمعبود الحقیقی — کہ نامی شد بمحمود الرفیقی
گہی چون صیرفی[۳] در خورده دانی — گہی چون عارفی[۴] در نکتہ دانی
سہ کس راحق بود بر آدمی زاد — یکی پیر و دویم آب سیوم استاد
مرا ز اول درین دیرینہ مکتب — ہم استاد است ہم پیر است ہم آب
زعلم خط بسی تعلیم چون گنج — بخاطر بود ز استاد گہر سنج
گہر پرداز دُر ہای معانی — بحسن خط شده یاقوت ثانی
بنسخ اہل خط ہنگام تحریر — قلمدانش چو قندیلش[۵] پُر تیر

[۱] یہانتک لکھ چکنے کے بعد وہ سطور نظر پڑیں جو ہمارے فاضل دوست مولوی محفوظ الحق نے مسلم ریویو ج ۲ نمبر ۲ ص ۶ پر ملا میر علی کے متعلق لکھی ہیں، انکے بعض نتائج سے ہم کو اتفاق نہیں مگر اکثر باتیں انہوں نے خوب لکھی ہیں، اور انکی تلاش قابل داد ہے [۲] دیکھو فہرست ریو ص ۵۳۱ [۳] خواجہ عبداللہ صیرفی کاتب مشہور و شاعر [۴] دیکھ بہ لطایف نامہ ص ۱۸۱، [۵] قندیل تیر چیزی میان تہی کہ تیرہا دران نگاہ دارند (بہار عجم)،

چو از بہر کتابت خامہ سر کرد خط یاقوت را زیر و زبر کرد
زنقلش[1] نکتہا بس می شنیدم چو خود را قابل حفظش ندیدم
زبیم آنکہ این عقد جواہر بریزد ناگہم از دُرج خاطر
بنظم این جواہر عقد بستم برقمش نیت خود جزم کردم .....
چو از رسم خطش[۹۰۹] تاریخ دادم ازانش نام رسم الخط نہادم
چو مضراب قلم را باز کردم بگوناگون نواہا ساز کردم
بچنگم کاغذ از مسطر کشیدہ چو قانون آہ زو افغان برکشیدہ
چو آن سازو نوا از وی شنیدم برسم تحفہ پیش شہ کشیدم
تمامش ساختم بر نام شاہی کہ قدرش راست گردون پایہ گاہی .....
قضا روزی کہ ایجاد قلم کرد بنامش نامۂ شاہی رقم کرد
بصورت لالۂ باغی الٰہی بسیرت گوہر دریای شاہی
زمہر مرحمت تابان و انور سپہر سلطنت سلطان مظفر
برای نسخ شاہان کاتب غیب نوشتش چون خط بی نقطۂ عیب ....
نہال تازہ از باغ جوانی گلی از گلبن چنگیز خانی
زبستان کرم آزادہ سروی زگلزار ارم رعنا تذروی
زشاہی بر سر اخو[ا]ن مظفر زمجموع آمدہ چون تاج بر سر .....
گل بستان دولت را گلابی سپہر سلطنت را آفتابی .....
چو عاجز گشتم از مدح و ثنایش سخن را ختم کردم بر دعایش

---

[1] اصل: نقلش [2] ممکن ہے کہ مجنوں نے رسالہ ۹۰۹ میں مرتب کرلیا ہو پھر ۹۱۱ کے بعد یہ شعر اسمیں بڑھاکر اسکو مظفر کے نام پر معنون کیا ہو۔

خداوندا بذات بی مثالت بحق[1] حرمت جاه و جلالت
که دارش بر فراز تخت شاهی که گیرد از سفیدی تا سیاهی

یہ مظفر جس کے نام پر مجنون نے رسالہ رسم الخط کو تمام کیا ابوالمنصور مظفر حسین میرزا کورگان بن ابی الغازی سلطان حسین میرزا ہے جو باپ کے مرنے کے بعد اواخر ذی حجہ سنہ ۹۱۱ھ میں اپنے بڑے بھائی سلطان بدیع الزمان کی مشارکت سے ہرات میں تخت نشین اور سنہ ۹۱۳ھ میں فوت ہوا (حبیب السیر ۳: ۳ : ۳۵۱ و ۳۵۶)،
راقم حروف کے پاس ایک مختصر سا منثور رسالہ[2] "ناز و نیاز" ہے جس کا مصنف "مجنونِ رفیقی" ہے یعنی یہی مجنون بن محمود رفیقی، اس رسالہ کے دیباچہ میں مصنف کہتا ہے :

پوشیده نماند که سوزش و شورش عشق را مرتبۂ بسیار است و بهترین مراتب آنست که عاشق بمعشوق رقعۂ نیاز نویسد و معشوق عاشق نواز بعاشق نامۂ فرستد بنابران مکتوب چند انشا کرده شد از زبان معشوق و عاشق که عاشقان را بکار آید و معشوقان را فرحت افزاید . . . . چون مشتمل بر ناز معشوق و نیاز عاشق بود نامش **ناز و نیاز** نهادن لایق نمود امید آنست و مقصود چنان که در عین عنایت شهریار زمان و کامگار دوران نور حدیقۂ شهریاری نور حدقۂ جهانداری [که] بلبل زبان در قفس دهان بتعریف جمالش بدین نغمه می سراید و قمری جان بر شاخسار بیان بدین

---

[1] اصل: حرمت و۔ [2] ریو نے تذکرۂ خوشنویسان کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ رسالہ شاہزادہ سلطان مظفر کے لئے نظم ہوا مگر اس شاہزادے کی تعیین نہ صاحب تذکرہ نے کی ہے نہ ریو نے، نیز دیکھو حاشیہ ۲ ص ۵، [3] اوراق ۱۴ "تقطیع ۲/۱۴، ۵/۸ (تقریباً) سطور ۱۵، یہ رسالہ ۱۶ باب اور خاتمہ میں منقسم ہے،

ترانہ ترنم می نماید ؎

گل[1] بستان دولت را گلابی سپہر سلطنت را آفتابی

بہار تازہ از باغ جوانی گلی از گلبن چنگیز خانی

المظفر من عند اللّٰہ المنّان ابو المنصور سلطان[2] حسین کورگان خلد اللّٰہ ملکہ و سلطانہ

و افاض علی العالمین برّہ و احسانہ مقبول و مطبوع نماید'

غرض یہ کہ **رسالہ رسم الخط** اور **نازونیاز** دونو مجنون رفیقی نے سلطان حسین میرزا کے بیٹے مظفر کے نام پر مرتب کئے'

فخری مترجم مجالس النفائس ترکی نے اپنی کتاب تحفۃ الحبیب میں دو غزلیں مجنون رفیقی کی دی ہیں چونکہ یہ کتاب بہت کمیاب ہے اس لئے ہم ان غزلوں کو یہاں درج کرتے ہیں۔ پہلی غزل کا مطلع مجالس النفائس میں بھی دیا ہے اور اس ساری غزل کو صاحب بوستان خیال نے بھی نقل کیا ہے' **غزل اول**

مولانا مجنون رفیقی گوید ؎

بوعظ میروم و زار زار می گریم بدین بہانہ ز ہجران یار می گریم
برای آنک نداند کسی کہ از غم اوست فغان کنان بسر ہر مزار می گریم
بود کہ خلق ندانند[3] گریہای مرا نہان[4] ہمیشہ بشبہای تار می گریم
[غم[5] غریبی خود را بہانہ می سازم بدین بہانہ دمی آشکار می گریم]
چو رعد می کنم افغان چو برق می سوزم بآہ و نالہ چو ابر بہار می گریم
ز دست خلق چو مجنون ہمی روم از شہر بدشت و دامن ہر کوہسار می گریم

---

[1] ان اشعار کیلئے دیکھو ص ۱۳' [2] در تذکرہ خوشنویسان ص ۷۸، نامش محمد حسین مظفر بادشاہ است و در ص ۵۲ شاہزادہ سلطان مظفر [3] بوستان خیال: نہ بینند [4] بوستان خیال: ازان' [5] از روی بوستان خیال'

فخری نے اس کے بعد مولانا جلالی رفیقی کی غزل اسی زمین میں درج کی ہے اور کتاب میں دو تین غزلیں اسکی اور بھی دی ہیں' بظاہر یہ جلالی مجنون کا بھائی تھا'

مجنون کی دوسری غزل یہ ہے:

مولانا مجنون رفیقی گوید

هرکجا قصهٔ آن ابروی پرخم گذرد　　جای آنست که ذکرِ مهِ نو کم گذرد

تیرت از سینه گذر کرد و سنان تیز کنی　　هرچه کردی بگذشت آنچه کنی هم گذرد

گر از هم گذری نیست رقیبان ترا　　صبر دارم که مهم همه از هم گذرد

میرم از غم که مگر دید رخ خوب ترا　　هرکه از کوئی تو با خاطرِ خرم گذرد

جانب اہل وفا می گذرد یار بسی　　سوی مجنون ستمدیده ولی کم گذرد

اب ہم رسالہ خط و سواد کے باب دوم کا متن درج ذیل کرتے ہیں اور اس لمبی تمہید کے لئے قارئین کرام سے معذرت چاہتے ہیں'

چند باتیں اس مصنف کے متعلق حل طلب تھیں اور انکا طے کرنا ضروری تھا'

متن ذیل برٹش میوزیم کے اس نسخہ پر مبنی ہے۔ جس کا نمبر Add. 26139 A ہے اور جس کا حال فہرست ریو ص ۵۳۱ پر موجود ہے۔ مقابلہ کے لئے میرا ذاتی نسخہ استعمال میں آیا ہے جس پر تاریخ کتابت درج نہیں'

صفحات آینده کے حواشی میں '۲۹' سے مراد ہے محکمہ آثار قدیمہ کی یادداشت نمبر ۲۹ مرتبہ خانصاحب مولوی ظفر حسن صاحب مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۶ء

رسالۂ خط و سواد

باب دویم در ذکر استادان و مخترعان و مرتبۂ ایشان

بدانکه قدوة الاستاذین ابن مقلہ علیہ الرحمة والرضوان مخترع شش قلم است چنانچه مذکور شد و زبدة الکاتبین ابن بوّاب علیہ الرحمة و الغفران شاگرد ویست، وقبلة الکتّاب خواجه جمال الدین یاقوت علیہ الرحمة شاگرد ابن بوّابست اما به از هردو نوشت و اصول ابن مقله را نمود و صاف تر ازو نوشت،

نقل است که قلم ابن مقله و ابن بوّاب هردو جزم[1] بوده اما خواجه یاقوت شاه مردان[2] کرم الله وجهه را * در خواب دید که فرمودند قلم را محرّف کن[3] و محرف * قط بزن چون[4] چنان کرد خط او صاف تر شد، و خط او[5] (کہ) بر خط ابن مقله ترجیح می نهند نه از جهت اصول است بلکه از حیثیت صفت * (صفا؟) است و گرنه در اصول هردو برابر اند، و خواجه ارغون رضوان الله علیه شاگرد خواجه یاقوت است گاهی چنان[6] * تقلید او کرده که مردم فرق نکرد[7] ندی[8] و خواجه عبد[9] الله * ا صیرفی طیب الله مرقده صاف تر از خواجه یاقوت نوشت اما در اصول[10] باو * نرسید، اما مولانا (و) استاذنا[11] (و) مخدومنا المسمی بعبدالله الهروی المشتهر[12] بطبّاخ *

---

[1] ب: جزم (دو در بین السطور معنیش "بے نوک" نوشته است اما جزم ضد محرّف است چنانکه درین بیت مجنون ؎ نه جزم و نی محرف باشدش قط ولی خیر الامور افتاد اوسط (رسالۂ رسم الخط ورق ۷) نیز رک به لین (Lane.) بذیل جزم،

[2] آ: شاه مردان را کرم .... را، ب: شاه ولایت را [3] در ب ندارد [4] ب: بنابران،

[5] ب: او را که ..... کنند ... از جهت صافی [6] ب: آن چنان، [7] ب: نکرده اند [8] ب: وچون،

[9] ب: عبیدالله [10] ب: اصل، [11] کلمۂ استادنا را از روی ادب گفته است نه از روی حقیقت ازان روی که طباخ زیاده از صد سال پیش این مصنف فوت شده بود رک به ص ۲۵، [12] ب: المشهور بالاشهر

طاب الله ثراه و[۱] جعل الجنة مثواه* اصول خواجه یاقوت را[۲] با صفای خط خواجه عبدالله صیرفی جمع کرده نسخ ایشان را بسیاری از استادان به نسخ خواجه یاقوت* ترجیح کرده اند، اما خط تعلیق را خواجه تاج السلمانی علیه التحیة اختراع نموده، و هیچ مخترعی خط مخترع خود را به ازو ننوشته، (۱۲۴ ی)

و مولانا عبدالحی نوّر مرقده روشی دیگر[۲] نوشت و تا اکنون به ازو[۳] پیدا نشده

و خواجه میر علی تبریزی انار الله برهانه خط نسخ و[۴] تعلیق را اختراع نموده،

و مولانا جعفر قدس سره به ازو نوشت، لیکن[۳] مولانا اظهر رضی الله عنه در برابر مولانا جعفر حکم مولانا عبدالله صیرفی دارد نسبت بخواجه* یاقوت [یعنی][۴] اگرچه صاف تر از مولانا جعفر [۱۲۴] نوشته اما در اصول به[۵] او* نرسیده،

اما حضرت مخدومنا و استاذنا المشتهر بسلطان علی المشهدی[۶] سلمه الله و ابقاه و منّ الله علینا* بشرف بقائه[۷] و* بقاء شرفه الی یوم [الدین][۸] در برابر ایشان حکم مولانا عبدالله طباخ[۸] دارد نسبت بخواجه* یاقوت و خواجه عبدالله صیرفی یعنی هم اصول مولانا جعفر را نموده و هم[۹] صافی خواجه عبدالله صیرفی را،

---

۱ در ب ندارد، ۲ ب: از روی دیگری،

۳ ب: اما . . . اظهر رحمة الله علیه در برابر مولانا اظهر . . . نسبت خواجه، در آو آورده "بجای دارد"، ۴ از روی ب،

۵ ب: مشهدی علیه الرحمه ۶ از روی ب ۷ ب: سر

۸ آ: طباخ داده الخ، ب: نیز دارد و بخواجه ۹ آ: و هم صافی مولانا اظهر را، ب: و صافی خواجه عبدالله صیرفی ۹ ـ رک به تاریخ گزیده ص ۷۳۰، بذیل واقعات ۷۷۸ ه، و ذکر آل مظفر،

۲- اقتباس از خلاصۃ التواریخ (؟)

آغاز و انجام خط اصل

پروفیسر شیرانی کے کتاب خانہ میں تاریخ عمومی پر ایک فارسی کتاب ہے - جو شروع اور آخر سے ناقص ہے - ورق داغ سابق سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع کے سات ورق موجود نہیں ہیں' آخری ورق کا عدد ۳۰۱ ہے تقطیع ½۹ × ¼۷) سطور ۱۷ ' خط نستعلیق ' کتاب پر مصنف کا نام اب موجود نہیں ہے - مگر شیرانی صاحب فرماتے ہیں کہ انکے علم میں کتاب کی پشت پر خلاصۃ التواریخ نام لکھا تھا - مجھ کو اس نام کی صرف ایک کتاب معلوم ہے جو سجان رائے کی تصنیف ہے - مگر یہ کتاب اس سے بہت پہلے لکھی گئی ہے - فہارس برٹش میوزیم اکسفورڈ کیمبرج ایشیاٹک سوسائٹی بنگال وغیرہا کو دیکھا گیا - مگر اس کتاب کی تعیین نہیں ہو سکی '

مصنف نے بادشاہان آل عباس میں سے راضی باللہ کا حال لکھتے ہوئے ابن مقلہ کا ذکر کیا ہے اور وہاں ایک پوری فصل آغاز و انجام خط اصل کے عنوان سے دی ہے' اس فصل میں قاسم شاہ دلشاد کے متعلق یہ عبارت آئی ہے -

" وقاسم شاہ دلشاد نیز یکی از خوشنویسان عصراست وتا سنہ خمسین و

تسعمایہ در حیوۃ بودہ ۔۔۔۔ وشاگرد نیک او محمد حسین باخرزیست کہ بزعم بندہ او بہتر از قاسم شاہ دلشاد نوشتہ ۔۔۔ شعر او نہایت خوبست وشطرنج غایبانہ و حاضرانہ کسی بہتر از و نباخت وکمینہ بخدمتش رسیدہ بود الخ'

بظاہر مصنّف کی وفات دسویں صدی کے نصف آخر میں یا گیارھویں صدی کی ابتدا میں واقع ہوئی ہوگی،
اب پہلے اس کتاب کے مضامین کی مفصل فہرست دی جاتی ہے کہ وہ کسی اور صاحب کو شاید کتاب کی تعیین میں مدد دیسکے، اس کے بعد آغاز و انجام خط کی فصل کا متن درج کیا جاتا ہے

فہرست مضامین خلاصۃ التواریخ (؟)

[مقدمہ اوّل]

[فصل اول]

[ورق ۸]

[ورق ۲۰ ا] **فصل دوم** ذکر کیانیاں [ورق ۳۳ ب] **فصل سوم ساسانیان**

[۴۴ ب] **مقدمہ دویم** در ذکر جمعی کہ بعد از ظہور اسلام در ایران و توران متکفل حکم وفرمان بودہ اند وجمعی شرف اسلام دریافتہ اند وبعضی دیگر بی نصیب ومحروم ماندہ وآن بر چہار قسم است

قسم اوّل

در ذکر احوال حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم (و) چہار یار کبار رضی اللہ تعالے عنہ و باقی ائمہ معصومین وبعضی از انبیاء مرسل و باقی سلاطین ساسانی واین قسم منحصر بر دو مقالہ و یک داستان راست)،

مقدمهٔ اول در ذکر احوال خلاصهٔ (بنی) آدم سید ابرار و چهار یار کبار و اولاد و اصحاب اطهار

[۵۰ و] مجمل احوال بعضی از پیغمبران مرسل و غیر مرسل

[۷۱ و] داستان تتمهٔ احوال بعضی از ساسانیان که بعد از ظهور اسلام و بعد از تولد رسول الثقلین......

[۷۴ و] [قسم دوم ؟] احوال بنی امیه و بنی عباس و جمعی که در ایام ایشان حکومت کرده اند و کنیت گرفته (کذا) منحصر بسه مقاله

[۷۴ ب] مقالهٔ اول در ذکر بنی امیه و تسلط و تغلب آن طایفه

[۸۱ و] مقاله دویم در کیفیت احوال بنی عباس و تسلط آن طایفه

[۹۲ ب] آغاز و انجام خط

[۱۰۱ ب] مقاله سوم ذکر احوال سلاطین که معاصر بنی امیه و بنی عباس بوده اند ‘ . . . . یازده طایفه اند ‘

طایفهٔ اول طاهریان [۱۰۲ و] طایفه دوم صفاریان

[۱۰۴ ب] طایفهٔ سیوم سامانیان [۱۰۸ و] طایفهٔ چهارم غزنویان

[۱۱۴ ب] طایفهٔ پنجم غوریان [۱۱۶ و] طایفهٔ ششم در ذکر آل بویه

[۱۲۰ و] طایفهٔ هفتم سلجوقیان [۱۳۷ و] طایفهٔ هشتم خوارزمشاهیان

[۱۴۵ و] طایفهٔ نهم اتابکان این طایفه بر دو شعبه اند

شعبهٔ اول در فارس [۱۴۸ و] شعبهٔ دویم در عراق و آذربیجان

[۱۴۹ و] طایفهٔ دهم اسمعیلیه [۱۵۱ و] طایفهٔ یازدهم سلاطین قراختای

قسم سیوم

[۱۵۲ / ا]

احوال چنگیز خان و اولاد او (و) جمعی دیگر که در زمان او در هر ملک و مملکت حکومت کرده اند و شرح حال سلطان سلاطین آفاق امیر تیمور کورگان و نژاد او و اولاد و اتباع (او) واین برسی [سه] باب است . . . .

باب اول - احوال چنگیز خان و اولاد

[۲۲۰ ب] " دوم در ذکر حال جمعی که در ایام اولاد سلاطین چنگیز خانی [در هر ملک و مملکت حکومت کرده اند و شرح حال . . . .] امیر تیمور کورگان و شاهرخ بهادر که پنج فصل است ،

فصل اول چوپانیان [۲۲۲ ب] فصل دویم ، در احوال ایلکانیان

[۲۲۹ ب] فصل سویم در ذکر شیخ ابواسحق اینجو و آل مظفر [۲۳۷ ب] فصل چهارم در احوال ملوک کرت [۲۴۱ ب] فصل پنجم سربداران ،

[۲۴۳ ا] باب سیوم احوال خسرو صاحبقران سلطان زمین و زمان فرمان فرمای دوران شهنشاه گیتی ستان کدخدای جهان امیر تیمور کورگان و اولاد و احفاد آن باعث امن و امان تا نهایت حال سلطان باجود و احسان سلطان حسین میرزاء بایقرا و فرزندان بے دولت و سامان،

قسم چهارم

[۳۰۰ ب] احوال قراقوینلو و آق قوینلو، آن بر دو فصل است

فصل اول : قراقوینلو [ناتمام]

(۹۲ب) # آغاز و انجام خط اصل

خطوط[1] از[2] ایام افرینش الی یومنا دوازده نوع است: عربی یونانی حمیری فارسی سریانی عبرانی قبطی بربری وندلسی دکنا ہندی و چینی حضرت امیرالمومنین علی رض خط کوفی پیدا کردند و علامت آن خط آنکه سر الف و سرهای لام که از قلم ایشان [۹۳ا] بیرون آمده سرهای آن شگاف دارد، و بیاضی نازک نمایان، که هیچکس را قدرت آن نیست که یکی اینچنین بیرون آورد، و خط معقلی نیز از ایشانست، سلطان[3] علی مشهدی گفته:

سند علم خط بحسن عمل — بس بود مرتضی علی ز اول
زانکه هم اوست در تمام علوم — علما را بعلم امام علوم
وین همه علمها امیر بحلم — کسب فرموده از مدینهٔ علم
غرض مرتضی علی از خط — نه همین لفظ و حرف بود و نقط
بل اصول و صفا و خوبی بود — زان اشارت بحسن خط فرمود
خط که[4] فرموده است نصف العلم — سرور انبیا بعلم و بحلم
آنچنان خط کجاست حد بشر — قلم دیگراست و دست دگر
قلم پاک آن رفیع جناب — خورده از جویبار جنت آب
دست درپاش او خزانهٔ رزق[5] — خامهٔ او کلید خانهٔ رزق[6]

---

[1] در ابتدا جملهٔ ممسوحی نوشته است که مطابق اصل نقل کرده می شود: من قبل الکتاب ابن مقله شاید من قبل استاذ الکتاب" التحرير یعنی تاریخ خط اصل از عهد ابن مقله [2] اصل: در [3] یعنی در رسالهٔ منظوم او در آداب خط که مشهور است رک به اورینٹل کالج میگزین ۱۰ مئی ۱۹۳۴ء ص ۱۶۳ [4] اصل: که خط [5] علم [6] بجای رزق در نسخهٔ خطی که من دارم،

از مدادش چه گویم و ز دوات　　آب حیوان نهفته در ظلمات[1]
نشوی غافل از بنی هاشم　　وز ید الله فوق ایدیهم[1]
چه قلم بود یا رب آن وچه دست　　قلم اینجا رسید و سر بشکست

ابن مقله[2] که وزیر الراضی بالله بود خط ثلث و نسخ از کوفی استنباط نمود چون دستش را بریدند بدخترش تعلیم داد و دختر با بن البوّاب[3] و ابن البوّاب خط ریحان و محقق از خود وضع کرد چون نوبت بیاقوت رسید خط توقیع و رقاع ازین خطوط پیدا کرد و بشش خط رسید و بتراکب نوشت [سه]

دلبر من شش قلم خط می نویسد بی نزاع　　ثلث و ریحان و محقق نسخ و توقیع و رقاع

این یاقوت در زمان مستعصم خلیفهٔ عباسی بوده و غلام یکی از خلفا بوده و هر روز دو جزو قرآنی کتابت مصحف می کرده و هفتاد بیت عربی جهت خلیفه مقرری داشته وسی بیت جهت وزیر و نود کس را سرخط می داده و بغایت سریع الکتابت بوده و هر مصحف که نوشته قید کرده که مصحف چندین است سیصد و شصت و چهار آنها را مولف این نسخه بخط او دیده، معمر بوده، سن او از نود متجاوز بوده است و علینک نهاده، وفاتش در زمان سلطان غازان[4] در ست و تسعین و ستمایه،

از شاگردان او شش کس مسلم اند و ایشان را استادان ستّه می گویند، در بعضی قطعه ها که خود نوشته اند اسم یاقوت را نوشته اند

(۱) شیخ زاده سهروردی　　(۲) ارغون کابلی[5]

---

[1] بعوض زیادات دارد در نسخهٔ خطی من، [2] المتوفی ۳۲۶ سنه (مرآة العالم)، [3] المتوفی ۴۲۰ سنه یا ۴۱۳ سنه مجالس المومنین ص ۴۵۶) [4] از ۶۹۴ تا ۷۰۳، [5] اصل: کامل، مرآة العالم: کابلی،

[۳] نصرالله[1] طبیب* [۴] مبارک شاه زرین قلم

[۵] میر[2] یحیی صوفی [۶] یوسف[3] مشهدی

و بعد از ایشان استادان دیگر پیدا شدند که مشهور ایشان عبدالله صیرفی است، در زمان سلطان ابو[4]سعید خان و امیر[5] چوپان سلدوز بوده و عمارت استاد[6] و شاگرد* که در تبریز است کتابه صیرفی نوشته، و این صیرفی شاگرد سید حیدر جلی نویس است، و از شاگردان صیرفی آنچه مشهور شدند حاجی محمد بند دوز و معین الدین تبریزی و شمس الدین محمد مشرقی است،

و در ایام شاهرخ[7] میرزا عبدالله طباخ[8] در خراسان نمو کرد و او را اهل خراسان بخیال غلط بهتر از یاقوت می دانند، بهر حال نسخ او لطافتی و نزاکتی دارد، اما ثلث او بسیار کلاغ پاست، و بخط محقق می ماند، و آن مقدار فرق نمی توان کرد، و ملا جعفر و عبدالحق سبزواری و میرزا بایسنغر ولد مرزا شاهرخ و ملا جعفر نیز استاد ند و بغایت لطیف نوشته اند، علی الخصوص میرزا بایسنغر و مولانا پیر محمد در شیراز نشو و نما کرد او هم درین عصر بود و بروش یاقوت نوشت، و میرزا[9] ابراهیم ولد میرزا شاهرخ شاگرد اوست و بغایت کتابه نویس خوب بوده[10]، از جملهٔ

---

[1] بلاخمن (ترجمه آئین) ص ۱۰۰: حیدر گنده نویس (بجای نصرالله) مرآة العالم: سید حیدر [2] اصل: پیر [3] بلاخمن و مرآة العالم: یوسف شاه (بجای یوسف) [4] ۷۱۶ تا ۷۳۶، [5] المتوفی ۷۲۸ھ (حبیب السیر ۳: ۱: ۱۲۱)

[6] این مسجدی بود از بنای حسن کوچک چوپانی (م. ۷۴۱) رک به انسائکلوپیڈیا آف اسلام بذیل تبریز ص ۵۹۲ عمود ب، [7] ۸۰۷ تا ۸۵۰، [8] المتوفی ۸۳۷ھ [9] المتوفی ۸۳۸ھ

[10] یعنی میرزا ابراهیم،

خوش طبعی بخدمت میرزا شاهرخ از شیراز آمد و ماوراءالنهری[۱] بود، احوال پسرش سلطان ابراهیم ازو پرسید، بتقریبات گفت در زمان او عمارات عالی کاشی کار[۲] بسیار* اتمام یافت و کتابه میرزا نوشته و بر در و دیوار "کتبه مرزا ابراهیم" نوشته، مدعا از تجنیس (ورق ۹۴) "کتبه" است، (ورق ۹۴)

و بعد از خطوط اصل خط نستعلیق است که اکنون جمیع خطوط را منسوخ ساخته و واضع میر علی تبریزی است، شعر[۳] سلطان علی مشهدی ؎

نسخ تعلیق گر خفی و جلی ست — واضع الاصل خواجه میر علی ست[۴]
تا که بود است عالم (و) آدم — هرگز این خط نبوده در عالم
وضع فرموده او ز ذهن دقیق — از خط نسخ و از خط تعلیق[۵]
نی کلکش ازان شکرریز است — کاصلش از خاک پاک تبریز است
نکنی نفی او ز نادانی — بی[۶] ولایت* نبوده تا دانی[۷]
کاتبانی که کنه وز[۸] نویند* — خوشه چینان خرمن اوییند
بد معاصر بمجمع الافضال — شیخ شیرین مقال شیخ کمال[۹]

---

۱ اصل: ماوراءالنهری ۲ اصل: بسیارکار، تصحیح قیاسی است ۳ اشاره است به رسالهٔ منظوم سلطان علی که ذکرش سابقاً هم آمده، ۴ بعدش زیادتی دارد ۵ در نسخهٔ خطی من ۶ نسخهٔ خطی رساله: بولایت (که تصحیف است) ۷ در نسخهٔ خطی من بعدش این شعر است: بدمعاصر الخ ۸ اصل: وزنوند ۹ مراد سلطان علی از کمال خجندی متوفی ۸۰۳ھ است ازانکه بعدش می‌گوید ؎ آنکه شعرش چو میوه‌های خجند — هست شیرین‌تر از نبات و ز قند

در کتابخانهٔ موزهٔ برطانیه نسخهٔ از مثنویات ثلاثهٔ خواجوی کرمانی (همای و همایون و کمال‌نامه و روضة الانوار) موجود است که در بغداد نوشته شد در ۷۹۸ھ و کاتب مذکور نام خود را "میر علی بن الیاس التبریزی الباورچی" نوشته است و نقل عکسی او در کتابخانهٔ کلیهٔ پنجاب موجود است (نیز رک به عکس نمره ۱،

میر علی تعلیم به پسرش عبدالله داد و عبدالله را صورت خط آن چنان نبود که شهرت یابد، مولانا جعفر را تعلیم کرد، و اظهر[1] پیش جعفر خط نوشت و اظهر من الشمس شد تا آنکه مولانا سلطان[2] علی مشهدی بشاگردی او رفت و در خط نستعلیق وحید زمان و یگانهٔ دوران گشت چنانچه می گوید ؎

از جوانی بدی بخط میلم — عشق خط راند[3] از مژه سیلم
بر سر کوی کم قدم زدمی — تا توانستمی قلم زدمی
گه[4] ز انگشتها قلم کرده — بخیالی خطی رقم کرده[5]
از قضا میر مفلسی[6] روزی — پیشم آمد بسان دلسوزی
قلم و کاغذ و دواتم جست — بیت و نه حرف راز حرف نخست
بنوشت و روان بدستم داد — شدم از التفات او دلشاد
زانکه ابدال بود و صاحب حال — گشته حالش مبدل الاحوال
زین سبب عشق خط زیاده شدم — دل گرفتار مرد ساده شدم[7]
نیت روزهٔ علی کردم — قلم مشق را جلی کردم
در خیال این که کار بگشاید — شه بخوابم جمال بنماید
تا شبی خواب دیدم از ره دید — که خطم دید و خامه ام بخشید
خواب را مختصر نمودم باز — قصهٔ خواب هست دور و دراز
بیش ازین از سخن نیارم گفت — که ندارم مجال گفت و شنفت

---

[1] اصل: اطهر [2] ترجمه اش را در حبیب السیر ۳ : ۴ ؛ ۳۴۴ هم دارد [3] نسخهٔ خطی رساله: راندی، [4] در نسخهٔ خطی رساله بجای این بیت دیگر را دارد، [5] بعدش در نسخهٔ خطی رساله سیزده بیت زاید را دارد، [6] رک به لطایف نامهٔ فخری ص ۵۷،

بندہ سلطان علی غلام علی ست   شهرت خط او ز نام علی ست

شاگردان او ملا سلطان محمد خندان[۱]، و سلطان محمد نور و سلطان محمد ابریشمی و زین الدین محمود است، و خندان بهترین این چهار کس است،

اما زین الدین محمود شاگردی رسانید میر علی نام که اعجوبهٔ زمان گشت که اکثر خلایق او را [از استاد ؟] بهتر می دانند و فی الواقع از روی انصاف جلی و اوسط او بمراتب بهتر است اما در خفی و کتابت حضرت مولوی سرآمد [۱] ند،

و قاسم شاه دلشاد[۲] نیز یکی از خوشنویسان عصر است و تا سنه ۹۵۰ در حیات بوده اما قلم در دست و قلمتراش در مشت داشت و هر روز پنج بیت می نوشت، و شاگرد نیک او محمد حسین باخرزی ست که بزعم بنده او بهتر از قاسم شاه دلشاد نوشته، و اصلش از باخرز است و بانواع فضایل و کمالات آراسته، از جمله شعر او بغایت خوب است و شطرنج غایبانه و حاضرانه کسی بهتر از و نه باخت و کمینه بخدمتش رسیده بود و این فضایل او را از خط و شعر و اختلاط خود تمیز کرده تصدیق می کند، این شعر از وست ؎

خوش آن کز آتش دل شعله در پیراهنم گیرد   که نتواند دگر خار ملامت دامنم گیرد

رباعی

یارب غم دوری ضروری تا کی   با درد و غم هجر صبوری تا کی
هستیم ز تو دور و بدرون نزدیک   نزدیک بمردنیم دوری تا کی

---

[۱] رک به حبیب السیر ۳ : ۳ : ۳۵ [۲] در حبیب السیر ۳ : ۳ : ۳۵۰ ذکری از مولانا سلطان محمد بن مولانا نور الله استاد نسخ تعلیق آورده است که غالباً مراد از همین کاتب است پس میان سلطان محمد و نور اضافت ابنی است،

[۳] نامش در تاریخ رشیدی (اورینٹل کالج میگزین ماه مئی سنه ۱۹۳۲ء) ص ۱۶۵ قاسم شادی شاه است و غالباً همان صواب است، در آئین اکبری او را محمد قاسم شادی شاه نوشته است (بلاخمن ص ۱۰۲) .

ونسخ و تعلیق که اہل عراق نوشتہ چیزی نیست، از جملہ انیسی کہ عبدالرحیم نام دارد، (واز) خوشنویسان عراق است، و در زمان یعقوب میرزا بوده و بااین خوشنویسان که گذشت معاصر بوده، و برادرش عبدالکریم نیز بدستور انیسی نوشت و نمک خط درخطوط برادران نیست،

درین زمان ملا شاه محمود نیشاپوری[1] خفی نویس[2] * بے مثل و مانند است و کتابت او بہتر از کتابت این جماعت است که مذکور شده و ملا عبدی[3] نیشاپوری [ورق ۹۵] که استاد ملا شاه محمود است و ملا رستم علی[4] و مولانا دوست[5] که ہردو (ورق ۹۵) از خراسانند و قرینهٔ یکدیگر بودند و مولانا مالک[6] قزوینی درین آخر ترقی کرد که او بہتر از رستم علی و ملا دوست است و سید احمد[7] شمع ریز مشہدی شاگرد مولانا میرعلی ست، و اکنون ازین جماعت ہمین اوست،

و خط تعلیق که در قدیم نوشته اند اصلا لطافتی و نزاکتی نداشته تاآنکه تاج سلمانی پیدا شد و بنزاکت و رعنائی نوشت، و خواجہ عبدالحی در زمان سلطان[8] ابوسعید ثانی کورگانی پیدا شد و تعلیق را بغایت لطیف نوشت و مولانا شیخ محمد[9] ملتمر(؟) قزوینی شاگرد اوست و خوب رسانید (کذا)، چنانچه بارہا با او دعوی کرده و فضولی نموده، و مولانا[10]

---

[1] برای این ہا رک بہ عالم آرای عباسی ص ۱۲۴ کہ بقولش ایشان از ان جملہ بودند کہ در زمان شاہ طہماسپ جہان فانی را پدرود کردہ بودند، [2] اصل : کہ خفی نویس [3] بقول اسکندر منشی او خواہرزادهٔ استاد بہزاد مصور بود [4] رک بہ عالم آرای عباسی ص ۱۲۵ س ۲۱، [5] رک بہ عالم آرای عباسی ص ۱۲۴، [6] دولت شاہ ص ۴۱۲، [7] ص ۸۵۵ تا ۸۶۲، [8] ابوالفضل ذکری از "محمد قزوینی" می کند (بلاخمن ص ۱۰۱) [9] منشی ؟ [10] ترجمہ آئین اکبری (بلاخمن ص ۱۰۱)

ادریس نیز شاگرد اوست اما در خراسان مولانا درویش[1] عبدالله در زمان حسین مرزا در تعلیق نویسی سرآمد روزگار گشت و بغایت نازک و رعنا و پیچان و نمکی نوشت و بدو مسلّم است، و شاگردان او میر منصور[2] منشی و خواجه جان [اختیار؟] است

وخط سیاق را شمس سیاق پیدا کرد و او از فارس است، و در زمان دیالمه وزیر بوده و قواعد حساب از و مانده، اما شکسته تعلیق را واضع عبدالحمید بن یحیی[1] فارسی است و وزیر عبدالملک مروان بوده،

خط شکسته تعلیق و قواعد سیاق و بعضی دخلهای ضروری در ایام پادشاه اسمعیل[4] صفوی کردند و خط سیاق و شکسته تعلیق و قواعد آن بی قصور استحکام یافت،

و خواجه[5] محمود هروی ولد خواجه اسحق سیاوشانی است که از هرات بولایت سمرقند و بخارا افتاده و درانجا نشو و نما کرده و شاگرد قرار داده مولانا میر علی است و همه کس را سخن آنست که او بهتر از امیر علی است و شعر میر علی که در باب خواجه محمود گفته این است :

خواجه[6] محمود آنکه یک چندی ‌‌ ‌‌ بود شاگرد این فقیر حقیر
بهر تعلیم او دلم خون شد ‌‌ ‌‌ تا خطش یافت صورت تحریر
در حق او نرفته تقصیری ‌‌ ‌‌ لیک[7] او هم نمی کند تقصیر
هر چه خود می نویسد از بد و نیک ‌‌ ‌‌ همه[8] را می کند* بنام فقیر

---

[1] بظاهر ویست ملا درویش که مترجم است در مرآة العالم، و ذکرش در عالم آرای ص ۱۲۹ چند بار آمده است
[2] در عالم آرای عباسی (ص ۱۲۶) نامش "خواجه علاء الدین منصور منشی" نوشته است و در ص ۱۲۳ او را کرهرودی خوانده [3] ۹۰۷ تا ۹۳۰ [4] رک به عالم آرای عباسی ص ۱۲۴، [5] عالم آرای عباسی ص ۱۲۴ [6] عالم آرای : گرچه [7] عالم آرای : می کند جمله را ،

۳- اقتباس از مرآۃ العالم

منسوب بہ بختاور خان (متوفی ۱۰۹۶ھ)

مرآۃ العالم کا مفصل حال نومبر ۱۹۲۸ء کے رسالہ میں آچکا ہے، اس لئے یہاں مزید تفصیل دینے کی ضرورت نہیں - یہ کتاب جو ۱۰۷۸ھ میں تصنیف ہوئی اور تاریخ عالم پر مشتمل ہے -علاوہ مقدمہ اور خاتمہ کے آٹھ حصوں میں منقسم ہے، پہلے سات حصوں میں سے ہر ایک کا نام آرائش اور آٹھویں حصے کا نام افزایش رکھا گیا ہے اس افزایش کے تین حصے ہیں اور ہر حصے کا نام نمود ہے -پہلی نمود کو جس میں خطاطوں کا ذکر ہے - ذیل میں مرتب کرکے شایع کیا جاتا ہے،

۱۱۵۴ھ میں خوشحال چند بن جیون رام کایتھ نے اپنی کتاب تاریخ محمد شاہی عرف نادر الزمانی مرتب کی اور اس میں خطاطوں کا ذکر مرآۃ العالم سے لیکر باختصار درج کیا، یہ بات مرآۃ العالم اور محمد شاہی کے مقابلہ سے بالکل واضح ہوجاتی ہے، پنجاب پبلک لائبریری میں محمد شاہی کا نسخہ ہے اس سے ۱۹۲۶ء میں راقم الحروف نے خطاطوں کا تذکرہ نقل کیا، اسوقت جب مرآۃ العالم سے اسکو ملاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ خوشحال چند نے مرآۃ العالم کی بعض عبارتوں کو حذف کردیا ہے اور بعض جگہ عبارت کا خلاصہ حتی الوسع مرآۃ العالم ہی کے الفاظ میں بیان کردیا اور اپنی طرف سے سارے بیان میں چند الفاظ کے سوا کچھ اضافہ نہیں کیا صرف آخر میں چند سطریں اپنے استاد عزیز خاں کے حال میں درج کردی ہیں، مرآۃ العالم کا جو اقتباس درج ذیل ہے - اس کا محمد شاہی کے ساتھ مقابلہ کرکے

بعد کمی بیشی کی سب صورتوں کو حواشی میں دکھایا گیا ہے جن سے خطاطوں کے بارے میں دونو کتابوں کے ابواب کا باہمی تعلق واضح ہوتا ہے '

۱۲۱۸ھ میں عبدالرحمان مخاطب بہ شاہنواز خان ہاشمی بنیانی ثم الدہلوی نے مرآۃ آفتاب نما لکھی اس میں بھی " ایجاد خطوط و احوال خطاطان" کے عنوان سے ایک فصل دی ہے 'پنجاب یونیورسٹی کے کتابخانہ میں اس کتاب کا ایک نسخہ ہے' فصل مذکور اس نسخہ سے مطالعہ کی تو معلوم ہوا کہ شاہنواز خان نے بھی مرآۃ العالم کی ہی عبارتوں کو اکثر بجنسہٖ نقل کر لیا ہے اور کہیں کہیں اختصار کرکے اور ترتیب بدل کر انہی معلومات کو جو صاحب مرآۃ العالم نے جمع کئے تھے دوبارہ پیش کر دیا ہے ' اور بہت کم ان میں اضافہ کیا ہے۔

اب مرآۃ العالم سے لیکر احوال خطاطوں کا پیش کیا جاتا ہے۔ جس نسخہ سے یہ اقتباس لیا گیا ہے وہ ۱۲۳۹ھ میں نواب حسام الدولہ بہادر کے لئے نقل ہوا اور اب پروفیسر محمود شیرانی کے کتابخانے میں موجود ہے ' ورق ۳۴۳ ۵ ' تقطیع کلاں ۱۰" × ۶½" قریباً، سطور ۱۹، خط نستعلیق

مغل بادشاہوں کا ذکر جہاں جہاں اس کتاب میں آیا ہے وہاں مصنّف نے انکے نام کی بجائے القاب ذیل استعمال کئے ہیں :-

بابر بادشاہ کی بجائے	حضرت فردوس مکانی
ہمایون " " "	جنت آشیانی
اکبر " " "	عرش آشیانی
جہانگیر " " "	جنت مکانی
شاہجہان " "	فردوس آشیانی

عالمگیر کو "بادشاہ خدا آگاہ" اور اسکے زمانے کو "عہد سعادت مہد" کہا گیا ہے '

اقتباس از مرآة العالم

افزایش محتوی بر سه نمود

نمود اول در ذکر خطّاطان

ورق . . . . و در سوالف ایام خط مشهور و رایج میان عرب معقلی بود پس[1] ازان خط کوفی استخراج کردند و این[2] خط (که) حالا در ممالک عرب و غیر آن متعارفست جمعی * با میر المومنین علی کرم الله وجهه نسبت کنند و[3] گویند از فواید آنحضرت است که با عبدالله بن عباس رض هنگام تعلیم فرمود : یا عبدالله وسّع ما بین السطور و اجمع ما بین الحروف و ارع المناسبة فی صُوَرها واعط کل حرف حقها * و بعضی از مبتدعات ابن مقله می دانند[4] و آنچه در عربستان و ایران و توران و روم و هندوستان میان[3] دانشوران * مشهور است و[4] بر صحیفهٔ بیان اسامی آن ها مثبت و مذکور * هشت خط است بدین[3] تفصیل * ثلث توقیع محقق نسخ ریحان رقاع تعلیق نستعلیق[5]،

و بعضی از دانایان این فن شش خط اول از مخترعات ابن مقله بشمارند و میگویند این دیده ور دانش آموز بفروغ دیده وری از خط معقلی و کوفی و غیر آن استنباط و اختراع نموده هر حرفی را طرز نیکو و وضع خاص قرار داده و هر نوشته که موافق آن طرز و مطابق آن روش باشد آنرا خط خوب گویند، و باعتقاد جمعی خط نسخ را یاقوت مستعصمی ابداع نموده و طایفهٔ برانند که چون یاقوت آن خط را بکمال رسانیده بود با او نسبت کردند، و خط تعلیق را که از

---

[1] محمد شاهی : که، [2] محمد شاهی : و جمعی آن را، [3] در محمد شاهی ندارد، [4] در محمد شاهی افزوده : که احوال آن در مقالهٔ اول گذشت، [5] از نستعلیق تا اعتقاد دارند را در محمد شاهی ندارد، در اصل "دیده و دانش اموز" دارد بجای "دیده ور دانش آموز"، صاحب مرآت آفتاب نما بعد س ۱۰ افزوده که تاریخ اختراع این خطوط سیصد و ده هجری بود و بعد ذکر ابداع خط نسخ ذکر تناسب و دور و سطح در انواع خطوط کرده مثل ابوالفضل،

رقاع و توقیع مستنبط شده جماعتی از مستخرجات خواجه تاج الدین سلمانی که در هر شش خط مهارت تمام داشت و در فن کتابت و انشا عَلَمِ امتیاز می افراشت می شمارند و برخی بخلاف آن اعتقاد دارند[1]، خط نستعلیق که از نسخ و تعلیق ترکیب یافته اکثری از مخترعات خواجه میرعلی تبریزی که در زمان صاحبقران امیر تیمور کورکان بخوشنویسی شهرهٔ آفاق و در صنعت کتابت یگانهٔ خراسان و عراق بود می دانند (کذا) و نستعلیق در اصل نسخ و تعلیق [بود] بکثرت استعمال نستعلیق شده،

و معلوم رقوم خوانان تختهٔ آگهی است که هیچ یک از مستخبران خبیر و تاریخ دانان روشن ضمیر متصدی ذکر خطاطان نشده و مذکور این جادو رقمان که بخامهٔ سحرساز نگه ربای دیده وران فضیلت گستر و بقلم مانی رقم نظرفریب دانایان هنرپرور آمده در مولفات خویش ذکر نکرده، و در بعضی کتب که ذکر چندی ازان فرقه بطریق اجمال [آمده است] متفرقه و پراگنده مرقوم است و احوال اکثری که در عهد خود نوبت خوشنویسی نواخته ولوای شهرت وعَلَم بلند آوازگی افراخته اند در هیچ کتاب مذکور نگشته و جامع این اوراق پریشان المستعان بفضل الرحمان بختاور خان بتفحص تمام و تصفح مالاکلام برخی از احوال خطاطان که باین صنعت شگرف جلابخش دیدهٔ دیده وری و رونق افزای بازار هنرپروری اند مطلع شده درین شگرف نامه مذکور ساخت و از درازی سخن وطول کلام اندیشیده بمجرد تحریر اسامی بعضی اکتفا نموده[2] که این قلیل الفرصت باوجود کثرت مشاغل چقدر کوشش و جهد بکار برده و چندین کتب متقدمین و متاخرین جلوه گاه ظهور نظر تفحص بوده ؎

آن را[3]* که ز شهر آشنائی ست　　داند که متاع ما کجائی ست

و منه التوفیق و هو یهدی الی سواء الطریق *

---

[1] در محمد شاهی ندارد، آنچه میان قلابین نوشته شده است قیاساً افزوده شد، [2] در اصل بافصل نوشته است اما ظاهر است که جملهٔ ادبیا افتاده، [3] اصل: آنکس، تصحیح قیاسی است،

ابن مقله

و هو ابو علی محمد بن علی بن حسن[1] بن مقله

از علمای اعلام و وزرای عظام بود و در ایام دولت و آوان کامرانی نسبت بعلما وفضلا سلوک طریق رعایت می پیمود در سنه سیصد و ده بفروغ دیده وری خطی که از مشاهدهٔ آن بصر بصیرت جلا یافتی در سلک اختراع منظم گردانید و بخامهٔ سحرکار مانی[2] نگار خط نسخ بر خطوط خطاطان جهان و کتّاب آفاق کشید و بقول اکثری از هشت خط مشهور شش خط از مخترعات اوست، و در سن سیصد و بیست بوزارت مقتدر بالله که هژدهم از خلفای عباسی است کامیاب شده رایت اقتدار برافراشت، بعد از قتل مقتدر قاهر عباسی نیز او را یکچند وزیر و مشیر گردانید و پس از خلع قاهر راضی عباسی او را بوزارت برگزید و او مثالی از زبان خلیفه[3] بحکم ما کافی نوشته * او را ببغداد طلبداشت ابن[4] رائق[5] که درانوقت امیر الامرا بود مکتوب مزوّر را بگرفت و چون خلیفه بطلب او راضی نبود ابن مقله را مواخذه کرد، ابن مقله برشین[6] انکار نموده چون مکتوب ظاهر شد ملزم گشت و راضی در سن سی صد و

---

[1] وفیات (ج ۲ ص ۶۱) : الحسین ' وفیات اور مرآة العالم کے بیانات اور تاریخوں میں باہمی اختلاف ہے ' محمد شاہی میں ابن مقله کا ترجمه یوں دیا ہے : " منقولست که (ابن) مقله وزیر اعظم مقتدر بالله هژدهم خلفای عباسی بود که خلیفه نادانسته و ناتحقیق کرده به تهمت کتوبی مزور ملزم ساخته درسنه سی صد و بیست وستش ببرید و عاقبت پشیمان گشت و ابن مقله پس ازان قلم را بر ساعد بسته کتابت می کرد و این از عداوت (ابن) رائق که رائق و فاتق مهمات خلیفه بود درمجلس برد و از غرایب ابن مقله آنکه او وزیر سه خلیفه شد و در مدت عمر سه مصحف مجید نوشت و او را سه بار سفر اتفاق افتاد و پس از وفات سه بار مدفون شد والله اعلم بالصواب ' [2] اصل : معنی ' مرآة آفتاب نما : مانی (بجای معنی)

[3] اصل : بحکم ماکافی ' مرآة آفتاب نما : بحکم ماکانی [4] اصل : ابن رافی [5] مرآة آفتاب نما : برابن

بیت و شش دستش ببرید[1]، و در بعضی از مولفات[2] علمای نحریر بنظر این حقیر رسیده که خلیفه بعد از قطع ید ابن مقله بغایت پشیمان گشت و بر التیام جراحات او ہمت گماشت و اطبا را بمداوای ریش دست او (ورق ۴۹ب) مامور ساخت و ابن مقله پس ازان قلم را ۴۹
بر ساعد بسته کتابت میکرد و بکنایت از خلیفه وزارت میخواست، و ابن[2] رایق راتق و فاتق مهمات خلیفه بود و با ابن مقله عداوت داشت بر ارادهٔ او مطلع گردیده زبانش نیز ببرید[3] و در حبس کشید، و در سنه[4] سیصد و بیست و هفت* وران حبس[5] عمرش بپایان رسید، و از غرایب ابن مقله که بعضی از مورخان مرقوم قلم غرابت رقم گردانیده اند آنکه او وزیر سه خلیفه شد و در مدت عمر سه[6] مصحف مجید نوشت و او را سه بار اتفاق سفر افتاد و پس از وفات سه[6] بار مدفون شد،

ابو الحسن علی بن ہلال المشہور بابن بوّاب[7]

در[8] زمان القادر بالله عباسی که بیست و پنجم خلیفه است نقوش امتیاز بر صحیفهٔ روزگار می نگاشت و* ہر شش خط را که ثلث و توقیع و محقق و نسخ و ریحان و رقاع باشد بقسمی[9] نوشت که مزیدی بران متصور نباشد و بروایت اکثری در سنه چہار صد و سیزده رقم وجود او از جریدهٔ حیات بکزلک ممات سترده شد*،

---

۱ دیکھو وفیات ۲ : ۶۱   ۲ اصل: این   ۳ وفیات میں ہے کہ ابن مقلہ کی زبان حکم نے کٹوائی جو منسوبان ابن رائق سے تھا   ۴ وفیات میں ۳۲۸ھ ہے،

۵ مرآۃ آفتاب نما: محبس   ۶ مرآۃ آفتاب نما: سیصد (!) وفیات میں صرف دو کا ذکر ہے

۷ اصل: نواب   ۸ در محمد شاہی ندارد،

۹ محمد شاہی: خوب نوشت و بعد ازان،

یاقوت خطاط[1]

درسلک غلامان[2] و[3] خدام* مستعصم که سی وهفتم از خلفای عباسی است[4] انتظام داشت و[5] باعتقاد برخی از اہل تاریخ خط نسخ را او ابداع نمود و ہر شش خط که اسامی آن سبق ذکر یافته خوب نوشت و بمرتبهٔ* کمال رسانید اکثری[6] از دانایان فن خط برانند که شش خط مذکور را مانند یاقوت ہیچکس از متقدمان و متاخران ننوشته و* در سنه ششصد نود و[7] ہفت در زمان سلطنت غازان خان* در دارالخلافه بغداد کتاب عمرش بسجل اختتام رسید،

وشاگردان یاقوت بسیارند اما[8] آنانکه بخوشنویسی در اطراف جہان واقطار عالم شہرت دارند* شش کس اند[9] اول شیخ زاده[10] سہروردیست دوم مولانا یوسف[11]

---

[1] مرآة آفتاب نما میں اس ترجمہ میں کچھ کمی بیشی کی ہے : نامش شیخ جمال الدین اصلش از جزایر در بغداد نشو ونما کردہ در وقت مستعصم که سی وهفتم از خلفای عباسی است می بود وبعضی گویند درسلک خدام خلیفه انتظام داشت باعتقاد برخی ... نمود وہر شش خط مشہور را خوب می نوشت وبکمال رسانیده وہرگز کسی غلط در کتاب او نیافته خلیفه بسبب تشیع اورا محبوس نموده سه سال در زندان بود از غایت جلد نویسی چہار صد قرآن ترجمان نوشت وخلاصی یافت، گویند روزیکه مستعصم را گرفتند ولشکریان قتل عام می نمودند یاقوت گریخته بالای مینار رفته مشق می کرد چون کاغذ آخر شده بود بر دامن جامهٔ خود می نوشت درچنین حال یکی از دوستان ہم گریخته بالای مینار آمد گفت چه دماغ است که درچنین وقتی که قتل عام می شود تو مشق می کنی یاقوت جواب داد چه بید ماغیست که تو داری کشتنی ہا کشته می شوند ثقات نقل می کنند که آن پارچه تا حال در کتابخانه بادشاہان ایران ہست، عمر یاقوت از صد وبیست سال زیاده بود در سنه نہصد (؟) و نود وہفت ... رسید وشاگردانش بسیارند (کلمات موضع نقطه دار را مطابقت کلی باین است [2] در محمد شاہی ندارد،

[3] محمد شاہی : بود [4] محمد شاہی: ہا و ہر شش خط را به [5] محمد شاہی : بمرتبهٔ کمال رسیدند [6] محمد شاہی : شیخ احمد، مرآة آفتاب نما: شیخ احمد که به شیخ زاده سہروردی مشہور است [7] در محمد شاہی ندارد، مرآة آفتاب نما: یوسف شاه (بجای یوسف)

مشهدی، سیوم مولانا مبارک شاه زرین قلم، چهارم ارغون کابلی، پنجم میر یحیی، ششم سید حیدر،

خواجه میر علی تبریزی

از[۱] دانایان فنون دانش و ادب بود و* در عهد صاحبقران امیر تیمور کورگان[۲] در مضمار فضل و صنعت خط قصب السبق از همگنان می ربود و* اکثری از ماهران این فن بر آنند که آنجناب[۳] خط نستعلیق از نسخ و تعلیق* اختراع نموده و بعضی[۴] از متاخران برین معنی انکار کرده می گویند بسا* خطوط نستعلیق که[۵] پیش از زمان[۶] صاحبقران مرقوم نموده اند بنظر در آمده[۷] و می تواند که قبل از میر علی تبریزی دیده وران آگاه بابداع خط نستعلیق جلا افزای تماشائیان این نقش نگه ربا شده باشند اما چون میر مذکور این خط را بکمال رسانیده و این اعجوبه بحُلل روش نو و حلی طرز جدید آراسته بر طالبان جلوه داد ازین جهت باو منسوب ساختند* ا بهر[۸] طریق نستعلیق را از متقدمان کسی برابر میر مذکور ننوشته و از شاگردان او صیت خوشنویسی دو کس گیتی را فرو گرفت یکی* مولانا جعفر که در عصر مرزا شاهرخ بود و دیگری[۹] مولانا اظهر که کمالاتش اظهر من الشمس است،

میر[۱۰] عبد الحی

در[۱۱] صنعت کتابت و انشا بی همتا بود و در* هفت قلم مهارت[۱۲] تمام داشت* بادشاه

۱؎ در محمد شاهی ندارد ۲؎ محمد شاهی: از همه فایق ترشد ۳؎ محمد شاهی: خط نستعلیق میر علی، دراصل حق بجای خط ۴؎ محمد شاهی: وحالانکه بمثلا ابوالفضل ۵؎ محمد شاهی: عهد حضرت . . . . بنظر آمده پس میر مذکور این معنی مخترع خط نستعلیق نوشته اند که میر این خط را بکمال رسانیده وحسن تازه در روی کار اوکرده ازینجهت باو منسوب ساخته ۶؎ محمد شاهی: و در شاگردان او

۷؎ محمد شاهی: دیگر ۸؎ محمد شاهی: حسن خطش ۹؎ رک به تذکرهٔ دولت شاه ص ۲۱۲،

۱۰؎ محمد شاهی: منشی (بجای مهارت الخ)

شهید سلطان ابوسعید کورگانی از[1] فضل و کمال و آگهی یافته بتقرب خودش عز امتیاز داده بود و خدمت دار الانشا باو مفوض داشته اعزاز و اکرامش می نمود گویند* خط تعلیق را کسی مانند او ننوشته '

مولانا سیمی

از مصاحبان و ندیمان سلطان میرزا بایسنقر بن میرزا شاهرخ بود[2] و غرایب فراوان و نوادر بسیار ازو بظهور می نمود مشهور است که* روزی در میدان نیشاپور حضور اکابر و جمهور در مدح میرزای مذکور دو هزار بیت بدیهه گفته و[3] نوشته و تخم حیرت و نهال تعجب در اراضی خواطر* سخنوران و خوشنویسان کشت[4] و معارف و اعاظم نیشاپور درین باب منشور مرقوم نمودند و چند سطور ازان منشور درین مقام مسطور می گردد که :

مولانا سیمی در حضور اکابر و اصاغر بلده مذکور از هنگام طلوع آفتاب تا وقت شام* صد و بیست مکتوب لطافت اسلوب که[5] هر یک ازان محتوی بود بر ده سطر* بقید کتابت آورد[6] چنانچه* ارباب انشا و* بلاغت و استادان فن خط و کتابت برآن* آفرین[7] و تحسین کردند*

در سنه هشتصد[8] و بیست و پنج وقتیکه طبقات انام از خواص[9] و عوام* حاضر بودند در[10] چهار بحر از خمسه عارف سامی شیخ نظامی رح دو هزار بیت در غایت فصاحت

---

۱ در محمد شاهی ندارد ۲ محمد شاهی: عجب صاحب کمال بود' برای ترجمه حال سیمی رک به لطایف نامه فخری ص ۳۲ و تذکرهٔ دولت شاه ص ۱۱۴ (که بیانش اختلافها وارد از متن) ، ۳ محمد شاهی: حیرت افزای سایه '

۴ محمد شاهی: گشته و بعضی ۵ محمد شاهی: هر یک مشتمل بر سطر ۶ محمد شاهی: که جمیع

۷ محمد شاهی: گفتند ۸ اصل: بششصد' محمد شاهی: بسیصد ۹ محمد شاهی: خاص و عام '

۱۰ محمد شاهی: دو هزار بیت در غایت فصاحت در بحر خمسهٔ نظامی بسلک نظم آورد' اصل: سیامی دیجای سامی

وکمال بلاغت درسلک نظم کشیده* بخط نستعلیق بر[3] وجهی که پسند طبع کاتبان بی نظیر* بود مرقوم نموده با آنکه طایفهٔ از نغمه سرایان وجمعی از خوانندگان دران مجلس بودند ونقاره و[2] نفیر* می نواختند اصلا ازان اصوات مختلفه فتوری درحواس او راه نیافت ونماز ظهر و عصر را بجمیع آداب و همه شرایط ادا نمود،

للجرم این بیت نقش نگین آن یگانهٔ اعصار بود ؎

یک روز بمدح شاه پاکیزه سرشت سی‌ای دو هزار بیت گفت ونوشت

مولانا[1] مذکور جوع بسیار داشت منقولست که نوبتی دوکس از ظرفا براینکه مولانا هشت من خرما بوزن خراسان میتواند خورد گرو بستند وخرما را پیش[3] مولانا بردند اتفاقاً درآن[2] روز مولانا بمرض ثقل وآزار امتلا ابتلا داشت[4] وصاحب فراش بود چون سبب آمدن عزیزان معلوم نمود گفت[5] خرما را نزدیک تر آرید (ورق ۴۹۸) ودست (ورق ۴۹۸) از زیر لحاف برآورده شروع درخوردن کرد بعد[6] ازانکه همه را تناول نموده فرمود که یاران شما خرما را با استخوان شرط کرده بودید یا بی استخوان گفتند خرما را کسی با استخوان نمی خورد گفت بمن باری با استخوان خوردم تا میان شما هیچ وجه نزاع نماند،

مولانا معروف بغدادی

درفن خط[7] وانشا بیمثل وهمتا بود و اوایل حال با سلطان جلایر بسر می برد بسبب

---

۱ محمد شاهی: کرحیرت افزای خوشنویسان ۲ در محمد شاهی ندارد ۳ محمد شاهی: بخدمت
۴ محمد شاهی: داشتند ۵ محمد شاهی: فرمود ۶ اصل: وگفت بعد ۷ محمد شاهی: وشعر و انشا بی همتا بود از سلطان جلایر رنجیده،

ازو رنجیده خود را باصفهان رسانید* به سکندر مرزا ابن عمر شیخ مرزا معرفت[۱] بهم رسانید ومرزا مقدم او را مغتنم شمرده در اعزاز واکرام او بسیار کوشید ودران اوقات[۲] قصیدهٔ غرا در جواب سلمان ساوجی که[۳] مطلعش مرقوم میگردد در سلک نظم کشیده* بنام نامی میرزا موشح گردانید[۴]

زترک چشم تو هر تیر غمزه کامد راست　　درون سینه نشست آنچنانکه دل می خواست

ومیرزا آن[۵] یگانهٔ زمان* را در کتابخانه جا داده مقرر کرد که هر روز صد بیت کتابت نماید و[۶] او بموجب فرموده عمل میفرمودٔ اتفاقاً دران اوقات جناب مولانا پانزده روز علی الاتصال کتابت نه کرد و آن قاعده مقرر بجا نیاورد پس ازان که میرزا سبب پرسید گفت اراده آنست که در یک روز هزار و پانصد بیت نوشته آید بنابران میرزا در میدان اصفهان مجلسی درغایت زینت و تکلف آراسته باحضار خاص وعام امر نمود ومولانا بحضور اکابر و اعیان از صباح تا رواح هزار و پانصد بیت درنهایت لطافت* مرقوم نمود و ابواب تعجب وحیرت بر[۷] روی خرد و بزرگ* کشود،

مولانا سلطان علی

متاخران متفق[۸] اند بران* که نستعلیق را کسی برابر او ننوشته و[۹] بر خط اکثر خوشنویسان قلم نسخ کشیده واز مصاحبان وندیمان* امیر علی شیر بود و[۱۰] از موالید مشهد

---

[۱] محمد شاہی: بیوست [۲] در محمد شاہی ندارد [۳] محمد شاہی: گردانید بیت مطلعش اینست،

[۴] محمد شاہی: آن [۵] محمد شاہی: روزی من الاتفاقات یک هزار و پانصد بیت درحضور جمع خاص وعام بخط نستعلیق [۶] محمد شاہی: برآمند [۷] محمد شاہی: مصاحب،

آن محسن الزمان بحظ[1] اوفی رسیده در کتاب خانۂ او کتابت مینمود* و بنظم اشعار رغبت[2] داشت و[3] درین فن رایت مهارت می افراشت* این مطلع از اشعار آن بے مثل روزگار است ؎

گل در بهار ازان رخ گلگون نمونہ ایست
چون اشک من کہ از دل پرخون نمونہ ایست

و[4] در ایام حکومت سلطان حسین میرزا سنہ نهصد و ده کاتب قضا نام او را از جریده احیا پاک ساخت* و مولانا اگرچہ[5] شاگردان بسیار داشت لیکن[6] ازان جماعت پنج کس درین خط نام برآوردند و هریک بطرز خاص و روش تازه بدلربائی گردهی مخصوص گشت* اول

مولانا زین الدین محمود

نیشاپوری است[7]، و بعضی برانند کہ نستعلیق را بعد از سلطان علی کسی به ازو ننوشتہ و از ندمای میر علی شیر بود او در سنہ نهصد و هژده بطوفان عدم وسیلاب فنا خط هستی او از صفحۂ عالم محو گردید، دویم

سلطان محمد نور

است[8]، او نیز از ملازمان و مجلسیان* امیر علی شیر بود و[9] خط شناسان آن زمان اتفاق داشتند کہ هیچکس نستعلیق خفی را نزدیک باو نمیتواند نوشت* سیوم

---

[1] محمد شاہی: مهارت تمام [2] در محمد شاہی ندارد [3] محمد شاہی: لیکن چند کس در نگارش خط کہ هریک بطرزی خاص نوشتہ نام بردارنده اند [4] محمد شاہی: نستعلیق نویس ندیم میر علی، در اصل گرددیجای گردید، [5] محمد شاہی: ملازم [6] محمد شاہی: کہ خط نستعلیق خفی برابر او کسی ننوشتہ،

سلطان محمد خندان

است[1]، و او اکثر اوقات در خدمت امیر مذکور می گذرانید و از فرط انبساط و* کثرت ضحک خندان[2] لقب یافته بود[3] و در نی نوازی نیز نظیر نداشت و در سنه نهصد و پانزده لوای عزیمت بصوب دار الملک عقبیٰ افراشت*،

چهارم مولانا محمد قاسم است[4]، پنجم مولانا علاء[5] الدین محمد است

مولانا* هجرانی

در[6] سلک مشاهیر خوشنویسان نستعلیق انتظام داشت و بقلم جادو رقم خط امتیاز بر صحایف لیل و نهار می نگاشت و از ندمای امیر علیشیر بود و بتبعیت و تتبع آن امیر روشنضمیر بنظم اشعار میل مینمود* از منظومات اوست ؎

جفا و جور که آن سرو گلعذار کند   ز عشق او نکنم ترک گر هزار کند

و در[4] سنه نهصد و بیست و یک منشی تقدیر بر خط وجود او قلم کشید*

مولانا[5] سلطان علی قاینی[3]

از مجلسیان امیر علیشیر بود و نستعلیق را خوب مینوشت و یکچند به ترتیب و تعلیم یکی از فرزندان سلطان حسین بایقرا افتخار داشت و در سنه نهصد و چهارده

---

[1] محمد شاہی : که بسبب [2] محمد شاہی : این [3] در محمد شاہی ندارد ،

[4] محمد شاہی : از مشاهیر خوشنویسان است ، [5] محمد شاہی : و مولانا ،

نقش وجود او از تختهٔ هستی سترده شد*

مولانا[1] علیشیر مشهدی

از مشاهیر خطاطان زمان سلطان حسین بایقراست بصفائی خط و طرز نیکو از اکثر خوشنویسان نستعلیق ممتاز بود و امیر علیشیر خط او را بر اکثر خطوط ترجیح می نمود،

حافظ[2] خواجه هروی

از[3] فضل و هنر فراوان بهره داشت وسوای نستعلیق هفت قلم را بپایه اعلی رسانید*
از مخصوصان امیر علیشیر بود[4] و منصب امامت وخطابت مسجد جامع و پیش نمازی امیر کبیر باو تعلق داشت* این[5] [از] منظومات اوست ؎

شکل هلال ابرویت از چشم تر نرفت — ماهی ز غیرِ بحر دمی سوی بر نرفت

در نهصد و بیست و چهار بدار القرار انتقال نمود،

مولانا درویش محمد باغ[6] شهری

بانواع فضایل و تصنیف رسایل مشهود بود و تعلیق را خوب می نوشت[7] اکثری از دانایان این صناعت او را بر مولانا عبدالحی تفضیل می دهند، با امیر علیشیر مربوط بود وآن صاحب نصاب سخن نصابی جمع کرده و* دیوان ترکی درسلک ترتیب کشیده و نکم[8] یک

---

[1] برای علی شیر مشهدی رک به بلاخمن (ترجمه آئین)، ص ۱۰۲ حاشیه ۴
[2] محمد شاهی: و حافظ
[3] محمد شاهی: نستعلیق هفت قلم بود،
[4] در محمد شاهی ندارد
[5] محمد شاهی: این مطلع از
[6] محمد شاهی: باغی او تعلیق خوب نوشت
[7] صاحب قصمات [نصاب؟] بوده
[8] محمد شاهی: نظم

دیگر نفضایل نیز کوشیده و* این معما باسم قاسم از اشعار اوست ؎

چون مه من بنگرد در قمر آسمان　　پایه مه بشکند پاش ببوسد روان

خواجه عبدالله مروارید

بیانی تخلص می[1] داشت، چون[2] پدرش محمد کرمانی را یکی از سلاطین تیموری به بحرین فرستاده بود او در وقت معاودت لولوی چند آبدار نزد آن شهریار آورد این لقب یافت، و جمال حال خواجه بلآلی فضل و علی کمال آراستگی تمام داشت و* در هفت قلم اوستاد بود، در[3] عنفوان شباب بخدمت سلطان حسین بایقرا رسیده صد[لا] صدارتش بفر[4] وجود او زینت یافت و در اندک روزگار بمرتبه امارت رسیده بجای امیر علی شیر مهر بر منا شیر زد و پس از فوت سلطان کنج انزوا گزیده بکتابت مصحف مجید موفق گردید، و چون شاه اسماعیل صفوی خراسان مسخر یافت خواجه را از زاویهٔ خمول بر آورده رقم قبول بر ناصیهٔ احوالش کشیده، او از ملازمت استعفا نموده بنظم وقایع شاهی ما[3]مور گردید، و خواجه در سنه نهصد و سی و دو از زاویهٔ عزلت بکنج لحد رخت کشید، و از تصنیف او دیوانی موسوم بمونس الاحباب و[4] تاریخ شاهی* و منشآت و خسرو شیرین شهرت دارد، از اشعار اوست ؎　ورق ۴۹۹

ترسم آنجا که حدیث رخ نیکو گذرد　　که بتقریب مبادا سخن او گذرد

[؎]

فکن ای بخت یکره استخوانم گرد دیوارش　　که غوغای سگان سازد ز حال من خبردارش

---

۱ برای ترجمهٔ احوالش رک به لطایف نامه ص۸۱ و تذکرهٔ دولتشاه ص۵۱۰، فخری چهار غزل از او در تحفة الحبیب آورده است،
۲ در محمد شاهی ندارد　۳ اصل: نامور بجای مامور　۴ محمد شاهی: تاریخ شاهی منظوم،

و پسرش

خواجه محمد مومن [صوابش: عبدالمومن]

بفضایل[1] نفسانی اتّصاف داشت و در* هفت قلم استاد بود، یکچند[2] بفرمان شاه اسماعیل الحسنی [بمعلمی] خلفش سام میرزا افتخار داشت و* از شاه طهماسپ آزرده شده بدارالامان هندوستان شتافت و درآن[3] دیار فی سنه نهصد و چهل و هشت وفات یافت گویند وقت توجه بهند غزلی گفته بود که این دو بیت از آنست ؎

بس که گردون همچو خود میخواست سرگردان مرا | عاقبت کرد از غمت سرگشته دوران مرا

بسکه خون پالاست چشمم بی تو خواهد شد خراب | شهر مستی دمبدم از موج این طوفان مرا

و خواجه عبدالله صیرفی و مولانا محی شیرازی و مولانا شیخ محمود و مولانا عبدالله هروی[4] که بطبّاخ مشهور است و مولانا ابابکر هروی شریکی[5] ازین نادره کاران مانی نگار هفت خط را که ثلث و توقیع و محقق و نسخ و ریحان و رقاع و تعلیق باشد بغایت خوب* نوشتند و[6] این هفت قلم را بدرجهٔ عالی رسانیده* و بخوشخطی بلند آوازه گردیدند،

خواجه اختیار

در[1] خط تعلیق شهرهٔ روزگار و* منشی الممالک سلطان حسین میرزا بود[2] و بسبب قرابت امیر علیشیر کمال عزت و اعتبار داشت*

---

[1] محمد شاهی: دهر [2] در محمد شاهی ندارد [3] رک به حبیب السیر ۳: ۴، ۳۴۷ اسلامیه لورینٹل کالج میگزین بابت فروری سنه ۱۹۳۳ء ص ۹۲، محمد شاهی: دیار

[4] در مرآة آفتاب نما برین جا نام حافظ قوطهٔ هروی را افزوده،

[5] محمد شاهی: همه هفت قلم [6] محمد شاهی: تعلیق نویس،

ملا درویش

در[1] خط تعلیق اوستاد است با خواجه اختیار منشی معاصر بود چون خواجه مذکور با میر علیشیر قرابت داشت کار ملا رونق نمی گرفت از عسرت چندی بترکستان رفته آنجا نیز گشایشی نیافت و مدتی ا بوضع قلندری بسر میبرد و در آوان ظهور دولت صفویه بخدمت شاه اسمعیل شتافته در جرگهٔ منشیان منسلک گردید و رونقی در کار او پدید آمده بود که پیک اجل مراحل زندگی او طی نمود* '

مولانا میر علی

در[2] اصل* از سادات هرات است[3] اما در مشهد مقدس نهال قابلیتش نشو و نما یافته، خطوط بی نظیرش روشنی بخش وجلای افزای دیده وران است و اشعار دلپذیرش قابل تحسین نکته سنجان وسخن پروران' انامل کوامل او رقم نسخ بر رقاع استاذان قلم کشیده و قلم مانی رقمش نقوش غریبه بر صحایف روزگار مثبت گردانیده' اکثری او را از شاگردان مولانا[4] زین الدین می دانند و میگویند که از خطوط مولانا سلطان علی مشهدی نیز استفاده نموده و از بعضی کتب معلوم میگردد که او شاگرد مولانا میر سلطان علی است و بیمن صحبت و تربیت او سر دفتر خوشنویسان آفاق شده و درین فن یگانه و طاق گردیده و از حدت فهم و اضاءت ذهن و فروغ خاطر تغییر روش پیش نموده دخلهای نمایان کرد و تصرفات یادگار گذاشت* و گروهی خط او را بر خط استادش سلطان علی ترجیح میدهند و[5] طایفهٔ خط اوستاد را بوجهی بر خط میر علی و خط میر علی را بوجهی دیگر بر خط اوستاد ترجیح میدهند و میر علی در سنه

---

[1] محمد شاهی: تعلیق نویس [2] در محمد شاهی ندارد، [3] رک به فهرست بانکی پور ج ۲ ص ۸۱ برای نسخهٔ خطی او، محمد شاهی: سرهمه خوش نویسان و شاعران معاصر خود بوده ' [4] رک به ص ۴۲'

نهصد و بیست بسبب انقلاب و طغیان حوادث از خراسان در زمان شاهی بیگ خان بماوراءالنهر شتافته عزت تمام یافت و در سنه نهصد و بیست و چهار ازین سرای ناپایدار بدار القرار ارتحال نموده و* این اشعار آبدار ازان یگانهٔ روزگار است ؎

عمری از مشق دوتا بود قدم همچون چنگ | تا که خط من بیچاره بدین قانون شد
طالب من همه شاهان جهانند (و) مرا | در بخارا جگر از بهر معیشت خون شد
سوخت از غصه درونم چکنم چون سازم | که مرا نیست ازین شهر ره بیرون شد
این بلا بر سرم از حسن خط آمد امروز | وه که خط سلسلهٔ پای من مجنون شد

مولانا خواجه محمود[1]

شاگرد بلاواسطهٔ ملا میرعلی است، خطهای[2] خفی و جلی او بسیار عالیست گاهی قطعه و کتابت خود را بنام ملا میرعلی میکرد و مردم کمتر می شناختند ملا میرعلی برسم طیبت قطعه در حق او گفته ؎

خواجه محمود آنکه[3] یکچندی | بود شاگرد این فقیر حقیر
بهر[4] تعلیم او دلم خون شد | تا خطش گشت قابل تحریر
در حق او نرفته تقصیری | لیک او هم نمی کند تقصیر
می نویسد هر آنچه از بد و نیک | جمله را می کند بنام فقیر[5]*

مولانا[6] محمد حسین تبریزی و مولانا حسن[7] علی مشهدی و میر[8] معز کاشی و میرزا ابراهیم اصفهانی (ورق ۵۰۰) و میر احمد مشهدی و مولانا شاه محمد

---

۱ یعنی محمود اسحق (= محمود شهابی)، رک به عالم آرای عباسی ص ۱۲۴ ۲ محمد شاهی: بعینه چون خط میرعلی می نوشت ۳ عالم آرای: گرچه ۴ این بیت را در عالم آرای ندارد، ۵ برای جواب خواجه محمود رک به عالم آرای ۶ رک به عالم آرای ص ۱۲۴ ببعد، ۷ در محمد شاهی ندارد، ۸ تصحیف محمود؟

نیشاپوری هر یکی ازین جادو رقمان مانی[1] نگار* بعد ازان مولانا میرعلی خط نستعلیق[1] را بطرز خاص نوشته مقتدای گروهی گشتند و بدلفریبی جمعی مخصوص شدند[2] و دیگر خوشنویسان و خطاطان که در ایران و توران در زمان سلاطین کورگانیه نوبت خوشنویسی نواخته اند و در ایام شاهان صفویه رایت مهارت درین صنعت افراخته اگر اسامی و احوال آنها نوشته شود سخن دراز گردد و این مختصر از مطولات بگذرد ناچار* بهمین قدر اکتفا نمود[3] و چندی را از خطاطان که در هندوستان و عراق کوس خوشنویسی نواخته و مینوازند درین جریده مذکور میسازد*،

میر دوری[4]

سلطان بایزید نام[5] در سلک ملازمان* عرش آشیانی انتظام[5] داشت و از جناب سلطنت* بخطاب کاتب الملکی قرین[6] عزت می افراشت طبع نظم داشت و اشعار آبدار بر صحایف روزگار می نگاشت و آخر عمر توفیق حج یافته بحجاز شتافت و بزیارت حرمین محترمین فایز شده داعی حق را لبیک اجابت گفت* ازوست ؎

گه در درون جانی گه در دل حزینی　　　از شوخیی که داری یکجا نمی نشینی،

و از شاگردان میر مذکور

خواجه ابراهیم حسین

که از ملازمان اکبری بود خط[7] نستعلیق را به کمال رسانیده بخوشنویسی شهرت داشت

---

[1] در محمدشاهی ندارد، [2] محمدشاهی: در ایران و توران خوشنویسان بسیار رقم نگاشته اند درین مختصر تا یکی بیان نماید، [3] محمدشاهی: از خطاطان هندوستان و عراق بر جریدهٔ روزگار ثبت می نماید، [4] برای ترجمه اش رک به بداؤنی ۳: ۲۲۷ [5] محمدشاهی: ملازم
[6] محمدشاهی: ممتاز بوده اشعار لطیف می گفت،

و* درعین جوانی ازین[1] منزل فانی بمنزهات جاودانی رخت کشید و* قادری[2] بداؤنی در تاریخ این رباعی منظوم گردانید ؎

برموجب حکم بادشاه کونین　　در ماه صفر خواجه براهیم[3] حسین
چون کرد سفر ز عالم پرشروشین　　تاریخ شدش خواجه براهیم[4] حسین
۱۰۰۱

اشرف خان میرمنشی

از سادات حسینی مشهد مقدس است و[5] درسلک امراء* عرش آشیانی انتظام[6] داشت و در* هفت قلم اوستاد و* درفن شعر[7] و صنعت انشاء[8] بی همتا بود* و[9] احوال آن صدرنشین مسند سخنوری در اکبرنامه و طبقات اکبری مفصل مذکور است، و درین جریده نیز بجای خود مرقوم و مسطور*، از اشعار اوست ؎

یارب تو مرا بآتش قهر مسوز　　درخانهٔ دل چراغ ایمان افروز
این کسوت[9] بندگی کرشد پاره زجرم　　از راه کرم برشتهٔ عفو بدوز،

و از شاگردان او[10] که درین دیار بخوشنویسی شهرت داشت

محمد یوسف

بود، او در عنفوان شباب سنه نهصد و هفتاد[11] اسیر سر[12] پنجهٔ گرگ اجل گردیده و*

---

[1] محمد شاهی: رخت بمنزل جاودانی کشیده　[2] بداؤنی (۳: ۲۲۸ بعد) ترجمهٔ خواجه را نوشته است وگفته که وی از مصاحبانش است و از بزرگ زادگان بلدهٔ بلوط و خویشان نزدیک شیخ عبدالرحمن لاهوری بوطی　[3] اصل: ابراهیم، بداؤنی: ابراهیم [4] محمد شاهی: ملازم [5] در محمد شاهی ندارد، [6] محمد شاهی: بی نظیر [7] در محمد شاهی ندارد ، [8] ذکرش در هر سه جلد اکبرنامه موجود است، رک به فهارس کتاب طبع کلکته نیز رک به طبقات طبع نولکشور ۱۸۷۵ء ص ۳۹۲ [9] مآثر الامرا (۱: ۷۵)، «خلعت» (بجای کسوت)، محمد شاهی مثل متن [9] محمد شاهی: رشید او، [10] اصل: هشتاد جو مصرع تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتا، تصحیح از روی محمد شاهی [11] محمد شاهی: پنجهٔ تقدیر گردید،

تاریخ وفاتش را اشرف خان یافته ؎

کجا شد یوسف مصر ای عزیزان

میر عماد

شاگرد[1] ملا محمد[2] حسین تبریزی[3] است* خط او را بر خط اوستادش ترجیح میدهند[3] اکثر قطعه و خط خود را بنام[4] اوستاد میکرد' اگرچه خط خود را بنام اوستاد کردن عیب است ازین جهت که بهتر از اوستاد | مینوشت این را معیوب نداشته اند' شاه عباس صفوی بسبب گمان تسنن یا تصوف که در حق آن یگانه عصر داشت روزی بر زبان گذرانید که کسی نیست مرا از دست این مرد خلاص کند' یکی از صوفیان عالی این سخن شنیده بمجرد برآمدن میر از مجلس سرش از تن جدا ساخته بخدمت شاه آورد' بر حقیقت مطلع شده افسوس بسیار نمود و ازان کرده پشیمان بود اما [ع]

دریغ سود ندارد چو رفت کار از دست

ملا علا بیگ تبریزی

در نسخ و ثلث از اوستادانست و* خط او با خط یاقوت بمنزله[5] خط میر عماد است با خط ملا میر علی*'

---

[1] کمر در اصل' [2] در محمد شاهی ندارد [3] باقی ترجمہ محمد شاہی میں نہیں ہے'
[4] اصل: نام [5] محمد شاهی: و ملا میر علی نزدیک است'

ملا عبد الباقی تبریزی

در[1] هفت قلم اوستاد بود و بعضی او را تفوق می دهند بر ملا علی [علا؟] بیگ، بعضی ملا علی [علا؟] بیگ را به از و می دانند، و حق[2] آن است که هر دو در رتبهٔ خود استاد اند او از[*] خوشنویسان[3] عهد شاه عباس ماضی بود،

مولانا[4] محمد حسین زرین[5] قلم کشمیری

در خط نستعلیق ید بیضاء می نمود، عرش[6] آشیانی بر کمالات او مطلع شده در سلک ملازمان منسلک[7] ساختند و بتعلیم شاهزادگان پایهٔ عزت و اعتبارش بر[8] افراختند[*] خوشنویسان[9] هند و نقش طرازان این کشور وسیع که عمر گرامی درین تصویر خاص صرف کرده اند برین معنی اتفاق دارند[*] که نستعلیق را در هندوستان برابر او کسی ننوشته و آن نادره عصر در سنه هزار و بیست ازین دار ملال به نزهت سرای بی زوال انتقال نمود،

---

[1] در محمد شاهی ندارد [2] محمد شاهی: و ملا میر علی نزدیک است [3] محمد شاهی: خوش نویس، [4] واقعات کشمیر (میر قلمی نسخه ورق ۱۰۹): ملا میر حسین بهره از علوم رسمی داشت و از خدمت مولانا میر علی کسب خط نستعلیق نمود باندک مدتی کمال این فن حاصل کرد (و) بی نظیر وقت شد مفاخر بتوران و ایران می بردند و سلاطین کتابه می نوشتند (کذا) ملا محمد [مراد] زرین قلم (کذا) از مشاهره خوشنویسان است شاگرد اوست بعضی بیک واسطه می گویند والله اعلم نیز رک به حاشیه ۶ ص ۵۶ [5] محمد شاهی: رقم، در ۲۹ نمره ۳۱ دی خودش خود را زرین قلم می نگارد [6] ایضاً: حضرت عرش الخ [7] ایضاً: منتظم [8] ایضاً: را بر افروختند [9] ایضاً: جمهور نقش طرازان این نگار دل پذیر متفق بر اانند،

ملا علی رضای عباسی

از اہل صفاہانست سابقاً[1] ثلث را خوب مینوشت چون* شاہ عباس ماضی را[2] با میر عماد بسببی کہ بالا ذکر یافت سوء مزاجی بہم رسیدہ بود ملا علی رضا را کہ بخدمت کتابداری و تقریب اختصاص داشت تربیت نمودہ بجای رسانید کہ مرقعی از خط ملا میر علی و خط او* جمع نمودہ کہ[3] ہمان ترکیبی کہ ملا نوشتہ بود او ہم نوشت و تمام مرقع بہمین دستور مجلد شدہ کہ دو صفحۂ قرینۂ اولین خط ملا است و دومین خط ملا علی رضا ست* داد خوشنویسی دادہ،

میر خلیل باخرزی

نستعلیق را خوب می نوشت فاما اصلاح بسیار میکرد، میگفت خوشنویسان دیگر بقلم می نویسند و من بقلمتراش، در مشق اوستاد نگرفتہ و[4] از روی خط ملا وغیرہ اوستادان قدیم مشق می نمودہ*،

میر عبد اللہ الترمذی[5]

از اولاد شاہ نعمت اللہ ولی، خط[6] نستعلیق را بغایت صاف با صول و اسلوب می نوشت و* از حضرت عرش آشیانی و جنت مکانی بخطاب مشکین قلم و تخلص وصفی

[1] محمد شاہی: ثلث و نستعلیق ہر دو را خوب می نوشت، وی مذکور است در عالم آرای عباسی ۲: ۱۹ ۵،

[2] محمد شاہی: مرقعی بخطا او و ملا میر علی [3] در محمد شاہی ندارد [4] محمد شاہی: بر تعلیم مشق نمودہ،

[5] اصل: الترمزی،

افتخار اندوز و مباهی بود چنانچه خود میفرماید ؎

وصفی تخلص من و مشکین قلم[1] خطاب این نامها ز شاه و شهنشاه یافتم

و باوجود کثرت اسباب تعلق بآزادی می زیست، منظومات[2] بسیار دارد و اشعار عاشقانه او اهل حال را بوجد می آرد و نسبت ارادت بشیخ فیض الله سهارنپوری که در سنه هزار و بیست و چهار رحلت نموده داشت، و شیخ مذکور از خلفای شیخ نظام نارنولی بود و آن میر صافی ضمیر* در سنه هزار و بیست و پنج رخت بعالم دیگر کشید پنج مثنوی و یک دیوان دارد[3] از واردات طبع اوست ؎

ای داده خوی تند تو رونق عتاب را افزود گونه گونه بدل اضطراب را

نی حرف باکسی و نه گوشی بحرف کس برهم زدی شعار سوال و جواب را

و پسرش میر صالح بعلم[4] و دانش آراستگی داشت و* نستعلیق را خوب مینوشت و[5] کشفی تخلص میکرد در[6] ابتدای حال* بفقر و قناعت در[6] زیّ درویشان* میگذرانید و[7] آخر عمر* فردوس آشیانی بخواهش تمام او را بمنصب سرفراز ساختند و[8] او بپایه امرائی رسیده* در سنه هزار و شصت و یک روانه شهرستان عدم گردید،

نقل است که روزی فردوس آشیانی شاهجهان بادشاه ازان معارف آگاه پرسیدند که سن شما چنداست؟ گفت پنجسال، بادشاه متعجب شده از حقیقت این سخن استفسار کردند گفت: عمر همانست که در سعادت بندگی و خدمت حضرت صرف شده، و بادشاه

---

[1] محمد شاهی : رقم [2] محمد شاهی : و اشعار عاشقانه می گفت، [3] محمد شاهی : از یادگار اوست،

[4] در محمد شاهی ندارد، [5] محمد شاهی : و در شعر [6] محمد شاهی : ددویشانه

[7] محمد شاهی : حضرت [8] محمد شاهی : حضرت فردوس الخ

ازین لطیفه خوش وقت شده بمزید[1] عنایت و التفات پایهٔ* قدر و منزلت او را افزودند[2] و او صاحب تصانیف است وله از مؤلفات او مناقب مرتضوی مشهور و سخنان آن کتاب افادت مآب در محفل دانایان و دانشوران مذکور* (از) اشعار اوست ؎

نظر به بیکسیم کن که قطرهٔ آبی — بکام من ندهد کس بغیر چشم ترم

تاریخ فوتش ازین مصراع مستفاد می گردد ع

میر صالح برفت از عالم

برادرش[3]

میر مومن

عرشی تخلص* بعلم و فقر مهارت تمام داشت[4] و خط نستعلیق چند صفحه[5] بتقلید خط ملا میر علی بنامش نوشته بشاه شجاع گذرانیده[6] و شاه شجاع بامعان نظر و تامل اهل آن هنر* خط ملا تصور کرده دو هزار روپیه انعام فرمود[7] بعد ازان میر ظاهر ساخت که خط من است، شاه شجاع بسیار پسندیده زیاده بر تحقیق سنجیده* از روی مهربانی هزار روپیه و سراپا بران افزود، میر عرفان پذیر از مشرب علم تصوف تر زبان بود و اوایل حال بوجد و سماع نیز میلان داشت و در عهد اعلیحضرت فردوس آشیانی سلیمان شکوه[8] را تعلیم خط[9] میداد، درین آوان جمعیت نشان* بوظیفهٔ از سرکار

---

[1] در محمد شاهی ندارد [2] محمد شاهی: از پیشتر بیشتر افزودند [3] محمد شاهی: برادر او میر مومن عرشی تخلص می کرد، [4] محمد شاهی: و در [5] محمد شاهی: قطعه (بجای صفحه) [6] محمد شاهی: نمود (بجای گذرانیده) [7] محمد شاهی: روپیه دیگر [8] محمد شاهی: وسلیمان شکوه، اصل: اواهل بجای اوایل [9] محمد شاهی: می داد و،

جهان[۱] مدار اعظم مظهر آفریدگار منعم* موظف بوده[۲] اوقات بقناعت میگذرانید*، در سنه یک هزار و نود و یک (۱۰۹۱) که سنین عمرش بنود رسیده بود برحمت حق پیوست، عزیزی[۳] تاریخ فوتش سید عرشیان امیر مومن یافته، از اشعار اوست ؎

کشاد غنچه اگر از نسیم گلزار است   کلید قفل دل ما تبسم یار است

بیا بچشم تر ما جمال خویش ببین   که همچو آینه آب[۴] رُست گفتار است

[؎] بچشم خویش نگر گر دل تو آگاه است   که این دریچه گذرگاه جلوه شاه است

بناله در شب غم [می توان][۵] بدوست رسید   که شمع وادی مطلب فتیله آه است

میر محمد شریف

همشیره زادهٔ میر عبدالله، خط نستعلیق را[۶] خوب مینوشت و از حضرت جنت آشیانی خطاب کاتب السلطانی یافته[۷] و میر عبدالله او را بجای فرزند تربیت نموده وقت رحلت جانشین خود ساخته بود و او باوجود کمالات گمنامی پیشه خود کرده در ملک فقر نام آوری داشت و وجه قوت از کسب دست پیدا کرده وجه معیشت خود می کرد، در سنه یکهزار و پنجاه و چهار راقم احوال اعمال نامه عمرش بسر آورد*،

محمد[۸] مراد کشمیری

از[۹] خوشنویسان عهد حضرت جنت مکانی است و تا اوایل زمان سلطنت حضرت

---

۱ محمد شاهی: والا   ۲ محمد شاهی: بود   ۳ در محمد شاهی ندارد   ۴ محمد شاهی: و آب،
۵ از روی محمد شاهی،   ۶ واقعات کشمیر میں اسکا حال یوں لکھا ہے: ملا محمد مراد زرین قلم سوداگر بود و مایل

فردوس آشیانی نیز بود* خطش در رتبہ قریب بخط ملا[۱] محمد حسین کشمیریست،

میرزا محمد حسین شکستہ نویس

صفاہانی الاصل است پدرش میرزا شکر[۲] الله* در زمان شاہ طہماسپ مستوفی الملک بود و در عہد شاہ اسمعیل ثانی بمنصب اعتماد الدولہ امتیاز داشت، تعلیق را برتبۂ اعلی می نوشت، لیکن[۳] ہرچند سعی نمود خطش رتبۂ ملا درویش نیافت مخترع[۴] شکستہ تعلیق گشتہ دران یگانۂ آفاق گردید و منظور نظر حضرت جنت مکانی بود*

تہوّر خان

در[۵] سلک* امرای جنت آشیانی و اعلی حضرت فردوس[۶] آشیانی انتظام داشت

(بقیہ حاشیہ صـ۵۶) بخط نستعلیق شد، دمشق آن خون جگری خوردہ و باصلاح میر حسین [یعنی ملا محمد حسین کشمیری] کہ دران وقت از خوشنویسان روزگار [. .] رسانید در اندک زمانی فوقیت بر اقران حاصل کرد (ہ) یگانۂ وقت شد شغلمی می نوشت بخلاف آقا رشید کہ او دران وقت در ایران طرز بادامی داشت، بالجملہ آوازۂ کمال ملا محمد مراد بسامع شاہجہان بادشاہ رسید داخل کتاب (کذا) نویسان دربار شد چنانچہ کتابۂ اکثر عمارات دولت خانہ باغات پادشاہی بخط مولوی است الحق عجب سحر آفرینی و طرفہ تازگی و شیرینی در تحریر کہ گویا تصویر است بکار بردہ از جناب بادشاہ مخاطب بزرین قلم شد (ورق ۱۳۵)

(حاشیہ صـ۵۷) [۱] در محمد شاہی ندارد [۲] اصل: سیف اللہ تصحیح از روی محمد شاہی و تذکرۂ خوشنویسان ص ۱۰۳، اسکندر منشی (عالم آرای عباسی ص ۱۲۹ پر) لکھتا ہے :

میرزا محمد حسین ولد میرزا شکر اللہ کہ پدرش مستوفی الممالک شاہ جنت مکان (شاہ طہماسپ [بود] تعلیق نویس بی بدل و خوشنویس بیمثل و مانند بود بعد از میرزا احمد او ترقی عظیم کردہ خط تعلیق را بسرحد کمال رسانید، او نیز تتبع روش مولانا درویش کردہ اما باعتقاد مسوّد اوراق اگرچہ ہردو پایہ خط بر سطح تبیان قلم مولانا درویش نہادہ اند اما ہر دو صاحب طرزند و ہر کدام این خط را بطرزی علیحدہ نوشتہ اند کہ ہیچکدام کمتر از طرز مولانا درویش نیست رطوبت طرز و در خط میرزا محمد حسین...

بیشتر از خط میرزا احمد است، او در زمان حضرت اعلی (شاہ عباس) بجانب ہند رفتہ در سلک ملازمان و منشیان فرمانروای ہندوستان منسلک گردید و در آن سواد اعظم خط ممات بر صحیفۂ زندگی نگاشت [۳] در محمد شاہی ندارد [۴] در اصل مخترع... کردہ تصحیح قیاسی است،

وخالی از سوادی [سوادی؟] نبود و نستعلیق* جلی را بغایت خوب مینوشت[1] ولطایف
ونکات از وسر میزد و نقلهای رنگین وحکایات شیرین از و نقل میکنند گویند روزی
مجلسی بیاراست و مردمانرا بضیافت طلبید، آقا رشید[2]* که در خط نستعلیق او هم رشد کمال
دارد و دران انجمن حاضر بود و جمیع اعزه در ایوان خانه نشسته گرم حرف بودند که خان
یکبارگی بحجره در رفته بعد از ساعتی شمشیر علم کرده بر سر آقا رسید که شنیده ام که تو از شاگردی
من انکار می کنی، رعب تمام بر آقا استیلا یافته بالحاح گفت: خانم آخر چه می فرمائی؟ گفت
درحضور اعزه بگواهی اینان خطی باعتراف شاگردی بنویس، آقا بگفته اش کام ناکام خط
اعتراف بر نگاشت و از ستم ظریفیش[3] امان یافت،

امانت خان

برادر علامی افضل خان، نسخ[4] خط او خط نسخ بر خطوط نسخ نویسان روزگار کشیده
مشاهدهٔ صورت آن اہل نظر و دیده وران معنی آفرین را جلای بصری افزود و* کتابهٔ
(ورق ۵۰۲) درون گنبد آسمان رفعت مقبرهٔ[5] مهد علیا مریم مکانی ممتاز الزمانی نگاشتهٔ کلک ورق ۵۰۲
جواهر سلک اوست، و در سنه هزار و چهل و هفتم هجری فردوس آشیانی در[6] جایزهٔ آن
بانعام فیل و عنایت خلعت* آن نادرهٔ عصر را ممتاز فرموده بودند، و[7] آن خان سعادت
نشان رباط عالی بنای و باغ روح افزای نزدیک بدار السلطنت لاهور ساخته و بر
دروازهٔ سرا بخط نسخ کتابهٔ نگاشته که بصر بصیرت از تماشای آن حظ وافری ربایند، و او در

---

[1] محمد شاہی میں تہور خاں کا حال یہاں ختم ہوتا ہے، [2] اصل: آغاز شد، [3] اصل: ظریفش
[4] محمد شاہی: نسخ نویس صاحب کمال بود [5] یعنی روضۂ ممتاز محل آگرہ [6] در محمد شاہی ندارد،

سنہ ہزار و پنجاہ ازین رباط فانی بسرای جاودانی رحلت نمود (و) در باغی کہ نزدیک سرای خود ترتیب دادہ مدفون گردید*

ملا معز

از شاگردان ملا عبد الباقی تبریزیست، ہفت قلم را خوب مینوشت[۱] از خوش نویسان زمان شاہ عباس ثانی است، شاگرد او*

محمد نصیر

در ثلث و نسخ و رقاع خوشنویس است، نستعلیق را ہم سابقا خوب می نوشت[۲] و درین خط اول شاگرد میر سید علیخان جواہر رقم بود، در خط نسخ اوستاد بادشاہزادہ والاتبار محمد کام بخش است[۳] اعیان دربار راغب صحبت او

آقا ترابا[۳]

اصفہانی است شاگرد میر عماد..... مشق کردہ* و در اوایل گاہی فکر شعر نیز میکرد و در اواخر مدرس شیخ یحیی قسم دادہ بودش کہ شعر مگو کہ نامشروع است و این چند بیت ازوست ؎

تا کہ عشقت بدلم رنگ وفا ریختہ است شوق وصل تو بجان آب بقا ریختہ است
ہیچ دردی بتر از علت بیدردی نیست درد نایاب بود ورنہ دوا ریختہ است[۴]

آقا رشیدا[۵]

شاگرد و ہمشیرہ زادۂ میر عماد، بفنون[۶] دانش و خوش ذاتی آراستگی داشت، از خط

---

۱ در محمد شاہی ندارد ۲ در محمد شاہی ندارد، ترابا کے ترجمہ کا ایک حصہ محمد شاہی کے اس نسخہ میں ملا معز کے ترجمہ کیساتھ مل گیا ہے نیز دیکھو حاشیہ ۲ ۳ اصل: ترابای؛ اصل میں یہ جملہ اسی طرح سے ناقص ہے' ۴ اسکے بعد محمد شاہی میں ہے: در خط نسخ اوستاد بادشاہزادہ محمد کام بخش است ۵ محمد شاہی: رشید ۶ محمد شاہی: و با وصف نیک ذاتی خط نستعلیق خوب می نوشت،

نستعلیق بقلم مانی رقم رقوم دلپذیر و نقوش نگاه فریب بر صحیفهٔ دهر می نگاشت * و در عهد حضرت فردوس آشیانی بهند آمده در[1] سلک ملازمان آنحضرت انخراط یافت و از جوهر کاردانی در خدمت آن بادشاه افاضل پناه ترقی کرده همواره بخدمات لایقه ممتاز بود و در عهد سعادت مهد که * بکبر[2] سن رسیده * بخدمت بیوتاتی مستقر الخلافه اکبرآباد و سرافرازی دارد[3] و در غایت رفاهیت بسر میبرد * ،

ملا محمد امین[ع۵] مشهدی

در نستعلیق از شاگردان آقا رشید است در هفت قلم دیگر نیز مهارت داشت، بادشاهنامهٔ[4] حضرت فردوس آشیانی بغایت[5] خوب نوشته و بعنایت صله سرافرازی یافته،

اعتماد خان

که الآن[6] در عهد سعادت مهد بحسب شرافت سیادت و مناسبت[ع۶] اسمی بخطاب اشرفخان شرف امتیاز دارد[7] بجامعیت جمیع کمالات نفسانیه موصوف و باحتواء فضایل انسانیه معروف * ، رتبهٔ خطوط نسخ[8] و شکسته * تعلیق و نستعلیق بدرجهٔ کمال رسانده[9] نقوش عواطف بر الواح خواطر اصاغر و اکابر می نگارد و بشمول عنایات خلیفة الرحمانی

---

۱ محمدشاهی: به ترقی رسیده ۲ محمدشاهی: کبرسن ۳ محمدشاهی: یافته و مشمول تلطفات عالمگیری گشته،
۴ در محمدشاهی ندارد ۵ محمدشاهی: شاهنامه ۶ محمدشاهی: را ۷ محمدشاهی: از شرافت ذاتی به اشرفخانی امتیاز یافته مجمع جمیع کمالات انسانی بود ۸ محمدشاهی: رسانیده بخدمت خانسامانی حضرت عالمگیر بادشاه سرافرازی یافته (بجای رسانده .. وارد)، ع۵ دیکھو ۲۹: نمبر۴۶، ع۶ یعنی نامش میر محمد اشرف بود، رک به ۲۹ نمره ۹۳،

و وفور مهربانی حضرت ظل سبحانی مسند خانسامانی سرکار فلک اقتدار بذات ملکی ملکاتش زیب و زینت دارد* از بس که ذایقه اش چاشنی گیر نعمت تصوفست مثنوی مولوی را انتخاب نموده بشغف مطالعه آن شیرین کام است[1] و بصلاح و عبادت و پرهیزگاری و تفاوت ذخیره اندوز حسن اختتام*'

کفایت خان

ولد مقیم خان نبسهٔ میرزا محمد حسین شکسته نویس، بکفایت و کاردانی یگانهٔ زمان است و بخوشنویسی بینظیر دوران، خط تعلیق و شکسته* تعلیق را درین[2] عصر کسی برابر او نتواند نوشت و امروز در سلک امرای عظام انتظام دارد*'

میر سید علیخان

بفضایل[4] نفسانی و کمالات انسانی اتصاف دارد و خط نستعلیق را بکمال رسانیده شاگرد پدر خود* محمد[5] مقیم است، و میر مذکور شاگرد میر عماد بود، و خان مسطور در آوان بادشاهزادگی[6] بتعلیم حضرت جهانبانی[7] افتخار اندوختند*' همدران[8] عهد مخاطب بجواهر رقم گردید و فی الواقع کلک جواهر سلکش قلم تزئیف بر صحایف خط خطاطان آفاق کشیده و قلم مانی رقم او نقوش دیده افروز و رقوم جلا بخش بر صحیفهٔ

---

۱ محمد شاهی: بود ۲ در محمد شاهی ندارد، ۳ محمد شاهی: برابر او کسی نمی تواند نوشت، در سلک وزاری عظام حضرت خلد مکان است، ۴ محمد شاهی، خلف ۵ محمد شاهی: شاهزادگی ۶ محمد شاهی: خلد مکانی افتخار اندوخته ۷ محمد شاهی: و در همان عهد بخطاب جواهر رقم معزز گردیده، اصل: بمنظر فریب دیجای نظر فریب'

روزگار مثبت گردانیده، جادو رقمی که بخامهٔ سحرکار نگه ربای خوشنویسان دیده ور و نظر فریب دانایان هنرگستر است و آن سید حسب* هزاری[1] و خطاب خانی* و داروغگی کتابخانهٔ اعلیٰ سرافراز و بعنایت خدیو خدا آگاه امتیاز داشت، پدرش پیش ازو مرحله پیمای زندگی گردید و آخرهای عمر مرضی از نوع سودا[2] تا مدت یک سال بروطاری شد که بافراط خنده* بی اختیار از هوش میرفت تا[3] در زمانی که خطهٔ فیض بنیاد اورنگ آباد نزول موکب گیتی پیما رونق داشت جهت استعلاج بدار الخلافه شاهجهان آباد رخصت یافت*، این اشعار ازوست ـــه

نفسی[4] سوختهٔ فریاد خموشی دارم نالهٔ[5] در گرو سرمه فروشی دارم

[ـــه] عشقبازان تواز دل خون بدامان میکشند هرنفس برسینه طرح صدگریبان میکشند

در شب غم سوختم داغ سیه مستانهٔ کز سوادش سرمه در چشم غزالان میکشند

من نه آن برقم که خاشاکی زمن بیند زیان[6] خارها از آتشم بیهوده[7] دامان میکشند

[ـــه] خوش آنروزیکه شوقت میکشید از دیده طوفانها

جنونم سکهٔ بر زنجیر می زد در بیابانها

حاجی قاسم

شاگرد ملا فتح الله شیرازی خط نسخ را غایتاً باسلوب[8] متناهی [تناسبی؟] ا

---

[1] در محمد شاهی ندارد [2] محمد شاهی: خلعت امتیاز پوشیده در آخرهای عمر سودا زده بخندهٔ

[3] محمد شاهی: سنه بیست و هفتم جلوس عالمگیری بعالم بقا شتافت [4] محمد شاهی: نفسم،

[5] محمد شاهی: ناله ام [6] اصل: بیدود، تصحیح از روی محمد شاهی [7] محمد شاهی: نوشته،

مینویسد* در[1] عہد بادشاہزادگی بادشاہ خدا آگاہ تعلیم این خط (ورق ۵۰۲) ازو گرفتہ ورق ۵
اند' پسرانش میرزا محمد و عبداللہ خط نسخ را از پدر کسب نمودہ برتبہ رسانیدہ اند و
منظور نظر تربیت حضرت خلیفہ الٰہی اند*'

حاجی عبداللہ

ثلث و رقاع خوب مینویسد[2] خصوصاً در نسخ طور[3] یاقوت را بجائی رسانیدہ
کہ مسلم الثبوت است و در جلد نویسی طی قلم دارد چنانچہ* یک مرتبہ در[4] خدمت*
بادشاہزادہ' والاگہر ستودہ شیم محمد معظم از لاہور عازم[5] شاہجہان آباد بود در پانزدہ
روز عرض راہ* قرآنی بغایت خوب نوشتہ از نظر عالی گذرانید'

سعید[6] امر[7]د

درویش مشرب است' نسخ را خوب می نویسد* شاگرد کسی نیست در عراق
و ماوراء النہر بخوشنویسی شہرت[8] داشت' بہندوستان جنت نشان آمدہ در اوایل
جلوس میمنت مانوس بہ بندگی سرافراز اند* بنوشتن مصاحف و کتب مامور[9] بود
اکنون گوشہ' عزلت گرفتہ در طلا نویسی ید بیضا دارد*'

---

[1] در محمد شاہی ندارد [2] محمد شاہی : می نوشت [3] محمد شاہی : طرفہ جلد نویسی داشت'

[4] محمد شاہی : بنابر ملازمت [5] محمد شاہی : بشاہجہان آباد معزوم گشتہ در عرصہ پانزدہ روز'

[6] محمد شاہی : امر [7] محمد شاہی : نسخ نویس [8] محمد شاہی : مشہور' در ہندوستان آمد'

[9] محمد شاہی : ملازم درگاہ گشتہ عزلت گزیدہ در طلا نویسی یکتا شدہ' عہ بظاہر وی محمد سعید انصاری
است رک بہ ۲۹ نمبرہ ۹۲'

میر محمد باقر[عہ۵]

ولد میرزین العابدین از مردم ایران دیار، جوانی[۱] مستعد خردیا و راست و بی مبالغه در خط نستعلیق همسر ندارد، بیاضی موسوم بگلشن فطرت و دیگر سفاین ترتیب[عہ۶] داده جامع این صحیفه بدیعه اکثر بخط آن هنرور است، باید دید که چگونه نهال کمال را دران گلشن نگه فریب نشانده و چسان شاهد هنر را دران انجمن سراپا زیب بر صدر دلبری جا داده،

حاجی محمد اسمٰعیل

جوان مسعد و خطوط نسخ و تعلیق بر تبه میتویسد، توفیق حج دریافته و وضع صلاح و شکستگی حال اصلاح و درستی بخش مآل او گردیده، در زمرهٔ بندگان درگاه کیوان بارگاه انتظام دارد، و با راقم این نامه اقبال اخلاص مند، طبعش* بر شعر گفتن نیز مایل است[۲]، و این چند بیت از واردات قریحت آن غافل تخلص آگاه دل است* ؎

مایهٔ عیش دو عالم دل پُر درد و بس است
وز بد و نیک جهان یک نفس سرد و بس است
از نشان قدم عشق جبیـ[۳]ـین باز نگیر*
آبروی رخ آئینه دلان گرد و بس است

---

[۱] محمد شاہی: در خط نستعلیق نادره کار است و طبعش، (ظاہر است که ترجمه محمد باقر اینجا به ترجمه حاجی محمد اسمعیل مخلوط شده) [۲] محمد شاہی: آگاه دل تخلص داشت، (کہ غلط ہے) اصل میں "و ربحت" بجای قریحت، [۳] اصل: چینن باز بگیر، محمد شاہی: چینن آتش گیر (تصحیح قیاسی ہے)

عہ۵ بیاضی مرتبہ بختاور خان، در موزۂ دہلی موجود است که بظاہر بعد تالیف مرآة العالم مرتب شده رک به ۲۹ ص ۱۱، عہ۶ بظاہر در ۲۹ کمرہ ۷، ۴۸ راوی نوشته است،

[سـ۵] غم رفیق (و) درد یار و مایہ سودای جنون
غافل شوریدہ سر را خوش بسامان یافتم[۱]

---

[۱] اس کے بعد محمد شاہی میں زیادت ذیل ہے:

کمالات دستگاہ کرامت نشان عزیزخان

اگرچہ در ذات خود افغان اند لیکن در صفات خوارق و عادات [صفات خوارق عادات] از شیخ و سادات سبقت بردہ اند در عین شباب قدمت درویشان راسعادت عظمی پنداشتند بطاعات و عبادات و تلاوت قران و صیام ماہ رمضان مشغوف می بودند، و دران حالت چون جذبہ شوق رسید زاری و بیقراری بعمل آمدی، درین ایام حیرت انجام عصمت قباب اہلیہ ایشان نقاب مغفرت بر روکشیدہ و فرزند چون گوہر یکتا بدرجک خاک آرمیدہ، ازان باز بتاہل نہ پرداختہ بشادمانی جاودانی بسر بردند، این فقیر حقیر راقم این اوراق کبیر (کذا) در عہد حضرت خلد مکان یازدہ سال بخدمت ایشان استفادہ نمودہ و تا امروز کہ بیست و ششم حضرت شاہنشاہی ظل الہی محمد شاہی و یک ہزار و یک صد و پنجاہ و شش ہجری است مصاحبت ارباب دول اختیار نکردہ بہ تربیت صبیان غربا و کاسبان مشغول اند، باوجود کبر سن نستعلیق نہایت خوب و زیبا می نویسند ابیات

خطی چو عـــذار ماہ رویان مرغوب تر از جمال خوبان
خطی چو سواد قــرۃ العین ہم روشن در سواد کونین
چون سبزۂ نو خطان زیبا بر صفحۂ سیمگون ہویدا
یک خط و ہزار حسن معنی پر نور نگار جــاودانی

فائت حواشی

ص ۱۷ س آخر، استاد تا، رک بہ ۲۹ نمبر ۵ ۲۲؛ ص ۲۹ س ۱۲، خواجہ عبدالحی رک بہ ۲۹ نمبر ۹۰ کہ احتمال دارد بخط او ست، ص ۳۶ س ۱، در بعضی از مولفات الخ، رک بہ حبیب السیر ۲ : ۳ : ۵۷ ببعد، کہ صاحب مرآۃ العالم غالباً از وی این عبارات را نقل کردہ است،

تکملہ

(۱) اقتباس از خلاصۃ المکاتیب

مصنفہ منشی المناشی سجان رای بھنڈاری بٹالوی

سجان رائے نے خلاصۃ التواریخ سنہ ۴۰ جلوس عالمگیری مطابق ۱۱۰۷ھ میں مرتب کی پھر سنہ ۴۲ عالمگیری مطابق ۱۱۰۹ھ میں خلاصۃ المکاتیب تیار کی۔ دونوں کتابوں میں اسنے اپنا نام نہیں لکھا۔ مگر دونو کتابوں کی عبارتیں جابجا مشترک[۲] ہیں اور دونو کے شروع میں وہ کہتا ہے کہ ملازمت صاحبان دولت اقبال اور ناظمان ملک و مال کی منشی گری میں اسکی عمر گذری' خلاصۃ المکاتیب کے دیباچہ میں اسنے لکھا ہے کہ اس کے لڑکے رائے سنگھ نے اس سے تقاضا کیا کہ وہ ایک انشا ترتیب دے - مگر وہ پہلو تہی کرتا رہا تا آنکہ اپنے دوست مولانا امان اللہ ساکن قصبہ سوہدرہ کے اصرار سے وہ مجبور ہوگیا اور یہ مجموعہ اسنے فراہم کردیا۔ اس کتاب کی ابتدائی فصلوں میں سے ایک کا عنوان ہے " دربیان تعریف خط" اس میں وہ ذیل کے معلومات کا افادہ کرتا ہے :

دربیان تعریف خط

. . . .

(۱۰۱) اگرچہ خطوط بسیار از نسخ و تعلیق و نستعلیق و عبری و قبطی و . . . وغیر ذلک

---

[۱] نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی تحریر ۱۲۳۸ھ
خلاصۃ المکاتیب خطی
ورق ۳، ۴، ۲۲، ۶۳، ۹۴، ۱۰۷

[۲] مثلاً دیکھو مقامات ذیل علی الترتیب
خلاصۃ التواریخ مطبوعہ
ص ۹، ۹، ۱۰، ۱۱، ۴۵۴، ۲۰۶، بعد و ۲۲۹ ببعد

است کہ دانشوران والافطرت اختراع کردہ اند اما برای کتب عربی خط نسخ و برای کتب
فارسی و مکاتیب خط تعلیق زیادہ بکار می برند چنانچہ در ہندوستان نیز در بدایت
حال خط تعلیق رواج داشت بعد ازان خط نستعلیق رائج گشت چنانچہ اکثر کتب
برین خط کہ از ولایت توران و ایران آوردہ اند بنظر در آمد' بہندوستان در زمان
خلافت حضرت جلال الدین محمد اکبر بادشاہ خط نستعلیق رائج گشت کہ تا حال فرامین
مطالعہ و کتب بہمین خط می نویسند بعد ازان خوشنویسان فیض گستر و منشیان دانشور
از خط تعلیق و نستعلیق خط آمیزکہ آن را شکستہ ہم نامند استخراج کردند و در عہد
خلافت حضرت صاحب قران ثانی ابو المظفر شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ غازی
رواج یافت علی الخصوص در زمان وزارت علامی فہامی سعد اللہ خان بمکتوب
نگاری بیشتر رائج گشت این نوع خط را چندر بھان[1] برہمن منشی شاہجہانی و
محمد[2] جعفر المخاطب بکفایت خان دیوان تن عالمگیری و شیخ احمد سہرندی بکمال
رسانیدند و دولت مندان (و) سایر الناس و منشیان روشن قیاس آن را بکار
می برند و از بس کہ روشن و واضح است ا بسہولیت و آسانی بی تشویش و تکلیف
خواندہ می شود الحق خوشنویسان روشن قلم و زیبا نگاران عالی فہم بدایع صنایع بکار
بردہ چہرہ آرای این خط دلاویز و صورت پیرای این رقم فرحت انگیز شدہ اند'

---

[1] رک بہ تذکرۂ خوشنویسان ص ۵۵ [2] ایضاً ص ۱۰۵ و ۱۰۳'

(ب) از مرآة الاصطلاح

معنّفہ رای رایان انند رام مخلص (م- ۱۱۶۴)

معنّف کا حال فہرست ریو ص ۹۹۶ پر ملاحظہ ہو، مرآة ۱۱۵۸ھ میں مکمل ہوئی اسمیں بعض مصطلحات بترتیب تہجی مع تشریح مرتب کیگئی ہیں۔ ہر حرف کے آخر میں ضرب المثلیں بھی دی گئی ہیں، اس دلچسپ کتاب کا مفصل حال ہم کسی دوسری فرصت پر اٹھا رکھتے ہیں - اور سردست اس میں سے خط کے متعلق چند باتیں درج ذیل کرتے ہیں:

(۳۳ ب) **بستۂ نیشکر** ....

(۳۴ ا) **لطیفہ** بعضی خوشنویسان بقلم نیشکر جلی نوشتہ اند چنانچہ روزی شیخ سعداللہ دیوان تن کہ در خوشنویسی دعوی بلندی دارد و باعتقاد جمہور موافق قاعدہ کہ نزدیک اساتذہ این فن مقرراست حرفی نمی نگارد قطعہ چند از نظر نواب صاحب وزیرالممالک اعتمادالدولہ چین بہادر نصرت جنگ گذرانیدہ گذارش نمود کہ بقلم نیشکر نوشتہ ام گفتم ازینجاست کہ خط ایشان شیرینی دارد، چون سخن از سخن می خیزد لہذا قلم پریشان رقم رنگ تحریر ماجرای دیگری ریزد،

(احوال شیخ ہدایت اللہ خوشنویس عبدالصمد خانی

مشیخت پناہ ہدایت اللہ کہ پیش ازین مدتی ممتد در فرقہ خوشنویسان در سرکار نواب صاحب سیف الدولہ عبدالصمد خان بہادر دلیر جنگ مغفور و مبرور بامتیاز ملازم بود از چندی بحسب قسمت بشاہجہان آباد رسیدہ با راقم حروف آشنا گردیدہ جوان دلچسپی

---

۱ ظاہرا ویست ہدایت اللہ لاہوری کہ ذکرش در تذکرۂ خوشنویسان ص ۱۵۹ آمدہ است و او غیر ہدایت اللہ زرین قلم است کہ در ۱۱۱۸ وفات کرد،

است خالی از آدمیت و غربت نیست، خط نستعلیق خوب می نویسد، مشقش سرمشق لطف محبوبان است و قطعه اش قطعهٔ بهشت چون خط خوبان، چنانچه چند ورقی که بخطش در مرقع دارم گواه این دعوی و شاهد این معنی است، سحری دیگر بر روی کار می آرد که اگر جلی است و اگر خفی در کمال نازکیش برنگ نقاشان بقلم بی شگاف می نگارد ع

تماشا مفت دیدن قدرت او رنگها دارد

(۸۲ب) **خط دیوانی** عبارت است از خط شکسته که اهل دفاتر ایران می نویسد و آن پیچدار می باشد تا دیگری بآن وضع نتواند نوشت، میرزا وحید گوید ؎

زپیچ و تاب نگر وصف خط جانان را
درین بیاض نوشتم بخط دیوانی ......

(۸۳و) **خط شکسته** نوعی است از خط نوشتن که پیچدار باشد، مرزا صایب علیه الرحمة گفته

؎ مرا ز تجربه کاران نصیحتی یاد است که توبه نامه بخط شکسته می باید

مذکور خط شکسته

اقسام خط شکسته بسیار است در هندوستان **کفایت خان** و **اشرف[1] خان** این خط را خوب نوشتند چنانچه قطعه های ایشان سرمشق اهل این فن است و حالا که سنه هجری یک هزار و یک صد و پنجاه و هفتم است **مرید[2] خان** خوب می نویسد و خانصاحب **عبد المجید خان** که دیوان تن و از قدیم مهربان بر احوال راقم حروف اند نیز شوق باین خط دارند و خوب می نویسند قطعهای نوشته این هردو بزرگ در مرقع فقیر است،

---

[1] رک بہ ص ۱۱، بظاہر اعتماد خان مراد ہے، دیکھو ص ۶۰، [2] رک برای شرح احوالش بہ تذکرۂ خوشنویسان ص ۱۰۷ و ۲۹ نمرہ ۱۰۰،

فہرست اعلام خطاطان

اس فہرست میں عموماً انہی خطاطوں کے نام دئے گئے ہیں - جو اقتباسات میں مذکور ہیں :

خطاطی کے نمونوں کی تشریح

ذیل کے خطاطوں کی تحریر کے نمونے اس رسالہ میں شایع کئے گئے ہیں :

۱- **میر علی تبریزی** (دیکھو اقتباس از مرآۃ العالم ص ۴۸) خواجو کی تین مثنویاں ہمای وہمایون - کمال نامہ اور روضۃ الانوار" میر علی بن الیاس التبریزی الباورچی کی یکجا لکھی ہوئی برٹش میوزیم میں موجود ہیں - انکو میر علی نے ۷۹۸ میں لکھا - دیکھو فہرست ریو ص ۶۲۰ ' کمال نامہ کے آخری صفحہ کا عکس یہاں دیاجاتا ہے ' روضۃ الانوار کے پہلے صفحہ پر اسنے لکھا ہے کہ یہ کتاب " کتب خانہ شہریار ابوالفتح بہرام جم اقتدار " کے لئے لکھی گئی - مشہور یہ ہے کہ میر علی تبریزی موجد نستعلیق ہے '

تقطیع اصل : $12\frac{3}{4}'' \times 9\frac{1}{2}''$ '

۲(و ب) **سلطان محمد نور** (دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص ۴۲)

یہ سبحۃ الابرار جامی کے آخری اور ایک درمیانی صفحہ کا عکس ہے' سلطان محمد نور نے اس نسخہ کو ۹۲۹ میں تمام کیا ' اصل کی تقطیع $7\frac{1}{2}'' \times 4\frac{3}{4}''$

۳ - **اختیار منشی** (دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص ۴۶)

اس وصلی پر عبارت ذیل لکھی ہے :

سطر ۱ - للہ الحمد و المنہ کہ اشجار معدلت از رشحات سحاب احسان و افاضت طراوت یافتہ

سطر ۲ - و نہال گلزار نصفت از قطرات مطرات مکرمت نضارت پذیرفتہ سکنۂ آن در [دزد؟]

ولایت درمہاد امن و امان آرامش دیدند (مشکوک)

سطر ۳ - و متوطنان آن دیار در ظلال عدل و مرحمت باسایش میگذرانند [ــہ]

سطر ۴ - آرام یافت در حرم امن وحش وطیر

و آسودہ گشت در کنف عدل انس وجان

سطر ۵ - و ارباب و اعیان و مقیمان و متوطنان آن ملک اقامت مراسم طاعت وادامت....

سطر ۶ - مشق بندہ فقیر حقیر

سطر ۷ - اختیار منشی

تقطیع اصل $7'' \times 4\frac{1}{2}''$

۴ - **میر علی ہروی** (دیکھو اقتباس خط و سواد کا دیباچہ ص ۶ بعدہ اقتباس مرآۃ العالم ص ۴۷

اس وصلی پر لکھا ہے : المذنب میر علی در بلدہ هراۃ تحریر نمود ' تقطیع اصل : $9'' \times 4\frac{1}{2}''$

(۵ و ب) **میر علی** اور **حافظ نور اللہ** میرے نزدیک نمبر ۵ الف میر علی کاتب الہروی ہی کی تحریر ہے جیسا

اسکے اور نمبر ۴ کے مقابلہ سے معلوم ہوگا - حافظ نور اللہ کی تحریر اس وصلی کی پشت پر ہے - متاخرین اکثر متقدمین کی وصلیوں کی پشت پر اپنی تحریر سند اور اعتراف تلمذ کے طور پر لکھ دیتے تھے (مثلاً دیکھو نمبر ۱۱ و ب)
حافظ نور اللہ کا حال دیکھو تذکرہ خوشنویسان ص ۶۴ پر ' یہ بارھویں صدی کے آخر کا کاتب ہے '

تقطیع اصل ۵ ا : ۷ ½ " × ۴ ½ "
" " ۵ ب : ۸ ½ " × ۴ "

۶- **بایزید دوری** (دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص ۴۹)
یہ امیر خسرو کی مثنوی دول رانی خضر خان کا آخری صفحہ ہے جس پر "**سلطان بایزید بن میر نظام مشہور بدوری**" کے دستخط ہیں - یہ نسخہ جو میر بایزید نے ۹۷۶ھ میں لکھا ایک زمانہ میں اکبر کی ایک بیگم سلیمہ سلطان بیگم کے کتاب خانہ میں تھا ' پھر شاہجہان کے کتاب خانہ میں رہا ' اب ریاست کپور تھلہ کے سرکاری کتاب خانہ میں ہے (دیکھو رویداد اجلاس ہشتم انڈین ہسٹاریکل ریکارڈز کمیشن منعقدہ ۱۹۲۵ء ص ۴۶)

تقطیع اصل : ½ " × ۴ "

۷و ۸- **عماد الحسنی و میر عماد** دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص ۵۱) ' برٹش میوزیم میں اسکی ایک وصلی ہے جو ۱۰۰۰ھ میں لکھی گئی اور جسپر بظاہر "محمد عماد الحسینی" لکھا ہے
دیکھو فہرست ریو ۷۸۳ ا - نمبر ۸ پر فقط "عذر خواہ عماد لکھا ہے '

تقطیع اصل نمبر ۷ ½ ۸ " × ½ ۳ " و نمبر ۸ ۱۰ " × ۵ " '

۹- **محمد مراد الکشمیری** (دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص ۵۶)
تقطیع ½ ۷ " × ½ ۳ "

۱۰- **جواہر رقم** یعنی میر سید علی خان الحسینی تبریزی بن آقا مقیم (رک به اقتباس مرآۃ العالم ص ۶۱ و تذکرہ خوشنویسان ص ۵۶ و فہرست ریو ص ۷۸۳ '

تقطیع اصل ¾ ۶ " × ⅛ ۲ " '

(۱۱ ا و ب) **ملا عبد الرشید** (دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص ۵۹)
یہ میر عماد کا بھانجا اور شاگرد شاہجہان کے زمانہ میں ہندوستان آیا - اور ۱۰۸۱ میں فوت ہوا ' یہ قطعہ اسنے ۱۰۶۴ (آخر عہد شاہجہان) میں اکبرآباد میں لکھا '
اس وصلی کی پشت پر اعجاز رقم خان کی تحریر ہے ' اسکا حال دیکھو تذکرۂ خوشنویسان ص ۶۲ پر '
صاحب تذکرۂ مذکور نے لکھا ہے: "اکثر نوشتہ آقا عبد الرشید قطعہ و مشق در سرکار او (یعنی اعجاز رقم خان) بنظر آمدہ '

تقطیع اصل ۱۱ ا ½ ۹ " × ۴ "
" " ۱۱ ب ⅛ ۸ " × ⅜ ۴ "

دیدم آنها که دیدم از نظرش — چیدم آنها که چیدم از گذرش
غرقه‌ام در لجه‌ام تا قعر وجود — [illegible] یک خشتم نبود

چون بگفتم کمال حد من دید — خار رشکم ز دامنم برچید
نام نظم کمال نامه نهاد — روز کو تیشتم [illegible] کشاد

شد کیان و جهان دلم واصل — گشت [illegible] شد را حاصل
هر دو بر دو جسر [illegible] — [illegible] پس برد ای سپاه [illegible]

زال زر [illegible] از بهمن — [illegible] در زیر [illegible] خویشتن
بر کرسی که بوده تا آب — وز تف تیغ [illegible] سحاب

شد بتاراج خنده چار [illegible] — کار این نقش آذری [illegible] نگار
هیچ سورت بدین معانی نیست — [illegible] جان بدین روانی نیست

هرچه خواجو سخن شکر بخشی — [illegible] دری ربا نیم [illegible]
هر که آمد که این ورق بخواند — وین حکایت بدین نسق برخواند

آن سخن هر سخن دری دگر است — وین سخن از دفتری دگر است
تو چه دانی که این سخنها چیست — گر بدانی که آن سخن ور کیست

[illegible] گشتنی بیاد اند کس — [illegible] آن [illegible] اند و بس
مدعی گو بهر کس دعوی کم بر — پا بر در در قلم دعوی [illegible]

[illegible] فضیلت ماست — خرد سر طفل مکتب ماست
[illegible] راه [illegible] — وان [illegible] باز با راه حقیقت

[illegible] مقام بی غایت — دانش [illegible] علاف [illegible]
نکته روح کیدم از دل ما — [illegible] سر یک [illegible] حمل ما

[illegible] قدسی [illegible] این باغ — عقل علوی [illegible] این راغ
شمع توفیق را شبستان نیست — گل گلشن بگلستان نیست

[illegible] مرغ بال زنست — عندلیبی [illegible] چیست
چند گویم سخن که لایل شدم — [illegible] شکسته بال شدم

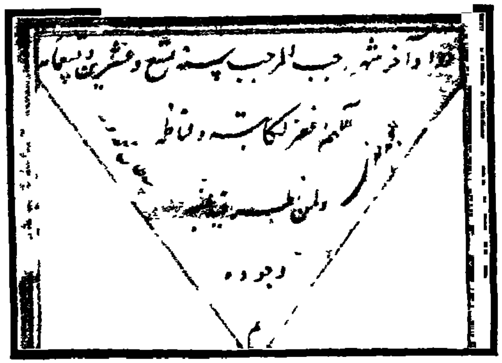
دلم از [illegible] گشت ملول — [illegible] عقل و فضل فضول
هر که این شاخ چند بتوان چید — [illegible] این باغ چند بتوان چید

[illegible] تا کنم چه ماست — جامه و نامه را در آتش و آب
[illegible] آمد ز دست هر دو جان — [illegible] و روی و آن یکی دو زن

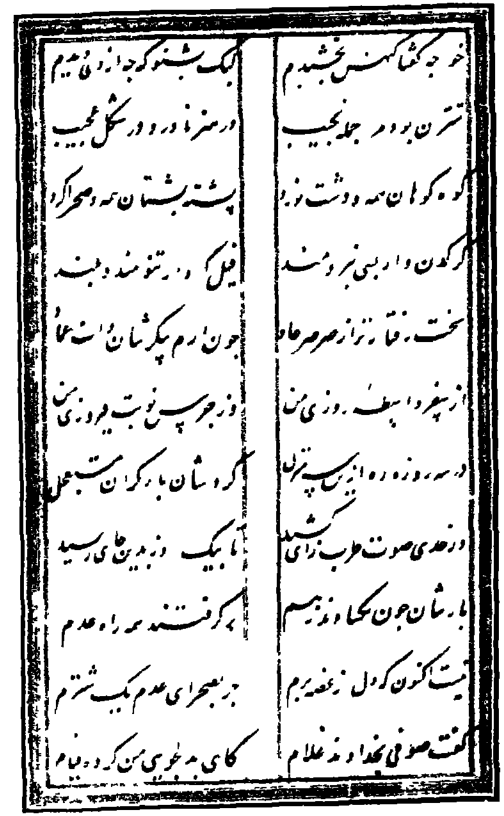
بقلم جستم جان چراندوزم
و آتش دل بنی چه افروزم

چون [illegible] سخن بحد کمال — در شکستم ورق ز بیم ملال
[illegible] از سر چه غیر حق دیدم — چون بمقطع رسید ببریدم

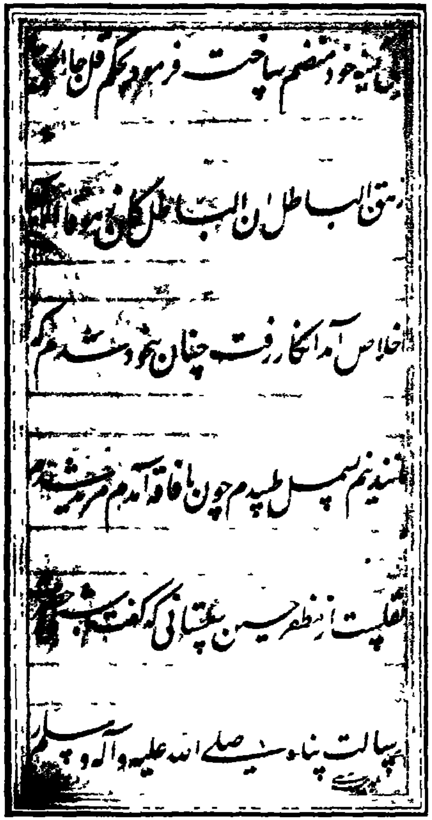
تم الکتاب الموسوم بکمال نامه من منظومات افضل المتأخرین کمال الدین محمود المشتهر بخواجو الکرمانی [illegible]
فی ثامن عشر من جمادی الاول سنه ثمان و تسعین و ثمنمایه الهجریة المبارکة علی ید العبد الضعیف [illegible]
الباوردی غفر الله ذنوبها و ستر عیوبها



2B



2A


بما نیه خود منضم ساخت فرمود بحکم قل جاء
الحق و زهق الباطل ان الباطل کان زهوقا
خلاص آمد انکار رفت چنان بخود شدم که
نشنیدم بسمل طپیدم چون بافاقه آمدم مرشد
نقلیست از مظفر حسین پنجتانی که گفت
رسالت پناه صلی الله علیه و آله و سلم

4



3



5A



5B

بس از من هنر کرد اندکی آید
بی اندوهی ز پس آنجا که باید

مرا این عمل نقش و پیدار
نکند اندر خرابهای بسیار

ز دین ما دیت تا کار روانم
مگر کرکس رباید استخوانم

ولی با این همه امیدوارم
که غافل نیست رهبر از شمارم

ز صالح ناقه گر تنگ زد فرسنگ
برآرد ناقه خود صالح از سنگ

بزی کو را بجست از پیش و از پس
عصای او را چوب شبان بس

شدم تسلیم مرا و اندر پیش
که من این دینارم رفت از خویش

بدو فضل خدایم کرد تسلیم
هم او صدق دیم بخشد بتعلیم

خداوندا بسویت ره نمایم
که با این رهنما سوی تو آیم

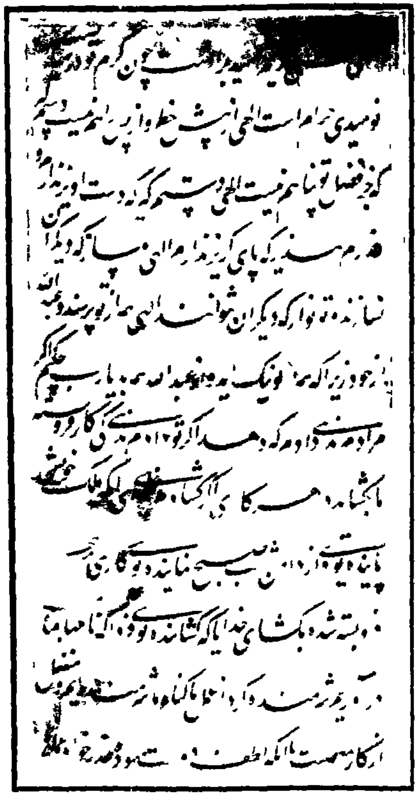
همه کس حاجت آرند پیش
چه حاجت من که گویم حاجت خویش

نمیخواهم ز تو بخشش چو هر کس
تو چیز دیگر چه می‌بخشی همان بس

الفقیر الحقیر المذنب سلطان بایزید
ابن میرزا نظام مشهور به دوری
[illegible]



7



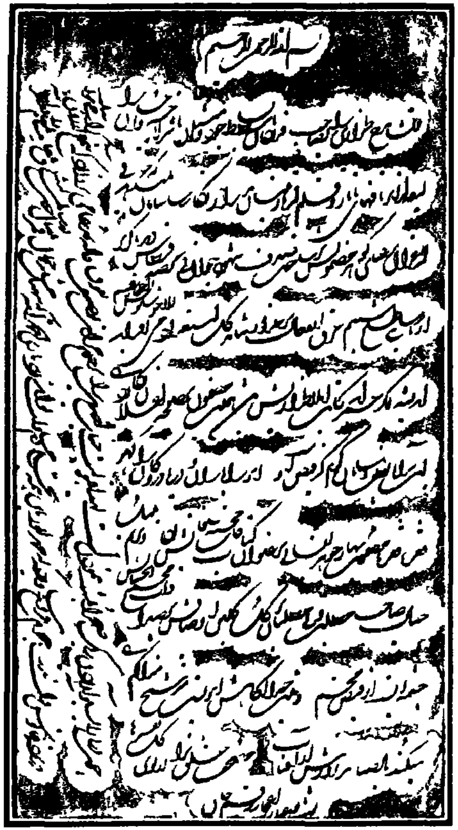
8



9



10



11B



11A